تک ملتِ اسلامیہ کی تیرہ سو سالہ مکمل تاریخ، ڈھائی ہزار سے زائد صفحات پر

تاریخِ ملت

تالیف

جناب مفتی زین العابدین سجاد میرٹھی جناب مفتی انتظام اللہ شہابی اکبر آبادی

جلدِ دوم

خلافتِ عباسیہ: اول
خلافتِ عباسیہ: دوم
تاریخِ مصر و مغرب اقصیٰ

ادارہ اسلامیات
لاہور — کراچی

تاریخِ ملّت

تاریخ عالم قبل از اسلام سے لے کر مغلیہ سلطنت کے آخری تاجدار بہادر شاہ ظفر تک ملتِ اسلامیہ کی تیرہ سو سالہ مکمل تاریخ، ڈھائی ہزار سے زائد صفحات پر افراد اور اقوام کے نشیب و فراز اور عروج و زوال کی داستانوں پر مشتمل مفید عام کتاب جو تاریخ اسلام کی بے شمار کتب سے بے نیاز کر دیتی ہے۔ سلیس زبان، عام فہم اور آسان طرز بیان۔ مدارس، سکولوں، کالجوں اور جامعات کے اساتذہ و طلباء کے لیے یکساں فائدہ مند۔ ایک ایسی منفرد تاریخ جس کا ہر اچھی لائبریری اور پڑھے لکھے گھرانے میں ہونا ضروری ہے

تالیف

جناب مفتی زین العابدین سجّاد میرٹھی ○ جناب مفتی انتظام اللہ شہابی اکبر آبادی

جلدِ دوم

⑤ خلافتِ عباسیہ: اول
⑥ خلافتِ عباسیہ: دوم
⑦ تاریخِ مصر و مغرب اقصیٰ

اِدارۂ اسلامیات ○ انارکلی لاہور



نام کتاب ———— تاریخ ملت (جلد دوم)

طباعت اوّل ———— مئی ۱۹۹۱ء

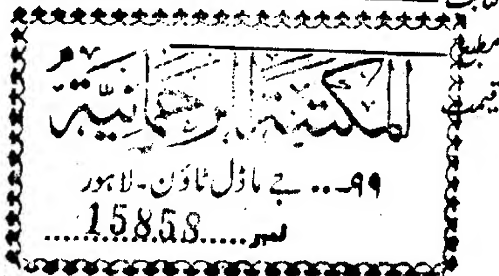
باہتمام ———— اشرف برادران سلمہم الرحمٰن

ناشر ———— ادارہ اسلامیات لاہور ۲

کتابت ———— مشتاق احمد جلالپوری

مطبع ————

قیمت ————



ادارہ اسلامیات

پبلشرز، بک سیلرز، ایکسپورٹرز

* دینا ناتھ مینشن، مال روڈ، لاہور فون ۳۲۴۴۱۲ / ۳۲۲۴۸۵ فیکس ۹۲-۴۲-۳۲۲۴۸۵

* ۱۹۰، انارکلی، لاہور، پاکستان فون ۷۳۵۳۲۵۵ - ۷۲۳۳۹۹۱

* موہن روڈ چوک اُردو بازار، کراچی فون ۲۶۲۲۴۰۱

ملنے کے پتے

ادارہ اسلامیات ۱۹۰۔ انارکلی لاہور ۲ فون ۶۲۲۵۳

دارالاشاعت اردو بازار کراچی ۱

ادارۃ المعارف دارالعلوم کورنگی کراچی ۱۴

مکتبہ دارالعلوم۔ کورنگی کراچی ۱۴

فہرست مضامین

(جلد دوم)



۵

خلافتِ عباسیہ

(حصۂ اوّل)

بنو عباسی خلفاء سفاح، منصور، مہدی، ہارون، امین، مامون، معتصم اور واثق کے سوانح حیات اور دورِ حکومت جامع و مستند حالات اور ان کے علمی، مذہبی اور تمدنی و اصلاحی کارناموں پر تبصرہ



ناشر
اِدارۂ اسلامیات - ۱۹۰ - اناس کلی لاہور ۲
فون :- ۶۳۲۲۵۳

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ط

دعوتِ بنی عباس رض

بعثتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے عرب کے قبیلوں میں جاہ و جلال کے اعتبار سے قبیلۂ قریش سب سے زیادہ ممتاز تھا اور قریش کے خاندانوں میں بنی ہاشم اور بنی اُمیہ دو برابر کے حریف تھے۔ تاہم مُلکی اقتدار میں بنو اُمیہ کو بنو ہاشم پر فوقیت حاصل تھی لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ورودِ مسعود نے نقشہ ہی پلٹ دیا۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ اور ان کے بعد حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے خلیفہ ہُوئے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں بنی امیہ کا ستارہ چمکا۔ امیر معاویہؓ اموی اور مروان بن حکم اموی کی مساعی و سیاست سے خلافتِ بنی امیہ عہدِ خلیفہ ہشام تک عظیم الشان درجہ تک پہنچ گئی۔

بنی ہاشم میں بنو فاطمہ علم و تقویٰ، جود و سخا اور احسان و شجاعت میں تمام اقران و اماثل پر برتری رکھتے تھے۔ انہوں نے خلافتِ راشدہ کے قدم بہ قدم چلنے والی حکومت قائم کرنا ہی اپنی زندگی کا مقصدِ وحید اور نصب العین قرار دیا۔ چنانچہ سب سے پہلے حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ میدانِ عمل میں آئے۔ مگر اہلِ کوفہ کی بدعہدی و غداری سے ان کو جامِ شہادت نوش کرنا پڑا۔ پھر اُن کے پوتے امام زید العابدینؒ کے فرزندِ گرامی حضرت زیدؒ مدعیِ خلافت ہُوئے اور کوفہ میں ایک جماعت نے اُن کی حمایت و نصرت کا علم بلند کیا۔ مگر یہ وہی لوگ تھے جن کے اجداد نے حضرت علی رضی اللہ عنہ اور امام حسین رضی اللہ عنہ کے ساتھ غداری کی تھی۔ حضرت زیدؒ کے دستِ مبارک پر پندرہ ہزار کوفیوں نے بیعت کی

مگر جب وقت آیا تو دو سو اٹھارہ افراد اُن کے ساتھ رہ گئے۔ حضرت زیدؓ نے اہلِ کوفہ سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا۔

"میں کتاب اللہ و سُنتِ رسول اللہ پر عمل کی دعوت لے کر کھڑا ہوا ہوں تمہیں میری مدد کرنی چاہیئے"

یوسف بن عمر جمعیتِ کثیر لے کر مقابل آیا۔ حضرت زیدؒ کی مختصر سی جماعت نے انتہائی پامردی اور جان نثاری سے مقابلہ کیا۔ لڑائی کے دوران میں حضرت زیدؒ کی پیشانی پر ایک پتھر لگا اور اس کا اثر اتنا مہلک ثابت ہوا کہ آپ جانبر نہ ہو سکے۔ شہادت کے بعد دفن کیے گئے۔ مگر یوسف نے آپ کی لاش قبر سے نکلوا کر سُولی پر آویزاں کر دی[1]

لیکن یہ ظلم و ستم بنو فاطمہ کے ہمت و استقلال کو کمزور کرنے کی بجائے اور بڑھاتا رہا۔ ادھر علمائے حق بھی ان کی اعانت کے لئے تیار رہتے تھے۔ چنانچہ حضرت امام اعظم ابو حنیفہ، نعمان بن ثابت رحمۃ اللہ علیہ بھی بنی امیہ کو منصبِ خلافت کا حق دار نہیں سمجھتے تھے اور آپ حضرت زید شہیدؒ کی نصرت کا فتویٰ دے چکے تھے۔

یزید بن عمرو بن ہبیرہ جو مروانِ الحمار کی طرف سے حاکم کوفہ تھا حضرت ابو حنیفہؒ کی رائے بابتِ خلافت اور ان کی جلالت و عظمت سے آگاہ تھا۔ اس نے حضرت امام اعظم سے انتقام لینے کا بہانہ تلاش کیا اور ایک موقع پا کر حضرت امام سے کہا۔

"میں آپ کو میر منشی اور افسر خزانہ بنانا چاہتا ہوں"

مگر حضرت امام نے انکار کر دیا۔ یزید نے حکم جاری کر دیا کہ ہر روز ان کے دس دُرّے لگائے جائیں۔ اس ظالمانہ حکم کی تعمیل ہوئی لیکن آپ اپنی رائے پر

---

[1] ابن اثیر جلد ۵ صد ۹۱

اٹل رہے۔ بالآخر مجبور ہو کر یزید نے اپنا حکم واپس لے لیا۔

بنو فاطمہ کے دعویٰ خلافت کے ساتھ ساتھ آل عباسؓ کو بھی خلافت سے دلچسپی پیدا ہونے لگی۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ اور اُن کے صاحبزادے علی کو بھی اس کا خیال نہ آیا۔ لیکن ان کے فرزند محمد کو ابو ہاشم کی تحریک کے باعث مسئلہ خلافت سے لگاؤ پیدا ہو گیا۔[1]

اِمامت

شیعانِ علیؓ نے امامت کا شاخسانہ کھڑا کر دیا تھا۔ انہوں نے حضرت علیؓ کی اولاد میں پہلے حضرت امام زین العابدینؒ کو امام بنایا۔ پھر کچھ لوگوں نے حضرت زیدؒ کو اور بعض نے حضرت محمد باقرؒ کو منصبِ امامت پر فائز کیا۔ شیعوں نے حضرت امام زین العابدینؒ کو بھی اپنا آلۂ کار بنانا چاہا۔ مگر وہ زہد و تقویٰ کے پیکرِ مجسّم تھے اور ان کی غداریوں کا نقشہ کوفہ میں دیکھ چکے تھے اس لئے اُن کے جال میں نہ پھنسے۔ پھر ان لوگوں نے محمد بن حنیفیہ بن علی کرم اللہ وجہہ کو امام مقرر کیا۔ مختار ثقفی نے ان کی امامت سے اپنا اقتدار قائم کرنے میں بہت مدد لی۔ حضرت محمد بن حنیفیہؒ نے عبدالملک کے ہاتھ پر بیعت کر لی۔ لیکن لُطف یہ ہے کہ شیعہ ان ہی کو اپنا امام تسلیم کرتے رہے۔

اُن کے وصال کے بعد اُن کے صاحبزادے ابو ہاشم عبداللہؓ جانشین ہوئے۔ مگر سلیمان بن عبدالملک کے عُمّال ان کے درپے آزار ہوئے اور انہیں دمشق چھوڑنا پڑا۔ آخر دشمنوں نے اُنہیں زہر دے دیا۔ وفات کے وقت علی بن عبداللہ ابن عباسؓ کے پاس حمیمہ میں مقیم تھے۔ ان کے کوئی اولاد نہ تھی اور نہ بنی ہاشم میں

---

[1] آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عباس کو مخاطب کر کے فرمایا تھا فیکم النبوۃ والمملکۃ یعنی تم میں نبوت اور بادشاہت دونوں ہیں (رواہ ابو نعیم عن ابی ہریرۃ خصائص کبریٰ جلد ۲ صفحہ ۱۱۸) بزار کے یہاں بھی یہی روایت منقول ہے لیکن علامہ جلال الدین سیوطی نے لکھا ہے کہ اس حدیث کے راویوں میں عامری ضعیف ہے۔ تاریخ الخلفاء صفحہ

خلافت کے لئے کوئی موزوں شخص نظر آیا۔ اس لئے انہوں نے اپنا جانشین محمد بن علی کو مقرر کیا۔

محمد بن حنفیہ کے متبعین عراق و خراسان میں بہ کثرت تھے۔ چنانچہ ان سب نے بر بنائے وصیت محمد بن علی کو اپنا امام تسلیم کرتے ہوئے اُن کے ہاتھ پر بیعت کر لی۔ اس طرح منصبِ امامت علویین سے عباسیین کے خاندان میں منتقل ہو گیا۔

امام ابو ابراہیم محمد عباسی

نام و نسب نام محمد کنیت ابو ابراہیم بن علی سجاد بن عبداللہ بن عباس ابن عبدالمطلب بن ہاشم۔ محافظ کعبہ۔

خاندانی حالات حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے صاحبزادے "علی سجادؒ" اجلۂ تابعین میں سے تھے۔ سنہ ھ میں پیدا ہوئے۔ تعلیم و تربیت خاندان رسالت میں ہوئی۔ علم حدیث اپنے والد ماجد سے حاصل کیا۔

طبقاتِ ابن سعد میں ہے :-

کان ثقة قليل الحديث ۔

"اہل حدیث کی اصطلاح میں آپ ثقہ تھے مگر حدیثیں کم مروی ہیں۔"

صاحبِ وفیات الاعیان کہتے ہیں :-

علی بن عبداللہ کان سیداً شریفاً بلیغاً هو اصغر اولاد ابیه وکان اجمل القریش علی وجه الارض واوسمهم واکثرهم صلوٰة وکان یدعی السجاد [۱]

"امام علی بن عبداللہ سید شریف اور بلیغ تھے یہ حضرت ابن عباسؓ کے چھوٹے صاحبزادے تھے روئے زمین پر قریش میں سب سے زیادہ حسین اور ان سے زیادہ خوبصورت تھے اور بہت زیادہ نماز پڑھنے والے تھے اور لوگ ان کو سجاد کے لقب سے پکارتے تھے۔"

---

[۱] ابن خلکان جلد ۲ صد ۲۲۳ :-

حضرت علی سجاد کا کام پہلے حرم میں تھا۔ آپ کی ملکیت میں پانچ سو درخت زیتون کے تھے۔ ہر درخت کے نیچے آپ نے دو رکعت نفل پڑھی۔ زہد و اتقاء کے پیکر مجسم تھے۔ پھر اموی حکومت کی سخت گیری سے مجبور ہو کر حمیمہ میں آکر قیام کیا۔ علویین کے ساتھ اُن پر بھی ظلم ہوئے۔ کوڑے لگائے گئے۔ مگر صبر سے کام لیا۔ آخر تک حمیمہ میں ہی گوشہ گیر رہے ۱۱۹ھ ہجری میں وصال ہوا۔[1]

ابوابراہیم محمد کی سوانح حیات

ابوابراہیم ۶۲ھ میں پیدا ہوئے۔ آپ کی والدہ "عالیہ خاتون" حضرت عباس کی پوتی تھیں۔ تعلیم و تربیت ماں باپ کے آغوش میں پائی۔ علم حدیث اپنے باپ سے حاصل کیا۔ عالم متبحر تھے۔ علم تفسیر دادا سے ورثہ میں پایا۔

آپ شیعہ، عباسیہ، سبعیہ اور راوندیہ کے پانچویں امام تھے۔ اجلۂ تبع تابعین میں آپ کا شمار ہے۔

شرفائے عرب میں بہت حسین وجمیل، عالی دماغ، سیاستِ ملکی سے باخبر تھے اور علویوں اور فاطمہ سے سیاست میں بڑھے ہوئے تھے۔

جانشینی

امام عبداللہ ابو ہاشم علوی نے ابوابراہیم کو اپنا جانشین کیا۔ آپ نے امامت پر فائز ہوتے ہی دعوتِ بنی عباس کا آغاز فرمایا اور مختلف مقامات پر اپنے دعاۃ روانہ کئے۔

عراق کی طرف میسرہ کو بھیجا، محمد بن خنیس، ابوعکرمۃ السراج جن کو ابومحمد صادق بھی کہتے ہیں۔ حیان العطاء جو ابراہیم بن سلمہ کے ماموں تھے، ان سب کو خراسان بھیجا۔

یہ زمانہ خلیفہ عمر بن عبدالعزیزؒ کا تھا۔ ان کی طرف سے خراسان کا حاکم ان دنوں جراح بن عبداللہ حکمی تھا۔ امام نے دعاۃ کو روانہ کرتے وقت اُن کو یہ

---

[1] ابن خلکان جلد ۴ صفحہ ۲۳۳۔

ہدایت کی تھی۔

"میری اور میرے اہل بیت کی طرف لوگوں کو ترغیب دو اور عام طور پر اس امر کی طرف متوجہ کرو کہ امام میں ہی ہوں اور جو تمہاری دعوت قبول کر لیں ان کے دستخط بھی لے لینا۔"[1]

چنانچہ دعاۃ نے خراسان پہنچتے ہی خفیہ طور سے ہزار ہا نفوس کو اپنا ہم خیال بنا لیا اور امام کی بیعت کے ساتھ دستخط بھی لیتے گئے۔ یہ دستخطی تحریر خفیہ طور سے عراق، امام کے غلام "میسرہ" کے پاس روانہ کی گئی۔ اس نے یہ امام محمد بن علی کی خدمت میں بھیج دی۔

ابو محمد صادق مصاحب امام نے خراسانیوں کی بڑھتی ہوئی مقبولیت اور عام رجوع دیکھ کر امام محمد کو مشورہ دیا کہ جس قدر نقیب اب تک خراسان گئے ہیں وہ ناکافی ہیں بارہ نقیب اس علاقہ کے مختلف مقامات میں اور جانے چاہئیں۔ چنانچہ امام محمد نے یہ رائے پسند کی اور بارہ نقیبوں کا تقرر عمل میں آیا۔

سلیمان بن کثیر خزاعی، لاہز بن قریظہ تمیمی، قحطبہ بن شبیب طائی، موسیٰ ابن کعب تمیمی، خالد بن ابراہیم ابو داؤد (رکن قبیلہ بنی عمر بن شیبان) قاسم بن مجاشع تمیمی، عمران بن اسمٰعیل ابو النجم مولیٰ آل معیط، مالک ابن ہیثم خزاعی، طلحہ بن زریق خزاعی عمر بن اعین، ابو حمزہ مولا خزاعہ، شبل بن طہان ابو علی الہروی، موسیٰ بن خلیفہ، عیسےٰ بن اعین مولیٰ خزاعہ۔ ان نقباء کے علاوہ ستر آدمی ان کی معاونت کے لئے مقرر کئے گئے ان کا کام یہ بھی تھا کہ امام کی طرف سے لوگوں سے بیعتِ امامت بھی لیں۔[2]

۱۰۲ھ میں "میسرہ" نے عراق سے خراسان کو چند اور آدمی بھیجے اور ان کو دعوتِ آلِ محمد کی ہدایت کی۔ اس زمانے میں خراسان کا حاکم سعید نامی تھا۔ ایک تمیمی عمر بن بحیر بن ورقا سعدی نامی سعید کے پاس آیا اور اس نے یہ اطلاع دی کہ

---

[1] طبری جلد ۵ صفحہ ۱۳۶ [2] ایضاً صفحہ ۱۳۵

یہاں کچھ لوگ باہر سے آئے ہوئے ہیں اور خفیہ خفیہ حکومت کے خلاف لوگوں کو برانگیختہ کر رہے ہیں۔ سعید نے پتہ لگا کر نقباء کو بلوا بھیجا۔ دریافتِ حال کرنے پر ان لوگوں نے کہا۔ ہم تاجر ہیں اور بغرض کاروبار یہاں آئے ہوئے ہوں اور آپ ہمارے اس امر کی تصدیق سردارانِ قبیلہ ربیعہ سے کر لیں۔ ان کی بھی طلبی ہوئی۔ چنانچہ ان سرداروں نے حاکم سے کہہ سُن کر ان حضرات کو چھڑوا دیا۔

مگر یہ حضرات کا ہے کو خاموش بیٹھنے والے تھے۔ انہوں نے ہنگامی دَورہ کرنا شروع کیا۔ قصبات و دیہات کو اپنے قدموں سے روند ڈالا۔ ہزارہا خراسانی تھوڑے عرصہ میں ان کے ہمنوا بن گئے۔ غرض کہ دعوتِ بنی عباس کی تحریک دن بدن کامیاب ہو رہی تھی۔

ولادتِ ابوالعباس یزید بن عبدالملک کا زمانہ تھا۔ ۱۰۴ھ میں امام محمد کے مشکوئے معلیٰ میں ابوالعباس عبداللہ پیدا ہوئے۔

چند دن کے بعد ابومحمد صادق مع چند دعاۃ خراسان سے کامیابی و کامرانی کے بعد امام کی زیارت کے لئے حمیمہ آیا اور امام کی قدم بوسی کو درِ دولت پر حاضر ہوا۔ امام محمد نومولود ابوالعباس کو کپڑے میں لپیٹ کر محل سرا سے باہر آئے اور ان دعاۃ کو مخاطب کر کے فرمایا۔

"واللہ یہی وہ شخص ہے جس پر تمہارا دعوتِ آلِ محمد کا کام پورا ہوگا اور یہی تمہارے دشمنوں سے انتقام لے گا۔"

حاضرین نے امام کے کلمات سُن کر عبداللہ کے ہاتھ پاؤں کو بوسہ دیا اور قسمیں کھا کر کہا۔ بے شک ہم کو یقین ہے کہ یہ امام زادہ دشمنانِ اہلِ بیت سے ضرور بدلہ لے گا۔[1]

---

[1] طبری جلد ۸ ص ۱۶۸ [2] طبری جلد ۸ ص ۱۶۸ [3] واقعہ ۱۰۴ھ
[4] طبری جلد ۸ ص ۱۶۸

نقیبِ میسرہ کا انتقال ۱۰۵ھ میں نقیب میسرہ کا انتقال ہوگیا اور بُکیر بن ماہان کو جو امرائے عہد سے تھا ان کی جگہ دو "نقیب آلِ محمد" مقرر کیا گیا۔ یہ شخص عرصہ تک دولتِ بنی اُمیّہ کی طرف سے سندھ کا گورنر رہ چکا تھا۔ معزولی کے بعد کوفہ چلا آیا۔ یہاں ابوعکرمہ، مغیرہ، محمد بن خنیس سالم، ابو یحییٰ سے ملتا رہا۔

ان حضرات سے تعلقات قائم ہونے کے بعد دعوتِ بنی ہاشم کا بھی تذکرہ آگیا۔ یہ بنی امیہ سے پہلے سے ہی ناخوش تھے۔ بطیبِ خاطر دعوتِ بنی ہاشم میں شریک ہوگیا اور امام محمد کی خدمت میں پہنچ کر بیعت سے مشرف ہوا۔ امام نے اس کو "نقیبِ آلِ محمد" کا خطاب عطا فرمایا۔

بُکیر بن ماہان نے ۱۰۵ھ (عہدِ ہشام بن عبدالملک) میں ابوعکرمہ، ابو محمد صادق محمد بن خنیس عماری العبادی، ابن زیاد کو کوفہ سے خراسان بھیجا۔ امام اور بکیر خراسانیوں کے طبائع سے واقف تھے کہ وہ مصائبِ اہلِ بیت اور مظالمِ بنی اُمیّہ کی داستانیں دل سے سنتے اور سر دھنتے ہیں۔ چنانچہ وہ ان نقباء کی تقریروں سے اثر پذیر ہوکر دعوتِ بنی عباس میں دل وجان سے شریک ہوگئے۔ ابوعکرمہ، محمد بن خنیس نے اپنی کثیر جماعت دیکھ کر کھلے بندوں دعوتِ بنی ہاشم کی تبلیغ شروع کی۔ علانیہ دعوت سے خراسان میں جگہ جگہ اس کے چرچے ہونے لگے۔ اس زمانہ میں اسد بن عبداللہ خزاعی حاکم تھا۔ اس کو بھی اطلاع ہوئی۔ وہ گھبرا گیا اور اُس نے اپنے پیادوں کو بھیج کر ان حضرات کو پکڑ کر بلایا اور ان سے سخت گفتگو کی۔ یہ لوگ محبت اہلِ بیت میں سرشار، بے باکی سے حق گوئی کو کام میں لائے۔

اسد نے بلا کسی کے مشورہ کے ان بزرگوں کو تلوار کے گھاٹ اتارا اور لاشوں کو سولی پر چڑھا دیا۔ حسنِ اتفاق سے عمار عبادی بچ نکلے۔ انہوں نے کوفہ پہنچ کر

---

[1] طبری جلد ۸ صفحہ ۱۸۸

بکیر کو ان واقعات کی اطلاع دی۔ بکیر نے تمام تفصیلی حالات امام محمد کی خدمت میں لکھ بھیجے۔ امام نے فرمایا :۔

الحمد للہ الذی صدق دعوتکم ومقالتکم وقد بقیت منکم قتلی ستقتل "۔ [1]	"تمام تعریف خدا کے لئے ہے جس نے تمہاری دعوت اور تمہارے قولوں کو سچا کر دیا ابھی تم میں اور لوگ باقی ہیں جو قتل کئے جائیں گے"۔

سنہ ۱۰۸ھ "بکیر بن ماہان" نے عمار بن عبادی کی سرکردگی میں ایک جماعت پھر خراسان روانہ کی۔ حاکم خراسان کو خبر لگ گئی۔ اُس نے عمار کو بلایا اور ان کے ہاتھ پیر کاٹ ڈالے اور اُن کے ساتھیوں کو قتل کرا دیا۔ اس کا اثر یہ ہوا کہ دعوتِ بنی ہاشم کو اور ترقی ہونے لگی اور خراسانیوں میں بنی امیہ سے نفرت اور بنی عباس سے حسنِ عقیدت بڑھنے لگی۔ بکیر بن ماہان نے اس واقعہ کی بھی اطلاع امام محمد کو بھیج دی۔ امام نے یہ سُن کر ارشاد فرمایا :۔

الحمد للہ الذی صدق دعوتکم ونجی شیعتکم۔ [2]	"تمام تعریفیں اللہ کے لئے ہیں جس نے تمہاری دعوت اور تمہارے قولوں کو سچا کر دیا اور تمہارے شیعوں کو نجات دی"۔

سنہ ۱۰۹ھ میں امام محمد نے دعوتِ بنی عباس کی کامیابی دیکھتے ہوئے اپنے معتبر داعی زیاد کو خراسان بھیجا اور ہدایت کی کہ قبیلہ یمن میں ٹھہرنا اور قبیلۂ مُضر کے ساتھ نرمی اور محبت سے پیش آنا۔ قبیلۂ ابر میں غالب نامی ایک شخص ہے اس سے تعلقات نہ رکھنا۔ کیونکہ وہ آلِ ابی طالب کا طرفدار ہے۔ حرب بن عثمان، مولیٰ بن قیس بنی ثعلبہ بلخی بھی پہنچا۔ زیاد نے "مرو" میں قیام کیا۔ یحییٰ بن عقیل خزاعی، ابراہیم بن الخطاب عدری زیاد سے آکر ملے۔ زیاد نے ان میں سرگرمیٔ عمل کی روح پھونک دی۔ نقباء نے مضافاتِ خراسان میں جا کر آلِ عباس کی فضیلت

---

[1] طبری جلد ۸ ص ۱۸۰ [2] ابن اثیر جلد ۵ ص ۵۳

اور بنو مروان کے ظلم وتشدد کی حالت بیان کرنی شروع کی۔ لوگ جوق در جوق دعوتِ بنی عباس کے ہمنوا ہو گئے۔ ان کی مساعی کو دیکھ کر غالب بھی اُن سے آکر ملا اور آلِ ابی طالب کے فضائل بیان کرنے لگا۔ مگر ان لوگوں نے توجہ سے نہ سُنا تو وہ کبیدہ خاطر ہو کر ان نقباء سے الگ ہو گیا۔ دولت بنی امیہ کی طرف سے حسن بن شیخ مالگذاری وصول کرنے "مرو" آیا۔ اس کو اس جماعت کے حالات معلوم ہوئے۔ اس نے اسد حاکم خراسان کو اطلاع کر دی کہ یہ دیکھ رہا ہوں کہ "مرو" میں ایک جماعت حکومت کے خلاف سرگرم سعی ہے۔

اسد نے زیاد کو بلایا اور اس کو حکم دیا کہ اپنے ہم خیالوں کو لے کر خراسان کے علاقہ سے نکل جاؤ۔ ورنہ تم کو بھی قتل کرا دیا جائے گا۔ یہ لوگ کچھ دن کے لئے وہاں سے چلے گئے اور شوقِ دعوت میں پھر لوٹ آئے اور وعظ وتلقین میں لگ گئے۔ حسن بن شیخ بنی امیہ کا وفادار تھا۔ اُس نے اسد کو اطلاع کر دی۔ اسد نے ان کو پھر بُلایا اور کہا کہ میں نے تم کو حکم دیا تھا کہ تم خراسان سے چلے جاؤ اور یہاں نہ ٹھہرو، تم پھر چلے آئے۔ زیاد نے جواب دیا مجھ سے آپ کو کچھ اندیشہ نہ کرنا چاہیئے میں حق کی تبلیغ واشاعت کر رہا ہوں۔

اسد نے یہ سُنکر فوراً اُس کے قتل کا حکم دے دیا۔ زیاد کے ساتھی ابو موسیٰ نے اس موقع پر کہا :-

فاقض ما انت قاضٍ ۔ "جو تمہارا جی چاہے حکم کرو۔"

اسد یہ سُن کر کہنے لگا تو نے مجھے فرعون ٹھہرایا۔ ابو موسیٰ نے کہا میں نے کیا ٹھہرایا خدا نے ٹھہرایا۔ اسد نے غضب ناک ہو کر سب داعیوں کو قتل کرا دیا۔ ان کے ساتھیوں میں دو غلام تھے ان کو ذلیل سمجھ کر چھوڑ دیا۔ ان میں سے ایک نے اسد سے کہا۔ مجھ کو قتل کیوں نہیں کراتا؟ اسد نے اس کو سرِ راہ اونچی جگہ کھڑا کیا اور تلوار لے کر قتل کو آمادہ ہوا۔ غلام نے بلند آواز سے پڑھا :-

رضیت باللہ ربا وبالاسلام دیناً وبمحمدٍ نبیاً ۔

یہ فقرہ ختم ہوا تھا کہ سر دھڑ سے جدا کر دیا گیا۔

دوسرا غلام کثیر خراسان آیا اور دعوتِ بنی عباس میں سرفروشانہ منہمک ہو گیا۔ دن بدن محبانِ آلِ عباس کی جماعت بڑھ رہی تھی۔ موت سے وہ لوگ گھبراتے نہ تھے۔ سلاھ میں اسد بن عبداللہ نے اُن میں سے بہت سے حضرات کو قتل کیا۔ اکثر کی ناک کاٹی، بقیہ کو قید میں ڈالا۔ مگر نقبا کی ہمتیں پست نہ ہوئیں۔ بلکہ تمام مصیبتیں بخندان پیشانی جھیلتے اور دعوتِ بنی عباس میں سرمست رہتے۔

سلیمان بن کثیر، مالک بن ہیثم، موسیٰ بن کعب الاشہر بن قرنیطہ، خالد بن ابراہیم، طلحہ بن رزیق یہ نقباء آلِ محمد بھی گرفتار ہو گئے اور اسد کے سامنے پیش ہوئے تو اُس نے کہا۔ فاسقو! کیا اللہ نے نہیں فرمایا۔

”عفا اللہ عما سلف ومن عاد فینتقم اللہ منہ واللہ عزیز ذو انتقام“

یہ سُن کر سلیمان بن کثیر نے کہا کچھ میں کہوں اُس نے کہا ضرور۔ سلیمان نے یہ شعر پڑھا ؎

لو بغیر الماء حلقی لہ شرقٌ کنت کالغصان بالماء اعتصاری

”اگر بغیر پانی کے میرے حلق میں اچھو لگے تو میری حالت ایسی ہو گی جیسے درخت کی ٹہنی کو پانی میں بھگو کر نچوڑ دوں“

اسد نے سلیمان کے شعر کا بہت اثر لیا اور مالک بن ہیثم سے مشورہ کیا۔ اس نے کہا یہ لوگ رعایت کے مستحق نہیں ہیں۔ عبدالرحمٰن بن نعیم بولا۔ امیر یہ حضرات تمہارے قبیلہ سے تعلق رکھتے ہیں ان کو آزاد کر کے احسان کیجئے۔ اسد نے سب کو بری کر دیا۔

فتنۂ عمّار اس زمانہ میں بکیر بن ماہان ”وزیر آلِ محمد“ نے عمار بن یزید کو خراسان بھیجا اور شیعانِ بنی عباس کی قیادت اس کو عطا کی خراسانی وزیر آلِ محمد کے حکم پر عمار کے معین و مددگار ہو گئے۔ اُس نے ان

خراسانیوں کی خوش اعتقادی سے فائدہ اُٹھایا اور دعوتِ بنی عباس کے بجائے نیا مذہب جاری کیا۔ عورت وقفِ عام کی گئی۔ اس نے کہا روزہ، نماز، حج کچھ نہیں۔ روزہ کے معنیٰ یہ ہیں کہ امام کا ذکر بحفاظت تمام کیا جائے اور اس کا اظہار نہ ہو نماز سے مراد یہ ہے کہ امام کی جانب قصد کرو۔

شیعانِ بنی عباس سے کہا کہ یہ جو کچھ کہہ رہا ہوں امام نے ہی مجھے اس کی تعلیم دی ہے۔ مگر اسد بن عبداللہ حاکمِ خراسان کو اس کی خبر ہو گئی۔ اس نے پکڑوا کر بلوایا۔ مالک بن ہیثم، حریش بن مسلم اس کے تابع تھے وہ بھی گرفتار کر لئے گئے۔ اسد نے عمار کی زبان کاٹ ڈالی اور آنکھوں میں نیل کی سلائی پھروا دی اور پھر ہاتھ پیر کاٹ کر سولی پر چڑھا دیا۔

امام محمد کو بھی عمار (خداش) کے حالات کا علم ہوا تو آپ نے اس سے بیزاری ظاہر کی اور خراسانیوں سے ان کی تلون مزاجی کی بنا پر خفا ہو گئے۔ اس پر خراسانیوں نے پشیمان ہو کر سلیمان بن کثیر کو اپنا نمائندہ کر کے امام کے پاس بھیجا۔ اس نے امام سے بے حد معذرت چاہی اور امام کا خوشنودی کا خط لے کر پھر خراسان کو لوٹ آیا۔ اس میں لکھا تھا۔

"خداش مخالفِ اسلام تھا"

اس پر تمام لوگوں نے توبہ کی۔ ۱۲۴ھ میں بکیر بن ماہان کوفے آئے ہوئے تھے ان کو حکومت نے گرفتار کر کے قید میں ڈال دیا۔ کچھ عرصہ بعد چھوٹ گئے۔ یونس ابو عاصم، عیسیٰ بن معقل عجلی ان کے ساتھ تھے۔ ایک غلام (ابو مسلم[1]) بھی ہمراہ تھا۔ بکیر بن ماہان نے عیسیٰ سے پوچھا۔ یہ کون ہے؟ اس نے کہا ہمارا غلام ہے۔ چار سو درہم میں بکیر نے اس غلام کو خرید لیا اور امام ابراہیم کے پاس روانہ کر دیا امام نے اُس کے بُشرہ سے اندازہ کر لیا کہ یہ غلام کام کے لائق ہے چنانچہ اس کو

---

[1] ابو مسلم کے لئے مؤرخین لکھتے ہیں یہ بزرجمہر وزیر نوشیرواں کی اولاد سے تھا۔

تعلیم و تربیت کے لئے موسیٰ سراج کے پاس بھیج دیا اور اس کا نام ابومسلم رکھا سلیمان بن کثیر، مالک بن ہشیم، لاہز بن قریظہ، قحطبہ بن شبیب مکہ آئے اور امام محمد بن علی سے گفتگو کی۔ اثنائے گفتگو میں ابومسلم کا بھی ذکر آگیا۔ آپ نے فرمایا وہ آزاد ہے یا غلام؟ انہوں نے کہا عیسیٰ کہتا ہے کہ غلام ہے اور ابومسلم کہتا ہے میں آزاد ہوں۔ امام نے فرمایا کہ اس کو خرید کر آزاد کردو سلیمان بن کثیر نے امام کی خدمت میں خمس کے دو لاکھ درہم اور تیس ہزار کے کپڑے پیش کئے۔ اس کے بعد امام نے فرمایا۔ اگلے سال میں تم سے نہ مل سکوں گا۔ اگر کوئی حادثہ پیش آجائے تو تمہارے امام ابراہیم ہیں جو میرے بڑے صاحبزادے ہیں۔ مجھے اُن پر اعتماد کلی ہے تم کو اُن کے ساتھ خیر کی وصیت کرتا ہوں اور میں نے اُن کو بھی تمہارے ساتھ اچھے برتاؤ کی وصیت کی ہے۔

اس کے بعد امام اپنے مستقر پر تشریف لے آئے۔ ۱۱ ماہ بعد ذی قعدہ ۱۲۵ھ کو وفات پائی۔ اُن کی اولاد میں امام ابراہیم، ابوالعباس عبداللہ، ابوجعفر منصور عیسیٰ عبدالصمد، صالح داؤد، اسمٰعیل تھے [۱]

امام محمد علم و فضل اور تقویٰ و زہد کے ساتھ سیاسی آدمی بھی تھے۔ یہی وہ بزرگ ہیں جو اپنے حسنِ لیاقت سے دعوتِ بنی عباس کو بڑے پیمانے پر بروئے کار لائے۔

امام ابراہیم عباسی

امام محمد کی طرح آپ بھی فضل و کمال میں یگانہ تھے۔

کان ابراھیم الامام خیرًا فاضلًا کریمًا [۲] — "ابراہیم امام بہت نیک اور بڑے عالم اور سخی تھے۔"

---

[۱] ابن اثیر جلد ۵ صہ ۸۶ [۲] کامل ابن اثیر جلد ۵ صہ ۱۵۸

وقد کان ابراهیم هذا کریما جواداً له فضائل وفواضل و روی الحدیث عن ابیه عن جده و ابی هاشم عبد الله۔ [1]

۱۲۶ھ میں آپ نے ابو ہاشم بکیر بن ماہان کو مع نشان ہائے خاصہ اور وصیت امام محمد بن علی عباسی خراسان روانہ کیا۔ یہ لوگ "مرو" پہنچے۔ یہاں شیعانِ عباس نے اُن کا پُرتپاک خیر مقدم کیا اور ایک مجلس منعقد کی جس میں امام محمد بن علی کی رسم تعزیت ادا کی گئی۔ اس کے بعد امام ابراہیم کا خط پڑھا گیا اور نشانِ خاصہ دکھائے گئے۔ ہر ایک نے اُس کو بوسہ دیا اور جوش و خروش کے ساتھ امام کی بیعت کی اور جو احکام امام نے لکھ کر کے دیئے تھے ان کی تعمیل کے لئے جان و مال سے تیار ہو گئے۔ خمس اور ہدایا امام کے لئے جمع کر رکھے تھے وہ بکیر بن ماہان کے سامنے پیش کئے۔ بکیر نے یہ سامان امام ابراہیم کے پاس بھیج دیا۔ یہی وہ زمانہ تھا کہ حضرت زیدؒ کے صاحبزادے نے ظہور کیا تھا۔ بنو امیہ نے خراسان میں اُن کو شہید کر دیا اور ولید بن یزید کے حکم سے اُن کی لاش کو سُولی پر لٹکایا گیا۔ [2]

وفاتِ بُکیر بن ماہان

امام ابراہیم کے باپ کے معین اور مددگار متبع بکیر بن ماہان ۱۲۷ھ میں سخت بیمار پڑ گئے۔ ان کو اپنی جانبری کی اُمید نہ رہی تو ایک عرضداشت امام کی خدمت میں ارسال کی۔ اور اُس میں لکھا کہ آپ پر تصدق ہو رہا ہوں اور اپنا جانشین ابوسلمہ حفص بن سلیمان کو کرتا ہوں۔ یہ حضور کی جملہ خدمات میری طرح انجام دیں گے۔

امام نے اس عرضی پر لکھ دیا:۔

"ابوسلمہ تمہاری جگہ مقرر کیا گیا اور اہلِ خراسان کو بھی اطلاع کر دی گئی"۔

---

[1] البدایۃ والنہایۃ الجزء العاشر صفحہ ۴۔

[2] طبری جلد ۹ صفحہ ۱۹۸

ابوسلمہ خراسان پہنچا وہاں لوگوں نے اس کی اطاعت قبول کی اور خمس دہدایا امام کے لئے ابوسلمہ کو دیئے۔ اس نے امام کے پاس بھیج دیئے۔

۱۲۸ھ بزمانۂ مروان بن محمد اموی سلیمان ابن کثیر نے ابوسلمہ کو لکھا کہ تم امام ابراہیم کی خدمت میں ایک عرضی بھیجو اور استدعا کرو کہ حضور اپنے اہلِ بیت میں سے کسی صاحب کو خراسان بھیج دیں۔ چنانچہ اس نے امام کی خدمت میں عرضی بھیجی۔ امام نے اہلِ خاندان پر نظر ڈالی۔ پھر متبعین میں سے ہر ایک کو جانچا۔ ابومسلم کے بُشرہ سے اندازہ کر لیا کہ یہ پارسی نژاد لڑکا دعوتِ بنی عباس کے لئے مفید ہوگا۔ چنانچہ اس کو اپنا اہلِ بیت قرار دے کر خراسان بھیج دیا۔

ابومُسلم | ابی الفدا ابن کثیر البدایۃ والنہایۃ میں ابومسلم کے متعلق لکھتے ہیں:-

قال ابونعیم الاصبھانی فی تاریخ اصبھان کان اسمہ عبدالرحمٰن بن مسلم بن عثمان بن یسار بن سندوس ابن خوذون من ولد بزرجمھر وکان یکنی اباسحاق ونشأ بالکوفۃ وکان ابوہ اوصٰی بہ الی عیسٰی ابن موسٰی السراج لحملہ الی الکوفہ۔ الخ[1]

ابومسلم نے خراسان میں آکر پہلے یہ کام کیا کہ جس قدر نقیب تھے ان کی کونسل بنائی جس کا رکن اعلیٰ سلیمان بن کثیر کو کیا اور زیادہ سے زیادہ دعاۃ بنی عباس کو خراسان کی اطراف میں بھیجنا شروع کر دیا۔ تھوڑے ہی عرصہ میں ہر چہار طرف لوگ آلِ عباس کے مطیع ہو گئے۔ اس کارگزاری کی خبر امام کو بھی ملی۔ انہوں نے ابومسلم کو حکم بھیجا کہ ۱۲۹ھ میں حج کے موقع پر آؤ اور مجھ سے ملو۔[2]

ابومسلم مع ستر نقیبوں کے روانہ ہوا۔ پہلے خراسان سے کچھ فاصلہ پر "ابیورد"

---

[1] البدایۃ والنہایۃ الجزء العاشر صفحہ ۶۷۔

[2] طبقات ابن سعد جلد ۴ صفحہ ۹۲

میں قیام کیا۔ یہاں کے حاکم سے ملاقات کی۔ وہ بھی دعوتِ ہاشم کا رکن بن گیا۔ یہاں سے "قاقبس" پہنچا اور فضل بن سلیمان سے ملا۔ اُس نے کہا کہ اُسید بن عبداللہ خزاعی، اجمم بن عبداللہ، غیلان بن فضالہ، غالب بن سعید، مہاجر بن عثمان قید کر دیئے گئے ہیں۔ ابومسلم نے عمال کو طرخان بھیجا کہ ان سب کو قید سے نکال لاؤ۔ وہ چھڑا لائے۔ اُس نے اُسید سے حالات دریافت کئے۔ اس نے کہا کہ ازہر بن شعیب اور عبدالملک بن سعد امام کے پاس سے خط لائے تھے وہ میرے پاس رکھ گئے تھے۔ باہر سیر کو نکلے کہ گرفتار ہو گئے۔

ابومسلم نے کہا وہ خط کہاں ہے لاؤ۔ چنانچہ اُس نے پیش کیا۔ اس میں تحریر تھا کہ تم جہاں یہ خط پاؤ وہیں سے لوٹ جاؤ اور اب وقت آگیا ہے کہ دعوتِ بنی عباس کا اظہار علانیہ ہو اور سیاہ لباس اختیار کرنا۔ امام نے عَلم بھی بھیجا اور یہ بھی لکھا کہ قحطبہ کو مع خمس کے ہمارے پاس روانہ کر دو۔ ابومسلم امام کا حکم دیکھتے ہی خراسان لوٹ گیا۔ قحطبہ کے پاس تین لاکھ ساٹھ ہزار درہم تھے اُس نے یہ انتظام کیا کہ کچھ کا کپڑا خریدا، باقی چاندی اور سونا خرید کر ڈبوں میں بھرا اور خچر خریدے۔ ان پر لاد کر مثل تاجروں کے ۱۵ رجمادی الثانی ۱۲۹ھ کو امام کے پاس روانہ کیا۔ اکتالیس نفوس ساتھ تھے۔ ابومسلم "مرو" آیا اور وہ خط سلیمان بن کثیر کو دکھایا۔

سلیمان نے تمام شیعانِ بنی عباس کو جمع کیا۔ دور دور سے لوگ اس مجلس میں مجتمع ہوئے۔ ابومسلم کو سلیمان بن کثیر نے اپنے پہلو میں کھڑا کیا اور اہلِ مجلس سے مخاطب ہو کر کہا "ابومسلم اہلِ بیت میں سے ہے اس کی اطاعت کرو۔ اس کی اطاعت عین آلِ عباس کی اطاعت ہے"۔

یہ سُن کر سب نے اطاعت کا اقرار کیا اور شیعانِ بنی عباس ابومسلم کے مطیع ہو گئے۔ ابومسلم ۹ شعبان ۱۲۹ھ کو مرو آیا۔ یہاں کا نقیب ابوداؤد تھا۔ اس کو اپنے ساتھ لیا۔ ابوالحکم عیسیٰ بن اعین کو یہاں کا نقیب مقرر کیا۔ آگے چلتے ہوئے

ابوداؤد کے ساتھ عمر بن اعین کو طخارستان اور اضلاع بلخ کی طرف اظہارِ دعوت کے لئے روانہ کیا اور کہا رمضان المبارک میں دعوتِ خفیہ کے بجائے علانیہ اس کا اظہار کیا جائے گا تیار رہنا۔ نصر بن تمیمی اور شریک بن غفی تمیمی کو "مرو" میں مقرر کیا۔ ابوعاصم عبدالرحمن بن سلیم کو طالقان بھیجا۔ ابوالجہیم بن العطیہ کو خوارزم بھیجا کہ علاء بن حرمیت کو جو وہاں نقیب مقرر تھے ان کو آگاہ کر دیں کہ ۲۵ رمضان کو اظہارِ دعوت ہوگا۔ اگر دشمن اہلِ بیت کی طرف سے کوئی حملہ یا مخالفت ہو تو قوت کے ساتھ اس کا جواب دیا جائے۔

ابومسلم ان امور کے انتظام کے بعد سلیمان بن کثیر خزاعی کے پاس "قریہ سفید سنج" پہنچا اور وہیں اقامت پذیر ہوگیا۔ تمام شیعانِ بنی عباس "اظہارِ دعوت" کا بے چینی سے انتظار کر رہے تھے۔ یوم اظہارِ دعوت رمضان کی ۲۵ تاریخ سنہ ۱۲۹ھ بھی آگئی۔ ایک وسیع میدان میں ان داعیوں اور متبعین آل ہاشم کا عظیم الشان اجتماع کیا گیا۔ ابومسلم نے مجمع کے سامنے "الویۂ محمدی" جن کو امام ابراہیم نے اس کے پاس آج کے دن کے لئے بھیجے تھے۔ ایک کا نام "ظل" تھا جو چودہ ہاتھ کا تھا اور دوسرا عَلَم جس کو "سحاب" کہتے تھے، وہ تیرہ ہاتھ کا تھا۔ یہ دونوں عَلَم ابومسلم اٹھائے ہوئے تھا۔

ظل وسحاب عقد ابومسلم اللواء الذی بعثہ الیہ الامام ویدعی ظل علی رمح طولہ اربعۃ عشر ذراعًا وعقد الرایۃ التی بعث بہا الامام ایضًا ویدعی السحاب علی رمح طولہ ثلاثۃ عشر ذراعًا وھما سوداءان وھو یتلو قولہ تعالیٰ۔

اُذِنَ لِلَّذِيْنَ يُقٰتَلُوْنَ بِاَنَّهُمْ ظُلِمُوْا وَاِنَّ اللّٰهَ عَلٰى نَصْرِهِمْ لَقَدِيْرُ [1]	"جو لوگ مظلوم ہیں ان کو اجازت ہے کہ وہ لڑیں ان لوگوں سے جنہوں نے ظلم کیا ہے اور بیشک خدا ان کی مدد پر قادر ہے۔"

[1] البدایہ والنہایۃ الجزء العاشر صفحہ ۳۰ ؎

یہ آیت ابومسلم کی زبان پر ورد تھی۔

سیاہ لباس بموجب حکم امام سب متبعین نے سیاہ لباس پہنا۔ شب میں چراغاں کیا اور جگہ جگہ آگ روشن کر دی گئی تاکہ دور دور روشنی دیکھ کر خرقان وغیرہ کے شیعہ آکر شریکِ جلسہ ہوں۔

ابومسلم نے سحاب اور ظل کی طرف اشارہ کر کے کہا جس طرح "سحاب" یعنی بادل تمام زمین کو گھیر لیتا ہے اس طرح دعوت بنی عباس سب جگہ پہنچ جائے گی اور "ظل" سایہ کو کہتے ہیں تو زمین پر عباسی خلیفہ کا سایہ ہمیشہ رہے گا۔"

اب قرب و جوار سے لوگ جوق در جوق آنے لگے۔ اوّل اہلِ سقادم آئے جن کے سردار ابوالوضاح ہرمزی، عیسیٰ بن شبیل تھے۔ ان کے ساتھ نو سو پیدل اور چار سو سوار تھے اور اہلِ ہرمز سے سلیمان بن حسان اور ان کے بھائی یزدان بن حسان ہیثم بن یزید بن کیسان نصر بن معاویہ ابو خالد، حسن جروی محمد بن علوان آئے۔ اہلِ سقادم سے ابوالقاسم محرز بن ابراہیم جوبانی آیا جس کی ماتحتی میں ایک ہزار تین سو پیدل اور سولہ سوار تھے۔

داعیانِ دعوتِ آلِ عباس سے جو گروہ آتا وہ بلند آواز سے تکبیر کہتا آتا۔ جو سنتا وہ تکبیر سے جواب دیتا۔ جب کافی اجتماع جلسہ میں ہو گیا تو ابومسلم نے جماعت کو حکم دیا "قریۂ سفیدنج" کے قلعہ کو مخالفین کے مقابلہ کے لئے مضبوط کر لینا چاہیئے۔ چنانچہ یہ لوگ اس انتظام میں لگ گئے۔ اتنے میں عیدالفطر آگئی تو سلیمان بن کثیر سے نمازِ عید پڑھوائی۔ مگر کچھ طریقے تبدیل تھے۔ اس کے بعد ابومسلم کی طرف سے عام دعوتِ طعام ہوئی جس میں ہر ادنیٰ و اعلیٰ شریک تھا۔ اس جشن کا اثر بہت اچھا پڑا۔ روزانہ بعد نماز عصر قاسم بن مجاشع تمیمی فضائل بنی ہاشم اور معائب بنی امیہ بیان کیا کرتے۔

آغازِ جنگ ابومسلم نے محرز بن ابراہیم کی سرکردگی میں ایک فوج مرتب کی اور مقام "جبرنج" پر اس کو لگا دیا اور حکم دیا کہ خندق کھود کر

اس میں افرادِ لشکر کو روپوش رکھا جائے۔ اس طرف سے حاکمِ خراسان "نصر بن سیار" کی رسد آئے تو اُسے روک لیا جائے اور تصرف میں لایا جائے۔ اس کے ساتھ ہی نصر سے خط وکتابت شروع کر دی۔ وہ ابو مسلم کے خطوط پڑھ کر برافروختہ ہو گیا اور اپنے غلام "یزید" کی سرکردگی میں ایک لشکرِ عظیم اس کے مقابلہ کے لئے روانہ کیا۔ ابو مسلم کو خبر لگی تو اُس نے مالک بن ہشیم خزاعی کو معہ فوج کثیر کے بھیجا جس نے جاتے ہی نصر کی فوج کو شکست دی اور یزید کو معہ ساتھیوں کے گرفتار کر لیا۔ ابو مسلم کے سامنے سب قیدی پیش ہوئے۔ ان میں یزید کو آزاد کر دیا اور دیگر قیدیوں کے سرتن سے اُتروا کر نیزہ پر چڑھا کر ان کا گشت کرایا گیا۔ یزید نصر کے پاس پہنچا تو اُس نے کہا کہ اے امیر! جن سے تُو مقابلہ کرنا چاہتا ہے۔

"یہ لوگ وقت پر باجماعت نماز پڑھتے ہیں۔ قرآن شریف کی تلاوت کرتے ہیں اور خدا کا ذکر بکثرت کرتے ہیں اور لوگوں کو اطاعت اہلِ بیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف بلاتے ہیں مجھے یقین ہے کہ وہ کامیاب ہوں گے۔ میں اگر آپ کا غلام نہ ہوتا تو اُن کو چھوڑ کر نہ آتا [1]

خراسان کی سیاسی حالت ایران پر گو عربوں کا تسلط تھا مگر اُن میں بغاوت کے جراثیم موجود تھے جو بنی امیہ کے جبروت سے دبے رہے۔ ان میں جب کمزوری آئی تو اُٹھ کھڑے ہوئے۔ علویین کے مقابلہ میں بنی عباس ہوشمند اور دُور بین تھے۔ اُنھوں نے دعوتِ بنی عباس کو عربی قبائل کے بجائے اہلِ خراسان میں پھیلایا حسنِ اتفاق سے خراسان میں یمنی اور مُضری قبائل میں مسلسل جنگ ہو رہی تھی۔ ایک کا

---

[1] طبری جلد ۸ صفحہ ۸۵ ؏

ایک دشمن اور خون کا پیاسا بنا ہُوا تھا۔ اس زمانہ میں امام ابراہیم نے ایک خراسانی کو اہلِ خراسان پر سردار بنا کر بھیجا اور اس کو اپنا اہلِ بیت قرار دیا۔ ابومسلم اپنے قبیلہ کے حالات سے واقف تھا۔ اس نے دعوتِ بنی عباس کو تھوڑے ہی دنوں میں تمام خراسان میں پھیلا دیا۔

مسٹر اے ایچ پامر لکھتا ہے :۔

"ابومسلم بڑا عقلمند اور اولوالعزم بہادر سپاہی تھا"[1]

جب یہ تحریک عام ہوگئی تو اس نے حکومت سے ٹکر لینے کی ٹھانی چنانچہ نصر بن سیار کی فوج سے مقابلہ کیا اور فتح مند ہُوا۔ اُس نے مرو فتح کرنے کے لئے حازم بن خزیمہ کو بھیجا۔ حازم نے حاکم مرو پر حملہ کر کے اس کی فوج کو بھگا دیا۔ اور اس کو قتل کیا اور مرو پر قابض ہوگیا۔ نصر بن جنبی کو تسخیرِ ہرات کے لئے بھیج دیا۔ وہاں عیسیٰ بن عقیل حاکم تھا۔ نصر نے اس کو بھی نکال باہر کیا اور ہرات پر قبضہ جما لیا۔

ابن کرمانی و نصر بن سیار ادھر ابن کرمانی جو سردارِ قبیلۂ مضر تھا اس کی نصر سے جنگ چھڑ گئی تو ابن کرمانی کو ابومسلم نے گانٹھ لیا اور فوجی مدد دی۔ چنانچہ نصر کو شکست اُٹھانا پڑی۔

نصر اور خلیفۂ مروان یہاں جو واقعات پیش آئے تھے نصر نے خلیفۂ مروان کو اُن کی اطلاع دی اور عریضہ میں چند شعر لکھے اس میں یہ شعر بھی تھا ؎

فقلت من التعجب لیت شعری   أیقظان اُمیّة ام نیام[2]

"میں نے تعجب سے کہا کہ کاش مجھے اس کا علم ہو جاتا کہ بنی اُمیّہ جاگتے ہیں یا سوتے"

مروان نے خط کا جواب صرف یہ دیا۔

---

[1] ہارون الرشید از مسٹر اے ایچ پامر ایم اے پروفیسر عربی یونیورسٹی آف کیمبرج انگلستان [2] البدایہ والنہایہ الجزء العاشر ص ۲۲

ان الشاھد یری مالا یری الغائب ”حاضر جو دیکھتا ہے وہ غائب نہیں دیکھتا“
مطلب یہ ہے کہ مجھ کو ملک شام کے واقعات سے ہی فرصت نہیں خراسان کی کیا فکر کروں۔ نصر بن سیار یہ جواب سُن کر سخت مایوس ہُوا تو یزید بن عمرو بن ہُبیرہ جو دولتِ مروانیہ کی طرف سے فارس کا حاکم تھا۔ اس کو معاونت کے لئے خط لکھا اس نے بھی مدد دینے سے انکار کر دیا۔

نصر کی موت اور ابومسلم کا خراسان پر قبضہ

نصر نے موقع پا کر خراسان سے راہِ فرار اختیار کی۔ طوس پہنچا۔ پھر رے اور جرجان گیا۔ صعوبتِ سفر سے بیمار پڑا اور مر گیا۔ میدان خالی پا کر ابومسلم نے خراسان پر قبضہ کر لیا۔
۱۳۰ھ میں امام ابراہیم نے قحطبہ بن شبیب کو ابومسلم کے پاس خراسان بھیجا۔ قحطبہ خراسان پہنچا تو اس کو ابومسلم نے مقدمۃ لشکر پر مقرر کیا اور دوسرے لشکر اس کی ماتحتی میں دیدیئے اور خالد بن عثمان کو فوج کا سپہ سالار بنایا۔

خراسان کا انتظام

شہر خراسان کا کوتوال مالک بن ہیثم مقرر ہُوا اور قضا کا عہدہ قاسم بن مجاشع کو دیا گیا۔ دیوان کامل بن منظفر بنایا گیا۔ بارہ نقیب جو امام کے مقرر کردہ تھے ان کی مجلسِ شوریٰ بنائی گئی۔ ان میں سلیمان بن کثیر ابومنصور کا مرتبہ فائق تھا۔ یہ لوگ بڑے پایہ کے عالم تھے۔ ابومسلم تمام کام اُن کے مشورہ سے کرتا تھا اور ان کے چار چار ہزار درہم مقرر کر دیئے تھے۔ شہر کے انتظام کے بعد ابومسلم نے قحطبہ کو جرجان طوس، عراق، عجم کی فتوحات کے لئے روانہ کیا۔
قحطبہ کے ساتھ اُسید بن عبداللہ خزاعی، خالد بن برمک ابوعون عبدالملک بن یزید موسیٰ بن کعب مرائی، حسیب بن زُہیر، عبدالجبار بن عبدالرحمٰن ازدی تھے۔ جب لشکر روانہ ہُوا تو قحطبہ کے ہمراہیوں کے سامنے یہ تقریر کی۔
”اے اہلِ خراسان یہ شہر جن کو تم فتح کرتے جاتے ہو تمہارے باپ دادا

کے تھے اور وہ چونکہ عدل و انصاف کرتے تھے اس وجہ سے اپنے دشمنوں پر غالب رہتے تھے۔ مگر جب انھوں نے اپنی حالت بدلی اور ظلم کرنے لگے تو خدا اُن سے ناراض ہوا اور اُن سے بادشاہت چھین لی اور اس قوم کو جو بادیہ نشین اور سب میں کمزور تھی تم پر غالب کر دیا۔ اس نے تمہاری عورتوں سے نکاح کئے۔ تمہاری اولاد کو غلام بنایا۔ یہ سب کچھ ہوا مگر یہ قوم عدل و انصاف کرتی تھی مظلوم کی فریاد رسی کرتی تھی، اپنے عہد کو پورا کرتی تھی اس کے بعد اسی قوم نے یہ کیا کہ ظلم کرنے لگی اور احکامِ خداوندی کو بدل دیا اور جو نیک اور متقی لوگ تھے ان پر ظلم کیا خصوصاً عترت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر۔ ان کی جب یہ حالت ہوئی تو تم کو ان پر مسلط کر دیا تاکہ تمہارے ذریعہ سے ان کا بدلہ لیا جائے اور تمہارے ذریعے وہ لوگ عذاب میں مبتلا ہو جائیں کیونکہ تم تو ان ظلموں کا بدلہ لینے کے لئے تیار ہوئے ہو"

اور امام ابراہیم نے تم سے نہایت وثوق سے فرمایا ہے اور وعدہ کیا ہے کہ اگر تم جمعیت کے ساتھ ان لوگوں سے مقابلہ کرو گے تو ضرور خدا تمہاری مدد کرے گا اور تم ان ظالموں کو بھگا دو گے اور قتل کرو گے"۔ [1]

اس کے بعد ہی ابومسلم کا خط قحطبہ کے پاس پہنچا جس کا مضمون یہ تھا کہ "تم اپنے دشمن کا پورے طور سے مقابلہ کرو خدا تمہارا مددگار ہے اور جب تم غالب ہو جاؤ تو ان لوگوں کو قتل کرنے میں دریغ نہ کرنا"۔ [2]

---

[1] طبری جلد ۹ ص۱۰۱ ÷ [2] ایضاً۔

جرجان قحطبہ نے ذی الحجہ ۱۳۰ھ میں جرجان کے قریب ایک قریہ پر حملہ کر دیا۔ میمنہ پر حسن بن قحطبہ اور میسرہ پر خالد بن برمک اور مقاتل بن حکیم تھے۔ مقابلہ پر حاکم بنانہ تھا جس کی دس ہزار فوج کام آئی۔ بنانہ قتل ہوا۔ اس کا سر ابومسلم کے پاس بھیج دیا گیا۔ اس کامیابی کے بعد قحطبہ جرجان پر حملہ آور ہوا۔ وہاں کے تیس ہزار آدمی مارے گئے اور جرجان کی فتح اور اس پر قبضہ ہونے کی خبر یزید بن عمرو بن ہبیرہ کو پہنچی تو اس نے عامر بن لیسار اور اپنے بیٹے داؤد کو پچاس ہزار فوج کے ساتھ قحطبہ کے مقابلہ کے لئے بھیجا۔ اصفہان کے قریب "جبی" کے مقام پر مقابلہ ہوا۔ قحطبہ کے پاس بیس ہزار فوج تھی۔ عامر کے پاس ڈیڑھ لاکھ، قحطبہ نے اول قرآن شریف نیزوں پر قائم کئے اور آواز دی اے اہل شام ہم تم کو کتاب اللہ کی طرف بلاتے ہیں۔ ان لوگوں نے گالیاں بکیں۔ قحطبہ نے مقاتل بن مالک العکی ابوحفص مہلبی کو ہلہ بول دینے کا حکم دیا۔ معمولی جھڑپ پر اہل شام بھاگ نکلے۔ "داؤد" کے پیر اکھڑ گئے۔ عامر لڑتے لڑتے مارا گیا۔ سردار کے مرتے ہی لشکریوں نے ہتھیار ڈال دیئے۔ بہت کچھ سامان قحطبہ کے ہاتھ آیا۔[1] اس کامیابی کی خبر قحطبہ نے حسن کو بھیجی اور خود بھی آموجود ہوا۔

اس کے بعد نہاوند پر حملہ کر دیا گیا اور فتح پائی اور نصر بن سیار کے ساتھ جو خراسانی یہاں آ گئے تھے وہ سب قتل کر دیئے گئے۔ داؤد، یزید بن عمرو کے پاس شکست خوردہ پہنچا۔ اس نے عظیم الشان لشکر عراق سے جمع کیا۔ خلیفہ مروان کو ان حالات کی خبر ہوئی۔ اس نے خروج کو بڑھانا شروع کر دیا جس نے "دسے"، ہمدان شہرزور تک فتح کر لئے۔ اب باپ بیٹوں نے عراق کی طرف پیش قدمی کی۔

مروان کی طرف سے یزید بن عمرو بن ہبیرہ وہاں کا امیر تھا۔ اس نے کوفہ

---

[1] تاریخ یعقوبی جلد ۱ صفحہ

سے ۲۳ میل کے فاصلہ پر دریائے فرات کے مغربی ساحل پر مقابلہ کیا۔ کئی دن تک لڑائی ہوتی رہی۔ اسی اثناء میں قحطبہ نے وفات پائی اور اس کا بیٹا حسن امیر الجیش مقرر ہوا۔

قحطبہ مرتے وقت یہ وصیت کر گیا کہ جب کوفہ میں پہنچو تو تمام معاملات کو وہاں کے قائم الامر ابو سلمہ خلال کے سپرد کر دینا اور اس کی اطاعت کرنا کیونکہ وہ وزیر آل محمد ہے۔

یزید بن عمرو ابن ہبیرہ نے متعدد لڑائیوں کے بعد شکست کھائی اور واسطہ کی طرف چلا گیا۔ حسن فوج کے ساتھ محرم ۱۳۲ھ میں کوفہ میں جاہ و جلال کے ساتھ داخل ہوا اور اپنے باپ قحطبہ کی وصیت کے مطابق امارت ابو سلمہ کے حوالے کر دی۔ ابو سلمہ نے حسن کو معہ دیگر روسائے عسکر کے "واسط" کی طرف یزید بن عمرو ابن ہبیرہ کے تعاقب میں بھیجا۔ مدائن کی جانب حمید ابن قحطبہ کو اور دیرقنی کی طرف مسیب بن زہیر اور خالد بن برمک کو عین التمر اور بسام کو "اہواز" کی طرف فوجیں دے کر روانہ کیا۔

عراق اور خراسان کی یہ واقعات پیش آ رہے تھے اور بنی امیہ شام میں خانہ جنگی میں مبتلا تھے۔ اس کے علاوہ دعوتِ بنی عباس سے بھی بے خبری تھی۔ ابو مسلم تمام واقعات کی اطلاع امام ابراہیم کی خدمت میں بھیجتا رہتا تھا۔ وہاں سے احکام بھی آتے رہتے تھے۔ نصر بن سیار نے ابو مسلم کی فتوحات اور ترقی کی خلیفہ مروان کو اطلاع کر دی تھی جس کا ذکر آ چکا ہے۔

مروان کو اس وقت توسیعِ دعوتِ بنی عباس کا علم ہوا جبکہ ابو مسلم کا خط امام کے نام قاصد لے جا رہا تھا۔ راہ میں قاصد پکڑا گیا۔ مروان نے قاصد سے کہا کہ اس کا جواب مجھ کو دکھانا۔ یہ رقم دی جاتی ہے۔

افشائے راز امام ابراہیم کا خط ابو مسلم کے عریضہ کے جواب میں تھا جو قاصد نے مروان الحمار کو دے دیا۔

"امام ابراہیم نے تحریر فرمایا تھا کہ ابومسلم تم کرمانی اور نصر سے ابھی تک فارغ نہیں ہوئے۔ تم ہماری دولت کے حصول کے لئے جان توڑ کوشش کرو اور نہایت ہوشیاری اور احتیاط سے کام لو۔ اور موقع ہاتھ آئے تو خراسان میں کوئی عربی بولنے والا زندہ نہ چھوڑنا"[1]

خط پڑھ کر مروان کی آنکھ کھلی کی کھلی رہ گئی اور نصر بن سیار کی تحریر کی توثیق اب پورے طور سے ہوگئی۔ اس نے ولید بن معاویہ بن عبدالملک کو جو دمشق کا گورنر تھا ایک فرمان بھیجا کہ تم عامل بلقاء کو ہدایت کرو کہ موضع حمیمہ میں ابراہیم عباسی کو فوراً گرفتار کرے اور ان کو بہت ہوشیاری سے ہمارے پاس بھیج دے۔

امام کی گرفتاری طبری میں ہے کہ ولید بن مروان کے حکم کی فوراً تعمیل ہوئی۔ چنانچہ امام ابراہیم مسجد میں صبح کی نماز پڑھ رہے تھے کہ عامل بلقاء نے آکر گھیر لیا اور نمازیوں سے پوچھا۔ تم میں ابراہیم کون ہے؟ لوگوں نے امام کی طرف اشارہ کیا۔ فوراً آپ کو زیرِ حراست لے لیا گیا۔

جانشینی امام شام کی طرف لے جائے گئے۔ ان کے ساتھ آل عباس میں سے جس قدر حمیمہ میں اقامت پذیر تھے ان کو مخاطب کر کے آپ نے فرمایا۔ اب تم لوگ کوفے چلے جاؤ اور میں نے اپنے بھائی ابوالعباس عبداللہ بن امام محمد کو اپنا خلیفہ اور جانشین امامت کیا۔ تم سب کو ان کی اطاعت میری طرح کرنا واجب ہے[1] ابوالعباس کو گلے سے لگایا اور کچھ ہدایتیں کیں اور عامل بلقاء سے فرمایا۔ اب جہاں چاہو لے چلو۔

چنانچہ ابوالعباس امام سے رخصت ہو کر عبداللہ بن محمد، المنصور، داؤد بن علی عیسیٰ بن علی، صالح بن علی، اسماعیل بن علی، عبداللہ بن علی، عبدالصمد بن علی، یحییٰ بن محمد، عیسیٰ بن موسیٰ بن محمد بن علی، عبدالوہاب بن ابراہیم، محمد بن ابراہیم،

---

[1] طبری جلد ۹ صـ ۱۳۳

موسیٰ بن داؤد بن علی یحییٰ بن جعفر بن تمام بن عباس ابن عبد المطلب ہاشمی ودیگر اہلِ خاندان کو ہمراہ لے کر کوفہ روانہ ہو گئے۔

امام ابراہیم کو مروان الحمار کے سامنے پیش کیا گیا۔ اُس نے آپ کو حران کے قید خانہ میں بھجوایا[1] قید خانہ میں شراحیل بن مسلم بن عبد الملک بھی قید تھے۔ امام سے ان کے تعلقات بہت بڑھ گئے۔

شہادت ایک روز شراحیل کے آنے میں دیر ہوئی تو ایک شخص آیا اور اس نے امام سے کہا شراحیل نے یہ دودھ آپ کے لئے بھیجا ہے۔ امام نے دودھ اس سے لے کر پی لیا۔ اتنے میں شراحیل آ گئے۔ امام نے ان سے اس واقعہ کا ذکر کیا۔ انہوں نے فرمایا۔ میں نے دودھ نہیں بھیجا تھا۔ یہ آپ کے ساتھ دھوکہ کیا گیا۔ چنانچہ دستوں کا سلسلہ شروع ہو گیا اور اسی شب میں امام نے رحلت فرمائی۔ یہ واقعہ ۱۳۲ھ کا ہے۔

نقطۂ ابو مسلم ابو مسلم کو کوفہ میں امام کے شہید ہونے کی خبر معلوم ہوئی تو اُس نے اس واقعہ پر پردہ ڈالے رکھا۔ ابو مسلم دل میں آلِ ابو طالب کا طرفدار تھا۔ آلِ عباس سے تقیہ کئے ہوئے رہتا تھا۔

امام کی سیرت امام ابراہیمؒ نے پچاس سال کی عمر میں شہادت پائی۔ اُن کی والدہ کا نام سلمیٰ تھا۔[2]

امام عابد، زاہد، خلیق، ملنسار اور سخاوت میں شہرہ آفاق تھے۔ حکومت بنی عباس کی بنیاد ان ہی کے ہاتھوں پڑی۔ ان کی بساطِ سیاست کے مہرے ابو سلمہ ابو مسلم خراسانی، خالد بن برمک، سلیمان بن کثیر سے لوگ تھے۔ ان سب نے امام کی ہدایت پر عمل کر کے حکومتِ بنی امیہ کا تختہ اُلٹ دیا۔ نقیبوں میں زیادہ ہوشیار بکیر بن ماہان تھا اور بنی عباس کا وفادار۔ ابو مسلم خراسانی اور

---

[1] کامل ابن اثیر جلد ۵ صـ ۱۵۸ [2] ایضاً

ابو سلمہ موقع شناس تھا۔

مرثیہ ابراہیم بن علی بن سلمہ قرشی نے امام کا مرثیہ لکھا۔ امام کا مزار حران میں ہے۔

قد کنت احسبنی جلدا فضعضعنی
قبر بحران فیہ عصمۃ الدین
فیہ الامام وخیر الناس کلھم
بین الصفائح والاحجار والطین
فیہ الامام الذی عمت مصیبتہ
وعیلت کل ذی مال ومسکین
فلا عفا اللہ عن مروان مظلمتہ
لکن عفا اللہ عمن قال آمین

"میں خیال کرتا تھا کہ میں بہت چست و چالاک ہوں مگر مجھ کو اس قبر نے جو مقام حران میں ہے سست کر دیا جس میں دین کی حفاظت کرنے والا مدفون ہے۔ اس قبر میں امام ہیں جو تمام انسانوں سے بہتر ہیں جو تختوں اور پتھروں اور مٹی کے نیچے ہیں۔ اس قبر میں وہ امام ہیں کہ ان کی مصیبت عام ہو گئی ہے اور آپ کی موت نے ہر مالدار اور مسکین کو یتیم کر دیا ہے۔ بس خدا معاف نہ کرے مروان کے اس ظلم کو لیکن خدا اس کو معاف کرے جس نے میری اس دعا پر آمین کہی"۔[1]

خلیفہ ابی العباس السفاح

ابو العباس عبداللہ السفاح بن امام محمد بن امام علی بن حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ، والدہ ماجدہ قبیلہ بنی حارث سے تھیں جن کا اسم گرامی "ربطہ" تھا ۱۰۴ھ میں حمیمہ میں ولادت ہوئی۔ تفصیل پہلے آ چکی ہے۔

---

[1] تاریخ یعقوبی جلد ۱ صفحہ ۳ وکامل ابن اثیر جلد ۵ صفحہ ۱۵۔

نسب نامہ والدہ سفاح ربطہ بنت عبیداللہ بن عبداللہ بن عبدالمدان بن دیان بن قطن بن زیاد ابن حارث بن مالک بن ربیعہ حارثی [1]

عبدالمدان کے متعلق مورخین لکھتے ہیں۔

ھو من اشرف العالم واکبر الدنیا۔	عبدالمدان شرفاءِ زمانہ اور بزرگ آدمیوں میں سے تھا۔

تعلیم سفاح۔ نے حدیث اپنے بھائی امام ابراہیم سے پڑھی اور اُن سے ان کے عم علی بن علی نے علم حدیث پڑھا۔ [2]

ابوالعباس عالم، محدث، فقیہ، قاری، سخی، دلیر، حسین وجمیل شخص تھا۔

کان السفاح اسخی الناس	سفاح بہت سخی آدمی تھا۔

مصنف الفخری ابوالعباس کی مدح میں لکھتا ہے۔

کان کریما حلیما وقورًا عاقلًا کثیر الحیاء حسن الاخلاق"۔

سفاح امام ابراہیم کے دعوتِ بنی عباس میں مشیر تھا۔ امام نے ان کو ہی اپنا جانشین بنایا تھا۔ حمیمہ سے ابوالعباس معہ اہلِ خاندان کوفہ سے روانہ ہوئے۔ امام ابراہیم گرفتار کرکے شام لے جائے گئے۔ دومۃ الجندل پر داؤد بن علی اور موسیٰ بن داؤد عراق سے شراۃ جاتے ہوئے ابوالعباس سے ملاقی ہوئے تو داؤد نے پوچھا حضرت کہاں کا قصد ہے؟

ابوالعباس نے کہا کوفہ کا اور تمام واقعہ جو گزرا تھا بیان کیا اور کہا۔ انشاء اللہ میں کوفہ پر قبضہ کروں گا۔ داؤد بن علی نے عرض کیا کوفہ نہ جائیے۔ کیونکہ مروان بن محمد اموی حران میں مقیم ہے اور یزید بن عمرو بن ہبیرہ عراق میں فروکش ہے جو کوفہ سے قریب ہے۔ اگر ان لوگوں کو حال معلوم ہوگیا تو وہ آپ کے

---

[1] المعارف لابن قتیبہ الدینوری صد۱۶۳ [2] تاریخ الخلفاء صد۱۰۰ ⁘

اہلِ خاندان کو تلوار کے گھاٹ اُتار دیں گے۔

ابو العباس نے کہا۔

من احب الحیوٰۃ ذل۔ بقول الاعشی	"جس نے زندگی کو دوست کہا ذلیل ہوا"
فما میتۃ اِن مِتُّھا غیر عاجز	"میں اس موت کو موت نہیں سمجھتا جو
بعار اذا ما غالت النفس غولھا	بہادری کے ساتھ ہو اور نہ عار جس وقت
	جان خطرہ اور ہلاکت میں پڑے"

مطلب یہ ہے کہ شجاعت کے ساتھ مرنا مرنا نہیں ہے بلکہ اصل میں جس موت سے پناہ مانگی جاتی ہے وہ ذلّت کی موت ہے۔

یہ سُن کر داؤد نے اپنے بیٹے موسیٰ کی طرف مخاطب ہو کر کہا۔ واللہ! تمہارے ابن عم نے سچ کہا لہٰذا تم بھی ہمارے ساتھ چلو۔ اگر زندہ رہیں تو عزت کے ساتھ زندہ رہیں اور اگر مریں تو عزت کے ساتھ مریں [1]

سفّاح کا ورود کوفہ میں

غرض کہ یہ جملہ حضرات آلِ عباس کوفہ پہنچے تو ابو مسلم وزیر آلِ محمد نے ان کو ولید بن سعد مولیٰ بنی ہاشم کے مکان پر ٹھہرایا جو کوفہ سے کچھ دُور تھا۔ ابو مسلم نے اہلِ کوفہ کو چالیس دن تک ابو العباس کے آنے کی اطلاع نہیں کی اور نہ امام ابراہیم کی شہادت کی خبر کی۔ ابو الجہم ابو سلمہ سے کبھی ابو العباس کے لئے پوچھتا کہ امام کا حال کیا ہے؟ تو وہ کہہ دیتا کہ ابھی امام کے ظہور کا وقت نہیں آیا ہے۔

سازش

ابو سلمہ کو آلِ عباس سے زیادہ آلِ ابی طالب سے لگاؤ تھا اس نے خفیہ طور سے خط لکھے اور حضراتِ ذیل کے نام روانہ کئے اور قاصد سے کہا پہلے امام جعفر صادق کے پاس جانا جب وہ انکار کر دیں تو عبداللہ محض کے پاس پھر عمر بن علی سے جا کر ملنا۔ خط میں یہ لکھا تھا۔

---

[1] طبری جلد ۹ صہ ۱۲۸ (طبع حسینیہ مصر)

"آپ تشریف لائیں یہاں کوفہ میں سب لوگ آپ کی بیعت کے لئے تیار ہیں"

قاصد امام جعفر صادق کی خدمت میں حاضر ہوا آپ نے اس خط کو ملاحظہ کر کے چراغ کی لو پر رکھ دیا اور قاصد سے فرمایا ابوسلمہ سے کہنا یہی جواب ہے۔ قاصد یہاں کا نقشہ دیکھ کر عبداللہ محض کے پاس گیا۔ عبداللہ اس خط کو لے کر امام جعفر صادقؓ کی خدمت میں پہنچے اور خط دکھا کر عرض کیا کہ بیعتِ خلافت کے لئے ابومسلم مجھ کو بلاتا ہے اور ہمارے شیعانِ خراسان اس کے زیرِ اثر ہیں۔ امام نے فرمایا اے عبداللہ! آپ کے شیعہ کون لوگ ہیں؟ کیا آپ نے ہی ابومسلم مروزی کو خراسان میں اپنا نقیب مقرر کیا ہے؟ کیا آپ ہی نے اپنے شیعوں کو سیاہ لباس تجویز کیا ہے یا آپ ان میں سے کسی کو جانتے ہیں؟

عبداللہ نے جواب دیا کہ میں تو کسی کو نہیں جانتا۔ مگر اس خط سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ لوگ یہ چاہتے ہیں کہ خلافت آلِ علی میں ہو۔ امام نے فرمایا جبکہ آپ کسی کو جانتے نہیں تو وہ آپ کے شیعہ کیسے ہو سکتے ہیں؟ عبداللہ بولے آپ کے دل میں خلافت کی خواہش ہے۔ اس وجہ سے آپ پسند نہیں کرتے کہ یہ مرتبہ مجھے حاصل ہو۔

امام نے جواب دیا۔ مجھ سے خود خواہش کی گئی۔ پہلے میرے پاس ابوسلمہ کا خط آیا جس کو میں نے نذرِ آتش کیا۔ اس کے بعد قاصد تمہارے پاس پہنچا۔ تم سے تعلق خاطر ہے اس لئے صحیح مشورہ دے رہا ہوں۔ یہ دولت تو آلِ عباس کے لئے ہے آلِ ابوطالب کے لئے نہیں[1]۔

ابوجہیم کوفی امام ابوالعباس کی فکر میں تھا۔ اثنائے راہ میں ابوحمید سے ملا اس کو بھی امام کی آمد کا علم نہ تھا۔ عباسی خاندان کے غلام سے اتفاقیہ ابوحمید کی

---

[1] ناسخ التواریخ جلد ۵ صہ ۳۱۶ ؎

ملاقات ہوگئی تو اس سے ابوالعباس کے ورود کوفہ اور امام ابراہیم کے شہید ہونے کا واقعہ معلوم ہوا۔ اسی وقت غلام کے ساتھ ساتھ ابوحمید ابوالعباس کی خدمت میں حاضر ہوا۔ بطریق آدابِ خلافت ابوحمید نے سلام کیا اور امام کے ہاتھ پیر چومے یہاں سے واپس ہوکر ابوجہیم اور ابراہیم بن سلمہ نے موسیٰ بن کعب سے اس کے گھر جاکر ملاقات کی اور امام ابوالعباس کی آمد کی اطلاع کی۔ موسیٰ بن کعب نے دو سو دینار اپنے آدمی کے ہاتھ اسی وقت امام کے پاس بھیج دیئے اور دوسرے دن ابراہیم بن سلمہ اور متذکرہ بالا حضرات پھر موسیٰ بن کعب کے پاس پہنچے۔ یہاں عبدالحمید ربعی، سلمہ بن محمد، عبداللہ طائی، اسحاق بن ابراہیم شراحیل، عبداللہ بن بسام جو جان نثارانِ آلِ عباس سے تھے بیٹھے ہوئے تھے۔ پھر باہمی مشورہ کے بعد امام ابوالعباس کے پاس حاضر ہوئے۔ یہاں سے لوٹ کر لشکر میں آئے۔ ابوسلمہ کو یہ خبر لگ گئی۔ وہ گھبرا گیا اور امام کے پاس جانے لگا۔ ابوالجہیم نے ابوالحمید کو اطلاع کر دی کہ اس کو تنہا جانے نہ دیا جائے اپنا کوئی آدمی ساتھ رہنا چاہیئے۔ اگر وہ بیعت کرے تو اچھا ورنہ اس کو قتل کر دینا چاہیئے۔

ابوسلمہ ابوالعباس کے پاس پہنچا اور بطریق خلافت سلام کیا۔ چاپلوسی کرتا رہا۔ امام نے ابوسلمہ کو حکم دیا کہ تم اپنے لشکر میں جاؤ اور میری آمد کی ان لوگوں کو خبر کر دو۔ ابوسلمہ خلال لشکر میں لوٹا۔ صبح ہی سے تمام فوج نے ہتھیار لگانے شروع کر دیئے اور امام ابوالعباس کی آمد اور استقبال کے لئے تیاری کی۔ ابوالعباس پرورزن پر سوار ہوئے اور دیگر حضرات اہلِ بیت ہمراہ رکاب تھے۔ یہ جلوس نہایت حرمت وشان سے دارالامارت کوفہ کو روانہ ہوا۔

تخت پر جلوس

۱۲ ربیع الثانی ۱۳۲ھ کو دارالامارت میں امام نے قدم رکھا۔ یہ جمعہ کا دن تھا۔ ابوالعباس نے تخت پہ جلوس فرمایا۔ تمام فوج کی سلامی قبول کی۔ تھوڑے عرصہ بعد جامع مسجد میں خدم وحشم کے ساتھ نماز کے لئے گئے۔ نمازِ جمعہ خود پڑھائی۔ پہلے نہایت خضوع وخشوع سے

خطبہ پڑھا۔ پھر نماز کے بعد ممبر پر جا کر یہ خطبہ دیا۔

خطبہ

ہر طرح کی ستائش اس کے لئے ہے جس نے اپنے لئے اسلام کو برگزیدہ کیا اور اس کو مکرم و مشرف اور معظم کیا اور ہمارے لئے اس کو منتخب فرمایا۔ پس اس کو ہماری ہی ذات سے حیاتِ دائمی دی اور ہم کو اس کا اہل اور معدن اور قلعہ بنایا۔ اور یہ ساری قوتیں ہماری اسی سے ہیں اور ہم کو اس کا محافظ و ناصر بنایا۔ پس ہم نے اپنی ذات پر تقویٰ کو واجب کر لیا اور اصل یہ ہے کہ اس نے ہم کو اس کا مستحق اور اہل بنایا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قرابت و عزیز داری سے مخصوص کیا ہے اور ہم کو ہمارے آبا سے پیدا کیا اور ہم کو آپ ہی کے شجرۃ النسب اور آپ ہی کے عمودِ نسل سے متفرع و منشعب کیا۔ اور ان کو اللہ جل شانہ نے ہماری ہی ذاتوں سے ان امور پر غالب کیا جو ہم کو فساد میں ڈالے ہوئے تھے۔ وہ ہمارے نفع رسانی پر حریص اور مومنین پر رؤف و رحیم تھے اور ہم کو اسلام اور اہلِ اسلام میں رفیع الشان کیا اور آپ ہی (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) کی وجہ سے اہلِ اسلام پر ایک کتاب نازل فرمائی جو اُن پر تلاوت کی جاتی ہے اللہ تبارک و تعالیٰ منجملہ اس کے کہ اس نے اپنی کتاب محکم میں فرمایا ہے۔ اِنَّمَا یُرِیْدُ اللّٰہُ لِیُذْھِبَ عَنْکُمُ الرِّجْسَ اَھْلَ الْبَیْتِ وَیُطَھِّرَکُمْ تَطْھِیْرًا۔ "بے شک اللہ تعالیٰ اہلِ بیت سے پلیدی دور کیا چاہتا ہے اور ان کو طاہر و اطہر بنائے گا"

پھر ارشاد فرماتا ہے "جو مالِ غنیمت اللہ تعالےٰ اپنے رسول کو دے اُس میں سے اللہ اور رسولؐ اور ان کے اعزہ و اقارب کے لئے ہے"

پھر ارشاد فرماتا ہے" اور تم لوگ جان رکھو کہ تم کو جو مالِ غنیمت حاصل ہو تو بلاشک، اس میں سے پانچواں حصہ اللہ کے لئے ہے اور رسول اور اُس کے قرابت والوں اور یتیموں کے لئے ہے۔ پس اللہ تعالیٰ نے ہماری فضیلت سے مُسلمانوں کو آگاہ فرمادیا اور اُن پر ہمارے حقوق اور محبت واجب کردی اور محض ہماری بزرگی اور فضیلت کی وجہ سے مالِ غنیمت میں ہمارا حصہ مقرر کیا اور اللہ تعالیٰ بہت بڑا بزرگی و عظمت والا ہے۔ شامی گمراہوں نے یہ سمجھ رکھا تھا کہ ہمارے سوا اور کوئی ریاست وسیاست و خلافت کا مستحق نہیں ہے۔ پس ان کے چہرے خاک آلود ہو گئے اور اے حاضرین اللہ تعالیٰ نے ہماری ذات سے گمراہی کے بعد آدمیوں کو ہدایت دی اور نابینائی کے بعد بینا کیا اور ہلاکت کے بعد بچایا اور ہماری ہی وجہ سے حق کو غالب اور باطل کو مغلوب فرمایا اور جو فساد ان میں پیدا ہو گیا تھا اس کی ہماری ذات سے اصلاح کردی اور ان کی عادات رذیلہ کو دُور اور نقصانات کو پورا فرمادیا اور تفرقہ و اختلافات کو ایسا دفع کیا کہ دشمن کے بعد دنیا میں اہلِ جود و لُطف و احسان رہیں گے اور آخرت میں بھائیوں کی طرح تختوں پر ایک دوسرے کے روبرو بیٹھے ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ نے محض اپنی عنایت و شفقت سے محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر اس امر کو منکشف کردیا تھا۔

پس جب اللہ تعالیٰ نے آپؐ کو اپنے پاس بلالیا اور آپ کے بعد آپ کے صحابۂ کرام کے ہاتھ میں زمامِ حکومت آئی اور ان لوگوں کا کام شوریٰ سے ہوتا تھا تو وہ لوگ مواریث رحم پر حاوی ہو گئے اور اس میں انہوں نے انصاف سے کام لیا۔ ہر ایک کے مرتبے کا لحاظ اور اس کو اس پر قائم رکھا جس کا جو حق تھا اس کو وہ دیا اور اس سے وہ خود ذاتاً منتفع نہ ہوئے۔ بعدازاں بنوحرب (امیر معاویہؓ کی طرف اشارہ ہے) اور

بنو مروان کو دے پڑے اور ان لوگوں نے اس پر مطلق توجہ نہ کی اور اس کو اپنا موروثی مال سمجھ کے خوب تصرف کیا اور اس کے حاصل کرنے میں ظلم و جور اور نا انصافی سے بھی کام لیا اور لوگوں کو اس قدر ستایا کہ ان کا جی اکتا گیا تو اللہ تعالیٰ نے ہمارے ہاتھوں سے اس کا انتقام ان سے لیا اور ہمارے حقوق ہم پر لوٹا دیئے۔ اور ہماری وجہ سے ہمارے گروہ کی تلافیٔ مافات کر دی اور ہماری امداد اور استحکام حکومت کا آپ خود متولی ہو گیا تا کہ ہماری ذات سے ان لوگوں پر اپنا احسان کرے جو دنیا میں ضعیف و ناتواں ہو رہے ہیں اور ہماری ہی ذات پر اس کو ختم کیا جیسا کہ ہم سے اس کی ابتدا کی تھی۔ میں امید کرتا ہوں کہ آئندہ تم پر کسی قسم کا ظلم نہ ہو گا۔ کیونکہ تمہاری بہتری کا زمانہ آگیا ہے اور نہ تم فتنہ و فساد میں پڑو گے۔ کیونکہ تمہارا مصلح و مدبر تم میں آگیا ہے اور اصل یہ ہے کہ ہم اہل بیت کو اللہ تعالیٰ ہی اس کی توفیق دینے والا ہے۔

اے اہلِ کوفہ! تم لوگ ہماری محبت کے مقام اور ہماری مؤدّت کے مکان ہو تم ہی ایک ایسے ہو کہ اس سے اس وقت تک نہ پھرے اور نہ ظالموں کا ظلم تم کو اس سے پھیر سکا۔ یہاں تک کہ تم نے ہمارا زمانہ پا لیا اور ہمارے ظلِ عاطفت اور سایۂ دولت میں آگئے۔ پس تم لوگ ہماری بدولت کل آدمیوں سے خوش نصیب اور ہمارے نزدیک سبھوں سے اکرم و افضل ہو۔ میں اس سلسلہ میں تمہارے وظائف میں سو سو درہم کا اضافہ کرتا ہوں۔

"آگاہ ہو جاؤ کہ میں "سفاح" خونریز اور بڑے زور شور سے بدلا لینے والا ہوں"۔

سفاح اس قدر خطبہ دینے کے بعد چونکہ پہلے ہی سے مبتلائے تپ و درد تھا، شدتِ تکلیف سے بیٹھ گیا اور اس کا چچا داؤد بجائے اس کے ممبر پر چڑھ

کے خطبہ دینے لگا جس کا ترجمہ یہ ہے :-

" جمیع ستائش اللہ کے لئے ہے جس نے ہمارے دشمن کو ہلاک کیا اور ہم کو ہماری میراث جو ہمارے نبی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پہنچی تھی مرحمت فرمائی۔ اے لوگو! اب دنیا کی تاریکیاں دفع ہوگئیں اور اُس کے پردے کُھل گئے۔ زمین و آسمان روشن ہو گئے۔ آفتاب و ماہتاب اپنے اپنے مطالع سے نکل آئے اور قوس کو اس کے بنانے والے نے لے لیا اور تیر جہاں سے نکلا تھا پھر وہیں لوٹ آیا اور حق اپنے منبع میں تمہارے نبی کے اہل بیت میں واپس آیا جو تم پر مہربان و رحیم ہے۔

اے لوگو! واللہ ہم لوگ اس حکومت کے حاصل کرنے کو نہیں نکلے کہ ہماری ثروت و دولت بڑھے اور بڑی بڑی نہریں کھودیں اور محل بنائیں بلکہ اس وجہ سے ہم نے خروج کیا ہے کہ انھوں نے ہمارے حقوق چھین لئے ہیں اور ہمارے چچا کے لڑکوں کو ستایا ہے۔ ساتھ ہی تم پر بھی انھوں نے ظلم کیا اور ناعاقبت اندیشی سے تم پر حکومت کر رہے تھے اور ہم خاموشی کی آنکھوں سے اس کو دیکھ رہے تھے، حالانکہ بنو امیہ کا یہ برتاؤ کہ تم لوگوں سے وہ کج اخلاقی سے پیش آتے اور تم کو ذلیل سمجھتے اور تمہارے مالِ غنیمت اور صدقات کو دبا لیتے تھے، ہم کو سخت ناگوار اور شاق گزرا ہے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور عباس بن عبد المطلب رضی اللہ عنہ کا ذمہ ہے کہ ہم تم میں وہی احکام جاری کریں جو اللہ تعالیٰ نے نازل فرمائے ہیں اور تمہارے قضایا و خصومات میں کتاب اللہ پر عملدرآمد کریں گے اور کیا عام کیا خاص سبھوں کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا سا برتاؤ کریں گے۔ برے تباہ ہوئے بنی حرب بن امیہ و بنی مروان انھوں نے اپنی اس قلیل مدتِ خلافت میں مقاصد دنیاوی کو مطالب اخروی پر مقدم کر دیا اور اس دارِ فانی کو دارِ باقی پر۔ پس وہ اُن امور کے مرتکب ہوئے

جن کا کرنا اُن کو مباح نہ تھا۔ انھوں نے خلق اللہ پر ظلم کیا۔ محرماتِ شرعی کو جائز رکھا، جرائم کو پھیلا دیا۔ اللہ کے بندوں اور ملک میں اپنی عادت اور طریقہ کے مطابق ظلم سے کام لیا۔ معاصی کی طلب میں نکلے اور گمراہی کے میدان میں اللہ کے استدراج اور اس کے انتقام سے بے خوف ہو کے جہالت سے دور پڑے۔ پس اللہ تعالیٰ کا عذاب ان پر شباشب آگیا اور وہ سو ہی رہے تھے۔ صبح ہوئی تو اسی غم میں مبتلا تھے اور ان کی قوت مُنتشر ہو گئی تھی۔ دوری ہو رحمتِ الٰہی سے قومِ ظالمین کو۔

اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ اُس نے ہم کو مروان کے پنجۂ غضب سے نکالا اس کو اس کا غرور دھوکے میں ڈالے ہوئے تھا۔ اسی حالت میں اللہ تعالیٰ نے اپنے دشمن کی سرکوبی کی طرف توجہ کی تا آنکہ خود مُنہ کے بل گر پڑا۔ چونکہ اس دشمنِ خدا نے یہ سمجھ رکھا تھا کہ اس پر کوئی قادر نہ ہوگا اس وجہ سے اُس نے اپنے گروہ کو پکارا۔ اپنے شیطانی لشکر کو جمع کیا اور سواروں کو اِدھر اُدھر پھیلایا۔ لیکن اپنے آگے پیچھے دائیں بائیں اللہ کے عذاب اور انتقام کو مجتمع پایا جس نے اس سے اس کے افعال ناشائستہ و حرکات ناپسندیدہ کا انتقام لیا اور برائی کا بار اسی کی گردن پر ڈال دیا۔ ہماری عزت اور ہمارے شرف کو زندہ کر کے ہمارے حق اور وراثت کو ہماری طرف واپس کر دیا۔ اے لوگو! امیر المومنین، اللہ تعالےٰ ان کی بہت بڑی مدد کرے، بعد ادائے نماز پھر ممبر پر اس وجہ سے چڑھ گئے تھے کہ کلام جمعہ غیر جمعہ کے کلام سے مل جل نہ جائے اور انھوں نے اس کلام کو شدّتِ تپ و اعضا شکنی کی وجہ سے ناتمام چھوڑا۔ دُعا کرتے جاؤ کہ امیر المومنین کو اللہ تعالیٰ صحت عطا فرمائے۔ بے شک اللہ تعالیٰ نے بجائے مروان دشمن رحمٰن خلیفۂ شیطان کے جس کے فعل قبیح اور کمینے تھے جس نے بعد اصلاح کے ملک میں دین بدل کر اور محرمات اسلام کو مباح

کر کے فساد برپا کیا تھا اب اس کو مقرر کیا جو جوان اور سرمہ لگائے ہوئے ہے اور ان اسلاف ابرار و اخیار کا پیرو ہے جنہوں نے فساد کے بعد ملک میں بذریعہ معالمِ ہدیٰ و مناہجِ تقویٰ اصلاح پھیلائی (اس فقرہ کے تمام ہوتے ہی کل حاضرین دعا کرنے لگے۔

پھر داؤد نے کہا۔ اے اہلِ کوفہ! واللہ ہم لوگ ایک زمانہ مدید سے مظلوم و مقہور اور اپنے حق سے محروم تھے تاآنکہ ہمارے خراسان کے شیعوں نے اس کو ہمارے لئے مباح کیا۔ پس ان کی وجہ سے ہمارے حقوق زندہ ہو گئے، ہمارے دلائل واضح ہو گئے اور ہماری دولت پاک ہو گئی اور انہی کے ذریعہ سے اللہ تعالےٰ نے اس امر کو ظاہر کیا جس کے تم منتظر بھی نہ تھے، وہ کیا ہے کہ تم میں بنو ہاشم میں سے ایک خلیفہ مقرر کیا جس کی وجہ سے تمہارے چہرے روشن ہو گئے اور اہلِ شام پر تم کو غالب کیا اور تمہاری طرف حکومت کو منتقل کر دیا اور اسلام کو غالب بنایا اور تم پر ایسے امام کے مقرر کرنے سے احسان کیا جو عدالت کا بانی ہے اور اس کو خلعتِ حکومت عنایت فرمایا۔

پس تم لوگ جو وہ تمہیں دے شکریہ کے ساتھ قبول کرو اور ہماری اطاعت اپنے اوپر فرض سمجھو اور دیکھو تم ہی خود فریب نہ کرنا کیونکہ اصل کام تمہارا ہی ہے۔ ہر ایک خاندان والے کیلئے ایک منزل و مقام ہوتا ہے اور تم ہمارے ماوائے و مسکن ہو۔ آگاہ ہو جاؤ تمہارے اس ممبر پر بعد رسول اللہ کے کوئی خلیفہ سوائے امیر المومنین علی ابن ابی طالب اور امیر المومنین عبداللہ بن محمد کے نہیں چڑھا (اس فقرہ کو کہنے کے وقت ہاتھ سے ابوالعباس سفاح کی طرف اشارہ کیا) اور جان لو کہ یہ حکومت ہمارے ہی خاندان میں رہیگی تاآنکہ ہم اس کو عیسیٰ بن مریم علیہ السلام کے سپرد کر دیں گے [1]

---

[1] ابن اثیر جلد ۵ صـ۱۰۰ ::

خطبہ دینے کے بعد ابو العباس ممبر سے اتر آئے۔ آگے آگے داؤد بن علی عباسی، پیچھے ابو العباس اس صورت سے دار الامارت کوفہ میں آئے۔

بیعتِ خلافت مسجد میں ابو جعفر عبد اللہ منصور لوگوں سے سفاح کی بیعتِ خلافت لیتے رہے۔ عصر کا وقت ہو گیا نماز پڑھنے کے بعد پھر بیعت کا سلسلہ جاری رہا۔ جب رات ہو گئی منصور اُٹھ گئے۔ مؤرخین لکھتے ہیں کہ اس قدر لوگوں نے بیعت کی کہ عبد اللہ منصور بیعت لیتے لیتے تھک گئے تھے۔

خلیفہ ابو العباس مقام اعین میں جہاں ابو سلمٰی کی ماتحتی میں لشکر پڑا تھا ملاحظہ کے لئے تشریف لے گئے۔ ابو سلمہ کے پاس ٹھہرے۔ درمیان میں پردہ حائل کر دیا تھا دربان عبد اللہ بن بسام تھا[1]

انتظامِ کوفہ دار الامارہ کوفہ پر داؤد بن علی کو امیر مقرر کیا۔ عبد اللہ بن علی کو شہر زور بھیجا جہاں ابو عون بن یزید بنو اُمیہ کا سپہ سالار تھا اور اپنے برادر زادہ عیسٰی بن موسیٰ کو حسن بن قحطبہ کی مدد کے لئے روانہ کیا جو مدائن میں تھا اور ابو الیقظان عثمان بن عروہ بن محمد بن عمار بن یاسر کو بسام بن ابراہیم بن بسام کے پاس اہواز بھیجا اور سلمہ بن عمر عثمان کو مالک بن عوف کے پاس بھیجا۔

مدینہ ہاشمیہ میں قیام خلیفہ ابو العباس لشکر میں ایک مہینہ مقیم رہے اس کے بعد ایک دیہہ (ہاشمیہ) میں اقامت پذیر ہوئے۔

خلیفہ اموی سے مقابلہ خلیفہ اوّل بنی عباس ابو العباس سفاح نے ایک لشکر مروان بن محمد اموی کے مقابلہ میں زیر سرکردگی عبد اللہ بن علی عباس بھیجا۔ مروان الحمار کے پاس ایک لاکھ سپاہ کا

---

[1] ابن اثیر جلد ۵ صـ ۱۵۵

لشکر تھا اور بنو امیہ کا تمام خاندانِ شاہی اس موقعہ پر مروان کا شریک تھا۔ ابوعون[1] مقابل تھا۔ محمد بن علی اس کی مدد کو پہنچ گئے۔ مقابلہ ہوا۔ نتیجہ میں مروان کو شکست ہوئی اور وہ تنہا "مصر" بھاگ گیا۔ چند روز بھاگتا پھرا۔ آخر ۲۹ ذی الحجہ ۱۳۲ھ بمطابق ۷۵۰ء کو بوصیر (مصر) کے ایک گرجے میں محصور ہو کر مارا گیا۔ (اس کے تفصیلی حالات تاریخِ ملت کے حصہ سوم میں تحریر ہو چکے ہیں۔ غرض کہ مروان کے قتل کے بعد ہی حکومت بنی امیہ کا بھی خاتمہ ہو گیا۔

دمشق کی فتح مروان الحمار بھاگتا پھر رہا تھا کہ دمشق کا امیر العسکر عبداللہ بن علی عباس اور صالح بن علی، ابوعون، عبدالصمد یحییٰ بن صفوان عباس بن یزید، حمید بن قحطبہ، نے فوجِ گراں کے ساتھ محاصرہ کر لیا۔ ۵ رمضان ۱۳۲ھ کو دمشق پر قبضہ ہو گیا۔ ولید بن معاویہ لڑائی میں کام آیا۔

آلِ مروان سے سلوک مروان کے اہل و عیال کنیسہ میں مقیم تھے۔ عمر بن اسمٰعیل نے ان سب کو صالح بن علی بن عباس کے پاس بھیج دیا۔ جب یہ لوگ صالح کے سامنے پیش ہوئے تو شاہِ مروان کی بڑی شہزادی آگے بڑھی اور کہا۔

"اے امیر المومنین کے عم مکرم ہم آپ کی بیٹیاں ہیں آپ کے بھائی کی بیٹیاں ہیں ہمارے اوپر رحم کرو۔ اگرچہ ہم نے تم پر ظلم کئے تھے مگر تم معاف کر دو"۔

صالح عباس نے کہا میں تم سب کو قتل کروں گا۔

"کیا تمہارے باپ نے امام ابراہیم کو قتل نہیں کیا۔ کیا ہشام بن عبدالملک نے زید بن علی بن حسین کو قتل نہیں کیا اور ان کی لاش کو کوفہ میں سولی نہیں دی؟ کیا ولید بن یزید نے یحییٰ بن زید کو خراسان میں سولی نہیں دی

---

[1] ابوعون کا نام خالد بن برمک تھا (تاج العروس شرح قاموس جلد ۷ ص ۱۰۹ مطبوعہ مصر۔

کیا ابن زیاد نے مسلم بن عقیل کو قتل نہیں کرایا؟ کیا یزید بن معاویہ نے امام حسینؓ اور اہل بیت کو شہید نہیں کرایا اور کیا اس نے حرم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو قیدی نہیں بنایا۔ کیا امام حسینؓ کے سر کو تن سے جدا کر کے شام نہ لے گئے؟ اب وہ کون سی بات ہے جس کے بعد میں تم کو زندہ رکھوں"۔

شہزادی نے جواب دیا۔

"اب ہم آپ سے معافی کے خواستگار ہیں آپ تو رحمۃ اللعالمینؐ کے قرابت دار ہیں"۔

صالح نے کہا۔

"اگر یہ ہے تو ہم نے معاف کیا۔ اگر تم پسند کرو تو میں تمہارا نکاح اپنے بیٹے فضل سے کر دوں"۔

شہزادی نے کہا۔

"اس سے بڑھ کر ہمارے لئے اور کیا عزت ہو سکتی ہے۔ مگر ہم سب یہ چاہتے ہیں کہ ابھی ہم کو حران بھیج دیا جائے"۔

چنانچہ صالح نے حکم دیا کہ ان لوگوں کو جو ہمارے عزیز ہیں بعزت تمام حران پہنچا دیا جائے۔[1]

چنانچہ یہ قافلہ بہ حرمت تمام حران پہنچا دیا گیا۔ بے رحمی کے ساتھ یہ رحم و کرم بھی بنی عباس کی صفت میں داخل تھا۔

ابو مسلم کی فتوحات ابو مسلم خراسانی کی سعی سے سمرقند، طوس، رے، جرجان ہمدان، نہاوند وغیرہ فتح ہو چکے تھے۔ اب تمام علاقہ پر جو دولت بنی امیہ کے قبضہ میں تھا ابو العباس سفاح کی حکمرانی تھی۔

---

[1] ابن اثیر جلد ۵ صـ ۱۶۲

وزارت اولاً سفاح نے حفص بن سلیمان ابوسلمہ الخلال وزیرِ آلِ محمد کو اپنا وزیر بنایا تھا۔ ابوسلمہ صاحبِ فضل و کمال تھا اُس کی مساعیِ دعوت بنی عباس میں پیش پیش ہیں۔ ابوسلمہ نے خالد بن برمک ابوعون کو سفارش کر کے فوجی حلقہ سے مُلکی عہدہ پر منتقل کرایا۔ کچھ عرصہ بعد سفاح نے پہلی سازش کی بنا پر اور بعض واقعات بھی ایسے پیش آ گئے کہ ابوسلمہ کو قتل کرا دیا اور خالد کو وزیر مقرر کیا [1] خالد خاندانِ برامکہ سے تھا۔ خلافتِ عباسیہ کا دوسرا وزیر تھا۔

واقعۂ قتل ابوسلمہ یہ بھی روایت ہے کہ سفاح ہاشمیہ کے قصر میں اقامت پذیر تھا مگر اُس کو ابوسلمہ سے دلی نفرت ہو چکی تھی۔ اس نے ابومسلم خراسانی کو اس کی سرکشی کے حالات لکھ بھیجے اور مشورہ طلب کیا۔ ابومسلم نے ابوسلمہ کے قتل کی رائے دے دی۔ داؤد بن علی نے کہا تم یہ فعل نہ کرو۔ یہ امر تمہارے لئے زیبا نہیں ہے۔ ابومسلم کو لکھ بھیجو وہ خود انتظام کر دے گا۔

چنانچہ ابومسلم نے مراد بن انس حبنی کو بھیج دیا۔ ابوسلمہ قصرِ امارت سے رات کو مکان جا رہا تھا کہ اُس نے اس کو قتل کر دیا اور یہ شہرت دے دی کہ کسی خارجی نے قتل کر دیا ہے [2]

عُمّالِ سفاح سفاح نے جیسا کہ لکھا جا چکا ہے اپنے چچا داؤد [3] کو کوفہ و سواد پر مامور کیا۔ پھر ان کو حجاز، یمن اور یمامہ کا گورنر کر

---

[1] ابوسلمہ دولتِ عباسیہ کا پہلا وزیر تھا محلہ خلالین کوفہ کا رہنے والا اُس نے ادعاتِ بنی عباس پر اپنی دولت صرف کی۔ اس کا خسر بکیر بن ماہان تھا الفخری ص ۱۳۷ (مطبوعہ مصر)

[2] کامل ابن اثیر ص ۱۲۹ جلد ۵ ابن خلکان جلد ۲ ص ۳۴۱

[3] داؤد نے سنہ ۱۳۳ھ میں انتقال کیا تو یزید بن علید اللہ بن عبدالمدان حارثی کا ماموں اسکی جگہ پر گورنر ہوا۔ ⁂

دیا۔ ان کے بجائے اپنے عم زاد برادر عیسیٰ بن موسیٰ بن محمد کو کوفہ پر مامور کیا۔ محمد بن یزید بن عبداللہ بن عبدالمدان کو یمن کا عامل کیا گیا۔ سفیان بن عینیہ مہلبی بصرہ کا عامل تھا۔ مگر ایک سال بعد اپنے چچا سلیمان بن علی کو اس کے بجائے مقرر کر دیا اور بحرین اور عمان کے صوبہ بصرہ سے ملحق کر دیئے گئے۔ سفاح نے اپنے دوسرے چچا اسمٰعیل بن علی کو اہواز اور تیسرے چچا عبداللہ بن علی کو شام کا گورنر کیا۔ ابوعون عبدالملک بن یزید کو مصر اور ابومسلم کو خراسان کا گورنر کیا۔ عراق جزیرہ پر ابوجعفر کو مقرر کر دیا۔ فارس کے گورنر عیسیٰ بن علی عباسؓ اور محمد بن صولی کو موصل پر متعین کیا۔ اہلِ موصل نے اُن سے انحراف کیا تو سفاح نے اپنے بھائی یحییٰ بن محمد بن علی کو ۱۲ ہزار فوج کے ساتھ موصل بھیجا وہاں جا کر گیارہ ہزار مسلمانوں کو تلوار کے گھاٹ اُتارا۔ ان کے ورثاء آہ وبکا کرنے لگے تو یحییٰ نے قتلِ عام کا حکم دے دیا۔ تین دن تک قتل کا بازار گرم رہا۔ اس کے لشکر میں چار ہزار زنگی بھی تھے۔ چوتھے روز گورنر کا جلوس نکلا۔ ایک عورت نے یحییٰ کے گھوڑے کی لگام پکڑ کر کہا۔

> "کیا تم بنو ہاشم نہیں ہو؟ کیا تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا کے لڑکے نہیں ہو؟ کیا تم کو اس کی خبر نہیں پہنچی کہ مومنات ومسلمات سے زنگیوں نے جبراً نکاح کر لیا ہے۔"

یحییٰ سن کر خاموش ہو گیا۔ دوسرے دن زنگیوں کو بُلا کر قتل کرا دیا۔ اس خون ریزی کی خبر سفاح کو ہوئی۔ اُس نے اس کو معزول کر کے اسمٰعیل بن علی کو عاملِ موصل کیا[۲]

بنی اُمیّہ کا قتلِ عام بنو عباس نے حکومت حاصل کر کے بنو امیہ کے قتل پر کمر باندھی۔ بچے، بوڑھے ڈھونڈھ ڈھونڈ کے قتل

---

[۱] ابن اثیر جلد ۵ ص ۱۲۶ [۲] ایضاً

کئے جانے لگے۔ سفاح کے پاس سلیمان بن ہشام بن عبدالملک اموی بیٹھا تھا۔ سدیف بن میمون آیا اور اُس نے سفاح سے مخاطب ہوتے ہوئے کہا ؎

قد اتتك الوفود من عبد شمس	"تمہارے پاس بنو عبد شمس (امیہ) کے مہمان
مستعدین یوجبون المطیا	اپنی سواریوں پر آئے ہیں۔"
عنوة ایها الخلیفة لا عن	"اے خلیفہ وہ دھوکے سے آئے ہیں طاقت
طاعته بل تخوفوا المشرفیا	کے خیال سے نہیں آئے بلکہ تلوار کے
	خوف سے۔"

سفاح نے اس شعر کا اثر لیا اور اسی وقت حکم دیا کہ سلیمان قتل کر دیا جائے۔ چنانچہ سلیمان تیغ سفاح کا شکار ہُوا۔ اس واقعہ کے چند روز بعد عبداللہ بن علی مع اسّی نوّے نفوس بنی امیہ کے "نہر ابی فطرس" کے کنارے ایک دسترخوان پر بیٹھا ہُوا کھانا کھا رہا تھا کہ شنبل بن عبداللہ (غلام بنو ہاشم) آگیا۔ وہ بنو امیہ کو اس عزت و احترام سے دیکھ کر کہنے لگا ؎

لا تقبلن عبد شمس عثارا	"تم ہرگز بنو عبد شمس (امیہ) کے انتقام لینے
واقطعن کل دقلة وغراس	سے درگزر نہ کرنا، ان کے ہر درخت اور پودے کو
	کاٹ دو۔"

یہ سن کر عبداللہ بن علی کی آنکھیں غصہ سے سرخ ہو گئیں۔ خدام کو حکم دیا ان مہمانوں کی خبر لو۔ یہ اس قدر پیٹے گئے کہ لیٹ گئے۔ ان پر "نطاع بچھا" کے دوبارہ دسترخوان پر کھانا چُنا گیا۔ عبداللہ معہ ہمراہیوں کے کھانا کھانے لگا۔ غرضیکہ کچل کچلا کر سب کا خاتمہ ہو گیا۔ بصرٰی میں سلیمان بن علی عباس نے گروہِ بنی امیہ کو قتل کر کے لاشوں کو گذرگاہوں پر ڈلوا دیا جن کو مدتوں کُتے کھاتے رہے۔

عبداللہ بن علی عباس نے خلفاء بنو امیہ کی قبروں کو کھدوا ڈالا۔ امیر معاویہ کی قبر میں ایک موہوم خط سا تھا۔ عبدالملک بن مروان کی کھوپڑی نکلی۔ ہشام بن عبدالملک کا لاشہ جُوں کا تُوں نکلا۔ صرف ناک کی اُونچائی جاتی رہی تھی۔ اس کی نعش پر کوڑے

لگوائے گئے۔ اس کو صلیب پر چڑھایا گیا۔ پھر جلا کر راکھ ہوا میں اُڑا دی گئی[۱]

داؤد بن علی عباس نے مکہ اور مدینہ میں جس قدر بنی امیہ تھے سب کو خاک و خون میں ملایا۔ غرضیکہ اس عام خون ریزی سے بنو اُمیہ کا کوئی متنفس جانبر نہ ہوا سوائے شیر خوار بچوں کے یا جو اندلس چلے گئے تھے[۲]

نقباء آلِ محمد کا قتل ابو سلمہ کے قتل کے بعد ابو مسلم نے سلیمان بن کثیر جس کے حالات اور کارگزاری لکھی جا چکی ہے۔ اس کی بیخ کنی کی فکر شروع کر دی اور اس کے قتل کا حکم دے دیا۔ اسی طرح اور حضرات کی خبر لی گئی۔

تحریک رایات ابیض دولتِ امویہ کے منقرض ہونے کے بعد بنی عباس کے مظالم سے ہوا خواہانِ بنی امیہ میں ان کی مخالفت کی لہر پیدا ہو گئی۔ "حبیب بن مرہ مری" جو مروان الحمار کا سپہ سالار تھا بلقاء میں مامور تھا اُس نے خلع خلافت بنی عباس کیا اور سفید کپڑے پہنے سفید ہی رایات پھریرے اپنے قلعہ پر نصب کئے جو شعارِ عباسیہ کے خلاف تھے ایک جماعت بھی اُس کے ساتھ ہو گئی۔ سفاح کے خلاف عَلَم مخالفت بلند کر دیا۔ سفاح ان دنوں "حیرہ" میں تھا اس کو اہل "بلقاء" پھر اہلِ قنسرین کی خبر لگی۔ عبداللہ بن علی نے ان کی بڑھتی ہوئی قوت کو توڑ کے رکھ دیا۔ اہل "قنسرین" نے "دولتِ عباسیہ" کی اطاعت قبول کر لی۔ کچھ عرصہ بعد اہلِ جزیرہ باغی ہو گئے اور انھوں نے بھی سفید رایات اپنے مکانات پر نصب کئے۔ مگر یہ بغاوت زیادہ نہیں بڑھی جلد ہی ختم ہو گئی[۳]

الغرض سفاح کا عہد بنی اُمیہ کی ہستی کو مٹانے اور ہر طرف سے جو رخنے نظر

---

[۱] تاریخ ابن خلدون کتاب ثانی جلد ہفتم صـ۹۰ و کامل ابن اثیر جلد ۵ صـ۱۶۱۔

[۲] ابن خلدون جلد ۶ صـ۲۲۳ [۳] ایضاً

آئے اُن کو بند کرنے میں گزرا۔ خون ریزی اور سفاکی، بدعہدی اور پیمان شکنی کا مظاہرہ سفاح کے یہاں عام تھا۔ اکثر نقیب ختم کر دیئے گئے تھے۔ سفاح کا بھائی ابوجعفر منصور ابومسلم کو بھی ٹھکانے لگانا چاہتا تھا اور بار بار سفاح سے اصرار کرتا تھا کہ اس کو قتل کر دیا جائے۔ مگر وہ راضی نہ تھا ڈرتا تھا کہ کہیں خراسانی جن کی بدولت یہ اعزاز ملا ہے اور حکومت بنی عباس قائم ہوئی ہے ابومسلم کے قتل سے برگشتہ نہ ہو جائیں۔

سندھ سندھ پر منصور بن جمہور نے بنی اُمیہ کے آخری دور میں غاصبانہ قبضہ کر لیا تھا۔ عبدالرحمٰن بن مسلم نے مغلس عبدی کو سرحد کا حاکم مقرر کیا اس نے سندھ پر فوج کشی کی منصور نے اسے قتل کر دیا۔ پھر موسیٰ بن کعب بھیجا گیا۔ اس کے مقابلہ میں منصور شکست کھا کر ریگستانی علاقہ کی طرف بھاگ گیا اور وہیں مر گیا۔ سندھ پر قبضہ کے بعد موسیٰ نے منصورہ کو پورے طور سے آباد کیا اور دیگر نئی فتوحات حاصل کیں[1]۔

محبانِ اہلِ بیت کی شورش بنی امیہ کے خاتمہ کے بعد بنی عباس جنہوں نے اہلِ بیت کے نام پر عباسی دعوت کی بنیاد رکھی تھی اور کامیاب ہو کر خود تختِ خلافت پر متمکن ہو گئے۔ محبانِ اہلِ بیت کی توقع کے خلاف یہ عمل ظہور پذیر ہوا تو اُن میں سے شریک نے بخاری ہیں عَلَمِ بغاوت بلند کر دیا۔ تیس ہزار آدمی اُس کے جھنڈے تلے جمع ہو گئے لیکن ابومسلم نے اس کا خاتمہ کر دیا اور شورش دب گئی۔

خوارج اس کے بعد ایک خراسانی امیر بسام بن ابراہیم نے حکومت سے بغاوت کی۔ سفاح نے خازم بن خزیمہ کو بھیج کر اس کا بھی خاتمہ کرا دیا[2]۔ پھر خازم کو خارجیوں کے مقابلہ کے لئے عمان اور جزیرہ کاوان بھیجا۔ وہاں خارجیوں نے شورش مچا رکھی تھی۔ عمان اور بحرین ان کے مرکز تھے۔ غرضیکہ صحرائے عمان میں ہر دو مقابل

---

[1] فتوح البلدان صد ۴۴۹ [2] ابن اثیر جلد ۵ صد ۱۶۸

ہوئے۔ خونریز معرکہ کے بعد خارجیوں کا سردار جلندی مارا گیا اور خوارج کی بڑی تعداد اس معرکہ میں قتل ہوگئی اور وہ لوگ پسپا ہو گئے [1]

قیصر روم انقلابِ حکومت سے قیصرِ روم بھی فائدہ اٹھانے کے درپے ہوا۔ اس نے ۱۳۲ھ میں ایشیائے کوچک کے سرحدی شہر کمنخ پر حملہ کیا۔ یہاں کے باشندوں نے ملطیہ کے مسلمانوں کی مدد سے مقابلہ کیا مگر شکست پا گئے رومی آگے بڑھے اور ملطیہ کو محصور کر لیا۔ کچھ عرصہ مقابلہ کرکے مسلمان جزیرہ چلے گئے۔ رومیوں نے شہر خالی پاکر ملطیہ کو برباد کر دیا جو مسلمان وہاں رہ گئے ان کو قتل اور عورتوں کو قید کر لیا [2] سفاح نے عبداللہ بن علی کو بھیج کر سرحد کا انتظام کرایا [3]

فتوحات سفاح نے تسلط کے بعد سرحدی علاقہ پر توجہ کی۔ شورشوں کے خاتمہ کے بعد ۱۳۳ھ میں خالد بن ابراہیم نے ختن پر فوج کشی کی۔ یہاں کا فرمانروا حبیش بن شبل تابِ مقابلہ نہ لا سکا اور چین کی طرف چلتا ہوا۔ فرغانہ اور چاچ کے حکمرانوں میں جنگ چھڑی ہوئی تھی۔ ابو مسلم خراسانی نے زیاد بن صالح کو بھیج دیا۔ یہاں خاقانِ چین کی امداد سے فرغانہ اور چاچ پر کامیاب ہو گئے تھے۔ دریائے طراز پر دونوں کا مقابلہ ہوا۔ زیاد نے شکست دی ۱۳۴ھ میں خالد بن ابراہیم نے کش پر فوج کشی کی۔ یہاں کا حکمران آفرید قتل ہوا۔ مالِ غنیمت ہاتھ لگا۔ خالد نے آفرید کے بھائی طاران کو کش کا حاکم بنا دیا اور کامرانی کے بعد مستقر لوٹ گیا۔

ابو مسلم اور المنصور ۱۳۶ھ میں ابو مسلم نے ابو العباس سے خواہش ظاہر کی کہ میں دربارِ خلافت میں حاضر ہونا چاہتا ہوں اور حج کی اجازت چاہی۔ سفاح نے ابوجعفر منصور کو خط لکھا کہ تم بھی حج کے لئے مجھ سے

---

[1] ابن اثیر جلد ۵ صفحہ ۱۶۸ [2] ابن اثیر جلد ۵ صہ ۱۶۹
[3] یعقوبی جلد ۲ صہ ۱۳۵

اجازت طلب کرو۔ چنانچہ ابوجعفر نے درخواست بھیج دی ان کو اجازت مل گئی اور حکومت کی طرف سے امیر الحج مقرر کئے گئے۔ ابومسلم کو جواب دیا کہ تم حج کے لئے آؤ لیکن امیر الحج منصور کو مقرر کر دیا ہے اس کے ساتھ حج کر سکتے ہو۔ ابومسلم نے اس کو منظور کر لیا۔ اور اپنے ندیموں سے کہا کہ منصور کو اس سال حج کرنا ضروری تھا[1]

ابومسلم ایک ہزار فوج کے ساتھ کر وفر اور شان وشکوہ کے ساتھ سفاح کی خدمت میں آیا۔ اس کو بڑے تزک واحتشام سے دربار میں لایا گیا۔ پھر ہر دو کے قافلے حج کو روانہ ہو گئے۔ راستہ میں ابومسلم نے اپنی شان وشوکت اور فیاضی کا اس قدر مظاہرہ کیا کہ منصور کو اس سے رشک وحسد ہو گیا[2]

دارالخلافہ سفاح نے کوفہ کے بجائے انبار اپنا دارالخلافہ بنایا تھا مگر وہ ایک شہر اور آباد کرنا چاہتا تھا تا کہ وہ دارالخلافت ہو چنانچہ کوفہ کے نواح میں ایک مختصر آبادی کی بنیاد ڈالی اس کا نام ''ہاشمیہ''[2] رکھا گیا[3]

امن وامان بنی امیہ کے کچھ افراد بچ رہے تھے وہ جان کے خوف سے چھپتے پھرتے تھے۔ عمر بن معاویہ بن سفیان اُموی اپنی جان سے تنگ آکر سلیمان بن علی عباسی کے پاس بصرہ آیا اور کہا مجھ کو قتل کر دو تا کہ روز روز کے خاتمہ سے نجات پا جاؤں گا۔ سلیمان اس کی مظلومیت پر رو دئے اور سفاح کو لکھا۔

کہ ہم نے بنی امیہ کو ان کی قطع رحمی کی وجہ سے قتل کیا تھا۔ اب صلہ رحمی کا وقت آگیا ہے کیونکہ ہم اور وہ عبد مناف کی اولاد ہیں اور یکجدی ہیں امیر المومنین اگر پسند کریں تو عام حکم دے دیں کہ کوئی شخص اب اس

---

[1] ابن اثیر جلد ۵ صفحہ ۱۲۷ [2] روضۃ الصفا جلد ۳ صفحہ ۱۳۵

[3] یعقوبی جلد ۲ صفحہ ۴۲۹

خاندان کے ساتھ ظلم نہ کرے۔ ہم کو خدا کا شکر کرنا لازم ہے کہ اُس نے ہم کو اپنے فضل و کرم سے نوازا۔"

سفاح نے اس خط کا بڑا اثر لیا اور فوراً حکم دے دیا اور تمام سلطنت میں عام اطلاع کردی گئی کہ بنو امیہ کو اب امان دی گئی۔ یہ پہلی امان تھی جو آلِ عباس نے آلِ اُمیہ کو دی۔

انتظامِ سلطنت سفاح نے تختِ خلافت پر بیٹھتے ہی اس عمدگی سے سلطنت کا انتظام کیا کہ مشہور خلفائے بنی امیہ کے مانند تھا۔

آثارِ خیر سفاح نے کوفہ سے مکہ تک میل بنائے اور ہر میل پر منارہ اور مہمان سرائیں بنائیں تاکہ مسافروں کو آرام پہنچے۔

ولی عہدی ۱۳۶ھ میں سفاح نے اپنے بھائی منصور اور اس کے بعد عیسیٰ بن موسیٰ کو ولی عہدی کی تقرری کا فرمان لکھا۔ اس عہد نامہ کو حریر کے پارچہ پر لکھوا کر پہلے اس پر اپنی مہر لگائی۔ پھر اپنے اہلِ خاندان کی مہریں لگوا کر عیسیٰ بن موسیٰ بن علی کے حوالہ کیا۔[1]

ابومسلم کو یہ ولی عہدی کھٹکی اور اس کو خیال ہوا کہ بلا میرے مشورہ کے سفاح نے کیوں ایسا کیا۔

سیرتِ سفاح سفاح باوقار، عاقل، مدبّر، اور حسنِ اخلاق سے آراستہ تھا۔ اس میں خوبیاں زیادہ تھیں برائیاں کم۔ یہ جہاں ظلم وستم میں شہرہ آفاق ہے سخاوت اور داد و دہش میں بھی بہت اونچا درجہ رکھتا ہے۔ صولی کہتے ہیں کہ سفاح نہایت سخی آدمی تھا۔ عبداللہ بن حسن نے ایک مرتبہ سفاح سے کہا کہ میں نے لاکھ درہم کا نام سُنا ہے مگر کبھی دیکھے نہیں۔ سفاح نے اسی وقت ایک لاکھ درہم منگا کر ان کے سامنے رکھوا دیئے اور کہا

---

[1] ابن اثیر جلد ۵ صـ ۱۶۲ [2] الفخری صـ ۱۳۲

دیکھ لیجیئے جب وہ مکان گئے تو اُن کے پاس بھجوا دیئے۔ ایسے ہی علوئین کو رقوم دے کر سفاح نے اپنا لیا تھا۔

ایک واقعہ تاریخ الخلفاء میں علامہ سیوطیؒ ایک واقعہ لکھتے ہیں:۔ سعید بن مسلم باہلی کہتے ہیں کہ ایک روز مجلس بھری ہوئی تھی سفاح کے ہاتھ میں قرآن شریف تھا اور بڑے بڑے آدمی اُس کے پاس بیٹھے ہوئے تھے کہ عبداللہ بن حسن ہاشمی تشریف لائے اور کہا امیرالمؤمنین جو کچھ قرآن شریف میں خدا نے ہمارا حق مقرر کیا ہے۔ وہ ہمیں عنایت کیجئے۔ سفاح نے کہا کہ آپ کے پردادا حضرت علی رضی اللہ عنہ مجھ سے لاکھ درجہ بہتر تھے اور اُن جیسا کوئی عادل بادشاہ نہیں ہوا۔ اُنہوں نے آپ کے دادا حسنؓ و حسینؓ جو آپ سے بدرجہا بہتر تھے بہت تھوڑا اعطا فرمایا اس لئے مجھے بھی یہی واجب ہے کہ میں آپ کو بھی اتنا ہی دوں جتنا حسنؓ و حسینؓ کو ملا تھا۔ اگر اس سے زیادہ دوں تو آپ اس کے حقدار نہیں ہیں۔ عبداللہ بن حسن یہ سُن کر چپ ہو گئے[1]۔

انعام و اکرام خلیفہ ابوالعباس کی یہ عادت تھی کہ جس وقت کھانا کھانے بیٹھتے تھے اس وقت حاجب یا خواص لوگوں کی حاجتیں پیش کرتے تھے چونکہ یہ وقت تفریح کا ہوتا تھا فوراً اس کی حاجتیں پوری ہو جایا کرتی تھیں اور جس قدر لوگ اس وقت ادنیٰ یا اعلیٰ ہوتے ان کو انعام و اکرام بھی اُسی وقت دیا جاتا۔

سفاح کا قول تھا کہ جب ہم سلطنت کے مالک ہیں تو پھر ہمارے متوسلین ہمارے مال سے کیوں محروم رہیں۔

ایک روز ابوالعباس آئینہ دیکھ رہے تھے جب اپنے حسن و جمال کو دیکھا تو یہ دُعا مانگی:۔

---

[1] تاریخ الخلفاء از علامہ جلال الدین سیوطی صـ ۱۸۰ ؛

"اے اللہ! میں وہ بات تو کہتا نہیں جو سلیمان بن عبد الملک نے کہی تھی کہ میں جوان بادشاہ ہوں۔ لیکن یہ عرض کرتا ہوں کہ خدایا میری عمر میں برکت عنایت فرما اور دراز کر اپنی تابعداری میں جو آفات سے محفوظ ہو۔"

اس دُعا سے فارغ ہوئے تھے کہ دو غلاموں کی بات چیت کی آواز کان میں آئی۔ ایک دوسرے سے کہہ رہا تھا کہ میرے اور تیرے درمیان میں دو مہینے اور پانچ دن اور رہ ہیں۔

یہ سُن کر سفاح کو فالِ بد معلوم ہوئی۔ زبان سے بے ساختہ نکلا۔

حسبی اللہ ولا قوۃ الا باللہ وعلیہ توکلت وبہ نستعین ط

اتفاق کی بات کہ اس واقعہ کے دو ماہ بعد سفاح مرضِ چیچک میں مُبتلا ہُوا۔ انتقال کے وقت عمر صرف ۳۶ سال کی تھی۔

وفات ابی الفدا لکھتے ہیں کہ مرتے وقت آخری کلمات سفاح کی زبان پر یہ تھے:۔

الملك لله الحي القيوم ملك الملوك وجبار الجبابرة۔

ماہ ذی الحجہ ۱۳۶ھ میں انتقال کیا اور نمازِ جنازہ عیسیٰ بن علی عباسی نے پڑھائی ؎

ودفن في قصر الامارة من الانبار

ترجمہ:۔ انبار کے قصرالامارت میں دفن کئے گئے۔ [1]

سفاح کی مدتِ خلافت چار برس نو ماہ رہی اور دائرۂ حکومت اقصاء مغرب تک تھا [2]

---

[1] البدایۃ والنہایۃ الجزالعاشر صہ ۶۱ مطبوعہ مصر [2] طبری جلد ۹ صہ ۱۵۴

علامہ ذہبی لکھتے ہیں کہ سفاح کے وقت میں حکومت میں تفرقہ پڑ گیا اور بڑا ملک اس حکومت سے اندلس وغیرہ کا نکل گیا۔

حلیہ دراز قد، سُرخ وسفید رنگ، اُونچی ناک، چہرہ بہت خُوب صُورت اور ڈاڑھی بہت خوب صورت تھی۔ بال گھونگر والے تھے [۱]

علمی مذاق سفاح علمی ذوق کا حامل تھا۔ گو حکومت کا زمانہ اس کو بہت تھوڑا ملا۔ مگر فرصت کے وقت اُس کی صحبت میں اکابر علماء وشرفاء شریک ہُوا کرتے تھے۔ اس کے عہد کے اعیان و اکابر علماء میں سے اشعث بن سوار۔ جعفر بن ابی ربیعہ وحصین ابن عبدالرحمٰن و ربیعۃ الرائے زید بن اسلم۔ عبدالملک بن عمیر۔ عبداللہ بن ابی جعفر اور عطاء بن السائب وغیرہ تھے۔

تاریخ میں اس کا ایک شعر بھی نقل ہے جو اُس کے ورد زبان رہتا تھا ؎

والقیت ذل من مفارق ھاشم

والبستہا عزاوا علیتہا قدرا

ترجمہ:۔ "مَیں نے ساداتِ بنی ہاشم کے سروں سے ذلت کو دُور ڈالا اور ان کو عزت کا لباس پہنایا اور ان کے مراتب کو بلند کیا۔"



[۱] ابن اثیر جلد ۵ صفحہ ۱۷۳ ؛

خلیفہ ابوجعفر عبداللہ منصور

خلیفہ منصور خلفائے عباسیہ میں علم وفضل کے ساتھ سیاست ملکی میں بھی بلند درجہ رکھتا تھا۔ مؤرخین متفق الرائے ہیں کہ حکومت عباسیہ کے بانی مبانی منصور اور سفاح تھے۔

ولادت منصور ۹۵ھ میں بزمانۂ خلافت ولید بن عبدالملک اموی پیدا ہوا۔ دامہ ام ولد اسمہا سلامہ [1]

والدہ منصور کی والدہ جناب سلامہ قوم بربریہ سے تھیں جو بڑی عابدہ زاہدہ تھیں۔ امام محمد بن علی سجاد بن حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کے یہ تیسرے صاحبزادے تھے۔

وکان اکبر من اخیہ ابی العباس ــــ السفاح [2]

تعلیم وتربیت منصور نے آنکھ کھولی تو خاندان میں علوم دینی کے لئے بڑے بڑے اکابر موجود تھے۔ باپ تابعین میں شمار کئے جاتے تھے جن کو علم حدیث وتفسیر ورثہ میں پہنچا تھا۔ منصور نے ان سے استفادہ علمی کیا۔ ابن خلکان کا بیان ہے :-

"خلیفہ منصور نے بغرض تحصیلِ علم بڑے بڑے لمبے سفر کئے۔ جہاں کسی محدث کا پتہ لگا وہاں جاتا اور اُن سے علم حدیث حاصل کرتا۔

علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں :-

---

[1] البدایۃ والنہایۃ الجزء العاشر صـ ۱۲۱ [2] ایضاً

منصور نے اپنے باپ اور عطاء بن یسار سے حدیث روایت کی اور اس کے بیٹے مہدی نے اس سے روایت کی[1]

منصور بنو عباس میں از روئے ہیبت و شجاعت و حزم و رائے و جبروت سب سے بہتر تھا۔ کامل العقل، ادب و فقہ کا عالم اور نہایت فصیح و بلیغ پُرگو شخص تھا[2]

خلافت منصور مکہ معظمہ سے روانہ ہونے والا تھا کہ سفاح نے انبار میں انتقال کیا۔ سفاح نے انتقال سے پہلے اپنے بھائی ابوجعفر منصور اور ابوجعفر کے بعد عیسٰی بن موسیٰ کی ولی عہدی کا عہد نامہ لکھ دیا تھا۔

بیعتِ خلافت اس وقت ابوجہیم بن عطیہ وزیر سلطنت تھا۔ عیسٰی ابن موسیٰ نے ارکانِ سلطنت سے منصور کی بیعت لی اور اس حادثہ سے منصور کو مطلع کیا۔ ابوجعفر کو بھائی کے مرنے کا بہت صدمہ ہوا۔ ابومسلم خراسانی بھی مکہ میں مقیم تھا اس کو بلا کر عیسٰی کا خط دیا۔ ابومسلم خط کو دیکھتے ہی رو پڑا جب منصور کو اور ابومسلم کو قدرے سکون ہوا تو منصور نے ابومسلم سے کہا۔ مجھے خاندان میں کسی اور کا اندیشہ نہیں ہے۔ البتہ عبداللہ بن علی عباسی کے شر سے خطرہ ہے۔ ابومسلم نے عرض کیا میں اُن کے لئے کافی ہوں۔ ان کے لشکر میں خراسانی زیادہ ہیں اور وہ میرے مطیع ہیں۔ اس فقرے کے سننے سے منصور کی باچھیں کھل گئیں۔ ابومسلم اور حاضرینِ مکہ نے منصور کی بیعت کی اور دونوں مراجعت کرکے سنہ ۱۳۱ھ میں کوفہ پہنچے۔ راہ میں اسحاق نے منصور سے کہا مجھ کو ابومسلم کی طرف سے خدشہ ہے۔ منصور نے کہا آپ کا خیال غلط ہے[3]

ورودِ انبار منصور کوفہ سے پھر انبار آیا۔ عیسٰی بن موسیٰ نے شاہی خزانہ کی کنجیاں ان کی خدمات میں پیش کیں اور دیوان کا دفتر سپرد کیا۔ اب مستقل طور سے منصور تختِ خلافت پر متمکن ہو گیا۔

---

[1] تاریخ الخلفاء صفحہ ۱۸۰ [2] ایضاً [3] ابن خلدون کتاب ثانی جلد ششم صفحہ ۲۲۹

خروجِ عبداللہ بن علی عباسی

عبداللہ بن علی عساکر بنی عباس کا کمانڈر تھا۔ سفاح نے اس کو لشکر شام اور خراسان کے ساتھ صائفہ بھیجا تھا۔ یہاں سے وہ "دلوک" پہنچا تھا کہ اس کو سفاح کے انتقال کی خبر معلوم ہوئی تو اس نے اپنی خلافت کا اعلان کر دیا۔ ابوحاتم طائی، خفاف مراوزی اس کے مؤید تھے۔ حمید بن حکیم بن قحطبہ، خراسان، شام اور جزیرہ کے نامور سرداروں نے اس کی بیعت کر لی تو یہ لشکر کو لے کر حران پہنچا۔ مقاتل ابن حکم کا محاصرہ کیا اور کچھ دن کے بعد قبضہ کر کے نصیبین آیا۔ منصور نے ابومسلم کو عبداللہ کے مقابلہ کے لئے بھیجا۔ یہ فوج لے کر عبداللہ کے مقابل پہنچ گیا۔ دوسری طرف سے حسن بن قحطبہ بھی آ گیا۔ دونوں نے اس کو گھیر لیا۔ عبداللہ کا لشکر شام کی جانب بھاگ کھڑا ہوا۔ عبداللہ بھی چلتے بنے اور بصرہ اپنے بھائی سلیمان بن علی کے پاس جا چھپے۔ ابومسلم نے نامۂ بشارتِ فتح منصور کی خدمت میں بھیجا۔

ابومُسلم کی باغیانہ روش

اب منصور کے لئے دو خدشے باقی تھے۔ ایک آلِ ابی طالب کی خفیہ سرگرمیاں، دوسرے ابومسلم کا غرور اور اُس کی مشیخت۔ عبداللہ بن علی کو شکست دے کر اس کو خراسان پر حکمرانی کی لَو لگی ہوئی تھی اور وہ کہا کرتا تھا کہ "میں ہی آلِ عباس کے عروج کا سبب ہوں" اور اپنے اعیان کے سامنے منصور کو بُرا بھلا بھی کہہ دیا کرتا تھا۔ یہ خبریں منصور کو خفیہ طور سے پہنچ جاتیں۔ اس پر طرہ یہ ہوا کہ اُس نے امینہ بنت عبداللہ بن علی عباسی کو اپنے عقد کا پیام دیا اور اس سے بڑھ کر یہ شہرت دی کہ میں سلیط بن عبداللہ بن عباس کی اولاد سے ہوں۔ یہ اپنی غلامی کو بھول گیا منصور کا کوئی فرمان آتا تو مالک بن ہیثم اور ابومسلم اس کا مذاق اڑاتے تھے[1]

دفعتہً منصور کا پیمانۂ صبر لبریز ہو گیا کہ اُس کے باپ دادا نے ابومسلم کو

[1] الامامۃ والسیاسۃ لابن قتیبہ جلد ۲ صـ ۱۳۲

خاک سے پاک کیا۔ غلامی سے آزاد کیا اور سب سے بڑھ کر یہ کہ اس کو "امیر آلِ محمد" کا خطاب دیا۔ بالآخر منصور نے تدبیرِ سیاست سے ابومسلم کو حکم بھیجا کہ ہم نے مصر و شام کی حکومت تم کو دی، یہ خراسان سے بہتر ہے تم شام میں رہو اور مصر میں اپنی طرف سے جس کو مناسب سمجھو بھیج دو۔ اس صورت سے تم میرے نزدیک بھی رہو گے اور وقتاً فوقتاً دربارِ خلافت میں حاضر بھی ہوتے رہو گے۔

ابومسلم کے پاس یہ حکم پہنچا تو اُسے بہت غصہ آیا اور مصاحبوں سے کہنے لگا کہ شام و مصر کی حکومت تو مجھے اپنی مصلحت سے اب دی ہے اور خراسان تو میرا ہی فتح کیا ہوا ہے[1]

اس کی گفتگو کی خبر منصور کو پہنچی تو اس نے انبار سے مدائن جانے کا ارادہ کیا اور ابومسلم کو حکم بھیجا کہ مدائن آکر مجھ سے فوراً ملو۔ اس وقت ابومسلم زاب میں مقیم تھا۔ منصور کا حکم پہنچا تو اُس نے یہ جواب دیا۔

"امیر المومنین کا اب کوئی دشمن باقی نہیں رہا اور ہم کو آل ساسان سے روایت پہنچی ہے کہ جب بادشاہ کو دشمنوں سے اطمینان ہو جاتا ہے تو وزیروں کے لئے خوف کا زیادہ موقع ہوتا ہے اس لئے ہم لوگ آپ سے دور رہنا پسند کرتے ہیں۔ باقی ہم ہر طرح آپ کی اطاعت و فرمانبرداری کے لئے موجود ہیں۔ مگر آپ سے دُور رہنے ہی میں اپنی سلامتی سمجھتے ہیں۔ اگر آپ اس کو پسند فرمائیں تو آپ کے وفادار غلاموں میں سے ہوں اور اگر آپ نے اس کو پسند نہ فرمایا اور اسی پر زور دیا کہ خود ہی حاضر ہوں تو میں اپنے عہدوں کو توڑتا ہوں اور آپ کی اطاعت سے باہر ہوتا ہوں کیونکہ مجھے اپنی جان کا خوف ہے"۔[2]

---

[1] ابن الاثیر جلد ۵ صفحہ ۱۸۱ [2] ایضاً

اس خط کے بعد منصور نے لکھا ۔

"تم ایسے نہیں ہو۔ ایسے تو وہ ہوتے ہیں جو بہت سی خطائیں کرتے ہیں تم تو ہمیشہ ہمارے مطیع رہے ہو۔"

مگر ابو مسلم نے خطرہ محسوس کر کے احکامِ منصور کا خیال نہیں کیا اور حلوان چل دیا جو خراسان کے راستہ میں تھا۔ خلیفہ منصور مدائن پہنچ گئے تھے۔ اس وقت انہوں نے اپنے چچا عیسیٰ بن علی سے اور تمام عمائد بنی ہاشم سے کہا کہ آپ لوگ ابو مسلم کو خطوط لکھیں۔ چنانچہ ان لوگوں کے بہت سے خطوط متواتر اس کے پاس پہنچے۔ جن کا مضمون یہ تھا :-

"ہم لوگ تمہارے شکر گزار ہیں اور تمہاری عظمت ہمارے قلوب میں ہے مگر تمہارا فرض ہے کہ اطاعت کرو اور ہم تم کو بغاوت سے منع کرتے ہیں اور تم کو فوراً دربارِ خلافت میں حاضر ہونا چاہیئے۔"

مگر ابو مسلم اپنی دھن میں لگا ہوا تھا اور خراسان پر نظر رکھ رہا تھا۔ اس کی جملہ حرکات کا علم منصور کو ہوتا رہتا تھا ۔

خلیفہ نے ابو حمید مروزی کو ایک خط لکھ کر دیا کہ تم ابو مسلم کے پاس لے کر جاؤ۔ اوّل بہت نرمی سے گفتگو کرنا اور یہ ظاہر کرنا کہ اگر تم نے امیر المومنین کی اطاعت کی تو تمہارا مرتبہ بہت بلند کیا جائے گا اور پھر کہنا کہ تم کو امیر المومنین کی خدمت میں جانا چاہیئے۔ اگر وہ انکار ہی کئے جائے تو کہنا کہ امیر المومنین نے یہ فرمایا ہے ۔

"میں حضرت عباس کی اولاد سے نہیں ہوں گا اور حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم سے علیحدہ ہو جاؤں گا اگر تجھ کو گرفتار نہ کر لوں چاہے تو دریا ہی میں گھس جائے یا آگ میں چلا جائے یہاں تک کہ میں تجھ کو قتل نہ کر دوں یا خود قتل نہ ہو جاؤں۔" [1]

---

[1] ابن اثیر جلد ۵ صفحہ ۱۷۰

مگر یہ بات اس وقت کہنا جب ابومسلم کے یہاں آنے سے مایوس ہو جاؤ۔
غرضیکہ ابوحمید ابومسلم کے پاس حلوان پہنچا اور اس کو منصور کا خط دیا اور کہا۔
لوگوں نے از راہِ حسد تمہاری طرف سے امیرالمؤمنین سے بعض باتیں ایسی جا لگائی ہیں جس کا اُن کو بہت خیال ہے۔ اگر تم خلیفہ کے پاس پہنچ جاؤ تو آپس کی شکر رنجی جاتی رہے۔ ابوحمید نے پھر کہا۔

"اے ابومسلم آپ "امیر آلِ محمد" ہیں اسی لقب سے آپ سے لوگ واقف ہیں اور خدا کے یہاں آپ کو اس کا اجر اس سے زیادہ ملے گا جتنا دُنیا میں ہے۔ آپ اپنے اجر و ثواب کو خراب نہ کریں اور شیطان کے دھوکہ میں نہ آئیں۔" [1]

ابومسلم نے کہا۔ حمید تیری یہ جُرأت ہوئی کہ مجھ سے ایسی باتیں کرتا ہے۔

ابوحمید بولا :۔

"امیر! آپ ہم کو انہی باتوں کی تو ہدایت کرتے تھے اور اطاعت اہلِ بیت نبیؐ کی طرف ہم کو بلاتے تھے خصوصاً آلِ عباس کے لئے اور آپ ہی نے ہم کو حکم دیا تھا کہ جو شخص آلِ عباس کے خلاف ہو اس کو قتل کر دو۔ آپ نے ہم کو مختلف زمینوں سے بلا کر جمع کیا اور ہم کو اہلِ بیت رسول کا مطیع بنایا اور آلِ رسولؐ کی اطاعت کے باعث معزز کیا۔ پس جبکہ ہم اپنی مساعی میں کامیاب ہو گئے اور ہماری آرزوئیں پوری ہو گئیں۔ اب آپ فساد کرنا چاہتے ہیں اور یہ چاہتے ہیں کہ ہماری ہوا اُکھڑ جائے اور پہلے آپ ہی نے ہمیں ہدایت کی تھی کہ جو شخص ہمارا مخالف ہو اس کو فوراً قتل کر دو۔" [1]

ابوحمید کی تقریر ابومسلم غور سے سُن رہا تھا۔ جب ابوحمید خاموش ہوا تو

---

[1] کامل ابن اثیر جلد ۵ صـ۱۷۶

ابو مسلم نے مالک بن ہشیم کی طرف دیکھا اور کہا کہ آپ نے سنا کہ یہ شخص کیا کہتا ہے؟ یہ اُس کا کلام نہیں ہو سکتا۔

مالک بن ہشیم نے کہا آپ اس کی بات نہ سُنیں اور اُس کے کہنے سے امیر المومنین کی طرف سے خوف زدہ نہ ہوں۔ میں قسم کھاتا ہوں کہ یہ اُس کا کلام نہیں اور یاد رکھیئے اس کے بعد آپ کو اور سختیاں جھیلنی ہوں گی۔ آپ اپنا کام کریں اور وہاں جانے کا قصد نہ کریں ورنہ امیر المومنین آپ کو قتل کر دیں گے ان کے دل میں آپ کی طرف سے کھٹکا پیدا ہو گیا ہے۔

یہ سُن کر ابو مسلم نے حکم دیا کہ جلسہ برخاست کیا جائے۔ مصاحب یہ سُنکر چلے گئے اس کے بعد اس نے نیزک کے پاس خط اور امیر المومنین کا فرمان بھیجا۔ اور جانے کی بابت رائے طلب کی۔ اُس نے کہا آپ ہرگز نہ جائیں اور "خراسان" اور "رے" کے درمیان مقیم رہیں۔ رے میں آپ کا لشکر رہے گا اور کوئی مخالفت نہ کر سکے گا۔ اگر امیر المومنین کے خیالات صاف ہو گئے تو یہاں رہیئے اور صاف نہ ہوئے تو اپنے لشکر میں جا کر رہیئے اور خراسان آپ کے پیچھے ہے، آئندہ آپ کی رائے ہے[1]

یہ سُن کر ابو مسلم نے ابو حمید کو بلایا اور کہا کہ اب تم اپنے صاحب کے پاس جاؤ اور میری رائے نہیں ہے کہ میں وہاں جاؤں۔ ابو حمید نے کہا کیا آپ نے امیر المومنین کے حکم کے خلاف قصد کر لیا ہے۔ ابو مسلم بولا۔ ہاں۔ ابو حمید نے کہا۔ امیر آپ کو ایسا کرنا نہ چاہیئے۔ ابو مسلم نے کہا میں کبھی اُن کے پاس نہ جاؤں گا۔

ابو حمید جب مایوس ہو گیا تو اُس نے امیر المومنین کا آخری پیغام جس کا ذکر پہلے آچکا ہے ابو مسلم کو پہنچا دیا۔ پھر تو ابو مسلم کی سِٹی گم ہو گئی سوچ میں پڑ گیا

---

[1] ابن اثیر جلد ۵ صہ ۱۷۶

اور کہا۔ حمید تم جاؤ مگر یہ ضرور ہے میں منصور کی سیاست سے بہت ڈرتا ہوں۔
اسی وقت ابو داؤد نائب ابو مسلم کا خراسان سے خط آیا۔ اس نے لکھا تھا :۔

"امیر آلِ محمد! ہم نے خدا کے خلفاء کی معصیت کے لئے خروج نہیں کیا اور نہ اہلِ بیت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی کے لئے پس آپ اپنے امام کی مخالفت نہ کریں اور بغیر اُن کے حکم کے خراسان نہ آئیں۔"

صورت یہ کی گئی تھی کہ منصور نے ایک خط ابو داؤد کو خراسان لکھا تھا کہ تم کو خراسان کی حکومت دی گئی۔ جب تک زندہ ہو وہاں کے حاکم رہو۔ اس حکم کے بعد مذکورہ بالا خط ابو مسلم کو داؤد نے لکھا۔ خط کے پڑھتے ہی ابو مسلم کے ہوش جاتے رہے۔ خراسان پر نازتھا وہ ہاتھ سے نکل گیا۔ اگر بغاوت کرتا ہے تو داؤد کی فوج پیچھے سے اور آگے خلیفہ کی فوج گھیر کر ختم کر دے گی۔ اب اس کے لئے یہی راہ تھی کہ خلیفہ کی اطاعت قبول کرے۔ چنانچہ فوراً ابو حمید کو بلا بھیجا اور کہا کہ میں اس وقت خراسان کا قصد رکھتا تھا مگر ابو اسحاق کو امیر المؤمنین کی خدمت میں اپنی طرف سے بھیجتا ہوں تاکہ معلوم کروں کہ میری بابت کیا حکم ہے؟ کیونکہ مجھ کو ابو اسحاق پر اعتماد ہے۔

ابو اسحاق جب مدائن پہنچا تو تمام سادات بنی ہاشم نے اس کو ہاتھوں ہاتھ لیا۔ توقیر و منزلت سے پیش آئے۔ پھر یہ دربارِ منصور میں حاضر ہوا تو امیر المؤمنین نے حکم دیا کہ ہم نے تم کو خراسان کا گورنر مقرر کیا۔ جاؤ اور اپنے فرائض انجام دو۔

یہ سُن کر ابو اسحاق ابو مسلم کے پاس آیا اور اُس سے کہا امیر آلِ ہاشم! میں نے کوئی بات ایسی نہیں دیکھی جو تمہارے خلاف ہو وہ تمہاری عزت ایسے ہی کرتے ہیں جیسی اپنی اور آپ بخوشی دلی امیر المؤمنین کی خدمت میں پہنچئے اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ جو کچھ شکر رنجیاں امیر المومنین اور آپ میں ہوگئی ہیں دُور ہو جائیں گی۔

نیز کسی نے جو یہ سنا تو ابومسلم سے آکر کہا کیا آپ کا ارادہ دربار کی حاضری کا ہو ہی گیا اور یہ رائے قائم کر لی کہ امیرالمومنین کی خدمت میں جائیں۔

ابومسلم نے کہا۔ ہاں

اس نے یہ شعر پڑھا ؎

مالِلرِّجال مع القضاء محالة — "یعنی قضا سے چارہ نہیں انسان تدبیری
ذھب القضاء بحیلة الاقوام — بچاؤ کی کوشش کرتا ہے۔

"امیر اگر تم جاتے ہی ہو تو میں ایک بات کہتا ہوں وہ یہ ہے کہ جس وقت دربارِ خلافت میں پہنچو موقعہ پاکر فوراً امیرالمومنین کو قتل کر دینا۔ اس کے بعد جس کے ہاتھ پر چاہو بیعت کر لینا۔ کیونکہ ارکانِ دولت تم سے خلاف نہ ہوں گے"

ابومسلم نے اپنے حاضر ہونے کی اطلاع دربارِ خلافت کو کر دی اور ابونصر کو اپنے لشکر کا سردار مقرر کیا اور کہا کہ اگر میرا خط تمہارے پاس نصف مہر کا آئے تو سمجھ لینا کہ میرا خط ہے اور اگر سالم مہر میری ہو تو سمجھ لینا کہ وہ میرا نہیں ہے۔

قتل ابومسلم

منصور کے پاس ابومسلم کا خط پہنچا کہ میں پہنچ رہا ہوں۔ ثم قال الخلیفة:۔ واللہ لئن ملأت عینی منه لاقتلنه [1]

ابومسلم اپنے لشکر کو "حلوان" میں بسرافسری مالک بن ہیثم ٹھہرا کر تین ہزار فوج کے ساتھ مدائن پہنچا۔

وزیرِ سلطنت ابوایوب کو ابومسلم کے اس کروفر کے داخلہ سے اندیشہ ہوا کہ کوئی گل نہ کھل جائے اور میرا منہ کالا ہو۔ اس نے ابومسلم کے مخصوص آدمی کو بلا کر کہا کہ تم ابومسلم سے اپنے لئے سفارش کراؤ۔ امیرالمومنین ولایت کسکر کا انتظام

---

[1] خلیفہ نے کہا کہ جس وقت ابومسلم میرے سامنے آئے گا اس کو فوراً قتل کر دوں گا۔ (البدایة والنہایة)

کرنے کو ہیں۔ وہ ابومسلم کے پاس پہنچا اور منصور سے سفارش کرنے کی درخواست کی۔ ابومسلم نہال ہوگیا اور اس کا رنج وغم جاتا رہا[1]

دارالخلافہ کے قریب ابومسلم کے پہنچنے کی خبر مشہور ہوئی۔ سردارانِ بنوہاشم و اراکینِ سلطنت حسب الحکم منصور استقبال کو آئے۔ ابومسلم دربارِ خلافت میں حاضر ہوا اور امیر المؤمنین کی دست بوسی کی اور آرام کرنے کی غرض سے اجازت چاہی۔ منصور نے مسکرا کر اجازت دی۔ وہ قیام گاہ پر چلا گیا۔ صبح ہوئی تو منصور نے اپنے حاجب عثمان بن نہیک کو معہ چار سرداروں کے جن میں شبیب بن رواح اور ابو حنیفہ، حرب بن قیس بھی تھے بلوایا اور ان کو پس پردہ بلا کے یہ ہدایت کردی کہ جس وقت میں اپنے ہاتھ پر ہاتھ ماروں تو پردہ سے نکل کر ابومسلم کو فوراً قتل کر دینا[2]

ابومسلم دربار میں حاضر ہوا اس کے پاس عبداللہ ابن علی کی تلوار تھی منصور نے وہ دیکھنے کے بہانے سے لے لی اور ابومسلم پر عتاب کی نظر ڈالی اور جو جو نافرمانیاں اس سے ہوئی تھیں ان کا ذکر کیا۔ یہاں تک کہ یہ بھی کہا۔

"تو نے امینہ بنت عبداللہ بن علی کو نکاح کا پیام دیا تھا اور تو نے یہ دعویٰ کیا تھا کہ تو سلیط بن عبداللہ بن عباس کی اولاد سے ہے اللہ اکبر تو بڑے مرتبہ پر پہنچنا چاہتا تھا۔ نیز تیری یہ حالت تھی کہ تو نے امیر المؤمنین ابوالعباس کو ایک مسئلہ پر تنبیہ کی تھی۔ ابومسلم نے پہلی بات کا تو جواب نہ دیا۔ اس بات کا یہ جواب دیا کہ امیر المؤمنین کا جواب میرے پاس آگیا تو میں یہ سمجھا کہ امیر المومنین اور اُن کے گھرانے والے معدنِ علم ہیں۔ غرض آخر میں اس نے کہا کہ اب آپ یہ کہتے ہیں مگر جب میں نے آپ کے لئے سلطنت کے تمام راستے صاف کر دیئے

---

[1] ابن خلدون کتاب ثانی جلد ششم صفحہ ۲۳۹ [2] ابن خلدون جلد ہفتم کتاب ثانی صفحہ ۱۳۷

اور کیسے کیسے کام کئے۔ اس پر خلیفہ منصور نے کہا کہ جو کچھ تُو نے کیا ہماری ہی بدولت اور ہمارے ہی نام سے کیا۔ اگر ہم کسی عورت کو اس کام پر مقرر کرتے وہ بھی یہی کام کرتی اور اگر تو خود بغیر ہمارے ذریعے کے کرتا تو کچھ بھی نہ کر سکتا تھا۔ تیری یہ حالت تھی کہ اول اپنا نام لکھتا تھا اس کے بعد ہمارا نام لکھتا تھا۔ یہاں تک غرور بڑھ گیا تھا اور پھر بغیر ہمارے حکم کے تُو نے خراسان جانے کا قصد کیا۔ اس نے جواب دیا کہ خراسان جا کر آپ سے معذرت کر کے معافی مانگ لیتا۔ یہ سُن کر منصور کو غصہ آگیا اور دستک دی۔ عثمان بن نہیک نے نکل کر تلوار کا وار ابومسلم پر کیا۔ اس کے جسم پر کچھ خفیف اثر ہُوا تو شبیب بن رواج نے حملہ کیا۔ ابومسلم نے امیرالمومنین سے کہا مجھ کو آپ اپنے دشمن کے لئے باقی رکھئے۔

منصور نے جواب دیا تجھ سے بڑھ کر اور میرا کون دشمن ہو سکتا ہے۔ غرضیکہ وہ قتل کر دیا گیا۔ یہ واقعہ ۲۵ر شعبان ۱۳۷ھ کا ہے۔ اس کے بعد اس کے ساتھیوں کو انعام و کرام سے نوازا۔ ابواسحاق کو ایک لاکھ درہم دیئے گئے۔ ابونصر کو گورنر موصل کر دیا[1] منصور کو قتل ابومسلم سے پورا اطمینان ہو گیا۔ اُس نے تمام اعیانِ سلطنت کو مسجد میں جمع کر کے منبر پر کھڑے ہو کر یہ خطبہ دیا۔

" لوگو! تم لوگ اُنسِ طاعت سے وحشتِ معصیت کی طرف نہ جاؤ اور راہِ حق پر چلنے کے بعد باطل کی تاریکی میں نہ چلو"

بے شک ابومسلم کا آغاز خوبی کے ساتھ ہُوا اور انجام برائی پر اس کو بہت کچھ عطا کیا گیا جس سے اُس نے سب پر تفوق حاصل کیا اور اس کی بد باطنی اس کے حسنِ ظاہر پر غالب آگئی اور ہم اُس کی خبثِ باطنی اور فسادِ نیّت سے ایسے آگاہ

---

[1] ابن خلدون جلد ہفتم کتاب ثانی صفحہ ۲۴ ❖

ہو گئے ہیں کہ اگر اس کو اس بات کی کوئی نصیحت کرنے والا جان جاتا تو وہ قتل نہ کرتے اور اتنے دنوں چھوڑ رکھنے پر ہم کو ملامت کرتا۔ یاد رہے وہ برابر ہماری بیعت کو توڑتا اور ہمارے حق کی حقارت کرتا۔ تا آنکہ اس کی عقوبت حلال ہو گئی اور اس کا خون ہم کو مباح ہو گیا اور اس کے حقوق ہم کو جاری کرنے سے مانع ہوئے اور کیا خوب نابغہ ذبیانی نے کہا ہے :-

فمن اطاعک فانفعہ بطاعتہ
کما اطاعک وادللہ علی الرشد
ومن عصاک فعاقبہ معاقبۃ
تنہی الظلوم ولا تقعد علی ضمد

"جو شخص تمہاری اطاعت کرے اس کو اسکی اطاعت کی وجہ سے جیسے اس نے اطاعت کی ہو نفع پہنچا دو اور اس کو رشد کی رہنمائی کرو اور جو شخص تمہاری نافرمانی کرے اس کو ایسی عقوبت کرو کہ جس سے ظالم تھرا اٹھے اور تم اس کی معیشت کی فکر نہ کرو"۱

اس کے بعد منصور منبر سے اترا اور مصافحہ کر کے اعیانِ سلطنت کو رخصت کیا۔

حقیقتِ حال ابومسلم جیسے جری اور جنگ آزمودہ سپہ سالار کو جو سفاح و منصور کا دستِ راست اور قوتِ بازو تھا قتل کرا دینا بادی النظر میں منصور کے دامنِ شرف و عدالت پر یہ ایک نہایت بدنما داغ ہے مگر ابومسلم کے جو واقعاتِ خودسری اور اس کی غلط روش و اقدام کے معتبر تاریخوں سے اخذ کر کے پیش کئے گئے ہیں ان پر غور کرنے کے بعد کہنا پڑتا ہے کہ منصور اس کے اقدامِ قتل میں غالباً برسرِ حق تھا۔ اگر ابومسلم قتل نہ ہوتا تو اس کے ہاتھ سے منصور قتل ہوتا۔ اس کے علاوہ منصور کے لئے اس کے سوا اور کوئی چارۂ کار ہی نہ تھا کہ اپنی حکومت جو بدقتِ تمام حاصل ہوئی تھی اس کو ابومسلم کے خار وجود سے پاک کر دیتا۔ اور اگر وہ ایسا نہ کرتا تو اس کی فرماں روائی اور جہاں بانی کو کبھی استحکام نصیب نہ ہوتا۔

---

۱ تاریخ کامل لابن اثیر صفحہ ۱۷۹ جلد ۵ مطبوعہ مصر۔

اگر ابومسلم اپنے خوف ناک منصوبوں میں کامیاب ہو جاتا تو دولت عباسیہ کا استیصالِ کلی بھی غیر اغلب نہ تھا بلکہ خراسان میں ایک عجمی حکومت کی تشکیل نظر آتی۔

فتنۂ سنباد

اہلِ خراسان کو ابومسلم کے قتل کی خبر ہوئی تو زیادہ لوگوں پر اوس سی پڑ گئی۔ مگر ابومسلم کا ساتھی سنباد معروف بہ فیروز اسپہبد (مجوسی) نے ابومسلم کے خون کا معاوضہ طلب کرنے کے نام سے منصور کے خلاف فتنہ کھڑا کر دیا۔ اہلِ جبال اس کے ساتھ ہو گئے "رے" اور "نیشاپور" پر اس نے قبضہ جمایا۔ ابومسلم کے خزانہ پر متصرف ہوا اور اہلِ شہر کا مال لوٹا۔ عورتوں کو پکڑ لے گیا اور ان کو لونڈیاں بنا لیا۔ ظاہر یہ کرتا تھا کہ میں کعبہ کو منہدم کرنے جا رہا ہوں منصور کو خبر لگی تو اس نے اس کی سرکوبی پر جمہور بن مرار عجلی کو مامور کیا۔ اس نے ہمدان کے نزدیک سنباد کو آلیا۔ اس کے ساتھ ہزار ہا آدمی مارے گئے۔ سنباد شکست کھا گیا اور طبرستان میں جا کر پناہ لی۔

عامل طبرستان کے ملازم نے اس کو قتل کر دیا اور اس کے مال و اسباب کو عامل طبرستان ہضم کر گیا۔ منصورؒ نے اس کی سرکوبی کو ایک فوج روانہ کر دی۔ سنباد کا خزانہ جمہور نے بھی دارالخلافہ نہ بھیجا اور باغی ہو کر "رے" پر قابض ہو گیا۔ منصور نے اس کی خودسری ختم کرنے کے لئے ایک عظیم لشکر محمد بن اشعث کے ساتھ بھیجا۔ جمہور یہ خبر پاکر "رے" سے اصفہان چلا گیا۔ یہاں محمد اور جمہور میں معرکہ رہا۔ جمہور کو شکست ہوئی اس نے آذربائیجان کا راستہ لیا۔ خود اسی کے ہمراہی نے قتل کر کے اس کا سر منصور کے پاس بھیج دیا۔ یہ واقعہ ۱۳۸ھ کا ہے۔[1]

عبداللہ کی موت

عبداللہ بن علی عباسی سلیمان کے پاس ہزیمت کھا کے گئے تھے منصور نے ۱۳۹ھ میں ان کو معزول کر کے

---

[1] تاریخ ابن خلدون جلد ۳ صفحہ ۲۴۲ ؛

طلب کیا اور لکھا کہ عیسیٰ بن موسیٰ کو بھی ساتھ لائیں اور عبداللہ کو امان دی گئی ان کو بھی لیتے آنا۔ یہ حضرات دربار میں پہنچے سلیمان اور عیسیٰ کو باتوں میں لگایا۔ عبداللہ کو قید کر دیا بقیہ ہمراہیوں کو مروا دیا۔ عبداللہ ۱۴۹ھ تک قید رہے قید خانہ کی دیواروں میں نمک ڈلوایا جو کچھ عرصہ بعد گر گئیں اور عبداللہ آہنی دیواروں میں دب کے رہ گئے۔

عیسیٰ پر عتاب منصور ۱۴۷ھ میں حج کو جانے لگا تو عیسیٰ سے کہا عبداللہ بن علی کو قتل کر دینا۔ مگر منصور کے سکرٹیری یونس بن فردہ نے منع کر دیا۔ منصور حج سے واپس آیا اُس نے عیسیٰ سے عبداللہ کو طلب کیا۔ اُس نے کہا وہ تو قتل کر دیا گیا منصور بولا۔ میں نے یہ حکم تم کو نہیں دیا تھا۔ عیسیٰ کچھ جواب دینا چاہتا تھا کہ منصور نے اپنے اعمام سے مخاطب ہو کے کہا۔ اپنے بھائی کے عوض اس کو گرفتار کر لو۔ وہ گرفتار ہو گیا جب قتل گاہ پر لایا گیا تو اُس نے کہا وہ زندہ ہیں منصور کے اعمام نے عیسیٰ کے قتل سے اعراض کیا مگر منصور نے عیسیٰ کو قید کر دیا[۱]

یہ وہی عیسیٰ بن موسیٰ ہے جس نے منصور کے لئے بیعتِ خلافت لی تھی اور منصور کے بعد از روئے عہد نامۂ سفاح خلیفہ ہونے کو تھا منصور اپنے بیٹے کو اپنا جانشین کرنا چاہتا تھا۔ یہ تمام واقعہ اسی بنا پر وقوع پذیر ہوا۔

ابوجعفر منصور عباسی کا حج منصور بحیثیت خلیفہ ۱۴۰ھ میں حج کے لئے روانہ ہوا۔ اس نے حیرہ سے احرام باندھا۔ حرمین شریفین میں بے شمار خیرات کی۔ سادات و اشراف کو گرانقدر عطیات عطا کئے۔ ہر شریف کو ایک ایک ہزار فلوری دینار دیئے۔ قریش کی عورتوں کو سونے چاندی کے ظروف اور قیمتی پوشاکیں مرحمت کیں۔ مدینہ میں تو کوئی

---

[۱] ابن خلدون حصہ کتاب ثانی جلد ہفتم صفحہ ۲۶۸

متنفس ایسا نہ بچا تھا جسے کچھ نہ کچھ نہ ملا ہو۔ اہلِ مدینہ کو اس قدر انعامات اب تک کسی خلیفہ نے نہیں دیئے تھے۔ حج سے فارغ ہو کر منصور بیت المقدس گیا وہاں سے اپنے دارالسلطنت پہنچ گیا۔ اس کے بعد عبداللہ بن علی کا واقعہ پیش آیا۔ جس کا ذکر کیا جا چکا ہے۔

فتنۂ راوندیہ خراسانی عموماً کمزور عقیدہ کے تھے "عمار" کا فتنہ اٹھا تو وہ دعوتِ آلِ ہاشم کے متبع بنے۔ دعوتِ بنی عباس میں سرگرمی دکھائی۔ ابو نصر مالک بن ہشیم کے ہمنوا ہو کر ایک نیا مذہب بنا کے اٹھ کھڑے ہوئے۔ یہ لوگ عموماً ابو مسلم کے متبعین کہلائے جاتے اور تناسخ و حلول کے قائل تھے۔ ان کا اعتقاد تھا کہ آدمؑ کی روح نے عثمان بن نہیک میں اور اللہ جل شانہٗ نے منصور میں اور جبرئیل نے ہشیم بن معاویہ میں حلول کیا ہے۔ ان کا دائرہ روز بہ روز وسیع ہوتا جا رہا تھا کہ منصور کو ان کے کفریات کی خبر ہوئی اس نے اُن کے دو سو آدمی گرفتار کرائے اور تلوار کے گھاٹ اُتار دیئے گئے معن بن زائدہ شیبانی کے ہاتھوں اس گروہ کے سرداروں کا خاتمہ ہوا۔

بغاوتِ خراسان سفاح نے خراسان پر بعد بغاوت و ہلاکت بسام بن ابراہیم، ابوداؤد، خالد بن ابراہیم ذہلی کو مقرر کیا تھا۔ سنہ۱۴۰ھ میں بعض فوجیوں نے پھر بغاوت کر دی۔ داؤد کشاہن گیا ہوا تھا مکان کی چھت سے گر کر انتقال کر گیا۔ اس کا بیٹا عصام والی ہوا منصور نے عبدالجبار بن عبدالرحمٰن کو امیرِ خراسان مقرر کیا۔ اس نے حکومت ہاتھ میں لیتے ہی مجاشع ابن حریث انصاری، ابوالمغیرہ، خالد بن کثیر مولی بنو تمیم گورنر کوہستان اور حریش میں محمد ذہلی عم داؤد کو قتل کرا دیا اور ابوداؤد کے مقرر کردہ عُمّال پر سختی کرنے لگا۔ یہ شکایت خلیفہ کو پہنچی۔ اس نے ابوایوب وزیر کے مشورے سے ولی عہد مہدی کو فوج گراں کے ساتھ خود سروں کی سرکوبی کے لئے بھیجا۔ شہزادہ "رے" میں مقیم ہوا۔ اُس نے حازم بن خزیمہ کو عبدالجبار کی

سرکوبی کے لئے روانہ کیا۔ ہر دو میں مقابلہ ہوا۔ عبدالجبار میدانِ جنگ سے شکست کھا کر بھاگا۔ "مقطنہ" پہنچا۔ محشر بن مزاحم اس کے پیچھے لگ گیا اور عبدالجبار کو گرفتار کر کے بالوں کا جُبّہ پہنا کر اُونٹ پر دُم کی طرف مُنہ کر کے سوار کرایا اور تمام شہر میں اس کا گشت کرایا گیا اور پھر منصور کی خدمت میں اسی حالتِ تباہ میں بھیج دیا گیا۔ وہاں اس کے ہاتھ پاؤں کٹوا دیئے گئے۔ یہ واقعہ ۱۴۹ھ کا ہے۔

واقعاتِ سندھ

عیینہ بن موسیٰ نے ۱۴۲ھ میں سندھ میں بغاوت کر دی۔ منصور خود بصرہ آیا اور عمر بن حفص بن ابی صفرہ عتکی کو سندھ کا گورنر کر کے بھیجا۔ اُس نے پہنچتے ہی علینہ کو شکست دی اور سندھ پر قابض ہو گیا۔ حضرت نفس ذکیہ نے اپنے لڑکے عبداللہ بن الاشتر کو ابن حفص کے پاس اپنی دعوت کے لئے بھیجا اور ممالک میں بھی دُعات بھیجے۔ یہاں خفیہ طور سے دعوتِ آلِ ہاشم کا ابن حفص نے آغاز کر دیا۔ جب نفس ذکیہ قتل ہو گئے تو عبداللہ خوف زدہ ہوئے۔ ابن حفص نے ان کو ہندوستان کے راجہ کے پاس بھیج دیا۔ اُس نے ان کو بڑی عزت سے ٹھہرایا۔ منصور کو اس کی خبر لگ گئی اس نے ابن حفص سے بازپُرس کی۔ اُس نے اپنے ایک وفادار کو بھیج دیا۔ اُس نے سارا الزام اپنے سر لے لیا۔ منصور نے اس کو قتل کرا دیا مگر اتہام سے ابن حفص پھر بھی نہ بچ سکا۔ منصور نے اس کا تبادلہ افریقہ کو کر دیا۔ سندھ پر گورنر ہشام بن عمر تغلبی کو کیا۔ ہشام سندھ پر پہنچا۔ اس کا بھائی سفنج ایک مہم پر جا رہا تھا کہ اتفاقی طور سے عبداللہ بن الاشتر کا سامنا ہو گیا۔ دونوں میں جنگ ہوئی۔ عبداللہ مارے گئے۔ اُن کے قتل کے بعد منصور نے ہشام کو مذکورالذکر راجہ پر حملہ کرنے کا حکم دیا۔ چنانچہ ہشام نے فوج کشی کر کے اس کی حکومت پر قبضہ کر لیا۔[1]

---

[1] ابن اثیر جلد ۵ صفحہ ۲۲۰

ہشام نے سندھ کے مختلف حصوں میں فوجیں روانہ کیں اور خود ملتان کی طرف بڑھا۔ حاکم ملتان سے مقابلہ ہوا، وہ شکست کھا گیا۔ شہر پر ہشام کا قبضہ ہو گیا[۱]
عینیہ بن موسیٰ کے زمانہ میں قندابیل پر عرب قابض ہو گئے تھے۔ ہشام نے آگے بڑھ کر گندہار کو بھی فتح کر لیا اور وہاں مسجد تعمیر کی۔ ہشام کا زمانہ سندھ کی فارغ البالی کا زمانہ ہے۔

اصبہند کا طبرستانیوں پر ظلم طبرستان میں ۱۴۲ھ میں اصبہند نے مسلمانوں پر مظالم توڑنے شروع کئے۔ لوٹ کھسوٹ جاری رکھی۔ منصور نے ابوالخصیب کو لشکر دے کر بھیجا اُس نے طبرستان کو گھیر لیا۔ اصبہند نے عاجز ہو کر زہر کھا کر خودکشی کر لی جس سے یہ فتنہ ختم ہوا۔

دعوتِ آلِ ہاشم

دعوتِ آلِ ہاشم کے طفیل سے بنو عباس کو کامیابی ہوئی۔ پہلے آلِ عباس علویین کے ہم خاندان ہونے کی وجہ سے اُن کے ہمنوا تھے۔ مروان بن محمد اموی کی حکومت میں اضطراب پیدا ہوا۔ بنو ہاشم نے تمام ساداتِ بنی ہاشم کو جمع کیا اور خلیفہ مقرر کرنے کی بابت مشورہ کیا۔ اس امر پر اتفاق ہو گیا کہ محمد بن عبداللہ بن حسن مثنیٰ بن علی کو خلیفہ بنانا چاہیئے۔ زہد و اتقا میں ان کا مرتبہ بہت اونچا تھا۔ چنانچہ سب نے ایک شب میں بیعت کی۔ منصور نے بھی کی تھی[۲]۔ کچھ عرصہ بعد سفاح خلیفہ ہو گئے تو محمد نے اس کی بیعت نہیں کی۔ ۱۳۶ھ میں منصور حج کرنے گئے تو محمد اور اُن کے بھائی ابراہیم روپوش ہو گئے۔ جب منصور تخت

۱؎ یعقوبی جلد ۲ صـ ۴۴ ۲؎ فتوح البلدان بلاذری صـ ۴۴۹
۳؎ ابن اثیر جلد ۵ صـ ۱۸۸ ۴؎ ابن خلدون جلد ۳ صـ ۱۸۷

پر متمکن ہوا تو اس کو ان بھائیوں کی طرف سے فکر تھی۔ یہ ہر دو حضرات خاموشی سے اپنی خلافت کی دعوت دے رہے تھے۔ عبداللہ عباسی اور ابو مسلم خراسانی کے خاتمہ کے بعد منصور ان دو بھائیوں کی طرف متوجہ ہوا۔ آل ابی طالب میں سے حسن بن زید بن حسن بن علیؓ ابن ابی طالب پر منصور نے ہاتھ رکھ دیا۔ انہوں نے ہر دو بھائیوں کا کچا چٹھا کہہ سنایا۔

موسیٰ بن عبداللہ بن حسن کہا کرتے تھے۔

اللھم اطلب حسن بن زید بدمائنا۔ "اے اللہ! حسن بن زید سے ہمارے خونوں کا بدلہ لے" [1]

یہ سن کر منصور نے حج کے موقعہ پر عبداللہ بن حسن پر زور ڈالا کہ تم اپنے بیٹوں کو بلاؤ۔ انہوں نے سلیمان بن علی عباسی سے مشورہ کیا اور کہا ہم میں آپ میں مصاہرت اور رحم دو رشتے ہیں۔ آپ اس مسئلہ میں کیا کہتے ہیں کہ اپنے بیٹوں کو منصور کے پاس حاضر کردوں یا نہیں؟ سلیمان عباسی نے کہا یہی حال میرے ذریعے عبداللہ بن علی کا ہوا۔ انجام تم دیکھ چکے ہو۔ جب منصور نے چچا کے ساتھ رعایت نہیں برتی تو دوسرے کے ساتھ کیا برتے گا۔ یہ سن کر عبداللہ بن حسن نے سلیمان کی رائے پسند کی اور منصور کی باتوں پر نہ گئے۔ عبداللہ بن حسن کو یقین کلی تھا کہ میرے بیٹے محمد المہدی اور ابراہیم ضرور ایک دن خلافت حاصل کرنے میں کامیاب ہوں گے۔

محمد المہدی جو نفس ذکیہ بھی کہلاتے تھے بصرہ گئے۔ منصور کو اس کا پتہ لگا وہ بھی پہنچا تو یہ عدن چلے گئے۔ وہاں سے سندھ گئے۔ پھر کوفہ آئے۔ کوفہ سے مدینہ منورہ پہنچے۔ یہ زمانہ حج کا تھا۔ منصور بھی حج کرنے آیا مگر یہ لوگ کسی عنوان منصور سے نہ ملے۔ منصور نے زیاد عامل مدینہ سے کہا عبداللہ بن حسن اور محمد

---

[1] ابن اثیر جلد ۵ صـ ۱۹۱ ؛

و ابراہیم کو کسی نہ کسی طرح حاضر کرو۔ اُس نے منصور سے کہا فکر نہ فرمائیے میں اس کا ضامن ہوں اور ان کو موقعہ سے آپ کے سامنے پیش کروں گا۔ آخر ش منصور انبار چلا گیا۔ محمد نفس ذکیہ جب مدینہ آئے تو زیاد نہایت الطاف و مرحمت سے اُن کے ساتھ پیش آیا اور اُن کے تقدس سے متاثر ہو کر کہا آپ کا جہاں جی چاہے جائیے۔ اس کی خبر منصور کو ہو گئی اُس نے زیاد بن عبداللہ حارثی کو معزول کر کے محمد بن خالد بن عبداللہ قشری کو مدینہ کا عامل کیا اور کہا جس قدر مال چاہو خرچ کرو مگر محمد المہدی کا پتہ ہر حالت میں لگانا۔ لیکن وہ بھی کوشش بسیار کے بعد پتہ نہ لگا سکا تو منصور نے اس کو بھی معزول کر دیا اور رباح بن عثمان مزنی کو بھیجا وہ ۱۴۴ھ میں مدینہ آیا اور محمد بن خالد عامل مدینہ کو قید کر دیا۔ پھر مہدی کی جستجو کرنے لگا مگر وہ مضافاتِ مدینہ میں قبائل میں رونق افروز تھے ان کی عبادت گزاری اور نیکی کی وجہ سے ہر شخص اُن کا متوالا تھا۔ ان کی اطلاع کسی دشمن کو نہ ہونے پاتی تھی۔

تقدس کے اعتبار سے محمد نفس ذکیہ کا مرتبہ امام جعفر صادق کے بعد اہل بیت نبوی میں بہت اونچا تھا۔ ان تک رباح کی دسترس کسی عنوان نہ ہو سکی تو جھلا کر عبداللہ بن حسن کو دھمکی دی اور عتابِ شاہی سے ڈرایا۔ عبداللہ نے فرمایا۔

"واللہ! تو آج ایسا قسی القلب ہو رہا ہے جیسا کہ قصاب بکری کے ذبح کرنے کے وقت ہو جاتا ہے"[1]

رباح نے عبداللہ بن حسن بن علی حسن۔ ابراہیم جعفر پسران حسن بن حسن سلیمان، عبداللہ پسران داؤد بن حسن بن حسن، محمد۔ اسماعیل۔ اسحاق پسران ابراہیم بن حسن بن حسنؑ۔ عباس بن حسن بن حسنؑ موسیٰ بن عبداللہ بن حسن بن حسنؑ۔

---

[1] ابن خلدون جلد ہفتم کتاب ثانی صفحہ ۲۵۷

علی بن حسن بن حسن بن حسن بن علی العابد اور محمد بن عبداللہ بن عمرو بن عثمان بن عفان۔ معروف بہ دیباج، یہ سب مقدس حضرات قید خانہ میں بند کر دیئے گئے۔ اس واقعہ کے بعد ۱۴۴ھ میں منصور حج کو گیا۔ مکہ معظمہ میں یہ سب قید تھے۔ عبداللہ بن حسن نے ملنا چاہا۔ منصور نے ان سے ملاقات کرنے سے انکار کر دیا۔ ادائے حج کے بعد منصور نے اولاد حسن کو مع ان کے ساتھیوں کے عراق بھیج دینے کا حکم دے دیا۔ چنانچہ رباح نے اہل بیت رسالت کو ہتھکڑیاں اور بیڑیاں پہنا کے بغیر کجاوہ اونٹوں پر سوار کرا کے عراق کی جانب روانہ کیا۔ امام جعفر صادق پردہ کی آڑ میں یہ سب حالات دیکھ رہے تھے اور ان کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے[1]

دوران سفر میں محمد نفس ذکیہ اور امام ابراہیم بدوؤں کے لباس میں اپنے والد عبداللہ بن حسن سے آ کے ملتے رہتے اور ظہور کی اجازت چاہتے تھے۔ جواب میں عبداللہ کہا کرتے تھے۔

"میرے نورِ نظر! ابھی عجلت نہ کرو جب تک مناسب موقع ہاتھ نہ آئے۔ اگر ابوجعفر منصور تمہاری کریمانہ زندگی کا مخالف ہو تو تم لوگ بھی مخالفت میں اس سے باز نہ آنا۔"

غرضیکہ یہ قافلۂ اہل بیت کرام ربذہ پہنچا اور منصور کی خدمت میں محمد بن عبداللہ عثمانی جو عبداللہ بن حسن کے اخیافی بھائی تھے (ان دونوں کی والدہ فاطمہ بنت حسین تھیں) منصور نے ان سے سخت کلامی کی اور ان کو پچاس دُرّے لگوائے۔ کچھ دن بعد ابوعون عامل خراسان کی عرضداشت منصور کے پاس آئی اس میں لکھا تھا کہ اہل خراسان میں سازشیں ہو رہی ہیں اور محمد بن عبداللہ عثمانی کی آمد کا انتظار ہے۔ منصور نے محمد بن عبداللہ کو قتل کرا دیا اور ان کا سر خراسان

---

[1] تاریخ ابن خلدون جلد ہفتم جلد ثانی ص ۲۵۹

میں بھیج دیا اور کچھ آدمی ساتھ کئے کہ وہ اہلِ خراسان میں قسم کھا کر کہیں :-

"یہ سر محمد بن عبداللہ کا ہے اور ان کی دادی کا نام فاطمہ بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تھا۔"[1]

منصور زندہ سے کوفہ پہنچا اور بنو حسن (آلِ رسول) کو قصر ابن ہبیرہ میں قید کر دیا۔ ان میں سے پہلے محمد بن ابراہیم بن حسن شہید کئے گئے۔ عبداللہ بن حسن علی بن حسن نے قیدِ ہستی میں ہستی سے آزادی حاصل کی۔ غرضیکہ یہ سب ساداتِ کرام منصور کے ظلم و جور کے شکار ہوئے۔

ظہور ان مظالم کو سُن کر محمد نفسِ ذکیہ کو تابِ ضبط نہ رہی۔ یکم رجب ۱۴۵ھ کو وہ ۲۵ آدمیوں کے ساتھ مدینہ میں داخل ہوئے۔ وہاں کے لوگوں نے اُن کو ہاتھوں ہاتھ لیا۔ امیرِ مدینہ رباح نے مقابلہ کرنا چاہا مگر اس کو گرفتار کر لیا گیا۔ امام محمد نفسِ ذکیہ کا مدینہ پر بالکل قبضہ ہو گیا۔ مجمع عام میں امام نے ارشاد فرمایا :-

"حاضرین! ہمارا اور اس ظالم منصور کا جو معاملہ ہے وہ آپ سے مخفی نہیں (یعنی وہ مجھ سے مکہ میں بیعت کر چکا ہے) اس نے اپنے قصر کا سبز گنبد کعبہ کی تحقیر کے لئے بنایا ہے وہ اللہ کا دشمن ہے۔ فرعون نے بھی اسی قسم کی سرکشی کی تھی جس کی وجہ سے اُس پر عذابِ الٰہی آیا تھا۔ اے اللہ! تُو اس کو بھی برباد کر دے۔ دینِ اسلام کی حفاظت کے اصلی حقدار مہاجرینِ اوّلین کے بیٹے اور فرزندانِ انصار ہیں۔ میں آپ کو بتا دینا چاہتا ہوں کہ میں نے مدینہ کو اس خیال سے اپنا مرکز نہیں بنایا ہے کہ یہاں کے لوگ زیادہ قوت رکھتے ہیں بلکہ صرف اس وجہ سے کہ میں یہاں کے باشندوں سے محبت رکھتا ہوں

---

[1] تاریخ ابن خلدون جلد ششم ص ۲۶۰

میں تو یہاں اس وقت آیا ہوں جبکہ دنیائے اسلام کے ہر مقام کے لوگوں نے میری امامت کی بیعت کر لی ہے۔"

اہلِ مدینہ حضرت نفسِ ذکیہ کے ساتھ جان نثاری کے لئے تیار ہو گئے۔ منصور نے اہلِ بیت کے اوپر جو مظالم کئے تھے ان کی وجہ سے ہر ایک منصور سے بیزار تھا اہلِ مدینہ نے امام مالک سے نفسِ ذکیہ کی امامت کے بارے میں استفتا کیا۔

"ہماری گردنوں میں منصور کی بیعت کا طوق پڑا ہوا ہے ہم کو کیا کرنا چاہیئے"۔ امام مالک نے جواب دیا۔

"تم لوگوں نے باکراہ و جبر بیعت کی تھی اور مُکرہ و مجبور پر یمین نہیں ہے۔"

اس سے لوگوں کے خیال بدل گئے اور بطیبِ خاطر محمد نفسِ ذکیہ کے اعوان و انصار میں شامل ہو گئے۔ مدینہ منورہ کے انتظام کے بعد نفسِ ذکیہ مکہ گئے وہاں کے رؤسا نے بھی ان کی تائید کی۔ منصور کو ظہورِ امام کی خبر لگی اس کو خوف دامنگیر ہو گیا۔ عبداللہ بن علی سے جو قید میں تھے مشورہ کیا۔ انھوں نے کہا کہ کوفہ کی ناکہ بندی کر دو اور سالم بن قتیبہ کو "رے" سے بلا کر شامی فوج کے ساتھ مدینہ روانہ کرو۔ منصور نے قطعِ حجت کے لئے یہ خط محمد نفسِ ذکیہ کو بھیجا۔

منصور کا خط نفسِ ذکیہ کے نام

اللہ کے بندے عبداللہ امیر المومنین کی طرف سے محمد بن عبداللہ کے پاس یہ تحریر بھیجی جاتی ہے۔ بے شک جو لوگ خدا اور رسول سے لڑتے ہیں اور زمین میں فساد کرتے ہیں ان کی سزا یہ ہے کہ وہ قتل کئے جائیں یا اُن کو سُولی دی جائے یا اُن کے ہاتھ پیر کاٹ ڈالے جائیں یا ان کو مُلک سے نکال دیا جائے۔ یہ دُنیا میں اُن کی سزا ہے اور آخرت میں اُن کے لئے بڑا عذاب ہے۔ مگر وہ لوگ جو اس سے پہلے

توبہ کرلیں کہ تم ان پر غالب آؤ۔ پس جان لو کہ بے شک اللہ تعالےٰ بخشنے والا اور رحم کرنے والا ہے۔ میرے اور تمہارے درمیان میں خدا کا مضبوط عہد اور ذمہ داری ہے کہ میں تم کو اور تمہاری اولاد اور تمہارے بھائیوں کو اور تمہارے گھر والوں کو امان دیتا ہوں۔ اگر تم نے توبہ کی جن لوگوں نے تمہارا ساتھ دیا ہے، ان کی جان و مال کو امان ہے اور میں تم سے جو خونریزی ہوئی ہو یا تم نے کسی کا مال لیا ہو اس سے درگزر کروں گا اور تمہارے لئے ایک لاکھ درہم مقرر کرتا ہوں اور جو ضرورت ہوگی اس کو پورا کروں گا اور جس شہر میں تم رہنا پسند کرو اس میں رہو اور نیز جس قدر تمہارے عزیز زیر حراست ہیں ان کو میں رہا کردوں گا اور میں نے اس کو بھی امان دی جس نے تمہارا ساتھ دیا ہو اور تمہارے پاس آیا ہوا ور بیعت کی ہو یا کسی کام میں مشورہ دیا ہو۔ اس سے بھی کسی قسم کا مواخذہ نہ کیا جائے گا اگر تم اپنا اطمینان چاہتے ہو تو جس کو چاہو میرے پاس بھیج کر مجھ سے امان اور عہد واقرار پر وثوق کرلو۔ والسلام [1]

نفس ذکیہ کا جواب

خدا کے بندے مہدی محمد بن عبداللہ امیرالمومنین کی طرف سے یہ خط عبداللہ ابن محمد کے نام ہے طٰسٓمٓ یہ نشانیاں کھلی ہوئی کتاب کی ہیں۔ مومنین کے لئے موسیٰ و فرعون کا سچا قصہ ہم بیان کرتے ہیں بے شک فرعون ایک ملک کا بادشاہ تھا جس نے وہاں کے کئی جتھے کر دیئے تھے۔ ایک گروہ کو ذلیل وخوار کر رکھا تھا۔ ان کے بیٹوں

---

[1] ابن اثیر جلد ۵ صـ ۱۹۹ و ناسخ التواریخ جلد ۵ صـ ۳۲۳ وطبری جلد ۹ صـ ۲۱۰ ؛

کو ذبح کرتا تھا اور بیٹیوں کو زندہ رکھتا تھا، وہ بڑا مفسد تھا اور ہم یہ چاہتے ہیں کہ جو لوگ کمزور ہیں ان پر احسان کریں اور ان کو سردار اور ملک کا وارث بنائیں اور ان کو حکومت مرحمت فرمائیں اور ہم فرعون اور ہامان اور اس کے تمام لشکر کو انہی کے ہاتھوں سے وہ بات جس سے وہ ڈرتے تھے دکھلا دیں گے۔" (آیات قرآن مجید) میں بھی تمہارے لئے امان پیش کرتا ہوں جس طرح تم نے ہمارے لئے پیش کی ہے کیونکہ یہ واقعی ہمارا حق ہے اور ہمارے ہی وسیلہ سے تم اس کے مدعی بنے ہو اور ہمارے شیعوں کو ساتھ لے کر تم حکومت لینے کے لئے نکلے ہو اور ہماری ہی فضیلت کے باعث تم کو بھی کچھ فضیلت مل گئی ہے (دیکھو) ہمارے باپ حضرت علی وصی رسول اللہ اور امام اُمت تھے۔ پھر تم اُن کے بیٹے کے ہوتے ہوئے کس طرح ان کے وارث ہو سکتے ہو۔ تم خوب واقف ہو مجھ جیسے شخص نے جو نسبًا و حسبًا شریف ہے اب تک اس حکومت کی طرف توجہ نہیں کی۔ ہم لوگ لعنت کی ہوئی اور مردود کی ہوئی اور طلاق دی ہوئی عورتوں کی اولاد سے نہیں ہیں۔ تمام سادات بنی ہاشم میں سے حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے رشتۂ قرابت اور سابقیت اسلام جیسی مجھ کو حاصل ہے کسی کو نہیں ہے۔ کیونکہ ہم لوگ زمانۂ جاہلیت میں فاطمہ بنت عمرو جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی جدہ تھیں ان کی اولاد میں ہیں اور زمانۂ اسلام میں آپ کی بیٹی حضرت فاطمہ کی نسل سے ہیں نہ کہ تم۔ بیشک خدا نے تم سے ہم کو برگزیدہ کیا ہے۔ کیونکہ ہمارے لئے حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم جیسا باپ منتخب فرمایا اور پھر حضرت علیؓ جو سب سے پہلے ایمان لائے اور بیبیوں میں سے حضرت خدیجہ طاہرہ کی نسل سے ہم کو پیدا کیا جو سب سے پہلی بی بی ہیں جنہوں نے نماز پڑھی تھی اور

ان کی صاحبزادیوں میں سے حضرت فاطمہ جو تمام عورتوں کی جنت میں سردار ہوں گی اور ان کے صاحبزادے جو زمانۂ اسلام میں پیدا ہوئے اور وہ تمام جوانانِ جنت کے سردار ہیں۔ ان کی اولاد میں ہم ہیں اور ہم کو یہ شرف حاصل ہے کہ ہاشم نے دو، بار ہم کو جنا اور عبدالمطلب نے بھی دو، بار ہم کو جنا اور بذریعہ اسبطینِ مکرمین دو بار حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو جنا۔ میں تمام ساداتِ بنی ہاشم میں نسباً بہتر ہوں میرے باپ مشاہیرِ بنی ہاشم میں سے ہیں۔ مجھ میں کسی عجمی کا میل نہیں ہے اور نہ مجھ میں امہاتِ اولاد کا نزاع ہے۔ ہمیشہ میرے ماں باپ زمانۂ جاہلیت اور اسلام میں ممتاز رہے ہیں یہاں تک کہ اہلِ نار میں سے بہترین کو میرے باپ ہونے کے لئے منتخب کیا۔ پس میں اہلِ اسلام میں اس شخص کا فرزند ہوں جس کا مرتبہ تمام جنتیوں میں ارفع و اعلیٰ ہے اور میں اس شخص کا فرزند ہوں جس پر عذاب کم ہوگا یعنی ابوطالب و علی ابن طالب۔

غرض تمام بہترین کا جو بہتر ہے میں اس کا فرزند ہوں اور تمام بڑوں میں جو بہتر ہے میں اس کا پوتا ہوں۔ میرے اور تمہارے درمیان میں خدا کا واسطہ ہے۔ اگر تم نے میری اطاعت قبول کر لی اور میرا کہنا مان لیا تو میں تم کو اور تمہارے جان و مال کو امان دے دوں گا اور تمہاری لغزشوں سے درگزر کر دوں گا۔ ہاں البتہ اگر تم خدا کے حدود میں سے کسی حدود کے مرتکب ہوئے ہوگے یا کسی مسلمان کا حق تم پر ہوگا یا کسی معاہدے میں خلاف عمل تم نے کیا ہوگا تو تم خود واقف ہو۔ ویسے ہی تم پر حد قائم کی جائے گی۔ میں ان باتوں میں سے کسی کا ذمہ دار نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ احکامِ شرع سے مجبوری ہوگی۔ اس میں شک نہیں کہ میں تم سے ہر طرح سے زیادہ خلافت کا

مستحق ہوں اور عہد کا پورا کرنے والا۔ کیونکہ تم نے مجھ سے پہلے چند
آدمیوں کو امان دی اور قول دیئے مگر تم پورا نہ کر سکے۔ یہ بتاؤ کہ تم مجھ
کو کون سی امان دیتے ہو۔ ابن ہبیرہ کی امان یا اپنے عم بزرگوار عبداللہ
بن علی کی امان یا ابومسلم خراسانی کی امان " والسلام

ناسخ التواریخ میں ہے کہ جب یہ جواب امیرالمؤمنین ابوجعفر کے پاس پہنچا ہے
تو آپ نے ابوایوب کو دکھلایا۔ اس نے عرض کیا کہ اگر حکم ہو تو میں اس کا جواب
لکھوں۔ ابوجعفر نے کہا نہیں ہم خود جواب دیں گے۔ کیونکہ ہم تمام سادات پر
انہوں نے فخر کیا ہے۔ مناسب یہی ہے کہ ہم خود ہی جواب دیں۔ چنانچہ فوراً ہی
قلم برداشتہ یہ جواب دیا۔

جواب الجواب

منجانب منصور عباسی

یہ خط امیرالمؤمنین سید عبداللہ بن امام محمد عباسی ہاشمی کی طرف سے سید
محمد ابن عبداللہ حسنی ہاشمی کے نام ہے مجھ کو تمہاری باتیں معلوم ہوئیں اور میں
نے تمہاری تحریر پڑھی۔ تمہارے فخر کا بہت بڑا دارومدار عورتوں کی قرابت پر
ہے جس سے جاہل اور بازاری لوگ دھوکہ کھا سکتے ہیں۔ کیونکہ جو لوگ کلام پاک
سے واقف ہیں وہ سمجھتے ہیں کہ خدائے پاک نے عورتوں کو مثل اعمام اور آباء
یا عصبہ وولیوں کے حقوق نہیں دیئے اور اپنی کتاب میں چچا کو باپ قرار دیا ہے
اور قریب ترین ماں پر مقدم فرمایا ہے اور اگر خداوندی دربار میں عورتوں کے
قرابت کی وجہ سے قدرومنزلت ہوتی تو حضرت آمنہ کو سب سے زیادہ مرتبہ ملتا
اور سب سے زیادہ بزرگی حاصل ہوتی اور سب سے پہلے قیامت کے دن وہی
جنت میں داخل کی جاتیں مگر ایسا نہیں ہے۔ یہ خداوند تعالیٰ کی پسند پر ہے
وہ اپنی مخلوق کے گذشتہ حالات سے واقف ہے، جس کو چاہتا ہے پسند کرتا ہے

اور تم جو فاطمہ جناب ابو طالب کی والدہ پر فخر کرتے ہو تم نے یہ خیال نہیں کیا کہ ان کی اولاد میں سے کوئی مرد اور عورت ایک بھی اسلام سے مشرف نہیں ہوا۔ اگر اس قرابت کی بنا پر کچھ فضیلت ہوتی تو جناب عبداللہ والد ماجد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تمام دنیا اور آخرت کے فضائل حاصل ہو جاتے۔ یہ سب خدا کے ہاتھ میں ہے اپنے دین کے لئے جس کو چاہتا ہے منتخب کر لیتا ہے۔ چنانچہ ارشاد فرماتا ہے :-

"بے شک تم ہدایت نہیں دے سکتے اس شخص کو جس سے تم محبت کرتے ہو۔ لیکن خدا جس شخص کو چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے اور وہی ہدایت والوں کا جاننے والا ہے"

دیکھو اللہ تعالیٰ نے جب سیدنا محمد مصطفےٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو مبعوث فرمایا اس وقت آپؐ کے چار چچا موجود تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی ہدایت کے لئے یہ آیت نازل فرمائی کہ "تم اپنے قریب ترین عزیزوں کو انذار کرو"۔ اس آیت کے نازل ہوتے ہی حضورؐ نے اپنے اعمام کو انذار کیا اور اُن کے سامنے اسلام پیش کیا۔ یہ سُن کر دو صاحبوں نے اسلام قبول کیا جن میں ایک ہمارے باپ تھے اور دو صاحبوں نے انکار کیا جن میں ایک تمہارے باپ تھے۔ اس انکار کے ساتھ ہی خدا نے تمام رشتے منقطع کر دیئے اور ان دونوں سے خویش کے تعلقات اور معاہدے اور میراث سب منقطع کر دیئے (چنانچہ) ابو طالب کے انتقال کے بعد ان کا ورثہ حضرت علیؓ اور حضرت جعفر کو نہیں لینے دیا بلکہ عقیل و طالب کو دیا گیا کیونکہ اس وقت یہ مسلمان نہیں تھے اور یہ جو تم خیال کرتے ہو کہ تم ان کی اولاد ہو جن کو دوزخ کا عذاب کم ہوگا اور تمام بدترین میں جو نیک تھے تم اُن کی اولاد ہونے میں فخر سمجھتے ہو تو خوب خیال کر لو کہ خدا کی نافرمانی میں چھوٹا ہونا یا اُس کے عذاب میں خفت ہونا یا آسانی ہونا نہیں ہے۔ اور نہ اشرار کو اخیار میں سے کہہ سکتے ہیں۔ اور کسی مسلمان کو جب وہ خدا پر ایمان لایا ہے یہ نہ چاہیئے کہ وہ اہلِ نار پر فخر کرے۔ قریب ہے کہ تم جاؤ گے اور جانو گے اور

قریب ہے کہ جن لوگوں نے ظلم کئے وہ جانیں گے کہ کس کروٹ پر الٹے پلٹے جائیں گے اور دوسرا فخر جو تم نے کیا ہے کہ تم فاطمہ جناب علی مرتضیٰ کی والدہ کی اولاد میں ہو اور ہاشم نے تم کو دو بارہ پیدا کیا ہے اور حضورؐ سرور عالم نے تم کو دو بار پیدا کیا ہے یعنی ان سے تمہارے دوہرے رشتے ہیں ان پر تم فخر کرتے ہو حالانکہ حضور سرورِ عالم سے بڑھ کر کوئی نہیں ہے اور نہ ہو سکتا ہے۔ ان کو جناب ہاشم سے اکہرا رشتہ ہے اور علی ہذا جناب عبدالمطلب سے اگر یہ کوئی فضیلت ہوئی تو حضور کو حاصل ہوتی۔

کیا تم اس وجہ سے حضورؐ پر فخر حاصل کرنا چاہتے ہو اور تمام نے یہ خیال کیا ہے کہ تم تمام سادات بنی ہاشم میں نسبًا افضل ہو اور نجیب الطرفین ہو اور تم میں کسی عجمی کا میل نہیں ہے اور نہ کسی جاریہ کا۔ میں دیکھتا ہوں کہ تم حد سے گزر گئے کہ تمام ہاشمیوں کو اپنے آپ کو افضل کہتے ہو۔ دیکھو نہایت شرم کی بات ہے کل خدا کو کیا جواب دو گے۔ تم بالکل آپے سے باہر ہو گئے اور اسی ذات پر فخر کرنے لگے کہ جو بحیثیت ذاتی فضیلت اور بحیثیت پدری فضیلت اور بحیثیت فضیلت دُنیا و آخرت میں تم سے بہتر ہے وہ کون ہے وہ حضرت ابراہیم ابن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور خود حضور سرورِ عالمؐ۔ کیا تم اپنے آپ کو ان سے افضل خیال کرتے ہو۔ دیکھو جناب علی مرتضیٰ کی اولاد میں جس قدر اہلِ فضل اور امام ہوئے وہ سب اُمہات کی اولاد ہیں۔ جناب سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد تم میں حضرت امام زین العابدین سے بڑھ کر کوئی نہیں پیدا ہوا وہ جاریہ کی اولاد میں سے ہیں اور وہ تمہارے دادا حسن مثنیٰ سے بہتر ہیں اور آپ کے بعد جناب امام محمد باقر ہوئے ان کی دادی ام ولد ہیں وہ تمہارے باپ سے ہر طرح افضل تھے۔ اسی طرح حضرت امام جعفر صادق ان کی دادی بھی ام ولد تھیں وہ تم سے ہر طرح افضل ہیں تمہاری فضیلت کا اُن کے مقابلہ میں کسی نے اقرار نہیں کیا۔ پھر تم اپنے منہ آپ ہی اپنی فضیلت پر بے جا فخر کرتے ہو اور

تم اس خیال میں ہو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بیٹے ہو حالانکہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ :-

"محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں ہیں"۔

تمہارے اس خیال کو اللہ نے ہی مردود کر دیا۔ باقی تم حضورؐ کی بیٹی کے بیٹے ہو، یہ بے شک قرابت قریبہ ہے۔ لیکن بیٹی کی اولاد وارث نہیں ہوتی اور نہ اس کو ولایت و امامت حاصل ہو سکتی ہے۔ پھر تم اس رشتہ سے کس طرح حضورؐ کے وارث ہو سکتے ہو اور کس طرح امام ہو سکتے ہو۔ اور تم تو کیا تمہارے جد امجد جناب علی علیہ السلام نے ہر پہلو سے اس کی کوشش کی اور حضرت سیدہ کو اس دعوت کے لئے باہر لائے اور ان کی بیماری کی اطلاع نہیں کی اور خفیہ طریقے سے ان کو دفن کیا۔ باوجود ان باتوں کے لوگوں نے ان کو منتخب نہیں کیا اور شیخین کو امام بنایا اور انہی کی فضیلت کو تسلیم کیا۔

اور یہ مسئلہ تم جانتے ہو اور یہ ایسی سُنت ہے کہ کسی کو اس میں اختلاف نہیں ہے اور یہ سب مسلمانوں کا متفق علیہ مسئلہ ہے کہ نانا اور ماموں اور خالہ کو وراثت نہیں پہنچتی۔ پھر تم کو ننھیال کی وراثت کیسے پہنچ سکتی ہے اور یہ جو تم فخر کرتے ہو کہ تم حضرت علی مرتضیٰ کی اولاد میں ہو جو سابقین اور اوّلین میں تھے۔ اچھا بتاؤ کہ ان کی موجودگی میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے وفات کے وقت کیوں دوسرے شخص کو امامت پر مقرر کیا اور ان کی طرف توجہ نہ کی۔ پھر لوگ یکے بعد دیگرے امام بناتے رہے ان کو کسی نے امام نہ بنایا اور جب یہ امرِ خلافت چھ آدمیوں میں منحصر ہوا تو سب نے اُن کو چھوڑ کر حضرت عثمانؓ کو امام بنا دیا اور اس کے متعلق کوئی حق ان کا نہیں سمجھا گیا اور عبدالرحمٰن بن عوفؓ نے حضرت عثمانؓ پر ان کو فوقیت نہ دی۔ آخر جب حضرت عثمانؓ شہید ہو گئے تو لوگوں نے اس خون کی تہمت اُن پر لگائی اور حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ نے ان سے جنگ کی اور حضرت سعد بن وقاص نے اُن سے بیعت نہیں کی اور دروازہ بند کر کے بیٹھ گئے

اور بعد میں امیر معاویہؓ سے بیعت کر لی۔ پھر انہوں نے ہر طرح خلافت کی کوشش کی اور بہتیری لڑائیاں لڑیں یہاں تک کہ خود اُن کے اصحاب میں تفرقہ پڑ گیا اور جب حکم مقرر کئے تو خود اُن کے شیعوں نے اُن کی امامت میں شک کیا۔ کیونکہ امام برحق پر کوئی حکم نہیں ہو سکتا۔ پھر کیوں اُنہوں نے اس پر معاہدہ کر لیا اور کیوں اقرار کر لیا۔ آخر جو حکم مقرر ہوئے تھے ان دونوں نے ان کو خلافت سے علیحدہ کر دیا۔ پھر آپ کے بعد امام حسنؓ خلیفہ ہوئے اُنہوں نے امیر معاویہؓ سے بیعت کر لی اور کچھ دراہم اور کپڑوں پر اکتفا کر کے خلافت کو چھوڑ کر ملکِ حجاز تشریف لے گئے اور سب شیعوں کو امیر معاویہ کے سپرد کر دیا۔ اور خلافت کو جو اُن کے اہل نہیں تھے سپرد کر دی اور بلا استحقاق مال لے لیا۔

پس اگر تمہارا اس میں کچھ حق تھا تو تم اس کو فروخت کر چکے۔ بعدازاں تمہارے عمِ بزرگوار حضرت امام حسینؓ نے ظہور فرمایا اور ابن مرجانہ کا مقابلہ کیا اور تمام لوگ ابن مرجانہ کی طرف سے ان کے مقابلہ کے لئے آ گئے اور ان کو شہید کر دیا اور آپ کا سر مبارک یزید کے پاس لے گئے۔ بعدازاں تم لوگ ہمیشہ بنی اُمیہ پر خروج کرتے رہے اور وہ لوگ تم کو شہید کرتے رہے اور تم کو کھجوروں کے تنوں پر سُولیاں دیتے رہے اور آگ میں جلاتے رہے اور تم کو شہر بدر کرتے رہے یہاں تک کہ یحییٰ بن زید بن حسین خراسان میں شہید کئے گئے اور خاندان کے بہت لوگ کام آئے۔ تمہاری لڑکیوں اور بیبیوں کو برہنہ اُونٹوں پر مثل قیدیوں کے بٹھا کر ملک شام لے گئے۔ ان مصائب میں تم لوگ مُبتلا تھے، یہاں تک کہ ہم بنی عباس ظاہر ہُوئے اور ہم نے تمہارے خونوں کا بدلہ لیا اور ہم نے ان کی زمین کا تم کو مالک کر دیا۔ اور ہم نے تمہارے بزرگوں کے خصوصاً حضرت علیؓ مرتضیٰ کے فضائل بیان کئے۔

پس اس کو تم حجت پکڑتے ہو اور تم یہ گمان کرتے ہو کہ ہم نے جو اُن کی فضیلت بیان کی ہے تو کیا ہم نے اُن کو حضرت حمزہؓ، حضرت عباسؓ اور حضرت

جعفرؓ پر فضیلت دے دی ایسا نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ یہ لوگ خود اُن کے بزرگ تھے اور یہ لوگ دنیا سے صحیح سلامت گزر گئے اور حضرت علیؓ ان جنگوں میں پڑے جن میں مسلمانوں کی خون ریزی ہُوئی۔

تمہیں یہ بھی معلوم ہو گا کہ زمانۂ جاہلیت میں "سقایہ" اور "زمزم" کے متولی حضرت عباس تھے نہ کہ ابو طالب، حضرت عمرؓ کی عدالت میں تمہارے باپ نے اس کا مقدمہ بھی پیش کیا لیکن فیصلہ ہمارے حق میں ہُوا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جس وقت وفات پائی اُس وقت اُن کے اعمام میں سے سوائے عباس کے اور کوئی زندہ نہ تھا اس لئے کل اولاد عبد المطلب میں سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وارث وہی ہیں۔

پھر بنی ہاشم میں سے بہت سے لوگ خلافت حاصل کرنے کے لئے اُٹھے لیکن بنی عباس ہی نے اس کو حاصل کیا لہٰذا قدیم استحقاق اور جدید کامیابی حضرت عباس اور ان کی اولاد ہی کے حصہ میں آئی۔

بدر کی لڑائی میں تمہارے چچا ابوطالب اور عقیل کی وجہ سے مجبوراً حضرت عباس کو ہی آنا پڑا اور وہ دونوں بھوکے مر جاتے یا عتبہ اور شیبہ کے پیالے چاٹتے۔ ہمارے ہی باپ کی بدولت اس ننگ و عار سے بچے، نیز آغازِ اسلام میں قحط کے زمانے میں حضرت عباس ہی نے ابوطالب کی مدد کی۔ تمہارے چچا عقیل کا فدیہ بھی بدر میں انہوں نے ہی ادا کیا۔

الغرض جاہلیت اور اسلام دونوں میں ہمارے احسانات تمہارے اوپر ہیں۔ ہمارے باپ نے تمہارے باپ پر احسان کئے اور ہم نے تمہارے اوپر اور جن رتبوں پر تم خود اپنے آپ کو نہیں پہنچا سکتے تھے ان پر ہم نے تم کو پہنچایا اور جو انتقام تم خود نہیں لے سکتے تھے وہ ہم نے لے لئے۔" والسلام [1]

---

[1] ابن اثیر جلد ۵ صـ۲۰۱ و ناسخ التواریخ جلد ۵ صـ۳۲۵ ۔

قیامِ حکمرانی

ہر دو کی اس خط و کتابت کے بعد جس میں سوائے فخر و مباہات اور اظہارِ عیوب کے اور کچھ نہ تھا۔ ایک اقتدار جمارہا تھا دوسرے نے اُس کی قوت کے توڑنے کے اسباب پیدا کئے۔ حضرت نفس ذکیہ نے مدینہ منورہ میں اپنی جانب سے عثمان بن محمد کو عہدۂ قضاء پر، عبدالعزیز مخزومی کو اسلحہ خانہ پر، حضرت عبداللہ بن عمر کے پوتے عثمان بن عبیداللہ کو محکمۂ پولیس کی افسری پر مامور فرمایا۔

مدینہ منورہ کے انتظام سے فارغ ہو کر مکہ معظمہ کی طرف روانہ ہوئے وہاں کے رؤسائے شہر میں عبداللہ بن عمرؓ کے پوتے ابوسلم بن عبیداللہ اور عبداللہ بن زبیرؓ کے پوتے حبیب بن ثابت اور چند دیگر اعیان کے سوا کسی نے اُن کی رفاقت سے تخلف نہ کیا۔ محمد نے اسمٰعیل بن عبداللہ بن جعفر کو بھی بیعت لینے کے لئے طلب کیا۔ وہ معمر بزرگ تھے اُنہوں نے کہلا بھیجا۔

"اے برادر زادہ! میں تمہاری بیعت نہیں کر سکتا کیونکہ میں دیکھتا ہوں کہ تم بے نیل و مرام نہنگِ اجل کا شکار ہو جاؤ گے"۔

بنو معاویہ بن عبداللہ بن جعفر نے محمد مہدی نفسِ ذکیہ کی بیعت کر لی آپ نے ان کو مکہ معظمہ کا حاکم مقرر کر دیا۔

قاسم بن اسحاق کو یمن کی حکومت عطا کی اور موسیٰ بن عبداللہ کو شام کی گورنری پر متعین کیا۔ غرضیکہ تھوڑے سے عرصہ میں حضرت نفس ذکیہ نے اپنی خلافت کا ڈول ڈال لیا منصور کو یہ خبریں لگ رہی تھیں۔ وہ فکرمند ہو گیا۔

عساکرِ منصور کی روانگی

منصور نے اپنے برادر زادہ عیسیٰ بن موسیٰ کو محمد نفس ذکیہ کے مقابلہ کے لئے فوج جرار کے ساتھ جس میں چار ہزار سوار اور دو ہزار پیدل تھے۔ عیسیٰ کے عقب میں محمد بن قحطبہ

لہ مسعودی جلد ۶ صـ ۱۹۱

کو ایک لشکرِ جرار کے ساتھ مدد کے لئے مدینہ روانہ کیا۔ روانگی کے وقت منصور نے ہدایت کی کہ اگر تم محمد المہدی کو مغلوب و منہزم کرلو تو اپنی تلوار کو نیام میں کر کے اُسے پناہ دینا اور اگر روپوش ہو جائے تو مدینہ منورہ کے ارباب حل وعقد کو گرفتار کر لینا۔ کیونکہ وہ محمد کی نقل وحرکت اور اُس کے دُوسرے حالات سے بخوبی واقف ہیں اور آلِ ابوطالب میں سے جو کوئی اگر تم سے ملاقات کرے اس کا نام میرے پاس لکھ بھیجنا اور کوئی ملاقات سے احتراز کرے تو اس کا مال واسباب ضبط کر لینا[1]

عیسیٰ ۱۲ رمضان ۱۴۵ھ کو جرف میں اُترا اور اطرافِ مدینہ میں فوج پھیلادی اس کی خبریں اہلِ مدینہ کو پہنچیں۔

رزم وپیکار چنانچہ محمد مہدی ساتھیوں کو لے کر مدینہ سے نکلے۔ بہت سے لوگ اہلِ مدینہ رنگ دیکھ کر جنگلوں میں چلے گئے۔ غرضیکہ ہر دو کی جنگی صفوف میدان میں جم گئیں۔ ابوغلمش نفسِ ذکیہ کی طرف سے نکلے۔ عیسیٰ کی طرف سے اسد کا بھائی نکلا جو مقابلہ میں کام آیا۔ پھر دوسرا شخص نکلا۔ اس کا بھی ابوغلمش نے کام تمام کر دیا اور جوشِ مردانگی میں آکر کہنے لگا۔ "انا ابن الفاروق" حضرت نفسِ ذکیہ نے بھی اس معرکہ میں خوب دادِ مردانگی دی۔ آخرش ہر دو فوجیں برسرِ پیکار ہو گئیں۔ گھمسان کا رن پڑا۔ ایک شخص نے نفسِ ذکیہ کو پیچھے سے نیزہ مارا۔ آپ صدمۂ زخم سے نیچے کی طرف جھکے۔ حمید بن قحطبہ "ملقب آلِ رسول" نے سینہ پر ایک بھالا مارا جس سے اُن کی زندگی کا خاتمہ ہو گیا۔ آپ کا سر کاٹ لیا گیا اور خلیفہ منصور کے پاس بھیجدیا[2]۔ بشارت نامہ فتح لے کر جانے والا ایک فاطمی قاسم بن زید ابن زید بن امام حسن مثنیٰ بن امیر المؤمنین علی مرتضیٰ تھا۔ حضرت نفسِ ذکیہ محمد مہدی کے ساتھ مشاہیر بنو ہاشم

---

[1] ابن خلدون جلد ۳ صفحہ ۱۹۲، ۱۹۴ [2] ابن اثیر جلد ۵ صـ ۲۰۲

میں سے محمد کا بھائی موسیٰ بن عبداللہ، امام محمد باقر کے پوتے حمزہ بن عبداللہ امام زید شہید بن امام زین العابدین کے دو بیٹے حسین اور علی شامل تھے [1]

اس واقعہ سے عالم اسلام میں کہرام مچ گیا اور کوئی مسلمان ایسا نہ تھا جو نفس ذکیہ کی مرگ پر سوگوار نہ ہوا۔

امام مالک بن انس پر ظلم و جور

منصور نے اپنے عم زاد بھائی جعفر بن سلیمان عباسی کو تجدید بیعت کے لئے مدینہ منورہ بھیجا۔ جعفر نے اہلِ مدینہ پر ظلم و ستم سے دل کی بھڑاس نکالی۔ ایک شخص نے اس سے امام مالک کے فتویٰ کا ذکر کر دیا۔ اُس نے حکم دیا کہ مالک کو سخت ذلت کے ساتھ دارالامارہ میں حاضر کیا جائے

سرکاری پیادوں نے امام کی رفعتِ شان کو بالائے طاق رکھ کر دارالامارہ میں لا حاضر کیا۔ جعفر نے آپ کو ستر کوڑے مارنے کا حکم دیا۔ کوڑوں کی ضرب سے جسمِ اطہر مجروح ہو گیا۔ آپ افتان و خیزاں اپنے کاشانۂ زہد میں پہنچے اور درد الم ضرب سے مہینوں کے لئے صاحبِ فراش ہو گئے۔ منصور کو اس ظالمانہ واقعہ کی خبر لگی اس کو قلق ہوا اور اُس نے جعفر کو معزول کر دیا۔ امام کو لکھا کہ آپ از راہ کرم دارالخلافہ تک قدم رنجہ فرمائیں۔ آپ نے عذرات لکھ بھیجے۔ خلیفہ نے امام کو اطلاع دی کہ چند ماہ بعد میں خود حج کے لئے آرہا ہوں اور آپ سے ملوں گا۔

امام مالک موسمِ حج میں مکہ مکرمہ پہنچے اور خلیفہ سے منیٰ میں ملاقات ہوئی۔ وہ نہایت اکرام سے پیش آیا اور مزاج پرسی کے بعد سب سے پہلے الفاظ جو منصور کے مُنہ سے نکلے یہ تھے :۔

"میں اس خدائے واحد کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ جس کے سوا کوئی سچا معبود نہیں۔ جعفر نے جو حرکت کی وہ نہ میرے حکم سے کی اور نہ مجھے

---

[1] ابن خلدون جلد ۳ صفحہ ۱۹۲ :۔

اس کا علم تھا بلکہ اس حادثہ نے میرے دل کو بہت بری طرح سے ٹھیس لگائی۔"

امام نے فرمایا۔

"امیرالمومنین میں نے اسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے قرابت رکھنے کی خاطر اور نیز آپ کا عزیز و یگانہ ہونے کی وجہ سے معاف کیا۔"

منصور نے حضرت امام کے استرضائے خاطر کا کوئی پہلو اٹھا نہ رکھا۔[1] اور کہا کہ میں مہدی ولی عہد کو آپ کی خدمت میں تحصیل حدیث کے لئے بھیج دوں گا اس نے امام کی خدمت میں زرِ نقد پیش کیا اور بکمال احترام کے ساتھ رخصت کیا۔

ابراہیم بن عبداللہ حسنی کا ظہور

ابراہیم آغاز ۱۴۵ھ میں اپنے بھائی محمد نفس ذکیہ کے ظہور سے کچھ پہلے بغداد وغیرہ سے ہوتے ہوئے وارد بصرہ ہوئے۔ یحییٰ بن زیاد نے انہیں اپنے مکان پر ٹھہرایا۔ ان کی جانب رجوعات کثرت سے ہونے لگی۔ ابراہیم نے لوگوں سے اپنے بھائی نفسِ ذکیہ کی بیعت لینی شروع کی۔ مبائعین کی تعداد چار ہزار ہو گی۔ نفسِ ذکیہ نے اپنے ظہور کے متعلق ابراہیم سے کہہ دیا تھا کہ جب اظہارِ دعوتِ خلافت کا کروں تو تم بھی بصرہ سے خروج کرنا۔

چنانچہ یکم رمضان ۱۴۵ھ کو ابراہیم نے ظہورِ نفسِ ذکیہ کا اعلانِ عام کیا۔ جامع مسجد میں نماز صبح ادا کی۔ پھر دارالامارہ پہنچے۔ عاملِ منصور سفیان بن معاویہ نامی کو قید کر کے مجلس میں بھیج دیا اور جعفر و محمد پسران سلیمان بن علی عباسی چھ سو کی جمعیت سے سفیان کی معاونت کے لئے آئے ان کو ہوا خواہانِ ابراہیم نے پسپا کر دیا۔ اس کے بعد بصرہ پر ابراہیم کی حکمرانی شروع ہو گئی۔ انہوں نے بصرہ کے خزانوں سے بیس لاکھ درہم قبضہ میں کئے اور اپنے تابع مغیرہ کو مع فوج کے

---

[1] الامامۃ والسیاسۃ لابن قتیبہ جلد ۲ صفحہ ۱۴۷-۱۴۸

اہواز بھیجا جہاں منصور کی طرف سے محمد بن حصین نے چار ہزار جمعیت سے مقابلہ کر کے شکست کھائی۔ مغیرہ اہواز پر قابض ہو گیا۔ اہلِ بصرہ میں مرہ عیسیٰ، عبدالواحد ابن زیاد عمرو بن سلمہ عمائدِ بصرہ ابراہیم کے معین و مددگار تھے۔ ابراہیم نے عمرو بن شداد کو فارس کی ترکتاز کرنے کے لئے روانہ کیا۔ اسمٰعیل و عبداللہ عاملانِ فارس یلغار دیکھ کر دارالبجرد میں قلعہ بند ہو گئے۔ عمرو نے فارس اور اطرافِ فارس پر اپنی فتح اور کامرانی کا پھریرہ اڑایا۔ ہارون بن شمس عجلی کو سترہ ہزار فوج کے ساتھ واسط کی طرف بڑھنے کا حکم دیا۔

امام ابراہیم نے ایک مہینہ کی مدت میں خلافتِ بنی عباس کا بہت بڑا علاقہ قبضہ میں کر لیا کہ یکایک نفسِ ذکیہ کے قتل کی خبر آئی۔ ابراہیم نے عیدالفطر کے دن نماز کے بعد لوگوں کو اس جگر شگاف واقعہ سے مطلع کیا[۱] فوج اور عامۃ المسلمین کے جذبات منصور کے خلاف اور زیادہ برانگیختہ ہو گئے۔ عید کے دوسرے روز ابراہیم نے فوج کو مرتب و منظم کیا۔

امام ابراہیم شجاعت و اولوالعزمی کے ساتھ بڑے عالم متبحر اور مقتدائے انام تھے۔ اُن کے دعوائے خلافت کے ساتھ ہر طرف سے لبّیک کی صدائیں بلند ہونے لگیں۔

امام اعظم ابوحنیفہؒ کی اعانت

امام اعظمؒ سفاح اور منصور کی سفاکیاں خود دیکھ رہے تھے اور ان کو اطلاعات پہنچ رہی تھیں اس لئے آپ نے یہ رائے قائم کر لی تھی کہ عباسی فرمانروا منصبِ خلافت کے لئے شایاں نہیں۔ زید شہید کی عون و نصرت کا سرّاً فتویٰ بھی دے چکے تھے۔ ابراہیم کی خبر پہنچی تو آپ نے اُن کی تائید کی[۲] جس کا اثر یہ ہوا کہ ابراہیم کے جھنڈے تلے کم و بیش ایک لاکھ آدمی جان سپاری و جان نثاری کے لئے تیار ہو گئے۔

---

[۱] ناسخ التواریخ جلد ۵ ص ۲۳۸

خلیفہ منصور کو ابراہیم کی غیر معمولی کامیابی کا علم ہُوا تو اُس کے حواس جاتے رہے۔ اُس نے مدینہ سے عیسٰی کو، مسلم بن قتیبہ کو "رے" سے اور سالم کو ابراہیم کی طرف روانہ ہونے کا حکم دیا۔ اپنے بیٹے مہدی کو بھی بھیجا۔ خود پچاس دن تک مصلیٰ پر بیٹھ کر تسبیح و دُعا میں مصروف رہا۔ اس مدت میں لباس تک نہ بدلا[1]۔ غرضیکہ چاروں طرف سے ابراہیم کے مقابلہ میں لشکر پہنچ گئے اور ابراہیم گھر گئے۔ انہوں نے دادِ شجاعت دی اور بہادری کا مظاہرہ دکھایا۔ مگر وقت پر "محبانِ اہلِ بیت" ساکنانِ کوفہ نے ان کا بھی ساتھ چھوڑا۔ آخر شں ابراہیم لڑتے ہُوئے تیر سے زخمی ہُوئے، گھوڑے سے گرے۔ ان کا سر اُتار کر عیسٰی عباسی کے روبرو لایا گیا۔ پھر وہ سر منصور کے پاس بھیج دیا گیا۔ یہ واقعہ ذی الحجہ ۱۴۵ھ کا ہے۔ اس وقت ان کی عمر ۴۸ سال کی تھی[2]۔ منصور نے ابراہیم کا سر دیکھا تو اشک بار ہو گیا اور کہنے لگا۔ واللہ! میں اس قضیہ کو ہرگز پسند نہ کرتا تھا لیکن بدنصیبی سے ہم اور تم مُبتلا ہو گئے[3]۔

اس کے بعد عام دربار منعقد کیا گیا۔ کارگزاروں کو انعام و اکرام دیئے گئے نفسِ ذکیہ اور ابراہیم نے اپنے چند روزہ عروج میں کمال شجاعت و اولوالعزمی کا ثبوت دیا۔ دونوں بھائی نہایت شجاع قوی بازو اور فنِ حرب کے ماہر تھے۔ گو اُن کا ظہور شہابِ ثاقب کا حکم رکھتا تھا جو چمکا اور چمک کر غائب ہو گیا۔ یہ حقیقت ہے کہ ہر دو بزرگ جملہ محاسنِ اخلاق کے پیکرِ مجسم تھے۔ ان کے مقابلہ میں منصور کے اندر کچھ خامیاں تھیں۔ یہی وجہ ہے کہ امام اعظمؒ اور امام مالکؒ جیسی جلیل القدر ائمۂ اسلام ان ہر دو بھائیوں کے معاون تھے اور انہوں نے ان کی تائید و نصرت کا فتویٰ دیا تھا۔ کیونکہ یہ ہر دو ائمہ ایسی خلافت کے متمنی

---

[1] ابوالفداء جلد ۲ صفحہ ۴ ۔ [2] ابن خلدون جلد ۳ صفحہ ۱۹۴ ۔

[3] ابن خلدون جلد ۳ صفحہ ۱۹۶ ۔

تھے جو منہاجِ نبوت پر قائم ہوتی جس کا نمونہ خلافتِ راشدہ تھی۔ امام مالکؒ کے ساتھ جو کچھ عمل ہوا وہ ذکر کیا جا چکا ہے۔ امام اعظمؒ کے ساتھ جو سلوک کیا گیا اس کا ذکر آگے آتا ہے۔

برادرانِ نفس ذکیہ کا قتل و قید ہونا نفس ذکیہ اور ابراہیم کے دوسرے بھائی دعوتِ خلافتِ نفس ذکیہ کے سلسلہ سے مختلف حصوں میں پھیلے ہوئے تھے۔ علی بن محمد مصر میں، عبداللہ بن محمد خراسان میں اور سندھ میں، حسن بن محمد یمن میں، موسیٰ بن عبداللہ جزیرہ میں، یحییٰ بن عبداللہ رے اور طبرستان میں، ادریس بن عبداللہ مغرب میں منصور نے ان میں سے بعضوں کو گرفتار کر کے قید اور بعضوں کو قتل کرا دیا۔[۱]

ادریس نے مغرب میں حکومتِ ادریسیہ کی بنیاد ڈالی جس کا ذکر ہم "خلافتِ ہسپانیہ" میں کر چکے ہیں۔

امام ابو حنیفہؒ امام اعظمؒ کے علوم رتبہ سے منصور خوب واقف تھا اور جانتا تھا کہ آپ قصرِ شریعت کے زبردست ستون ہیں۔ کیونکہ خود منصور بلند پایہ عالم تھا۔ مگر امام سے اس کو خلش ضرور تھی۔ ۱۴۶ھ میں منصور نے امام اعظم کو جن کے علم و اجتہاد اور تقویٰ و ورع کی شہرت اطرافِ عالم میں تھی، قاضی القضاۃ بنانا تجویز کیا۔ چنانچہ طلبی پر آپ دارالخلافہ آئے۔ آپ سے منصب قضا قبول کرنے کے لئے کہا گیا لیکن آپ نے اُسے قبول کرنے سے انکار کیا۔ منصور نے قسم کھا کر کہا۔

"آپ کو یہ منصب قبول کرنا پڑے گا۔"

امام صاحب نے بھی قسم کھائی کہ "میں ہرگز قبول نہ کروں گا۔"

امام صاحب کی اس جرأت پر سارا دربار محوِ حیرت رہ گیا۔ ربیع بن یونس

---

[۱] مروج الذہب مسعودی جلد ۶ صہ ۱۹۳

حاجبِ دربار نے آپ سے کہا نہایت افسوس ہے کہ آپ امیرالمومنین کے مقابلہ میں قسم کھاتے ہیں۔ امام صاحب نے فرمایا کہ امیرالمومنین کے لئے قسم کا کفارہ ادا کرنا میری نسبت زیادہ آسان ہے۔

خلیفہ نے آپ کے قید کئے جانے کا حکم دیا [1]

ابن خلدون کا بیان ہے:-

"امام کے لئے منصور نے یہ سزا تجویز کی کہ وہ (بغداد) کی تعمیر کے سلسلہ میں اینٹوں اور چونے وغیرہ کا اہتمام کریں"۔ [2]

قیام مجلس ہی میں تھا کہ کچھ دن بعد قید خانہ سے طلب کر کے قبول منصب کے لئے دوبارہ بلاکر سختی کی۔ آپ نے حسبِ سابق انکار کیا۔ آپ کو مکرر قید خانہ بھیج دیا گیا۔ پھر طلب کئے گئے اور تیس ہزار درہم دینا چاہے۔ آپ نے رقم لینے سے انکار کیا۔ آپ کو پھر زندانِ بلا میں محبوس کر دیا گیا۔ یہاں تک کہ علم وعرفان کا یہ نیرِ اعظم سجن ہی میں رحمتِ الہٰی کے شفق میں غروب ہو گیا [3]

بغداد کی بنا و تاسیس

بغداد کی جگہ کا انتخاب منصور کی فطری ذہانت کا نتیجہ تھا۔ دجلہ و فرات اس کے قریب تھے جس کی وجہ سے بصرہ، واسط، شام، مصر، آذربائیجان، دیارِ بکر اور ہندوستان سے بآسانی تجارت ہو سکتی تھی۔

اس جگہ کی آب و ہوا نہایت معتدل تھی۔ ملکی مصلحتوں کی بنا پر بھی یہ جگہ تمام ممالکِ اسلامیہ میں لاجواب تھی۔

منصور نے یہاں کی کل اراضی خرید لی۔ اس کے بعد تعمیرِ بغداد کے لئے شام،

---

[1] تاریخ الخمیس جلد ۲ صہ ۳۲۵ [2] ابن خلدون جلد ۳ صہ ۱۹۶

[3] تاریخ الخمیس جلد ۲ صہ ۳۲۴ وفیات الاعیان جلد ۲ صہ ۱۶۳

موصل، کوفہ، واسطہ، بصرہ وغیرہ سے مشہور صناع اور کاریگر بلائے گئے [1]۔

علماء میں امام ابو حنیفہ، حجاج بن ارطاۃ اور دیگر فقہا، ومہندس وغیرہ مدعو کئے گئے۔ خالد برمکی، ابراہیم فزاری وعلی بن عیسیٰ منجمین نے زائچہ دیکھا۔

۱۴۵ھ میں خلیفہ منصور نے اپنے ہاتھ سے یہ الفاظ کہتے ہوئے سنگ بنیاد رکھا۔

بِسْمِ اللّٰہِ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ وَالْاَرْضُ لِلّٰہِ یُوْرِثُہَا مَنْ یَّشَاءُ مِنْ عِبَادِہٖ وَالْعَاقِبَۃُ لِلْمُتَّقِیْنَ۔

شہر بغداد کی بنیاد مدور ڈالی گئی۔ شہر پناہ کے عین وسط میں ایک اور دائرہ دیوار کا قائم کیا تھا۔ اس کے وسط میں ایوان شاہی تعمیر کئے گئے۔ شہر پناہ کے چار دروازے رکھے گئے۔ ہر دروازے کے درمیان میں ایک میل کا فاصلہ تھا۔ اسی طرح اندر کے حلقہ کے چار دروازے تھے۔ ہر دروازے پر لوہے کے بڑے بڑے پھاٹک نصب کئے گئے۔ جامع مسجد محل کے قریب بنائی گئی۔ منصور نے شہر کو چوبیس ہزار محلوں پر تقسیم کیا۔ ہر محلہ میں ایک مسجد اور اس کے پاس حمام تھا۔ دجلہ سے کاٹ کر بہت سی نہریں مسجدوں تک پہنچائی تھیں اور نہروں پر ایک سو پچیس پل تھے۔ نہروں کے کنارے خاص شہر میں چار ہزار سبیلیں رکھی جاتیں۔ کل عمارت پر چار کروڑ آٹھ لاکھ تین درہم صرف ہوئے تھے۔

ابن اثیر میں ہے کہ سڑکیں چالیس چالیس ہاتھ چوڑی تھیں۔ پچاس ہزار کاریگر اور مزدور کام میں لگے ہوئے تھے [2]۔

بغداد، دجلہ کے مغربی جانب تھا۔ ولی عہد کے لئے ۱۵۱ھ میں دریائے دجلہ کے مشرقی کنارے پر ایک اور شہر "رصافہ" کے نام سے آباد کیا [3]۔

ایوانِ شاہی کے علاوہ قصر الخلد، قصر الذہب، قبۃ الخضرا، جامع مسجد اور بے نظیر

---

[1] معجم البلدان یاقوت حموی صد ۲۳۳ [2] مروج الذہب مسعودی ومعجم البلدان جلد ۲ صد ۲۳۳

[3] ابن اثیر جلد ۵ صد ۲۲۲

عمارتیں تعمیر ہوئیں۔ ۱۴۶ھ میں تعمیر کا کام ختم ہوا اور بجائے بغداد کے مدینۃ الاسلام نام رکھا گیا۔

خوارج کی شوریدہ سری بنو امیہ کے زوال کے ساتھ خوارج کی ایسی ہوا بگڑی کہ تا زمانِ ظہورِ دولتِ عباسیہ کسی کو سر اُٹھانے کی جرأت نہ ہوئی۔ یہاں تک کہ ۱۳۷ھ میں ملبد شیبانی خارجی نے عَلمِ بغاوت بلند کیا۔ حمید بن قحطبہ عاملِ جزیرہ سرکوبی کو پہنچا۔ وہ شکست یاب ہوا تو حازم بن خزیمہ نے مقابل ہو کر اس کی قوت کا خاتمہ کر دیا۔ ۱۴۸ھ میں حسام ہمدانی نے موصل میں سر اُٹھایا۔ عساکر عباسی نے اس کی بھی ایسی سرکوبی کی کہ بقیۃ السیف نے خلیفہ کی بارگاہ میں آکر عفو و بخشش چاہی۔

قیصرِ روم کی یورش آخری خلفائے بنو مروان کے دورِ حکومت سے لے کر عباسیوں کے ابتدائی سنین خلافت تک قلمرو اسلامی خانہ جنگیوں کا آماجگاہ تھا۔ اغیار نے موقعہ دیکھ کر ہاتھ پیر نکالے ۱۳۲ھ میں سفاح کی تخت نشینی کے دوسرے سال قیصر قسطنطین (شاہ روم) نے قلعہ کمخ اور ملطیہ پر چڑھائی کر دی اور اس پر قبضہ کر لیا۔ پھر اس کو مسمار کر دیا۔ جیسا کہ پہلے لکھا جا چکا ہے۔

اس کے بعد قیصر روم نے ۱۳۷ھ میں آگے قدم بڑھائے۔ خلیفہ نے عباس بن محمد کو گورنر جزیرہ انطاکیہ کو رومیوں کے مقابلہ پر بھیجا۔ صالح اور عیسیٰ بھی گئے۔ عباس نہایت بہادری سے لڑا اور قیصر روم کو مار بھگایا۔ ۱۳۹ھ میں عباس نے ملطیہ کو دوبارہ تعمیر و آباد کیا اور ایک چھاؤنی قائم کر دی۔ قیصر کی حربی قوت توڑنے کے لئے عباس نے رومیوں پر حملے کئے اور اکثر بلادِ رومیہ کو تہ و بالا کر کے واپس آیا۔ اسی سال جعفر بن حنظلہ مہرانی نے بھی رومیوں کی سرکوبی کی۔ ۱۴۹ھ میں زفر بن عاصم نے بلادِ روم پر فوج کشی کی۔ آخر ۱۵۵ھ میں قیصر نے خلیفہ منصور سے مصالحت کی درخواست کی۔ بالآخر ایک معاہدہ ہوا جس کی رُو سے قیصر نے خلیفہ کو

ہر سال ایک رقم خطیر ادا کرنے کا اقرار کر کے نجات پائی۔[1]

مدعیٔ نبوت کی فتنہ انگیزی ۱۵۰ھ میں اطرافِ خراسان سے استاذ سیس نمودار ہوا۔ اس نے دعوائے نبوت کر کے باذغیش اور سجستانیوں کو اپنا متبع کر لیا۔ تین ہزار جنگ آور اس کے آس پاس آکر جمع ہو گئے۔ گورنر "مروروز" نے سرکوبی کرنی چاہی مگر وہ استاذ کی قوت کی تاب مقابلہ نہ لاسکا۔ منصور نے حازم بن خزیمہ کو استاذ کی گوشمالی کو بھیجا۔ اس نے آتے ہی اپنی عسکری طاقت سے ان کی فوجی سرگرمی کا خاتمہ ہی کر دیا۔ وہ "سیس" کی جانب فرار ہو گیا۔ اس کے پس ماندہ گرفتار ہوئے اور اُس کے ہزاروں ساتھی مارے گئے۔ اس طرح یہ فتنہ اسطور سے بالکل ختم ہو گیا۔ اس واقعہ کے بعد سے خلیفہ نے تمام خرخشوں سے نجات پاکر پورے اطمینانِ خاطر کے ساتھ اپنی عنانِ توجہ دینی خدمات اور علمی مہمات کی طرف لگا دی۔

ولی عہد شاہزادہ مہدی کو ولی عہد قرار دیا اور عیسیٰ کو مہدی کا ولیعہد مقرر کیا۔[2]

منصور کی وفات منصور نے بائیس سال پرشکوہ سلطنت و فرمانروائی کی۔ ۱۵۸ھ میں حج کے لئے روانہ ہوا۔ ولی عہد کو چلتے ہوئے کچھ وصیتیں کیں۔ کوفہ پہنچے۔ حج عمرہ کا احرام باندھا۔ قربانی کے جانوروں پر نشان لگا کر اُن کو آگے روانہ کیا۔ کوفہ سے دو منزل پر درد اُٹھا۔ بیر معونہ پہنچے۔ ۶ ذی الحجہ ۱۵۸ھ کو ۶۳ سال کی عمر میں وفات پائی۔

منصور کا نظامِ مملکت

مروانیوں میں عبدالملک جس پایہ کا فرمانروا تھا اُس کے ہی مانند منصور عباسی

---

[1] ابن اثیر جلد ۵ صہ ۱۸۲ و ابن خلدون جلد ۳ صہ ۲۰۳

بھی تھا۔ عبدالملک نے جس طرح دولتِ امویہ کی بنیادیں مضبوط کیں اسی طرح حکومتِ بنی عباس کو مستحکم کرنے والا منصور تھا۔

منصور کا عہد فتوحاتِ ملکی میں کوئی اہم درجہ نہیں رکھتا بلکہ اس کی عمر کا بڑا حصہ خانہ جنگی میں گزرا۔ اس کے سوا کچھ حصہ ہاتھ سے جاتا رہا۔ چنانچہ سفاح اور منصور کے عہد میں اندلس اور افریقہ کا کچھ حصہ دولتِ عباسیہ سے جدا ہو گیا۔

دولتِ مروانیہ کے بانی مبانی امیر معاویہؓ نے خلافتِ راشدہ کا وہ نظامِ سیاسی ختم کر دیا تھا جس کی بنیاد شوریٰ اور مذہبی اصول پر قائم تھی۔ اس کی جگہ موروثی نظام کی داغ بیل ڈالی گئی جس میں سیاسی مصلحتوں کے سامنے مذہبی اصول ثانوی درجہ رکھتے تھے۔ منصور کے چچا داؤد بن علی نے سفاح کی پہلی تقریر کے بعد جو تقریر کی تھی اُس میں کہا تھا۔

"ہم ذمہ خدا اور رسولؐ اور حضرت عباسؓ کا دیتے ہیں کہ سنت رسول اللہ پر عمل کریں گے۔"[1]

مگر نہ تو سفاح نے اس پر عمل کیا اور نہ منصور نے بلکہ منصور نے نظامِ حکومت آلِ ساسان کے دستورِ حکومت کے مطابق قائم کیا۔ ابومسلم خراسانی کی کارفرمائی کو اس میں بڑا دخل ہے۔ اس کے بعد خالد برمکی کی۔ کیونکہ سفاح اور منصور نے اپنی حکومت کے استحکام کے لئے ایرانیوں کا اثر و اقتدار بڑھا دیا تھا۔ اس سے قدرتی طور پر حکومت کے نظم و نسق پر ایرانی نظریے کارفرما تھے۔

عباسی خلیفہ منصور کا یہ خیال تھا کہ ان کو فرمانروائی کا حق خدا کی جانب سے عطا ہوا ہے قوم کا عطا کردہ نہیں ہے۔ منصور نے ایک موقعہ پر کہا تھا۔

"میں دنیا میں خدا کی طرف سے فرمانروا ہوں۔"

یہ نظریۂ حکومت خلافتِ راشدہ کے نظریہ سے مختلف تھا۔ خلفائے راشدین کا

---

[1] طبری جلد ۹ صفحہ ۱۲۵

نظریہ یہ تھا کہ قوم نے انہیں فرمانروائی کا حق دیا ہے[1]۔

منصور نے ساسانی فرمانرواؤں کے جاہ و جبروت کے لوازمات کی بنیاد اپنے عہد میں ڈال دی تھی جس کی تکمیل ان کے پوتے پر پوتوں نے کی۔

منصور خود مختار حکمران تھا مگر بنی امیہ کی تقلید میں حاجب کے تقرر کے علاوہ ایک نئے عہدہ کا اضافہ کیا جو ساسانی دستورِ حکومت کے مطابق تھا۔ عباسیوں کا پہلا وزیر "ابو سلمہ خلال" تھا جو "وزیر آلِ محمد" کے نام سے معروف و مشہور تھا اس کے بعد ابو جہم مقرر ہوا۔ یہ دولتِ عباسیہ کا دوسرا وزیر تھا۔ ابو جہم کے بعد سفاح نے خالد بن برمک کو اس منصبِ جلیل پر فائز کیا

منصور نے خالد کے بعد ابو ایوب ماریانی کو وزارتِ عظمیٰ کے عہدے پر مامور کیا۔ پھر ربیع بن یونس کا انتخاب عمل میں آیا۔

ربیع، پختہ کار، بیدار مغز، صاحبِ فہم و فراست سیاستدان حکومت کا اہل، پاکیزہ سیرت، نیک کردار، شریف فطرت، ریاضی کا ماہر اور سلاطین کی نفسیات سے خوب واقف تھا۔

منصور کی خود اعتمادی نے اگرچہ وزارت کی اہمیت کا خاتمہ کر دیا تھا اس کے باوجود منصور ہمیشہ مہماتِ مملکت میں وزراء سے مشورہ ضرور لیا کرتا۔ گو اس کی شاہانہ ہیبت اور استبداد کے سامنے وزراء کی کوئی حقیقت نہ تھی اور نہ وہ ہمیشہ اس سے تھرتھراتے رہتے تھے۔ چنانچہ مشہور ہے کہ منصور کے وزراء کے چہروں پر اطمینان اور خوشی کے احساسات کبھی کسی نے نہیں دیکھے[2]۔

دارُالخلافہ منصور نے حکومت کا محور و مرکز بغداد کو قرار دیا تھا وہ یہیں سے تمام مملکت پر فرماں روائی کرتا تھا۔ عہدِ اموی کے گورنر حجاج بن یوسف اور زیاد بن ربیعہ کی طرح منصور کے گورنر

---

[1] مسلمانوں کا نظام مملکت مصری

نظریہ یہ تھا کہ قوم نے انہیں فرمانروائی کا حق دیا ہے[1]
مگر وہ سب اُس کی مرضی کے تابع تھے جہاں چاہتا ان کو بھیج دیتا اور جہاں سے چاہتا ہٹا دیتا۔ ہر گورنر پر اس کی ہیبت طاری تھی۔ گورنروں کے اختیارات و فرائض فوج کی قیادت، عدالت اور نماز میں امامت تک محدود تھے۔ اگرچہ گورنری کا عہدہ سب سے بڑا تھا۔ اس کا تقرر خود خلیفہ کرتا تھا۔ وہ اپنے صوبہ میں عدالت، مالیات، فوج، پولیس کا سب سے بڑا افسر ہوتا تھا اور امامت نماز اس کا اہم فریضہ تھا۔ دیگر منصب افسر مالیات، افسر برید اور قاضی تھے۔ پہلے پہل قاضی القضاۃ کا عہدہ منصور نے قائم کیا جس پر امام ابوحنیفہ کو مقرر کرنا چاہا۔

ملکی نظام منصور نے جس وقت عنانِ خلافت ہاتھ میں لی اس وقت تک صُوبوں کے حکام کی وہی قدیم عادت جاری تھی کہ اپنے صوبوں پر اُن کا پُورا پورا حاکمانہ تصرف تھا۔ قوتِ عسکریہ اور خزانۂ مملکت کو جس طرح چاہتے اپنی مرضی کے مطابق کام میں لاتے تھے۔ قدیم سے قاعدہ یہی تھا کہ جو خراج وصول ہو کر خزانوں میں آتا اُسے گورنر اپنی رائے سے صوبوں کی ضروریات میں اور مصالح ملکی کے دیگر کاموں میں لاتے تھے۔ اگر اس میں کچھ بچتا اور صوبوں کے اخراجات سے زائد رہتا تو خلیفہ کی خدمت میں بھیج دیتے تھے۔ منصور نے اس طریقہ کو بالکل موقوف کر دیا۔ اس نے اپنا اصولِ حکومت یہ ٹھہرایا کہ تھوڑے تھوڑے دنوں کے بعد حکام کا تبادلہ کیا کرتا اور جو لوگ وسیع اور باثر خاندان والے تھے انہیں امورِ سلطنت سے ہی خارج کر دیتا تھا[1]
اس انتظام کا نتیجہ یہ ہوا کہ اس کے بیت المال میں اڑتالیس کروڑ روپیہ محاصل کا آنے لگا[2]

انتخابِ قاضی قاضی کا تقرر خلیفہ کی مرضی پر تھا اور ایسا قاضی مقرر کیا جاتا تھا جو اُن کے اعمال و افعال کو مذہبی رنگ میں پیش

---

[1] تاریخ عرب میسیو ص ۱۸۲ [2] ایضاً -

کرتا ہے۔ امام اعظمؒ نے اسی بنا پر قاضی بننے سے انکار کر دیا تھا۔ منصور نے محمد بن عبدالرحمٰن کو قاضی مقرر کیا۔ امام صاحب نے اس کے فیصلوں پر نکتہ چینی شروع کر دی۔ انہوں نے منصور سے شکایت کی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ خلافت مآب کی طرف سے امام صاحب کو حکم زبان بندی کا آ گیا اور فتویٰ لکھنے کی بھی ممانعت کر دی گئی۔[1]

یہی وجہ تھی کہ جو محتاط علماء تھے وہ قضاء کے منصب سے بچتے تھے مگر آخر میں منصور کی پالیسی بدل گئی تھی۔ اب وہ ایسے قاضی کا انتخاب کرتا تھا جو عدل و انصاف میں کسی کی رو رعایت نہ کرے۔ چنانچہ قاضی محمد بن عمران طلحی کا واقعہ بیان کیا جا چکا ہے کہ اُس نے منصور کے خلاف فیصلہ کیا جس پر منصور نے قاضی کو دس ہزار اشرفیاں عطا کیں اور کہا :۔

جزاك الله عن دينك احسن الجزاء"[2]

فوجی تنظیم منصور کو جنگی مسائل سے خاص دل چسپی لیتا تھا "عرض جیش" فوج کی ٹریننگ کا ایک جزو خیال کیا جاتا تھا۔ منصور کو فوج سے بڑی دلچسپی تھی۔ خود جنگی لباس میں تخت پر بیٹھتا۔ فوجوں کا معائنہ کرتا۔ اس کے زمانے میں فوج کے تین حصے تھے۔ شمالی عربوں کی فوج (مضر) جنوبی عربوں کی فوج (یمنی) اور خراسانیوں کی فوج۔[3] یہ اس قدر فوج جمع ہو گئی تھی کہ ایک مرتبہ اُن کے اجتماع کو دیکھ کر منصور گھبرا گیا۔ حضرت ابن عباس کا پوتا قثم بن عباس منصور سے ملنے آیا۔ قثم سارے عباسیوں میں بڑا دانا اور زیرک مشہور تھا اور ہر شخص اُس کا احترام کرتا تھا۔ منصور اس کو دیکھتے ہی کہنے لگا۔ تم نے فوجیوں کا نرغہ دیکھا۔ اگر یہ لوگ کبھی باہم متفق ہو گئے تو ان کے سامنے میرا کوئی زور نہ چلے گا اور خلافت ہمارے ہاتھ سے نکل جائے گی۔ قثم نے کہا اس کا

---

[1] التمدن الاسلامی جلد ۲ صفحہ ۱۵۵ [2] تاریخ الخلفاء صفحہ ۱۶۰

[3] مسلمانوں کا نظم مملکت صفحہ ۲۳۴

انتظام ہو جائے گا اور اپنے گھر واپس جا کہ اپنے غلام سے کچھ کہا سنا۔ تھوڑے عرصہ بعد قثم خچر پر قصرِ شاہی میں واپس پہنچا۔ غلام درباریوں میں کھڑا تھا اس نے لپک کر قثم کے خچر کی لگام پکڑ لی اور کہنے لگا کہ جناب سرور عالمؐ اور حضرت عباسؓ اور امیر المومنین ابو جعفر کے حقوق کی قسم! میں آپ سے پوچھتا ہوں کہ آپ کے نزدیک اہل یمن افضل ہیں یا بنی مضر (قریش اور دوسرے بنو اسمٰعیل) قثم بہت غصہ ہوا اور بلند آواز سے کہا لگام چھوڑ۔ مگر اس نے شنوائی نہ کی اور اسی طرح قسمیں دلاتا رہا۔ اور اپنے سوال کا اعادہ کرتا رہا۔ قثم نے غلام پر دو، چار چابکیں بھی رسید کیں۔ مگر غلام نے خچر کا دھانہ نہ چھوڑا۔ آخر قثم نے بدرجۂ مجبوری جواب دیا کہ بنو مضر زیادہ اشرف ہیں ان میں خیر البشر پیدا ہوئے ہیں۔ کتاب الٰہی انہی کی زبان میں نازل ہوئی، بیت اللہ اُن کی نگرانی میں ہے اور خلیفۃ اللہ بھی اسی قوم کا چشم و چراغ ہے۔ یہ جواب سن کر غلام چلا گیا۔ مگر یمنی ارکانِ سلطنت میں اس گفتگو سے ناگواری سی پھیل گئی۔ ایک نے اُن میں سے اپنے غلام سے کہا۔ تم قثم کے خچر کو جا کر پکڑ لو اور یمنیوں کے متعلق دریافت کرو۔ وہ قثم کی طرف لپکا تو مضری بگڑ کھڑے ہوئے کہ ایک غلام اور ہمارے معزز ترین شخص کے ساتھ گستاخی کرتا ہے۔ اب یمنی اور مضری دونوں جماعتوں میں ہنگامہ مچ گیا۔ قثم اپنا خچر بڑھا کے منصور سے جا ملا اور کہا لیجیے مبارک ہو میں نے آپ کے لشکر میں پھوٹ ڈال دی۔ اس وقت سے عسکرِ خلافت میں تین جماعتیں بن گئیں اور ہر ایک کا ایک دشمن بن گیا۔[۱]

دفاتر سرکاری دفاتر کا پہلا انتظام منصور نے قائم رکھا اور حسبِ ضرورت اس میں کچھ اضافہ کر دیا۔ دیوانِ خراج، دیوانِ دیت، دیوانِ زمام، دیوانِ فوج، دیوانِ موالی و غلام، محکمہ برید، محکمۂ زمام نفقات، دیوان رسائل، محکمہ تحقیقات مظالم، محکمۂ جاسوسی، محکمۂ پولیس، محکمۂ عطاء و ظائف، ان کے علاوہ ایک مستقل محکمہ

---

[۱] ابن اثیر جلد ۵ صفحہ ۲۲۳ ۔

غیر مسلم قوموں کے حقوق کی حفاظت کا تھا۔ اس کا افسر "کاتب جہاز" کہلاتا تھا۔[1]

محکمۂ جاسوسی منصور نے اس محکمہ کو بڑی وسعت دی تھی۔ یہ خدمت مرد و عورت ہر دو انجام دیتے تھے۔ جاسوس تاجروں، طبیبوں وغیرہ کے بھیس میں ہمسایہ ملکوں میں جاتے رہتے اور اپنی حکومت کو وہاں کے سیاسی حالات و دیگر واقعات کی اطلاع بھیجتے۔ اس سے بڑھ کر منصور کا ایک ایک جاسوس ہر گورنر کے پاس رہتا جو اس کی نقل و حرکت کی اطلاع دیتا رہتا جیسا کہ ابو مسلم خراسانی کے حالات میں لکھا جا چکا ہے کہ اس کی گفتگو جو اپنے ہم مجلس یا مشیروں سے ہوتی وہ خلیفہ تک بہت جلد پہنچ جاتی تھی۔

محکمۂ برید اس محکمہ پر منصور کی زیادہ توجہ تھی۔ ڈاک کے انتظام میں پہلے کے مقابلے میں بہت کچھ اصلاح و ترقی دی۔ منصور کا قول تھا:۔

"حکومت کے عناصرِ ترکیبی میں چار عناصر نہایت اہم ہیں ان کا انتخاب بہت غور سے کرنا چاہیئے:۔

۱۔ قاضی:۔ جو نہایت بے باک اور نڈر ہو جو دنیا کی کسی طاقت سے مرعوب نہ ہو سکے۔

۲۔ پولیس کا افسر:۔ جس میں کمزور کی حمایت اور طاقت ور کے بل نکال دینے کی قوت ہو۔

۳۔ خراج کا افسر:۔ جو نہایت دیانت دار ہو، ظلم و جور سے اس کو طبعی نفرت ہو۔

۴۔ ڈاک کا افسر:۔ (یہ لفظ منصور نے تین بار سبابہ انگشت کو دانتوں کے نیچے دبا کر کہا تھا) جو صحیح حالات سے بے کم و کاست اطلاع دے اور اپنی طرف سے کوئی کتر بیونت نہ کرے۔"[2]

---

[1] مسلمانوں کا نظم مملکت صفحہ ۲۲۰ [2] طبری جلد ۹ صفحہ ۲۹۶

بیدار مغزی منصور نہایت بیدار مغز فرمانروا تھا وہ اپنے گورنروں اور وزراء کے حالات سے ہمیشہ باخبر رہتا تھا۔

محکمۂ ڈاک کے افسر نے ایک دفعہ اسے اطلاع دی کہ حضرموت کا گورنر شکار کو کثرت سے جاتا ہے اور اس کا یہی مشغلہ شب و روز کا ہے۔

منصور نے گورنر حضرموت کو لکھا :-

"کمبخت یہ سازو سامان وحشی جانوروں پر صرف کرنے کے لئے نہیں ہے تیر و کمان کے مصارف مسلمانوں کی فلاح و بہبود میں صرف کرنے کے لئے ہیں اور تو ان کو جنگلی جانوروں پر صرف کر رہا ہے"

ماھذا العدۃ التی اعددتھا للنکایۃ فی الوحش

یعنی یہ تو نے کیا عادت اختیار کی ہے کہ جانوروں کو تکلیف دیتا ہے ہم نے تجھ کو مسلمانوں کی خدمت کے لئے مقرر کیا تھا نہ کہ جانوروں کو تکلیف دینے کے لئے"

تو فلاں ابن فلاں کو اپنی گورنری کا چارج دے دے خدا تجھے اور تیرے خاندان کو برباد کرے" ؎۱

منصور ڈاک کے افسروں سے جاسوسی کا کام بھی لیتا تھا۔ یہ افسر حکومت کے نظم و نسق کے لئے اس کے دست و بازو ثابت ہوتے تھے۔ اسی طرح وہ پوری سلطنت کے گورنروں، قاضیوں، خراج کے افسروں اور دوسرے محکموں کے افسروں کے حالات سے باخبر رہتا تھا۔

نرخوں کی نگرانی ڈاک کا افسروں کا یہ بھی فرض تھا کہ گندم، غلہ، چمڑے اور خورد و نوش کی اشیاء کے بھاؤ کے بارے میں اطلاع دیتے رہیں اور اس کی نگرانی بھی رکھیں کہ حکومت کے مقرر کردہ نرخ سے زیادہ قیمت پر خرید و فروخت تو نہیں ہو رہی ہے۔

؎۱ طبری جلد ۹ صفحہ ۲۹۷ ؛

خبروں کا انتظام دن میں دو مرتبہ تمام سلطنت کی خبریں منصور کو پہنچائی جاتیں۔ مغرب کی نماز کے بعد دن بھر کے واقعات کی اطلاع اور صبح کی نماز کے بعد رات بھر کی تمام اہم خبروں سے مطلع ہوتا۔ تمام مخبر افسر ڈاک کے ذریعہ خبریں بھیجا کرتے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ منصور تمام سلطنت کے حالات سے واقف رہتا تھا اور قاضیوں کے ظلم وجور، حکومت کے حدود میں نرخوں کے اتار چڑھاؤ کسی بات سے بے خبر نہ رہتا تھا۔[۱]

نظامِ جاگیرداری منصور نے اپنے چند خاص ارکانِ حکومت کو جاگیر دار بنایا تھا۔ یہ اُن کی خدماتِ جلیلہ کا اعتراف اور صلہ تھا۔ یہ جاگیریں نہایت سرعت کے ساتھ آبادی سے معمور ہوگئیں تھیں اور ریاست کی فلاح وبہبود پر اس کا نہایت اچھا اثر پڑا تھا۔[۲]

نظامِ مالیات بنی امیہ نے جو نظامِ مالیات قائم کیا تھا وہ برقرار رکھا گیا۔ اور اس میں کچھ اضافہ بھی کیا۔

ترقیٔ زراعت منصور کو زراعت کی ترقی پر زیادہ توجہ تھی ۱۳۶ھ تک لگان پیمائشی طریقہ سے وصول کیا جاتا رہا منصور نے اس میں اتنی ترمیم کی کہ گندم اور جَو کی پیداوار کے لئے بٹوارہ کا طریقہ نافذ کر دیا اور میوہ کے باغات کے لئے پیمائش کا قدیم دستور جاری رہا۔[۳]

اصولِ حکمرانی منصور نے اپنے ولی عہد مہدی کو جو مرنے سے پہلے وصیت کی تھی اس میں یہ چند فقرے اصولِ حکمرانی کے لُبِّ لُباب سے ہیں:۔

"ابو عبداللہ (کنیت مہدی) بادشاہ کی اصلاح نہیں ہوتی مگر تقویٰ سے، رعایا اچھی نہیں ہوتی مگر تابعداری سے، شہر آباد نہیں ہوتا مگر انصاف سے، بادشاہ کے اقتدار اور اس کی تابعداری کو دوام جب ہی ہوتا ہے کہ

---

[۱] مسلمانوں کا نظمِ مملکت صـ ۲۵۸ [۲] ایضاً صـ ۲۷۱ [۳] ایضاً صـ ۲۷۷

خزانہ بھرپور ہو، احتیاط جب ہی ہوتی ہے کہ ہر قسم کی خبریں بادشاہ کو پہنچتی رہیں، وہی شخص معاف کرنے پر قدرت رکھے گا جو عذاب دینے پر بھی قدرت رکھتا ہو۔ سب آدمیوں میں عاجز ترین وہ شخص ہے جو اپنے سے کم درجہ کے آدمیوں پر ظلم کرے۔ اپنے دوستوں کے کاموں سے عبرت حاصل کرتے رہو۔

کسی کام کی استواری کا خیال مت کرو جب تک کہ غور نہ کر لو کیونکہ سمجھدار کا فکر کرنا اس کا آئینہ ہوتا ہے ایسا کرنے سے تمہیں اس کے اچھے برے کا علم ہو جائے گا۔"[1]

معمولات

ابوجعفر منصور کا معمول تھا کہ صبح کی نماز باجماعت پڑھتا۔ بعدازاں دربارِ خلافت میں رونق افروز ہوتا اور امورِ سلطنت کو انجام دیتا۔ مالگذاری کا دفتر دیکھتا، حکام کی تبدیلی، راستوں کی حفاظت، رعایا کی آسائش اور تعلیم کا انتظام کرتا۔ اس کے بعد قیلولہ کرتا۔ بعدازاں ظہر کی نماز باجماعت ادا کرتا۔ جب عصر کا وقت آتا تو نماز کے بعد خاص اجلاس کرتا جس میں ساداتِ بنی ہاشم کے معاملات طے کرتا۔ اس کے بعد نماز مغرب باجماعت پڑھ کر کھانا کھاتا۔ جب عشاء کا وقت آتا تو نماز باجماعت پڑھ کر ڈاک دیکھتا اور اطراف وجوانب سے خطوط اور عرضیاں جو آتیں ان کا جواب دیتا۔ اس کے بعد سمارہ سے گفتگو کرتا اور مشورے لیتا۔ جب ایک تہائی رات گزر جاتی تو آرام کرتا، پھر تہجد کے لئے اٹھتا۔ نمازِ فجر تک عبادت میں مشغول رہتا۔ نمازِ فجر مسجد میں آکر خود پڑھاتا پھر بدستور دربار میں آتا۔[2]

---

[1] ابن اثیر جلد ۶ صـ ۹ [2] طبری جلد ۹ صـ ۲۹۹

منصور کا علم وفضل اور اُس کے عہد کی علمی ترقی

منصور عباسی گراں پایہ فاضل تھا۔ امام مالکؒ نے ایک موقعہ پر فرمایا :-

"منصور نے میرے ساتھ علمائے اولین اور سلف صالحین سے متعلق گفتگو شروع کی تو میں نے اُسے سب سے زیادہ ذی علم پایا۔ فقہ اور دوسرے علوم پر باہم مذاکرہ ہوا تو یہ تمام متفق علیہ اور مختلف فیہ مسائل کا بہت بڑا عالم ثابت ہوا۔ تمام روایتیں اُسے از بر تھیں مرویات پوری طرح یاد تھے"۔

خلیفہ منصور کو حدیثِ نبوی کے ساتھ جس درجے شغف وشیفتگی تھی اس کا اندازہ اس ایک واقعہ سے ہو سکتا ہے کہ شہزادہ مہدی ولی عہدِ سلطنت کو علم حدیث کی تحصیل کے لئے بغداد سے امام مالکؒ کے پاس مدینہ منورہ روانہ کیا۔ مہدی نے حضرت امام موصوف سے کتاب مؤطا پڑھی اور جب اس کی تحصیل سے فراغت پائی تو چار ہزار دینار استاد علام کی خدمت میں نذر کئے۔ مہدی نے اس رقم کے علاوہ امام مالکؒ کے فرزندِ گرامی کو بھی ایک ہزار دینار دے کر حق خدمت گزاری ادا کیا۔[1]

حدیث نبوی کی مزاولت و انہماک منصور کی زندگی کا اہم اور محبوب مشغلہ تھا۔ لیکن مہمات خلافت اس شوق کو پورا نہ ہونے دیتے تھے۔ محمد بن سلام کا بیان ہے کہ ایک شخص نے منصور سے دریافت کیا، واہب العطایا نے دین و دنیا کی ساری نعمتیں امیرالمومنین کو عطا فرمائی ہیں۔ کیا آپ کی کوئی ایسی آرزو بھی ہے جو اب تک پوری نہ ہوئی ہو؟ منصور نے کہا ہاں صرف ایک تمنّا باقی ہے جو

---

[1] الامامۃ والسیاسۃ لابن قتیبہ جلد ۲ صد ۱۴۶۔

آج تک پوری نہیں ہوئی اور وہ یہ ہے کہ میں ایک چبوترے پر بیٹھا ہوں اور اصحاب حدیث میرے ارد گرد بیٹھے ہوں۔" دوسرے دن جب منصور کے ندیم اور وزراء قلمدان اور دستاویزیں لیکر منصور کی خدمت میں پہنچے تو اس وقت یہ مستفسر بھی موجود تھا۔ کہنے لگا امیر المومنین لیجئے آپ کی یہ تمنا بھی بر آئی۔ خلیفہ نے کہا۔ یہ وہ لوگ نہیں جن نفوس قدسیہ کے شرفِ قدوم کی مجھے دلی تمنا ہے اُن کے کپڑے میلے، پیر پھٹے ہُوئے بال بڑھے رہتے ہیں۔ وہ نادرِ روزگار اور شہرۂ آفاق ہوتے ہیں۔ روایتِ حدیث اُن کا مشغلہ ہے"۔ [1]

کُتب احادیث و فِقہ کی تدوین

ابوجعفر منصور کا عہدِ خلافت اسلامی علوم کی تدوین کے لحاظ سے خاص اہمیت رکھتا ہے۔ علامہ ذہبیؒ لکھتے ہیں کہ ۱۴۳ھ میں علمائے اسلام نے حدیث، فقہ اور تفسیر کی تدوین و تالیف کا مبارک کام شروع کیا۔ چنانچہ ابن جریج عبدالملک بن عبدالعزیز بن جریج متوفی ۱۵۰ھ نے مکہ معظمہ میں امام مالک بن انسؓ نے مدینہ منورہ میں، امام اوزاعی عبدالرحمٰن بن عمر اوزاعی الفقیہؒ متوفی ۱۵۷ھ نے شام میں، ابن ابی عروبہؒ متوفی ۱۵۳ھ نے یمن میں حماد بن سلمہؒ وغیرہ نے بصرہ میں، معمرؒ نے یمن میں اور سفیان ثوریؒ متوفی ۱۶۱ھ نے کوفہ میں حدیث و تفسیر کی کتابیں لکھیں۔ محمد ابن اسحاق بن یسارؒ متوفی ۱۵۰ھ نے کتب سیر و مغازی لکھیں۔ امام اعظم ابوحنیفہؒ نے دلائل کے ساتھ فقہ کو ترتیب دیا اور عقائد پر تصنیفیں کیں۔

لہ من الکتب کتاب الفقہ الاکبر کتاب رسالتہ الی البستی کتاب العالم والمتعلم ۔ [2]

---

[1] الامامۃ والسیاسۃ جلد ۲ صفحہ ۱۴۱ [2] الفہرست ابن ندیم صفحہ ۲۸۵

دیں۔ ان کتابوں کی نقول نے علمائے اسلام کو علومِ عقلیہ کی طرف زیادہ متوجّہ کر دیا۔ چونکہ خلیفہ نے علوم و فنون کی ترویج و اشاعت کو اپنی توجّہ کا مرکز بنا لیا تھا اس لئے اقطاعِ ارض کے علماء و حکماء بامیدِ قدر دانی بغداد کا سفر اختیار کرنے لگے۔[۱] سیوطی لکھتے ہیں کہ سب سے پہلے منصور ہی نے سریانی اور دوسری زبانوں سے کلیلہ و دمنہ اور اقلیدس وغیرہ علمی کتابوں کے ترجمے کرائے۔ گو خلفائے بنی امیہ کے عہد میں بھی کچھ کتابوں کے ترجمے کئے گئے تھے مگر ان کی اشاعت زیادہ نہیں ہوئی۔

تراجم جن علماء نے منصور کے حکم سے یونانی، سریانی اور فارسی کتابوں کا عربی میں ترجمہ کیا۔ ان میں سے بعض کا ذکر کیا جاتا ہے۔[۲]

جورجیس بن جبریل جس نے بہت سی یونانی کتابوں کو عربی کا لباس پہنایا۔

بطریق جس نے مختلف زبانوں کی کئی کتابوں کا عربی ترجمہ کیا۔[۳]

عبداللہ بن مقفع نے کلیلہ و دمنہ کا فارسی سے عربی میں منصور کی فرمائش پر ترجمہ کیا تھا۔ کلیلہ و دمنہ رائے دابشلیم ہندوستانی راجہ کے لئے ہندی حکیم نے لکھی تھی۔ نوشیروانِ عادل کو اس کی خوبیوں کا علم ہوا تو اس نے حکیم برزویہ کو پانچ لاکھ دینار دے کر ہندوستان بھیجا کہ وہ کلیلہ و دمنہ کا ہندی سے فارسی میں ترجمہ کر لائے۔ چنانچہ اس تقریب سے یہ کتاب ہندوستان سے ایران پہنچی۔ ابن مقفع منصور کا کاتب تھا اس نے اس کتاب کے علاوہ منطق میں بھی کتابیں ترجمہ کیں۔ فرفریوس صوری کی کتاب ایساغوجی کا نہایت سہل عبارت میں ترجمہ کیا۔ ایک رسالہ ادب و سیاست اور اطاعتِ سلطان پر بھی لکھا ہے۔ ابن خلکان اس کو زندیق لکھتے ہیں۔ سفیق حاکم بصرہ نے ۱۴۲ھ میں اس کو قتل کر دیا۔[۴]

---

[۱] عیون الانباء فی طبقات الاطباء جلد ۱ صـ ۱۲۳ و ۲۰۴ [۲] کشف الظنون جلد ۲ صـ ۳۷

[۳] ایضاً [۴] صناجۃ الطرب فی تقدمات العرب صـ ۵۴ ؎

دیں۔ ان کتابوں کی نقول نے علمائے اسلام کو علومِ عقلیہ کی طرف زیادہ متوجّہ کردیا۔ چونکہ خلیفہ نے علوم وفنون کی ترویج واشاعت کو اپنی توجّہ کا مرکز بنالیا تھا اس لئے اقطاعِ ارض کے علماء وحکماء بااُمیدِ قدر دانی بغداد کا سفر اختیار کرنے لگے [۱]

سیوطی لکھتے ہیں کہ سب سے پہلے منصور ہی نے سریانی اور دوسری زبانوں سے کلیلہ ودمنہ اور اقلیدس وغیرہ علمی کتابوں کے ترجمے کرائے۔ گو خلفائے بنی امیہ کے عہد میں بھی کچھ کتابوں کے ترجمے کئے گئے تھے مگر ان کی اشاعت زیادہ نہیں ہوئی۔

تراجم جن علماء نے منصور کے حکم سے یونانی، سریانی اور فارسی کتابوں کا عربی میں ترجمہ کیا۔ ان میں سے بعض کا ذکر کیا جاتا ہے۔ [۲]

جورجیس بن جبریل جس نے بہت سی یونانی کتابوں کو عربی کا لباس پہنایا۔

بطریق جس نے مختلف زبانوں کی کئی کتابوں کا عربی ترجمہ کیا۔ [۳]

عبداللہ بن مقفع نے کلیلہ ودمنہ کا فارسی سے عربی میں منصور کی فرمائش پر ترجمہ کیا تھا۔ کلیلہ ودمنہ رائے دابشلیم ہندوستانی راجہ کے لئے ہندی حکیم نے لکھی تھی۔ نوشیروانِ عادل کو اس کی خوبیوں کا علم ہوا تو اس نے حکیم برزویہ کو پانچ لاکھ دینار دے کر ہندوستان بھیجا کہ وہ کلیلہ ودمنہ کا ہندی سے فارسی میں ترجمہ کر لائے۔ چنانچہ اس تقریب سے یہ کتاب ہندوستان سے ایران پہنچی۔ ابن مقفع منصور کا کاتب تھا اس نے اس کتاب کے علاوہ منطق میں بھی کتابیں ترجمہ کیں۔ فرفلوس صوری کی کتاب ایساغوجی کا نہایت سہل عبارت میں ترجمہ کیا۔ ایک رسالہ ادب وسیاست اور اطاعتِ سلطان پر بھی لکھا ہے۔ ابن خلکان اس کو زندیق لکھتے ہیں۔ سفیق حاکم بصرہ نے ۱۴۵ھ میں اس کو قتل کر دیا۔ [۴]

---

[۱] عیون الانباء فی طبقات الاطباء جلد ۱ صفحہ ۲۰۴، ۱۲۳ [۲] کشف الظنون جلد ۲ صفحہ ۳۷

[۳] ایضاً [۴] صناجۃ الطرب فی تقدمات العرب صفحہ ۵۴ ÷

کتبِ فلسفہ، طب و اخلاق کے ترجموں کے علاوہ عہدِ منصور میں علمِ ریاضی کو بھی بہت کچھ ترقی نصیب ہوئی۔ چنانچہ ۱۵۶ھ میں ہندوستان کا ایک بڑا ریاضی دان پنڈت منصور کی پایہ شناسی کا شہرہ سن کر بغداد وارد ہوا۔ اس نے خلیفہ کی خدمت میں ایک نہایت عمدہ زیچ پیش کی۔ یہ زیچ اس نے ایک عمدہ تصنیف سے جو ہندوستان کے ایک مہاراجہ موسوم بہ بیگر کی طرف منسوب ہے، خلاصہ کیا تھا محمد بن ابراہیم فرازی نے منصور کے حکم سے اس کا عربی میں ترجمہ کیا اور اس سے ایک کتاب مرتب کی۔ جو ریاضی دانوں میں "سند ہند" کے نام سے مشہور ہے۔ خلیفہ مامون الرشید کے زمانہ تک اعمالِ کواکب میں اس زیچ پر عمل کیا جاتا تھا۔

جن حکماء نے منصور کے لئے یونانی، سریانی اور فارسی سے عربی میں ترجمہ کیا ان میں سے کچھ لوگوں کا ذکر آ چکا ہے باقی طبقات الاطباء اور کشف الظنون سے اس جگہ صرف نام درج کئے جاتے ہیں۔

"فرات بن شحناثا۔ عیسیٰ بن ماسرجیس۔ البطریق یہ سب عیسائی تھے۔
فضل بن نوبخت۔ اسمٰعیل بن ابوسہل بن نوبخت یہ مجوسی عالم تھے۔
سنسکرت کی کتب کے مصنف پاکھر، راجہ، سکہ، داہر، مکر، انکل، جبہر، امری جاری مانک، سالی، نوکسل، ردسا، رائے بکل برا ہم کی تصانیف کا ترجمہ عربی زبان میں کیا گیا۔
عبدالمسیح ابن عبداللہ الحمصی مشہور با بن ناعمہ وسلام الابرش و عبداللہ اہوازی کے اہتمام سے یونانی اور فارسی کتب کے ترجمہ ہوئے۔
جرجیس جندی سابور کے شفاخانے کا مہتمم تھا ۱۴۸ھ میں منصور کے علاج کے لئے بغداد آیا۔ اس نے ایک قرابادین مرتب کی جو شفاخانوں کے لئے تھی[2]
غرضیکہ منصور نے صدہا کتابوں کے ترجمے کرائے۔ ایرانیوں کی مفصل تاریخ

---

[1] کشف الظنون جلد ۲ صہ ۹ [2] طبقات الاطباء جلد اول صہ ۱۲۳

بکبکلیں کا ترجمہ عربی میں اس کے لئے کیا گیا۔

منصور ایک طرف محدث تھا، دوسری طرف بلند پایہ ادیب اور شاعر۔

وله ذوق فی الشعر ینقد الشعر ویعرف المنحول المسروق

"اس کو شاعری میں کمال حاصل تھا۔ اکثر اشعار کی تنقید کرتا تھا۔ مسروق و غیر مسروق کو پہچانتا تھا۔"

قدردانی منصور ایک دن دربار میں بیٹھا ہوا تھا۔ تمام عمائد بنی ہاشم وارکانِ سلطنت بھی بیٹھے ہوئے تھے۔ ابو دلامہ شاعر دربار آیا وہ بھی ایک طرف بیٹھ گیا۔ منصور کی نظر اس طرف اُٹھ گئی۔ ابو دلامہ کی طبیعت میں آیا کہ فی البدیہ قصیدہ کہہ سنائے۔ چنانچہ وہ کھڑا ہو گیا اور خلیفہ کو مخاطب کرتے ہوئے یہ شعر پڑھا ؎

لو کان یقعد فوق الشمس من کرم	قوم لقیل اقعدوا یا آل عباس[1]
ثم ارتقوا فی شعاع الشمس کلکم	الی السماء فانتم اطهر الناس
وقدموا القائم المنصور راسکم	فالعین والانف والاذن فی الراس

"اگر کوئی قوم سورج سے اوپر بوجہ کرم و بخشش بیٹھ سکتی ہے تو یہ کہا جائے گا کہ اے آل عباس! تم بیٹھنے کے قابل ہو۔ پھر تم سب کے سب آفتابی شعاع میں آسمان تک بلند ہو جاؤ کیونکہ تم پاک لوگ ہو۔ مقدم رکھو تم امام قائم منصور کو جو تمہارا سر ہے اور ظاہر ہے کہ آنکھیں اور ناک اور کان سر میں نہیں یعنی سب اعضاء سر کے تابع اور ایسے ہی سب لوگوں کو امیر المؤمنین کا تابع ہونا چاہیئے۔"

منصور یہ اشعار سن کر جھوم گیا اور ابو دلامہ کو دس ہزار درہم سے نوازا۔

یہ تاریخی حقیقت ہے کہ منصور نے عربی زبان میں دیگر السنہ کے علوم کے ترجمے کثرت سے کرائے اور جملہ علوم و فنون سے اپنی زبان کو مالا مال کیا۔

---

[1] کتاب الادب واللغۃ مطبوعہ مصر صفحہ ۵۰

ادب اللغۃ العربیہ میں ہے۔

وکان للمنصور دفاتر علم هو شدید الحرص علیها حتی اوصی ابنه المهدی عند وفاته۔

"منصور کے پاس علم کے دفتر تھے اور وہ ان کی حفاظت و ترقی کے بارے میں بے حد حریص تھا یہاں تک کہ اپنے بیٹے مہدی کو اپنی وفات کے وقت ان کی حفاظت کی بابت خصوصیت سے وصیت کی۔"

علمِ انشاء کی ایجاد منصور کے عہد میں عبدالحمید بن یحییٰ بن سعد کاتب تھا۔ یہ مروان بن حکم کی مجلس کا رکن رہ چکا تھا۔ فن انشاء پردازی میں استاد مانا جاتا تھا۔

اسی نے اس فن کو گویا ایجاد کیا اور ترقی دی یہاں تک کہ ضرب المثل ہو گیا۔ یہ قتل کر دیا گیا۔[1]

سیرت

منصور ہیبت، شجاعت، اصابتِ رائے اور متانتِ عقل میں تمام بنو عباس پر فائق تھا۔ ذہن و جودتِ طبع میں اپنا جواب نہ رکھتا تھا۔ لہو و لعب کے پاس تک نہ پھٹکتا تھا۔[2]

زہد و ورع منصور کو حکمرانی و جہانبانی کے ساتھ دینداری میں اس قدر انہماک تھا کہ فارغ اوقات میں جب دیکھئے ذکر و تسبیح اور علمِ حدیث کی مزاولت میں مصروف نظر آتا۔ صوم و صلوٰۃ کا پابند تھا۔ کبائر و منکرات سے متنفر، علماء معاصر سے علمی صحبتیں رہتی تھیں۔ فریضۂ حج ادا کرنے کے بعد بہت سے نفلی حج ادا کئے۔ حصولِ خلافت کے دوسرے ہی سال یعنی ۱۳۸ھ میں مسجد حرام کی توسیع کی۔[3]

---

[1] مناجیۃ الطرب فی تقدمات العرب ص۵۱ [2] ابن اثیر جلد ۶ ص۸ [3] ایضاً ص۱۱

خلافت سے بذاتِ خود کوئی ذاتی فائدہ نہیں اُٹھایا بلکہ اُس کے واقعات سے ظاہر ہے کہ سلطنت و بادشاہی سے اُس نے جو کام لیا وہ مسلمانوں کی خدمت کاربرآری اور عام نفع رسانی تھی اور باوجودیکہ منصور کا عہدِ حکومت شاہانہ ناز و نعمت کا اوجِ شباب تھا۔ مگر اس کے اندر زہد و قناعت کے وہی انداز موجود تھے جو اس کے اسلاف کرام کا جوہر تھے۔ منصور کے زہد و اتقاء کا تمام تر اقبال مندیوں کے باوجود یہ عالم تھا کہ ساری عمر فقر و فاقہ سے بسر کی اور حظوظِ نفسانیہ سے مجتنب رہا۔ کسی نے امام جعفر صادق سے بیان کیا کہ خلیفہ منصور ہر وقت جُبّہ پہنتا ہے اور اس کی قمیص میں پیوند لگے رہتے ہیں۔ امام الائمہ نے یہ سُن کر فرمایا:۔

"پاک ہے وہ ذات جس نے اُسے بادشاہت عطا کرنے کے باوجود فقر و فاقہ کی معیشت نصیب کی۔"

مؤرخ ابن خلدون ابو جعفر منصور کے ورع و تقویٰ کی تعریف میں لکھتا ہے:۔

"وہ اپنے اہل و عیال کے لئے بیت المال سے نئے کپڑے بنوانے سے بھی احتراز کرتا تھا۔ ایک مرتبہ اپنے عیال کے کپڑوں میں پیوند لگوانے کے متعلق درزی سے مشورہ کرتا تھا اتنے میں شہزادہ مہدی وہاں آ پہنچا۔ مہدی رقعہ دوزی میں کسرِ شان سمجھ کر کہنے لگا۔ امیر المومنین اس سال گھر والوں کے کپڑے میں اپنی تنخواہ سے بنوا دیتا ہوں، آپ پرانے کپڑوں کو رہنے دیجئے۔ منصور نے اس تجویز کو تو منظور کر لیا لیکن اموال مسلمین سے اپنے اہل و عیال کے لئے نئے کپڑے بنوانے منظور نہ کئے۔"

انصاف پسندی منصور اعدائے حکومت کے حق میں نہایت قہار واقع ہوا تھا۔ لیکن اس کے خصائل حمیدہ میں خاص بات یہ ہے کہ جب کوئی شخص صفائی پیش کر کے اپنے آپ کو حق بجانب ثابت کر دیتا تھا تو اس کا عذر قبول کر لیتا تھا۔ "زہیر بن قرکی" عامل ہمدان نے ابو نصر مالک بن ہشیم کو گرفتار کر کے اُسے ایک غلط فہمی کی بنا پر رہا کر دیا تھا۔ ابو نصر اپنی مخلصی کے بعد دار الخلافہ

پہنچا۔ خلیفہ اس کو اس بات پر ملامت کرنے لگا کہ اس نے ابو مسلم کو خراسان جانے کا کیوں مشورہ دیا۔ ابونصر عرض پیرا ہوا۔ امیرالمومنین واقعی ابو مسلم نے مجھ سے صلاح لی تھی اور میں نے اُسے نیک مشورہ دیا تھا اور ہر مسلمان کا فرض ہے کہ جب کوئی اس سے صلاح پوچھے تو اس کو نیک نیتی کے ساتھ ایسی صحیح رائے دے جو اس کے حال و مآل کے لئے بہتر ہو۔ اگر امیرالمومنین بھی کسی امر میں مجھ سے مشورہ کریں تو میں نیک اور خیر خواہانہ مشورہ سے دریغ نہ کروں گا۔ گو میرا مشورہ امیرالمؤمنین کے اغراض اور مفاد کے خلاف تھا۔ لیکن اُس شخص کے لئے تو سُود مند تھا جس نے میری رائے دریافت کی تھی۔

منصور نے یہ سُن کر نہ صرف اُس کی جرم بخشی کر دی بلکہ اس کو بدرجہ کمالِ عواطفِ خسروی سے ممتاز فرمایا اور اس کے خلوصِ نیت پر اتنا خوش ہُوا کہ اس کو ولایت موصل کا گورنر بنا کے بھیج دیا۔ حالانکہ یہ ابونصر وہی شخص تھا جس کے لئے اس سے بیشتر والیِ ہمدان کے نام قتل کا حکم صادر ہو چکا تھا۔[1]

ایک قابلِ ذکر واقعہ

ایک مرتبہ ایک شخص نے منصور کے دربار میں بیان کیا کہ خلیفہ ہشام اموی نے فلاں جنگ میں نہایت تدبیر و سیاست سے کام لیا تھا منصور کو اس رزم کے واقعات معلوم کرنے کا اشتیاق ہُوا۔ آخر دریافت کرنے پر معلوم ہُوا کہ رصافہ میں ایک ضعیف العمر آدمی رہتا ہے جو ہشام کا رفیق کار رہ چکا ہے منصور نے اس کو بُلا بھیجا اور اس سے پوچھا کیا تم ہشام کی مصاحبت میں رہ چکے ہو؟ اس نے کہا ہاں۔ منصور نے کہا اچھا بتاؤ فلاں سال جو معرکہ ہُوا تھا اُس میں ہشام نے کس تدبیر اور حکمت عملی سے کام لیا تھا؟ اس شخص نے واقعات جنگ کی تشریح ایسے اندازِ بیان میں شروع کی جو منصور پر شاق گزرا۔ وہ کہنے لگا "خلیفہ ہشام اموی نے خدا اس پر ہزار ہزار رحمتیں

---

[1] ابن خلدون جلد ۳ صفحہ ۱۸۴ –

نازل کرے یوں کیا۔ ہشام نے خدا اُس کی قبر کو منور کرے یہ تدبیر کی۔ ہشام نے حق تعالیٰ اس سے راضی ہو یہ کیا "۔

یہ شخص واقعات کی تفصیل بیان کرتا جاتا تھا اور ساتھ ہی ہشام کو دعائے مغفرت سے یاد کر رہا تھا۔ منصور کو اس کا یہ طرزِ بیان ناگوار ہوا۔ آخر ضبط نہ کر سکا اور ڈانٹ کر کہا اے دشمنِ خدا دور ہو، میری بساط پر، میرے سامنے، میرے دشمن کے حق میں رحمتِ رضوانِ الٰہی کی دعائیں کرتا ہے۔ بوڑھا وہاں سے واپس آنے لگا لیکن جاتے وقت یہ کہتا گیا۔

"امیرالمؤمنین! مَیں آپ کے دشمن کا اس درجہ احسان مند ہوں کہ مجھے غسّال بھی بعد از مرگ اس سے سبکبار نہیں کر سکتا "۔

منصور نے یہ سُن کر حکم دیا کہ اس کو واپس بلاؤ۔ جب وہ دوبارہ حاضر ہُوا تو کہنے لگا۔ امیرالمومنین آپ ہی انصاف فرمائیے کہ جس شخص کا مرہونِ منت ہوں کیا اسے نیکی سے یاد کرنا میرا فرض نہیں ہے۔ خلیفہ معاً متنبہ ہُوا اور کہنے لگا "بے شک فرض ہے اور تمہارے خیالات سے معلوم ہوتا ہے کہ تم ایک شریف الطبع، احسان شناس اور کریم النفس انسان ہو"۔

اس کے بعد منصور دیر تک اس سے باتیں کرتا رہا اور جب وہ جانے لگا تو اس کے لئے انعام کا حکم دیا۔ جب وہ چلا گیا تو خلیفہ اس کی تعریف کر کے کہنے لگا کہ کاش مجھے بھی ایسے مخلص و وفادار مصاحب مل سکتے [1]

معدلت گستری منصور کی یہ دلی آرزو تھی کہ اس کے ممالک محروسہ امن و امان کا گہوارہ بن جائیں اور حکومت کا مقرر کردہ قاضی پیکرِ عدل اور مجسّمہ انصاف ہو، کسی پر ظلم نہ ہو سکے۔ ظالم کی رعایت نہ کی جائے اس مقصد کی تکمیل کے لئے اس نے ۱۴۶ھ میں امام ابوحنیفہ کو بغداد طلب کیا لیکن

---

[1] مروج الذہب مسعودی، ترجمہ ابوجعفر منصور۔

آپ نے منصبِ قضا قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ گو بغداد امام ابوحنیفہؒ کی عدل گستری سے محروم رہا اور منصور کے دل میں اس کا ارمان ہی رہ گیا لیکن پھر بھی خوش نصیبی سے قلمرو بغداد میں ایسے ایسے عدل پرور قضاۃ موجود تھے جو عدل و انصاف میں خلیفہ تک کی پرواہ نہیں کرتے تھے۔ نمیر مدنی کا بیان ہے کہ جن دنوں منصور مدینہ منورہ آیا، محمد بن عمران طلحی وہاں کے قاضی تھے اور میں ان کا محرر تھا۔ چند شتربانوں نے کسی معاملہ میں خلیفہ پر نالش کر دی۔ قاضی محمد نے مجھے حکم دیا کہ امیر المؤمنین منصور کے نام حاضری عدالت کا حکم جاری کر دو تاکہ مدعیوں کی داد رسی کی جائے۔ میں نے خلیفہ کو سمن بھیجنے سے معذرت چاہی۔ مگر قاضی صاحب نے اس پر اپنی مہر لگائی اور مجھ سے فرمایا کہ اس حکم کو امیر المؤمنین کے پاس خود لے جاؤ۔ چنانچہ میں روانہ ہوا۔

جب منصور کے پاس حاضر ہو کر یہ حکم دکھایا تو معاً دربار میں کھڑا ہو گیا اور حاضرین سے کہنے لگا کہ میں عدالت میں طلب ہوا ہوں۔ تم میں سے کوئی شخص میرے ساتھ نہ آئے۔ پس خلیفہ اور میں دار القضاۃ میں پہنچے۔ قاضی صاحب تعظیم کے لئے نہ اُٹھے بلکہ اپنے چغہ کو اچھی طرح پھیلا دیا اور بڑے استقلال کیساتھ بیٹھے رہے۔ پھر مدعی کو بلایا اور ثبوت لے کر خلیفہ کے خلاف مقدمہ کا فیصلہ کر دیا۔ جب قاضی صاحب حکم سنا چکے تو منصور کہنے لگا۔ خدا تمہیں اس انصاف پسندی کا اجر دے اور خوش ہو کر قاضی کو دس ہزار دینار انعام دیئے [1]

ایک مرتبہ منصور نے سوار بن عبداللہ قاضی بصرہ کو لکھا کہ آپ کی عدالت میں ایک فوجی سردار اور سوداگر کے مابین جو مقدمہ چل رہا ہے۔ میری یہ خواہش ہے کہ آپ اس مقدمہ کا فیصلہ سردار کے حق میں کریں۔ قاضی نے اس کے جواب میں لکھ بھیجا کہ اس شہادت سے جو میرے سامنے پیش ہوئی ثابت ہوتا ہے کہ

---

[1] تاریخ الخلفاء صفحہ ۱۲۰۔

اس نزاع کا بحق سوداگر فیصلہ ہونا چاہیئے اور میں شہادت کے خلاف ہرگز فیصلہ نہیں کرسکتا۔ منصور نے لکھا قاضی صاحب آپ کو یہ مقدمہ فوجی افسر کے حق میں فیصل کرنا پڑے گا۔ قاضی نے اس کے جواب میں لکھا واللہ! میں از روئے انصاف اس کا فیصلہ بحق تاجر کروں گا۔ جب یہ جواب خلیفہ کے پاس پہنچا تو کہنے لگا! الحمد للہ! میں نے زمین کو عدل وانصاف سے بھر دیا اور میرے قاضی مقدمات کا فیصلہ حق وانصاف کی بنیاد پر کرتے ہیں۔

عفو وضبط وتحمل یہ سچ ہے کہ منصور نے اخذ وبطش کی تلوار ہر وقت بے نیام کر رکھی تھی اور عفو ودرگزر کا نام تک نہیں جانتا تھا۔ لیکن اس کی یہ عادت صرف خطرناک باغیوں کے ساتھ مخصوص تھی۔ ورنہ جن مجرموں کے جرم کی نوعیت باغیانہ قسم کی نہ ہوتی ان سے برابر درگزر کرتا تھا۔ مبارک بن فضالہ کا بیان ہے کہ ہم منصور کے پاس بیٹھے تھے۔ اس اثنا میں ایک مجرم جو واجب القتل تھا حاضر کیا گیا۔ میں نے کہا امیر المومنین! میں نے امام حسنؒ سے سنا ہے کہ سید کائنات علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا۔

"قیامت کے دن ندا کی جائے گی کہ جن لوگوں کا خدا تعالیٰ پر کوئی اجر ہو وہ کھڑے ہو جائیں۔ کوئی شخص کھڑا نہ ہو گا بجز اس کے جس نے کسی کی جرم بخشی کی ہو گی۔"

یہ سن کر خلیفہ نے اسے رہا کر دیا۔

"ایک شخص سزایابی کے لئے منصور کے سامنے لایا گیا اور عرض پیرا ہوا امیر المومنین! عدل کا اقتضاء تو واقعی یہ ہے کہ آپ مجھ سے قہر وانتقام کا سلوک کریں۔ لیکن رحم کا تقاضا یہ ہے کہ آپ شیوۂ رحم وکرم اختیار کریں۔"

یہ سن کر منصور نے اسے معاف کر دیا۔

ضبط وتحمل منصور ضبط وتحمل کا پہاڑ تھا۔ بیسیوں مرتبہ لوگوں نے اس کے منہ پر گالیاں دیں اور بدگوئی کا شیوہ اختیار کیا لیکن کبھی

نہیں دیکھا گیا کہ اُس نے کسی کو اس جرم کی سزا دی ہو۔ حالانکہ بہت سے بادشاہ بدگوئی اور دشنام دہی کی پاداش میں زبان گُدی سے نکلوا دیا کرتے تھے یا مست ہاتھی کے پاؤں میں ڈلوا دیتے تھے۔

ایک مرتبہ ابن ابی حنویب نے منصور سے کہا کہ تم بنی آدم میں سب سے زیادہ شریر اور بدترین انسان ہو۔ منصور یہ سُن کر خاموش رہ گیا اور اسے کوئی سزا نہ دی۔ ایک دفعہ منصور نے عبدالرحمٰن ابن زیاد افریقی سے دریافت کیا کہ تم بنوامیہ کے مقابلہ میں میری خلافت کو کیسا پاتے ہو؟ اس نے کہا "جتنا جور و ظلم تمہارے عہد میں ہے اتنا تو شاید بنو مروان کے عہد میں بھی نہ تھا۔ منصور نے کہا کیا کروں مجھے اچھے مصاحب نہیں ملتے جو عدل و انصاف پر کاربند رہوں اُس نے کہا حضرت عمر بن عبدالعزیز نے فرمایا ہے کہ بادشاہ نیک ہو تو اسے نیک مصاحب ملتے ہیں اور فاجر ہو تو اس کے پاس فاجر ہی آتے ہیں"۔ منصور یہ سُن کر خاموش ہو گیا اور اس سے باز پُرس نہ کی۔

اسی طرح منصور کو شام میں کوئی بدوی ملا۔ منصور اس سے کہنے لگا شکر کرو کہ خدا نے تمہیں محض اس بنا بر طاعون سے محفوظ رکھا ہے کہ تم اہلِ بیت نبوت کے زیرِ حکومت ہو۔ اس نے جواب دیا۔ اگر ہم تمہاری بدولت طاعون سے محفوظ ہیں تو ہماری دعا ہے کہ حق تعالیٰ ہم پر طاعون کو مسلط کر دے کیونکہ تمہاری حکومت اور طاعون ہمارے لئے یکساں ہیں۔

سخت گیری

غداروں اور حکومت کے باغیوں کے حق میں منصور سے بڑھ کر سخت گیر اور تیغ براں خلفائے بنی عباس میں کوئی دوسرا نہ تھا۔ اس کے جذباتِ دامیال میں انتقامی جذبہ سب سے بڑھا ہوا تھا اور اُس کے خصائصِ زندگی میں قتل و قمع کی خصوصیت سب سے زیادہ نمایاں تھی۔ بادی النظر میں یہ دیکھ کر حیرت ہوتی ہے کہ منصور نے مسلمان اور خصوصاً عالمِ دین ہو کر اپنے اخوانِ مذہب کی خون ریزی کیونکہ جائز رکھی لیکن

اصل یہ ہے کہ چونکہ نئی نئی سلطنت تھی اور خلافتِ منصوری کے ابتدائی دس سال تک خلافت کا رُعب و اقتدار اچھی طرح قائم نہ ہُوا تھا اس لئے جا بجا بغاوتیں اُٹھیں اور منصور کو ان کے فرو کرنے کے لئے تشدد اختیار کرنا پڑا ایسی حالت میں ظاہر ہے کہ اگر وہ سخت گیری سے کام نہ لیتا تو اپنا اقتدار ہرگز قائم نہ کر سکتا تھا۔

ایک مرتبہ منصور کے چچا عبدالصمد بن علی کے دل میں بھی منصور کی سخت گیری پر اعتراض پیدا ہُوا تھا۔ اُس نے خلیفہ سے کہا۔ آپ نے تعزیر اور گوشمالی پر ایسی کمر باندھی ہے کہ کسی کو گمان نہیں ہوتا کہ آپ معاف کرنا بھی جانتے ہیں"۔

منصور نے جواب دیا اس کی وجہ یہ ہے کہ اب تک بنو مروان کا خون خشک نہیں ہُوا۔ آلِ ابو طالب کی تلواریں بے نیام ہیں۔ خلفائے عباسیہ کا رُعب لوگوں کے دلوں میں جاگزین نہیں ہُوا اور ہیبت و رُعب کا سکہ اس وقت تک دلوں پر نہیں بیٹھ سکتا جب تک میں لفظِ عفو کے معنی نہ بھول جاؤں اور سراپا عقوبت و تعذیب نہ بن جاؤں۔

ہم تسلیم کرتے ہیں کہ عناصرِ فساد کا قلع قمع ضرور تھا لیکن یہ بھی غلط نہیں ہے کہ منصور نے ان فتنوں کے فرو کرنے میں حدِ اعتدال سے اس درجہ تجاوز کیا کہ وہ سخت گیری میں ضرب المثل ہو گیا۔ جن دنوں منصور نے عبداللہ بن امام حسن مثنیٰ کو اپنے فرزند گرامی نفسِ زکیہ کے حاضر کرنے پر مجبور کیا۔ عبداللہ نے اس کے متعلق منصور کے چچا سلیمان بن علی سے مشورہ کیا۔ سلیمان نے کہا کہ منصور کے مزاج میں بڑی سخت گیری ہے اور اگر وہ عفو و بخشش کے نام سے آشنا ہوتا تو اپنے حقیقی چچا عبداللہ بن علی کو ضرور معاف کر دیتا۔

یہ سُن کر عبداللہ بن حسن متنبہ ہو گئے اور اس دن سے اپنے لختِ جگر کے اخفاء میں سعی بلیغ کرنے لگے۔ شروع میں تو عامہ مسلمین مروانیوں کے زوال اور عباسیوں کے برسرِ اقتدار آنے پر بہت خوش تھے۔ لیکن جب سفاح اور

منصور کی سفاکیاں دیکھیں تو اموی حکومت کا نقشہ آنکھوں کے سامنے آ گیا اور لوگ بنو امیہ کے بعد آلِ عباس کی طرف سے بھی افسردہ ہو کر خلافتِ سادات کی تمنا کرنے لگے۔ ان دنوں منصور کی روز افزوں سخت گیری آگ پر تیل کا کام کر رہی تھی۔ لوگ اس سے روز بہ روز افروختہ ہوتے گئے۔ فطرتِ انسانی کا خاصہ ہے کہ جب کسی شخص کا کوئی فعل ناپسند ہوتا ہے تو اس کے ہنر بھی عیب دکھائی دیتے ہیں اور اس کے انتساب کی ہر چیز مکروہ و قابلِ نفرت ہو جاتی ہے۔ نفرت و استکراہ کا اثر ہے کہ بعض مورخوں نے منصور کے اخلاق و عادات کی تصویر کشی میں سخت رنگ آمیزی سے کام لیا ہے۔ اس تصویر کے خد و خال سے یہ معلوم کرنا سخت دشوار ہو جاتا ہے۔ کیا یہ وہی خلیفہ ہارون الرشید کا دادا اور عباسی خلفاء کا مورثِ اعلیٰ ہے جس نے قاضی محمد طلحہ کو اس بنا پر دس ہزار دینار انعام دیئے تھے کہ اس نے از راہِ انصاف ایک مقدمہ کا فیصلہ خلیفہ کے خلاف کیا تھا جو بیت المال کا ایک حبّہ بھی اپنی تن آسانی پر خرچ نہ کرتا تھا۔ جو صوم و صلوٰۃ اور دوسرے اوامر کا سخت پابند اور بہت بڑا عالمِ شریعت تھا جس نے فریضۂ حج کے بعد بہت سے نفلی حج کئے مسجدیں بنوائیں۔ جہاد کیا۔ زرِ فدیہ ادا کر کے ہزارہا مسلمانوں کو نصاریٰ کی قید سے چھڑایا اور مختلف حیثیتوں سے خدمتِ دین کا حق ادا کیا۔

جو غیر محتاط مؤرخ ہر قسم کے رطب و یابس لکھنے کے عادی ہیں انہوں نے منصور کے تذکرے میں بھی اسی روش کو اختیار کیا ہے اور لطف یہ ہے کہ ایک ہی واقعہ کے متعلق اس قدر متضاد بیانات جمع کر دیئے ہیں کہ روایت کے ایک پہلو کو متعین کر دینا اور دوسرے کو نظر انداز کرنا سخت دشوار ہو جاتا ہے۔

چنانچہ جو جو باتیں اس جلیل القدر خلیفہ کی شانِ عدالت کے خلاف بیان کی گئی ہیں وہ سب یا ان کا بیشتر حصہ بہتان طرازی یا مبالغہ آرائی ہے۔ ہماری رائے یہ ہے کہ اگر باغیوں، مخالفوں اور ان کے معاونین کے دار و گیر سے

قطع نظر کر لیا جائے تو ابوجعفر منصور کا دامن عدالت ظلم وجور کے داغ سے بہت کم آلودہ نظر آتا ہے۔

جزرسی منصور بڑا فیاض اور کرم گستر شہنشاہ تھا لیکن اسراف وتبذیر سے بچتا تھا اور ایک پائی بھی بے جا خرچ نہ کرتا تھا۔ چونکہ غیر مستحقین عموماً اس کی شاہانہ داد ودہش سے محروم رہتے تھے۔ انھوں نے اسے بخل سے متہم کرکے ابوالدوانیق (دمڑیوں کا باپ) کے نام سے مشہور کر رکھا تھا۔ بعض کہتے ہیں کہ یہ لقب اس لئے پڑا کہ وہ اپنے عمال سے دمڑی دمڑی کا حساب لیا کرتا تھا[1] چنانچہ جب بغداد کی تعمیر ختم ہوئی تو تعمیرات کے افسروں سے حساب لیا گیا جو کچھ جس کے پاس باقی نکلا اس نے بیت المال میں داخل کر دیا۔ ابن صلت کے پاس پندرہ درہم قریباً پونے چار روپے تحویل میں باقی رہے تھے۔ اس نے یہ رقم ادا نہ کی اس لئے اس کو قید کر دیا۔ اور جب تک اس نے یہ درہم ادا نہ کر دیئے رہا نہ کیا[2]

اس واقعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ منصور اعلیٰ درجہ کا منتظم، صاحبِ تدبیر اور پابندِ اصول حکمراں تھا۔ اس کی قلمرو میں اس قسم کا اندھیر کھاتہ نہ تھا کہ کسی سرکاری عہدہ دار کو سرکاری روپیہ میں تغلّب اور دست اندازی کا موقع ملتا۔ اس کا دل و دماغ ملک کے کلی اور جزئی امور پر حاوی تھا۔ حدودِ مملکت کی کوئی چیز اس کی نظر احتساب سے اوجھل نہ تھی۔

ایک مرتبہ منصور نے عرفہ کے دن خطبہ دیا جس میں کہا مسلمانوں خدائے قدوس نے مجھے اپنی زمین پر اس لئے بادشاہ بنایا ہے تاکہ زر ومال کو اس کے حکم کے مطابق خرچ کروں اور حکمِ شریعت کے بغیر کسی کو عطیات نہ دوں۔ رب العزت نے مجھے بمنزلہ اپنے قفل کے بنایا ہے۔ وہ جب چاہتا ہے عطیات کے لئے

---

[1] طبری جلد ۹ صفحہ ۳۱۸ [2] ایضاً۔

کھول دیتا ہے اور جب چاہتا ہے بند رکھتا ہے۔ تمہارا فرض ہے کہ رب العالمین کی طرف مائل ہو جاؤ۔ آج بڑا مبارک دن ہے۔ دعا کرو کہ رب ذوالمنن مجھے نیکی اور احسان کی توفیق بخشے اور عدل کے ساتھ میرے ہاتھ سے تم کو عطیات دلوائے۔ وہی سمیع و مجیب ہے۔"

صولی کہتے ہیں کہ اس خطبہ کی وجہ یہ تھی کو لوگوں نے اسے بخل سے متہم کیا تھا۔ چنانچہ اسی خطبہ کے آخر میں اس نے یہ بھی کہا تھا کہ:۔

"لوگ کہتے ہیں کہ امیرالمؤمنین لوگوں پر مال خرچ نہیں کرتا یہ درست ہے لیکن اس کی وجہ یہ ہے کہ خدائے کردگار نے اسراف سے منع کیا ہے۔"

حقیقت یہ ہے کہ منصور داد و دہش میں کسی دوسرے فیاض بادشاہ سے کم نہ تھا، لیکن اس لحاظ سے کہ بعض دوسرے تاجداروں کی طرح روپیہ کو بے موقع نہیں اُڑاتا تھا۔ لوگوں نے اسے بخیل مشہور کر دیا۔

مسعودی لکھتے ہیں:۔

"منصور دیتے وقت مالِ جزیل اور زرِ خطیر عطا کرتا تھا لیکن اس کی بخشش و عطا ضائع اور بیکار نہیں ہوتی تھی۔"

زُہد و قناعت

اس کے بخل سے مشہور ہونے کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ زُہد و قناعت کی عادت اسے زر و مال سے خود متمتع ہونے کی اجازت نہ دیتی تھی۔ ایک دن اس کی لونڈی نے دیکھا کہ خلیفہ ایسی قمیص پہنے ہوئے ہے کہ اس میں پیوند لگے ہوئے ہیں۔ لونڈی کہنے لگی عجائب روزگار دیکھو کہ امیرالمؤمنین کے بدن پر قمیص تک ثابت نہیں۔ منصور نے یہ سنکر لونڈی سے کہا۔ شاید تو نے ابن ہرمتہ کا وہ شعر نہیں سنا ؎

قد یدرک الشرف الفتیٰ بردائہ   خلق و جیب قمیصہ مرقوع

کبھی یوں بھی ہوتا ہے کہ ایک نوجوان کو شرف اور بزرگی حاصل ہو جاتی ہے

حالانکہ اس کی چادر پرانی ہوتی ہے اور اس کی قمیص کے گریبان میں پیوند ہوتے ہیں۔[1]
کسی شخص نے منصور کی پھٹی ہوئی قمیص دیکھ کر کہا۔ خدا کی قدرت ہے کہ اس نے خلیفہ کو بادشاہت کے باوجود افلاس میں مبتلا کر رکھا ہے۔

مسلم حادی نے ان الفاظ کو نظم کا لباس پہنایا اور ان اشعار کو گانے لگا۔ منصور نے یہ گیت سن پائے اور بجائے سزا دینے کے الٹا اس کا ممنون ہوا اور اس پر مسرت و شادمانی کا اتنا غلبہ ہوا کہ قریب تھا کہ خوشی کے مارے گھوڑے سے گر پڑے۔ لیکن مسخرہ پن کا کمال دیکھو کہ شاعر کو نصف درہم (دونی) انعام دینے کا حکم دیا۔ مسلم عرض پیرا ہوا "امیرالمومنین! آپ مجھے اس گیت پر ایک دونی انعام دیتے ہیں۔ میں نے ایک مرتبہ خلیفہ ہشام اموی کو گا سنایا تھا تو اس نے مجھے دس ہزار درہم عطا کئے تھے۔"

منصور نے کہا بجا ہے۔ لیکن اس نے یہ رقم بیت المال سے نہ دی ہو گی۔ منصور کے ان الفاظ کا یہ مطلب تھا کہ کسی والئ ملک کے لئے یہ جائز نہیں ہے کہ بیت المال کا روپیہ جو قوم کی امانت ہوتی ہے بے دریغ خرچ کرے اور اسراف و تبذیر کا شیوہ اختیار کرے۔

عطا و بخشش

کفایت شعاری کا خوگر ہونے کے باوجود منصور کا سحاب کرم ابرِ نیساں بن کر اٹھتا اور صاحبانِ کمال اور اہلِ حاجات کا دامن درہم و دینار سے بھر دیتا تھا۔ اس نے قاضی مدینہ کو اس انصاف پژوہی کی قدردانی میں دس ہزار دینار تقریباً پچاس ہزار روپیہ کی رقمِ خطیر انعام دی تھی۔ اس نے خلیفہ کے مقابلہ میں شتربانوں کے حق میں فیصلہ صادر کر کے اسلامی معدلت شعاری کی روشن مثال قائم کر دی۔ جس سال مکہ معظمہ میں منصور کی امام مالکؒ سے ملاقات ہوئی خلیفہ نے آپ کو ایک ہزار دینار اور ایک شاہانہ خلعت عطا کیا اور

---

[1] تاریخ الخلفاء صفحہ ۱۸۶۔

اس پر اکتفا نہ کیا بلکہ آپ کے فرزند کو بھی ایک ہزار دینار دے کر قدر دانی اہلِ کمال کا ثبوت دیا۔

ابو دُلامہ شاعر کے ہاں لڑکا پیدا ہوا تو اس نے خلیفہ کو اس کو اطلاع دی اور ساتھ ہی چند شعر بھی لکھ بھیجے جن کا مفہوم یہ تھا کہ اگر کوئی شخص آفتاب سے بھی بلند مقام پر بیٹھ سکتا ہے تو اے آلِ عباس تم اس کے مستحق ہو اور میں تو دعا کرتا ہوں کہ تم شعاعِ شمس سے بھی زیادہ پھیلو اور ترقی کرو اور آسمان پر جا کر فروکش ہو کیونکہ تم سب سے زیادہ صاحبِ کرم ہو۔ اس کے بعد خود حریم خلافت میں حاضر ہو کر بار یاب ہُوا اور ایک خالی تھیلی خلیفہ کے سامنے ڈال دی۔ خلیفہ نے پوچھا یہ کیا ہے؟ ابو دلامہ کہنے لگے۔ امیر المومنین مجھے جو کچھ عطا کرنا ہے اس میں دید یجئے۔ خلیفہ نے حکم دیا کہ یہ تھیلی درہموں سے بھر دی جائے۔ چنانچہ اس میں دو ہزار درہم آئے جو ابو دُلامہ کو دے دیئے گئے۔

اس کی کرم گستری کی ایک مثال یہ ہے کہ اس نے ایک مرتبہ اپنے دس چچوں (عبداللہ و عبد الصمد، اسماعیل، عیسیٰ داؤد، صالح، سلیمان، اسحاق، محمد اور یحییٰ پسران علی) کو دس لاکھ درہم عطا کئے تھے۔

عیسیٰ بن نہیک کے غلام زید کا بیان ہے کہ میرے آقا کی وفات کے بعد منصور نے مجھے طلب فرمایا اور پوچھا کہ تمہارا مالک ورثاء کے لئے کتنا مال چھوڑ گیا ہے؟ میں نے کہا جس قدر زر و مال چھوڑا تھا اس کی بیوی نے ادائے قرض اور دوسری ضروریات پر اٹھا دیا۔ پوچھنے لگا اس کی کتنی لڑکیاں ہیں؟ میں نے کہا چھ۔ خلیفہ تھوڑی دیر تک سر جھکا کر سوچتا رہا۔ اس کے بعد کہنے لگا کہ کل صبح آ کر ذرا مہدی سے مِل لینا۔ میں نے دوسرے دن شہزادہ مہدی سے ملاقات کی تو اُس نے مجھے ایک لاکھ اسّی ہزار درہم عطا کئے اور صرف اسی بدل و عطا پر اکتفا نہ کیا بلکہ چھوٹی لڑکیوں کے لئے تیس تیس ہزار درہم الگ عطا فرمائے۔

منصور کی ایک شانِ فیاضی یہ تھی کہ وہ ان حاملینِ شریعت اور علمائے راسخین کو

جنہیں دین کی خدمت انہماک اسبابِ معیشت سے فارغ رکھتے تھی۔ بہت گراں بہا مالی امداد دے کر پشت پناہی کرتا تھا۔ چنانچہ اُس نے ایک مرتبہ امام مالکؒ اور ابن سمعان کے پاس پانچ پانچ ہزار دینار کی تھیلیاں بھیجی تھیں اور دونوں حضرات نے اس پیش کش کو قبول کر لیا تھا۔ [۱]

لہو لعب سے نفرت

احماد بیان کرتے ہیں کہ ایک روز میں امیر المومنین منصور کے پاس حاضر ہُوا اتنے میں باجہ بجنے کی آواز آئی۔ منصور نے مجھ سے پوچھا یہ کیسی آواز ہے؟ مَیں باہر گیا اور دیکھا ایک غلام طنبورہ بجا رہا ہے اور لڑکیاں اس کے گرد تماشہ دیکھ رہی ہیں۔ مَیں نے آکر اطلاع دی۔ پوچھا طنبورہ کیا ہوتا ہے؟ مَیں نے اس کا حال بیان کیا۔ کہا تم نے کہاں دیکھا؟ مَیں نے کہا خراسان میں۔ خلیفہ باہر آگئے۔ لڑکیاں تو بھاگ گئیں۔ پھر حکم دیا کہ یہ طنبورہ اس کے سر پر مارو اور نکال دو۔ چنانچہ حکم کی تعمیل ہوئی اور وہ نکال دیا گیا۔ [۲]

سلامتِ طبع

منصور کے سلیم الطبع ہونے کی بڑی دلیل یہ ہے کہ وہ اپنے کسی فعل و عمل پر کسی کی زبان سے نکتہ چینی سن کر چیں بجبیں نہیں ہوتا تھا۔ بلکہ اگر بات حق ہوتی تو اسے فوراً قبول کر لیتا۔ چنانچہ ایک مرتبہ افریقہ کا ایک قاضی دربارِ خلافت میں حاضر ہُوا جو طالب علمی میں منصور کا ساتھی رہ چکا تھا۔ منصور نے اس سے پوچھا۔

> "تم کو میری حکومت اور بنو امیّہ کی حکومت میں کیا فرق نظر آیا اور تم اس طویل سفر میں ہمارے جن جن علاقوں سے گزرتے ہُوئے آئے ہو ان میں نظم و نسق کا کیا حال ہے؟"

قاضی نے جواب دیا۔ اے امیر المومنین! مَیں نے اعمالِ بد اور ظلم و جور کی کثرت دیکھی ہے۔ پہلے تو میرا گمان یہ تھا کہ اس ظلم و جور کا سبب آپ کا ان علاقوں سے

---

[۱] طبری جلد ۹ ص ۳۰۸ [۲] ایضاً ص ۳۰۹۔

دور ہوتا ہے۔ لیکن میں جتنا قریب آتا گیا معاملہ اسی قدر نازک ہوتا گیا منصور نے یہ سن کر اپنی گردن جھکائی۔ تھوڑی دیر کے بعد سر اُٹھا کر کہا مگر میں لوگوں کا کیا کروں؟ قاضی نے جواب دیا۔ کیا آپ کو معلوم نہیں ہے حضرت عمر بن عبدالعزیز فرماتے تھے لوگ بادشاہِ وقت کے تابع ہوتے ہیں۔ بادشاہ اگر نیک ہو گا تو رعایا بھی نیک اور صالح ہوگی اور اگر بد ہو گا تو رعایا بھی نیک نہیں ہو سکتی [1]

سادگی منصور کے حالات پڑھنے کے بعد اس کی جلالتِ شان کا پتہ چلتا ہے کہ وہ کس پایہ کا انسان تھا عظیم الشان شہنشاہ اور با جبروت حکمران ہوتے ہوئے بھی اپنے اسلاف کی سادہ زندگی کو جزوِ زندگی بنائے ہوئے تھا۔

محمد بن سلیمان عباسی ایک روز بغرضِ عیادت امیر المؤمنین کی خدمت میں حاضر ہوئے منصور خاص محل میں تھا دیکھا ایک چھوٹا سا کمرہ ہے جس کے عرض میں سال کی لکڑی رکھی ہوئی ہے اور پردہ لٹکا ہوا ہے جیسے مسجدوں میں ہوتا ہے۔ ابن سلیمان کہتا ہے میں کمرہ میں گیا تو کیا دیکھتا ہوں کہ صاف زمین پر نہ کوئی فرش ہے نہ کچھ پہننے کے کپڑے ہیں۔ منصور رونق افروز ہے میں نے عرض کیا بس یہ سامان ہے۔ فرمایا ہاں۔ ایک لحاف و چادر[2] کے سوا خلیفہ کے بستر میں کچھ نہ تھا یہ تھا عظیم المرتبت بادشاہ کے رہنے سہنے کا کمرہ اور وہ تھی اس کی زندگی جس کا ذکر کیا گیا ہے۔

عہدِ منصور کے جلیل القدر علماء

امام زفر بن ہذیل بن قیس العنبری سنہ ۱۱۰ھ میں پیدا ہوئے۔ امام اعظمؒ کے

---

[1] مسلمانوں کا عروج و زوال مطبوعہ ندوۃ المصنفین مؤلفہ سعید احمد ایم اے صہ ۱۱۴۔

[2] طبری جلد ۹ صفحہ ۲۰۵۔

شاگرد تھے فقیہ بے عدیل اور محدث تھے۔ امام اعظمؒ نے ان کے متعلق فرمایا۔

"ہذا زفر امام من ائمۃ المسلمین"

۱۵۸ھ میں بصرہ میں انتقال ہوا۔

مسعر بن کدام کوفی طبقۂ کبارِ اتباع میں سے ہیں۔ نووی نے شرح صحیح مسلم میں لکھا ہے کہ آپ سفیان بن عیینہ اور سفیان ثوری کے استاد ہیں۔ آپ کی جلالت قدر و حفظ و اتقان متفق علیہ ہے۔ امام اعظم سے بھی علمی استفادہ کیا تھا۔ ۱۵۵ھ میں وفات پائی۔

عبیداللہ مصغر بن عمر بن حفص بن عاصم بن امیر المؤمنین عمر بن الخطاب ابوعثمان کنیت ہے۔ مدنی "من اجلۃ الثقاۃ" ۱۴۷ھ میں وفات پائی [1]

ابوعبداللہ سفیان بن سعید بن مسروق ثوری کوفی ۹۷ھ میں پیدا ہوئے۔ شعبہ و ابن عیینہ و ابومسلم و ابن معین امیر المومنین فی الحدیث سے خطاب کیا کرتے تھے۔ فقہ و حدیث و زہد میں مشہور و معروف تھے۔ ۱۶۱ھ میں انتقال کیا۔ (تہذیب الکمال)

الزہری محمد بن مسلم بن عبیداللہ بن عبداللہ، بن شہاب بن عبداللہ ابن الحارث بن زہرۃ قرشی مدنی ان کے حالات اور علمی خدمات کا ذکر منصور کے حالات میں آچکا ہے۔ رمضان ۱۲۴ھ میں انتقال ہوا۔ شام کے قریہ شغبدا میں دفن ہوئے۔ (تہذیب الاسماء واللغات)

ابن اخیہ اسمٰعیل بن محمد بن سعد ابو محمد المدنی ۱۲۴ھ میں انتقال کیا۔ (تقریب التہذیب)

حماد بن ابی سلیمان مسلم الاشعری ابو اسماعیل کوفی فقیہ، ان کو مرجیہ سے متہم کیا جاتا تھا۔ ۱۲۰ھ میں وفات پائی۔ (تہذیب التہذیب)

اسمٰعیل بن عیاش عنبی حمصی، علمائے اعلام سے تھے۔ ۱۷۲ھ میں انتقال کیا۔ (تہذیب التہذیب)۔

محمد بن المنکدر ابن عبید اللہ بن الہدیر التیمی مدنی ثقہ فاضل سنہ ۱۳۰ھ میں انتقال ہوا۔ (تقریب)

ہشام بن عروہ بن زبیر بن العوام الاسدی مدنی امام مالکؒ امام اعظم شعبہ جیسے حضرات نے ان سے سماعت حدیث کی۔ سنہ ۱۴۵ھ میں وفات پائی۔ (اسعاف المبطا برجال الموطا۔)

یحییٰ بن سعید بن قیس الانصاری ابوسعید المدنی مدینہ کے قاضی تھے۔ ثقات میں شمار ہے۔ کثیر الحدیث حجۃ ہے سنہ ۱۴۳ھ میں وفات ہوئی۔ (الاسعاف)

ابراہیم الصائغ بن میمون المروزی فقیہ محدث شاگرد امام اعظم پیشہ زرگری تھا۔ ابومسلم خراسانی کو منکرات شرعیہ سے سختی سے منع کیا کرتے۔ آخر اس نے سنہ ۱۳۱ھ میں مرو میں شہید کرا دیا۔ (مقدمہ فتاویٰ ہندیہ)

اسرائیل بن یونس بن ابی اسحاق کوفی فقیہ محدث امام اعظم اور امام ابویوسف سے فقہ حاصل کی شیخین نے ان سے تخریج کی۔ سنہ ۱۶۰ھ میں وصال ہوا۔

خلیفہ ابوعبداللہ محمد مہدی

محمد مہدی بن ابوجعفر منصور عباسی۔ ان کی والدہ اروی خاندان حمیری سے تھیں۔ مہدی سنہ ۱۲۶ھ میں مقام ایدج میں پیدا ہوا۔ والدہ کا نام ام موسیٰ بنت منصور حمیریہ تھا۔

تعلیم و تربیت مہدی نے باپ کے سایہ میں نشوونما پائی۔ دربار کے اکابر علماء کی نگرانی میں علوم مروجہ حاصل کئے۔ حدیث کی سماعت اپنے باپ اور مبارک بن فضلہ جیسے عالم متبحر سے کی[1] اور اس سے یحییٰ بن حمزہ،

---

[1] کامل ابن اثیر صفحہ ۱۳۳۔ جلد ۶۔

جعفر بن سلیمان صبیعیؒ محمد بن عبداللہ رقاشی اور ابوسفیان سعید بن یحییٰ حمیری نے روایت کی۔

منصور نے خالد بن برمک کو مہدی کا اتالیق مقرر کیا اور ہدایت کر دی کہ رزم ہو یا بزم، خالد ہر جگہ مہدی کے ساتھ رہے۔ مہدی کو امام مالکؒ کی خدمت میں مدینہ بھیجا جہاں سے اُس نے سندِ حدیث لی۔ واپسی کے بعد منصور نے رے اور طبرستان کی حکومت مہدی کے سپرد کر دی اور خالد کو ساتھ کر دیا[۱]

دارالحکومت پہنچ کر مہدی عیش و طرب میں پڑ گیا۔ مگر خالد نے اس کی طبیعت کو حکمرانی کی طرف پھیر دیا۔

سوانح ۱۵ سال کی عمر (۱۴۱ھ) میں منصور نے مہدی کو خراسان کے عامل عبدالجبار بن عبدالرحمٰن کی بغاوت کے فرو کرنے کے لئے امیرالجیش بنا کر بھیجا۔ اس نے اس مہم کو سر کیا۔ پھر طبرستان میں جہاد کیا۔ ۱۴۴ھ میں وہاں سے واپسی ہوئی۔

شادی ربطہ بنت سفاحؒ کے ساتھ منصور نے مہدی کی شادی کر دی۔ مہدی کی طبیعت میں اوائل عمر سے سخاوت کی طرف میلان تھا اور بڑے داد دہش کیا کرتا تھا۔ اس کے پاس ایک دفعہ ایک شاعر آیا اُس نے ایک قصیدہ مہدی کی شان میں پڑھا جس کا پہلا شعر یہ ہے ؎

ھو المھدی ـــــــ الا ان فیہ — "وہ مہدی ہیں اور خوب صورتی میں پورے
متشابھۃ صورۃ القمر المنیر — چاند کے متشابہ ہیں"[۲]

مہدی نے شاعر کو بیس ہزار درہم عطا کئے۔ منصور کو خبر لگی تو اُس نے شاعر کو بلایا اور قصیدہ سنا اور کہا صرف چار ہزار درہم لو بقیہ واپس کر دو اور مہدی کو تنبیہ کی اور یہ تحریر کیا کہ جب کوئی شاعر سال بھر تک تمہارے در دولت پہ

---

[۱] تاریخ الخلفاء صـ۱۸۵ و سبائک الذہب صـ۸۵ [۲] طبری جلد ۹ صـ۳۰۰ ۔

حاضر ہے تو چار ہزار درہم اس کو دیا کرو نہ یہ کہ ایک قصیدہ پر بیس ہزار دیدو۔

بیعتِ خلافت منصور کی وفات مکہ کے قریب ہوئی جو عمائدِ سلطنت ساتھ تھے ان سے ربیع کاتب نے اور اہلِ مکہ سے عباس بن محمد اور محمد بن سلیمان نے بیعت کی۔ مہدی منصور کی وفات کے بعد بارہویں ذی الحجہ ۱۵۸ھ کو تختِ خلافت پر بغداد میں متمکن ہوا۔ اس وقت اس کی عمر ۳۲ سال کی تھی۔

نظمِ مملکت عنانِ خلافت ہاتھ میں لیتے ہی مہدی نے جملہ سیاسی قیدیوں کو آزاد کر دیا اور جائدادیں واگذاشت کر دیں۔ اور ان کو انعام واکرام سے نوازا[۱]

منصور دولت بنی عباس کو تمام خرشوں سے پاک صاف کر گیا تھا۔ ملک فارغ البالی اور خوشحالی کی طرف دن بدن بڑھ رہا تھا۔ مہدی نے اپنی توجہ زیادہ تر اصلاحات کی طرف مبذول کی۔ اس کا عہد ولید اموی کے مشابہ تھا۔

رفاہِ عام کے کام مہدی نے مکہ معظمہ کے راستے درست کرائے۔ قافلوں کے لئے جا بجا سرائیں بنوائیں۔ جو سرائیں شکستہ تھیں ان کو درست کرایا۔ ہر ہر منزل پر کنوئیں کھدوائے۔ قافلوں کے جانوروں کے لئے کنوؤں کے حوض بنوائے۔ خانہ کعبہ کی عمارت کی توسیع کرائی[۲] چاروں طرف رواق تعمیر کرائے اور ان میں سنگ رخام کے ستون لگوائے[۳] اسی زمانے میں مسجد نبویؐ کی عمارت میں ترمیم و توسیع کی[۴]

جذامیوں کی اعانت جذامیوں کے لئے بیت المال سے وظیفہ مقرر کر دیئے۔ اور ان کے لئے حکم تھا کہ وہ گذرگاہوں پر نہ پھریں۔

محکمہ برید بغداد مکہ معظمہ مدینہ منورہ اور یمن کے درمیان ڈاک کا سلسلہ قائم کیا[۵]

---

[۱] یعقوبی جلد ۲ صفحہ ۴۷۵ [۲] تاریخ مکہ ازرقی جلد اول صفحہ ۱۷۵ [۳] دول اسلام ذہبی جلد ۱ صفحہ ۸۲
[۴] خلاصۃ الوفاء صفحہ ۱۴۳ [۵] تاریخ الخلفاء صفحہ ۲۷۳۔

بیدار مغزی مہدی کی طبیعت اگرچہ عیش و عشرت کی طرف راغب تھی۔ مگر اس نے حکومت کے فرائض میں کبھی غفلت نہیں کی۔ اپنے والد منصور کی طرح حکومت کی تمام جزئیات پر نگاہ رکھتا تھا[1] جنگوں میں شرکت کرتا تھا اور اس کی عیش پرستی نظامِ حکومت میں کبھی خلل انداز نہ ہوئی[2]

محکمۂ حساب مہدی نے ایک نیا عہدہ محتسب کا قائم کیا تھا جس کے متعلق شہر کا انتظام اور ہر قسم کی نگرانی اور قیامِ امن کا کام تھا۔ وہ سپاہیوں کو ہمراہ لے کر وقتاً فوقتاً بازاروں میں گشت کرتا رہتا جو اوامر و احکام دیوان ضبطیہ سے جاری ہوتے ان کی تعمیل کراتا۔ سوداگروں کے اوزان اور پیمانوں کو جانچنا پڑتا تھا۔ اگر کہیں دھوکہ پاتا تو مجرم کو فوراً اس کی دوکان کے ہی روبرو سزا دیتا[3]

وقف مساجد اور مدارس کے لئے محکمۂ وقف قائم کیا۔ مہدی کو زمانۂ سکون کا ملا تھا۔ اس نے اپنی مملکت کی ترقی و رفاہیت کی جانب زیادہ توجہ دی۔ بادشاہ کی نظرِ التفات دیکھ کر علماء و امراء بھی امورِ نافعہ کی طرف لگ گئے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ قوم کی قوم تمدن میں بہت جلد اس درجۂ عالیہ تک پہنچ گئی کہ تجارت، صنعت اور علوم و فنون ادبیہ میں ہمسایہ قوموں سے آگے نکل گئی۔

خلیفہ کے خلاف دعویٰ

ایک دن مہدی عباسی عدالت میں تھا۔ ضرورت مندوں کی مختلف درخواستیں گزر رہی تھیں۔ اس پر غور کر کے آپ احکام صادر کر رہے تھے کہ اتنے میں ایک شخص آیا اور سلام کر کے بولا۔ امیر المومنین اگر کسی کو کسی کے خلاف شکایت ہو یا ایک نے دوسرے کا حق چھینا ہو تو وہ آپ کی خدمت میں فریاد لا سکتا اور اپنے درد کی

---

[1] الفخری صفحہ ۱۶۲ [2] تاریخ الخلفاء

[3] تاریخ عرب موسیو سدیو، فرانسیسی صفحہ ۱۹

دوا پا سکتا ہے۔ لیکن جسے خود امیر المؤمنین پر دعویٰ کرنا ہو وہ کہاں جائے اور کیا کرے مجھے آپ کے خلاف استغاثہ کرنا ہے۔ بتائیے آج پیش کروں یا کل؟ قیامت کے دن مالک یوم الدین کی عدالت میں جہاں کسی قسم کی طرفداری یا ناطرفداری کی سازش نہ ہو گی۔ مہدی نے جواب دیا۔ اگرچہ تمام دنیوی حاکموں کا سر ہمارے حکم کے سامنے خم ہے۔ مگر شریعت کے حضور میں ہم بھی سر جھکاتے ہیں لہٰذا شریعت کے مطابق فیصلہ ہو گا اور تم اپنا انصاف اس دنیا میں پا سکو گے۔

یہ کہہ کر امیر المؤمنین مسندِ خلافت سے اُٹھ کھڑے ہوئے۔ اس شخص کو ہمراہ لئے ہوئے قاضی کی عدالت میں پہنچے اور اس کے پاس بیٹھ کر بولے اپنا دعویٰ پیش کرو۔ اس شخص نے قاضی کے سامنے دعویٰ پیش کیا۔ امیر المؤمنین نے جواب دہی کی۔ اس پر قاضی نے مدعی سے قانونی دستاویز طلب کی جو اس شخص نے پیش کی۔ قاضی نے معائنہ کرکے اس پر حکم لکھا جو مہدی کے خلاف اور مدعی کے حق میں تھا۔ خلیفہ نے قاضی کے سامنے سر جھکا دیا اور مدعی کا مطالبہ پورا کر دیا۔[1]

قیدیوں کے عیال کی خبر گیری مہدی کے عہدِ خلافت میں قیدیوں کے عیال کی گذر اوقات کا انتظام حکومت کے ذمہ تھا۔

مسجد حرام کی توسیع مسجد حرام کے اردگرد مکانات خرید کر اس کو ڈھوایا اور اپنے نام کا کتبہ لگوایا۔ ولید اموی کے نام کا جو کتبہ عمارت پر لگا ہوا تھا اس کو مٹوا دیا اور پرانے غلافوں کو اتروا کر اس کی دیوار پر مشک و عنبر خوشبو کے لئے ملوایا اور قباطی خز اور دیبا کے تین غلاف چڑھائے۔[2]

اہل مکہ کے ساتھ سلوک مکہ مدینہ کے جملہ حقوق بحال کئے۔ اولادِ رسولؐ کی جائدادیں جو عہدِ منصور میں قرق کر لی گئی تھیں

---

[1] جامع الحکایات ص۱۳۔ [2] تاریخ مکہ ازرقی ص۱۷۶۔

وہ بحال کر دی گئیں۔ پانچ سو جوان انصار مدینہ سے منتخب کر کے لشکر حضور میں رکھے۔ حرمین کے باشندوں میں کئی کروڑ نقد اور ڈیڑھ لاکھ پارچہ تقسیم کئے۔

علامہ ذہبیؒ کہتے ہیں کہ حرمین کے بسنے والوں کی اتنی خدمت کسی خلیفہ نے نہ کی تھی[1]۔ مدرسے، محتاج خانے، پاگل خانہ، شفاخانہ، بنوائے۔ نہروں کو ترقی دی۔

فتنہ زنادقہ مَرد کے ایک گاؤں میں ایک شخص مقنع خراسانی نمودار ہوا۔ اس کا نام حکیم بن عطا تھا۔ ایک چشم تھا اور بد ہیئت سونے کا چہرہ منہ پر چڑھائے رکھتا تھا۔ اس نے چند اجزاء کو مثل پارے وغیرہ کے ملا کر شعبدہ کے طور پر ماہ نخشب بنایا تھا[2]۔ یہ چاند دو مہینے تک ہر رات کو ایک کنوئیں سے جو کوہِ سیام کے نیچے واقع تھا نکلتا تھا اور بارہ میل تک اس کا لمعہ نور پہنچتا تھا۔ یہ کنواں نخشب شہر کے متصل علاقہ ماوراء النہر میں واقع تھا۔ مقنع خراسانی اس شعبدوں سے لوگوں کو گمراہ کرنے لگا۔ یہ شخص تناسخ ارواح کا قائل تھا۔ پھر دعوئے الوہیت کر بیٹھا۔ کہتا تھا خدا نے پہلے آدمؑ میں حلول کیا، پھر نوحؑ میں، اسی طرح مختلف انسانوں کے قلوب میں منتقل ہوتا ہوا ابومسلم خراسانی کے بعد اس میں جلوہ گر ہوا ہے[3]۔

ماوراء النہر کے علاقہ کے لوگ کثرت سے اُس کے معتقد ہو گئے اور اس کے مستقر کی سمت سجدہ کرنے لگے۔ اس فتنہ کی خبر مہدی کو ہوئی تو اُس نے معاذ بن مسلم کو ایک فوج دے کر اس کی سرکوبی کے لئے بھیجا۔ مقنع نے کش کے قلعہ میں پناہ لی۔ آخر میں جب عساکر عباسی کی یلغار سے بچنے کی صورت نہ دیکھی تو زہر کھا کر مر گیا اور اپنے اہلِ خاندان کو بھی زہر دے دیا۔ اس کے بہت سے ساتھی تلوار کے گھاٹ اُترے اور بقیہ تائب ہو گئے۔ یہ واقعہ سنہ ۱۶۱ھ کا ہے[4]۔

---

[1] دول الاسلام جلد اوّل صفحہ ۸۳ [2] الفخری صفحہ ۱۶۱ [3] ابوالفداء جلد ۲ صفحہ ۹

[4] ابن خلدون جلد ۳ صفحہ ۲۰۶ و ابن اثیر جلد ۶

بغاوت یوسف البرم خراسان میں ۱۶۲ھ میں یوسف بن ابراہیم المعروف بہ برم نے بغاوت کی۔ یزید بن مزید شیبانی نے یوسف کو اور اس کے ساتھیوں کو گرفتار کر لیا اور دارالخلافہ بھیج دیا۔ یہاں باغیوں کے سر قلم کر دیئے گئے[1] اور اس طرح بغاوت کا فتنہ ختم ہوا۔

عبدالسلام بن ہاشم لشکری نے جزیرہ میں بغاوت کی۔ شبیب بن قنسرین کے ہاتھوں یہ بغاوت ختم ہوئی۔ ایسے ہی مصر میں فتنہ اٹھا۔ حاکم موسیٰ بن مصیب نے باغیوں کا مقابلہ کیا اور ان کے ہاتھ سے مارا گیا۔ مہدی نے فضل بن صالح کو بھیجا اس نے مصر میں امن وامان قائم کر دیا۔[2]

جنگیں مہدی کے زمانہ میں عام امن وسکون تھا۔ اس کا معاصر شاہ مین بادشاہ فرانس تھا۔ اس نے اندلس پر حملہ کرنے کے لئے خلافت بغداد کے ساتھ دوستانہ تعلقات پیدا کر لئے۔ رومیوں سے البتہ جنگ کا سلسلہ قائم تھا۔ ۱۶۳ھ میں مہدی نے عظیم الشان فوج سے ان کا مقابلہ کیا اور بہت سے مقاموں کو فتح کیا۔ قلعہ سمالا پر ۳۸ دن محاصرہ رکھا اور اس پر قبضہ کیا۔[3] پھر دارالخلافہ واپس آیا۔ مہدی نے اپنے عہد میں اتنی فوج کشیاں کیں کہ بنو امیہ کے بعد اس کی مثال نہیں ملتی۔ گرمائی فوجیں رومی ممالک پر ہر سال حملہ آور ہوتی تھیں۔ مہدی کے چچا نے ادہرہ فتح کیا۔[4] میخائیل رومی دس ہزار فوج سے نکلا جس کو حسن بن قحطبہ نے آ لیا اور اس کو ناکام جانا پڑا۔ ۱۶۵ھ میں مہدی نے اپنے بیٹے ہارون الرشید کو ایک لاکھ فوج کے ساتھ قسطنطنیہ کی طرف بھیجا۔ یہاں ملکہ ایرینی حکمران تھی اس نے ہارون سے نوّے ہزار دینار سالانہ جزیہ پر صلح کر لی۔ واپسی میں ہارون کے حکم کے مطابق ہر ہر منزل میں اس نے اسلامی فوج کے لئے بازار لگوائے اور راہنما ساتھ کئے تاکہ وہ آرام سے گزر جائے۔

---

[1] یعقوبی ۴۸۲ [2] یعقوبی جلد ۲ صفحہ ۴۸۳ [3] ابن خلدون جلد ۲ صفحہ ۲۱۳۔
[4] ابن اثیر جلد ۶ صفحہ ۱۹۔

رومیوں نے ایک سال رقم ادا نہ کی تو سلیمان بن علی والیِ جزیرہ نے خلیفہ مہدی کے حکم سے روم پر حملہ بول دیا اور ان کو شکست دی اور تمام مالِ غنیمت قبضہ میں کر لیا۔

ہند پر حملہ ہندوستان میں دریائے سندھ تک اسلامی قبضہ تھا۔ مہدی نے ۱۵۹ھ میں عبدالملک بن شہاب کو دس ہزار فوج کے ساتھ بحری راستہ سے بھیجا۔ اُس نے شہر باربد کا محاصرہ کر لیا اور تین دن میں اس کو فتح کر لیا مگر وہاں کی آب و ہوا راس نہ آئی اس لئے لوٹ آئے[1]۔

حکمرانوں سے معاہدے سرحدی علاقوں کے غیر مسلم حکمران اکثر حکومت کے باغیوں سے ساز باز کر لیا کرتے تھے۔ بعض اوقات حکومت کو مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا تھا اس وجہ سے مہدی نے ۱۶۴ھ میں اپنے ماتحت باجگزاروں اور سرحدی حکمرانوں کے پاس سفیر بھیجے اور اُن سے صلح و مفاہمت کر لی جس سے خطرہ کا سدِ باب ہو گیا۔ اس سلسلہ میں کابل، طبرستان، صغد، طخارستان بامیان، فرغانہ، اشروسنہ، سجستان، ترک، تبت، سندھ، فغفور چین اور بعض راجگانِ ہند نے مہدی سے اطاعت کے معاہدے کر لئے[2]۔

وزارت مہدی کا پہلا وزیر ابو عبداللہ معاویہ بن یسار تھا۔ یہ علوم ادبیہ کا ماہر اور بے نظیر انشا پرداز تھا۔ پہلے مہدی کا میر منشی رہا منصور ہمیشہ مہدی کو معاویہ کے مشورہ پر عمل کرنے کی ہدایت کرتا رہتا تھا[3] چنانچہ مہدی نے موقع پا کر اس کو وزیرِ اعظم کر دیا۔ اس نے تمام دفاتر کی تنظیم کی اور از سرِ نو ان کو ترتیب دیا۔ خراج میں یہ ترمیم کی کہ نقد لگان کی جگہ پیداوار کے ایک حصّہ کی تحصیل کا دستور مقرر کیا۔ اس نے اصولِ خراج پر ایک کتاب بھی لکھی تھی۔ ربیع حاجب کو ابو عبداللہ نے منہ نہ لگایا۔ وہ اُس کے درپے تخریب ہوا۔ زندیقوں سے مہدی کو عنادِ قلبی تھا۔ ربیع نے مہدی سے کہا ابو عبداللہ کا لڑکا ملحد ہے۔

---

[1] ابن اثیر جلد ۶ صـ۱۶ [2] یعقوبی جلد ۲ صفحہ ۴۷۹ [3] الفخری صـ۱۶۳

مہدی نے اس سے قرآن سنا اس نے غلط پڑھا اس پر اس کے قتل کا حکم دے دیا
اور ابو عبداللہ کو ۱۶۱ھ میں معزول کر دیا جس کے صدمہ سے وہ ۱۷۰ھ میں مر گیا۔[1]
اور یعقوب بن داؤد جو ادب میں یکتائے روزگار تھا اور زیدیہ فرقہ سے تعلق رکھتا
تھا اس کو وزیر بنا لیا۔ اس نے زیدیہ کے فتنہ سے حکومت کو بچا لیا۔ بڑے بڑے
عہدے اُن کو دیئے اس نے رئیس زیدیہ اسحاق بن فضل کو اُبھارا جس کی مہدی کو خبر
ہو گئی۔ چنانچہ اس کا مال و متاع ضبط کر لیا گیا اور اس کو مع گھر والوں کے قید کر
دیا۔[2] یعقوب کے بعد فیض بن صالح نیشاپوری وزیر ہوا جو مہدی کی وفات تک
اپنے منصب پر رہا۔ یہ بھی ادب میں کامل تھا۔ مگر متکبّر تھا۔ جود و کرم میں عدیم النظیر
تھا۔ فیض مہدی کی وفات تک وزیر رہا۔ اس نے ۱۷۳ھ میں وفات پائی۔[3]

سیرتِ مہدی | مہدی شرم و حیا کا پیکرِ مجسم تھا۔ اس کے سامنے سیاسی مجرم
لایا جاتا تو کہہ سُن کر چھوڑ دیتا۔ ایک دن نماز میں یہ آیت پڑھی
جس کا ترجمہ یہ ہے :-

"اگر تم کو بادشاہت ملے تو کچھ عجب نہیں کہ دُنیا میں تم فساد پھیلاؤ
اور باہمی رشتوں کو توڑ دو۔"

اس زمانے میں موسیٰ بن جعفر بن علی اس کے قید خانہ میں تھے ان کو بلوا کر
یہ آیت سنائی اور کہا مجھے ڈر ہے کہ اس کا مصداق کہیں میں نہ ہوں۔ اس لئے
چاہتا ہوں کہ تم کو چھوڑ دوں۔ شرط یہ ہے کہ تم عہد کرو میرے خلاف بغاوت نہ
کرو گے۔ انہوں نے وعدہ کیا اور رہا کر دیئے گئے۔

مہدی حلیم الطبع، فیاض، فصیح اللسان، عابد اور سُنّتِ رسولؐ کا متبع تھا۔
خلفائے بنی اُمیہ کے وقت میں جو مقصورے بنائے گئے تھے اُس نے تڑوا ڈالے

---

[1] الفخری ص ۱۹۶ [2] یعقوب کو ہارون نے آزاد کیا اور مکہ میں ۱۸۶ھ میں فوت ہوا
[3] الفخری صفحہ ۱۶۹ ۔

ممبروں کو جو اُونچے تھے نیچے کرا دیئے، جتنے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں تھے اتنے ہی رکھے۔ مہدی کا غلام ابوعون بیمار پڑا۔ مہدی اُسے خود دیکھنے گیا۔ اُس نے کہا جو وصیت ہو مجھ سے کہو پوری کر دُوں گا۔ اس نے کہا آپ مجھ سے خفا ہیں راضی ہو جائیے۔ مہدی نے کہا تم شیخین کو بُرا کہتے ہو اس لئے خفا ہوں توبہ کرو میں رضامند ہوں گا۔ اُس نے کہا پہلے آپ لوگ اپنا حق کہتے تھے اور ہم آپ کی حمایت میں اُن کو غاصب کہتے تھے۔ اگر اب کوئی بات نئی ہو گئی ہے تو وہ فرمائیے ہم اس کے مطابق عمل کریں۔

حج مہدی نے جس شان و شوکت سے سفرِ حج کیا اس کی مثال تاریخ میں نہیں ملتی۔ ساٹھ لاکھ دینار خیرات میں صرف کئے[1]

فتنۂ وضع حدیث مہدی کے زمانہ میں دس محدث آئے ان میں مرج بن فضالہ اور غیاث بن ابراہیم بھی تھے۔ غیاث کو معلوم تھا کہ مہدی کو کبوتروں کا شوق ہے۔ مہدی نے غیاث سے کہا۔ آپ کوئی حدیث بیان کیجئے وہ کہنے لگا۔

"ابوہریرہ سے مرفوعاً روایت ہے کہ سبقت صرف گھوڑوں میں مناسب ہے یا تیراندازی میں یا پرندوں کے رکھنے میں"

مہدی کو اس جھوٹے خوشامدی محدث پر غصہ آیا مگر خاموش ہو گیا اور اس کو دس ہزار درہم دیئے اور کہا کہ تم جھوٹی حدیثیں گھڑتے ہو۔ اس کے جانے کے بعد حکم دیا کہ چونکہ اس نے ایک جھوٹی حدیث بیان کر کے مجھے لہو و لعب کی طرف اور زیادہ مائل کرنا چاہا اس لئے کبوتر خانہ کو منہدم کرا دیا اور اس کا نگران موقوف کر دیا اور تمام کبوتر ذبح کرا دیئے[2]

تبع تابعین کی تعداد جس قدر کم ہوتی جاتی تھی اسی قدر اُن کی طرف عام التفات

---

[1] تاریخ عرب صفحہ ۱۹۴ [2] تاریخ الخلفاء صفحہ ۱۴۹۔

بڑھتا جا رہا تھا۔ سوا سو برس میں نئی نئی اقوام اسلام میں داخل ہو چکی تھیں۔ نومسلموں میں اسلام کا نیا جوش تھا۔ فاتح قوم میں عزت و اثر پیدا کرنے کی اس سے بڑھ کر کوئی تدبیر نہ تھی کہ علوم دینی میں تبحر کا درجہ حاصل کریں۔ اس ذوق و شوق کا نتیجہ تھا کہ ممالکِ اسلامیہ میں گھر گھر کثرت سے حدیث و روایت کا چرچا ہونے لگا۔ صدہا درس گاہیں کھل گئیں، احادیث کے مجموعے کثرت سے مرتب ہو گئے۔ لیکن جس قدر حدیثوں کی اشاعت کو وسعت حاصل ہوئی اعتماد اور صحت کا معیار کم ہوتا گیا۔

ارباب روایت کا دائرہ اس قدر وسیع ہو گیا کہ ان میں مختلف خیال، عادات، مختلف عقائد اور مختلف قوموں یہود، نصاریٰ، مجوس میں سے لوگ شامل ہو گئے۔ اہلِ بدعت (شیعہ خوارج، قدریہ جبریہ) جا بجا پھیلے ہوئے تھے۔ یہود نے اپنے یہاں کی خرافات جو اسرائیلیات کے نام سے ہے ان کو احادیث کی صورت میں ڈھال دیا۔ مجوس نے عرب فاتحین کے عناد اور کینہ پروری سے ثقہ مسلمان کی صورت بن کر حدیث میں بہت کچھ اپنا عقیدہ شامل کر دیا۔

مہدی کا زمانہ تمام عالمِ اسلامی میں سکون کا زمانہ رہا۔ اہلِ فساد بے فکری سے اپنے کام میں لگے ہوئے تھے۔ گو جھوٹی حدیثیں بنانے کا فتنہ منصور کے زمانے میں اُٹھ کھڑا ہوا تھا۔ چنانچہ کوفہ میں ابن العوجا ایک شخص تھا جس کا نام عبدالکریم تھا۔ ۱۵۵ھ کا واقعہ ہے کہ محمد بن سلیمان علی گورنر کوفہ کو اس کے چال چلن کی نسبت شبہ پیدا ہوا۔ تحقیقات سے پتہ چلا کہ یہ حدیث وضع کرنے میں خاص مہارت رکھتا ہے۔ چنانچہ اس کو فوراً گرفتار کیا اور حوالات بھیج دیا گیا۔ یہ خلیفہ منصور کا مقرب امیر عرب معن بن زائدہ شیبانی کا قریبی عزیز تھا مگر محمد بن سلیمان نے اس کی پرواہ نہ کی۔ لوگوں نے سفارش کی خلیفہ ناخوش ہوئے اور ابن سلیمان کو گورنری سے معزول کر دیا۔ اس کو ایک لاکھ کا لالچ دیا گیا کہ عبدالکریم قتل نہ ہو۔ مگر ابن سلیمان نے عبدالکریم کو قتل کرنے کا حکم دے دیا۔ اِدھر منصور نے حکم امتناعی ابن سلیمان کے پاس بھیجا۔ ایلچی جو آیا اس کے سامنے ابن سلیمان نے

ابن ابی العوجا کا سر ڈال دیا کہ یہ حدیث گھڑنے والے کا سر ہے۔

جس وقت ابن ابی العوجا قتل ہونے لگا تو کہنے لگا۔ تم مجھے قتل کرتے ہو تو کرو مگر خدا کی قسم! میں نے چار ہزار حدیثیں بنائی ہیں جس میں حلال کو حرام اور حرام کو حلال بنا چکا ہوں۔ خدا کی قسم میں نے روزے میں تم کو افطار کرایا ہے اور افطار کے دن روزہ رکھوایا ہے[1]

ابن عدی نے جعفر بن سلیمان سے ایک سند بیان کر کے کہا کہ میں نے خلیفہ مہدی عباسی سے سنا وہ کہتا تھا کہ ایک زندیق نے مجھ سے اقرار کیا ہے کہ میں نے چار سو حدیثیں بنائی ہیں جو عام لوگوں میں پھیل گئی ہیں۔

"ملا علی قاری نے موضوعات کبیر ص ۲۲۴ میں لکھا ہے کہ صرف شیعوں نے ایک لاکھ حدیث (جس میں زیادہ تر) حضرت علیؓ اور اہل بیت کی فضیلت سے گھڑی ہیں"۔

گو دعوت بنی عباس کے داعی سب سے زیادہ شیعان علی تھے اور ان کی ہی سعیٔ بلیغ جھوٹی حدیثوں کی اشاعت پر ہے مگر مہدی نے ایسے لوگوں کے ساتھ کوئی رعایت نہیں برتی جو زندیق ملتا اُس کو تلوار کے گھاٹ اُتارتا۔ اُس کی اس سخت گیری سے اس فتنہ میں بھی کمی ہونے لگی اور جھوٹی حدیث بیان کرتے ہوئے ڈرنے لگے۔

منصور کے زمانے میں جو سرمایۂ حدیث جمع ہوا تھا اور وہ مہدی کے سپرد ہوا تھا، مہدی نے اس کی اشاعت کا انتظام کیا۔ حدیث سے اُس کو دلی شغف تھا۔ خود اس سے متعدد احادیث مروی ہیں[2]

اہل علم کی مہدی بڑی قدر کرتا تھا۔ اس سے متعلق جو علماء تھے وہ بڑے

---

[1] طبری جلد ۹ صفحہ ۲۸۶ و ابن اثیر جلد ۶ صفحہ ۳ (ذکر حوادث ۱۵۵ھ)

[2] تاریخ الخلفاء ص ۱۵۱۔

پائے کے عالم تھے۔ علامہ قاضی شریک کو ہادی اور ہارون کی اتالیقی پر مقرر کیا تھا۔ قاضی شریک یگانۂ روزگار فاضل تھے۔

حمدان اصفہانی قاضی شریک کا واقعہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دن میں شریک کے پاس بیٹھا ہوا تھا کہ مہدی کا لڑکا آیا اور اس نے کھڑے کھڑے کوئی حدیث پوچھی لیکن شریک نے کچھ التفات نہ کیا۔ اس نے پھر پوچھا اور کچھ جواب نہ پایا۔ شہزادے نے کہا کہ آپ شہزادوں کی تحقیر کرتے ہیں۔ شریک نے کہا کہ اہل علم کے نزدیک علم کی قدر شہزادوں کی بہ نسبت زیادہ ہے اور وہ اس کو ضائع نہیں کر سکتے یہ سن کر مہدی کا بیٹا دو زانو ہو کر بیٹھا۔ شریک نے کہا کہ ہاں یوں علمی باتیں پوچھی جاتی ہیں[1]

تصنیف و تالیف کا سلسلہ منصور نے جو محکمۂ تراجم قائم کیا تھا مہدی نے اس کو اور ترقی دی بلکہ اس کے زمانے میں ترجمہ و تصنیف کے کاموں کے علاوہ ایک خاص کام یہ انجام پایا کہ اُس نے علماء کو حکم دیا کہ وہ ملحدوں کے رد میں کتابیں لکھیں اور ان کے اعتراضات اور گمراہ کن خیالات کی تردید کریں[2]

علم الکلام مہدی کے عہد میں علم الکلام کی بنیاد پڑی۔[3]

مہدی کی علمی حیثیت علمی اعتبار سے مہدی کوئی امتیازی درجہ نہ رکھتا تھا لیکن اہلِ علم خاندان کا چشم و چراغ تھا۔ دینی علوم سے تو واقف تھا ہی پر شعر و شاعری سے بھی اس کو دلی لگاؤ تھا۔ خود بھی شعر کہتا تھا۔ علامہ سیوطیؒ نے تاریخ الخلفاء میں اس کے چند اشعار نقل کئے ہیں۔

ولی عہدی مہدی نے بھی منصور کی طرح عیسیٰ بن موسیٰ پر سختیاں کیں بعد میں اس کو خلافت سے دست بردار ہونے پر مجبور کیا۔ پھر

---

[1] و [2] طبقات الاطباء جلد ا صفحہ ۲۰۵ [3] ایضاً

اپنے بیٹوں موسیٰ، ہادی اور ہارون الرشید کو ولی عہد بنایا۔

وفات سنہ ۱۶۹ھ میں جرجان کی طرف شکار کھیلنے گیا وہاں زخمی ہو گیا بیمار پڑا "ماسندان" میں پہنچ کر ۲۲ محرم کو انتقال کیا۔ مدتِ خلافت دس سال ڈیڑھ ماہ ہے۔

اولاد بطن خیزران سے موسیٰ، ہارون، دو بیٹے اور ا ذبانوقہ ایک دختر اور ریطہ بنت ابوالعباس سے علی و عبید اللہ، دو بیٹے اور ایک کنیز سے عباسہ اور بحتریہ بنت الاجهندہ سے عالیہ، منصورا، سلیمہ تین لڑکیاں اور ایک کنیز سے یعقوب اور اسحاق اور ایک سے ابراہیم تھے لیکن بانوقہ نے بچپن میں انتقال کیا۔ باقی رہی عباسہ اس کی شادی خلیفہ ہارون الرشید نے اول محمد بن سلیمان بن علی عباسی سے اور جب اس شہزادہ کا انتقال ہو گیا تو ابراہیم بن صالح بن علی سے اس کا دوسرا نکاح کر دیا۔[1]

ملکۂ دوران خیزران !

خیزران بربریہ خاتون تھی بچپن میں بُردہ فروشوں کے ہاتھ لگ گئی جب مہدی کے سامنے یہ خاتون لائی گئی اس نے اس کو ایک لاکھ درہم میں خرید لیا۔ بہ لحاظ حسن و جمال اپنا جواب نہ رکھتی تھی۔ نہایت عقیل اور ذی علم خاتون تھی ابتدائے عمر میں کنیزی کا ٹیکہ قسمت میں لکھا تھا۔ مگر اللہ نے اس پر کرم کیا مہدی کی منظورِ نظر ہو گئی۔ اس کی تعلیم و تربیت کا انتظام کیا گیا۔ امام اوزاعی سے اس نے علم حاصل کیا۔ دینیات، شعر اور ادب پر درک تھا امورِ ملکی میں مہدی کو مشورہ دیتی تھی۔ ہادی اور ہارون کے ابتدائی عہدِ خلافت میں کُل سلطنت پر حکمرانی کرتی تھی۔ فیاضی میں ضرب المثل تھی۔ دروازے پر ہر وقت عام سائلوں کا

---

[1] کتاب المعارف مسلم بن قتیبہ ص ۱۳۰۔

مجمع رہتا تھا۔ سنہ ۱۷۱ھ میں حج کو گئی تو عربوں کو اپنی فیاضی سے مالا مال کر دیا۔

۱۲ر جمادی الثانی مطابق ۲۶ر اکتوبر سنہ ۷۸۹ء کو انتقال کیا۔ مقابر قریش میں دفن کی گئی۔

اتہام شہزادی عباسہ پر شیعی مؤرخین نے جعفر کے ساتھ عقد کا ایک نیا قصہ کھڑا کر دیا۔ طبری نے جس سے روایت کی ہے احمد اور زہیر یہ معتزلہ (نیم شیعہ) تھے۔ کذب و افتراء ان کی گھٹی میں تھا ہزارہا حدیثیں جنہوں نے گھڑ لیں ان کے لئے یہ واقعہ گھڑ لینا کیا مشکل تھا۔ متاخرین مؤرخین میں سے خاوندشاہ مصنف روضۃ الصفا مزے لے لے کر قصہ کو کہتا ہے لہٰذا اس بحث میں پڑنا بے کار ہے۔ غور و انصاف کی نظر سے یہ دیکھئے کہ کہاں خلیفہ ہارون الرشید اور اس کی بہن شہزادی عباسہ اور کہاں ایک عجمی غلام جعفر مجوسی النسل، دونوں کے مرتبہ اور شان میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ جعفر کا دادا خالد جس کو بعض مؤرخین کہتے ہیں جعفر بلخی (برمک اصغر) کی جورو فتح بلخ پر صالح بن مسلم کے ہاتھ آئی انہوں نے عبداللہ بن مسلم کو دے دی۔ اس کے بطن سے خالد تھا وہ عورت جعفر کے پاس واپس چلی گئی وہاں اس کی پرورش ہوئی۔ واللہ اعلم بالصواب[۲]

علمائے عہد

شعبہ ابن ابی ذہب۔ حضرت سفیان ثوری۔ حضرت ابراہیم بن ادھم زاہد۔ داؤد طائی زاہد۔ بشار بن برد۔ حماد بن سلمہ۔ ابراہیم بن طہمان۔ خلیل ابن احمد صاحب العروض[۳]

---

[۱] موضوعات کبیر ملا علی قاری [۲] البرامکہ ص ۳۱ [۳] تاریخ الخلفاء ص ۱۵۲ ۔

خلیفہ الہادی ابو محمد موسیٰ

الہادی محمد مہدی بن ابوجعفر منصور عباسی، ہادی کی والدہ کا نام خیزران تھا۔ یہ خاتون خلیفہ مہدی کی مملوکہ کنیز تھی۔ اس کے ہی شکم سے ہارون اعظم اور ہادی پیدا ہوئے ہادی رَے میں ۱۴۷ھ میں پیدا ہوا تھا۔

مہدی نے خیزران کے ساتھ ۱۵۹ھ میں نکاح کیا تھا اور مہدی کے دل میں خیزران کی حسن لیاقت کی بڑی قدر و منزلت تھی۔ آخر ش یہ مہدی کی ملکہ بنی۔ یہ خاتون بڑی عقیل و دانا تھی اور سیاستِ ملکی سے دل چسپی لیتی تھی۔ مہدی اکثر ملکی معاملات میں اس سے مشورہ لیا کرتا تھا۔

تعلیم و تربیت مہدی نے ہادی کو قاضی شریک کی نگرانی میں تعلیم دلوائی۔ استعداد معقول تھی مگر اپنے بھائی ہارون کے مقابلے میں علمی اعتبار سے یہ کچھ نہ تھا۔

ولی عہدی ہادی سولہ برس کی عمر میں ولی عہد بنایا گیا۔

بیعتِ خلافت ہادی، مہدی کی زندگی میں فوج لے کر جرجان کی طرف گیا ہوا تھا وہیں مہدی کی وفات کی خبر پہنچی۔ یحییٰ ابن خالد برمکی اور ہارون الرشید ماسبندان میں مہدی کے ساتھ تھے۔ وہیں ان دونوں نے ہادی کے لئے ارکانِ سلطنت سے بیعت لی اور مہر عصا اور ردا ءِ خلافت مع تعزیت نامہ اور تہنیت کے ہادی کے پاس جرجان بھیج دیئے۔ ہادی وہاں سے بغداد واپس آکر صفر ۱۶۹ھ میں مسندِ خلافت پر بیٹھا اور عنانِ حکومت ہاتھ میں لی۔ ربیع کو منصبِ وزارت پر سرفراز کیا۔ اس وقت اس کی عمر پچیس ۲۵ سال کی تھی۔

زندیقیوں کا استیصال

ہادی نے پہلا کام یہ کیا کہ جو زندیق سامنے آیا اس کو تلوار کے گھاٹ اتارا۔[1] یعقوب بن فضل قید میں تھا باپ کی وصیت پر اس کو گھاٹ کنارے لگایا۔ اس کے عہد میں پیروان مانی کا فتنہ اٹھا۔ یہ لوگ نور اور ظلمت دو خداؤں کی پرستش کرتے تھے ان میں سے جو شخص بھی ملا وہ ختم کر دیا گیا۔

حسین بن علی کا ظہور

سنہ ۱۶۹ھ میں حسین بن علی بن حسن المثلث نے مدینہ میں امامت کا اعلان کیا۔ کوفیوں نے سنا تو بخوشی اس کی دلی تائید کی۔ حسین نے اہلِ مدینہ سے اپنی بیعت لی۔ خزانہ پر قبضہ جمایا۔ عمر بن عبدالعزیز جو عبداللہ بن عمرؓ بن خطاب کے پوتے تھے ان کی مزاحمت سے عاجز رہے۔ بیعت کے بعد گیارہ روز مدینہ میں قیام کیا۔ پھر حج کو روانہ ہو گئے۔ ہادی نے محمد بن سلیمان عباسی کو اس سال امیر الحج مقرر کیا اور حسین کے مقابلہ کا حکم دیا۔ مقام ذی طویٰ میں محمد بن سلیمان نے اپنا لشکر مرتب کیا۔ مکہ معظمہ پہنچا تو اور بھی ہوا خواہ دولتِ عباسیہ اس کے ساتھ آملے۔ یوم الترویہ کو صف آرائی کی نوبت آئی۔ ایک خونریز جنگ کے بعد حسین مع ہمراہیوں کے میدانِ مصاف سے ہٹ گئے۔ بہت سے آدمی معرکہ میں کام آئے۔

خاتمہ جنگ کے بعد محمد بن سلیمان مکہ معظمہ سے رخصت ہوا۔ ذی طویٰ پہنچا تھا کہ ایک شخص نے حسین کا سر لا کر پیش کیا۔ اس جنگ میں اکثر عمائد آلِ ابی طالب کام آئے۔ ادریس بن عبداللہ بن حسن بلادِ مغرب فاس چلے گئے۔ وہاں جا کر مضافات طنجہ میں ظہور کیا اور ان کے بیٹے ادریس نے حکومت ادریسیہ قائم کی۔[2] اس کے حالات "خلافتِ ہسپانیہ" میں لکھ چکا ہوں۔ یحییٰ بن عبداللہ جو نفس ذکیہ

---

[1] البدایۃ والنہایۃ الجزء العاشر صفحہ ۱۵۷۔

[2] یعقوبی جلد ۲ صفحہ ۴۸۸ وخلافتِ ہسپانیہ (از انتظام اللہ شہابی)۔

کے بھائی تھے۔ اس معرکہ سے بچ کر نکلے اور بلادِ دیلم پہنچ کر علمِ مخالفت بلند کیا۔[1]

مسعودی کا بیان ہے کہ ہادی کے سامنے جب حسین کا سر پیش کیا گیا۔ وہ رونے لگا اور سر لانے والے سے کہا معلوم ہوتا ہے کہ تم کسی ترک یا دیلم کا سر لائے ہو یہ عترتِ رسول کا ہے۔ اس کا کمترین بدلہ یہ ہے کہ اس کا کوئی صلہ لانے والے کو نہ دیا جائے۔[2]

حمزہ بن مالک خارجی کی بغاوت

علویوں کا ہنگامہ کچھ ٹھنڈا پڑا تھا کہ حمزہ خارجی نے جزیرہ میں علمِ بغاوت بلند کر دیا۔ یہاں کے حاکم منصور بن زیاد نے اس کے مقابلہ کے لئے فوج بھیجی۔ موصل کے علاقہ میں ہردو میں مقابلہ ہوا۔ حمزہ کامیاب رہا۔ منصور کی فوج شکست کھا گئی۔ حمزہ نے تمام سامان پر قبضہ کیا۔ منصور بن زیاد کے دو آدمی حمزہ کے ساتھ لگ گئے۔ موقع پا کر دھوکے سے اس کو قتل کر دیا۔[3] اس طرح یہ بغاوت ختم ہوئی۔

رُومیوں سے معرکہ

ہادی کے زمانے میں رومیوں نے پھر ہاتھ پیر نکالے حدیثہ پر حملہ کر کے قبضہ جمایا۔ تھوڑے دنوں بعد سنہ ۱۶۹ھ میں معیوف بن یحییٰ نے ان کی ایسی سرکوبی کی کہ حدیثہ سے بھاگنے پر مجبور ہوئے۔ ان کے پیچھے معیوف بڑھتا چلا گیا اور رومی علاقے آشنہ تک قبضہ کیا۔[4]

سیرت

ہادی آزاد مزاج، عشرت پسند، لہو ولعب میں زیادہ مصروف رہتا تھا۔[5] نہایت قوی اور بہادر تھا۔ خوش رو، طویل القامت، دو زرہیں پہنے ہوئے گھوڑے پر کود کر سوار ہو جاتا۔ فیاض اور خوش طبع تھا۔ مزاج میں غیرت بہت تھی۔ نبیذ جس کو فقہائے عراق نے جائز کر رکھا تھا اس کا

---

[1] ابن خلدون کتاب ثانی جلد ششم صفحہ ۲۵۰ [2] مروج الذہب جلد ۲ صفحہ ۲۰۳ [3] ابن اثیر جلد ۲ صفحہ ۳۱
[4] ایضاً [5] تاریخ الخلفاء صفحہ ۱۹ ۔

غل رکھتا۔ گانے سے بھی دل چسپی تھی ۔

نظامِ مملکت امورِ سلطنت میں وہ انہماک کے ساتھ مشغول رہتا تھا۔ ربیع حاجب کو حکم دیا کہ میرے پاس صاحب حاجت جب کبھی آئے اس کو نہ روکا جائے۔ کیونکہ امیر کا پسِ پردہ بیٹھنا حکومت اور رعایا دونوں کے لئے مضر ہے ۔

رعایا نوازی ہادی رعایا کی بھی خبر گیری میں مہدی کے نقشِ قدم پر تھا۔ اس نے ربیع کو یہ بھی حکم دے رکھا تھا کہ میرے سامنے کوئی معاملہ غلط پیش نہ ہو ورنہ رعایا اور حکمران دونوں کے لئے ضرر رساں ہے[1] سب سے پہلے سوار اسی کی رکاب میں برہنہ شمشیر لے کر چلتے تھے۔ آلاتِ حراب کی فراوانی تھی۔ سوا ہادی کے کسی خلیفہ نے مابین جرجان و بغداد ڈاک نہیں ہٹائی ۔[2]

اقتدار ملکہ خیزران ہادی کے آغازِ حکمرانی میں حکومت کی نگران ملکہ خیزران تھی۔ اس کو یہ بات بہت کھٹکی ۔ ایک دن ماں کو سختی سے منع کیا کہ امراء آپ سے مشورہ کرنے نہ آئیں ورنہ قتل کر دیئے جائیں گے ۔

شعر و شاعری ہادی فصیح و بلیغ اور ادیب تھا۔ کبھی کبھی شعر بھی کہہ لیا کرتا تھا چنانچہ اُس نے ذیل کے اشعار جبکہ ہارون نے اس کے لڑکے جعفر کی بیعت سے انکار کیا تھا کہے تھے جو مشہور ہیں[3]

نصحت لهارون فرد نصیحتی	"میں نے ہارون کو نصیحت کی مگر اس نے قبول نہ کیا
وکل امرء لا یقبل النصح نادم	اور جو نصیحت نہیں قبول کرتا وہ نادم ہوتا ہے۔
وادعوه للامر المؤلف بیننا	میں ایسی باتیں کہتا ہوں جو ارتباط کا سبب ہیں اور
فیبعد عنه وهو فی ذالك ظالم	وہ اس سے دُور بھاگتا ہے اور اس بارہ میں وہ ظالم ہے
ولولا انتظاری منه یوما الی غدٍ	اگر مجھے امروز فردا کا انتظار نہ ہوتا تو چار ناچار میری
لعاد الی ماقلته وهو راغم[3]	بات اس کو ماننا ہی پڑتی ۔"

[1] ... صفحہ ۵۸۵ [2] تاریخ الخلفاء صفحہ ۱۹۰، ۱۹۴ [3] ایضاً ص ۱۹۴ ۔

صلہ گستری ہادی ایک دن دربار میں بیٹھا تھا۔ مروان بن ابو حفصہ نے ایک قصیدہ جو ہادی کی تعریف میں تھا اس کے سامنے پیش کیا جس وقت حفصہ اس شعر پر پہنچا ؎

تشابه یوما باسه و نواله — "میں نے ایک دن اسکی بہادری اور اس کی بخشش کی
فما احد یدری لا یهما المفضل — تشبیہ دی تو کوئی نہ کہہ سکا کہ کس کو ترجیح دی جائے"

ہادی نے سن کر کہا تو انعام لینے میں کس بات کو ترجیح دیتا ہے تیس ہزار فوراً وصول پالینے کو یا ایک لاکھ کے لئے خزانہ سے حکم پانے اور پھر وصول کرتے پھرنے کو، مروان نے کہا تیس ہزار فوری اور ایک لاکھ خزانے سے وصول کرنے کو؟ خلیفہ نے ہنس کر کہا اچھا تجھ کو دونوں رقمیں فوراً مل جائیں گی چنانچہ اس کو اسی وقت ایک لاکھ تیس ہزار دیدیئے گئے۔

اوصاف ہادی تمام اوصافِ جہانبانی سے متصف تھا۔ خانگی صحبتوں میں بے تکلف، مگر دربار میں آتے ہی اس میں تغیر پیدا ہوجاتا اور ایک جری، سخت گیر اور عزم وہمت کا حکمراں نظر آنے لگتا۔

ابن طقطقی لکھتا ہے :-

"ہادی بیدار مغز، غیور، فیاض، بہادر، مجتمع الخواس فرمانروا تھا"[1]

فیاضی فیاضی میں اپنے باپ کے مثل تھا۔ طبری اور خطیب نے اس کی فیاضی کے بہت سے واقعات اپنی تاریخوں میں درج کئے ہیں۔

ملحدوں کا دشمن ملحدوں اور زندیقوں کا سخت دشمن اور بانی مذہب کے مٹانے میں اس کی سعیِ بلیغ تھی۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت وعقیدت سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے خاص عقیدت ومحبت تھی۔ ایک مرتبہ

---

[1] الفخری ص ۱۷۱ [2] طبری جلد ۱۰ صفحہ ۵۰۸۔

ابوالخطاب سعدی شاعر مدحیہ قصیدہ کہہ کر لایا جب یہ شعر سُنا ؎

یا خیر من عقدت کفاہ حجزتہ	"اے تمام دنیا کے لوگوں میں بہترین آدمی اور تمام ان
وخیر من قلدتہا امرھا مضر	لوگوں میں بہتر جو مالک حکم ہوئے ہیں اور قبیلہ مضر نے عنان حکومت ان کو سونپی ہے۔"

تو ہادی نے فوراً ٹوکا کیونکہ اس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا بھی استثنا نہ تھا۔ ابوالخطاب سمجھ گیا اور برجستہ یہ شعر اس طرح پڑھا ؎

الا النبی رسول اللہ انت لہ	"مگر سوائے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے کیونکہ تمام
فضلا وانت بذاک المفضل تفتخر[1]	بہتری اُن پر ختم ہو گئی ہے اور تجھے آپ کی امت میں ہونے کا فخر ہے۔"

ہادی نے کہا کہ ہاں تو نے صحیح کہا اور بہت اچھا کہا۔ پھر اس کو پچاس ہزار درہم دینے کا حکم دیا۔

ہادی کی حریفانہ مساعی

مہدی اواخر عمر میں ہارون سے زیادہ محبت کرنے لگا تھا۔ اس وجہ سے ہادی کو ہارون سے عناد پیدا ہو گیا۔ چنانچہ اس نے تختِ خلافت پر قدم رکھتے ہی اپنے باپ کی وصیت کے خلاف ہارون کو محروم کر کے اپنے بیٹے جعفر کو ولی عہد مقرر کرنا چاہا۔ یزید بن مزید، علی بن عیسیٰ اور عبداللہ بن ملک ہادی کی رائے کے مؤید تھے۔ البتہ یحییٰ بن خالد برمکی جو ہارون کا مدارالمہام تھا وہ ہادی کے خیالات کی اصلاح کرتا۔ مگر یزید وغیرہ اکساتے رہتے۔

ادھر ہادی ہارون کے پیچھے پڑ گیا کہ وہ جعفر کے حق میں خلافت کی ولی عہدی سے دستبردار ہو جائے۔ یحییٰ بن خالد نے ہارون سے کہا کہ تم شکار کی اجازت لے کر دارالخلافہ سے کنارہ کش ہو جاؤ۔ اس بنا پر ہادی نے یحییٰ کو قید کر دیا۔

---

[1] تاریخ الخلفاء صفحہ ۱۹۵ ؎

ہادی کی موت اس واقعہ کے بعد ہادی بلادِ موصل کی طرف چلا گیا۔ اتفاق وقت سے بیمار پڑا اور لوٹ آیا اور اسی حالت میں ہارون کو ہرثمہ کے ہاتھوں ختم کرانا چاہا۔ خیزران کو پتہ چل گیا۔ وہ بد دعا کرنے لگی پچھلی رات کو جاگا تو شدت سے کھانسی آئی۔ گلے میں پھندا پڑ گیا اور دم فنا ہو گیا[1]۔ خیزران نے ہرثمہ کو بلا کر کہا کہ ہادی چل بسا تم یحییٰ کو قید سے رہا کر دو۔ وہ فوراً ہارون کو مطلع کرے۔ چنانچہ یحییٰ جیل سے سیدھا ہارون کی خوابگاہ میں گیا وہ سو رہا تھا اس کو جگا کر مژدۂ خلافت سنایا۔ ہارون ہادی کے بالیں پر گیا۔ اُس کو مُردہ پایا۔ تجہیز و تکفین کر کے نمازِ جنازہ پڑھائی اور دفن کر دیا۔

ہادی نے نو اولادیں چھوڑیں۔

جعفرؒ۔ عباسؒ۔ عبداللہؒ۔ اسحاقؒ۔ اسمٰعیلؒ۔ سلیمانؒ۔ موسیٰؒ۔

اور دو لڑکیاں اُمِّ عنی و اُمِّ عباسؒ۔

ہادی کی وفات کا دن ۱۴ ربیع الاول ۱۷۰ھ تھا۔ اس کی عمر ۲۲ سال کی تھی۔ یہ واقعہ عیسیٰ آباد میں ہُوا۔ اس کی خلافت ایک سال دو مہینے بائیس دن رہی[2]۔

---

[1] ابن خلدون جلد ششم کتاب ثانی صفحہ ۲۵۵۔

[2] تاریخ کامل ابن اثیر جلد ۶ صفحہ ۴۱ و البدایۃ والنہایۃ جزء عاشر صفحہ ۱۶۰۔

شہنشاہِ اعظم ابوجعفر ہارون الرشید

نام و نسب ہارون رشید ابن خلیفہ مہدی محمد بن خلیفہ منصور عبداللہ بن امام محمد عباسی ہاشمی ۔

ولادت آخری ذی الحجہ ۱۴۵ھ ، ۷۶۳ء میں بمقام "رے" یہ نامور خلیفہ پیدا ہوا ۔ ان دنوں مہدی یہاں کا والی تھا ۔ والدہ کا نام "خیزران" ام ولد تھی جو اپنے وقت کی ملکہ دوران تھی ۔

تعلیم و تربیت ہارون الرشید کا دادا خلیفہ منصور زندہ تھا اس وجہ سے تعلیم و تربیت کا خاص اہتمام کیا گیا تھا ۔ ہر فن کے مجتہدین جُدا جُدا ہارون کو پڑھاتے تھے ۔ اتالیق یحییٰ بن خالد برمکی تھا ۔ رشید کو علمی ذوق و شوق بچپن سے تھا ۔ ہارون الرشید نے اپنے باپ دادا اور شیخ الحدیث مبارک بن فضالہ سے حدیث کی روایت کی ۔ اور اس سے مامون الرشید[1] وغیرہ نے کی ۔

علامہ سیوطیؒ نے قاضی فاضل سے ایک جگہ نقل کیا ہے کہ آج تک کسی بادشاہ نے حصولِ علم کے لئے سوائے خلیفہ ہارون الرشید کے سفر اختیار نہیں کیا ۔ چنانچہ یہی خلیفہ ہے جو امام مالک کی خدمت میں مؤطا پڑھنے کے لئے حاضر ہوا ۔ ہارون کو علم الحدیث سے دلی لگاؤ تھا ۔ صرف و نحو ، لغت ، ادب اور تمام فنون میں جو عربیت کے عناصر میں سے ہیں درک حاصل کیا ۔ اس کی طبیعت نہایت موزوں واقع ہوئی تھی ۔ اغانی ، عقد الفرید وغیرہ علم و ادب کی کتابیں اس کے

---

[1] تاریخ الخلفاء صفحہ ۱۹۸ ۔

فصیح و بلیغ خطبات اور حکیمانہ اقوال اور دلکش اشعار سے مالا مال ہیں۔

شاعری فنِ شاعری میں اس کو کامل دستگاہ تھی۔ فصاحت و بلاغت کے متعلق وہ شعرا کی غلطیاں بتادیا کرتا تھا مگر خود شعر بہت کم کہتا تھا۔

ولی عہدی مہدی عباسی نے ۱۶۶ھ میں یہ فیصلہ کیا تھا کہ ہادی کے بعد رشید تاج و تخت کا مالک ہوگا۔

ہارون الرشید کی خلافت

چنانچہ ہادی کے انتقال کے بعد شنبہ کی رات سولھویں تاریخ ربیع الاول ۱۷۰ھ مطابق ۳۰ ستمبر ۷۸۶ء میں بڑی دھوم دھام سے بمقام عیسیٰ آباد (۲۲ برس کی عمر میں) ہارون الرشید تختِ خلافت پر جلوس فرما ہوا[1] اس رات کا یہ واقعہ بھی عجیب ہے کہ ایک خلیفہ نے وفات پائی۔ دوسرا مسندِ خلافت پر بیٹھا اور تیسرا وارثِ تاج و تخت (مامون الرشید)[2] پیدا ہوا۔ اور اسی شب میں عزیمہ بن خازم نے جعفر بن ہادی کو گرفتار کیا۔

جعفر جو اس باختہ ہو کر خوابِ غفلت سے چونک پڑا۔ تب عزیمہ نے کہا کہ اگر تم علی رؤس الاشہاد اپنی خلافت سے باز دعویٰ داخل کر کے ہارون الرشید کی خلافت کو تسلیم نہ کروگے تو علی الصبح قتل کر دیئے جاؤگے۔ چنانچہ تلوار کے ڈر اور جان کے خوف سے جعفر نے دعویٰ خلافت سے ہاتھ اٹھایا اور صبح کو مجمع عام میں ہارون سے بیعت کی۔ جن لوگوں نے پیشتر ہادی کے دباؤ سے جعفر کی بیعت کی تھی انہوں نے بھی سبکدوشی حاصل کی اور بلا شرکت غیرے ہارون الرشید عباسی دنیائے اسلام کے مستقل خلیفہ قرار پائے۔ چنانچہ خلیفہ نے عنانِ سلطنت اپنے ہاتھ میں لے کر کل سفید و سیاہ کا مالک

---

[1] البدایہ والنہایہ الجزء العاشر صفحہ ۱۶۰ [2] تاریخ بغداد صفحہ ۶۔

یحییٰ برمکی کو کر دیا۔ یہ اس کی کارگزاریوں کا صلہ تھا جو حصولِ خلافت کے لئے بمقابلہ ہادی کے کی گئی تھیں۔

خلیفہ ہارون بلا مشورہ اپنی والدہ خیزران اور یحییٰ برمکی کے کوئی کام امورِ سلطنت کا انجام نہ دیتے۔ اس سال کے تاریخی واقعات میں امین الرشید و مامون الرشید کی ولادت اور افریقہ مدینہ منورہ کے والیوں کی تبدیلی کے سوا اور کوئی خاص بات نہیں ہوئی۔ یعنی یزید بن حاتم مہلبی کے فوت ہو جانے کے سبب افریقہ میں اس کا بیٹا داؤد مقرر کیا گیا اور مدینہ کا والی عمرو بن عبدالعزیز العمری معزول کیا گیا اور بجائے اس کے اسحاق بن سلیمان عباسی مقرر ہوا۔

۱۷۱ھ / ۷۸۷ء سے ۱۷۴ھ / ۷۹۰ء تک خراسان، موصل، سندھ کے حکام کا انتظاماً تبادلہ کیا گیا جس میں سوائے معمولی نظم و نسق کے اور کوئی بات نہ تھی۔ البتہ ۱۷۶ھ / ۷۹۲ء میں عبداللہ بن الحسن علوی کے خروج کی وجہ سے بعض والیوں کے خیالات بھی بگڑ چلے تھے۔ اس لئے ہارون الرشید نے تمام صوبوں پر ایک خاص نظر ڈالی اور جس کی نسبت شبہ ہوا وہ علیحدہ کر دیا گیا۔ چنانچہ موسیٰ بن عیسیٰ والی مصر کی نسبت دارالخلافہ میں یہ خبریں پہنچ رہی تھیں کہ وہ خلیفہ کا دشمن ہے اور انقلابِ حکومت پسند کرتا ہے۔ اس لئے غصہ ہو کر خلیفہ نے یہ قسم کھائی کہ بجائے موسیٰ کے مصر کی حکومت ایسے شخص کو دوں گا جو نہایت ہی ذلیل اور ادنیٰ درجے کا ہو گا اور وزیر برمکی کو حکم دیا کہ اس خدمت کے لئے کوئی شخص تجویز کیا جائے۔ چنانچہ وزیرالسلطنت نے عمرو بن مہران کو پیش کیا۔ یہ شخص نہایت بدشکل اور عجیب الخلقت تھا اور اس کی آنکھیں بھینگی (احول) تھیں، شکل و صورت کے ساتھ لباس بھی نئے رنگ ڈھنگ کا پہنتا تھا۔ جس قسم کا امیدوار خلیفہ کو منظور تھا چونکہ یہ شخص ٹھیک ویسا ہی تھا اس لئے عطاءِ سند کے لئے دربارِ عام میں بلایا گیا۔ جب خلیفہ نے حکومت مصر کا مژدہ سنایا تو اس نے یہ شرط پیش کی کہ "جس وقت میں مصر کے انتظام سے فارغ ہو جاؤں تو واپسی کے لئے

دربارِ خلافت سے اجازت کی ضرورت نہ رہے بلکہ جب میرا دل چاہے چلا آؤں"۔ خلیفہ نے یہ شرط منظور کر لی اور قاعدے کے موافق اس کو رخصت کر دیا۔

کامل ابن الاثیر کی روایت ہے کہ جب یہ حضرت دارالامارت مصر میں پہنچے۔ اس وقت موسیٰ کا دربار لگا ہُوا تھا۔ اربابِ حاجت عرض و معروض میں مصروف تھے جب رخصت ہو گئے تو اخیر میں اُن کی باری آئی موسیٰ نے سائل سمجھ کر پوچھا کہ کیا چاہتے ہو؟ جواب دیا کہ مصر کی حکومت۔ موسیٰ حیران رہ گیا وہ کبھی سائل کو دیکھتا تھا اور کبھی اس کی درخواست پر غور کرتا تھا کہ عمر بن مہران نے امیرالمومنین کا دستخطی مہری پروانہ نکال کر سامنے رکھ دیا۔ موسیٰ نے مضمون پڑھ کر پوچھا کہ "جناب ابوحفص (خدا اُن کو زندہ رکھے) تشریف لاتے ہیں"۔ انہوں نے جواب دیا کہ ابوحفص میری کنیت ہے۔ لیکن موسیٰ کو باوجود ملاحظۂ پروانہ کے ابوحفص کی بات کا یقین نہ آیا اور اسی حیرانی میں سرنگوں تھا۔ آخر مجبوراً یہ فقرہ کہہ کر اُٹھ کھڑا ہُوا:

لعن اللہ فرعون حیث قَالَ اَلَیْسَ لِیْ مُلْكُ مِصْرَ ۔

"یعنی فرعون پر خدا کی لعنت ہو وہ اسی ملک مصر کے غرور پر خدائی کا دعویٰ کرتا تھا اور کہتا تھا کہ کیا میں مصر کا مالک نہیں ہوں"۔

مصر کے انتظام کے بعد ۱۷۶ھ ۷۹۲ء سے ۱۸۱ھ تک افریقہ اور خراسان کے والیوں کے تبادلے ہوتے رہے اور ۱۸۲ھ سے ہارون الرشید کے انتقال تک بہت زیادہ ردّوبدل نہیں ہُوا۔ تمام سلطنت کے مشہور صوبوں کے گورنروں کی فہرست ہم ذیل میں درج کرتے ہیں۔

والیان صُوبہ جات

مکہ معظمہ | عباس بن محمد سلیمان بن جعفر۔ موسیٰ بن علیٰی بن عبداللہ بن محمد قسثمی۔ عبداللہ بن محمد عمرانی۔ عبیداللہ بن محمد عباس۔ علی بن موسیٰ۔

عثمانی، فضل بن عباس، احمد بن اسمٰعیل۔

مدینہ منوّرہ	اسحاق بن علی۔ عبدالملک بن صالح۔ محمد بن عبداللہ۔ موسیٰ بن عیسیٰ ابراہیم بن محمد۔ محمد بن ابراہیم۔ عبداللہ بن مصعب بکار بن عبداللہ مصعب۔ محمد بن علی ذہب بن منبہ۔
کوفہ	موسیٰ بن عیسیٰ۔ محمد بن ابراہیم۔ یعقوب بن ابوجعفر عباس بن عیسیٰ۔ اسحاق بن الصباح الکندی۔ جعفر بن ابوجعفر۔
بصرہ	محمد بن سلیمان۔ سلیمان بن جعفر۔ عیسیٰ بن جعفر۔ حزیمہ بن خازم۔ جریر بن یزید جعفر بن سلیمان۔ جعفر بن جعفر۔ عبدالصمد بن علی۔ مالک بن الخزائی اسحاق بن سلیمان۔ سلیمان بن جعفر۔ اسحاق بن عیسیٰ۔
خراسان	ابوالفضل بن سلیمان طوسی۔ جعفر بن محمد الاشعث۔ عباس بن جعفر۔ عطریف بن عطاب سلیمان بن راشد۔ علی الخراج حمزہ بن مالک۔ فضل بن یحییٰ برمکی۔ منصور بن یزید جعفر بن یحییٰ برمکی۔
افریقہ	روح بن حاتم مہلبی۔ یزید بن حاتم۔ داؤد بن یزید فضل بن روح۔ ہرثمہ ابن عین۔ محمد مقاتل بن حکم۔ ابراہیم بن اغلب۔ عبداللہ بن ابراہیم بن اغلب[1]۔
سندھ	اسحاق بن سلمان فارس۔ محمد بن سلمان بن علی۔

امین و مامون کی ولی عہدی

امین الرشید کی ولی عہدی زبیدہ خاتون اور فضل برمکی اور عیسیٰ بن جعفر (امین کا ماموں) کی کوششوں سے ۱۷۵ھ/۷۹۱ء میں ہو چکی تھی۔ لیکن چونکہ امین کی

---

[1] ابن خلدون ص۔ جلد ہفتم کتاب ثانی۔ ایضاً۔

طبیعت عیش پسند واقع ہوئی تھی۔ اس لئے ہارون الرشید ہر موقع پر مامون کو ترجیح دیتا تھا اور اس کا میلانِ طبع یہی تھا کہ وہی خلافت کا مستقل مالک ہو اس لئے بمقام رقہ بماہ محرم یوم پنجشنبہ ۱۸۲ھ مطابق ۲۲ فروری ۷۹۸ء مامون کی ولی عہدی پر لوگوں سے بیعت لی اور اس کو صوبۂ خراسان و ہمدان کا والی مقرر کر دیا۔ تاہم عمائد بنی ہاشم اور ارکانِ فوج کے خوف سے جو امین کے طرفدار تھے ۱۸۶ھ، ۸۰۲ء میں ہارون الرشید نے بمقام مکہ معظمہ دونوں شہزادوں سے جدا جدا معاہدے لکھوائے اور خانہ کعبہ کے اندر جا کر خاص طور پر فہمائش کی۔ صاحب روضۃ الصفا نے لکھا ہے کہ اس تقسیم کی رُو سے جو ممالک مامون الرشید کو ملے ان میں کرمان شاہ، نہاوند، قم، کاشان، اصفہان، فارس، کرمان، رے، قومس، طبرستان، خراسان، زابل، کابل، ہندوستان، ماوراء النہر اور ترکستان داخل تھے۔

امین کو بغداد، واسط، بصرہ، کوفہ، شامات، سوادِ عراق، موصل، جزیرۂ حجاز، مصر اور مغرب کی انتہائے حدود تک کی حکومت ملی اور دستاویزات بعد تکمیل کے حرم کعبہ میں آویزاں کر دی گئیں۔ اس کے بعد ۱۸۷ھ، ۸۰۳ء میں اپنے تیسرے بیٹے قاسم (موتمن) کو جزیرہ تعوزہ عواصم کی حکومت دی اور مامون الرشید کو اختیار دیا کہ اگر قاسم لائق ثابت نہ ہو تو وہ اس کو معزول کر سکتا ہے۔ لیکن چوتھے بیٹے معتصم کو خلافت سے اس بنیاد پر محروم رکھا کہ وہ جاہل ہے۔ مگر یہ بھی خدا کی قدرت ہے کہ زوالِ سلطنتِ عباسیہ تک معتصم کی اولاد میں خلافت و سلطنت باقی رہی۔ ہارون الرشید نے بنظر رفع خانہ جنگی اپنے بیٹوں میں سلطنت کو تقسیم کر دیا تھا۔ علامہ سیوطیؒ لکھتے ہیں کہ یہی تقسیم گویا خانہ جنگی کی بنیاد تھی جیسا کہ ہارون الرشید کے انتقال کے بعد واقعات پیش آئے۔

ملکی بغاوتیں خلیفہ ہارون الرشید کے عہد میں جو بغاوتیں ہوئیں وہ عُمال کی بدعنوانیوں سے رعایا کی ناراضی کا ثمرہ یا سادات کرام

(علویین) کی ادعائے خلافت کا نتیجہ تھا۔ چنانچہ منصور عباسی کے زمانے میں محمد بن عبداللہ بن حسن نے جو سیدنا امام حسنؓ کے پرپوتے تھے، علمائے مدینہ کے فتویٰ کے موافق خروج کیا تھا اور بہت خون ریزی کے بعد وہ شہید ہوئے تھے اور اُن کے بھائی یحییٰ بن عبداللہ اس زمانے سے روپوش ہو گئے تھے۔ لیکن ۱۷۶ھ میں جب اُن کی طرف رجوعات زیادہ ہو گئی تھی تو اُنھوں نے دیلم میں ظہور کیا اور شان و شکوہ سے خلیفہ کے مقابلہ کو اُٹھے لیکن فضل برمکی کی حکمت عملی نے فوراً اس ہنگامہ کو دبا دیا۔ یحییٰ ہارون کے پاس چلے آئے اور معاہدہ لکھا گیا۔ اس کے بعد سادات نے پھر کبھی سر نہیں اُٹھایا۔

فتنۂ خوارج البتہ اسی سال دمشق (شام) میں فساد کی زبردست آگ مشتعل ہوئی جس میں طرفین کے ہزاروں آدمی کام آ گئے۔

اس فتنہ کا بانی ابوالہذام تھا جس کا اصلی نام ماموں عمارہ تھا۔ اس کا سبب یہ ہُوا کہ خلیفہ کے ایک عامل نے سجستان میں اس کے بھائی کو مار ڈالا تھا۔ اس نے وہاں تو کچھ نہیں کیا لیکن شام میں آ کر جمعیت بہم پہنچائی اور پوری قوت کے ساتھ مقابلہ کو اُٹھا۔ آخر اس درجہ سخت لڑائیاں ہوئیں کہ کتنے ہی قبائلِ عرب فنا ہو گئے اور یہ فساد اس وقت تک نہیں مٹا جب تک ابوالہذام ۱۸۲ھ، ۷۹۸ء میں مر نہیں گیا۔

اس کے بعد موصل، مصر، ماوراء النہر وغیرہ میں عمّال کی جانب سے جو بغاوتیں ہوئیں وہ قابلِ ذکر نہیں ہیں۔ کیونکہ یہ سب جھگڑے بہت جلد رفع کر دیئے اور تھے بھی ایسے معمولی کہ جن کا کوئی اثر سلطنت پر نہیں پڑا۔

فتوحات خلیفہ ہارون الرشید ان اولوالعزم خلفاء میں سے ہے جس کے ایک ہاتھ میں قلم اور دوسرے میں تلوار تھی۔ لیکن قلم کا پلہ بھاری تھا۔ اس لئے اگر ہم ممالکِ مفتوحہ کی طولانی فہرست نہ لکھ سکیں تو کوئی تعجب نہ ہونا چاہیئے۔ تاہم ۲۳ برس کی حکومت میں باوجود سادات اور

عُمال کی فتنہ پردازیوں کے فتوحات میں ہارون مہدی سے کم نہیں ہے۔ جنگ و جہاد کا شوق اس خلیفہ میں پیدائشی تھا۔ چنانچہ شہزادگی کے زمانے میں بماہ جمادی الثانی ۱۶۵ھ میں دس ہزار کی جمعیت سے روم پر فوج کشی کی اور پے در پے فتحیں حاصل کرتا ہوا خلیج قسطنطنیہ تک پہنچ گیا۔ وہاں اس قدر مالِ غنیمت ہاتھ آیا کہ ایک ایک گھوڑا ادرہم (چار آنہ) کو بِک گیا اور ملکہ ایرینی نے ستر ہزار دینار سالانہ خراج تسلیم کر کے صُلح کر لی۔ اس لڑائی میں ۵۴ ہزار رومی قتل ہُوئے۔ یہ جب تخت نشین ہُوا تو قلعہ صفصاف قلعہ صقلیہ (سسلی) قلعہ قلقونیہ اور شہر دلسہ فتح کیا۔ یونان پر کئی مرتبہ حملہ آور ہُوا اور آخراس کو باجگذار بنا لیا۔ قبرص فتح کیا۔ پھر اس کو منہدم کر کے آگ لگادی اور سولہ ہزار آدمی گرفتار کر لایا۔ غرضیکہ ملکی حدود اس قدر وسیع کر دیئے کہ دولتِ عباسیہ میں کبھی نہیں ہُوئے تھے۔

ہارون الرشید کے کل فوجی کارنامے تفصیل سے دکھانا تو مشکل ہے لیکن اہلِ روما کے ساتھ جو واقعات پیش آئے وہ مختصراً لکھے جاتے ہیں جن میں ہارون خود سپہ سالار بن کر گیا تھا۔ چنانچہ ۱۸۷ھ، ۸۱۲ء کا واقعہ ہے کہ جب ایرینی فرمانروائے روم نے سرکشی کی تو قاسم کی ماتحتی میں روم پر فوج کشی ہوئی اور شہزادے نے قلعہ مستان کا محاصرہ کر لیا۔ اس وقت ملکہ نے تابِ مقابلہ نہ دیکھ کر ادائے خراج پر صلح کر لی۔ لیکن اس کی معزولی کے چند مہینے بعد نقفور (نیکعورس یا نائسفورس) تخت نشین ہُوا تو اُس نے ادائے خراج سے انکار کیا اور ارکانِ سلطنت کے مشورے سے ہارون الرشید کو یہ خط لکھا کہ

> "ملکہ سابق نے جو کچھ کیا تھا وہ اس کی کمزوری اور حماقت تھی، اب میں تخت نشین ہُوا ہوں اس لئے لکھتا ہوں کہ جس قدر خراج اب تک سلطنت روم سے وصول کیا ہے وہ فوراً واپس کر دو ورنہ بذریعہ تلوار فیصلہ کیا جائے گا۔"

نقفور کی گستاخانہ تحریر پڑھتے ہی ہارون الرشید آپے سے باہر ہو گیا اور اس

کا چہرہ غصہ سے آگ ہو گیا۔ امراء اور وزراء کے حواس جاتے رہے۔ کسی میں آنکھ اٹھا کر دیکھنے کی بھی مجال نہ تھی چہ جائیکہ کوئی گفتگو کر سکتا۔ اس لئے خط کی پشت پر خود ہی اپنے قلم سے یہ الفاظ لکھے۔

من هارون امیر المومنین الی نقفور کلب الروم قد قرأت کتابك یا ابن الکافرة والجواب ماتراه دون ما تسمعه۔

"یعنی یہ خط امیر المومنین ہارون رشید کی طرف سے نقفور (سگِ رومی) کے نام ہے۔ اے کافر کی اولاد میں نے تیرا خط پڑھا اس کا جواب تو نہ سنے گا بلکہ آنکھوں سے دیکھ لے گا۔"

ہارون نے اسی وقت فوج کی تیاری کا حکم دے دیا اور اس تیزی سے اس پر جا پڑا کہ "نقفور" حیرت زدہ رہ گیا۔ جب پائے تخت "ہرکیلی" تباہ ہو گیا اور رومی فوج بہت کچھ تلوار کے گھاٹ اتر چکی تب نقفور نے معافی مانگی اور شرائط سابق پر صلح کر لی۔ ہارون کے بغداد لوٹنے پر نقفور نے معاہدہ توڑ ڈالا۔ یہ خبر بغداد پہنچی تو عبداللہ بن یوسف اور ابوالعتاہیہ نے چند شعروں میں اس واقعہ کا ذکر کیا اور ہارون کے سامنے پیش کئے۔ ہارون نے اس مرتبہ ایک لاکھ پینتیس ہزار فوج سے (رضا کار اس کے علاوہ تھے) دارالسلطنت پر حملہ بول دیا۔ ایشیائے کوچک فوج کی یلغار سے پامال ہو گیا۔ ابراہیم بن جبریل نے ۱۹۰ھ میں حملہ کیا "مینسی فور" مقابلہ پر آیا اور شکست کھائی۔ اس کے چالیس ہزار آدمی مارے گئے۔ سرحد روم کے مشہور قلعے فتح ہو گئے۔

داؤد بن عیسٰی اور شرجیل بن معن اور یزید بن مخلد حمید بن معیوف نے حصن صقالیہ، دلسہ صفاف مغلونیہ، سواحل شام وغیرہ پر دادِ شجاعت دی۔ رومیوں کو سخت نقصان اٹھانا پڑا اور ستر ہزار رومی قید کئے گئے۔ خود ہارون الرشید طوانہ کی طرف روانہ ہوا۔ "مینسی فور" گھبرا گیا اور جزیہ و خراج دے کر صلح کرنے پر مجبور ہو گیا۔ تو نیا ناطولیہ بھی

قبضہ و تصرف میں آیا۔[1]

ہارون نے سواحلِ شام پر چھاؤنیاں قائم کیں۔ قلعے بنوائے اور طرطوس عین زربہ اور ہارونیہ بسایا اور مصیصہ کو از سرِ نو مستحکم کیا۔ وہاں مسلمان آباد کئے اور دلبہ کے خطرناک لوگوں کو جلاوطن کیا۔[2]

وقائع

سنہ ۱۷۰ھ میں ہارون تختِ خلافت پر بیٹھا۔

سنہ ۱۷۱ھ میں عزل و نصب عمال

سنہ ۱۷۳ھ میں شہر دبسہ امیر عبدالرحمٰن بن صالح کے ہاتھ پر فتح ہُوا۔

سنہ ۱۸۰ھ میں سخت زلزلہ آیا جس سے اسکندریہ کے منارے گر پڑے۔

سنہ ۱۸۱ھ میں قلعہ صفصاف خود امیر المومنین کے ہاتھ پر فتح ہُوا۔

سنہ ۱۸۳ھ میں ملک آرمینہ میں غدر ہو گیا جہاں مسلمان ایک لاکھ قتل ہُوئے۔

سنہ ۱۸۹ھ میں اہلِ روم نے مسلمانوں کو اپنے علاقہ سے نکالا۔

سنہ ۱۹۰ھ میں ہرقلعہ (اس کا ذکر آچکا ہے) فتح ہُوا۔ یزید بن محمد نے قونیہ فتح کیا اور حمید بن معیوف قبرص پہنچا اس کو تباہ کیا اور سولہ ہزار آدمیوں کو گرفتار کر لایا۔

وُسعتِ سلطنت

ہارون الرشید کی وسعتِ سلطنت کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ وہ جس ملک کا فرمانروا تھا اُس کی حدیں ہند اور تاتار سے بحرِ اوقیانوس تک پھیلی ہوئی تھیں۔ سوائے اندلس کے اور کل اسلامی دُنیا ہارون کی تابع فرمان تھی۔ یورپ

---

[1] ابن اثیر جلد ۶ صـ ۶۴ [2] فتوح البلدان صـ ۱۷۱

جس پر ناز کر سکتا تھا وہ صرف روم و یونان کا ملک تھا اور یہ دونوں حکومتیں سلطنت عباسیہ کی باجگزار تھیں۔

خراج کل ملک کا سالانہ خراج سات ہزار پانچ سو قنطار تھا۔ ایک قنطار ۸۴۰۰ دینار اور ایک دینار پانچ روپے یعنی آجکل کے حساب سے اکتیس کروڑ پچیس لاکھ روپے تھا۔ بادی النظر میں یہ خراج روپے میں ایک پائی کے برابر نہیں معلوم ہوتا اور نہ اس خراج سے وسعت سلطنت کا اندازہ ہو سکتا ہے۔ لیکن یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ اس وقت خراج کے اصول بالکل اسلامی تھے اور جن عمارات کی آمدنی سے آج شاہوں کے خزانے پر ہیں اس وقت ان کا نام و نشان بھی نہ تھا۔

عسکری قوت فوج کی تعداد تقریباً دو لاکھ سوار و پیادہ کے تھی۔ گو یہ تعداد کم معلوم ہوتی ہے مگر انتظام سلطنت کے واسطے کافی تھی۔ کیونکہ اس عہد کا ہر مسلمان پیدائشی سپاہی تھا اور ضرورت کے وقت تمام ملک اُمنڈ آتا تھا جن کو صرف سواری اور ہتھیار حکومت سے دیئے جاتے تھے۔ سوار کی تنخواہ پچیس روپے اور پیادہ کے دس روپے ہوتے تھے۔ افسروں کی تنخواہ بھی کچھ زیادہ نہ تھی اور سپہ سالاری کا کام جنگ کے وقت قسمت یا صوبے کے افسر وزیر اعظم، قاضی القضاۃ اور خلیفہ کے بیٹے کر لیا کرتے تھے۔

"ہارون کے زمانہ میں وزراء نے بھی امیر العسکر کے فرائض انجام دیئے یحییٰ برمکی اور فضل برمکی کے واقعات بیشتر آچکے ہیں۔"

فوجیوں سے سلوک امیر العسکر فوج کے ساتھ نہایت رواداری اور محبت کا سلوک کرتا تھا۔ مگر اس کے ساتھ اس بات کا لحاظ رکھتا تھا کہ کوئی فوجی مفتوحہ ممالک کے کسی فرد سے بدسلوکی سے پیش نہ آئے۔ اگر کسی شخص سے کوئی حرکت سرزد ہو جاتی تو اس کو سخت سزا دیتا۔

فوجیوں کو شراب پینے کی سخت ممانعت تھی اور جنرل ان کی اخلاقی زندگی سنوارنے کی حتی الامکان کوشش کرتا تھا ۔

"سپاہی کے لیئے یہ طے تھا کہ چار ماہ سے زیادہ اپنے اہل وعیال سے علیحدہ نہیں رہ سکتا، اس کو رخصت مل جاتی تاکہ وہ اپنے بال بچوں میں جاکر رہے" [1]

جزیہ بنی اُمیہ اور بنی عباس کے فرمانروا جزیہ وصول کرنے میں عام طور پر عدل وانصاف اور نرمی کا برتاؤ روا رکھتے تھے۔ ہارون کے زمانہ میں اور بھی نرمی برتی جانے لگی۔ چنانچہ قاضی القضاۃ (چیف جسٹس) امام ابو یوسف نے ہارون رشید کو خط میں لکھا تھا ۔

"آپ کا فرض ہے کہ ذمیوں سے رواداری برتیں۔ یہ ابن عم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول تھا۔ ان کی ضروریوں سے بے خبر نہ رہتے ان پر جبر وجور اور زیادتی نہ ہونے پاتے۔ جزیہ کے علاوہ ان کا مال نہ لیا جائے" [2]

تحفظ حقوق ذمی ہارون نے ذمیوں کے حقوق کے لئے ایک مستقل محکمہ قائم کیا تھا ۔ [3]

بغداد

"عروس البلاد"

ہارون الرشید کے عہد میں بغداد عروس البلاد بن گیا تھا - ۱۲ میل طولاً اور ۳ میل عرضاً مسلسل آبادی تھی - دس لاکھ مردم شماری تھی۔ تیس ہزار مسجدیں اور دس ہزار حمام تھے۔ شاہی محلات جو منصور ومہدی کے زمانہ میں بنائے

---

[1] سپرٹ آف اسلام از جسٹس امیر علی [2] کتاب الخراج صفحہ ۱۳۷ [3] سپرٹ آف اسلام صفحہ ۱۵۱ ۔

گئے تھے۔ ہارون نے ان کو اور زیادہ وسعت دی۔ جعفر بن یحییٰ برمکی کا محل شاہی محل سے بھی بلند پایہ تھا جس میں دو کروڑ درہم صرف ہوئے [۱]

امرائے بنی عباس کے بھی محلات اپنی شان و شوکت میں کم پایہ نہ تھے۔ صنعت و حرفت کی ترقی معراج کمال پر تھی۔ صدہا مدارس و مکاتب تھے۔ غرضیکہ دارالخلافہ کی شان و شوکت ظاہر کرنے کے لئے ایک مستقل کتاب کی ضرورت ہے اور اس پر بڑی بڑی کتابیں لکھی بھی گئی ہیں۔

وزارتِ عظمیٰ ہارون الرشید نے یحییٰ بن خالد برمکی کو قلمدانِ وزارت دے کر کل سلطنتِ اسلامیہ کے سیاہ و سفید کا مالک بنایا تھا۔ مہر خلافت بلکہ اپنی مہر خاص بھی اس کے حوالے کر دی تھی [۲] یحییٰ علم و فضل میں یگانۂ روزگار تھا مگر شیعیت سے لگاؤ رکھتا تھا [۳]۔ حکومت کا تمام نظم و نسق یحییٰ کے اشارہ چشم و ابرو سے چلتا تھا۔ ہارون نے یحییٰ کی خدمت کا یہ صلہ دیا مگر مجوس زادہ [۴] نے اس سے ناجائز فائدہ اٹھایا۔ امرائے عرب کو ہٹا کر بڑے بڑے عہدوں پر اپنے اعزا مقرر کر دیئے اور خزانہ کا روپیہ داد و دہش میں صرف کرنے لگا۔ شعراء کے دل و دماغ دولت سے خرید لئے جنہوں نے تعریف و توصیف کے پل باندھے۔ یحییٰ کا نائب فضل بن یحییٰ کو کر دیا۔ یہ ہارون کا رضاعی

---

[۱] طبری جلد ۳ صفحہ ۶۷۳ [۲] البدایہ والنہایہ الجز العاشر [۳] تاریخ بغداد جلد الرابع عشر صفحہ ۱۲۹

[۴] یحییٰ کا باپ خالد برمکی کے بزرگ آتش کدہ نوبہار کے پجاری تھے۔ عہدِ خلافت حضرت عثمان غنیؓ ۳۱ھ میں خراسان فتح ہوا۔ آتش کدہ ویران ہوا پجاری و متولی بھی در بدر پھرنے لگے ۸۶ھ میں عہدِ ولید اموی میں قتیبہ بن مسلم نے خراسان کے مواضعات پر پھر فوج کشی کی۔ مالِ غنیمت میں لونڈیاں آئیں۔ ایک عورت برمک کی تھی وہ عبداللہ بن مسلم برادر قتیبہ

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ ۱۸۷ پر ملاحظہ ہو)

بھائی تھا ذی علم ذی لیاقت۔

ہارون الرشید کی منشاء سے یحییٰ برمکی کا بیٹا جعفر جو بے بدل ادیب اور انشا پرداز اور علوم و فنون کا جامع تھا۔ عہدۂ وزارت پر فائز ہُوا۔ یہ باپ سے زیادہ ہوشیار و چالاک تھا۔ تھوڑے عرصہ میں حکومت کی تمام مشنری پر چھا گیا۔ ہر شعبہ پر اس کا کامل دخل ہو گیا۔ اس کے عہد میں ہارون کی یہ حالت ہو چکی تھی کہ وہ معمولی رقم بھی براہِ راست خزانہ سے نہیں طلب کر سکتا تھا۔ یحییٰ اور فضل و جعفر کی بدولت حکومت کے تمام شعبوں پر خاندانِ برامکہ کے افراد قابض تھے۔ ملک پر ان کی ہیبت اور عظمت کا سکہ بیٹھا ہُوا تھا۔ وہ امید و بیم کے مرکز تھے۔ ان کے سامنے خلیفہ کو کوئی پوچھتا نہ تھا۔ حتیٰ کہ سلاطین و امراء کے پاس سے آتے ہُوئے ہدایا سیدھے برامکہ کے پاس پہنچتے تھے اور خلیفہ کو عموماً خبر بھی نہ ہوتی تھی۔ برامکہ نے شیعوں اور اپنے عزیز و اقارب کے گھر مال و دولت سے بھر دیئے تھے[1]۔ شاہی خاندان اس قدر گر گیا تھا کہ وہ اپنی ضرورت کے لئے بابِ وزارت کا راستہ لیتا تھا۔

عبدالملک بن صالح عباس نے جعفر بن یحییٰ سے درخواست کی کہ ہارون سے میری تین حاجتیں پوری کرا دیجئے۔ دس لاکھ درہم دلا دیجئے میں قرضہ ادا کر دونگا۔ میرے بیٹے کو کسی صوبہ کا گورنر مقرر کرا دیجئے۔ اس سے میری حیثیت بڑھ جائیگی۔ خلیفہ کی صاحب زادی سے میرے بیٹے کا رشتہ کرا دیجئے۔ جعفر نے جواب دیا۔ یہ

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۸۶ سے آگے) کے حصہ میں آئی۔ پھر اہل مرو سے صلح ہوئی۔ یہ لونڈیاں واپس ہوئیں۔ عبداللہ کی کنیز حمل سے تھی۔ یہ عورت جعفر برمکی کے ہاتھ لگی۔ خالد اس کا بیٹا مشہور ہُوا۔ خالد جوان ہو کر دعوتِ بنی عباس میں شامل ہو گیا۔ بعد کو سفاح نے اس کو اپنا وزیر بنایا۔ مہدی کے زمانہ میں موصل کا گورنر رہا۔ ۱۶۳ھ میں فوت ہُوا۔

(ابن خلکان جلد اوّل صفحہ ۱۰۲)

[1] مسلمانوں کا نظامِ مملکت صفحہ ۵۳۔

رقم ابھی تمہارے گھر پہنچ جائے گی۔ تمہارے بیٹے کو میں مصر کا گورنر مقرر کرتا ہوں۔
امیرالمؤمنین کی فلاں صاحبزادی کا اتنے اتنے مہر کے بدلے تمہارے بیٹے کا نکاح کرتا ہوں[1]

عبدالملک جب گھر آیا تو دیکھا مطلوبہ رقم پہنچ چکی ہے۔ جعفر کے قابو میں ہارون مثل کٹ پتلی کے تھا۔ صبح جعفر نے ہارون الرشید سے گورنری کا پروانہ اور نکاح کی منظوری بھی لے لی۔

اس ایک ہی واقعہ سے جعفر کے اثر کا اندازہ ہو سکتا ہے کہ وہ سلطنت پر تو چھایا ہوا تھا ہارون اور اس کے خاندان کے پرائیویٹ معاملات پر بھی اس کا بے پایاں اثر تھا۔ یہاں تک کہ ہارون کی اولاد کی شادی اور بیاہ کرنے کا بھی مجاز تھا۔ جعفر حکومت کی دولت بے غل وغش خرچ کرتا تھا۔ اپنے محل کی تعمیر میں دو کروڑ درہم خرچ کئے۔ ہارون الرشید نے خزانے کی جانچ شروع کی تو معلوم ہوا کہ برامکہ نے خزانہ خالی کر دیا ہے[2]

ہارون کو جعفر سے بے حد انس تھا اور اس کو ہر وقت اپنے ساتھ رکھتا تھا۔ بلکہ جعفر پر اس کو کامل بھروسہ تھا۔ ہارون سا مذہبی شخص جعفر جیسے عیاش کی صحبت میں رنگین و عیاش مزاج ہو گیا۔ جعفر کا عالم یہ تھا کہ بقول ابن خلکان ہر جمعہ کو ایک باکرہ کنیز جعفر کے پاس خلوت میں بھیجی جاتی تھی[3]

محفلِ عیش و طرب | مصنف اعلام الناس نے لکھا ہے :-

"خلیفہ ہارون الرشید کا دستور تھا کہ سلطنت کے تمام کاموں کے بعد شب کو عیش و طرب کے جلسوں میں بیٹھا کرتا تھا۔ باوجودیکہ صوم وصلوٰۃ کا پابند تھا تاہم اس کی یہ مجلس رندانہ ہوتی تھی۔ پری پیکر

---

[1] الفخری ص۱۸۱ [2] البرامکہ ص۲۷ [3] اعلام الناس و ابن خلکان ص۱۳۲۔

نازنینوں کا جھرمٹ ہوتا۔ بے تکلف احباب جمع ہوتے اور نبیذ کا دور چلتا"[1]

بعض مؤرخین نے ہارون پر مے نوشی کا الزام تراشا ہے۔ مگر علامہ ابن خلدون نے انکار کیا ہے لیکن نبیذ کا پینا ان کو بھی تسلیم ہے[2]۔

غرضیکہ جعفر کے واقعاتِ عیش پرستی ایک طرف اور اس پر طرہ یہ کہ ان برامکہ نے امام موسیٰ کاظم کو زہر دلوایا[3]۔ ادھر جعفر وغیرہ عام طور پر زندیق مشہور ہی تھے[4]۔

ان تمام باتوں کا نتیجہ یہ ہوا کہ ملک میں ان کے خلاف آتشِ مخالفت پھیل گئی۔ خاندانِ شاہی علیحدہ ان کی حرکتوں سے بدظن تھا۔ علماء بھی اُن کے طور طریق اور بے دینی سے ناراض تھے۔ چنانچہ علامہ ابوالربیع محمد بن لیث نے جو عہدِ رشید میں ایک باوقار عالم تھے خلیفہ کو ایک طولانی خط میں لکھا، جس کا خلاصہ یہ ہے :-

"امیر المؤمنین قیامت کے دن تو خدا کو کیا جواب دے گا کہ تُو نے یحییٰ بن خالد اور اس کی اولاد کو مسلمانوں پر حاکم مقرر کر رکھا ہے، جو کام اہلِ اسلام کا تھا وہ زندیقوں کے سپرد کیا ہے"۔

خط کا مضمون پڑھ کر برامکہ کے عقائد کی طرف سے ہارون مشتبہ ہو گیا۔ اس کے علاوہ فضل بن ربیع کو ان کا اقتدار ناگوار تھا اس نے برامکہ کے خلاف ہارون کو اور بھڑکایا[5]۔

اس کے علاوہ وزارت، کتابت، حجابت اور سپہ سالاری کے تمام

---

[1] کامل ابن اثیر صفحہ ۵ جلد ۶ [2] نبیذ کھجور کی تاڑی رنگین طبع بجائے شراب کے استعمال کرتے تھے۔ علماءِ کرام نے اس کی حلت کا فتویٰ دے دیا تھا [3] کتاب زہر الربیع جلد اول صفحہ ۲۶ مطبوعہ بمبئی [4] البرامکہ صفحہ ۲۴ [5] ایضاً۔

عہدوں پر یحییٰ برمکی کی اولاد ممتاز تھی۔ چنانچہ پچیس شہزادے برامکہ کے حکمران تھے[1]
مختصر یہ کہ عہدِ ہارون میں برامکہ سیف وقلم دونوں کے مالک تھے اور دولتِ عباسیہ کے جانثار ذلت سے خارج کر دیئے گئے تھے۔

نوٹ:۔ جعفر کو فلسفہ سے زیادہ رغبت تھی۔ اس فلسفہ پسندی نے اس کو اور یحییٰ کو زندقہ سے منسوب کر دیا تھا چنانچہ اصمعی کا یہ قول مشہور ہے:۔

"جس کی مجلس میں شرک کا مذکور چلتا ہے تو برمکیوں کا چہرہ چمک اُٹھتا ہے لیکن اُن کے سامنے کوئی آیت پڑھی جائے تو وہ مزدک کی حکایتیں بیان کرنے لگتے ہیں[2]

مصنف حیوۃ الحیوان لکھتا ہے:۔

"جب ہارون الرشید نے دارالسلطنت سے نکل کر مُلک کا دورہ شروع کیا تو جس جگہ اور جس باغ میں اُس کے ڈیرے کھڑے ہوتے وہاں معلوم ہوتا کہ یہ برامکہ کی جاگیر ہے۔ ان صداؤں نے ہارون کے کان بدمزہ کر دیئے تھے"

اسمٰعیل بن یحییٰ ہاشمی امرائے دربار سے تھا اُس نے جعفر اور ہارون کی باہمی کشیدگی سے متاثر ہو کر پہلے خلیفہ سے جعفر کی تعریف وتوصیف کی پھر جعفر کے پاس آیا۔ یہ وہ زمانہ تھا کہ خلیفہ نے جعفر کو خراسان کا والی مقرر کر کے چند روز کے لئے معزول کر دیا تھا اور اب نہروان کی حکومت سپرد کی تھی جعفر کا سامانِ سفر درست ہو رہا تھا۔ اسمٰعیل لکھتا ہے کہ میں نے عرض کیا میرے سردار آپ ایسے شہر جا رہے ہیں جس کے اطراف نہایت وسیع ہیں اور خیر وبرکت کی جگہ ہے اگر آپ بعض جاگیریں امیرالمومنین کی اولاد کے نام منتقل کر دیں تو ترقی دولت کا باعث ہو سکتا ہے۔ جب اسمٰعیل کہہ چکا تو جعفر نے اسمٰعیل کی طرف غضبناک

---

[1] مقدمہ ابن خلدون صـ۱۱۱ الفخری صـ۱۹۱ [2] کتاب المعارف ابن قتیبہ صـ۱۳۰۔

ہو کر دیکھا اور کہا کہ اے اسمٰعیل تمہارے ابن عم ہارون الرشید میرے ہی طفیل میں روٹی کھاتے ہیں اور سلطنتِ عباسیہ کا قیام میری ہی ذات سے ہُوا ہے۔ مَیں نے خزانہ کو دولت سے پُر کر دیا ہے، اس پر بھی صبر نہیں آتا۔ اب ان چیزوں پر تاک لگائی ہے جن کو مَیں نے اپنی اولاد کے لئے ذخیرہ کیا ہے۔ وہ میرے بعد اُن کے کام آئے۔ خدا کی قسم! اگر کوئی شئے مجھ سے ہارون نے طلب کی تو اس پر جلد وبال نازل ہوگا[1]

ہارون کا مخبر غلام جو جعفر کے پاس رہتا تھا، اس واقعہ کی اس نے اپنے آقا کو خبر کر دی۔ اس بیان کے بعد جعفر اس کا مستحق تھا کہ وہ اپنے اعمال کی سزا کو پہنچے ہارون کی دور بین نظر نے برامکہ کے اس جاہ و جلال سے مستقبل میں خطرہ محسوس کیا اور اس اندیشہ سے اس کی نظریں بدل گئیں۔ نوبت یہاں تک پہنچی کہ جعفر کو ٹھکانہ لگایا گیا۔ یحیٰی اور فضل جیل میں ٹھونس دیئے گئے۔ ان میں سے یحیٰی اور فضل ہارون کی زندگی ہی میں جیل کی نذر ہوئے۔ بقیہ لوگ سڑا کئے[2]۔ تمام برامکہ کی جاگیریں، مال واسباب و زرِ نقد بحقِ حکومت ضبط کر لیا گیا۔ اس اثاثہ سے تین کروڑ چھہتر ہزار دینار وصول ہوئے[3]۔ منجملہ اس کے ایک کروڑ تئیس لاکھ کی رقم صرف آمدنی جاگیرات کی وصول کر کے خزانۂ شاہی میں داخل کی گئی۔

---

[1] اعلام الناس صـ۱۵۳ [2] مسلمانوں کا نظم مملکت صـ۱۵۰ ۔ عقد الفرید

[2] جعفر برمکی قاضی ابو یوسف کا شاگرد تھا۔ بیت الحکمۃ کے قیام کے بعد حکماء کی صحبتوں میں فلسفیانہ خیالات کا حامی ہوگیا۔ فصاحت و بلاغت، ادب و انشاء میں اس کو اتنا کمال حاصل تھا کہ ایک ایک رات میں ہزار ہزار توقیعات لکھ ڈالتا تھا۔ اپنی ذہانت طباعی اور خوش مزاجی سے ہارون کے مزاج میں بہت کچھ رسوخ پا لیا تھا۔ آخر میں اپنے آقا کے خلاف سازشیں کرنے لگا۔ آخر حکومت کے شکنجہ میں کس دیا گیا۔

---

[3] ابن خلکان صفحہ ۱۳ ۔

شعرا جو برامکہ کے پروردہ تھے انہوں نے جعفر کے قتل پر دردناک مرثیے لکھے۔ خود خلیفہ کو بھی صدمہ تھا کہ اس کی رنگین صحبتیں ختم ہو گئیں اور عیش و عشرت کا دروازہ بند ہو گیا۔

جعفر کے بعد صحیح معنی میں ہارون رشید حکمراں ہوا۔ مگر اس کی مسرتیں بالکل ختم ہو چکی تھیں۔

وفات برامکہ کی تباہی کے بعد رافع بن لیث کی طرف سے خراسان میں شورش برپا ہوئی۔ ہارون نے امین کو بغداد میں قائم مقام کیا اور مامون کو ساتھ لیا اور خود وہاں کے فتنہ کو دبانے کے لئے روانہ ہوا۔ طبیعت پہلے سے کچھ ناساز تھی جرجان پہنچ کر زیادہ خراب ہو گئی۔ وہاں سے طوس واپس آیا۔ علاج معالجہ کیا گیا کچھ افاقہ نہ ہوا۔ جب زندگی سے مایوس ہو گیا تو اپنی قبر کھدوائی اور اس میں کلام مجید پڑھوایا۔ آخر شب بروز شنبہ جمادی الثانی ۱۹۳ھ میں طوس کے غربت کدہ میں انتقال کیا۔ عمر صرف ۴۷ سال کی تھی۔ ۲۳ سال خلافت کے فرائض انجام دیئے[۲]

اثاثہ

ہارون الرشید نے دو کروڑ دینار، اسباب و جواہر و نقرہ، گھوڑے، کروڑوں دینار کی مالیت کے بیت المال میں چھوڑے۔

اولاد ہارون کے چار بیٹیاں اور بارہ بیٹے تھے۔

محمد امین (بطنِ زبیدہ خاتون) علی (بطنِ امۃ العزیز) موسیٰ، ہادی، عبداللہ المامون، قاسم موتمن، محمد معتصم، صالح، محمد ابو عیسیٰ محمد ابو یعقوب، محمد ابو العباس، محمد ابو سلمان، محمد ابو علی، محمد ابو احمد۔

---

[۱] البدایہ والنہایہ جلد ۱۰ صفحہ ۲۱۳ [۲] تاریخ الخلفاء صفحہ ۱۹۰۔

مرثیہ

ہارون الرشید کی وفات پر صدہا شعراء نے مرثیے لکھے۔ اس جگہ ابو الشیص شاعر کے تاثرات نقل کرتے ہیں۔

غربت فی الشرق شمس	مشرق میں آفتاب غروب ہو گیا۔ اس کے
فلها العینان تدمع	لئے میری آنکھوں سے آنسو بہہ رہے ہیں۔
ما رأینا قط شمسًا	کسی نے آفتاب کو اسی سمت میں غروب ہوتے نہ
غربت من حیث تطلع[1]	دیکھا ہوگا جہاں سے وہ نکلا تھا۔

سیرت ہارون الرشید میں وہ تمام خصائل مجتمع تھے جو ایک پاک باز اور دین دار بادشاہ میں ہونے چاہئیں۔

علامہ ذہبی لکھتے ہیں:-

"ہارون الرشید میں جس قدر خوبیاں جمع تھیں وہ کسی دوسرے فرمانروا کو نصیب نہیں ہوئیں"

علم و ہنر، تدبیر، دانائی، فہم و فراست، عزم و ثبات، فیاضی، شجاعت اور بلند حوصلگی میں خلفائے بنی عباس میں ایک ممتاز خلیفہ تھا۔ شاہانہ شان و شوکت اور علم و ہنر کی سرپرستی نے ہارون الرشید کی شہرت کو اور بھی چمکا دیا تھا۔ اس کی قدر دانی اور صلہ گستری نے اہلِ کمال دور دور سے اس کے دربار میں جمع کر دیئے تھے۔ عظیم القدر شہنشاہ ہونے کے باوجود تکلّف اور تعصب مزاج میں نام کو نہ تھا۔ جبریل اور بختیشوع عیسائی اطبا کا جو اعزاز دربار میں تھا اس کی نظیر نہیں ملتی۔ اسی طرح منکہ ہندی فلسفی کی قدر دانی کا جواب نہیں ملتا۔ اس کے دربارِ علمی میں یہودی، پارسی، عیسائی، ہندو علماء و حکماء سب ہی شریک

---

[1] البدایہ والنہایہ الجزء العاشر صفحہ ۲۲۳۔

ہوتے اور یہ ان کو انعام و اکرام سے نوازتا۔

مذہب | مذہبی عقائد اور خیالات میں مستحکم، فرائضِ شرعیہ کا بڑا پابند تھا۔ خطیب تاریخ بغداد میں لکھتے ہیں:۔

"وحکی بعض اصحابہ انہ کان یصلی فی کل یوم مائۃ رکعۃ الی ان فارق الدنیا"[1]

غرضیکہ ہارون علاوہ فرائض کے سَو رکعتیں روزانہ پڑھتا تھا[2]۔ سوائے بیماری کے کبھی نماز قضا نہیں کی۔ اگر ایک سال جہاد کرتا تو دوسرے سال خانہ کعبہ کی زیارت کو جاتا۔ تیئس برس کی خلافت میں آٹھ یا نو بار حج کیا۔ ۱۸۶ھ میں مکہ معظمہ سے عرفات تک پا پیادہ گیا[3]۔

حج کے موقع پر علماء وفقہاء کی کثیر تعداد ہمراہ ہوتی[4] اور جس سال اتفاق نہ ہوتا تو اپنی طرف سے تین سو حجاج کا ایک قافلہ روانہ کرتا اور نقد و جنس ساتھ کر دیتا۔ خود حج میں بڑی آہ و زاری سے دعائیں مانگتا۔ جہاد کا شوق اور شہادت کا ولولہ بہت تھا۔ خطیب و طبری کا بیان ہے کہ ہارون محرماتِ شریعت کی عظمت کرتا تھا۔

خیرات و مبرات | ہارون الرشید کی سخاوت کی دھوم تھی۔ خیرات علانیہ اور خفیہ دونوں طرح پر جاری تھی۔ ایک ہزار درہم روزانہ جیب خاص سے خیرات کیا کرتا۔ منصور سے زیادہ سخی تھا چنانچہ سفیان بن عیینہ کو اس نے ایک لاکھ درہم عطا کئے۔ اسحاق موصلی کو دو لاکھ دینے کے لئے حکم دیا۔ مروان بن حفصہ کو ایک قصیدے کے صلہ میں پانچ ہزار دینار دیئے۔

[1] تاریخ خطیب جلد ۱۴ صفحہ ۶ [2] تاریخ الخلفاء صفحہ ۱۵۶۔

---

[3] تاریخ الخلفاء و الفخری صفحہ ۱۷۵ [4] تاریخ خطیب جلد ۱۴ صفحہ ۱۲۔

بزرگانِ دین سے عقیدت ہارون الرشید بزرگانِ دین سے بھی خاص تعلق رکھتا تھا۔ حضرت فضیل بن عیاض کے مکان پر خود جاتا اور وہ جو نصیحت فرماتے تھے اس کو رغبت کے کانوں سے سُنتا تھا۔ وہ فرماتے تھے کہ لوگ ہارون کو ناپسند کرتے ہیں۔ لیکن مجھے یہ محبوب ہے[1]

ہارون اور سفیان ثوری ہارون اور سفیان ثوریؒ میں بچپن سے دوستی تھی۔ جب یہ خلیفہ ہُوا تو سفیان ثوری سے ملنے کی خواہش ظاہر کی۔ لیکن سفیان نے پروانہ کی۔ آخر ہارون نے ان کے نام خط لکھا جس کا مضمون یہ تھا:۔

"از ہارون الرشید بنام برادرم سفیان!

برادرم تم کو معلوم ہے کہ خدا نے تمام مسلمانوں میں رشتۂ اخوت قائم کیا ہے اور میرے تمہارے جو تعلقات تھے بدستور قائم ہیں۔ تمام میرے احباب میری خلافت کی مبارک باد دینے کو میرے پاس آئے اور میں نے ان کو گراں بہا صِلے دیئے۔ افسوس ہے آپ اب تک نہ آئے، مَیں خود حاضر ہوتا لیکن یہ امر شانِ خلافت کے خلاف تھا۔"

جواب

"از بندۂ ضعیف سفیان بنام ہارون فریفتۂ دولت!

تم نے اپنے خط میں خود تسلیم کر لیا ہے کہ تم نے مسلمانوں کے بیت المال کے روپیہ کو بے موقع اور بے جا دگراں بہا صلے دے کر خرچ کیا۔ اس پر

---

[1] تاریخ الخلفاء صفحہ ۱۵۵۔

بھی تم کو تسلی نہ ہوئی اور چاہتے ہو کہ قیامت میں تمہارے اسراف کی شہادت دوں۔ ہارون تجھ کو کل خدا کے سامنے جواب دینے کے لئے تیار رہنا چاہیئے۔ تُو تخت پر اجلاس کرتا ہے۔ حریر کا لباس پہنتا ہے، تیرے دروازے پر چوکی پہرہ رہتا ہے۔ ترے عُمّال خود تو شراب پیتے ہیں اور دوسروں کو شراب پینے کی سزا دیتے ہیں۔ خود زنا کرتے ہیں اور چوروں کے ہاتھ کاٹتے ہیں۔ ان جرائم پر پہلے تجھ کو اور تیرے عمال کو سزا ملنی چاہیئے پھر اوروں کو۔ ہارون وہ دن بھی آئے گا کہ تُو قیامت میں اس حال میں آئے گا کہ تیری مُشکیں بندھی ہوں گی۔ تیرے ظالم عُمّال تیرے پیچھے ہوں گے اور تُو سب کا پیشوا بن کر سب کو دوزخ کی طرف لے جائے گا۔ میں نے خیر خواہی کا حق ادا کر دیا اور اب کبھی خط نہ لکھنا۔"

(سفیان ثوری)

ہارون الرشید اعظم نے یہ خط پڑھا، بے اختیار چیخ اُٹھا اور دیر تک روتا رہا۔ مرہ بن سماک واعظ ایک مرتبہ ہارون کے پاس گئے۔ ہارون نے اس کی بے انتہا تعظیم کی۔ مرہ نے اپنی مدارات دیکھ کر کہا باوجود بادشاہت کے آپ کی تواضع آپ کے شرف سے بھی زیادہ ہے۔

خلیفہ ہارون الرشید اور ابن سماک

ایک دن ابن سماک رحمۃ اللہ علیہ ہارون الرشید کے پاس گئے۔ خلیفہ کو پیاس لگی، پانی مانگا، پینے کو تھا کہ ابن سماک نے کہا۔ امیر المومنین ذرا ٹھہر جائیے۔ یہ پہلے یہ بتائیے کہ اگر پانی آپ کو نہ ملے تو شدّتِ پیاس میں آپ پانی کا ایک پیالہ کس قیمت تک خرید سکیں گے۔ ہارون الرشید نے کہا۔ نصف سلطنت دے کر لے لوں گا۔ ابن سماک نے کہا آپ پی لیجئے۔ جب وہ پی چکا تو پھر کہا۔

اگر یہ پانی آپ کے پیٹ میں رہ جائے اور نہ نکلے تو اس کے نکلوانے کے عوض آپ کیا خرچ کریں گے؟ خلیفہ نے کہا باقی تمام سلطنت دے دوں گا۔
ابن سماک نے کہا بس یہ سمجھ لیجئے کہ آپ کا تمام مُلک ایک گھونٹ پانی اور چند قطرے پیشاب کی قیمت رکھتا ہے۔ پس اس پر کبھی تکبر نہ کیجئے اور جہاں تک ہو سکے لوگوں سے یکساں سلوک کیجئے۔

رِقّتِ قلب

ایک مرتبہ حضرت فُضَیل نے ہارون سے مخاطب ہو کر کہا۔
"اے حسین چہرے والے تو اس اُمت کا ذمہ دار ہے تجھ ہی سے اس کی باز پرس ہو گی۔"

یہ نصیحت سُن کر ہارون زار و قطار رونے لگا۔ منصور بن عمار کا بیان ہے کہ اس زمانے میں تین آدمی رقیق القلب تھے، خشیتِ الٰہی سے جن کی پلکوں پر آنسو رکھے رہتے تھے۔ فُضَیل بن عیاض۔ ابو عبدالرحمٰن زاہد اور ہارون الرشید[1]۔
عبداللہ قواریری لکھتے ہیں۔ ایک دن ہارون نے فُضَیل بن عیاض سے وَتَقَطَّعَتْ بِهِمُ الْأَسْبَابُ کے معنی پوچھے۔ فضیل نے کہا کہ قیامت کے روز تمام دنیاوی وسائل منقطع ہو جائیں گے۔ خلیفہ یہ سُن کر دھاڑیں مار مار کر رونے لگا[2]۔

ایک قابلِ ذکر واقعہ

ایک مرتبہ ابن سماک سے نصیحت کی درخواست کی۔ انہوں نے فرمایا۔

"ہارون خدا سے ڈر کہ جس کا کوئی شریک نہیں اور اس پر یقین رکھ کہ کل تجھے خدائے تعالےٰ کے روبرو جانا ہے۔ وہاں تجھے دو مقاموں میں

---

[1] تاریخ طبری جلد ۱۱ صفحہ ۱۹۳ [2] تاریخ خطیب جلد ۱۴ صفحہ ۱۴
[3] تاریخ الخلفاء صفحہ ۱۰۰۔

سے ایک مقام اختیار کرنا پڑے گا جس کے علاوہ تیسرا مقام نہیں ہے یہ مقام جنت، دوزخ ہیں۔ یہ سُن کر ہارون اتنا رویا کہ ڈاڑھی آنسوؤں سے تر ہو گئی فُضیل بن حاجب پاس بیٹھا ہُوا تھا۔ ہارون کا یہ حال دیکھ کر کہا سبحان اللہ امیر المومنین کے جنت میں جانے میں بھی کوئی شبہ ہو سکتا ہے۔ آپ خدا کے حقوق ادا کرتے ہیں۔ اس کے بندوں کے ساتھ عدل کرتے ہیں۔ اس کے صلہ میں انشا اللہ ضرور مستحق جنت ہوں گے۔"

ابن سماک نے ہارون کو مخاطب ہو کے کہا۔

"امیر المومنین اس دن فُضیل تیرے ساتھ نہ ہو گا اس لئے خدا سے ڈرتا رہ اور اپنے نفس کی دیکھ بھال رکھ۔"

یہ سُن کر ہارون پھر زار زار رویا۔ سماک اُٹھ کر چلے گئے۔[1]

رسول اللہ سے عشق ہارون کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے والہانہ محبت تھی۔ جب کبھی آپ کا نام مبارک اس کے سامنے کوئی لیتا تو بے قرار ہو جاتا اور صلی اللہ علیہ وسلم علی سیدی کہتا۔ ایک مرتبہ ابو معاویہ نے ایک حدیث ہارون کے سامنے بیان کی۔ درباریوں میں سے ایک شخص نے اس پر اعتراض کیا۔ ہارون جوشِ غضب سے لبریز ہو گیا اور کہا یہ شخص زندیق ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث پر اعتراض کرتا ہے اور اس وقت تلوار طلب کی۔ لیکن ابو معاویہ نے سمجھا بجھا کر ہارون کا غصہ ٹھنڈا کیا۔[2]

خلق قرآن ہارون الرشید کو اسلام کی بے حرمتی کبھی گوارا نہ تھی وہ دین میں رخنہ ڈالنے والے کاموں کا سخت دشمن تھا۔ چنانچہ جب اُسے اطلاع ملی کہ بشر المریسی خلق قرآن کا قائل ہے تو کہنے لگا اگر وہ قابو میں

---

[1] طبری جلد ۱۱ صفحہ ۵۰۴ [2] تاریخ خطیب جلد ۱۴ صفحہ ۸

آجائے تو اُس کی گردن مار دوں۔[1]

علماء کی قدر دانی ابو معاویہ کہتے ہیں کہ ایک روز میں نے خلیفہ کے ساتھ کھانا کھایا (ابو معاویہ نابینا تھے) کسی شخص نے معمول کے موافق میرے ہاتھ دُھلائے ہیں۔ میں نے کہا کہ نہیں۔ خلیفہ نے کہا کہ محض اکرام علم کے لئے خود میں نے آپ کے ہاتھ دھلائے ہیں۔[2]

شجاعت و تہوّر ہارون شجاع تھا اور اس کو جہاد فی سبیل اللہ کا بہت شوق تھا۔ فوجوں کے ساتھ خود جاتا تھا۔ بلکہ اکثر فوج کے آگے رہتا۔ اس کے اخلاق میں شجاعت کا وصف ممتاز تھا۔

اخلاقی حالت ہارون کی اخلاقی حالت نہایت بلند تھی۔ حیا و مروت میں فائق تھا مگر دشمن اور زندیق کے لئے اس کا جوشِ غضب بڑھ جاتا تھا۔ اپنے دادا منصور کے قدم بقدم تھا۔ لیکن جود و بخشش میں اس کا پیرو نہ تھا۔ ذرا ذرا سی بات پر بڑے بڑے انعام دیتا۔ اسحاق بن راہویہ کا بیان ہے کہ ایک شب میں ہارون نے قاضی ابو یوسف کو بلایا اور ایک ضروری مسئلہ پوچھا۔ قاضی صاحب نے بتا دیا۔ ہارون خوش ہو گیا اور ایک لاکھ درہم عطا کر دینے کا حکم دیا۔

قاضی صاحب نے فرمایا یہ درہم مجھے صبح سے پہلے پہلے مل جانے چاہئیں۔

ہارون نے حکم دیا فوراً ادا کئے جائیں۔

ایک مصاحب بولا حضور خزانچی اپنے گھر میں ہے اور خزانہ کا دروازہ بند ہے قاضی صاحب نے فرمایا کہ دروازے تو اس وقت بھی بند تھے جب میں بلایا گیا تھا۔ یہ سُن کر فوراً خزانہ کھلوا دیا گیا اور ایک لاکھ درہم قاضی صاحب کی خدمت میں پیش کئے گئے۔[3]

---

[1] تاریخ الخلفاء صفحہ ۱۵۴ [2] ایضاً صفحہ ۱۵۵ [3] ایضاً صفحہ ۱۵۸۔

ایک قابلِ ذکر واقعہ

ایک دن امیر المومنین ہارون الرشید دور سے اپنے فرزندوں محمد امین اور مامون الرشید کی طرف دیکھ رہا تھا۔ دونوں بھائی اپنے مکتب میں امام کسائی سے سبق پڑھ رہے تھے تھوڑی دیر بعد امام کسائی کسی ضرورت سے اُٹھے اور باہر جانے لگے۔ امین اور مامون نے لپک کر استاد کے جوتے اٹھائے اور ان کے قریب رکھ دیئے۔ یہ دیکھ کر ہارون کو تعجب ہوا۔ ایک خادم سے پوچھا بتاؤ وہ کون شخص ہے جس کے خدمت گار دُنیا کے بڑے بڑے آدمی ہیں؟ اُس نے کہا آپ۔ ہارون نے کہا نہیں، کسائی ہے جس کے علم وفضل کی وجہ سے محمد امین و مامون اس کی خدمت کرتے ہیں۔ جب کسائی نے یہ واقعہ سُنا تو کہا امیر المومنین اگر آپ اپنے دونوں فرزندوں سمیت میری خدمت کرتے تب بھی تھوڑی تھی۔ کیونکہ فضل وکمال کی زندگی زندگی ہوتی ہے۔ اور دولت و اقبال ڈھلتی پھرتی چھاؤں ہے۔ اس لئے اعتبار کے قابل چیز فضل وکمال ہے نہ کہ دولت و اقبال۔

ہارون الرشید نے یہ قول بہت پسند کیا اور کسائی کو خلعت فاخرہ عنایت فرمایا۔[1]

امین و مامون

ایک مرتبہ زبیدہ نے ہارون الرشید سے شکوہ کیا۔ آپ مامون کو امین سے زیادہ چاہتے اور ہر بات میں اُس کا خیال زیادہ رکھتے ہیں۔ ہارون نے اس وقت دو سمجھ دار خادموں کو بلایا اور کہا کہ تم امین اور مامون کی تعریف کے بعد کہنا کہ آپ جب مسندِ خلافت پر بیٹھیں گے ہم پر کیا انعام واکرام ہوں گے چنانچہ ایک خادم امین کے پاس گیا۔ اس نے تو خلافت کا ذکر سُنتے ہی کہا تجھ

---

[1] جوامع الحکایات ونوامع الروایات محمد عوفی (فارسی)

کو مصاحب بناؤں گا اور جو مامون کے پاس گیا تو مامون نے کہا بدبخت میرے باپ کا بُرا چاہتا ہے اور دوات کھینچ کر اُس کے رسید کی۔ ہر دو نے بجنسہٖ حالت بیان کی۔ اس پر ہارون نے زبیدہ سے کہا دیکھا تم نے امین متمنی خلافت ہے۔ مامون کو میری زندگی کی تمنا ہے۔ زبیدہ بہت شرمندہ ہوئی۔

تأدّب ہارون الرشید کی مجلس میں ظریف شعراء شریک ہوتے مگر یہ کبھی مذہب کے خلاف تمسخر کو گوارا نہیں کرتا۔

ابن ابی مریم جو دربارِ ہادی کا ایک مسخرہ تھا اس پر ایک مرتبہ سخت ناراض ہُوا جبکہ اُس نے نماز میں ہنسنا چاہا۔

ابونواس جو دربار کا ملک الشعراء تھا ایک دن شراب پی کر ہارون کے سامنے آگیا۔ ہارون سخت خفا ہُوا اور اس کو جیل خانہ بھیج دیا۔

ابن عساکر کا بیان ہے کہ ہارون کے سامنے ایک زندیق گرفتار کر کے لایا گیا۔ ہارون نے اس کی گردن مارنے کا حکم دیا۔ وہ پوچھنے لگا آپ مجھے کس گناہ میں قتل کراتے ہیں۔ خلیفہ نے کہا کہ تیرے فتنہ سے لوگ امن میں ہوجائیں گے۔ اس نے کہا کہ اُن ایک ہزار احادیث کا آپ کیا انتظام کریں گے جو میں نے وضع کر کے مُلک میں پھیلادی ہیں حالانکہ اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے نکلا ہوا ایک لفظ بھی نہیں ہے۔ ہارون بولا اے دشمنِ خدا تُو کس خیال میں ہے ابواسحاق فزاری اور عبداللہ بن مبارک جیسے نقاد موجود ہیں، وہ ایک ایک حرف نکال کر باہر پھینک دیں گے[۱] اس کے بعد زندیق کو ٹھکانہ لگا دیا گیا۔

بیت الحکمت

شاہان اسلام میں ہارون الرشید بلند پایہ شخصیت کا مالک تھا علم وفضل

---

[۱] تاریخ الخلفاء صفحہ ۱۰۹

میں بھی یگانۂ روزگار تھا۔ اس کے دادا کے ذریعے بغداد اہلِ فضل و کمال کا مرجع و ماوا بنا ہُوا تھا۔ رشید نے علم و فضل اور شاہانہ گھرانہ میں آنکھ کھولی۔ دادا اور باپ فاضلِ جلیل تھے۔ ہارون بھی آبا و اجداد کے قدم بقدم چلا۔ دادا نے جو علمی بساط بچھائی تھی ہارون اُس کی توسیع میں لگ گیا۔ اس کے اتالیق اور وزیر یحییٰ بن خالد جو خود فاضل تھا باہمی مشورہ سے بیت الحکمت کی بنا ڈالی۔ مشاہیر علماء نزدیک و دُور کے شریک ہُوئے۔ مسلمان، عیسائی، یہود، پارسی، ہنود، فضلائے روزگار اراکین بیت الحکمت تھے۔

ابو حیان و مسلم بیت الحکمت کے مہتمم تھے۔

محمد بن لیث، قاضی ابو یوسف عبداللہ بن علی، عبداللہ بن بلال اہوازی، سہل بن نوبخت بختیشوع جبریل فلاسفہ ہنود کنکہ صنجہل شناق (سنگھ) جو رو سے حضرات فضل و کمال بیت الحکمت سے منسلک تھے۔ کتاب المنشو، کتاب سرو قراباد ین، کنکہ، کتاب محمد بن اللہمت، کتاب العطر، کتاب الجوامع، تصنیف (قاضی ابو یوسف) ترجمہ مجسطی۔

(ابو حیان) کتاب السموم۔ کتاب مبرک کلیلہ دمنہ (عبداللہ ابن ہلال اہوازی) اس کی نظم سہل بن نوبخت نے کی۔ کتاب بدان، سند صحشان کتاب تفسیر اسماء المغفار (نباتات) اسالکرا لجامع کتاب نوفشل کتاب سکر للہند کتاب رائے الہند۔ اس کے علاوہ بیت الحکمۃ کی طرف سے بہت سی کتابیں شائع ہوئیں جس کی تفصیل معلوم کرنے کے لئے فہرست ابن ندیم اور کشف الظنون موجود ہیں۔

کتب خانہ منصور نے مہدی کے سپرد اپنا علمی سرمایہ کیا تھا۔ ہارون نے اس کو ترقی دی۔ عربی، یونانی، قبطی، کالڈی، ہندی، فارسی، عربی زبان کا بڑا سرمایہ ہارون کے کتب خانہ میں جمع ہو گیا تھا۔ اس کو زیادہ ترقی دینے میں یحییٰ بن خالد برمکی کی مساعی کو بڑا دخل ہے اس کا ذاتی

کتب خانہ بڑے پیمانہ پر تھا۔

ہارون الرشید کے عہد میں ایک طرف علوم دینی کی اشاعت و ترویج ہوئی۔ دوسری طرف بیت الحکمت نے اہلِ علم کو علومِ فلسفہ سے مانوس کر دیا تھا۔ چونکہ ہارون الرشید صاحبِ علم اور اہلِ علم کا قدردان تھا۔ اس کے دربار میں شعراء ادباء فقہاء اور محدثین کا مجمع رہتا۔

کسائی جیسا نحوی، اصمعی اور عباس بن احنف جیسے ادباء ابونواس، ابوالعتاہیہ فراء سیبویہ جیسے شعراء ہم جلیس و ہم نشین تھے۔ ہارون کے عہد میں خلیل بن احمد بن عمرو فراہدی نے کتاب العین لغت میں پہلے پہل لکھی۔ و کتاب العین فی اللغۃ ابتداء اھ[1]

عِلمِ لُغت ہارون کا ایک معلّم ابوعلبید نامی تھا، اسحٰق بن ابراہیم موصلی نے اصمعی کو دربار سے نکلوا کر اس کو مقرر کیا۔ اس نے لغت میں پہلی کتاب لکھی[2]

عِلمِ متن لغت ابوعلی محمد بن ستینر بن احمد نحوی لغوی المعروف بہ قطرب شاگرد سیبویہ (جو کہ علم نحو میں بصریوں کا مقتدا تھا) گزرا ہے اس کی دیگر تصانیف کے علاوہ متن لغت بھی ہے۔

عِلمِ عروض خلیل بن احمد بن عمرو بن تمیم فراہیدی، اس کی کنیت ابوعبدالرحمٰن ہے اس کا ذکر آچکا ہے۔ اس نے علم العروض پر ایک کتاب ترتیب دی۔ اس کے علاوہ اس کا ایک رسالہ عِلم قافیہ پر ہے۔

صلہ گستری

مؤرخ صوفی نے کتاب الاوراق میں لکھا ہے کہ جب ہارون الرشید تخت نشین

---

[1] البدایہ والنہایہ الجزالعاشر صد ۱۶۱ [2] مناحبۃ المطرب فی تقدمات العرب صد ۳۵

ہُوا اور وزارت پر یحییٰ بن خالد کو ممتاز کیا تو ابراہیم موصلی نے تہنیت میں یہ اشعار پڑھے ؎

الم تر أن الشمس كانت مريضة	"تم نے نہیں دیکھا آفتاب بیمار تھا جب ہارون
فلما اتی لهرون اشرق نورها	آیا تو اس کی روشنی چمک اٹھی دنیا نے اس کی
تلبست الدنيا جمالا بملكه	سلطنت سے خوب صورتی کا لباس پہن لیا
فهارون واليها و يحيى وزيرها	کیونکہ اب ہارون بادشاہ ہے اور یحییٰ
(تاریخ الخلفاء ص۲۰۲)	اس کا وزیر ہے۔

ہارون موصلی سے بہت خوش ہُوا اور ایک لاکھ درہم کا صلہ دیا۔ یحییٰ نے پچاس ہزار درہم مرحمت کئے۔

خلافتِ عباسیہ میں ہارون الرشید اپنے آباو اجداد سے شان و شوکت اور عظمت وجلال میں بڑھ کر تھا۔

حافظ ذہبی کا قول ہے کہ جیسے اربابِ کمال ہارون کو میسّر ہوئے وہ دُوسرے خلیفہ کو میسّر نہیں ہُوئے۔ کیونکہ وزارت میں برامکہ (یحییٰ و فضل و جعفر) عہدہ قضاۃ پر امام ابویوسف شاعروں میں مروان بن ابی حفظہ، ندیموں میں عباس بن محمد عباسی حاجبوں میں فضل بن الربیع مغنیوں میں ابراہیم موصلی اور ملکۂ زبیدہ عباسی۔ غرضیکہ ہارون کا عہد علمی ترقی کے اعتبار سے "الدور الذہبی" کا سزاوار ہے اس دَور میں علوم وفنون کی جو خدمت انجام پائی وہ تاریخ میں اپنی مثال آپ ہے۔

بغداد کے رہنے والوں پر علمی چہل پہل کا بڑا اثر پڑا۔ مدارس میں کثرت سے طلبا زیر درس تھے۔ خاندان شاہی علمی گھرانہ تھا ہی مگر ہارون کا بھائی ابراہیم بن مہدی امتیازی درجہ رکھتا تھا۔ ابن ندیم نے لکھا ہے :-

ابراهيم اول نابغ نبغ من بنى	"بنی عباس پھر خلفاء کی اولاد میں ابراہیم پہلا
العباس ثم من اولاد الخلفاء	شخص ہے جو علم و فن اور شعروادب میں غیر
له توسل وصنف۔	معمولی مہارت رکھتا تھا۔"

خطیب بغدادی لکھتے ہیں :-

"ابراہیم بڑا فاضل اور ادب میں وسیع النظر تھا۔ خلفاء کی اولاد میں اس سے اچھا شاعر اور اس سے زیادہ فصیح دیکھنے میں نہیں آیا"

آغانی میں ہے :-

"ابراہیم عاقل، فاضل، فہیم، ادیب شاعر اور اہل عرب کے اشعار اور ان کے تاریخی واقعات کا راوی خطیب اور فصیح شخص تھا" [1]

شعر و شاعری ہارون کے زمانے میں خود ہارون کی شعر و سخن سے دلچسپی دوسرے وزرائے برامکہ کی صلہ گستری اور ذوق سخن سے بغداد شعر و شاعری کا مرکز بن گیا تھا۔ اس دور میں شاعری نے حسن معانی، تنوعِ مضامین اور جدتِ تشبیہ کے لحاظ سے بڑی ترقی کی۔ ابونواس، عتابی، ابوالہول، حمیری، محمد بن مناذر، سیف بن ابراہیم، دعبل بن علی الخزاعی اور رقاشی وغیرہ صدہا شعراء تھے۔

موسیقی دوسرے تمدنی فنون کے ساتھ ہارون کے عہد میں فنِ موسیقی کو بھی بڑا عروج ہوا۔ ہارون الرشید کی قدردانی اور زرپاشی نے اس کو اوجِ کمال تک پہنچا دیا تھا۔ آغانی میں اس کی تفصیل موجود ہے۔ ابراہیم موصلی، اسحاق موصلی، ابوزکار الکلوذانی (نابینا) اس عہد کے صاحب کمال مغنی تھے۔

عہدِ ہارون الرشید میں نظمِ مملکت

ہارون دورِ عروج میں ملکی نظام وہی تھا جو منصور عباسی قائم کر گیا تھا۔ اور جس کو استبدادی یا شہنشاہی کہا جاتا ہے۔ اگرچہ ہارون محکموں کے افسروں

---

[1] کتاب الاغانی جلد ۹ صہ ۲۶ ۔

اور خاندانِ شاہی کے ممتاز افراد اور مخصوص علماء سے غیر سرکاری حیثیت سے اہم معاملات میں مشورہ لے لیا کرتا مگر تمام قوت کا سرچشمہ ہارون نے بھی اپنی ہی ذات کو بنائے رکھا۔ وزراء اس کے دایاں بازو تھے۔ ابتدائی زمانے میں برمکی وزراء کا اقتدار ہارون نے روا رکھا۔ ان کے اقتدار کو ختم کر کے مملکت کے نظم ونسق پر حاوی ہوگیا تھا۔

محکمہ جات

دفاتر منصور اور مہدی کے زمانہ میں جو سرکاری دفاتر تھے وہ برقرار رہے۔ چنانچہ دیوان عزیز اس دیوان کا نگران جملہ محکموں کے افسر اس کے ماتحت تھے۔ اولین عہد میں وزیرِ سلطنت ہی مختارِ اعلیٰ تھا۔ بعد کو ہارون نے وزیر کے اختیارات کم کر دیئے۔

ہارون کے عہد میں ایک محکمہ کو زیادہ ترقی ہوئی۔ اس محکمہ کے متعلق نہریں جاری کرنا پل کی تعمیر، آب پاشی کی دوسری آسانیاں مہیا کرنا تھا۔ چنانچہ اس کے عہد میں اس محکمہ کی ترقی کا کوئی دقیقہ اُٹھا نہیں رکھا گیا۔ مقصد یہ تھا کہ آمدنی میں اضافہ ہو۔ امام ابویوسف قاضی القضاۃ کو اس سے زیادہ دلچسپی تھی۔ اُن کے مشورے بہت سودمند ثابت ہوئے۔ امام نے دجلہ وفرات کے پانی کے کھاری پن کو دُور کرنے کے لئے بھی سعی کی۔ کیونکہ کھاری پانی کاشت کے لئے مضر تھا۔

صوبہ ثغور ہارون نے ثغور کو ایک مستقل صوبہ بنا دیا اور وہاں ایک خاص فوجی نظام قائم کیا۔ قلعے تعمیر کئے۔ حفاظت کے لئے ایک مستقل فوج رکھی اور فوجیوں کو تنخواہ باقاعدہ دی جاتی اور ان کو اجازت تھی کہ زمینوں کو آباد کریں اور ان میں کاشت کریں۔ تھوڑے ہی دنوں میں وہ علاقہ خوشحال ہوگیا[1] اس میں

---

[1] مسلمانوں کا نظم مملکت صد ۲۳۶۔

طرطوس اذنہ مرعش شہر ہے۔

ترقی زراعت ہارون کے زمانہ میں زراعت کو بھی بے حد ترقی ہوئی۔ چنانچہ اس کے عہد میں ریاست کی سالانہ آمدنی ۲۷۲ ملین درہم ۴½ ملین دینار تھی۔[1]

لگان ہارون کے زمانہ میں لگان کی نقد آمدنی قریباً ۴۲ لاکھ ملین دینار تھی۔ اس میں خام اشیاء اور دوسری "فتوحات" داخل نہیں تھیں جن کی قیمت کم وبیش ۵ لاکھ درہم اور دس لاکھ درہم ہوتی تھی۔[2]

رعایا کی خبرگیری شاہانِ عالم میں فاروقِ اعظم کے بعد ہارون الرشید رعایا کی خبر گیری کے سلسلہ میں سب سے سبقت لے گیا تھا اس کا دستور تھا کہ تبدیلِ لباس کر کے بغداد کے گلی کوچوں میں رات بھر پھرا کرتا تھا اور اپنی رعایا کے حالات دریافت کیا کرتا تھا۔ اس کے ساتھ وزیر جعفر اور مسعود غلام ہوا کرتے تھے۔ اعلام الناس میں اس سلسلہ کے بہت سے واقعات تحریر کئے گئے ہیں۔

عہدِ ہارون الرشید کے علماء

امام مالک بن انس، امام لیث بن سعد، امام ابو یوسف، قاسم بن معن مسلم بن خالد الزبعی، نوح الجامع، حافظ ابوعوانۃ الشکری، ابراہیم بن سعد الزہری، ابو اسحاق الفزاری، ابراہیم بن ابو یحییٰ، اسد الکوفی، اسمٰعیل بن عیاش بشر بن مفضل، جریر بن عبدالحمید، زیاد البکائی، سلیم المقری صاحب حمزہ، سیبویہ امام العربیہ ضیغم زاہد، عبداللہ العمری زاہد، عبداللہ بن ادریس الکوفی، عبدالعزیز بن ابی حازم، دراوردی، کسائی شیخ النحو، محمد بن حسن، علی بن مسہر،

---

[1] سراسین صـ ۲۲۶ [2] مقدمہ ابن خلدون صـ ۲۴۳

عنجار، عیسیٰ بن سبیعی، فُضَیل بن عیاض صوفی، ابن سماک صوفی، معافی بن عمران موصلی معتمد بن سلمان، مفضل بن فضالہ قاضی مصر، امام موسیٰ کاظم، موسیٰ بن ربیعہ ابوالحکم مصری، نعمان بن عبدالسلام الاصفہانی، ہشیم و یحییٰ ابن ابوزید، یزید بن ذریع، یونس بن حبیب نحوی، یعقوب بن عبدالرحمٰن قاری مدینہ، عبدالرحمٰن بن قاسم ابوبکر بن عیاش المقری، یوسف بن ماجشون [1]

چند مشاہیر کے مختصر حالات

امام محمد بن الحسن بن الفرقد الشیبانی، امام اعظم کے جلیل القدر شاگرد آپ فقہ، حدیث و لغت میں امام ہیں۔ ابوعبید نے کہا کہ میں نے آپ سے زیادہ ماہر قرآنِ الٰہی میں کسی کو نہیں دیکھا۔ آپ جامع علوم اور کثیر التصانیف ہیں۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے آپ کی تصانیف سے استفادہ کیا ہے۔ ۱۸۹ھ میں انتقال فرمایا۔ (مقدمہ فتاویٰ ہندیہ)

امام ابویوسف یعقوب بن ابراہیم بن حبیب بن خنس بن سعد بن عتبہ انصاری ۱۱۳ھ میں پیدا ہوئے۔ فقہ ابن ابی یعلی اور امام اعظم سے حاصل کی۔ بغداد کے قاضی القضاۃ رہے۔ حدیث میں بھی ان کا پایہ بلند ہے۔ ۱۸۲ھ میں وصال فرمایا۔

یحییٰ بن سعید القطان امام حدیث ۱۲۰ھ میں پیدا ہوئے۔ امام اعظم ابی حنیفہ کے قول پر فتوے دیتے تھے۔ ۱۹۸ھ میں انتقال فرمایا۔

یحییٰ بن زکریا بن ابی زائدہ کوفی جامع فقہ و حدیث ہیں۔ ابن حجر نے لکھا ہے علی بن المدینی نے کہا کہ کوفہ میں بعد امام ثوری کے آپ سے زیادہ کوئی محدث نہ تھا۔ ۱۸۴ھ میں وفات ہوئی۔ (تاریخِ خطیب)

---

[1] تاریخ الخلفاء صفحہ ۱۹۸۔

حفص بن غیاث بن طلق النخعی، ابوعمر کوفی فقیہ، محدث۔ ثقہ۔ زاہد متقی، محدث، ہشام بن عروہ بن عاصم سے اخذِ حدیث کیا۔ ان سے احمد یحییٰ بن معین اور القطان وغیرہ نے سماعتِ حدیث کی ۱۹۴ھ میں وفات پائی۔

حکم بن عبداللہ بن سلمۃ البلخی، ابومطیع۔ علامہ کبیر ہیں فقہ اکبر امام اعظم سے روایت کی ہے۔ عبداللہ بن مبارک آپ کی تعظیم کیا کرتے تھے۔ ۱۵۹ھ میں وفات پائی۔

سفیان بن عیینہ محدث ثقہ حافظ، فقیہ، ۱۰۷ھ میں پیدا ہوئے۔ امام اعظمؒ کے شاگرد ہیں۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ اگر امام مالک وسفیان بن عیینہ نہ ہوتے تو حجاز سے علم جاتا رہتا۔ یکم رجب ۱۹۸ھ میں مکہ معظمہ میں وفات پائی۔ (مقدمہ فتاویٰ ہندیہ)

عبداللہ بن المبارک بن الواضح الحنظلی المروزی ۱۱۸ھ میں پیدا ہوئے۔ امام اعظمؒ کی صحبت میں رہے۔ غیر معمولی ثروت وسوخ کے مالک تھے۔ جامع فضائل تھے۔ آفتابِ حدیث سمجھے جاتے تھے۔ ۱۸۱ھ میں وصال ہوا۔ موضع ہیت میں دفن ہوئے۔

علی بن ظبیان کوفی، قاضی القضاۃ رہے۔ فقیہ، محدث، عارف باورع تھے حسنِ خلق میں ممتاز تھے۔ ہمیشہ بوریئے پر بیٹھ کر اجلاس کیا کرتے۔ ابن ماجہ نے اُن سے استفادہ کیا ہے۔ ۱۹۲ھ میں وفات پائی۔

حکمائے ہنود

منسکہ فنِ طب کا ماہر فیلسوف اور حکیم تھا۔ علماء وحکمائے ہند کے علوم پر اس کی نظر وسیع تھی۔ سنسکرت اور فارسی دونوں کا ادیب وماہر تھا۔ ہندوستان سے عراق پہنچا وہاں سے دربارِ ہارونی کی علمی قدر دانی کا شہرہ سن کر بغداد آیا اور اسحاق بن سلیمان بن علی ہاشمی سے ملا جو ساداتِ عرب کا ممتاز فرد تھا۔ اس

کے ذریعہ ہارون تک پہنچا۔ ہارون نے اس کو بیت الحکمت سے منسلک کر دیا منکہ نے جن سنسکرت کتب کا فارسی وعربی میں ترجمہ کیا وہ حسب ذیل ہیں۔
سشترت (فن طب) یحییٰ بن خالد برمکی نے اس کا ترجمہ کرایا اور تمام شفاخانوں میں جو یترا بادین کے استعمال کے لئے بھیجا۔[1]
کتاب سموم، سامیکا، اسماء عقاقیر الہند عربی فارسی میں ترجمے کئے۔ اس کی تصانیف یہ ہیں۔ کتاب السمودار فی الاعمار، کتاب اسرار الموالید۔ کتاب القرانات الکبیر، کتاب القرانات الصغیر، کتاب فی الفوا ہم، کتاب فی احداث العالم و لدور فی القرآن۔[2]
حکیم جنجہل ہندی، کتاب اسرار المسائل اور موالید الکبیر اس کی مشہور تصانیف ہیں۔
حکیم جودر، ہندوستان کے علماء و فضلاء میں ممتاز اور فاضل شخص تھا۔ علم طب میں مہارت رکھتا تھا۔ علوم حکمیہ پر اس کی نظر محیط تھی کتاب الموالید یادگار کتاب ہے۔[3]
شاناق یہ بھی نامور طبیب ہے فلسفہ و حکمت میں اچھی طبیعت پائی تھی۔ علوم نجوم میں امام وقت تھا۔ خوش بیان، زبان آور اور علم مجلس کا ماہر راجگان ہند کے دربار میں اعلیٰ عہدوں پر ممتاز رہا۔
کتاب السمومات للہند، کتاب البیطرہ، کتاب فی علم النجوم کتاب منتحل الجواہر کتاب فی امر تدبیر الحرب اس کی یادگار ہیں۔
صالح بن بہلہ، ہندوستانی حکماء میں ویدک معالجات کا بہت بڑا ماہر تھا۔ اس نے خلیفہ کے چچا زاد بھائی ابراہیم بن صالحہ کا معالجہ کیا تھا۔

---

[1] اسلامی حکومتیں اور شفاخانے صفحہ ۷ [2] الفہرست ابن ندیم صفحہ ۳۷۰
[3] البرامکہ صفحہ ۱۲۹۔

ابوسہل بن نوبخت ایک مجوسی تھا جو خلیفہ منصور کے ہاتھ پر اسلام لایا تھا۔ ابوسہل علم نجوم کا ماہر اور منصور کا ندیم خاص تھا۔ فارسی علم و حکمت کی کتابوں کا عربی میں ترجمہ کیا[1] پھر ہارون کے بیت الحکمت سے منسلک ہو گیا۔

خلیفہ محمد امین ابو عبداللہ

نام محمد امین ابن ہارون الرشید امین کی والدہ ماجدہ ملکۂ سیدہ زبیدہ بنت جعفر بن منصور تھی۔ امین کی ولادت ۱۷۰ھ میں ہوئی۔ اس کی رگوں میں ماں باپ کی طرف سے خالص ہاشمی خون تھا۔

تعلیم و تربیت امین کی تعلیم پر کسائی، نحوی اور یزیدی مقرر ہوئے۔ یزیدی نے برجستہ گوئی اور حسنِ تقریر کی تعلیم دی۔ فقہائے کرام سے فقہ حاصل کیا اور ہارون الرشید کے ساتھ امام مالک کے درسِ حدیث میں بھی حاضری دی۔ ہارون نے فضل بن یحییٰ برمکی کو اس کا اتالیق مقرر کیا تھا۔

امین نہایت ذکی الطبع، فصیح، خوش تقریر، پاکیزہ رو، حور شمائل تھا۔ نحو، ادب، فقہ میں بھی نہایت مہارت حاصل کی۔ مگر ملکۂ زبیدہ کے لاڈ پیار سے عیش طلب اور راحت پسند ہو گیا تھا اور عالمِ شہزادگی میں بہت فضول خرچی کیا کرتا تھا۔

وقائع ہارون نے ۱۷۵ھ میں ولایت عہد کا فرمان لکھا۔ جب ہارون خراسان روانہ ہوا تو ۱۹۲ھ میں امین کو بغداد میں اپنا قائم مقام کیا اور طوس پہنچ کر داعیٔ اجل کو لبیک کہا۔ تفصیل پہلے گزر چکی ہے۔

---

[1] تاریخ الخطباء صفحہ ۶۵۔

ہمراہی امرائے سلطنت و عسکر شاہی نے امین کی خلافت کی بیعت کی۔
بغداد میں خبر پہنچی تو یہاں بیعتِ عام لی گئی۔ شہزادہ صالح بن ہارون الرشید نے تہنیتِ خلافت کے ساتھ خاتمِ خلافت عصا و چادر نبوی رجاء کے ساتھ بھائی کو بھیجا۔[1] فضل بن ربیع کا دربار پُر اثر تھا۔ وہ ہارون کی وفات کے وقت اس کے ہمراہ تھا۔ ہارون نے اس کو ہدایت کی تھی کہ مال، خزانہ، اسلحہ مامون کو دیئے جائیں۔ مگر فضل لے کر چلتا ہُوا اور تمام چیزیں امین کے سپرد کر دیں۔ امین، فضل سے بے حد خوش ہُوا۔ فضل بن ربیع نے امین کو یہ پٹی پڑھائی کہ مامون اور موتمن دونوں کو ولی عہدی سے معزول کر کے اپنے بیٹے موسیٰ کو ولی عہد کر دیا جائے۔

امین پہلے تو رضا مند نہ ہُوا مگر ملکہ زبیدہ کا بھی دباؤ پڑا۔ آخر راضی ہو گیا اور موتمن کو ولایت سے معزول کر کے بغداد طلب کیا۔ پھر عباس بن موسیٰ بن عیسیٰ عباسی کو مامون کے پاس بھیجا وہاں ناکامی رہی۔ عباس مامون سے گٹھ گیا اور واپس آ کر یہاں کے حالات سے مامون کو باخبر کرتا رہا۔ سلیمان بن منصور امین کے باپ اور ماں کا چچا تھا وہ فوج شاہی پر اقتدار رکھتا تھا۔

موسیٰ کی ولی عہدی

امین نے مامون کے انکار کے باوجود موسیٰ کو ولیعہد بنا دیا۔ تمام صوبوں میں فرمان بھیج دیئے گئے کہ خطبہ میں موتمن و مامون کے نام کے بجائے موسیٰ کا نام لیا جائے۔ سیدہ زبیدہ خزانہ لے کر بغداد تشریف لائیں۔ انبار تک امین پیشوائی کو گیا۔

خانہ جنگی

فضل بن ربیع نے مامون کے مقابلہ کے لئے چالیس ہزار فوج تیار کی۔ علی بن عیسیٰ بن ماہان کو جبل نہاوند، ہمدان، قم، اصفہان کی ولایت کا فرمان دے کر اس لشکر کا سپہ سالار بنایا۔ ادھر مامون کو یہاں کے

---

[1] تاریخ ابن خلدون کتاب ثانی جلد ہفتم صفحہ ۷۴۔

حالات معلوم ہوئے۔ تحفہ تحائف بھائی کو روانہ کیے۔ اس کے ساتھ ہی اپنے باپ کے سپہ سالاروں عبداللہ بن مالک، یحییٰ بن معاذ، شبیب بن حمید بن قحطبہ اور علاء مولیٰ ہارون کو جو ہمرکاب تھے ایک جلسہ میں مجتمع کیا۔ علاء اس کا حاجب' عباس بن مسیب بن زہیر افسر اعلیٰ پولیس ایوب بن ابی سمیر کاتب (سیکرٹری) تھا۔ عبدالرحمٰن بن عبدالملک بن صالح اور ذوالریاستین فضل بن سہل مجوسی نومسلم مخصوص و معززمعتمدین میں سے تھے۔ ان سے مشورہ کیا گیا اور یہ بات طے ہوئی کہ ایک وفد فضل کے پاس سامان کے لئے بھیجا جائے۔ چنانچہ فضل بن ربیع کے پاس وفد بھیجا جو راہ سے ناکام آیا۔ پھر فضل بن سہل نے مامون سے کہا۔ آپ اپنے ننھیال میں ہیں، آپ کی بیعت کا طوق ان کی گردنوں میں ہے۔ صبر و استقلال سے کام لیجئے خلافت کا ذمہ میرا ہے۔ مامون نے کہا انشاء اللہ تمہارے کہنے پر عمل کروں گا اور اس کا انصرام اب تمہارے سپرد کرتا ہوں[1] اس کے بعد مامون نے فوجی تیاری شروع کر دی۔

امین نے "قاسم المؤتمن" کو حکومت جزیرہ سے معزول کیا مگر قنسرین اور عواصم کو گورنری پر بدستور قائم رکھا۔ جزیرہ پر خزیمہ بن حازم کو مامور کیا مکہ معظمہ پر عامل داؤد بن عیسیٰ بن موسیٰ بن محمد اور حمص کی گورنری پر اسحاق بن سلیمان تھا۔ اس کے بجائے عبداللہ بن سعید قریشی کو کیا اس نے ظلم ڈھائے تو اس کو معزول کر کے ابراہیم بن عباس کو حمص کی سند گورنری مرحمت کی۔

ادھر مامون نے لشکر گراں اپنے غلام طاہر بن حسین کی قیادت میں مرو سے رے کی طرف روانہ کیا اور خراسان کی ناکہ بندی کرادی اور مخبر چھوڑ دیئے۔ علی بن عیسیٰ چالیس ہزار فوج سے خراسان کی طرف بڑھا۔ اہل خراسان اس سے بیزار تھے۔ ایک زمانے میں یہاں کا گورنر رہ چکا تھا۔ بڑے ظلم کئے تھے۔ خراسانی اس کے

---

[1] تاریخ ابن خلدون جلد ۷ صفحہ ۹۴۔

دشمن تھے۔ طاہر کے ساتھ مل گئے۔ ررّے پر طاہر اور علی کا مقابلہ ہوا۔ علی بن عیسیٰ کے تیر لگا جس سے وہ جانبر نہ ہو سکا۔ فوج نے راہِ فرار اختیار کی۔ بقیہ لوگوں نے امان طلب کی۔ طاہر نے رَے سے مامون کے پاس مرو فتحیابی کی اطلاع بھیجی۔ فضل بن سہل نے طاہر کی معاونت کے لئے اور فوجیں روانہ کیں۔

فضل بن ربیع کو شکست کی خبر ہوئی تو عبدالرحمٰن بن جبلہ انباری کو بیس ہزار فوج کے ساتھ بھیجا۔

ہمدان کے متصل معرکہ پیش آیا۔ عبدالرحمٰن شکست کھا کر قلعہ بند ہوا اور مجبوراً طاہر سے امان کا طالب ہوا۔ یہ خبر فضل بن ربیع کو پہنچی تو خوف زدہ ہو گیا۔ مگر ہمت کر کے احمد بن فرید کو بیس ہزار فوج کے ساتھ طاہر کے مقابلے کے لئے روانہ کیا۔ اس کے بعد عبداللہ بن حمید بن قحطبہ کی زیر سرکردگی بیس ہزار فوج احمد کی کمک کے لئے اور روانہ کی۔ ہر دو فوجیں حلوان کے متصل خانقین میں کچھ فاصلہ پر خیمہ زن ہوئیں۔ طاہر کے جاسوس ہر دو میں گھل مل گئے اور باہمی پھوٹ ڈلوا دی۔

آخرش طاہر سے بلا مقابلہ کے فوجیں بغداد لوٹ گئیں۔ مامون نے طاہر کو حکم دیا کہ اہواز کی طرف بڑھے اور اس جگہ حلوان بن ہرثمہ بن اعین کو متعین کیا تاکہ بغداد کو دو طرف سے گھیرا جائے۔ طاہر نے عامل اہواز محمد بن یزید کو صف آرا ہو کر شکست دی اور اہواز پر قبضہ کیا اور فارس سے لے کر یمامہ اور بحرین تک اپنے عمال مقرر کر کے واسط کی طرف بڑھا اور اس پر بھی قبضہ جمایا۔

طاہر نے واسط سے ۱۹۶ھ میں کوفہ ایک دستہ فوج روانہ کی۔ یہاں کے امیر عباس بن موسیٰ ہادی تھے۔ وہ یہ رنگ دیکھ کر امین کی بیعت فسخ کر کے مامون کی خلافت کے مؤید ہو گئے۔ ان کی دیکھا دیکھی منصور بن مہدی امیر بصرہ بھی طاہر کا ہمنوا ہو گیا۔ مطلب ابن عبداللہ بن مالک گورنر موصل نے بھی مامون

کی اطاعت کی۔[1]

طاہر نے ان سبھوں کو بحال رکھا اور حرث بن ہشام اور داؤد بن موسیٰ کو قصر ابن ہبیرہ کی طرف روانگی کا حکم دیا اور خود جرجرایا میں خیمہ زن ہو گیا۔

امین کو ان حالات کا علم ہوا تو محمد بن سلیمان اور محمد بن حماد بربری کو قصر روانہ کیا۔ یہاں داؤد اور حرث سے معرکہ ہوا۔ محمد بن سلیمان کو شکست ہوئی اور اس نے بغداد کی راہ لی فضل بن موسیٰ کو امین نے کوفہ بھیجا۔ یہاں محمد بن علاء طاہر کی طرف سے مقرر تھا۔ مقابلہ ہوا فضل کو پسپا ہو کر بغداد لوٹنا پڑا۔ طاہر کامرانی کے ساتھ مدین پہنچا اور اس پر قابض ہو کر صرصر پر جا اترا اور وہیں پُل بنوایا۔

حجاز میں مامون کی بیعت

مامون کی فتوحات کی شہرت عام ہو رہی تھی حرمین پر بھی اس کا اثر پڑا۔ وہاں کا عامل داؤد تھا اُس نے اہلِ مکہ کو جمع کیا۔ اعیانِ عرب مجتمع ہو گئے اور ایک پُراثر تقریر کی۔ اُس نے کہا۔

"امین وہ ہے جس نے حرمتِ حرم کا خیال نہ کیا۔ جن معاہدوں کو ہارون نے مامون اور امین سے لکھوا کر صحنِ کعبہ میں تصدیق کرائی اور ان کو خانہ کعبہ میں رکھا۔ امین نے ان کو منگوا کر چاک کیا اور آگ میں جلا دیا۔"

ساری مجلس کانپ گئی اور منبر سے اپنی ٹوپی اُتار کر پھینک دی کہ اس طرح میں امین کو خاک پر ٹپکتا ہوں۔ غرضیکہ تمام اعیانِ مکہ نے مامون کی غائبانہ بیعت کی۔ مامون کو یہ خبر پہنچی تو داؤد کو پانچ لاکھ درہم بطور نذر کے بھیجے۔ یہاں کے واقعہ کا اثر اہلِ یمن پر بھی پڑا۔

---

[1] تاریخ کامل ابن اثیر جلد ۶ صفحہ ۱۰۶ مطبوعہ مصر

امین کا اقتدار صرف بغداد پر رہ گیا تھا۔ امین نے ۱۹۶ھ میں علی بن محمد کو ہرثمہ کے مقابلہ پر بھیجا وہاں علی گرفتار ہو گیا۔ امین نے خزانہ کا منہ کھول دیا مگر یہ تدبیر بھی بے کار رہی۔ طاہر بے روک ٹوک بڑھ رہا تھا۔ باب الانبار پہنچ کر ایک باغ میں ٹھہرا۔

بغداد میں یہ واقعات رونما ہو رہے تھے کہ عبدالملک بن صالح کو جسے ہارون قید میں چھوڑ گیا تھا اُسے رہا کر کے امین نے یہ خواہش کی کہ تم اپنی فوجوں کو فراہم کر کے میری مدد کرو۔ چنانچہ عبدالملک نے فوجوں کو جمع کیا۔ اس وقت شامیوں اور خراسانیوں میں جو اُن کی فوج میں تھے قومی عصبیت پر باہمی جھگڑا پڑ گیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اہلِ شام اپنے ملک واپس چلے گئے۔

عجمی فوج کا سرغنہ حسین بن علی بن عیسٰی تھا۔ وہ اپنے بقیہ ساتھیوں کو لے کر بغداد آیا اور ۱۱ رجب ۱۹۶ھ کو امین کو معزول کر دیا اور مامون کی خلافت کا اعلان کر کے قصرِ خلافت میں جا کر امین کو نظر بند کر دیا۔

رئیس بغداد محمد بن ابی خالد نے اہلِ بغداد سے کہا حسین ہمارا امیر کیسے بن گیا اور اس کو خلیفہ کے معزول کرنے کا اختیار کس نے دیا اور اس کے ساتھی اسد حربی نے امین کو قید سے چھڑا کر تختِ خلافت پر بٹھلایا اور حسین کو گرفتار کر لیا۔ آخر کو امین نے معاف کر دیا۔ یہ فرار ہونا چاہتا تھا قتل کر دیا گیا۔ دار الخلافہ میں یہ شورش تھی، طاہر انبار آ چکا تھا۔ ہرثمہ نے آ کر دوسری طرف بغداد کو گھیر لیا۔ ہرثمہ نہر بین پر متعین ہوا۔ طاہر نے عبداللہ بن وضاح کو شماسیہ کی طرف اور مسیب بن زہیر کو قصر کلواذی کی جانب مقرر کیا اور ہر سمت منجنیق اور قلعہ شکن آلات نصب کرائے۔ چاروں طرف سے بغداد پر سنگباری کر دی گئی۔ ایک برس تک بغداد پر حملہ رہا۔ امین کا عالی شان قصر جو تقریباً دو کروڑ کے صرف سے بنا تھا کھنڈرین کے رہ گیا۔ اہلِ شہر پر جو مصیبتیں آئیں اُن کا اندازہ نہیں کیا جا سکتا۔ امین کے دربار کے رکن خزیمہ نے طاہر سے میل کر لیا۔ طاہر ۲۲ محرم

۱۹۸ھ کو مشرقی دروازہ سے بغداد میں داخل ہُوا اور دجلہ پر علم نصب کر کے اعلان کیا کہ امین معزول کر دیا گیا۔ شہر کا مشرقی حصہ گویا کامل طور سے فتح ہو گیا۔ اہلِ شہر شدتِ محاصرے سے تنگ آ گئے تھے۔ امین نے تمام آرائشی ساز و سامان سونے چاندی کے برتن، جواہرات بیچ کر فوج کے مصارف میں لگا دیئے۔ اپنی امداد کے لئے جیل کے قیدی اور اوباشوں کو جمع کیا۔ وہ لوگ طاہر کی فوج سے خوب لڑے اور انہوں نے لوٹ کھسوٹ بھی جاری رکھی۔ امین نے یہ رنگ دیکھ کر ہرثمہ سے اپنی جان کی امان طلب کی۔ اس نے کہلا بھیجا میں آپ کی جان کا ذمہ لیتا ہوں۔ آپ میرے پاس آ جائیے۔ امین کے مصاحبوں نے طاہر کو خبر کر دی اس نے دجلہ پر اپنے آدمی بھیج دیئے۔

قتلِ امین امین الرشید اپنے درباریوں کے مشورہ سے محل سے رخصت ہُوا اپنے بچوں کو گلے سے لگایا اور ان کو خدا کو سپرد کر کے ہرثمہ کے پاس روانہ ہُوا۔ ہرثمہ قصرِ خلافت کے قریب کشتی میں بیٹھ کر گیا۔ امین جس وقت قصر سے نکل کر کشتی میں سوار ہُوا طاہر کے آدمیوں نے تیر اور پتھر برسانے شروع کئے یہاں تک کہ کشتی الٹ گئی [۱] ہرثمہ کو اس کے ساتھیوں نے نکالا اور امین کو طاہر کے آدمی پکڑ لے گئے اور قید کر دیا۔ پھر وہیں قتل کر دیا گیا۔ یہ واقعہ ۲۵ محرم ۱۹۸ھ کا ہے۔

طاہر نے مامون الرشید کو فتح نامہ لکھا اور امین کا سر روانہ کیا اور بغداد کی پوری تفصیل سے مطلع کیا۔ نیز وہ وجوہ بھی لکھے جن کی بنا پر امین کا قتل ناگزیر تھا۔

طاہر جمعہ کو بغداد میں داخل ہُوا نماز خود پڑھائی [۲] خطبہ میں اہلِ بغداد کو امانِ عام دی فضل بن ربیع روپوش ہو گیا۔

---

[۱] ابن خلدون کتاب ثانی جلد ہفتم صفحہ ۷۹۔

سیرتِ امین امین موزوں اندام کشیدہ قامت نہایت خوبرو اور قوی تن تھا کسائی سے فنِ نحو و ادب کی تکمیل کی تھی۔ نہایت فصیح و بلیغ اور سخن سنج تھا۔ بچپن سے شعر گوئی کا ذوق تھا۔ علم دوست تھا، فیاض تھا اسی کے ساتھ چونکہ صاحبِ کمال اور پایہ شناس اور سخن سنج تھا۔ ہزاروں اہلِ فن اس کے خوان کرم سے فیض یاب ہوتے تھے۔ ان خوبیوں کے ہوتے ہوئے عیش و عشرت کا دلدادہ تھا۔ لہوولعب اور نبیذ سے ذوق و شوق رکھتا تھا۔ اطرافِ ملک کے اوباش اُس کے اردگرد جمع ہو گئے تھے۔ ان کی بڑی بڑی تنخواہیں تھیں۔ فضل برمکی کی صحبت سے عجمی مشاغل سے دل لگاؤ تھا۔ کثرت سے لونڈیاں اور خواجہ سرا اپنی خدمت میں رکھتا۔ خزانہ اور جواہران کے لئے وقف تھے۔

واعطائه الاموال والجواهر وامره باحضار الملاهي والمغنين من سائر البلاد [1]

امین نے اپنے لئے نئے نئے قصور اور محلات تعمیر کرائے، جابجا طرح طرح کے جانور اور پرند منگائے۔ ہاتھی، شیر، گھوڑے، عقاب اور سانپ کی صورت کی کشتیاں بنوائیں۔ ان پر سوار ہو کر دجلہ میں تفریح کرتا تھا۔

ان مشاغل میں خلافت کا کام بالکل چھوڑ دیا تھا۔ دربار میں نہیں آتا تھا۔ سیاہ و سفید کا مالک فضل بن ربیع تھا۔

امین کی مدتِ خلافت چار برس سات مہینے اٹھارہ دن رہی۔ ۲۷ سال کی عمر میں قتل ہوا۔

علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں :۔

"امام احمد بن حنبل کہتے ہیں کہ امید ہے کہ خدا تعالیٰ امین کو محض اس وجہ سے بخش دے گا کہ اس نے اسماعیل بن علیہ سے نہایت سخت

---

[1] البدایہ والنہایہ جلد ۱۰ صفحہ ۲۴۲۔

الفاظ میں کہا تھا کہ کم بخت تُو ہی قرآن شریف کو مخلوق بتلاتا ہے"۔[1]

حسبِ ذیل علما نے اس کے زمانہ میں وفات پائی

اسماعیل بن علیہ، شفیق بلخی زاہد، ابومعاویہ الضریر، سدوسی مورخ، عبداللہ بن کثیر مقری ابونواس شاعر، عبداللہ بن وہب شاگرد امام مالک ورش مقری وکیع اور دیگر حضرات۔[2]

محدثین وفقہاء حمزہ بن حبیب زیات کوفی قرأ سبعہ سے تھے محدث، صدوق زاہد، پرہیزگار۔ تھے امام مسلم نے ان سے تخریج کی ہے۔ ۱۵۸ھ میں انتقال کیا۔

حماد ابن ابی حنیفہ زاہد، عابد، پرہیزگار، محدث فقیہ تھے بعد قاسم بن معن کے کوفہ کے قاضی ہوئے۔ ۱۷۶ھ میں انتقال کیا۔

حفص بن عبدالرحمٰن البلخی معروف نیشاپوری، محدث فقیہ تھے۔ نسائی نے ان سے روایت کی ہے۔ بغداد کے قاضی رہے۔ ۱۹۹ھ میں انتقال ہُوا۔

حمّاد بن دلیل قاضی مدائن ابوداؤد نے سنن میں آپ سے تخریج کی ہے۔

خالد بن سلمان امام اہلِ بلخ سے تھے صاحبِ فتوے نے ۱۹۹ھ میں بعمر ۸۴ سال وفات پائی۔

داؤد بن نصیر الطائی ابوسلیمان بیس برس امام ابوحنیفہ کی صحبت میں رہے۔ محدث فقیہ کامل تھے۔ ۱۶۵ھ میں وفات پائی۔

اسرائیل بن یونس بن ابی اسحاق کوفی فقیہ، محدث، ثقہ، متولد ۱۰۰ھ کوفہ میں امام ابوحنیفہ و ابویوسف سے فقہ و حدیث حاصل کی۔ ان سے وکیع و ابن مہدی نے حاصل کی۔ امام بخاری و مسلم نے ان سے تخریج کی۔ ۱۶۰ھ

---

[1] تاریخ الخلفاء صفحہ ۲۱۰ [2] ایضاً

میں فوت ہوئے۔

اسد بن عمرو بن عامر بجلی از اولاد جریر بن عبداللہ البجلی صحابی فقیہ و محدث امام اعظم کے شاگرد تھے۔ خلیفہ ہارون نے اپنی لڑکی ان کو بیاہی تھی۔ واسط اور بغداد کے قاضی رہے۔ وفات ۱۸۸ھ میں ہوئی۔

زُہیر بن معاویہ بن خدیج کوفی ۱۰۰ھ میں پیدا ہوئے۔ محدث و فقیہ تھے۔ اصحاب الصحاح نے اُن سے استفادہ کیا۔ ۱۷۳ھ میں وفات پائی۔

ابو بشر، عمرو بن عثمان بن قنبر الملقب بہ سیبویہ متقدمین و متاخرین میں اس کے برابر کوئی نحو کا عالم نہیں گزرا۔ علمی طور پر سب سے پہلے اس نے نحو کے اصول وضع کئے۔ بعمر ۴۰ سال ۱۸۰ھ میں وفات پائی۔ (ابن خلکان جلد ۲ صفحہ ۳۸۶ وبقیہ للسیوطی صفحہ ۳۶۶ ۔)

شریک بن عبداللہ کوفی، اصحاب امام اعظم میں داخل ہیں۔ یہ واسط کے قاضی رہے۔ عالم، زاہد، عابد، عادل اور اہل ہوا و بدعت پر سخت گیری کرنے والے تھے۔ ۱۷۷ھ میں وفات پائی۔

شعیب بن اسحاق بن عبدالرحمٰن القرشی الدمشقی، ابو حنیفہؒ کے اصحاب میں ہیں۔ ۱۸۹ھ میں انتقال کیا۔

عمرو بن میمون بن بحر بن سعد بن اماخ بلخی محدث فقیہ تھے۔ بغداد میں قاضی رہے ۱۷۱ھ میں انتقال ہوا۔

عبدالکریم بن محمد جرجانی فقیہ و محدث تھے۔ ترمذی نے ان سے تخریج کی۔ ۱۸۱ھ میں انتقال کیا۔

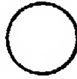
محمد بن ابراہیم الفزاری (ابن المقفع[1] کا دوست تھا) جس نے منصور کے

---

[1] ابن المقفع اصل میں مجوسی تھا۔ پھر مسلمان ہو گیا تھا۔ اصلی نام روزبہ ابن داذبہ تھا۔ اسلامی نام عبداللہ رکھا گیا۔ اس کا باپ حجاج بن یوسف کے زمانے میں عراق اور فارس کے ٹیکس وصول کرنے

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۲۱ پر ملاحظہ ہو)

زمانہ میں السندہند (سدہانت[1] / زیج ہند و پنڈتوں کی معاونت سے ترجمہ کیا تھا مہدی کے عہد میں انتقال کیا۔ فزاری نے سدہانت کے عربی ترجمہ سے کواکب میں ایک رسالہ مرتب کیا تھا[2] اس کے لڑکے محمد نے اس پر حاشیہ چڑھایا۔ عہدِ امین میں فوت ہوا۔



(بقیہ حاشیہ پچھلے صفحہ ۲۲۰ سے آگے) :-

پر مامور تھا۔ کسی نے بجبر چھہتر روپے وصول کرنے کی پاداش میں اس کو سخت سزا دی گئی جس کی وجہ سے اس کا ہاتھ ٹیڑھا ہو گیا تھا لہٰذا اس کو المقفع کہنے لگے۔ سنہ ۱۲۵ھ میں مقفع قتل کیا گیا ہم اس کا کچھ حال عہدِ منصور میں بھی لکھ چکے ہیں۔

[1] سدہانت اصل نام برہم اسپھتی سدہانت (علم ہئیت کی صحیح کتاب منسوب بہ برہم) ہے اس کو سنہ ۱۵۶ھ میں ہندوستان کے ایک بڑے ریاضی دان نے منصور کی خدمت میں پیش کیا تھا۔

اس کتاب کا مصنف برہم گپت نامی پنڈت تھا جس نے تیس برس کی محنت میں یہ کتاب تیار کی تھی۔

(البیرونی ص ۱۳۲)

[2] تاریخ التمدن الاسلامی جلد ۳ صفحہ ۱۶۳ –

خلیفہ عبداللہ المامون عباسی

نام ونسب عبداللہ المامون ابن ہارون الرشید بن المہدی بن المنصور عباسی کنیت ابوجعفر اس کی والدہ مراجل" خاتون" تھی۔

و امہ ام ولد یقال لہا مراجل الباذغیسیہ [1]

ولادت خلیفہ عبداللہ مامون الرشید کی ولادت ماہ ربیع الاول بروز جمعہ ۱۷۰ھ کو ہوئی۔

تعلیم وتربیت ہارون الرشید نے مامون کو پانچ برس کی عمر میں کسائی نحوی اور یزیدی اصمعی اور عباس بن احنف کے سپرد کر دیا۔

ان سے ہی کلام مجید پڑھا۔ ادبائے مذکور کی تعلیم سے تھوڑے ہی عرصے میں ادب سے گہرا لگاؤ پیدا ہوگیا۔ حدیث اپنے والد اور ہشیم عباد بن عوام یوسف بن قحطبہ ہاشم بن بشیر ابومعاویہ العزیز اسمٰعیل بن علیہ حجاج بن محمد المور سے سُنی اور اپنے والد کے ساتھ امام مالک کے درس میں بھی حاضری دی۔

فقہ معاصر فقہاء سے حاصل کیا۔ آگے چل کر فلسفہ اور علوم الاوائل میں توغل پیدا ہوا۔ ہارون نے "محکمۂ کتب علمیہ" کے ترجمہ کا قائم کیا تھا جس میں ہندو، پارسی عیسائی، یہود ہر مذہب وملت کے لوگ تھے۔ ان کی نشست وبرخاست مامون کے پاس بھی ہوا کرتی تھی۔ ان سے علوم عقلیہ کی تحصیل میں بڑی مدد ملی۔ مامون کا اتالیق جو جعفر برمکی تھا اس کی صحبت سے شیعیت کا رنگ چڑھا تفضیلی خیالات رکھتا تھا۔

---

[1] البدایہ والنہایہ الجزالعاشر صفحہ ۲۷۴ [2] تاریخ الخلفاء صفحہ ۱۶۵۔

ولی عہدی

ہارون کی دلی منشاء، مامون کو اپنا جانشین کرنے کی تھی مگر اپنی ملکہ زبیدہ کے خوف سے "امین" کو ولی عہد کیا اور ملک کو "امین" و "مامون" میں تقسیم کر دیا۔ امین اور مامون سے معاہدہ لکھوا کر خانہ کعبہ میں رکھوا دیا۔ جب ہارون فوت ہوا "امین" تختِ خلافت پر بیٹھا۔ اس کے بعد تمام واقعات امین کے حالات میں آچکے ہیں۔ امین کے قتل کے بعد مامون کو کامل حکمرانی کا موقع ملا۔

اہلِ بغداد نے مامون کی بیعت ۲۶ محرم ۱۹۸ھ میں امین کے قتل کے بعد کی۔ اس کی مستقل خلافت اسی تاریخ سے شروع ہوتی ہے۔

خلافت

مامون نے گو عنانِ سلطنت اپنے ہاتھ میں لی مگر فضل بن سہل کو دربار میں وہ اقتدار حاصل ہوا کہ خلافت بھی درحقیقت فضل کے پنجۂ اختیار میں تھی۔

فضل، مامون پر چھا رہا تھا "طاہر" جس نے مامون کی خلافت کی بنیاد ڈالی اس کے ساتھ یہ سلوک کیا گیا کہ اس سے تمام ممالک مفتوحہ الجبال، فارس، اہواز، بصرہ، کوفہ، یمن، وغیرہ کی حکومت فضل نے اپنے بھائی حسن بن سہل کو دیدی۔ طاہر کو نصیر بن سیار جو امین کا ہوا خواہ تھا اور جس نے شام میں بغاوت کی تھی اس کے مقابلہ پر مامور کیا۔

حسن بغداد میں داخل ہوا اور شہر و صوبوں پر اپنی طرف سے عُمّال و نائب مقرر کئے۔ ملک میں وہی رنگ آنے لگا جو برامکہ کے عہد میں تھا۔ وہ بھی مجوس النسل تھے اور فضل اور حسن بھی مجوس زادے تھے۔

استیصالِ برامکہ کے بعد عرب برسر اقتدار آئے تھے مگر عجمیوں کے دوبارہ با اقتدار ہونے پر ان میں بے چینی پیدا ہونے لگی۔

بنو ہاشم اور افسرانِ فوج دولتِ عباسیہ سے بے دل ہونے لگے۔ مامون کو فضل نے پردے میں بٹھا دیا حتیٰ کہ خاندانِ شاہی کے لوگ بھی باریاب نہ

ہونے پاتے تھے۔

ملکی انتظام پر فضل قابض تھا اور تمام عہدوں پر عجمی ممتاز کئے جا رہے تھے اس کا اثر یہ ہوا کہ اطرافِ ملک میں بغاوت پھیلنے لگی۔

ابن طباطبا کا ظہور

علوئین نے موجودہ ملک کی برہمی سے فائدہ اٹھانا چاہا سادات کرام میں سے ابو عبداللہ محمد جو طبا طبا کے لقب سے مشہور تھے انہوں نے خلافت کے حصول کے لئے "لوائے آل محمد" بلند کیا۔ ان کا علو نسب اور تقدس مرجع عوام بننے کے لئے کافی تھا۔ ملکی نظم و نسق کے لئے طبا طبا جیسے ایک مدبر کی ضرورت تھی۔ ایک شخص ابوالسرایا جو پہلے گدھے چراتا اور ان پر مال لاد کر مزدوری کیا کرتا تھا مگر تھا شجاع بہت جلد اس نے اپنی حالت سنبھال لی اور ہرثمہ کی فوج کا ایک رکن بن گیا یہاں سے نکالا گیا تو "عین التمر" وقوقا میں جا کر پیشۂ غارت گری اختیار کر لیا۔ "طبا طبا" رقہ میں تشریف لے گئے تو ابوالسرایا نے ان کے ہاتھ پر بیعت کی اور معاون بن گیا۔ ابوالسرایا کی شرکت سے طبا طبا کی پولٹیکل طاقت بڑھ گئی۔ جتنے ڈاکو اور جرائم پیشہ ابوالسرایا کے ہمراہ تھے وہ "لوائے آل محمد" کے زیر سایہ آ گئے۔ ابوالسرایا نے طبا طبا سے کہا آپ دریا کی راہ سے کوفہ چلئے میں "خشکی کی راہ سے آتا ہوں"۔ کوفہ پہنچ کر اس نے قصر کو لوٹا۔ یہ شاہی محل اور گورنران کوفہ کا صدر مقام تھا۔ تمام مال و خزانہ اس کے ہاتھ آیا۔ اس کے بعد اس نے شہر پر قبضہ کیا اور محمد طبا طبا کی امامت کا عام اعلان کیا۔ اور سلیمان بن ابی جعفر عامل کوفہ کو نکال باہر کیا۔

۱۹۹ھ میں حسن بن سہل نے زہیر بن مسیب کے ساتھ دس ہزار فوج بھیجی۔ ابوالسرایا نے جان توڑ مقابلہ کر کے اس کو شکست دے دی اور اس کا سارا ساز و سامان قبضہ میں کر لیا۔ اس فتح کے بعد ہی ابن طبا طبا یکایک وصال فرما گئے۔ ابوالسرایا نے ان کی جگہ پر محمد بن محمد بن زید بن علی بن حسینؓ کو جو

کم سن تھے امام بنایا۔ حسن بن سہل نے عبدوس بن محمد بن خالد مرورودی کی ماتحتی میں پھر چار ہزار فوج بھیجی۔ ابوالسرایا مقابل آیا اور حکومت کی فوج کام آئی۔

علوی جابجا پھیل گئے، بصرہ پر زید بن حضرت موسیٰ کاظم عامل مقرر ہوئے حسین بن الحسن مکہ معظمہ کے حاکم قرار دیئے گئے اور ابراہیم بن موسیٰ یمن کے عامل قرار پائے۔ ابوالسرایا کا اقتدار کوفہ کے باہر دور دور تک قائم ہو گیا۔ اس نے ٹکسال بھی قائم کی[۱] عمال ابوالسرایا نے بصرہ میں عباسیوں کے مکان جلا دیئے۔ مکہ میں قیامت برپا کر دی۔ مکہ معظمہ کا خزانہ حسین بن الحسن نے لوٹ لیا۔ یمن میں سفاکانہ قتل عام ہوا۔ بقول علامہ شبلی علوئین اور آل فاطمہ کا (چند روزہ) وہ دور ہوا کہ لوگوں کے ننگ و ناموس کا پاس اٹھا دیا گیا۔ ابراہیم قصاب کہلائے گئے۔[۲]

ان واقعات کی وجہ سے حسن بن سہل نے بدرجۂ مجبوری ہرثمہ کو مطلع کیا وہ خراسان جاتے ہوئے رکا اور فوج لے کر مدائن آیا۔ وہاں سے عامل ابوالسرایا کو نکال باہر کیا۔ پھر ہرثمہ کوفہ کی جانب بڑھا۔ قصر ابن ہبیرہ کے متصل ابوالسرایا سے دو دو ہاتھ کئے۔ وہ شکست کھا کر علوئین کو لے کر قادسیہ چلا گیا۔ ہرثمہ نے کوفہ پر قبضہ کیا اور یہاں کا انتظام کر کے ابوالسرایا کا تعاقب کیا۔ ابوالسرایا کو حسن بن موہانی نے گھیر لیا۔ حسن کے مقابلہ پر زخمی ہوا۔ جلولا مقام پر گرفتار ہوا اور قتل کر دیا گیا۔[۳]

ابوالسرایا کے بعد تمام عمال بنی فاطمہ پکڑے گئے اور مامون الرشید کے سامنے لائے گئے۔ مگر اس نے ان حضرات کی عظمت و نسب کا پاس کر کے ان کو آزاد کر دیا۔

---

[۱] کامل ابن اثیر جلد ۶ صفحہ ۱۳ [۲] ابن خلدون کتاب ثانی جلد ہفتم صفحہ ۹۴ تا ۹۹ [۳] المامون صفحہ ۶۲۔

واقعہ قتل ہرثمہ علوئین کی شورشیں ختم ہوگئیں۔ مگر عرب کا گروہ جو حکومت کا شریک غالب تھا خراسان کے دار الخلافہ ہونے سے اور فضل و حسن کے اقتدار سے ناراض تھا۔ ہرثمہ اس عرب جماعت کا رکنِ رکین تھا وہ علوئین کی شورشیں ختم کرنے کے بعد مامون کو واقعات سے آگاہ کرنے کے لئے خراسان روانہ ہوا۔ فضل نے مامون سے حکم بھجوایا کہ ہرثمہ تم شام و حجاز کی گورنری جاکر سنبھالو۔ تمہیں ابھی خراسان آنے کی ضرورت نہیں۔ مگر ہرثمہ مامون کی خدمت میں پہنچنا چاہتا تھا اس لئے آگے بڑھتا چلا گیا۔

فضل نے یہ رنگ دیکھ کر مامون الرشید کے کان بھرنے شروع کئے کہ تمام ملک کی شورشیں ہرثمہ کی کرائی ہوئی تھیں اور اب اس قدر خود سر ہوچکا ہے کہ آپ کے فرمان کا لحاظ بھی نہیں کرتا۔ ۲۰۰ھ میں ہرثمہ "مرو" پہنچا اور نقارہ بجاتا ہوا مامون کے دربار میں حاضر ہوا۔ مامون نے اس کی عرضداشت پر توجہ نہ دی۔ دربار سے نکلوا دیا اور قید کرنے کا حکم دیدیا۔ چنانچہ فضل نے مجلس میں ہرثمہ کو مروا ڈالا[1]

ہرثمہ کے واقعہ قتل نے تمام ملک میں تلاطم مچا دیا۔ اہلِ بغداد نے مامون کے خلاف علمِ بغاوت بلند کیا۔ مامون کے عمال و حکام برطرف کردیئے گئے۔ محمد بن ابی خالد ہرثمہ کا جانشین بنایا گیا۔ تمام بغداد نے اس کی اطاعت قبول کی۔ حسن بن سہل مامون کی طرف سے بغداد کا گورنر تھا۔ ان دنوں وہ واسط میں مقیم تھا۔ محمد بن ابی خالد اس کے مقابلہ کے لئے ۲۰۱ھ میں گیا اور حسن کی افواج کو بری طرح شکست دی اور آگے بڑھ کر "دیر العاقول" میں زہیر بن المسیب عامل حسن کو جالیا اور گرفتار کرکے بغداد بھیج دیا۔ ہارون کے بیٹے نے مضافات نیل پر فتح پائی۔ حسن عظیم الشان فوج جمع کرکے باپ بیٹوں سے نبرد آزما ہوا۔

---

[1] ابن خلدون کتاب ثانی جلد ہفتم۔

ابی خالد کو مُنہ کی کھانا پڑی۔ بغداد لوٹا، زخمی ہو چکا تھا انتقال کر گیا۔ محمد کے فرزند عیسٰی نے باپ کی فوج کی کمان سنبھالی۔ تمام بغداد نے اس کی سرداری قبول کی۔ حسن کی فوج سے عیسٰی اور اُس کے بھائی زنبیل کے دو دو ہاتھ ہوئے۔ عیسٰی کو ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا مگر اہلِ بغداد کو فضل اور حسن سے نفرت تھی۔ حکومت سے عناد نہ تھا۔

امام علی رضا کی ولی عہدی

بغداد میں یہ واقعات گزر رہے تھے۔ مامون فضل کے قبضہ میں تھا اس تک ملک کی خبریں پہنچنا بند تھیں۔ مامون کو اہلِ بیت کرام سے نہایت محبت تھی اس نے امام ہشتم علی رضا رضی اللہ عنہ کو اپنی بیٹی ام حبیب منسوب کی[۱] اور اپنا ولی عہد قرار دیا۔ حضرت امام زہد و تقدس کے اعلیٰ نمونہ تھے۔ ان کا فضل و کمال بھی خلافت کے شایانِ شان تھا۔ ۲۰۰ھ میں مامون نے اپنے تمام عباسی خاندان کو خراسان مدعو کیا۔ ۳۳ ہزار مرد و زن جمع ہوئے۔ مامون نے سب کا رسمی عزت سے خیر مقدم کیا۔ ایک سال یہ لوگ حریم خلافت کے مہمان رہے۔ مامون نے سب پر نظر ڈالی، امام صاحب کے علاوہ کوئی دوسرا فرد ولی عہدی کے لئے نہ جچا۔ ۲۰۱ھ میں اعیانِ بنی عباس کو دربار میں مدعو کیا اور امام علی رضا کی بیعتِ خلافت لی اور تمام ممالک میں ان کی ولی عہدی کا اعلان کر دیا[۲] اور سیاہ لباس کے بجائے سبز لباس اختیار کیا گیا۔ اس واقعہ نے بغداد میں قیامت انگیز ہلچل ڈال دی اور مامون الرشید سے مخالفت کا پیمانہ لبریز ہو گیا۔ انھوں نے مامون کے چچا ابراہیم بن المہدی کی بیعت کر لی[۳] اور اپنا لقب المبارک اختیار کیا۔

---

[۱] کامل ابن اثیر جلد ۶ صفحہ ۱۴۴ [۲] تاریخ کامل ابن اثیر جلد ۶ صفحہ ۱۳۴۔

[۳] کامل ابن اثیر جلد ۶ صفحہ ۱۳۴۔

خلافتِ ابراہیم عباسی

ابراہیم نے ابو البطاد سعید کو کوفہ بھیجا۔ اُس نے وہاں قبضہ جمایا۔ حسن بن سہل واسط میں تھا۔ ابراہیم کے معاون اس کو بے دخل کرنے چلے حسن قلعہ بند ہو گیا۔ ابراہیم نے عیسیٰ کو مقابلہ کے لئے بھیجا حسن اور عیسیٰ میں بڑی جنگ ہوئی جس میں عیسیٰ کو شکست اٹھانا پڑی۔ امام علی رضا نے مامون الرشید کو واقعاتِ شورش سے آگاہ کیا۔ فضل کی فتنہ پردازی کھول کے رکھ دی اور فرمایا ہرثمہ کو اس نے ہی قتل کرایا تھا اور "طاہر" جو تمہاری خلافت کا بانی ہے اس کو بھی ملک کے ایک کونہ میں ڈال دیا۔ مامون گھبرا گیا اور عراق کی روانگی کا انتظام کیا۔ فضل کو اس کا پتہ لگا اور جن لوگوں نے امام کے قول کی تصدیق کی تھی ان کو سزائیں دیں بالآخر مامون نے فضل کو قتل کرا کے اس کے فتنہ سے گلو خلاصی کرائی اور قاتلوں کو بھی مروا ڈالا[1]

اس کے بعد حسن کو وزیر اعظم بنایا اور اس کی لڑکی بوران سے عقد کر لیا۔ مگر حسن کو بھائی کے قتل کا ایسا صدمہ ہوا کہ پاگل ہو گیا۔ اس لئے اس کے بجائے احمد بن ابی خالد کو وزیر اعظم مقرر کیا۔ مامون طوس تک پہنچا تھا کہ امام علی رضا کا آخر صفر ۲۰۳ھ کو یکایک انتقال ہو گیا[2]

امام علی رضا کی وفات کا مامون الرشید کو بے حد صدمہ ہوا۔ تین دن ان کی قبر پر مجاور بنا رہا۔ امام کی وفات سے اہلِ بغداد کی کل شکایات جاتی رہیں ابراہیم مدائن میں مقیم تھا۔ ابراہیم کا افسرِ فوج عیسیٰ بن محمد حسن سے گٹھ گیا اور ابراہیم کا بھائی منصور بن مہدی اور علی بن ہشام سب مامون کے طرف دار بن گئے۔ عباس جو عیسیٰ کا خلیفہ تھا اس نے بغداد میں ابراہیم کے خلاف ایسی پُر جوش تقریریں کیں کہ تمام بغداد مخالف ہو گیا۔ ادھر ۲۰۳ھ میں حمید بن عبد الحمید نے ابراہیم سے جنگ کے قصد سے بغداد کا ارادہ کیا۔ قریب پہنچا تو اہلِ بغداد نے

---

[1] تاریخ ابن خلدون کتاب ثانی جلد ہفتم صد ۱۰۷ [2] تاریخ کامل ابن اثیر جلد ۶ صد ۱۴۲ ۔

سردار حمید کو لکھا کہ آپ بغداد آیئے ہم حوالگی کے لئے تیار ہیں۔ حمید نہر صرصر پہنچ کر ٹھہر گیا۔ عباس اور تمام افسرانِ فوج اس کے استقبال کو گئے۔ یہ قرار پایا کہ جمعہ کے دن مقام "باسریہ" میں مامون کا خطبہ پڑھا جائے اور ابراہیم کو معزول کر دیا جائے۔ چنانچہ تاریخ معینہ پر حمید "باسریہ" میں داخل ہُوا۔ عیسٰی ابراہیم کی قید میں تھا، اس کو قید سے رہائی دے کر حکم دیا کہ حمید کے مقابلہ پر جائے۔ اس نے ایک سازشی حملہ کیا اور گرفتار ہو گیا۔ آخرش ابراہیم باقی ماندہ فوج سے حمید کے مقابل آیا اور ناکام رہا۔ آخری ذی قعدہ ۲۰۳ھ جو معرکہ ہُوا اس میں ایسی شکست ہوئی کہ ابراہیم تبدیلِ لباس کر کے روپوش ہو گیا۔ ابراہیم کی خلافت صرف ایک برس اور گیارہ مہینے رہی۔

عام حالات اور سوانح

ابراہیم عباسی، سات برس کا تھا کہ اس کے باپ مہدی کا انتقال ہو گیا۔ اس کے ماں شکلہ کی تربیت اور خود اپنی فطری صلاحیت کی وجہ سے اسے علم و فن سے دلی تعلق تھا۔ ابن ندیم لکھتا ہے:-

> "عباسی خلفاء کی اولاد میں ابراہیم پہلا شخص ہے جو علم و فن اور شعر و ادب میں غیر معمولی مہارت رکھتا تھا۔"

خطیب بغدادی کے لفظ یہ ہیں:-

کان وافر الفضل غزیر الادب — "بڑا فاضل اور ادب میں وسیع النظر تھا۔"

اسحٰق موصلی کا قول ہے کہ عباس عبدالمطلب کی اولاد میں عبداللہ بن عباس کے بعد ابراہیم عباسی جیسا فاضل جلیل پیدا نہیں ہُوا۔[1]

شعر و شاعری کے علاوہ فنِ موسیقی میں بھی یدِ طولیٰ رکھتا تھا[2] اور اس کے ساتھ فنِ طب میں بھی درک تھا۔ جبریل بن بختیشوع سے اس کا ربط و ضبط تھا

---

[1] کتاب الاغانی جلد ۹ صفحہ ۴۶ [2] عیون الانبا جلد ا صفحہ ۱۳۱۔

جس سے اس فن میں مہارت پیدا ہو گئی[1] ابن خلکان نے حسبِ ذیل کتابیں اس کی یادگار سے تحریر کی ہیں۔

کتاب ادب ابراہیم، کتاب الطب، کتاب الغناء۔ اس کے عربی دیوان، کتاب الطبیخ دیوان کو ابن ندیم نے دیکھا ہے جو چار ہزار کا مجموعہ تھا[2]

ہارون الرشید کے زمانے میں علمی مشاغل میں لگا رہا۔ مامون نے دمشق کی امارت اس کے سپرد کی[3] ایک غلطی کی وجہ سے اسے معزول کر دیا گیا۔ پھر کچھ دن بغداد پر حکمران ہو گیا[4] اس کے کچھ حالات ہارون کے ذکر میں گزر چکے۔

ابراہیم بدہیئت اور بدوضع تھا مگر سیرت نہایت نرم خو، فیاض اور کشادہ دست تھا۔ اغانی میں اس کے مفصل حالات ملتے ہیں۔

مامون کا داخلۂ بغداد

مامون "طوس" سے روانہ ہو کر جرجان پہنچا۔ وہاں ایک ماہ مقیم رہا۔ زمانۂ قیام میں رجاء بن ابی الضحاک کو جرجان اور ماوراء النہر کی سپہ سالاری عطا کی۔ پھر جرجان سے نہروان وارد ہوا۔ یہاں مامون کے اعزہ و اقارب اور ہواخواہانِ دولت عباسیہ و سپہ سالارانِ لشکر اور رؤساء و عمائدینِ سلطنت استقبال کے لئے آئے "طاہر" بھی رقہ سے آیا۔ مامون نے آٹھ روز قیام کر کے بغداد کی طرف کوچ کیا۔ ۱۵ صفر ۲۰۴ھ میں بغداد پہنچا "رصافہ" میں قیام پذیر ہوا۔ تمام شہر میں خوشی کی لہر دوڑ گئی۔ رصافہ سے نکل کر اپنے شاہی محل میں جو کنارہ دجلہ پر تھا اقامت پذیر ہوا۔ فتنہ و فساد کی آگ فرو ہو چکی تھی۔ ایک روز طاہر مامون کے سامنے آ کر کھڑا ہو گیا۔ مامون نے کہا۔ طاہر جو تمنا ہو اس کو ظاہر کرو میں اُس کو ضرور پورا کروں گا۔ طاہر نے عرض کیا[1]

"امیر المؤمنین مجھ کو دربارِ خلافت میں سیاہ لباس پہن کر آنے کا حکم دیجئے"

---

[1] فہرست ابن ندیم صفحہ ۱۶۸ [2] ایضاً [3] تاریخ ابن عساکر جلد ۲ صفحہ ۲۶۸ [4] ایضاً

جنرل طاہر بن حسین فضل بن سہل وزیر نے طاہر کو مامون سے الگ کر رکھا تھا۔ اس کے قتل کے بعد مامون الرشید کی توجہ "طاہر" پر مبذول ہوئی تو تمام مشرقی ممالکِ محروسہ (خراسان سے لیکر سندھ تک کا اس کو گورنر جنرل مقرر کر دیا۔ اس میں احمد بن ابی خالد کی کارفرمائی کو زیادہ دخل تھا۔ یہ واقعہ سنہ ۲۰۵ھ کا ہے۔

مامون نے یہ درخواست منظور کر لی۔ اس کے بعد سے اعیانِ سلطنت کا لباس سبز کے بجائے سیاہ ہوگیا۔[1] اہل بغداد اور کل ارکینِ دولت مامون کے اطاعت گزار و فرمانبردار بن گئے۔

فضل بن ربیع روپوش تھا۔ اس افواہ پر کہ وہ مر گیا اس کا مال ومتاع ضبط کر لیا گیا۔ ایک دن وہ دفعتاً طالبِ امن کی شکل میں نمودار ہوگیا۔ مامون کو خبر ہوئی اُس نے کہا جب وہ دوسری دُنیا سے دوبارہ لوٹا ہے تو ہارون بھی اس کے ساتھ ہوگا اور باپ کی یادگار کی حیثیت سے اس کو امان دی اور اُس کا مال و متاع بھی واپس کر دیا۔

طاہر نے خراسان جاکر معقول انتظام کیا مگر دو سال بعد باغی ہوگیا۔ مامون کا نام خطبہ سے نکال دیا۔ مامون نے ابن ابی خالد سے تقرری کے وقت کہا تھا طاہر ضرور بغاوت کرے گا۔ مگر ابی خالد نے اس کا ذمہ لیا تھا۔ مامون نے ابی خالد سے کہا طاہر کو فوراً حاضر کرو۔ چنانچہ چند دن بعد اس کی موت کی خبر آگئی[2] جس سے احمد بن ابی خالد کی جان بچی۔

---

[1] ابن اثیر جلد ۶ صفحہ ۱۴۷۔

[2] طاہر بن حسین بن مصعب بن رزیق بن ماہان رزیق حضرت طلحہ بن عبید اللہ کا جو طلحۃ الطلحات خزاعی کے لقب سے مشہور تھے غلام تھا۔ مسلم بن زیاد بن ربیعہ نے اپنی ولایت کے زمانے میں اس کو سیستان کا عامل مقرر کر دیا تھا۔ اس کا بیٹا مصعب بنی عباس کے نقیب سلیمان بن

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ ۲۳۲ پر ملاحظہ ہو)

طاہر کے بعد اس کا بیٹا گورنر ہوا۔ یہ نیم خود مختار حکومت خراسان میں بن گئی جو دولتِ عباسیہ کے ماتحت پہلی حکومت طاہریہ تھی۔ یہ حکومت ۲۰۵ھ سے ۲۵۹ھ تک قائم رہی اور آخر یعقوب صفار کے ہاتھوں اس کا خاتمہ ہو گیا۔

بغاوت زط جاٹ (زط) خلیج فارس کے سواحل پر آباد تھی۔ امین اور مامون کی باہمی جنگ کے زمانہ میں ان لوگوں نے بصرہ کے راستہ پر قبضہ کر لیا تھا اور راہ گیروں کو لوٹتے تھے۔ مامون نے ۲۰۵ھ میں بغداد سے عیسٰی بن یزید جلودی کو ایک فوج کے ساتھ ان کی سرکوبی کو بھیجا۔ زط تاب مقابلہ نہ لا سکے اور ادھر ادھر بھاگ گئے۔

نصر بن سیار امین الرشید کا حامی نصر بن سیار عقیلی تھا اس نے بھی کسوم میں علَم بغاوت بلند کیا۔ مامون دوسری مہموں میں مشغول تھا۔ اب فرصت ملی تو عبداللہ بن طاہر کو رقہ سے مصر تک کا والی بنا کر نصر کے مقابلہ پر مامور کیا۔ طاہرؒ زندہ تھا۔ اس موقعہ پر اس نے اصولِ سیاست و جہانبانی کے متعلق ایک مفصل دستور العمل لکھ کر عبداللہ کو دیا جو جامعیت کے اعتبار سے عدیم المثال تھا۔ طبری اور ابن اثیر نے اس کو پورا نقل کیا ہے۔

مامون نے اس خط کی نقلیں تمام ممالک محروسہ کے عمال کے پاس بھجوا دیں عبداللہ دستور العمل لے کر روانہ ہوا۔ ۲۰۹ھ میں نصر کو گھیر کر چند شرائط پر اسے

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۳۱ سے آگے) کثیر کا کاتب تھا۔ آخر میں ہرات کا امیر ہو گیا۔ پھر مرو کے قریب مقام بوشنج میں سکونت پذیر ہو گیا وہیں ۱۵۹ھ میں طاہر پیدا ہوا اس نے علم و ادب علماء عصر سے حاصل کیا۔ طاہر تنومند اور بہادر تھا۔ مامون جب مرو میں قیام پذیر تھا تو اس کے دربار سے منسلک ہو گیا[1]۔

---

[1] ابن اثیر جلد ۶ صفحہ ۱۲۲ -

[2] اخبار رواصلین از مولوی اکرام اللہ شہابی گوپاموی صفحہ ۱۰۲ -

سے امان لینے پر مجبور کر دیا اور پھر اس کو مامون کی خدمت میں بھیج دیا اور اس کا قلعہ مسمار کر دیا گیا[1]

بغاوتِ افریقہ

مامون کو بغداد میں کچھ سکون ملا تھا کہ افریقہ میں بغاوت رونما ہوگئی۔ یہ دولتِ اغالبیہ کی کارفرمائی تھی۔ اس دولت کا بانی ابراہیم بن اغلب تھا۔ ہارون نے اپنی خلافت اور مراقش کی ادریسی سلطنت کے درمیان ایک سرحدی ریاست قائم کرکے ۱۸۹ھ میں ابراہیم مذکور کو وہاں کا والی بنا کر بھیجا۔ اس زمانے میں تونس اور الجزائر میں سخت شورش تھی۔ ابراہیم نے اس کو فرو کیا اور صوبہ افریقہ کو چالیس ہزار دینار ٹھیکہ پر لے کر وہاں کا مستقل حکمران بن گیا۔ صرف خطبہ میں خلیفۂ وقت کا نام آتا تھا۔ یہ دولت ۲۹۶ھ تک ابراہیم کے خاندان میں رہی۔ عہدِ مامون میں یہاں عبداللہ بن ابراہیم حکمران تھا۔ اس کے بعد ۲۰۱ھ سے ۲۲۳ھ تک اس کا بھائی زیادت اللہ رہا جس نے رومیوں سے جزیرہ صقلیہ حاصل کیا۔ خلفاءِ بنی عباس کے ہاتھ سے اندلس نکلا۔ پھر مراقش، یمن کی ولایت اور ولایتِ افریقہ بھی نکل گئی۔

عبدالرحمٰن بن احمد علوی

مامون الرشید نے علوئین کے ساتھ ہر موقعہ پر جا و بے جا مراعات ملحوظ رکھیں مگر ان میں حصولِ خلافت کا جذبہ تھا۔ ناکامیوں کے بعد بھی یہ حضرات سربکف نکل کھڑے ہوتے تھے۔ ۲۰۷ھ میں عبدالرحمٰن بن احمد بن عبداللہ بن محمد بن عمر بن علی نے یمن میں اہلِ بیت کی دعوت شروع کی۔ یمنی عباسی عُمّال کی سخت گیری سے نالاں

---

[1] نصر حلب کے شمال میں کیسوم کے علاقے کا رہنے والا تھا امین الرشید کا جاں نثار دوست تھا۔ امین کے قتل کے بعد ۱۹۹ھ میں جزیرہ کے تمام اضلاع پر قابض ہوگیا۔ مگر عبداللہ نے اس کی قوت توڑ دی اور زیر کر لیا۔

تھے۔ اس وجہ سے بہت سے یمنی عبدالرحمٰن کے ساتھ ہو گئے۔

مامون الرشید کو خبر ہوئی تو دینار بن عبداللہ کو ان کے مقابلہ کے لئے بھیجا اور امان نامہ لکھ کر دے دیا کہ اگر وہ اطاعت قبول کر لیں تو ان سے جنگ نہ کی جائے۔ چنانچہ امان نامہ کا اچھا اثر پڑا اور وہ مامون کے پاس چلے آئے مگر مامون علویوں سے بد دل ہو گیا اور ان کا داخلہ دربار میں بند کر دیا[۱]

ابن عائشہ اور ابراہیم بن مہدی پر فتح یابی

مامون بغداد میں رونق افروز ہوا تو ابراہیم بن مہدی الطراف بغداد میں روپوش ہو گیا۔ مگر اس کے حامی شد و مد سے ان کی بیعت پر اڑے رہے۔ ان میں ابراہیم بن محمد بن عبدالوہاب بن ابراہیم، امام معروف بن ابن عائشہ ابراہیم بن اغلب افریقی، مالک بن شاہین بھی تھے۔ ان کی منشا تھی کہ ابراہیم برسر اقتدار آ جائے۔ اس سازش کا مامون کو علم ہو گیا۔ اس نے ۲۱۰ھ میں معاونین عائشہ کو گرفتار کرایا۔ ان کے مددگار بھی حکومت کے ہاتھ لگ گئے۔ عائشہ کے سوا مامون الرشید نے سب کو قتل کرا دیا۔ عائشہ ہاشمی تھا اس کو سولی دے دی گئی[۲]

اسی سنہ میں ابراہیم بن مہدی بھی عورت کے لباس میں گرفتار کر لئے گئے اور مامون الرشید کے سامنے پیش کئے گئے۔ ابراہیم نے تمام قصوروں کا اعتراف کیا اور برادر زادہ سے معافی چاہی۔ مامون الرشید نے اپنے چچا کو معاف کر دیا۔

بغاوتِ مصر و اسکندریہ

مصر کا والی سری بن محمد بن حکم تھا۔ ۲۰۵ھ میں اس کے مرنے کے بعد اس کا بیٹا عبیداللہ جانشین ہوا۔ لیکن تھوڑے ہی عرصہ کے بعد خلافت مآب کی اطاعت سے منحرف ہو گیا۔

---

[۱] ابن اثیر جلد ۶ صفحہ ۱۳۹ [۲] ابن خلدون کتاب ثانی جلد ہفتم صفحہ ۱۱۲۔

انہی دنوں اندلس سے ایک گروہ اسکندریہ میں اُترا جس کو حکم بن ہشام نے اطرافِ قرطبہ سے ممالکِ مشرقیہ کی جانب جلاوطن کر دیا تھا۔ یہ لوگ اسکندریہ پر حملہ آور ہوئے اور قابض ہو گئے۔ ابوحفص عمر بلوطی ان کا امیر بنا۔ عبداللہ بن طاہر، نصر بن شیشا کی سرکوبی کے بعد مصر آیا اور عبداللہ بن سری سے مقابلہ ہوا۔ اس کو شکست ہوئی اور ابن طاہر سے طالب امان ہوا۔ یہاں سے عبداللہ بن طاہر ۲۱۰ھ میں اسکندریہ پر حملہ آور ہوا۔ ابوحفص کے ساتھی اسکندریہ چھوڑ کر جزیرہ اقریطش چلے گئے اور اس طرح یہ کل علاقہ رام ہو گیا۔

موصل ۲۱۱ھ کا بڑا واقعہ سید بن انس کا قتل اور زریق جو ارمینا اور آذربائیجان کا گورنر تھا اس کی بغاوت تھی۔ چنانچہ ۔۔۔ ۲۰۰ انس جو موصل کا نائب حاکم تھا، زریق نے اپنے ایک سردار کی سرکردگی میں چالیس ہزار فوج اس کے مقابلہ میں روانہ کی۔ ہر دو دادِ شجاعت دیتے ہوئے کام آئے۔ مامون نے محمد بن حمید طوسی کو موصل کی حکومت عطا کی۔ طوسی نے زریق کو آدبوچا۔ وہ طالب امان ہوا۔ طوسی نے زریق کی اولاد سے شریفانہ سلوک کیا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مخالف رام ہو گئے اور اس علاقہ میں امن و امان قائم ہو گیا۔

بابک خرمی ایران کی سرزمین بوالعجبیوں کا گہوارہ ہر زمانے میں رہی ہے۔ ایرانیوں کی خوش عقیدگی سے چالاک اور فتنہ گر ہمیشہ فائدہ اٹھاتے رہے۔ نوشیروان کے باپ قباد کے عہد میں مزدک نے اباحی مذہب جاری کیا۔ زر، زمین، زن سب کے لئے وقفِ عام تھی۔ ہزارہا ایرانی مزدک کے ہمنوا ہو گئے۔ نوشیرواں نے جملہ مزدکیوں کو زندہ دفن کرا دیا۔ مگر اس کی تعلیم باقی رہی۔ ایک عرصہ کے بعد ایک مجوسی جاویدان پسر شرک نے کچھ ترمیم کے ساتھ مزدکی خیالات پر نیا مذہب قائم کیا۔ یہ زمانہ ہارون کا تھا۔ فارس کے شمال

۱؎ ابن خلدون جلد ہفتم کتاب ثانی صہ ۱۱۱ ۲؎ سیاست نامہ نظام الملک طوسی۔

میں آذربائیجان اور اران کے درمیان قصبہ "بد" کا جاویدان رئیس تھا۔ اطراف کے لوگ اس کے پیرو ہو گئے۔

بابک خرمی "استاق خمینذ" کے متصل ایک گاؤں بلال آباد کا رہنے والا تھا وہ جاویدان کی شہرت سن کر اس کے پاس گیا اور اس کا شاگرد ہو گیا۔ جاویدان اس کا بہت لحاظ رکھتا تھا۔ جب وہ مرا تو اس کی بیوی نے یہ شہرت دے دی کہ مرتے وقت جاویدان کہہ گیا ہے کہ "میری روح اس جسم کو چھوڑ کر بابک کے جسم میں داخل ہو جائے گی" لہٰذا میرے بعد اس کی اطاعت کی جائے۔

جماعت نے بابک کو اپنا پیشوا تسلیم کر لیا اور جاویدان کی بیوی اس کے حبالۂ عقد میں آگئی۔ بابک نے اولاً لوٹ مار شروع کی۔ مسافروں کے لئے راستے بند ہو گئے۔ مامون نے سنا تو ۲۰۱ھ میں یحییٰ بن معاذ کو بابک کی سرکوبی کی مہم پر متعین کیا لیکن یحییٰ تابِ مقابلہ نہ لا سکا اور ناکام لوٹا۔

پھر ۲۰۶ھ میں عیسیٰ بن محمد بن خالد کو ذرینیہ اور آذربائیجان کا والی بنا کر بھیجا۔ بابک سے عیسیٰ نے بھی شکست کھائی۔ ۲۰۹ھ میں احمد بن خبید اسکانی فوج لے کر گیا گرفتار ہوا۔ مامون نے محمد بن حمید طوسی کو فوجِ گراں کے ساتھ بھیجا۔ بابک چونکہ کوہستانی علاقہ میں تھا طوسی گھر گیا اور مارا گیا[1] پھر کہیں معتصم کے عہد میں افشین کے ہاتھوں بابی تحریک کا خاتمہ ہوا۔

فتوحاتِ ملکی

مامون الرشید کا پورا عہد دیکھا جائے تو اندرونی شورشوں اور بغاوتوں کے فرد کرنے میں گزرا۔ مگر اس کے ساتھ ہی باپ دادا سے بڑھ کر فتوحات بھی اس کو حاصل ہوئیں۔ ۲۰۱ھ میں مامون الرشید کی اکثر فوجیں بغداد کا محاصرہ

---

[1] ابن خلدون کتاب ثانی جلد ہفتم صفحہ ۱۳۰۔

کئے ہوئے تھیں تاہم ممالکِ مشرقیہ میں اس کا اثر کامیابی کے ساتھ پھیل رہا تھا۔ کابل کے فتح کرنے کو فوجیں روانہ کیں۔ والی کابل مقابل کی ہمت نہ پا کر اسلام لے آیا۔ اور تاج و تخت نذر بھیجا۔ یہ بھی متمنی ہوا کہ کابل و قندھار دارالخلافت خراسان کے اضلاع میں شامل کر لئے جائیں۔ سندھ پر موسیٰ بن یحییٰ برمکی گورنر مقرر کیا گیا۔ اس نے قریب کے اضلاع فتح کر لئے۔

فضل بن ہامان نے سندان پر قبضہ کیا۔ فضل کے بیٹے محمد نے ستر جہاز تیار کئے اور میدہند پر چڑھائی کی اور قاسمری فتح کیا۔ اسی زمانہ میں بحکم مامون الرشید ذوالراستین کشمیر و تبت کی طرف بڑھا "بوخان دراور" پر قبضہ جمایا۔ بلاد ترک بھی اس کے زیرِ تصرف آ گئے۔ غاراب شاعر اطراز جھفویہ خزانجی، فرغانہ پر اسلامی پھریرے لہرانے لگے۔ اشروسنہ کا حاکم کاؤس اسلام لے آیا۔ احمد ابن ابی خالد نے اشروسنہ کو قبضہ میں کیا اور کاوس کو ملک عطا کیا۔ شاہ تب تب بھی داخلِ اسلام ہو گیا۔

۲۰۱ھ میں عبداللہ بن خردانبہ گورنر طبرستان نے دیلم پر چڑھائی کی۔ بعض قلعے فتح کر لئے۔ ابوحفص اندلسی نے جزیرہ کریٹ فتح کیا۔ ۲۱۲ھ جزیرہ صقلیہ کے کچھ حصہ پر بھی اسلامی پھریرہ لہرانے لگا۔

روم پر حملے

۲۱۵ھ میں خود مامون ایشیائے کوچک پر حملہ آور ہوا۔ بادشاہ روم نے چند معمولی شرائط کے ساتھ صلح چاہی لیکن مامون نے یہ شرطیں قبول نہیں کیں۔ قلعہ قرۃ کا محاصرہ کیا اور اس کو فتح کر لیا۔ قلعہ ماجدۃ کے لوگ خود اطاعت گزار ہو گئے۔ اشناس (غلام مامون) نے قلعہ سندس فتح کیا۔ عجیف و جعفر نے قلعہ ساد پر قبضہ کیا۔ ان کامیابیوں کے بعد مامون ۲۱۶ھ میں دمشق لوٹا۔ میدان خالی پا کر بادشاہ روم نے طرطوس و مصیصہ پر یلغار بول دی۔ نہایت بے رحمی سے دو ہزار مسلمان شہید کر دیئے گئے۔ مامون کو خبر ملی تو غصہ سے بے تاب ہو گیا اور روم پر حملہ بول دیا۔

خود ہر" قلعہ" کا محاصرہ کیا۔ شہزادہ عباس اور بھائی معتصم کو روم کے علاقے کو تاراج کرنے کی اجازت دی۔ شہزادہ معتصم نے تین قلعے فتح کیے۔ عباس ابن مامون الرشید قلعہ انطیغو کو قبضہ میں لے آیا اور شاہِ روم پہ جا پڑا اور اس کو شکست دے کر کامرانی سے واپس ہوا۔ حدودِ روم کے قریب طوانہ قصبہ کو اسلامی شہر کی صورت میں عباس کی نگرانی میں تعمیر کا حکم دیا اور مسلمانوں سے اس کو آباد کیا۔ اس کی چار کوس کی شہر پناہ تھی جس کے چاروں سمت دروازے تھے[1]

وفات مامون بعد فتوحات ارضِ روم سے دارالخلافہ واپس ہو رہا تھا۔ دریائے بدندون پر قیام کیا۔ تفریحاً دریا کی سیر کو گیا۔ پانی میں پیر لٹکا دیئے۔ اس حالت میں سرکاری ہرکارہ پہنچا اور عراق کی تازہ کھجوریں پیش کیں۔ مامون الرشید نے معہ مصاحبوں کے وہ کھجوریں کھائیں اور ان پہ پانی پیا۔ یہاں سے اٹھتے اٹھتے سب مصاحب بخار میں مبتلا ہو گئے۔ شاہی طبیب بختیشوع اور ابن ماسویہ ہمرکاب تھے، مامون کا علاج کرنے لگے مگر معمولی بخار نے مرض الموت کی شکل اختیار کر لی۔ اس کا لڑکا عباس اور بھائی معتصم ساتھ تھے[2]

مامون الرشید نے زندگی سے مایوسی کے بعد فقہاء اور قضاۃ کے روبرو معتصم کو ولی عہد نامزد کر کے ضروری وصیتیں کیں۔ وصیت کے بعض اجزاء یہ ہیں:۔

"میری حالت سے سبق لو، خلقِ قرآن کے مسئلہ میں میرا طریقہ اختیار کرو۔ جب تم پہ خلافت کی ذمہ داری آئے تو اس سے اس طرح عہدہ برآ ہو جس طرح خدا کا ایک طالب اور اس کے عذاب سے ڈرنے والا ہوتا ہے۔ اس کی ڈھیل سے دھوکہ میں نہ آنا۔ رعایا کے معاملات سے کبھی غافل نہ رہنا۔ اپنی خواہشات اور مفاد کے مقابلہ میں ہمیشہ رعایا کے مفاد اور اصلاح و فلاح کو مقدم رکھنا۔

---

[1] تاریخ ابن خلدون جلد ہفتم صفحہ ۱۲۵۔ [2] ایضاً

زبردستوں سے زیردستوں کو حق دلانا۔"

اس کے بعد اس کی حالت بگڑ گئی۔ دمِ آخر ندماء نے کلمۂ شہادت کی تلقین کی۔ ابن ماسویہ طبیب نے روکا کہ اس وقت ان میں "مانی" اور خدا میں امتیاز کی صلاحیت نہیں ہے۔ یہ سُن کر مامون نے آنکھیں کھول دیں اور ابن ماسویہ کو پکڑنے کا قصد کیا مگر طاقت جواب دے چکی تھی۔ کچھ بولنا چاہا لیکن زبان نے یاری نہ دی۔ بمشکل اتنا کہا "یا من لا یموت ارحم من یموت"۔

"اے وہ جسے کبھی موت نہ آئے گی اس پر رحم فرما جو مر رہا ہے"۔

یہ کہہ کر جمادی الثانی ۲۱۸ھ میں جان جانِ آفرین کے سپرد کر دی۔ لاش طرطوس لے جا کر دفن کی گئی۔ وفات کے وقت مامون کی عمر ۴۸ سال کی تھی۔ بیس سال پانچ ماہ خلافت کے فرائض انجام دیئے۔[1]

نظمِ مملکت

وُسعتِ سلطنت مامون الرشید جن ممالک کا فرمانروا تھا وہ نہایت وسیع سلطنت تھی جو حدودِ ہند اور تاتار سے بحرِ اوقیانوس تک پھیلی ہوئی تھی۔ اسلامی دنیا کا کوئی خطہ ہسپانیہ کے سوا اس کی حکومت سے علیحدہ نہ تھا۔ ہندوستان کے سرحدی شہروں میں اس کے نام کا خطبہ پڑھا جاتا تھا۔ شہنشاہِ روم گو خود سر فرمانروا تھا تاہم اکثر اوقات سالانہ خراج دینے پر مجبور ہوتا تھا۔

خراج عہدِ ہارون میں پورے ملک کا خراج آج کل کے حساب سے اکتیس کروڑ پچاس لاکھ روپے سالانہ تھا۔ مامون کی خلافت نے

---

[1] ابن اثیر جلد ۶ صفحہ ۱۴۶، ۱۴۷ و ابن خلدون جلد ہفتم کتاب ثانی صفحہ ۱۳۶، تاریخ الخلفاء صفحہ ۲۰۵ و فوات الوفیات جلد اول صفحہ ۲۳۹ [2] المامون صفحہ ۹۱۔

اس پر بہت کچھ اضافہ کر دیا[1]۔ علامہ ابن خلدون نے اپنی تاریخ کے مقدمہ میں مامون کے سرکاری کاغذات سے خراج کا جو نقشہ تیار کیا تھا ہم اس جگہ اس کا خلاصہ درج کرتے ہیں۔

ممالک | سواد، کسکر، اضلاعِ دجلہ، حلوان، اہواز، فارس، کرمان، مکران، سندھ سیستان، خراسان، جرجان، قومس، رے، طبرستان، درمان و نہاوند، ہمدان، بصرہ و کوفہ درمیانی اضلاع امیدان شہرزور موصل، آذربائیجان، جزیرہ مع اضلاعِ فرات، ارمینہ، قنسرین، دمشق، اردن، فلسطین مصر، برقہ، افریقہ، یمن، حجاز[2]

ان سب ممالک سے خراج ۳۹۰۸۵۵۰۰۰ درہم خزانۂ مامون میں داخل ہوتا تھا۔ مامون نے خراج و زکوٰۃ و جزیہ کا جس کو آج کل لگان اور ٹیکس کہہ سکتے ہیں کوئی جداگانہ قانون نہیں بنایا تھا۔

مامون کے عہد میں ٹیکس وصول کرنے میں بے جا سختی نہ تھی۔ اکثر مقامات پر اس نے ٹیکس معاف بھی کر دیئے۔ زکوٰۃ، جزیہ، عُشر وصول کرنے والوں کی بھی کڑی نگرانی کی جاتی تھی۔ منصور اور ہارون کے عہد سے بڑھ کر مالیات کا نظام عہدِ مامون میں تھا۔

صیغۂ مالیات وزارتِ عظمٰی کے سپرد تھا۔ مامون الرشید نے کڑی شرط لگا دی تھی۔ وزارتِ عظمٰی کے منصب کے لئے ضروری تھا کہ وزیر نیک اطوار ہو۔ پاکیزہ عادت رکھتا ہو۔ انتہائی مہذب ہو، نہایت تجربہ کار ہو۔ اسرار چھپانے کا ظرف رکھتا ہو

فوجی نظام

فوجی نظامی | یہ فوج وہ کہلاتی تھی جن کا نام وحلیہ دفتر العسکر میں قلمبند تھا۔ اس

---

[1] المامون ص۹۱ [2] مقدمہ ابن خلدون فصل دوم صفحہ ۱۸۔

کی تعداد تقریباً دو لاکھ سوار و پیادہ تھی۔ سوار کی تنخواہ پچیس روپے اور پیادے کی دس روپیہ تھی۔ امیر العسکر (کمانڈر) کی تنخواہ زیادہ نہ تھی مگر حکومت فتوحات کے موقعہ پر انعامات دیا کرتی تھی۔ چنانچہ عبداللہ بن طاہر سردارِ فوج کو پانچ لاکھ درہم انعام ملے تھے۔

وزیر اعظم فو الریاستین کی تنخواہ تیس لاکھ درہم ماہوار تھی مگر کبھی یہ بھی امیر العسکر کا عہدہ اختیار کرتا۔

قاضی یحییٰ ابن اکثم جو قاضی القضاۃ تھے متعدد بار فوج کے افسر اعلےٰ بنائے گئے۔

فوج متطوعہ رضاکار (والنٹیئر) یہ اس قسم کی فوج تھی جو وقت پر جس قدر ضرورت ہوتی فراہم کر لی جاتی خصوصاً جہاد کی پُر زور صدا گونجنے کی وقت تو سارا ملک اُمنڈ آتا تھا۔ فوج کو سواری اور ہتھیار سرکار سے ملتے تھے اور خزانہ شاہی میں ہر قسم کا اسلحۂ جنگ نہایت افراط سے ہر وقت موجود رہتے تھے[1]

محکمۂ خبر رسانی خبر رسانی اور پرچہ نگاری کا محکمہ ہارون کے زمانے سے زیادہ وسیع کیا گیا اور ہر صیغہ کے علیحدہ علیحدہ خفیہ نویس اور پرچہ نگار مقرر کئے گئے۔ مامون اس کے ذریعہ ملک کے معمولی سے معمولی واقعہ سے باخبر رہتا تھا۔ مامون کی وسعتِ اطلاع کے بہت سے واقعات تاریخ میں مذکور ہیں[2]

دربار بنی عباس پر تقریباً سو برس سے شہنشاہی کا چھتر سایہ افگن تھا۔ اُن کا دربار بھی پُر وقار و پُر عظمت ہوتا تھا۔ مہدی سے پہلے تو درباریوں کو خلیفہ کا دیدار بھی نصیب نہیں ہوتا تھا۔ سریرِ خلافت کے آگے تقریباً تیس ہاتھ

---

[1] المامون صفحہ ۹۹ [2] ابن خلکان۔

کے فاصلہ پر ایک مخلف پردہ پڑا ہوتا تھا اور درباری اُس سے ذرا فاصلہ پر دست بستہ کھڑے ہوتے تھے۔ خلیفۂ وقت پردے کی آڑ میں بیٹھ کر تمام احکام صادر کرتا تھا۔"

مہدی نے اس طریقہ کو ختم کیا مگر پھر بھی بہت سے تکلفات کے حجاب باقی تھے۔ لیکن مامون نے اس میں بھی کمی کر دی۔

علامہ سیوطیؒ لکھتے ہیں :-

"مامون کا دربار ہو رہا تھا اس کو ایک بار چھینک آئی۔ درباریوں میں سے کسی نے سنتِ نبویؐ کے طریقہ پر یرحمک اللہ نہیں کہا۔ مامون نے حاضرین سے سبب پوچھا۔ انہوں نے عرض کیا کہ آدابِ شاہی مانع تھا۔ مامون نے کہا میں اُن بادشاہوں میں سے نہیں ہوں جو دعا سے عار رکھتے ہیں۔" [1]

وزارتِ عظمیٰ

فضل بن سہل مامون الرشید کا پہلا وزیرِ اعظم فضل بن سہل تھا۔ ذی علم اور ذی لیاقت، تلوار اور قلم دونوں اس کے تابع فرمان تھے۔ فضل علم نجوم کا بڑا ماہر تھا اور امورِ مملکت میں اس سے بڑی مدد لیا کرتا تھا۔ بڑا فصیح و بلیغ، مُدبر، سیاست دان اور آدابِ سلاطین سے واقف، حلیم، فیاض اور سیاسی چالوں میں کوئی ہمسر نہ رکھتا تھا۔ مامون کی خلافت اس کی حسنِ تدبیر کا نتیجہ ہے مگر اس نے خود سری پر کمر باندھی اور مامون الرشید کو شاہِ شطرنج بنا دیا۔ لیکن مامون نے کچھ عرصہ توجہ نہ کی۔ اس کا احترام کیا اور اس کو "ذوالریاستین" کا خطاب دیا۔ بالآخر مامون کی خلافت خطرے

---

[1] تاریخ الخلفاء صفحہ ۲۱۸۔

میں پڑ گئی تو ۲۰۱ھ میں قتل کرا دیا۔

فضل سلاطینِ فارس کی نسل سے تھا۔ سہل اسلام لایا۔ جعفر برمکی نے فضل کو مامون کی خدمت پر مامور کیا[1] فضل جعفر کے بعد بنی عباس کا دوسرا وزیر تھا جس کی شان و شوکت کی مثال کم ملتی ہے۔ قتل کے وقت بقول طبری عمر چھیاسٹھ سال کی تھی۔ فضل میں خود پرستی کا عیب تھا۔ بڑے بڑے مشہور شعراء صریع الغوانی، ابراہیم موصلی، ابو محمد جو فنِ انشاء کا ترقی دینے والا تھا۔ فضل کے دربار سے منسلک تھے[2]

حسن بن سہل فضل کا بھائی حسن بہت سے اوصاف اور خصوصیات کا مالک تھا بلکہ فیاضی میں فضل سے بھی آگے تھا۔ فضل کے قتل کے بعد مامون الرشید نے دلدہی کے لئے اُس کو وزیر کر دیا اور اس کی لڑکی بوران سے شادی کر لی۔ حسن وزارت سے پہلے طاہر کے مفتوحہ ممالک کا والی تھا۔ گو اس کو وزارت ملی مگر بھائی کا صدمہ کھا گیا۔ اس کے حواس جاتے رہے اسی حالت میں بمقام سرخس ۲۳۶ھ میں فوت ہو گیا۔

احمد بن ابی خالد احمد بن ابی خالد الاحول جو حسن کے جنون کے زمانہ میں وزارت پر سرفراز کیا گیا تھا۔ نہایت عاقل و فرزانہ امورِ جہانبانی کا ماہر، فصیح و بلیغ اور بہترین انشاء پرداز تھا جس کا ایک عرصہ تک کاتب رہا تھا۔ ۲۱۲ھ میں فوت ہوا۔[3]

احمد بن یوسف ابی خالد کے بعد احمد بن یوسف بن قثم کو قلمدانِ وزارت سپرد ہوا۔ یہ فضل و کمال میں یگانہ اور ادب و شعر میں ممتاز تھا۔ جہان بانی اور آدابِ سلطانی میں پوری بصیرت رکھتا تھا مگر مامون سے گستاخی سے پیش آیا۔ اس نے اس کو سزا دی۔ یہ اس صدمہ میں مر گیا[4]

---

[1] ابن خلکان جلد ا صفحہ ۴۱۳ [2] الفخری صفحہ ۲۰۳ [3] ایضاً صفحہ ۲۰۵، ۲۰۶ [4] ایضاً صفحہ ۲۰۸۔

ثابت بن یحییٰ | یہ ریاضی دان تھا مگر سخت تند مزاج، کچھ عرصہ تک وزیر رہا۔

ابوعبداللہ محمد بن یزداد ابن سُوَید | یہ مامون کا آخری وزیر تھا۔ خراسان کا رہنے والا تھا۔ اس کے آباؤ اجداد مجوسی تھے۔ سوید اسلام لایا، ثابت کے بعد مامون الرشید نے اس کو وزیر بنا دیا اور جملہ امورِ مملکت اس کے سپرد کر دیئے۔ مامون کا انتقال اسی کی وزارت کے زمانے میں ہُوا۔ ابن سوید بے عدیل کاتب تھا۔

کاتب | مامون الرشید نے کاتب کا مرتبہ ہم رتبۂ وزیر کر دیا تھا۔ اس عہدے پر عمرو بن سعدہ المتوفی ۲۱۵ھ تھا۔ کاتب تمام فرامین، احکام، توقیعات، سلطنت ہائے غیر کے معاہدے اپنی طرز خاص میں لکھتا تھا۔ درخواستیں بادشاہ کے حضور گزارتا۔ بادشاہ کی ہدایت پر مختصر بلیغ عبارت میں مناسب احکام لکھتا تھا۔ مامون الرشید کا دوسرا کاتب احمد بن یوسف تھا جو فنِ بلاغت میں مسلم الثبوت استاد تھا۔

قاضی | فصل مقدمات کے علاوہ یتیموں اور مجنونوں وغیرہ کی جائداد کا انتظام مفلسوں کی خبر گیری، وصیتوں کی تعمیل، بیواؤں کی تزویج اس قسم کے کام قاضی کے سپرد تھے۔

قاضی القضاۃ | ممالک محروسہ میں قضا کا جو بہت بڑا محکمہ تھا اس کا صدر مقام بغداد تھا۔ افسر صدر قاضی القضاۃ کے لقب سے مخاطب کیا جاتا۔ اس بلند منصب پر قاضی یحییٰ بن اکثم اور ان کے بعد قاضی احمد بن ابی داؤد معتزلی فائز کئے گئے۔ قاضی یحییٰ بن اکثم حکومت کی عظمت کے ساتھ پیشوائے مذہب بھی تھے۔ ان کی جلالتِ شان کے لئے یہ کافی ہے کہ امام بخاریؒ و امام ترمذی جیسے ائمہ حدیث اُن کے شاگرد ہیں[1]

---

[1] ابن خلکان جلد ا صفحہ ۲۱۴۔

علامہ شبلی لکھتے ہیں :-

"قاضی یحییٰ کے ذاتی کمال اور پولٹیکل لیاقت نے ان کو وزیر اعظم کے رتبہ تک پہنچا دیا تھا۔ دفترِ وزارت کے تمام کاغذات پہلے ان کی وزارت سے گزرتے تب سندِ قبول پاتے" [1]

قاضی احمد بن ابی داؤد، اس کا نام الفرج اور وعمی الایادی المعتزلی۔ اس کا باپ تاجر تھا اس بنا پر شام وکوفہ بغرض تجارت جاتا، احمد کو بھی جانا پڑا۔ عراق میں ہیاج بن العلاء السلمی جو واصل ابن عطا کا شاگرد تھا اس کی صحبت میں رہا فاخذ عنه الاعتزال [2] اس سے اعتزال کی تعلیم پائی۔ خلقِ قرآن کا عقیدہ بشر المرسی سے لیا۔ بشر نے جہم بن صفوان اور اس نے جعد بن درہم سے ایک عرصہ تک قاضی یحییٰ بن اکثم کی خدمت میں رہا۔ اسی کی وجہ سے دربار مامونی تک رسائی ہوئی۔ فتنۂ خلقِ قرآن اسی کا پیدا کیا ہوا تھا۔ مامون کو اس نے ہی گمراہ کیا تھا، مگر فاضل تھا، سخاوت میں بعد البرامکہ کے دوسرا اس کا مثل نہ تھا۔

وکان موصوفاً بالجود والسخاء وحسن الخلق ونور الادب [3]

اس نے محدثین پر بڑے بڑے ظلم توڑوائے معتصم نے قاضی القضاۃ کر دیا تھا۔ واثق کے عہد تک رہا اس کے اعمال کی سزا اسے دنیا میں مل گئی۔ فالج میں مبتلا رہ کر ۲۴۱ھ میں انتقال کیا۔ [4]

معدل معدل کا محکمہ دفتر قضا سے تعلق رکھتا تھا اس کے پاس ایک رجسٹر ہوتا تھا جس میں ثقہ اور ساقط العدالت لوگوں کے نام درج ہوتے

---

[1] المامون صہ ۱۱۱ [2] البدایہ والنہایہ الجزء العاشر صہ ۳۱۹ وابن خلکان [3] ابن اثیر جلد ۷ صہ ۲۶

[4] المامون صہ ۱۵۰ وابن خلکان جلد ۱ صہ ۲۴۔

تھے۔ مقدمات کی پیشی کے وقت گواہوں کے اعتبار و عدم اعتبار کا مدار بہت کچھ اس کے رجسٹر پر ہوتا تھا۔ دستاویزوں کی رجسٹری اسی محکمہ میں ہوتی تھی۔ یہ بڑی ذمہ داری کا عہدہ تھا۔ اس لئے نہایت مشہور، راست باز اور ثقہ لوگ اس منصب کے لئے انتخاب کئے جاتے تھے۔

محکمہ احتساب یہ محکمہ بڑے پیمانہ پر تھا، محتسب بازاروں یا مجمع عام میں کوئی امر خلافِ شرع دیکھتا تو بہ جبر روک دیتا۔ جانوروں پر اُن کی طاقت سے زیادہ بوجھ کوئی نہ لاد سکے کشتی میں زیادہ آدمی نہ سوار ہو سکیں۔ راستہ یا سڑک پر جو مکانات گرنے کے قریب ہوں ان کے مالکوں سے کہہ کر گروا دیتا۔ جو معلمین لڑکوں پر زیادہ سختی کرتے ہوں ان کو سزا دیتا۔ کوئی باٹ اور پیمانہ وزن سے کم نہ رکھ سکے۔ محتسب کے ساتھ سرکاری پیادے ہوتے تھے اور وہ گلی کوچوں میں گشت کرتا رہتا۔

رعایا کی خبر گیری فضل بن سہل سے چھٹکارا حاصل کر کے مامون خود رعایا کی فلاح و بہبود کی طرف لگ گیا تھا۔ خراسان سے بغداد آیا۔ راستہ میں جن شہروں اور قریوں سے گزرا وہاں کے حالات معلوم کئے اور وہاں کے باشندوں کی بہتری اور فلاح کی تدبیریں کیں[1]

بغداد آنے کے بعد دمشق اور مصر وغیرہ کا بھی دورہ کیا۔ دمشق کے دورے میں غیر اقوام سے خلفائے سلف نے معاہدے کئے تھے ان کی جانچ پڑتال کی۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک معاہدہ اس کے سامنے لایا گیا۔ اس کو آنکھوں سے لگایا اور اس کو برقرار رکھا[2]

بعض علاقوں کے محاصل پر نظر ثانی کر کے ان کو گھٹایا۔ چنانچہ "رے" کے خراج میں تخفیف کی۔

---

[1] یعقوبی جلد ۲ صفحہ ۵۵۰ [2] ابن اثیر جلد ۶ صفحہ ۱۳۵۔

مامون الرشید اپنے ایک ایک عزیز اور متعلقین کے اندرونی اور خانگی نیز عام رعایا کے معمولی سے معمولی حالات سے باخبر رہتا تھا۔ یہ غیر ممکن تھا کہ ان کے معاملات میں اس کو کوئی کسی قسم کا فریب دے سکے۔

قیام عدل مامون الرشید عدل گستری میں نوشیرواں سے بھی گویا سبقت لے گیا تھا۔ ظلم و جور کے انسداد میں بڑا اہتمام کرتا تھا۔

ایک دفعہ ابن فضل طوسی کو لکھا کہ تمہارا بے تمیز اور درشت خو ہونا تو میں نے گوارا کر لیا لیکن رعایا پر ظلم برداشت نہیں کر سکتا۔

عمرو بن سعدہ کو لکھا۔ اپنی دولت کو عدل سے آباد کرو کہ ظلم اس کو ڈھا دینے والا ہے[1]

ایک مرتبہ ایک غریب بڑھیا نے مامون کے حضور میں اس کے لڑکے عباس پر استغاثہ دائر کیا کہ شہزادہ عباس نے اس کی جائداد پر غاصبانہ قبضہ کر لیا ہے۔ عباس عدالت میں موجود تھا۔ مامون نے اس کو اپنے پاس سے اٹھوا کر بڑھیا کے پاس کھڑا کر دیا۔ دونوں کے بیان کے لئے شہزادہ فرطِ ادب میں آہستہ آہستہ بولتا تھا اور بڑھیا بلند آواز سے بیان دے رہی تھی۔ وزیر دولت احمد بن ابی خالد نے بڑھیا کو روکا کہ امیر المومنین کے سامنے بلند آواز سے گفتگو کرنا خلافِ ادب ہے۔ مامون نے منع کیا اور کہا جس طرح کہتی ہے کہنے دو، حق نے اس کی آواز بلند کر دی ہے اور عباس کو گونگا کر دیا ہے۔ دونوں کے بیانات سننے کے بعد مامون نے بڑھیا کے حق میں فیصلہ دیا۔ موکل کو لکھو کہ بڑھیا کی جائداد واپس کرا دی اور بڑھیا کے ساتھ حسن سلوک کی تاکید کی[2] یہ تھا مامون الرشید کا عدل و انصاف۔

ایک مرتبہ ایک شخص نے مامون پر بیس ہزار کا دعویٰ کر دیا۔ مامون کے نام قاضی

---

[1] عقد الفرید جلد ۲ صفحہ ۱۲۲ [2] ایضاً صہ ۹ ۔

کا حکم آیا کہ حاضرِ عدالت ہو۔ مامون عدالتِ قاضی میں پہنچا تو خدام نے خلیفہ کی عظمت کا خیال کر کے قالین بچھایا۔ قاضی القضاۃ نے ان کو روک دیا کہ عدالت میں مدعی اور مدعا علیہ دونوں برابر ہیں کسی کے ساتھ امتیاز برتا نہیں جا سکتا۔ مامون نے خوش دلی سے عدالت میں بیان دیا بلکہ بعد میں قاضی کے حق پرستی کے صلہ میں اس کی تنخواہ بڑھا دی[1]

مامون عمال کے ظلم و زیادتی کی پوری نگرانی رکھتا تھا اور خلاف ورزی کی صورت میں ان کو سزائیں دیتا تھا۔

ایک مرتبہ ایک سپاہی نے ایک شخص کو بیگار میں پکڑا اس کی زبان پر بے ساختہ حضرت عمرؓ کا نام آ گیا۔ مامون کو اس واقعہ کی خبر لگ گئی۔ اس نے فوراً اس شخص کو طلب کر کے پوچھا تم کو عمر کا عدل یاد آیا؟ اس نے کہا ہاں! مامون نے کہا خدا کی قسم اگر میری رعایا عمرؓ کی رعایا جیسی ہوتی تو میں ان سے زیادہ عدل کر کے دکھاتا اور اس آدمی کو انعام دے کر رخصت کیا اور سپاہی کو نوکری سے برخاست کر دیا۔

مامون الرشید کہا کرتا تھا کہ بغاوت ہمیشہ عُمّال کی زیادتیوں سے پیدا ہُوا کرتی ہے۔ اس کے دربار میں اہلِ کوفہ کا وفد آیا اور انہوں نے اپنے عامل کی سختیوں کی شکایت کی۔ مامون نے کہا تم جھوٹ کہتے ہو ہمارا عامل نہایت عادل ہے۔ وہ لوگ بولے بے شک ہم جھوٹے ہیں اور امیر المؤمنین آپ سچے ہیں۔ لیکن اس کے عدل کے لئے ہمارا شہر ہی کیوں مخصوص کیا گیا ہے؟ اس کو کسی اور شہر میں بھیج دیجئے تا کہ وہ بھی اس کے عدل و انصاف سے ویسا ہی فائدہ اُٹھائے جیسا ہمارا شہر اٹھا چکا ہے۔ مامون نے لاجواب ہو کر ان سے کہا تم لوگ جاؤ۔ میں نے اس عامل کو معزول کر دیا[3]

---

[1] المستطرف جلد اول ص۱۱۱ [2] عقد الفرید . [3] تاریخ الخلفاء ص۳۳۲ ۔

ہشام ایک جگہ کا عامل تھا اس کو لکھا جب تک ایک شخص بھی میرے دروازہ پر تمہارا شاکی موجود ہوگا میرے دربار میں تمہاری رسائی نہ ہو گی۔

سیرت و اخلاق

مامون الرشید تدبیر و سیاست، عقل و دانش، فہم و فراست، عدل و انصاف، شجاعت و شہامت، فیاضی، دریا دلی، حلم، عفو، سادگی، تواضع اور مدارات۔ غرضیکہ جملہ اوصاف سے متصف تھا۔

مامون کا اخلاق نہایت وسیع تھا۔ سادگی جزو طبیعت تھی۔ اگر محفل مناظرہ میں کوئی سخت کلامی کر بیٹھتا تو خندہ پیشانی سے اُسے برداشت کرتا۔ جب اس کی رائے کسی معاملے میں غلطی کرنے لگتی اور ارکانِ دولت میں سے کسی نے اس کو آگاہ کر دیا تو وہ اس سے باز رہتا تھا۔ اگر ملزم نے اپنا الزام رد کر دیا تو اس کا اعتراف کر لیتا۔ چنانچہ ۱۹۹ھ میں عبداللہ بن زیاد کے کچھ اخلاف مامون کے دربار میں حاضر کئے گئے جن میں سے ایک عبداللہ بن زیاد کا پوتا محمد نامی تھا۔ امویوں اور عباسیوں کی چشمک اب تک برابر چلی جاتی تھی۔ خلیفہ نے اس کے اور اس کے ساتھ دوسرے قیدیوں کے حسب و نسب کی نسبت کچھ استفسارات کئے اور بالآخر حکم دیا کہ محمد بن زیاد اور اس کے ایک ساتھی کو قتل کیا جائے۔ قتل کا حکم سُن کر ابن زیاد خلیفہ کی طرف مخاطب ہُوا اور کہنے لگا کہ امیرالمومنین ہم تو سُنتے تھے کہ آپ بڑے حلیم اور بُردبار ہیں اور بلاوجہ و جرم کسی کا خون اپنی گردن پر نہیں لیتے۔ لیکن اس وقت معلوم ہُوا کہ ہم سے جو کچھ آپ کے ان اوصاف کی نسبت کہا گیا تھا از سرتا پا دروغ تھا۔ اگر آپ ہماری بداعمالیوں کی پاداش میں ہمیں قتل کرنا چاہتے ہیں تو ہم نے آج تک کوئی بات ایسی نہیں کی جس کا اتنا بڑا سنگین خمیازہ ہمیں کھینچنا پڑے۔ نہ ہم نے آپ کے خلاف اظہارِ تمرد و بغاوت کیا ہے۔ نہ حکومت کے خلاف کوئی خفیہ ریشہ دوانی

کی ہے نہ قوم کے مشوروں سے ہم نے علیحدگی اختیار کی ہے۔ پھر سمجھ میں نہیں آتا کہ وہ کونسا جرم ہے جس کی سزا ہمیں دی جا رہی ہے۔ اگر آپ ہم سے ان بدسلوکیوں کا بدلہ لینا چاہتے ہیں جو امویوں نے عباسیوں کے ساتھ اپنے زمانہ میں روا رکھی ہیں تو پہلے قرآن مجید کی اس صاف و صریح آیت پر غور کیجئے۔

لَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ أُخْرٰی ۔ "کوئی شخص کسی دوسرے (کے گناہوں کا) بوجھ اپنے سر پر نہ اٹھائے گا"

قرآن مجید کی نصِ صریح کے ارشاد نے مامون کو شرمندہ کر دیا۔ اُس نے اس کے سامنے سرِ عجز جھکا دیا اور اپنی خطا کا اعتراف کر لیا بلکہ ابن زیاد کی اس صاف گوئی کو بہت سراہا اور ابوالعباس فضل بن سہل ذوالریاستین کو ایما کیا کہ ابن زیاد اور اس کے تمام رفقاء کو شاہی مہمان کے طور پر رکھا جائے اور ان کی نگہداشت میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کیا جائے۔

حلم وعفو خلفاءِ عباسیہ میں حلم وعفو میں مامون الرشید بے نظیر تھا۔ درگزر کرنے میں اس کو ایسی لذت حاصل ہوتی تھی کہ اکثر خطاؤں کے بخشنے کے بعد درگاہِ الٰہی میں سجدۂ شکر ادا کرتا۔

ایک مجرم سے مامون نے کہا واللہ میں تجھے قتل کر ڈالوں گا۔

مجرم نے کہا کہ آپ تحمّل کو کام میں لائیے۔ نرمی کرنا بھی نصف عفو ہے۔

مامون نے کہا کہ اب تو میں حلف کر چکا۔

اس نے کہا۔ امیر المومنین اگر آپ خدا کے سامنے بحیثیت حانث کے پیش ہوں اس سے لاکھ درجہ بہتر ہے کہ بحیثیت خونی کے خدا کے حضور میں آئیں یہ سن کر مامون نے اس کا قصور معاف کر دیا۔[1]

فضل بن ربیع مامون کا کھلا ہوا دشمن تھا جس نے امین کو ورغلا کر مامون

---

[1] تاریخ الخلفاء صفحہ ۲۲۲ -

سے بھڑا دیا۔ مگر جب مامون الرشید کے سامنے آیا تو اس کو اپنے باپ کا مصاحب تصور کر کے عفو تقصیر کر دیا۔ فضل سے بڑھ کر کارنامہ ابراہیم بن مہدی عباسی کا تھا جس نے موقع پا کر تختِ بغداد پر قبضہ جما لیا۔ جب گرفتار ہو کر اپنے برادر زادہ مامون کے سامنے لایا گیا تو معذرت کی کہ اگر آپ مواخذہ کریں تو حق بجانب ہیں اور اگر معاف کریں تو مہربانی ہے۔ مامون الرشید نے اس دشمن کے مقابلہ میں جو خلافت چھین رہا تھا عفو سے کام لیا اور کہا جاؤ میں نے تم کو معاف کیا[1] اور مراعات ملحوظ رکھیں۔

عبداللہ بن بوّاب جو مامون الرشید کا درباری تھا اس کا بیان ہے کہ بعض اوقات مامون کے حلم پر ہم مصاحبوں کو غصہ آجاتا تھا۔ ایک مرتبہ مامون دجلہ کے کنارے رونق افروز تھے۔ سامنے قنات کھینچی ہوئی تھی کہ ایک فلّاح ادھر سے گزرا اور یہ اہتمام دیکھ کر بلند آواز سے کہنے لگا کہ مامون اپنے بھائی امین کو قتل کرا کے ہم لوگوں کی نگاہ میں کبھی معزز نہیں ہو سکتا۔ ہمیں یہ خیال ہوا کہ مامون کو غصہ آئے گا اور اس کی گرفتاری کا حکم دے گا مگر یہ سن کر مامون الرشید مسکرایا اور حاضرین سے مخاطب ہو کر کہا تم لوگ کوئی ایسی ترکیب بتا سکتے ہو کہ میں اس جلیل القدر آدمی کی نگاہ میں معزز بن سکوں[2]

ایسے ہی امین کے درباری شاعر حسین بن ضحاک نے دردناک مرثیہ لکھا تھا اس میں مامون کو ظالم قرار دیا تھا۔ جب مامون برسرِ اقتدار ہوا حسین کو دربار میں آنے کی ممانعت کر دی۔ پھر چند دن بعد بلا کر مرثیہ کا ذکر کیا۔ شاعر بولا امین کے قتل کے اثر میں سب کچھ کہہ گیا تھا آپ مواخذہ کریں تو آپ کا حق ہے اور بخش دیں تو آپ کی فیاضی۔ یہ سن کر مامون کی آنکھوں میں آنسو

---

[1] ابن اثیر جلد ۶ صفحہ ۱۳۳   [2] تاریخ خطیب جلد ۱ صفحہ ۱۸۹ و تاریخ الخلفاء صـ ۲۲۲

[3] ابن اثیر جلد ۶ صـ ۱۳۳

بھر آئے اور حکم دیا کہ اس کی تنخواہ بحال کر دی جائے[1]۔ مامون الرشید کو عفو میں بہت زیادہ مزہ ملتا تھا۔

کہا کرتا تھا کہ مجھے عفو میں اتنی لذت ملتی ہے کہ اس پر ثواب ملنے کی امید نہیں۔ اگر لوگوں کو میرے عفو کا اندازہ ہو جائے تو وہ جرائم کو میرے تقرب کا ذریعہ بنا لیں۔ مامون آرزو کرتا تھا کاش مجرم میرے عفو سے واقف ہو جاتے تاکہ اُن کے دلوں سے مواخذہ کا خوف دور ہو جاتا اور وہ سکون کی مسرت سے لطف اندوز ہوتے۔

تواضع وخاکساری

مامون اپنے خواص اور حاشیہ نشینوں کے ساتھ ملنساری اور خاکساری سے پیش آتا تھا اس میں تمکنت بالکل نہ تھی ملنے والے تو الگ رہے خادم کے ساتھ بھی مساویانہ سلوک کرتا تھا کہ ان کی راحت میں خلل تک نہ آنے دیتا تھا۔ قاضی القضاۃ یحییٰ ابن اکثم کا بیان ہے:۔

"میں نے مامون سے زیادہ شریف الطبع انسان نہیں دیکھا۔ ایک شب مجھ کو حریم خلافت میں سونے کا اتفاق ہوا۔ آدھی رات بیتے ہوئے کچھ عرصہ گزرا، میری آنکھ کھل گئی تشنگی کا غلبہ تھا، پانی پینے اٹھا مامون کی نظر مجھ پر یکایک پڑ گئی۔ انہوں نے پوچھا۔ قاضی صاحب! کیا بات ہے؟ سوتے کیوں نہیں۔ میں نے عرض کیا امیر المومنین مجھے پیاس معلوم ہوتی ہے۔ اُس نے کہا آپ اپنے بستر پر بیٹھئے۔ پھر خود جا کر آبدار خانہ سے پانی لا کر مجھ کو دیا۔ میں نے عرض کیا۔ امیر المومنین خادم یا خادمہ کو اُٹھا لیا ہوتا۔ فرمایا سب سوئے ہوئے ہیں۔ میں نے عرض کیا تو میں خود پانی آبدار خانہ جا کر پی لیتا۔ مامون

---

[1] ابن اثیر جلد ۶ صفحہ ۱۳۳۔

نے فرمایا۔ انسان کے لئے یہ بڑے عیب کی بات ہے کہ اپنے مہمان سے کام لے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ قوم کا سردار ان کا خادم ہے "[1]

سخاوت مامون فیاضی اور سخاوت میں اپنا جواب نہ رکھتا تھا۔ شعراء اور اہلِ فن کو ہزاروں لاکھوں درہم و دینار عطا کر دینا اس کا معمولی کام تھا۔ محمد بن وہیب کے ایک مدحیہ قصیدے کے صلہ میں حکم دیا کہ فی شعر ایک ہزار دینار دے دیئے جائیں۔ یہ کل پچاس شعر تھے اور پچاس ہزار دینار اسی وقت اُس کو دلا دیئے گئے[2]

مامون الرشید کی سخاوت کے واقعات سے تاریخیں بھری پڑی ہیں۔ تفصیل کے لئے تاریخ خطیب بغدادی اور عقد الفرید وغیرہ کا مطالعہ کیا جائے۔

بوران کے ساتھ شادی

بوران حسن بن سہل کی نورِ نظر تھی۔ مامون نے حسن کی دل دہی کی بنا پر اس سے شادی کی۔ حسن میں فیاضی اور اولوالعزمی کا جوہر زیادہ نمایاں تھا جس کا بوران کی شادی میں پورا مظاہرہ کیا گیا۔ تقریبِ شادی فم صلح میں کی گئی اس میں مامون کا سارا خدم وحشم، فوج اور جملہ عمائد ملک شریک تھے۔ ۱۹ دن تک حسن کے دولت کدہ پر برات مقیم رہی۔ حسن نے بڑی اولوالعزمی سے بارات کی تواضع و مدارات کی۔ شادی کے دن رقعوں پر نقدی، جائداد، غلام اور ہر قسم کا نقد و جنس اور ساز و سامان لکھ کر ان کی گولیاں بنا کر مامون پر سے نچھاور کی گئیں جن کو جو گولی ملی فوراً اس کی مرقومہ چیز اس کے حوالے کی گئی۔ ان گولیوں کے علاوہ طلائی اور نقرئی سکے براتیوں پر

---

[1] تاریخ الخلفاء صفحہ ۳۲۳ و تاریخ خطیب جلد ۱۰ صفحہ ۱۸۸ [2] اغانی ترجمہ محمد بن وہب۔

لٹا ئے گئے۔ مامون الرشید کے بیٹھنے کے لئے خالص سونے کا فرش تھا جیسے ہی اُس نے اس پر قدم رکھا اوپر سے سُچے موتی نچھاور کئے گئے اور جب پہلی مرتبہ مامون بوران سے ملا تو بوران کی دادی نے دولہا دولہن کے اوپر سے ایک ہزار بیش قیمت اور بڑے موتی نچھاور کئے۔[1]

نظامی گنجوی نے لکھا ہے کہ مامون نے اس موقعہ پر اپنی جیب میں سے کبوتر کے انڈے کے برابر موتی نکال کر بوران پر سے نچھاور کئے۔ ایک موتی ایک اقلیم کی آمدنی سے خرید کردہ تھا۔[2]

عام مورخین اس شادی کے اخراجات کا اندازہ پانچ کروڑ کرتے ہیں۔[3]

عیش وعشرت مامون آغازِ خلافت میں بیس ماہ تک نغمہ و سرور سے محترز رہا پھر کچھ شوق ہُوا۔ گاہے گاہے گانا سُن لیا کرتا آخر میں البتہ رنگین صحبتیں رہتی تھیں۔ نبیذ کا دور چلتا، گل اندام کنیزیں نغمہ سرا ہوتیں۔ ساز چھڑتا، رنگین طبع احباب جمع رہتے مگر عیش وعشرت میں اپنے فرائض کو کبھی نہیں بھُولا۔

فنِ موسیقی کی ترقی مامون الرشید کے دربار میں مغنیوں کا بڑا گروہ موجود تھا جنہوں نے علمی اصول و قواعد کے موافق فنِ موسیقی کو معراج کمال تک پہنچا دیا، جن میں مخارق علویہ، عمرو بن بانتہ، عقید یحییٰ مکی سوشن زلزل زرزور اس فن کے ارکان تسلیم کئے گئے ہیں لیکن اسحاق موصلی کو کوئی نہ پہنچا[4] اسحاق کا باپ ابراہیم موسیقی کا مشہور ماہر اور استاد تھا۔ اسحاق کو دربار میں فقہاء کا

---

[1] ابن خلکان صفحہ ۹۳ [2] پنج مقالہ نظامی گنجوی [3] مقدمہ ابن خلدون ابن خلکان جلد ا صـ۹۲ الفخری صـ۲۲۳

[4] اسحاق بن ابراہیم، ابراہیم مامون الرشید کے دربار کا مغنی تھا اسکو دس ہزار درہم ماہوار ملتا تھا۔ اسحاق فنِ لوبُ انساب، روایات فقہ اور نحو میں مجتہدانہ کمال رکھتا تھا قرأ سے قرآن مجید پڑھا، حدیث ہشیم سے، شلیین اصمعی والو عبیدہ سے ادب سیکھا۔ زلزل سے ایک لاکھ درہم دیکر عود بجانا سیکھا۔

لباس پہن کر آنے کی اجازت نہ تھی۔ یہ مامون کے ندیموں میں سے تھا۔ اُس نے ایک دن مامون سے درخواست کی کہ دراعہ اور سیاہ طیلسان پہن کر جمعہ کے دن مقصورہ میں داخل ہونے کی اجازت ہو؟ مامون مسکرایا اور کہا اسحاق یہ نہیں ہوسکتا لیکن تمہاری درخواست لاکھ درہم پر خرید لیتا ہوں۔ یہ کہہ کر حکم دیا کہ لاکھ درہم اس کے گھر پہنچا دیئے جائیں [1]

مامون الرشید کو افسوس رہا کہ اسحاق منصب قضاء کے قابل تھا لیکن قوال ہونے کی وجہ سے اس بلند درجہ تک پہنچایا نہیں جا سکا۔

راسخ الاعتقادی مامون الرشید اعلیٰ درجے کا فلسفی تھا مگر اس کے ساتھ مذہبی عقیدے میں نہایت راسخ الاعتقاد تھا اور فرائض اور اعمال کا سخت پابند۔ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اس کو سچی ارادت اور والہانہ عقیدت تھی۔ شام کا سفر درپیش ہوا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نامہ مبارک ایک بطریق نے دکھایا تو اس کو آنکھوں سے لگایا اور جوشِ محبت میں چند مرتبہ اور نامہ مبارک کو آنکھوں سے لگایا۔ آنکھیں آنسو بہا رہی تھیں۔ یہ تاریخی حقیقت ہے کہ مامون کو سرورِ عالمؐ سے عاشقانہ وارفتگی تھی۔ یہی وجہ تھی کہ اہلِ بیت کرام سے دلی تعلق رکھتا تھا اور فدک کو اہلِ بیت سے متعلق کر دیا تھا۔ بے شک اس کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پرجوش عقیدت تھی۔ اس بنا پر خاندانِ نبوت سے دلی خلوص رکھتا اور ان سے مراعات روا رکھتا تھا۔ خود مامون نے ایک موقعہ پر بیان کیا ہے۔

> "ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اپنے زمانِ خلافت میں ایک بنی ہاشم کو بھی کوئی ملکی عہدہ نہیں دیا۔ عمر رضی اللہ عنہ و عثمان رضی اللہ عنہ نے بھی اس خاندان کے ساتھ کچھ فیاضی نہ کی لیکن علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ

---

[1] المامون صفحہ ۱۴۰۔

جب خلیفہ ہوئے تو حضرت عبداللہ بن عباس کو بصرہ، عبید کو یمن، معبد کو مکہ، قثم کو بحرین کی حکومت دی اور آلِ عباس میں کوئی باقی نہ رہا جس کو حکومت میں کچھ حصہ نہ ملا ہو۔ ہمارے خاندان پر یہ فرض باقی چلا آتا ہے جس کو اب میں نے ادا کیا ہے[۱]"۔

اعتزال مامون کی طبیعت آخر میں اعتزال کی طرف مائل ہوگئی تھی جعفر برمکی جو مامون الرشید کا اتالیق تھا، اس کا مصاحب و ندیم حکیم النظام بغدادی معتزلی تھا جو یونانی فلسفہ کا بڑا عالم تھا اُس نے ارسطو کے رد میں ایک کتاب لکھی تھی۔ علم الکلام کے اکثر مسائل اس کے اختراع کئے ہوئے ہیں۔ چنانچہ نظام کے خیالات کا اثر مامون پر بھی پڑے بغیر نہ رہ سکا جس کا ظہور آخر زندگی میں فتنۂ خلق قرآن کی صورت میں رونما ہوا۔ قاضی ابی داؤد معتزلی نے مامون کے خیالات کو اور پختہ کر دیا جس کی تفصیل آگے آتی ہے۔

مامون کا علمی ذوق وشوق

مامون الرشید نے نظم مملکت میں جہاں بیدار مغزی کا ثبوت دیا وہاں علمی شغف میں بھی علمائے معاصرین میں ایک گونہ امتیازی درجہ رکھتا تھا۔ عباسی خلفاء میں فی الحقیقت یہ گل سر سبد تھا۔ اس کے علمی ذوق نے اس کے عہد کو علمی حیثیت سے دورِ زرّین بنا دیا تھا۔ علمی ترقیوں کی تفصیل کے لئے "عصر المامون" اور "المامون" علمی دنیا میں موجود ہیں۔ اس جگہ مامون کا ذاتی علم وفضل اور مختصر علمی ترقی کا ذکر کافی ہوگا۔

مامون الرشید طالب علمی کے زمانے سے ہی ذکی، ذہین اور طبّاع تھا۔ فضلائے عہد کی صحبت نے اس کی فطری صلاحیتوں کو اور اجاگر کر دیا جس سے اہلِ علم کی

---

[۱] تاریخ الخلفاء صفحہ ۲۲۳۔

کی صفِ اوّل میں شمار ہونے لگا۔

علومِ دینی کے علاوہ مامون کی شعر وادب پر ناقدانہ نگاہ تھی۔ ایک دن مامون کے پاس بغداد کا مشہور شاعر و ادیب اصمعی بیٹھا تھا تو شعر و شاعری کا ذکر چھڑ گیا۔ مامون الرشید نے اصمعی سے یہ شعر پڑھ کر ؎

ما کنت الا کلحم میت دعا الی اکلہ اضطرار

پوچھا یہ شعر کس کا ہے؟ اصمعی بولا ابن عیینہ النہلبی کا۔ مامون نے کہا شعر میں بلند خیالی ہے مگر فلاں شعر سے ماخوذ ہے۔ اصمعی مامون الرشید کی وسعتِ نظر پر حیران رہ گیا۔[1]

علامہ سیوطیؒ اپنی تاریخ میں یہ واقعہ لکھتے ہیں کہ ایک مرتبہ ہارون الرشید نے سفر میں جانے کا ارادہ کیا اور لشکر کو ایک ہفتہ کے بعد چلنے پر تیار رہنے کا حکم دیا۔ لیکن ہفتہ بھر گزر جانے کے بعد سفر پر روانہ ہُوا اور نہ کوئی اور حکم دیا۔ لوگ پریشان تھے۔ فوجی افسروں نے مامون الرشید سے جاکر عرض کیا شہزادہ صاحب آپ ہی ہماری مشکل کو حل کیجئے۔ مامون نے یہ نظم لکھ کر ہارون الرشید کی خدمت میں پیش کی ؎

یا خیر من دبت المطی بہ	"اے وہ شخص جس کے ساتھ چلنے والے چلتے
ومن تقدی بسرجہ الفرس	ہیں اور جسکے گھوڑے پر ہر وقت زین کسا رہتا
ھل غایۃ فی المسیر نعرفھا	ہے کاش ہمیں سفر میں جانیکی وجہ معلوم ہوتی یا
ام امرنا فی المسیر ملتبس	یہ معلوم ہو جاتا کہ سفر میں ابھی دیر ہے
ما علم ھذا الا الی ملک	اسکا علم سوائے اس بادشاہ کے اور کسی کو نہیں ہے
من نورہ فی الظلام نقتبس	کہ جسکے نور سے ظلمات میں اقتباسِ نور کرتی ہے"!

ہارون الرشید نے یہ قطعہ پڑھا۔ بہت خوش ہُوا۔ اس کو اب تک معلوم نہ تھا کہ

---

[1] مراۃ الجنان یافعی۔

مامون شعر کہتا ہے۔ اس نے کہا بیٹا تمہیں شاعری کیا کرنی ہے۔ شعراء حقیر لوگوں کو آسمان پر چڑھا دیتے ہیں اور جلیل القدر لوگوں کو زمین پر گرا دیتے ہیں۔

عمارہ بن عقیل کہتے ہیں کہ مجھ سے مشہور شاعر ابن حفصہ نے کہا کہ کبھی تم نے بھی اس کا خیال ہے کہ مامون پوری طرح شعر کی قدر نہیں کرتا۔ میں نے کہا میرے نزدیک تو اس سے بہتر شعر سمجھنے والا کوئی نہیں ہے۔ واللہ اکثر میں نے شعر سنائے ہیں اور مامون سن کر اچھل پڑا ہے۔ ابن حفصہ بولا کہ میں نے یہ شعر مامون کی شان میں کہہ کر اسے سنایا۔ اس نے کچھ بھی اثر نہ لیا۔ عمارہ بولے۔ وہ شعر کون سا ہے؟ حفصہ نے کہا یہ ہے ؎

اضحی امام الھدیٰ المامون مشتغلا
بالدین والناس فی الدنیا مشاغیل

"امام ہدیٰ مامون دین میں مشغول ہے اور لوگ دنیا کے اشغال میں پھنسے ہوئے ہیں"

عمارہ نے شعر سن کر کہا کہ اس شعر کا مامون پر کیا خاک اثر ہوتا۔ ابن حفصہ تم نے تو مامون کو ایک بڑھیا بنا دیا جو اپنے مصلّی پر بیٹھی ہوئی تسبیح ہلا رہی ہے۔ پھر تم ہی بتاؤ کہ اگر مامون الرشید ہی دین میں اس درجہ مشغول ہو جائے تو انتظامِ ملک کون کرے۔ ابن حفصہ تم نے وہی مضمون کیوں ادا نہ کیا جو تمہارے چچا نے ولید کی شان میں کہا تھا ؎

فلا ھو فی الدنیا مضیع نصیبہ
ولا عرض الدنیا عن الدین شاغلہ[1]

"وہ اپنا دنیوی حصہ بھی نہیں ضائع ہونے دیتا اور نہ دنیاوی اشغال اس کو دینی اشغال سے باز رکھتے ہیں"

یہ تھی مامون الرشید کی شاعرانہ اور سخن سنجانہ زندگی۔

---

[1] تاریخ الخلفاء صفحہ ۲۲۰ و البدایہ والنہایہ الجزالعاشر صفحہ ۲۷۶۔

فقہ و حدیث پر نظر شعر و ادب میں مامون الرشید کا جو پایہ تھا وہ تو تھا ہی، فقہ و حدیث میں بھی اس کی نظر وسیع تھی اور وہ مسائلِ دینی میں اہلِ فن کی طرح نکتہ آفرینیاں کیا کرتا تھا۔

ابن عیینہ کہتے ہیں کہ ایک روز مامون الرشید دربارِ عام میں علماء کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا۔ ایک عورت نے آکر شکایت کی کہ میرا بھائی چھ سو دینار چھوڑ کر مرا ہے لیکن لوگ مجھ کو ایک دینار دے کر ٹالتے ہیں اور کہتے ہیں کہ میرے حصے میں صرف اسی قدر آتا ہے۔

مامون الرشید نے تھوڑی دیر غور کر کے کہا وہ سچ کہتے ہیں تیرے حصے میں اتنا ہی آتا ہے۔ علماء نے کہا امیرالمومنین یہ آپ کو کیونکر معلوم ہوا۔ مامون نے کہا کہ متوفی نے دو لڑکیاں چھوڑی ہیں دو تہائی ($\frac{2}{3}$) یعنی چار سو دینار ان کو ملیں گے اور والدہ کو چھٹا ($\frac{1}{6}$) حصہ یعنی سو دینار اور بیوی کو آٹھواں ($\frac{1}{8}$) حصہ یعنی پچھتر دینار اور بارہ[۱۲] بھائیوں کو فی کس دو دینار اور اس عورت کو ایک دینار۔ علمائے دربار مامون کی فرائض دانی پر عش عش کرنے لگے[۱]۔

ایک بار مامون کے دربار میں ایک شخص آیا اور کہنے لگا میں محدث ہوں اور اس فن میں ساری زندگی گزار دی ہے۔ مامون نے اس سے مخاطب ہو کے کہا۔ تم کو فلاں مسئلہ کے متعلق کتنی حدیثیں یاد ہیں؟ وہ ایک بھی نہ بتا سکا تو مامون الرشید نے خود اس کے متعلق بیسیوں روایتیں سنا دیں اور سندوں کا ایک تار باندھ دیا۔ پھر اس شخص سے ایک دوسرا مسئلہ پوچھا وہ اس کا بھی کوئی جواب نہ دے سکا تو مامون الرشید نے اس مسئلہ کے متعلق بھی متعدد حدیثیں بیان کیں اور پھر درباریوں سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ لوگ تین دن حدیث پڑھتے ہیں اور بھول جاتے ہیں کہ ہم ہی محدث ہیں۔

لہ تاریخ الخلفاء صفحہ ۲۱۹ ۔ ۲ہ ایضاً ۔

مامون کا حافظہ ہارون الرشید حج کرنے کے بعد کوفہ گیا اور وہاں کے محدثین کو بلا بھیجا۔ تمام حضرات آ گئے۔ مگر عبداللہ بن ادریس اور عیسیٰ بن یونس محدث نے آنے سے انکار کر دیا۔ ہارون الرشید نے امین اور مامون کو ہر دو علمائے کرام کی خدمت میں بھیجا۔ ابنِ ادریس نے امین کو مخاطب کر کے سو حدیثیں پڑھ دیں۔ مامون الرشید خاموش سنتا رہا۔ جب ابن ادریس حدیثیں سنا چکے اور خاموش ہوئے تو مامون نے کہا کہ اگر اجازت دیں تو میں ان احادیث کا اعادہ کر دوں۔ اور پھر تمام حدیثیں من و عن بیان کر دیں۔ ابن ادریس مامون کی قوتِ حافظہ دیکھ کر حیران رہ گئے۔[1]

مامون سے کثیر التعداد احادیث مروی ہیں۔ بیہقی، حاکم، ابن عساکر اور خطیب نے مامون کی روایات بیان کی ہیں جو تاریخ الخلفاء وغیرہ میں منقول ہوئی ہیں۔ مامون کے بیٹے فضل، یحییٰ بن اکثم، جعفر بن ابو عثمان الطیالسی، امیر عبداللہ بن طاہر، احمد بن الحارث شیعی دعبل الخزاعی اور دیگر لوگوں نے اس سے روایت کی۔

علامہ شبلی نے المامون میں لکھا ہے :-

"اسلام کو آج تیرہ سو برس سے کچھ اوپر ہو گئے۔ اس وسیع مدت میں ایک تخت نشین بھی ایسا نہیں گزرا جو فضل و کمال کے اعتبار سے مامون کی شانِ یکتائی کا حریف ہو سکتا۔ افسوس ہے کہ سلطنت کے انتساب نے اس کو خلفاء و سلاطین کے پہلو میں جگہ دی ورنہ شاعری، ایام العرب، ادب، فقہ، فلسفہ کون سی بزم ہے جہاں فخر و شرف کے ساتھ اس کا استقبال نہ کیا جاتا ہو"[2]

قاضی یحییٰ بن اکثم جو خود عظیم المرتبت عالم تھے، مامون الرشید کے متعلق کہتے ہیں :-

---

[1] تاریخ الخلفاء صفحہ ۲۳۰ [2] المامون صفحہ ۱۲۰ -

"امیرالمومنین طب میں، جالینوس نجوم میں، ہرمس، فقہ میں علیؓ بن ابی طالب سخاوت میں حاتم طائی، سچائی میں ابوذر، کرم میں کعب بن امامہ اور ایفائے عہد میں سموئل بن عادیا ہیں"۔ [1]

ادبیت مامون نے شاعری میں وہ کمال بہم پہنچایا تھا کہ بڑے بڑے ماہرِ فن اس کی استادی کا اعتراف کرتے تھے۔ قدماء اور شعرائے جاہلیت کے علاوہ شعرائے عصر کے مشہور قصائد اور قطع اس کے نوکِ زبان پر تھے اور اس باب میں اس کی شہرت ضرب المثل کی حد تک پہنچ گئی تھی۔

نثر مامون الرشید کے خطوط اس عہد کے عربی نثر کا بہترین نمونہ ہیں جو العقد الفرید میں موجود ہیں۔

خوش بیانی مامون کی خوش بیانی اور برجستہ گوئی کا عموماً لوگ اعتراف کرتے تھے۔ ثمامہ بن اشرس کا قول ہے کہ میں نے جعفر برمکی اور مامون سے زیادہ فصیح و بلیغ کسی کو نہیں دیکھا۔

مامون کے خطبات میں اس کی شستہ بیانی اور زورِ طبیعت کی شہادت ملتی ہے۔ کتاب العقد الفرید لابن عبدربہ میں یہ خطبات منقول ہیں۔

علوم عقلیہ سے شغف مامون الرشید اسلامی علوم کو حدِ کمال تک حاصل کر چکا تو فلسفہ کی تحصیل کی طرف متوجہ ہوا۔

بیت الحکمت کے لئے جو کتب فلسفہ کی ترجمہ ہوئی تھی وہ مطالعہ میں رہیں مگر وہ ناکافی تھیں۔ اس زمانہ میں "ارسطو کو خواب میں دیکھا [2] مامون یوں بھی فلسفہ پڑھا ہوا تھا۔ ارسطو کی زیارت نے آگ پر روغن کا کام دیا۔ اس نے قیصر روم کو خط لکھا۔ ارسطو کی جس قدر تصانیف ملیں وہ دار الخلافہ بھیج دی جائیں۔ چنانچہ قیصر نے پانچ اونٹوں پر لدوا کر فلسفہ کی کتب مامون کی خدمت میں بھیج دیں۔

---

[1] تاریخ الخلفاء صفحہ ۲۲۹ [2] فہرست ابن ندیم صفحہ ۳۳۹۔

بیت الحکمت

ہارون الرشید کے بیت الحکمت میں روم سے آئی ہوئی کتابیں داخل کی گئیں۔ ان میں بقراط، ارسطا طالیس، اقلیدس جالینوس اور بطلیموس وغیرہ شامل تھیں۔ فیلسوف عرب یعقوب بن اسحاق کندی کو مامون نے ان کتب میں سے فلسفۂ ارسطو پر جو کتابیں تھیں ان کے ترجمہ پر مامور کیا۔ اور وہ "بیت الحکمت" کے مہتمم قرار دیئے گئے۔ حجاج بن المطر، یوحنا وابن البطریق وسلما صاحب بیت الحکمت کو روم روانہ کیا کہ وہ فلسفہ کی کتابیں اپنی پسند کی انتخاب کر کے لائیں[1] اور ترجمہ کریں۔ ارمینیہ، مصر، شام، سیپرس وغیرہ مقامات پر لاکھوں روپیہ دے کر قاصد بھیجے۔ فلسفی قسطا بن لوقا کو روم سے بلا کر بیت الحکمت میں ترجمہ کے لئے مقرر کیا گیا۔ سہل بن ہارون کو جو ایک فارسی النسل حکیم تھا۔ مجوسیوں کے علوم وفنون کے ترجمہ کی خدمت سپرد کی[2]

مترجمین بیت الحکمت حجاج بن یوسف کوفی، قسطا بن لوقا بعلبکی، ابوحسان سلمان، حنین بن اسحاق، سہل بن ہارون ابوجعفر یحییٰ بن عدی محمد بن موسیٰ خوارزمی، حسن بن شاکر، احمد بن شاکر، علی بن العباس بن احمد جوہری، یعقوب کندی، یوحنا بن ماسویہ ابن البطریق، محمد بن شاکر، یحییٰ بن ابی منصور وغیرہ، ارباب فضل وکمال مامون الرشید کے دربار کے مشہور مترجم اور بیت الحکمت کے مہتمم تھے۔ اکثر کی تنخواہیں اڑھائی اڑھائی ہزار روپیہ ماہوار تھیں[3]

اس جماعت میں سب سے بڑی شخصیت یعقوب کندی کی تھی جو ارسطو کا

---

[1] فہرست ابن ندیم صفحہ ۳۳۹ [2] فہرست ابن ندیم صفحہ ۳۳۱ -
[3] المامون صفحہ ۳۳۱ -

ہم پایہ سمجھا جاتا تھا۔

فہرست ابن ندیم میں ہے۔

"ابو یوسف یعقوب بن اسحاق ابن الصباح الکندی، نسب ملوک کندہ تک پہنچتا ہے ویسمیٰ فیلسوف العرب وکتبہ فی علوم مختلفہ مثل المنطق والفلسفہ والہندسہ والحساب والارثماطیقی، والموسیقی والنجوم وغیرہ ذلک (الفہرست ص۳۵۵[۱])

یہ دوسو بیاسی کتابوں کا مترجم و مصنف اور مؤلف تھا[۲] بصرہ میں پیدا ہوا۔ حدوثِ عالم کے بارے میں مذہب افلاطون کا پیرو تھا ۲۵۲ھ میں انتقال کیا۔

حنین بن اسحاق یہ نامور مترجم تھا۔ عربیت کی تکمیل خلیل بن احمد بصری سے کی جو لغاتِ عرب کا پہلا مدوّن اور فنِ عروض کا موجد ہے۔ اس نے جالینوس کی (۲۱) کتابوں کا نہایت فصیح ترجمہ کیا۔

حنین بن اسحاق العبادی ویکنی ابا زید والعباد نصاری الحیرہ وکان فاضلا فی صناعۃ الطب فصیحا باللغۃ الیونانیۃ والسریانیۃ والعربیۃ، دار البلاد فی جمیع الکتب القدیمۃ[۳]

حنین کا نامور فرزند اسحاق اور اس کا بھانجہ حبش الاعسم ان دونوں نے ترجمہ کے کام کو بہت وسعت دی۔ ارسطو کی اکثر تصانیف اسحاق نے ترجمہ کیں۔ حنین نے متوکل کے عہد میں وفات[۴] پائی۔ اس کا ذکر آگے آتا ہے۔

قسطا بن لوقا بعلبکی یہ بھی نہایت نامور فلسفی تھا۔ اس نے بیت الحکمت کے لئے کثیر التعداد کتابوں کے ترجمے کئے۔ صاحب تصنیف ہے[۴]

ابو عبد اللہ محمد بن موسیٰ خوارزمی[۵]۔ اس نے مامون کی فرمائش پر علم جبر و مقابلہ پر کتاب لکھی۔ اس کو جبر و مقابلہ اور ریاضیاتی تشریح کے بانیوں میں شمار کرنا قرین

۱؎ طبقات الاطباء ۲؎ الفہرست صفحہ ۴۰۹ ۳؎ طبقات الاطباء ۴؎ ایضاً

۵؎ الفہرست صفحہ ۴۱۰۔

انصاف ہے۔ اس نے دو درجی (یا ثنائی) مساوات کے ہندسی حل بھی شکلوں کے ساتھ دیئے ہیں۔ مثلاً لا۲ + ۱۰ لا = ۳۹ کی اصل (+۳ و -۱۳) ترسیمی طریقہ سے بتائی گئی ہیں۔ اس کی ہئیت الافلاک اور علم المثلثات سے متعلق تیار کردہ جدولیں بھی ہیں۔ ان جدولوں میں زاویہ کی جلیبی وجماسی تفاعل شامل ہیں بطلیموس کے جغرافیہ کی اصل کتاب اور نقشوں کی اس نے تصحیح کی اور عربی میں "صورۃ الارض" کے نام سے اس کو شائع کیا۔

خوارزمی نے ۲۲۹ھ / ۸۵۰ء میں انتقال کیا۔

بنو موسیٰ محمد و احمد و حسن مامون کے ندیم تھے۔ فنونِ حکمت کے ماہر اور دولت مند جنہوں نے اپنی دولت یونانی مخطوطات کی فراہمی اور ان کے عربی ترجمہ کرنے میں صرف کی۔ وہ خود بھی ریاضی دان اور ہیئت الافلاک کے عالم تھے۔ انہوں نے جن قابل مترجموں کو یونانی علم و حکمت عربی میں نقل کرنے کے لئے مامور کیا۔ ان میں حنین بن اسحاق اور ثابت بن قرہ سب زیادہ مشہور تھے خود بھی ان کی بہت سی تصانیف ہیں۔

ابوجعفر محمد کی کتاب المیزان، کتاب القرسطون، کتاب مساحت الکرہ، تثلیث زاویہ (دی ہوئی دو مقادیر کے مابین دو اوسط متناسبوں کی تعیین کی) ابوجعفر محمد نے ۲۵۱ھ / ۸۷۲ء میں انتقال کیا۔ ان تینوں بھائیوں سے مامون الرشید نے کرۂ ارض کی پیمائش کرائی۔ اس کے لئے سنجار کا میدان تجویز ہوا۔ دو مہمیں مامون نے بھیجیں۔ دوسری پلمائر کے میدان گئی۔ ان پیمائشوں کا نتیجہ کرۂ ارض کے عرض بلد کی قیمت ۵۶ ۲/۳ عربی میل برآمد ہوا جو انگریزی میل کی رقموں میں ۶۹،۰۵ میل ہے (خط استواء کے قریب اس کی صحیح قیمت ۶۸،۷ میل ہے۔

مامون الرشید نے زمین کا نقشہ بھی بنوایا تھا جس کو المسعودی نے دیکھا تھا۔

ریاضی و ہیئت دان

الحجاج ابن یوسف، بن مطر، اقلیدس کے اٹیلس کا سب سے پہلا مترجم تھا اس نے المجسطی کا بھی ترجمہ کیا ہے۔ علی بن عباس ابن سعید الجوہری نے اقلیدس کی کتاب کی شرح کی ہے۔ ابو سعید النصر بر الجرجانی نے ہندسی مسائل پر کتاب لکھی اور ایک دوسری کتاب میں نصف النہار کی ترسیم کی۔

سہل الطبری یا ربان الطبری، یہودی منجم و طبیب تھا اس نے بھی المجسطی کا ترجمہ کیا۔ حبش الحاسب احمد ابن عبد اللہ مروزی، مروہ کا رہنے والا تھا۔ سو برس کی عمر پائی۔ ۸۶۴ھ میں انتقال کیا۔

کسوف شمس سے متعلق حبش نے سب سے پہلے ارتفاع جرم سماوی (خاص اس صورت میں ارتفاعِ شمس) کے تعینِ وقت کا طریقہ بیان کیا۔ حبش نے ہی ظلِ عالیہ مماس (ٹمن جنٹ) کا تصور پیش کیا۔ سب سے پیشتر مماسوں کی جدولیں تیار کیں۔ اس کا بیٹا ابو جعفر مشہور منجم اور آلاتِ ہیئت کا صناع تھا۔

ابو طیب سند ابن علی یہودی النسل تھا مگر مسلمان ہو گیا تھا۔ اس نے ریاضی و ہیئت کی جدولیں تیار کیں اور اشیاء کی کثافتِ اضافی پر بھی کام کیا۔ ۸۶۴ھ میں فوت ہوا۔ مامون کا صدر منجم تھا۔

علی بن عیسیٰ الاصطرلابی بغداد اور دمشق میں رہتا تھا۔ ۸۳۳ھ میں بقیدِ حیات تھا۔ منجم اور آلاتِ تنجیم و سائنس کا مشہور صناع تھا۔ مامون نے اس سے درجہ عرض بلد کی پیمائش کرائی تھی۔ بنو موسیٰ کے ساتھ یہ بھی تھا۔ اصطرلاب پر سب سے پہلے لکھنے والوں میں سے ہے۔

یحییٰ بن ابی منصور مجوسی نسل سے تھا۔ قریب ۸۳۱ھ میں فوت ہوا۔ حلب میں دفن کیا گیا۔ اس کے مشاہداتِ فلکی بغداد میں عمل میں آئے۔ اس نے عربی میں ہیئت الافلاک پر کئی کتابیں لکھیں۔ اس کا پوتا ہارون بن علی تھا جس نے تنقید کے ساتھ مامون الرشید کے تیار کرائے ہوئے جدولِ تالیف اور مشاہداتِ

فلکی میں عمر بتادی ۔

خالد بن عبدالملک المروزی مامون الرشید کے زمرۂ حکماء میں تھا۔ ۸۳۲ء میں دمشق میں آفتاب پر جو مشاہدات کئے گئے تھے ان میں یہ بھی شریک تھا۔

ابوالعباس احمد بن محمد بن کثیر الفرغانی اس عہد کا بڑا منجم تھا۔ اس کی کتاب "حرکات اسماء و جوامع علم النجوم" مشہور ہے۔

خالد استقبال اعتدالین کی نسبت بطلیموس کا نظریہ تسلیم کرتا تھا اور اس کی لکھی ہوئی قیمت کو بھی صحیح تصور کرتا تھا۔ لیکن سمجھتا تھا کہ اس استقبال کا اثر نہ صرف ستاروں کے مقامات پر پڑتا ہے بلکہ ستاروں کے فاصلے پر بھی، اس نے قطر بھی دریافت کئے۔ ۸۶۱ء میں فسطاط کے مقام پر جو حصّہ دریائے نیل کا بہتا ہے وہاں آب پیما اپنی نگرانی میں نیا کرایا۔ اس کی ایک کتاب ہیئت پر بھی ہے۔

ابوحفص عمر بن الفرخان الطبری، یہ علم ہیئت اور فن تعمیر کا بہت بڑا عالم تھا۔ مامون کے حکم سے فارسی سے عربی میں ترجمے کئے اور علوم تنجیم و نجوم کے مضامین پر مقالے لکھے۔ نجوم کے علاوہ فلسفہ کی بھی بعض کتابیں مامون کے حکم سے لکھیں۔

ابومعشر جعفر بن محمد ابن عمر البلخی ۲۷۲ھ مطابق ۸۸۶ء میں بعمر سو سال واسط میں انتقال کیا۔ کتاب الطوالع، کتاب المدخل الی علم احکام النجوم وغیرہ یادگار ہیں۔ صناجۃ الطرب فی تقدمات الغرب[1] میں ہے:۔

"ابوجعفر جعفر بن محمد عمر بلخی مشہور منجم ہے۔ مدخل، زیج، الوف القرانات الدول والملل کتاب الملاحم، اقالیم، کتاب اصلاح وغیرہ تصانیف سے ہیں مستعین عباسی نے ایک امر کو قبل از وقوع بیان کر دینے پر اتنے کوڑے پٹوائے کہ اسی میں ۲۷۲ھ میں ابومعشر کا دم نکل گیا۔"

---

[1] الفہرست صفحہ ۲۷۷ و ابن خلکان جلد ۱ صفحہ ۱۱۲ و طبقات الاطباء صفحہ ۹۷۔

جغرافیہ | تاریخ میں عربی کتابیں لکھی جا چکی تھیں مگر جغرافیہ میں مامون الرشید کے زمانے میں مارینوس کے جغرافیہ کا ترجمہ کیا گیا۔ مارینوس بطلیموس سے کچھ پہلے گزرا ہے۔

مسعودی نے مامون کے عہد کے عربی جغرافیہ نگاروں کی تصانیف کا مطالعہ کیا تھا۔ چنانچہ وہ لکھتا ہے :-

"میں نے بہت سی کتابوں میں اقالیم کے لئے نقشے مختلف رنگوں میں دیکھے ہیں۔ اس موضوع پر جو بہترین کتاب میری نظر سے گزری ہے وہ مارینوس کا جغرافیہ ہے اور مامون الرشید کے عہد کے بہت سے ارباب فضل و کمال نے اس نقشہ کی تکمیل میں حصہ لیا تھا۔ اس نقشے میں دنیا، اس کے افلاک، اس کے سیاروں، براعظم اور سمندر، آباد علاقے اور ویرانے، مختلف اقوام کے ممالک اور شہر دکھائے گئے ہیں"[1]

ثابت بن قرہ نے (۲۱۱ - ۲۸۸) بطلیموس کے جغرافیہ کا ترجمہ کیا۔

رصد خانہ | مامون نے شماسیہ میں رصد خانہ کی بنیاد ڈالی۔ یہ عظیم الشان (رصد خانہ) ۲۱۴ھ میں قائم ہوا۔ جس کے مہتمم یحییٰ بن ابی المنصور، خالد بن عبدالملک مروزی، سند بن علی، عباس بن سعید جوہری تھے۔ اس میں نہایت بیش بہا آلاتِ رصدیہ تیار کئے گئے تھے جن سے آفتاب کی مسافت کی مقدار اس کے مرکزوں کا اخراج، اوج کے مواضع اور دیگر سیارات و ثوابت کے حالات دریافت کئے گئے تھے۔

دوسری رصدگاہ تو مار (پالمیٹر) میں قائم کی۔ منجموں نے میل، طریق شمس کی قیمت ۲۳ درجہ ۲۳ دقیقے دریافت کئے۔ سیاروں کی حرکتوں کی جدولیں تیار کیں۔ مامون کے لئے منجم ابو جعفر محمد بن موسیٰ خوارزمی نے زیچ مرتب کی۔ منجم حبش نے تین زیچیں

---

[1] مروج الذہب جلد ۱ صفحہ ۱۸۳ [2] کشف الظنون ذکر رصد۔

تیار کیں جو مامونی زیجیں کہلاتی ہیں ۔

غرضیکہ صدہا بلکہ ہزارہا کتابوں کے ترجمے مامون الرشید کے لئے تھوڑے ہی عرصہ میں کئے گئے ۔ مامون کے زمانے میں کتب خانہ بیت الحکمت ہزارہا بیش بہا کتب کا خزینہ بن گیا ۔

مامون کو خود بھی تصنیف وتالیف کا شوق تھا ۔ چنانچہ کتاب جواب ملک البرغر مناقب خلفاء اعلام النبوۃ تین کتابیں تالیف کیں[1] ۔

علمی دربار

۲۰۶ھ میں مامون بغداد پہنچا تو قاضی یحییٰ بن اکثم کو حکم دیا کہ علماء وفضلا میں سے بیس شخص منتخب کئے جائیں جو علمی مجلس میں شریک ہوا کریں ۔

فرامین بھیج کر ہر جگہ سے ادیب ، فقیہ ، شاعر ، متکلم اور حکیم طلب کئے گئے اور اُن کی معقول تنخواہیں مقرر کی گئیں[2] ۔

مامون کا دربارِ علمی سہ شنبہ کو جما کرتا ۔ اس میں خصوصیت سے مناظرہ ہوتا تھا ۔ صُبح کچھ دن چڑھے ہر مذہب ملت کے علماء اور ماہرینِ فن دربار میں حاضر ہوتے ۔ پہلے دسترخوان جو مختلف اقسام کے اطعمہ واشربہ سے مزین ہوتا بچھایا جاتا ۔ کھانے سے فارغ ہو کر سب وضو کرتے ۔ عود لوبان کی انگیٹھیاں لائی جاتیں اور لباس معطر کئے جاتے ۔ پھر دارالمناظرہ میں مامون کے زانو بہ زانو علماء بے تکلف بیٹھتے اور آزادانہ گفتگو شروع ہوتی ۔ دوپہر تک یہ علمی مجلس قائم رہتی ۔ زوالِ آفتاب کے بعد خاصہ حاضر ہوتا اور سب لوگ کھا پی کر رخصت ہو جاتے[3] ۔

اہلِ علم کے ساتھ مامون کی معاشرت بالکل دوستانہ تھی وہ اہلِ کمال کا عموماً احترام کرتا تھا اور اس کی شاہانہ فیاضیاں ان لوگوں کے لئے عام تھیں ۔

---

[1] المامون صفحہ ۱۱۸ [2] ایضاً [3] فہرست ابن ندیم [4] مروج الذہب مسعودی ۔

اس کے عہد کے علماء میں بعض کمزور تھے اور بعض نڈر، مامون کا اتالیق جعفر برمکی تھا وہ مذہبًا شیعہ تھا مگر عمومًا تقیہ کئے رہتا۔ اس کی صحبت نے مامون کو شیعیت پر کچھ مائل کر دیا تھا۔ علامہ سیوطیؒ نے لکھا ہے :-

"بعض مسائل میں شیعوں کا ہم عقیدہ تھا۔ چنانچہ حضرت علی کو شیخین سے افضل مانتا تھا۔" [1]

جعفر برمکی کو کثرت سے کنیزیں رکھنے کا شوق تھا۔ اس نے مامون کو بھی اس کا چسکا ڈال دیا اور وہ متعہ کے جواز کا قائل ہو گیا۔ اس نے اس کی عام منادی کرا دی۔ اہلِ سنت پر یہ امر شاق گزرا۔ درباریوں نے قاضی یحییٰ بن اکثم کو آمادہ کیا کہ وہ متعہ کے بارے میں مامون الرشید سے گفتگو کریں۔ چنانچہ قاضی یحییٰ دوسرے دن دربار میں پہنچے۔ اس وقت مامون برہمی کے ساتھ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا یہ قول کہ

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ابوبکرؓ کے زمانے میں دو متعہ تھے میں ان کو روکتا ہوں۔"

نقل کر کے کہہ رہا تھا کہ جس چیز کی رسول اللہ اور ابوبکر کے زمانہ میں اجازت تھی اس کے روکنے کا کسی کو کیا حق ہے؟

قاضی صاحب بیٹھ گئے ان کا چہرہ متغیر تھا۔ مامون نے پوچھا یحییٰ آپ کا چہرہ کیوں متغیر ہے؟ انھوں نے کہا امیر المومنین اسلام میں ایک رخنہ پڑ گیا۔ اس نے پوچھا وہ کیا؟ یحییٰ نے کہا زنا کی حلت کا اعلان۔ مامون نے تعجب سے پوچھا۔ زنا؟ یحییٰ نے کہا کتاب اللہ اور حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اور کلامِ الٰہی کی یہ آیت "اِلَّا عَلٰۤی اَزۡوَاجِهِمۡ اَوۡ مَا مَلَكَتۡ اَيۡمَانُهُمۡ" تمتع صرف دو طرح کی عورتوں سے جائز ہے بیوی سے یا لونڈی سے" پڑھکر

---

[1] تاریخ الخلفاء صفحہ ۳۱۴ ۔

پوچھا کیا متوعہ عورت لونڈی ہے؟ مامون بولا نہیں۔ یحییٰ نے پوچھا۔ تو پھر کیا وہ بیوی ہے؟ اور اس کو شوہر کی وراثت اور شوہر کو اس کی وراثت ملتی ہے اور یہ اس کے اور بیوی کے تمام شرائط یکساں ہیں؟ مامون نے کہا نہیں۔ یحییٰ نے کہا جب ممتوعہ ان دونوں میں سے کسی میں داخل نہیں ہے تو پھر یہ قرآن کے مقرر کردہ حدود سے باہر ہے۔ اس استدلال کے ساتھ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی یہ روایت یحییٰ نے سنائی کہ:

"مجھ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ میں متعہ کی حرمت کی جس کی پہلے آپ نے اجازت دی تھی منادی کر دوں"

اس گفتگو کے بعد مامون نے اپنے فعل سے استغفار کیا اور متعہ کی حرمت کی منادی کرا دی[1]

ہمعصر علماء و شعراء و ادباء

فقہاء و محدثین سفیان بن عیینہ یحییٰ بن معین، امام شافعی، محمد بن سعد کاتب واقدی، یحییٰ بن سعید القطان، یونس بن بکیر راوی مغازی، ابو مطیع بلخی شاگردِ امام ابو حنیفہ زاہد معروف کرخی، ابن علیہ، اسحاق بن فرات قاضی مصر، حسن بن زیاد اللؤلوی شاگردِ امام ابو حنیفہ، اسحاق بن بشر مصنفِ کتاب المبتدا، ابو عمر الشیبانی لغوی، حماد بن اسامۃ الحافظ اشہب شاگردِ امام مالک، زید بن حباب د روح بن عبادہ، ابو داود الطیالسی، غازی بن قیس ابو سلمان الدرانی، قتیبہ بن مہران شاگردِ امام مالک، امام واقدی، ابو حسان زیادی، محمد بن نوح العجلی، علی بن نوح العجلی، علی بن مقاتل، یہ حضرات مذہبی علوم کے ستون تھے۔ ان کے حالات مشہور و معروف ہیں[2]

---

[1] تاریخ خطیب بغدادی جلد ۱۲ صفحہ ۱۹۹ تا ۲۰۰ [2] ان کے حالات ابن خلکان میں تفصیل سے مذکور ہیں۔

شعراء صریع الغوانی، ابراہیم صولی، ابو محمد، اصمعی بصری، ابو حفصہ، ابو عبیدہ متوفی ۲۰۹ھ ابو عمر الشیبانی ایسے شعراء کثرت سے تھے جن میں سے ہر ایک ملک الشعراء کہلانے کا مستحق تھا۔

ادباء فرا نحوی متوفی ۲۰۷ھ نضر بن شمیل، یزیدی لغوی متوفی ۲۰۲ھ کلثوم عتابی ابن الاعرابی متوفی ۲۳۱ھ ثعلب نحوی، اخفش نحوی متوفی ۲۰۶ھ قُطرب نحوی متوفی ۲۰۶ھ۔

یہ وہ لوگ تھے جنہوں نے فنِ ادب و عربیت کو معراجِ کمال تک پہنچایا۔ ان کے حالات تفصیل سے تاریخ ابن خلکان میں درج ہیں۔ اصمعی کی ۳۵ تصانیف ہیں ۲۱۶ھ میں انتقال کیا۔ (ابن خلکان)

بعض دیگر مشاہیر

عیسٰی بن یوسف کوفی محدث ثقہ فقیہ جیّد تھے۔ حدیث اعمش اور امام مالک سے سُنی اور فقہ امام اعظم سے حاصل کی۔ مامون نے ان کو تکریم حدیث کے دس ہزار دینار بطور ہدیہ بھیجے انہوں نے واپس کر دیئے۔ پھر دو چند بھیجے وہ بھی واپس کر دیئے اور فرمایا یہ خاک بمقابلہ حدیث رسول اللہ کے لائق قبول نہیں۔ پینتالیس جہاد اور پینتالیس حج کئے۔ امام بخاری و مسلم نے ان سے استفادہ کیا ہے۔ وفات ۱۸۷ھ میں ہوئی۔ (مقدمہ فتاویٰ ہندیہ)

حسن بن زیاد کوفی امام اعظم سے تلمذ ہے۔ ایک عرصہ تک قاضی رہے۔ وفات ۲۰۴ھ میں ہُوئی۔

موسیٰ بن سلمان جوزجانی، کنیت ابو سلیمان ہے فقیہ و محدث تھے۔ امام محمد سے فقہ حاصل کی۔ حدیث امام ابو یوسف و ابن المبارک سے سماعت کی۔ زہد و عبادت کی وجہ سے عہدۂ قضا سے انکار کیا ۲۰۰ھ میں انتقال ہوا۔

عصام بن یوسف بلخی، فقہ امام ابو یوسف سے حاصل کی ۲۱۰ھ میں وفات پائی۔

حسین بن حفص فقیہ و محدث امام ابو یوسف کے شاگرد مسلم و ابن ماجہ نے اُن سے روایت کی ہے۔ اصفہان کے قاضی تھے سخی، زاہد۔ ۲۱۰ھ میں وصال ہوا۔

ابراہیم بن رستم مروزی شاگردِ امام محمد کو عہدۂ قضا مل رہا تھا لیکن انہوں نے انکار کر دیا۔ نیشاپور میں انتقال کیا۔

معلیٰ بن منصور الرازی، فقیہ، حافظِ حدیث، فقہ میں امام ابو یوسف و امام محمد کے اصحاب میں سے ہیں۔ حدیث امام مالک، لیث، ابن عیینہ سے سماعت کی۔ ان سے ابن المدینی و ابن ابی شیبہ و امام بخاری نے استفادہ کیا۔ ۲۱۱ھ میں فوت ہوئے۔

ضحاک بن مخلد بن مسلم العصری، ابو عاصم کنیت تھی۔ امام اعظم سے شرفِ تلمذ ہے۔ اصحابِ صحاح ستہ نے اُن سے تخریج کی۔ ۲۱۲ھ میں فوت ہوئے۔

اسماعیل بن حماد بن امام ابی حنیفہ کوفی فقہ حماد اور حسن بن زیاد سے پڑھی تھی، فقیہ، عابد، زاہد، صالح، متدین۔ ۲۱۲ھ میں انتقال ہوا۔

بشر بن ابی الازہر نیشاپوری کوفہ کے مشہور فقہاء میں سے ہیں۔ ثقہ، محدث، امام ابو یوسف سے فقہ اور ابن المبارک سے حدیث حاصل کی۔ ۲۱۳ھ میں فوت ہوئے۔ جامع فقہ قدریہ و مرجیہ پر رسائل یادگار ہیں۔

خلف بن ایوب بلخی امام محمد و زفر کے اصحاب میں سے ہیں۔ فقیہ، محدث عابد و زاہد صالح تھے۔ ابراہیم بن ادھم کی صحبت میں رہے۔ ان سے طریقِ زہد حاصل کیا۔ ۲۱۵ھ میں انتقال فرمایا۔

محمد بن عبداللہ بن المثنیٰ امام زفر کے اصحاب میں سے ہیں۔ محدث، ثقہ فقیہ جیّد تھے۔ ائمہ صحاح ستہ نے اُن سے استفادہ کیا۔ عسکرِ بغداد و بصرے کے قاضی رہے۔ ۲۱۵ھ میں وفات پائی۔

ابراہیم بن الجراح کوفی، فقیہ، محدث امام ابو یوسف کے شاگرد تھے

سنہ ۲۱۷ھ میں انتقال ہوا۔

ابو منذر ہشام ابن ابی نصر محمد بن سائب بن بشر بن عمرو کلبی نسابہ کوفی علم انساب کا بڑا ماہر تھا۔ اس کی کتاب جمہرہ علم نسب میں اعلیٰ درجہ کی کتاب ہے۔

مامون الرشید کے لئے کتاب فرید انساب برمکی اور الملوکی جعفر برمکی کی خاطر تصنیف کی۔ کثیر التعداد کتب کا مصنف ہے۔ سنہ ۲۰۴ھ / ۸۱۹ء میں انتقال ہوا[1]

مسئلہ خلقِ قرآن اور مامون

خلقِ قرآن کا مسئلہ سب سے پہلے ہشام اموی کے زمانے میں جعد بن درہم نے پیش کیا تھا۔ لوگوں نے اس کو گرفتار کر کے خالد قسری گورنرِ عراق کے پاس بھیج دیا۔ ہشام نے جعد کے قتل کرنے کا حکم دیدیا۔ خالد نے اُسے قید کر دیا قتل نہیں کیا۔ ہشام کو اس کی اطلاع ہوئی تو اُس نے خالد کو ملامت کی۔ اور پھر قتل کی تاکید کی۔ خالد نے اُسے قید خانہ سے نکالا۔ جب عید الاضحیٰ کی نماز پڑھ چکا تو اُس نے اپنے خطبہ میں کہا۔

"لوگو! اپنے گھروں کو واپس جاؤ اور قربانی کرو اللہ تعالےٰ اسے قبول کرے گا۔ میں چاہتا ہوں کہ آج جعد بن درہم[2] کی قربانی کروں اس لئے وہ کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ سے گفتگو نہیں کی اور نہ ابراہیم خلیل اللہ کو اپنا دوست بنایا۔ توبہ توبہ جعد کتنی بڑی بات کہتا

---

[1] صناجۃ الطرب فی تقدمات العرب صہ ۶۶۔

[2] جعد بن درہم نے خلقِ قرآن کا عقیدہ ابان بن سمعان سے اور ابان نے طالوت سے اخذ کیا تھا اور طالوت نے یہ عقیدہ اپنے داماد لبید بن الاعصم یہودی سے لیا۔ یہ وہ شخص تھا جس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر سحر کیا تھا۔ طالوت نے سب سے پہلے اس مسئلہ پر کتاب لکھی وہ خود زندیق تھا اور اس نے زندقہ کی اشاعت کی۔

ہے، پھر وہ ممبر سے اُترا اور جعد کو ذبح کر دیا۔"

خلقِ قرآن کی بدعت کا آغاز عہدِ اموی میں ہو گیا تھا۔ چونکہ فضا موافق نہ ملی اس کی اشاعت نہ ہوئی۔

منصور کے زمانے میں علومِ عقلیہ کی کتابیں عربی میں منتقل ہوئیں۔ ہادی کے عہد میں متکلمین کا ایک گروہ پیدا ہو گیا جو عقائدِ دین پر عقلی اصول کے ساتھ بحث کرتا رہتا۔ یہ لوگ چند ایسے نتائج پر پہنچ گئے تھے جو علماءِ دین کے مسلمہ عقائد سے مختلف تھے۔ اس لئے جمہور علمائے اسلام نے اس فتنہ کے خلاف آواز بلند کی پہلے پہل بصرہ سے منصور کے عہد میں یہ بدعت شروع ہوئی۔ واصل بن عطا، غزال اور عمرو بن عبیدہ جو منصور کے ندیم تھے وہ مخترع تھے ان کے تابع بہت سے لوگ ہو گئے۔ ان کے بعد ابُو ہذیل علاف، ابراہیم بن سیار نظام "بشر بن غیاث مرسی"، عمرو بن بحر، جاحظ اور ثمامہ ابن اشرس وغیرہ رأس المتکلمین اور رؤساءِ اعتزال کا دَور آیا۔ یہ عہد مامون کا تھا۔ اہلِ سُنّت سے جن مسائل میں متکلمین کا اختلاف تھا۔ ان میں ذیل کے دو نہایت اہم مسئلے تھے۔

(۱) مسئلہ خلقِ افعال۔ متکلمین کہتے تھے کہ بندوں کے جس قدر افعال ہیں ان کے خالق وہ خود ہیں۔ اس سبب سے وہ اُن کے اوپر جزا و سزا کے مستحق ہوتے ہیں۔

اہلِ سُنت کہتے تھے کہ افعال کا بندوں سے بجز اس کے اور کچھ تعلق نہیں کہ ان کے توسط سے وہ صادر ہوتے ہیں۔ اصلی خالق ان کا اللہ تعالیٰ عزّ اِسمُہٗ ہے۔

دوسرا (۲) مسئلہ صفات کا تھا۔ معتزلہ ذاتِ الٰہی کو صفات سے منزہ و مُبرا مانتے تھے۔ یہ کہ قدرت، ارادہ، سمع، بصر، حیات اور کلام وغیرہ جو صفاتِ الٰہی ہیں بذاتِ خود قائم نہیں ہیں ورنہ قدماء کا تعدّد لازم آجائے گا۔"

اللہ تعالیٰ اپنی عین ذات کے لحاظ سے قادر، سمیع اور بصیر وغیرہ ہے۔

اہلِ سنت صفات کو عین ذات نہیں مانتے تھے بلکہ قائم بالذات کہتے تھے اس

سے یہ اختلاف پیدا ہُوا کہ قرآن مجید جو کلامِ الٰہی ہے حادث ہے یا قدیم۔ جمہور علمائے اسلام اس کو کلام کے صفتِ الٰہی ہونے کی وجہ سے قدیم اور غیر مخلوق کہتے تھے، لیکن معتزلہ کا قول تھا کہ ان حروف اور اصوات کو اللہ تعالےٰ ایک حادث جسم میں جس کو نبی کہتے ہیں پیدا کر دیتا ہے۔ یہی اُن کے نزدیک وحی کی حقیقت تھی۔"

مسئلہ خلقِ قرآن معتزلہ اور علمائے اہلِ سُنت کے درمیان زیرِ مناظرہ تھا۔ اصحابِ حدیث کے غلبہ کی وجہ سے متکلمین علانیہ اس خیال کی اشاعت نہیں کر سکتے تھے۔

مامون کے علمی دربار میں علمائے معتزلہ بھی شریک ہوتے۔ مجالسِ مناظرہ منعقد ہوتیں ان کے دل بڑھنے لگے۔ مامون الرشید پر بھی ان کا اثر پڑے بغیر نہ رہا۔

مامون، یحییٰ بن مبارک زیدی کا شاگرد تھا جو معتزلی کہے جاتے تھے۔ ثمامہ بن اشرف کے مامون سے گہرے تعلقات تھے اور ثمامہ مذہبِ اعتزال میں مسلکِ ثمامی کا بانی تھا۔ مامون الرشید اُسے اتنا پسند کرتا تھا کہ دو بار اس نے قلمدانِ وزارت اس کو پیش کیا۔ اس کے علاوہ نظام و جاحظ کی صحبت۔ غرضیکہ مامون کی طبیعت کا رُجحان اعتزال کی طرف پوری طرح ہوگیا۔ چنانچہ اس نے مسئلہ خلقِ قرآن کو زیادہ اہمیت دی۔

علامہ سیوطیؒ نے تاریخ الخلفاء میں مسئلہ خلقِ قرآن کے فتنہ کی تفصیل لکھی ہے ہم اس کو بجنسہٖ یہاں نقل کرتے ہیں :-

> در ۲۱۲ھ میں مامون نے اس عقیدہ کا اعلان کیا اور اسحاق بن ابراہیم خزاعی (طاہر بن حسین کے چچیرے بھائی) نائب السلطنت بغداد کی معرفت علمائے بغداد کو ایک خط لکھا کہ امیر المومنین کو معلوم ہُوا ہے کہ خاص لوگوں سے لے کر عوام تک کو دین کی کچھ خبر نہیں ہے اور لوگ ضلالت میں گرفتار ہیں اور خدا کو اس کے قدر کے موافق نہیں جانتے اور اُس کی

کنہ و حقیقت تک نہیں پہنچتے، نہ خالق و مخلوق کے تعلق کو سمجھتے ہیں
یہ خیال ہے کہ قرآن شریف قدیم ہے اور خدا کا پیدا کردہ یا اختراع کردہ
نہیں ہے حالانکہ خود خدا نے فرمایا ہے اِنَّا جَعَلْنٰهُ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا ہم نے
قرآن کو عربی بنایا۔ ظاہر ہے کہ جس چیز کو خدا نے بنایا ہے وہ مخلوق ہے
جیسا کہ فرمایا وَجَعَلَ الظُّلُمٰتِ وَالنُّوْرَ اور بنایا اندھیرے اور
روشنی کو اور فرمایا:

نَقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ مَا قَدْ سَبَقَ (پ ۱۶ ع ۱۴) "اور ہم ان لوگوں کا حال بیان کرتے ہیں جو گزر چکے ہیں۔"

اس سے صاف ظاہر ہے کہ وہ ان چیزوں کا بیان کرتا ہے جو بعد میں پیدا
ہوئیں اس کی آیتیں محکم ہوئیں اور ان کی تفصیل خود خدا نے فرمائی۔ ظاہر
ہے کہ وہ اس کا خالق ہے اور مُبدِع، جن لوگوں کا یہ عقیدہ ہے اہلِ
حق ہیں اور جو اس کے خلاف ہیں وہ اہلِ باطل ہیں اور اس بطلان و
کفر پر جمے ہوئے ہیں اور جہان کو بھی دھوکے میں ڈالے ہوئے ہیں۔ جو
لوگ راہِ راست سے روگرداں ہو کر جھوٹوں میں مل گئے اور ان کی
موافقت میں غیر خدا سے ڈرتے ہیں۔ انھوں نے حق کو بالکل چھوڑ
رکھا ہے اور سوائے خدائے واحد کے اپنے من مانے خدا کے بندے
ہیں اور یہ لوگ بدترین خلائق ہیں۔ انہیں علمِ دین سے کوئی واسطہ و
تعلق نہیں ہے، جاہل ہیں اور جاہلوں کے مقتداء شیطان اُن کی زبانوں
سے کلام کرتا ہے، خدا کے دشمن ہیں۔ اس کے صدق پر تہمت لگاتے
ہیں اور اس کی شہادت سے طرح دیتے ہیں۔ جس شخص نے سچائی سے
آنکھیں بند کر لیں ان کو ایمان و توحید سے کوئی حصہ ملنے والا نہیں ہے
سب سے بڑا جھوٹا وہ ہے جو خدا اور اس کی وحی پر جھوٹ باندھے،
اس کا خیال اور اندازہ جھوٹا ہے اور وہ خدا کی معرفت کو نہیں پہنچ سکتا

پس ایسے تمام لوگوں کو جمع کیا جائے اور ان سب کو ہمارا یہ خط پڑھ کر سنا دیا جائے اور ان کا امتحان کیا جائے اور ان سے پوچھا جائے کہ خلق و حدوثِ قرآن کے متعلق اُن کا کیا اعتقاد ہے؟ اور ان سے کہہ دیا جائے کہ جو شخص اپنے دین پر قائم نہیں ہے اس کی ہم حفاظت اپنے ذمہ نہیں لیتے۔ اگر وہ خلقِ قرآن کے قائل ہو جائیں تو خیر ورنہ ان سے کہا جائے کہ قرآن شریف سے اپنے اعتقاد کا ثبوت دکھلاؤ۔ جو شخص خلقِ قرآن کا مُقِر نہ ہو اُس کی شہادت قبول نہ کی جائے اور اُن کے نام ہم کو لکھ کر بھیج دیئے جائیں اور اپنے ماتحت قاضیوں کو بھی یہی حکم دیدو اور تاکید کر دو۔"

محمد بن سعد کاتب، یحییٰ بن معین، ابو خیثمہ، ابو مسلم یزید بن ہارون، اسمٰعیل بن داؤد، اسمٰعیل بن ابو مسعود احمد بن دورقی کو بلوا بھیجا۔ یہ لوگ آئے اور ان کا خلقِ قرآن کے مسئلہ میں امتحان کیا اور جب تک ان بزرگوں نے قرآن شریف کے مخلوق ہونے کا اقرار نہ کر لیا ان کو رقہ سے بغداد نہ آنے دیا۔ پہلے تو ان سب نے اس مسئلہ میں توقف کیا مگر آخر تقیہ کر کے قائل ہو کر جان بچائی۔

مامون نے اسحاق بن ابراہیم کو لکھا کہ فقہاء و مشائخ حدیث کو بلا کر مطلع کر دو کہ مفصلہ بالا علماء نے خلقِ قرآن کو مان لیا ہے۔ اسحاق نے حکم شاہی کی تعمیل کی۔ آخر بعض لوگوں نے مان لیا۔ مگر اکثر نے نہ مانا۔ یحییٰ بن معین نے بعد میں فرمایا کہ ہم نے بھی خلقِ قرآن کو محض تلوار کے خوف سے مانا ہے۔ مامون نے اسی پر بس نہیں کیا ہے پھر اسحاق بن ابراہیم کو حکم بھیجا کہ جو لوگ خلقِ قرآن کے منکر ہیں ان کو طلب کرو اور ان سے دریافت کرو۔

چنانچہ امام احمد بن حنبل، بشر بن ولید کندی ابو حسان الزیادی، علی بن ابو مقاتل فضل بن غانم، عبید اللہ بن عمر قواریری، علی بن جعد، سجادہ بن ہشیم ذیال بن ہثیم، قتیبہ بن سعید، سعدونیہ الوسطی، اسحاق بن ابو اسرائیل، ابن ہرس، ابن علیہ الاکبر، محمد بن نوح

العجلی، یحییٰ بن عبدالرحمٰن عمری، ابونصر تمار، ابوالعمر القطیعی، محمد بن حاتم بن میمون پکڑ کر بلائے گئے اور ان سب حضرات کو مامون کا خط سنایا گیا۔ سب نے سرگوشیاں کیں۔ اشارے دکنا یہ کے بعد مسئلہ کا اقرار کیا نہ انکار۔ آخر اسحاق نے بشر بن ولید سے پوچھا کہ آپ کیا کہتے ہیں؟ انہوں نے کہا کہ مجھے تو امیرالمؤمنین کا یہ عقیدہ مدت سے معلوم ہے۔ اسحاق نے کہا کہ اب تو امیرالمومنین نے تجدید کی ہے اور ان کے گرامی نامہ کی تعمیل لازمی ہے۔ انہوں نے کہا کہ میرا تو یہ قول ہے کہ قرآن شریف خدا کا کلام ہے۔ اسحاق نے کہا کہ میں یہ نہیں پوچھتا بلکہ یہ بتلائیے کہ آپ اس کو مخلوق مانتے ہیں یا نہیں؟

انہوں نے کہا کہ جو کچھ میں کہہ چکا ہوں اس سے زیادہ اور کچھ نہیں کہہ سکتا اور میں تو امیرالمومنین سے عہد کر چکا ہوں کہ اس مسئلہ میں کلام نہ کروں گا۔ پھر اسحاق نے علی بن ابومقاتل سے پوچھا کہ آپ اس مسئلہ کے متعلق کیا کہتے ہیں؟ وہ بولے کہ میرا عقیدہ ہے کہ قرآن شریف کلامِ خدا ہے اور اگر امیرالمؤمنین کچھ اور کہیں تو ہم اسے سننے اور ماننے کو تیار نہیں۔ ابوحسّان نے بھی اسی قسم کا جواب دیا۔ پھر امام احمد بن حنبل سے پوچھا تو انہوں نے بھی کہا کہ قرآن شریف کلامِ خدا ہے۔ اسحاق نے کہا کہ وہ مخلوق سے ہے یا نہیں؟ امام صاحب نے فرمایا کہ اس سے زیادہ میں اور کچھ نہیں کہتا۔

ابن بکار الاکبر نے کہا کہ میرا یہ عقیدہ ہے کہ قرآن شریف بنایا گیا ہے اور محدث ہے کیونکہ اس پر نص وارد ہے۔ اسحاق نے کہا کہ جو چیز بنائی جائے وہ مخلوق ہوتی ہے۔ انہوں نے کہا کہ ہاں۔ پھر اسحاق نے پوچھا کہ تو پھر قرآن شریف مخلوق ہے وہ بولے میں یہ نہیں کہتا۔

غرض ان سب علماء کے بیانات تحریر کر لئے گئے اور خلیفہ کی خدمت میں بھیج دیئے۔

مامون اُن کو پڑھ کر برافروختہ ہو گیا اور اسی وقت اس کا جواب لکھا کہ اسحاق

تمہاری تحریر ہماری نظر سے گزری اور ان لوگوں کے جوابات معلوم ہوئے جو خود کو اہلِ قبلہ کہتے ہیں اور درحقیقت نہیں ہیں۔ جو لوگ قرآن کو مخلوق نہیں مانتے ان کو فتویٰ سے وروایتِ حدیث ودرسِ قرآن سے منع کر دیا جائے۔

بشر نے جو کچھ کہا ہے جھوٹ بولا ہے۔ امیر المومنین اور اس کے درمیان میں کوئی عہد نہیں ہوا۔ ہمارا اعتقاد و اخلاص کہ قرآن شریف مخلوق ہے سب کو معلوم ہے۔ ان سب علماء کو پھر طلب کرو اور ان سے پھر پوچھو۔ اگر وہ اپنے عقیدہ سے توبہ کریں تو اس کا اعلان کر دو۔ اگر وہ اپنے عقیدہ پر اصرار کریں تو اُن کو قتل کر دو اور ان کے سر ہمارے پاس بھیج دو۔ ابراہیم بن مہدی کا بھی امتحان کرو اگر وہ خلقِ قرآن کو مان جائیں تو خیر ورنہ ان کی بھی گردن مار دو۔ علی بن مقاتل سے کہنا کہ کیا تم نے امیر المومنین سے نہیں کہا کہ تم نے حلال اور اس کے ساتھ حرام بھی کھایا ہے۔ ذیال سے کہنا کہ تم نے کھانے میں چوری کی ہے۔ احمد بن یزید ابوالعوام اور ان کا یہ قول کہ اس سے بہتر جواب اعتقادِ قرآن میں وہ نہیں دے سکتے معلوم ہوا۔ ان سے کہہ دو کہ تم گو عمر میں بوڑھے ہو مگر عقل میں بچے اور جاہل ہو۔ جب آدمی پڑھ لکھ جاتا ہے تو اس کو ٹھیک جواب دینا چاہیئے۔ اگر وہ ایسا نہ کریں تو تلوار اُن کا علاج ہے۔ (امام) احمد بن حنبل کو کہہ دو کہ امیر المومنین کو تمہارا بیان معلوم ہوا ہم نے اس پر اچھی طرح غور کیا۔ ان کا جواب ان کے جہل اور آفت پر دلالت کرتا ہے۔ فضل بن غانم سے کہہ دو کہ جو کچھ مصر میں ان سے واقع ہوا اُس سے نہیں ڈرتے ہو۔ یعنی قاضی ہونے کی حالت میں تم نے ایک سال میں اس قدر مال کما لیا۔ زیادی سے کہہ دو کہ تم بالکل جاہل ہو۔ ایک چیز کا دعوے کرتے ہو اور پھر اس کا انکار کرتے ہو۔ ابو نصر التمار سے کہہ دو کہ تمہاری کم عقلی اور بخیلی کا امیر المؤمنین کو پہلے ہی علم تھا۔ ابن نوح اور ابن حاتم سے کہہ دو کہ سود کھاتے کھاتے تم میں سے قبولِ توحید کا مادہ جاتا رہا ہے۔ اگر امیر المومنین تم سے سود کھانے کے جُرم میں جنگ کریں تو جائز ہے۔ قرآن شریف میں تمہارے

ہی جیسے لوگوں کی نسبت وعید نازل ہُوئی ہے۔ جو شخص سود لیتا ہے وہ مشرک بھی ضرور ہوگا اور عیسائیوں کا پس خوردہ کھانے والا تو ضرور ہی سمجھا جائے گا۔ ابن شجاع سے کہہ دو کہ تم وہ مال کھا چکے ہو کہ جو تمہیں کھانا جائز نہ تھا۔ ایسے آدمی کی عقل اگر نہ جاتی رہے تو تعجب ہے۔ سعدونیہ واسطی سے کہہ دو کہ جس شخص نے جھوٹی حدیثیں بنائیں اور ریاست کی حرص رکھی اس کا انجام اچھا نہ ہوگا۔ سجادہ سے کہہ دو کہ جو شخص علی بن یحییٰ وغیرہ کی امانتیں کھا گیا اس کو توحید سے کوئی واسطہ نہیں ہے۔ قواریری سے کہہ دو کہ تمہارے حالات یہاں تک کہ رشوت کا لینا بھی ہم کو معلوم ہے، تمہارے مذہب اور طریقوں اور عقل و دین کی بھی ہمیں خبر ہے۔ یحییٰ عمری اگر اولادِ عمر بن خطاب سے ہوں تو ان کا جواب معروف ہے۔

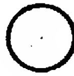
محمد بن حسن بن علی بن عاصم اگر سلف کا مقتدی ہے تو وہ پرانی روایتوں سے ایک قدم بھی تجاوز نہ کرے گا اس صورت میں ان کی حیثیت ایک بچے سے بڑھ کر نہیں ہے کہ جس کو تعلیم کی بہت زیادہ ضرورت ہوتی ہے۔ امیر المومنین نے حصولِ قرآن شریف میں ان کی محنت دیکھ کر ان کے ساتھ ابو مسہر کی معرفت بڑی نیکی کی تھی۔ مگر باوجود اس کے وہ تردد میں پڑے رہے۔ آخر امیر المؤمنین نے تلوار سے دھمکا کر ان سے اقرار لیا۔ مگر معلوم ہُوا وہ اقرار جھوٹا تھا۔ اگر وہ اپنے اقرار پر قائم رہیں تو اس کا اعلان کرا دو۔ نیز جن لوگوں کا ہم نے نام لیا ہے اگر وہ اپنے شرک سے باز نہ آئیں تو بشر بن مہدی کے سوا سب کو تلوار کے گھاٹ اتار دو۔

کہتے ہیں کہ یہ حکم سُن کر امام احمد بن حنبل، سجادہ، محمد بن نوح، قواریری کے علاوہ سب نے خلقِ قرآن کا اقرار کر لیا۔ اسحاق نے ان چاروں کو گرفتار کر لیا اور قید خانہ میں پھر ان سے ان کا عقیدہ دریافت کیا۔ سجادہ اور قواریری نے ڈر کر مان لیا۔ مگر امام احمد بن حنبل اور محمد بن نوح نے کسی طرح اقرار نہ کیا۔ ان دونوں کو پابہ زنجیر طرطوس کی طرف روانہ کر دیا۔ لیکن ابھی یہ پہنچنے بھی نہ

پائے تھے کہ مامون کو معلوم ہوا کہ اس گروہ میں جس جس نے اقرار کیا ہے محض جان کے خوف سے کیا ہے۔ اس پر اس نے سخت اظہارِ ناراضگی کیا اور تمام علماء کو پیش کرنے کا حکم دیا۔ چنانچہ سب لوگ گرفتار کر لئے گئے اور خلیفہ کے پاس روانہ کئے گئے۔ لیکن خدا تعالیٰ کی کارسازی دیکھو کہ یہ ابھی رقہ پہنچنے بھی نہ پائے تھے کہ راستہ میں ہی مامون کے مرنے کی خبر پہنچ گئی اور اللہ تعالےٰ نے ان کی مشکلات آسان کر دیں۔[1]

دراصل ابن ابی داؤد رئیس معتزلہ نے مامون کو اس مسئلہ میں سخت گیر کر دیا تھا۔ ائمہ حدیث اور علمائے امت مصیبت اور آزمائش میں مبتلا کر دیئے گئے۔ ایک ایک علمی مسئلہ کو دینی عقیدہ قرار دے کر مامون نے اپنی قوت وسطوت کے زور سے جبراً لوگوں سے تسلیم کرانا چاہا اور بعض ان ائمہ اور پیشوایانِ دین سے مخاطب ہوا جن کے سامنے مامون کی علمی استعداد صفر کے درجہ میں تھی۔

مامون کی آخری زندگی فلسفہ اور اعتزال کے نذر ہوگئی۔ مرتے وقت معتصم سے وصیت کر گیا کہ اس مسئلہ کو جبراً منوایا جائے۔



---

[1] تاریخ الخلفاء صفحہ ۲۱۵ تا ۲۱۷۔

خلیفہ المعتصم باللہ عباسی

خلیفہ المعتصم باللہ ابو اسحاق محمد بن ہارون الرشید بروایت ذہبی معتصم ۱۸۰ھ میں پیدا ہوا۔ اس کی ماں اُم ولد مولدات کوفہ سے تھی اس کا نام "ماردہ" تھا۔

تعلیم و تربیت

ہارون الرشید معتصم کو بہت چاہتا تھا۔ ایک تعلیم یافتہ غلام ہر وقت معتصم کے ساتھ رہتا جو اُسے پڑھاتا رہتا۔ جب وہ غلام مر گیا تو ہارون نے کہا محمد اب تو تمہارا غلام بھی مر گیا اب بتلاؤ۔ معتصم نے کہا ہاں قبلہ وہ مر گیا اور کتاب کی بلا سے میں چھوٹ گیا۔ کہتے ہیں کہ وہ تھوڑا بہت لکھ سکتا تھا اور کچھ کچھ پڑھ بھی سکتا تھا۔[1]

معتصم بڑا قوی اور شجاع اور صاحبِ معلومات تھا اس کو فنونِ حرب سے دلی لگاؤ تھا۔ شجاعت اور تہور اس کی جبلت میں داخل تھا۔

مامون کے زمانے میں شام اور مصر کا والی رہا۔ شجاعت کی وجہ سے مامون اس کی بہت قدر کرتا تھا۔

مامون نے اپنے بیٹے عباس کو خلافت سے محروم کر کے اپنے بھائی معتصم کو ولی عہد مقرر کیا۔

خلافت

مامون کی وفات کے دوسرے دن ۱۹ ارجب ۲۱۸ھ، ۸۳۳ء کو طرطوس میں اس کی خلافت کی بیعت ہوئی۔ لشکریوں نے بیعت کے وقت شور و غل مچایا کہ عباس بن مامون سریرِ خلافت پر متمکن کیا جائے۔ معتصم

---

[1] تاریخ الخلفاء صفحہ ۲۳۲۔

نے عباس کو دربارِ خلافت میں طلب کیا۔ عباس نے حاضر ہو کر بطیبِ خاطر معتصم سے بیعت کر لی۔ اس طرح یہ شور و غوغا فرو ہو گیا۔

انہدامِ طوانہ تختِ خلافت پر بیٹھتے ہی سب سے پہلے معتصم نے یہ کیا کہ طوانہ کو جسے مامون نے آباد کر دیا تھا منہدم کرا کے ان لوگوں کو جو بسائے گئے تھے ان کے گھروں کو واپس کیا اور جس قدر ذخائر وا سلحہ وہاں جمع کئے گئے تھے ان سب کو اپنے ساتھ لایا اور جو لایا نہ جا سکا وہ جلا دیا گیا[1] یہ شعبان ۲۱۸ھ کا بغداد میں رونق افروز ہوا۔

علویوں کا دعویٰ مامون کے عہد میں اہلِ بیت نے دعویٰ خلافت کیا۔ مگر اس تحریک کا بھی وہی حشر ہوا جیسا کہ پیشتر ہوتا رہا تھا۔ معتصم کے عہد میں اہلِ بیتِ کرام میں محمد بن قاسم بن علی بن عمر بن علی زین العابدین بن حسین علیہ السلام تھے۔ محمد بن قاسم مدینہ منورہ کی مسجد میں رہا کرتے تھے۔ عابد، زاہد نیک سیرت مشہور تھے۔ شیعہ امامیہ کے امام نہم محمد جواد کا ۲۵ سال کی عمر میں ۲۲۰ھ میں وصال ہوا ان کے نکاح میں مامون کی بیٹی ام الفضل تھی وہ بیوہ ہو جانے کے بعد اپنے چچا معتصم کے یہاں آگئی۔

امام جواد کے بیٹے ابوالحسن علی ہادی کی عمر اس وقت سات سال کی تھی ان کو شیعوں نے اپنا امام قرار دیا۔

محمد بن قاسم مذکور کو زیدیہ جماعت نے اپنا امام بنایا۔ ایک فتنہ پرور خراسانی مدینہ آیا اور وہ محمد بن قاسم کے پاس رہنے لگا۔ اس نے یہ خیال ان کے ذہن میں مستحکم کر دیا کہ "آپ ہی مستحقِ امامت ہیں"۔[2]

جو لوگ خراسان سے حج کرنے آئے اُن کو امام کے پاس لا کر اُن سے بیعت کرائی۔ پھر تو کچھ عرصہ میں معتقدین کی کثرت ہو گئی اور خراسانی امام محمد کو لے کر

---

[1] تاریخ ابن خلدون کتاب ثانی جلد ہفتم صفحہ ۱۲۶ [2] ایضاً ص۱۲۷

"جوزجان چلا گیا اور مصلحتاً کچھ روز دونوں روپوش رہے۔ جب رؤساء و امراء بھی بیعت میں شریک ہو گئے تو اس نے امام محمد بن قاسم کو ظہور کرنے کی رائے دی اور لوگوں کو علانیہ" رضا من آل محمد" کی دعوت دینے لگا۔ عبداللہ بن طاہر نے اس طوفان کے روکنے کی طرف توجہ کی۔ اطرافِ طالقان میں متعدد لڑائیاں ہوئیں اور ہر لڑائی میں امام محمد بن قاسم کو ہزیمت اٹھانا پڑی۔ آخر امام میدان سے ہٹ گئے اور نساء پہنچے۔ وہاں کے عامل نے گرفتار کر کے ان کو عبداللہ بن طاہر کے پاس بھیج دیا۔ اس نے معتصم کے یہاں روانہ کیا۔ معتصم نے ۲۱۹ھ میں ان کو قید خانہ سامرا میں رکھا۔ عید کے موقعہ پر قید خانے سے نکل کر ایسے غائب ہوئے کہ پھر ان کا سراغ ہی نہ لگا۔

زیدیہ کی جماعت یہ اعتقاد رکھتی ہے کہ وہ ہی امام مہدی ہیں کہ زندہ غائب ہو گئے۔ جب ظلم و ستم سے دنیا بھر جائے گی اس وقت ظاہر ہوں گے۔ ان کے غائب ہوتے ہی ہمراہی منتشر ہو گئے۔

بابک خرمی کا انجام مامون نے مرتے وقت معتصم کو وصیت کی تھی کہ خرمیوں سے غفلت نہ کرنا ورنہ ان کا فتنہ خطرناک ہے۔ معتصم نے اپنے سب سے بڑے ترکی سپہ سالار" افشین" کو بابک کی مہم پر متعین کرنا چاہا اس کی روانگی سے پہلے ابوسعید محمد بن یوسف کو" اردبیل" بھیجا تا کہ وہ منہدمہ قلعے جو خرمی کے ہاتھوں تباہ ہوئے تھے اُن کی مرمت کرائے۔ اس نے" زنجان" سے" اردبیل" تک کل قلعوں کو درست کرایا اور ان قلعوں کو سامانِ حرب و غلہ کی کافی مقدار سے مضبوط اور مستحکم کیا۔ اس درمیان میں بابک اور اُس کے سردار عصمت نے متعدد حملے کئے۔ ابوسعید نے ان کو شکست پر شکست دی۔

بر ید کا بہترین انتظام کیا گیا۔ اُردبیل سے دارالخلافہ تک چار یوم میں خط

ؒ ابن اثیر جلد ۶ صفحہ ۱۵۱۔

پہنچتا تھا۔ امیر العسکر "افشین حیدر بن کادس"، کو معتصم نے جبال کی گورنری مرحمت کر کے جنگ بابک پر روانہ کیا۔ افشین نے میدانِ کارزار میں پہنچ کر پہلے رسد رسانی کا انتظام کیا۔ راستوں کو خطرات سے پاک وصاف کرنے کی غرض سے چوکیاں بٹھائیں تجربہ کار سپہ سالاروں کو پٹرول پر متعین کیا جو شب و روز اردبیل سے اس کے لشکرگاہ تک گشت کیا کرتے اور چاروں طرف جاسوس بھیج دیئے۔

افشین اور بابک میں عرصہ تک معرکے رہے۔ معتصم نے بغا الکبیر کو معہ کثیر التعداد فوج اور مال اسباب کے افشین کی کمک پر روانہ کیا۔ بابک کو خبر ہوئی تو وہ شب خون مارنے کے خیال میں چلا۔ افشین کو اس کی خبر ہو گئی اس نے اپنے حسن تدبیر سے بغا الکبیر کو نکال لیا مگر ہیثم نامی سپہ سالار سے بابک کا مقابلہ ہو گیا۔ ہیثم کو مقابلہ میں ناکامی ہوئی مگر افشین نے بابک کے عقب سے حملہ بول دیا۔ بابک کی تمام فوج اس معرکہ میں کام آئی۔ بابک کمال بے سروسامانی سے معہ معدودے چند آدمیوں کے بھاگ کر "موقان" پہنچا۔ وہاں بقیہ لشکر کو طلب کر کے مقام "بد" میں آیا۔

ربیع الاول ۲۲۲ھ میں افشین نے بابک کے مرکز قصبۂ "بد" پر تاخت کی۔ ادھر معتصم نے جعفر خیاط کی سرکردگی میں ایک عظیم الشان لشکر معہ تیس لاکھ درہم مصارف فوج کے لئے روانہ کئے۔ فریقین میں سخت خونریز جنگ ہوئی۔ آخر میں افشین اور جعفر خیاط کی فوج غالب آکر "بد" میں داخل ہو گئی۔ محلات میں آگ لگا دی گئی۔ بابک جان لے کر بھاگا۔ ابو السفاح نے تعاقب کیا۔ اس کی ماں اور اس کا بھائی معاویہ گرفتار ہو گئے۔ بابک جبال ارمینہ میں جا چھپا۔ افشین کے جاسوس اس کے ساتھ ساتھ تھے۔ سہل بن ساباط نے بابک کو دیکھ لیا اور اس کی تعظیم و توقیر کی اور اپنے قلعہ میں لا کر رکھا اور افشین کو اطلاع دیدی۔ چنانچہ دوسرے دن بابک کو شکار کے بہانے جنگل میں لا کر افشین کے سپہ سالاروں کے ہاتھ گرفتار کرا دیا۔ بابک افشین کے سامنے پیش ہوا۔ اس نے قید خانہ میں اس کو

بھیج دیا۔ اس حسنِ خدمت کے صلہ میں معاویہ بن سہل کو ایک ہزار درہم اور سہل کو ایک لاکھ درہم اور ایک پیٹی جواہر نگار مرحمت کی۔ معتصم کے حضور میں افشین نے تمام رو داد بھیجی۔ خلیفہ نے افشین کو سامرہ طلب کیا۔ افشین شوال سنہ ۲۲۲ھ کو "برزند" سے سامرہ روانہ ہُوا۔ ہر منزل پر خلیفہ کے حکم سے افشین کی کمال عزت افزائی کی جاتی۔ اور ایک قاصد خاص خلیفہ کا معہ خلعتِ فاخرہ اور ایک راس عربی گھوڑے کے افشین سے ملتا۔ جس وقت افشین سامرہ کے قریب پہنچا ولی عہد بہادر شہزادہ واثق باللہ معہ سرداران و اراکینِ سلطنت کے استقبال کو آئے اور کمال توقیر سے "قصر مطیرہ" میں افشین کو ٹھہرایا۔ اور اسی قصر میں بابک کو زیر حراست رکھا۔

خلیفہ کے حکم سے افشین کے سر پر تاج رکھا گیا۔ اس کو قیمتی خلعت پہنائی گئی۔ بیس لاکھ درہم بطور صلے مرحمت فرمائے گئے اور دس لاکھ درہم اس کے لشکر میں تقسیم کئے گئے۔ اس کے بعد صفر سنہ ۲۲۳ھ میں دربار میں معتصم نے بابک کو طلب کیا اور اُس سے کہا ظالم تُو نے بیس برس میں ایک لاکھ پچپن ہزار آدمیوں کو قتل کیا اور ہمارے سپہ سالاروں یحیٰی بن معاذ، عیسٰی بن محمد بن ابی خالد احمد بن جنید۔ زریق بن علی بن صدقہ محمد بن حمید طوسی اور ابراہیم بن لیث کے ساتھ کیا کیا سلوک کیے۔ اس کے بدلہ میں حکم دیا گیا کہ اس کے ہاتھ پیر کاٹ دیئے جائیں۔ فوراً حکم کی تعمیل ہوئی۔ بابک کا سر خراسان بھیجا گیا اور لاشہ کو سامرہ میں صلیب پر چڑھایا۔ بابک کے پنجۂ ظلم سے ساٹھ ہزار چھ سو مسلمان عورتیں اور ان کے بچے چھوڑائے گئے۔ بابک کے تمام خاندان کو تلوار کے گھاٹ اتار دیا گیا [۱] اور اس کے بھائی عبداللہ کو بغداد میں سُولی پر چڑھایا گیا [۲] آرمینیہ اور آذربائیجان میں بابکیوں کی شورش سے بدنظمی پھیل گئی تھی۔ سہل بن سنباط نے سر اٹھایا اور ان پر قبضہ کیا۔ محمد بن سلیمان ازدی نے بقوت اس کی مزاج پرسی کر دی۔ ابن سنباط راہِ راست پر آگیا اور

---

[۱] تاریخ ابن خلدون صفحہ ۲۱۳ تا ۲۱۴ کتاب ثانی جلد ہفتم۔ [۲] یعقوبی جلد ۳ صفحہ ۵۰۸۔

معذرت خواہ ہو کر مطیع ہو گیا۔

ورثان بن محمد بن عبداللہ نے آرمینیہ میں بغاوت برپا کی۔ سپہ سالار افشین نے منکجو کو اس کے استیصال کے لئے بھیجا لیکن علی بن یحییٰ ارمنی نے خلیفہ سے کہہ سن کر ورثان کا قصور معاف کرا دیا اور آرمینیہ کی حکومت محمد بن خالد کو عطا ہوئی۔ مگر یہ ملکی انتظام میں قاصر رہا تو حمدویہ بن علی کا تقرر عمل میں آیا جس نے عنانِ حکومت ہاتھ میں آتے ہی آرمینیہ میں امن وامان قائم کر دیا۔

"مازیار" والی طبرستان عباسی حکومت کا باجگذار تھا اور خراج حاکم خراسان کو ادا کیا کرتا۔ مگر عبداللہ بن طاہر اور مازیار بن قارن سے باہمی کشیدگی چند وجوہ سے پیدا ہو گئی تھی۔ معتصم اس سے خود خراج وصول کر کے عبداللہ کو بھجوا دیا کرتا۔ رفتہ رفتہ ایک دوسرے کے دشمن ہو گئے۔ عبداللہ کا جادو چل گیا اور معتصم "مازیار" سے بگڑ بیٹھا۔

افشین کو عبداللہ سے خلش تھی اور افشین کا دلی منشا یہ تھا کہ خراسان کی ولایت سے عبداللہ بن طاہر کو نکال کر خراسان اپنے قبضہ وتصرف میں لے آئے۔ افشین نے مازیار کو گانٹھا اور عبداللہ کے خلاف بھڑکانا شروع کیا۔ چنانچہ مازیار نے علمِ بغاوت بلند کر دیا اور دو مہینے کے اندر علاقہ کا ایک سال کا خراج وصول کر لیا۔ آمل، ساریہ، طمیس کے باشندوں کو ہرمز آباد منتقل کر کے یہاں مقابلہ کے لئے تین میل لمبی ایک شہر پناہ تعمیر کرائی اور ایک بڑی خندق کھدوائی۔ یہ تیاریاں دیکھ کر اہلِ جرجان نے شہر خالی کر دیا۔

معتصم اور عبداللہ کو مازیار کی حرکتوں کی خبر پہنچ رہی تھی چنانچہ ہر وقت اپنی فوجیں اس کی سرکوبی کے لئے بھیجی گئیں۔ مازیار ہر طرف سے گھر گیا اور نو تعمیر شہر میں مقابلہ کے بعد روپوش ہو گیا۔ اس کے بھائی قوہیار نے اس کو امان دلانے کے بہانہ اس کو گرفتار کرا دیا۔ مازیار معتصم کے پاس روانہ کیا گیا۔ معتصم نے اسے کوڑوں سے پٹوایا جس کے صدمہ سے وہ مر گیا۔ اس کے بعد اس کے بھائی

نوہیار کا خاتمہ بھی ہوگیا۔ اس طرح طبرستان کا پورا علاقہ نئے سرے سے دولتِ عباسیہ کے زیرِ نگین آگیا۔

منکجور باغی کا انجام

افشین کا ایک عزیز منکجور تھا۔ افشین نے اس کو آذربائیجان کا حاکم بنا دیا تھا۔ بابک خرمی کا جمع کیا ہوا خزانہ اُس کے ہاتھ لگا۔ معتصم کے جاسوس نے اطلاع دی۔ معتصم نے منکجور سے دریافت کیا وہ خزانہ کا انکار کر گیا اور جاسوس کو قتل کرنے پر آمادہ ہوگیا۔ آردبیل کے باشندوں نے روکا بھی تو اُن سے بگڑ بیٹھا۔ معتصم کو اس کی بھی اطلاع ہوگئی۔ اس نے افشین کو منکجور کی معزولی کا حکم بھیج دیا۔ یہ آسانی سے جگہ نہ چھوڑنا چاہتا تھا اس لئے افشین نے فوج سرکاری اس کی سرکوبی کے لئے روانہ کی۔ منکجور مقابلہ کی تاب نہ لا کر قلعہ آذربائیجان میں قلعہ بند ہوگیا۔ کچھ مدت کے بعد ان کے ساتھیوں نے اس کو گرفتار کر کے افسر فوج کے حوالے کیا۔ افسر نے منکجور کو معتصم کے پاس سامرہ بھیج دیا۔ یہاں وہ قید کر دیا گیا۔ منکجور کی بغاوت کی وجہ سے معتصم افشین سے کبیدہ خاطر ہوگیا اور اس کے ساتھ جو مراعات روا رکھتا تھا یک قلم موقوف کر دی گئیں۔

جعفر بن فہر بن حسن کی بغاوت

ابھی منکجور باغی کا فتنہ ختم ہوا تھا کہ ۲۲۵ھ میں علاقہ موصل کا ایک کُرد جعفر حکومتِ بنی عباس سے باغی ہوگیا۔ بہت سے کُرد اور فتنہ پسند عوام اس کے معاون ہو گئے۔ معتصم نے عبداللہ بن سید بن انس کو جعفر کے مقابلہ کے لئے بھیجا اور اُس کو ہی موصل کے علاقہ کا گورنر بنا دیا۔ جعفر اس وقت "ماتعیش" میں تھا۔ عبداللہ نے اس کو یہاں سے نکالا۔ جعفر نے دشوار راہ کا راستہ لیا۔ عبداللہ بھی پیچھے پیچھے چلتا رہا۔ موقعہ پا کر جعفر پلٹا، سخت مقابلہ رہا۔ عبداللہ کو منہ کی کھانی پڑی شکست کھا گیا اور بڑا حصہ اس کی فوج کا اس جگہ کام آیا۔ عبداللہ کی شکست کے بعد

لہ فتوح البلدان صفحہ ۳۴۲

معتصم نے یہ مہم ایتاخ ترکی سپہ سالار کے سپرد کی۔ اُس نے آتے ہی جعفر کی فوج کے چھکے چھڑا دیئے۔ جعفر قتل ہُوا اور اس کے جرگہ کے تمام لوگ منتشر ہو گئے[1]

بغاوت مبرقع

۲۲۷ھ میں فلسطین میں ابوحرب الملقب بہ مبرقع برقع پوش نے بغاوت کی۔ اس کا سبب یہ ہُوا کہ ایک عباسی افسر فوج نے مبرقع کی عدم موجودگی میں اس کے گھر میں قیام کرنا چاہا۔ اس کی بیوی نے منع کیا۔ فوجی نے اس کو کوڑوں سے پیٹا اور چلا گیا۔ مبرقع جب گھر لوٹا تو اس کی بیوی نے اس سے گزرا ہُوا واقعہ کہہ دیا۔ مبرقع غصہ میں اُلٹے پَیر لوٹا اور ڈھونڈ کر عباسی افسر کو قتل کر دیا۔ پھر حکومت کے خوف سے "اردن" کے پہاڑ میں روپوش ہو گیا اور گرفتاری کے خوف سے چہرہ پر نقاب ڈالے رکھا۔

مبرقع کی نقاب پوشی اور عزلت نشینی سے عوام اس کی طرف رجوع ہونے لگے اور عقیدت مند کثرت سے اس کے گرد جمع ہونے شروع ہو گئے۔ یہاں تک کہ اس نے نبوت کا دعویٰ کر دیا اور معتصم کے خلاف زہر اُگلتا رہتا۔ ادھر یہ مشہور کر دیا کہ مَیں اموی خاندان سے ہوں اس لئے دنیا میں آیا ہوں کہ ان غاصبوں سے خلافت چھینوں۔

لوگ کثرت سے اُس کے ہمنوا ہو گئے اور چند یمنی روساء بھی اس کے حلقۂ عقیدت میں آ گئے۔ عموماً اس کے پیرو اُسے "سفیانی" کہا کرتے تھے۔ ان دنوں نزادی اور یمانی کا عربوں میں جھگڑا چل رہا تھا۔ ایک جماعت یمنی مبرقع کے ساتھ مل گئی۔ اس گروہ کا سردار "مبہس" نامی شخص تھا۔ مبرقع کے ساتھی فلاح اور کاشت کار زیادہ تھے۔

معتصم باللہ کو اس فتنہ کی خبر لگی تو اس نے سپہ سالار رجا بن ایوب حضاری کو ایک ہزار فوجیوں کے ساتھ روانہ کیا تاکہ مبرقع کی گوشمالی بخوبی کر دی جائے۔ اس

---

[1] ابن اثیر جلد ۶ صفحہ ۷، اور ابن خلدون کتاب ثانی جلد ہفتم۔

نے وہاں پہنچ کر دیکھا تو مبرقع کے جھنڈے کے نیچے ایک عالم جمع تھا جس کی تعداد ایک لاکھ آدمیوں سے کم نہ ہو گی۔ یہ رنگ دیکھ کر رجا نے مبرقع کے لشکر کے سامنے پڑاؤ ڈال دیا۔ زراعت و کاشت کاری کا موسم آیا تو مبرقع کے معین اپنے کاروبار میں لگ گئے۔ ادھر معتصم چل بسا۔ واثق سریر خلافت پر متمکن ہوا۔ اس نے رجا کو حکم بھیجا کہ دمشق میں نیا فتنہ اٹھا ہے پہلے اس کو ختم کر کے پھر مبرقع کی خبر لو۔ چنانچہ دمشق سے لوٹ کر رجا نے مبرقع کو گھیر کر مار لیا۔ اس کے ساتھی کھیت رہے۔ مبرقع معہ ابن بیہس کے پابہ زنجیر خلیفہ کے سامنے سامرہ بھیج دیا گیا اور وہاں ۲۲۷ھ میں اپنی سزا کو پہنچا۔[1]

فتوحات

فتح عموریہ عموریہ (اموریم) ایشیائے کوچک میں رومیوں کا بڑا مرکز تھا[2] شہنشاہ روم ان دنوں تھوفلس توفیل بن میخائیل تھا۔ ۲۲۳ھ میں جب بابک خرمی عساکر اسلامی کی زد میں آ گیا تو اس نے اپنے بچنے کی صورت یہ پیدا کی کہ توفیل کو لکھا معتصم نے اپنی پوری قوت سے اپنے سپہ سالار خیاط جعفر بن دینار اور طباخ) ایتاخ۔ افشین کو میرے مقابلہ پر بھیجا ہے معتصم کے پاس دارالخلافہ میں اب کم فوج رہ گئی ہے۔ دارالخلافہ خالی ہے اس پر حملہ بول دو۔ ادھر سے تم آؤ ادھر میں ان کا خاتمہ کئے دیتا ہوں[2]۔

توفیل بابک کے چکمہ میں آ گیا ایک لاکھ رومی لشکر معہ خرمیوں کی جماعت کے زبطرہ (دیکھئے ڈوشیا) پر حملہ آور ہوا۔ اس نے یہاں کے مسلمان مردوں کو قتل کیا۔ بچے اور عورتیں گرفتار کر لئے گئے۔ ملیطہ وغیرہ کے قلعے لوٹے، جلائے اور

---

[1] کتاب المختار جوہری ابن خلدون کتاب ثانی جلد ہفتم صفحہ ۱۷ [2] معجم البلدان جلد ۶ صفحہ ۲۲۷

[2] تاریخ ابن خلدون جلد ہفتم کتاب ثانی صفحہ ۱۴۳۔

تباہ کیئے جو مسلمان بچے رہے ان کی آنکھوں میں گرم سلائیاں پھیر کر ناک اور کان کاٹ ڈالے۔ گرفتار عورتوں میں سے ایک ہاشمی خاتون بھی تھی اس نے فریاد کی۔

"وامعتصماہ اے معتصم میری مدد کر"۔[1]

توفیل کے وحشیانہ مظالم، مسلمانوں کی دردناک حالت اور ہاشمی خاتون کی فریاد معتصم کے گوش گزار ہوئی وہ دربار میں تخت پر بیٹھا تھا وہیں سے بیٹھے بیٹھے لبیک میں پہنچا اور فوراً تخت سے اتر کر کوچ کی منادی کرادی اور فوجوں کو جمع کر کے خود معمولی زادِ راہ لے کر دربارِ عام میں آیا اور بغداد کے قاضی عبدالرحمٰن بن اسحاق، شعبہ بن سہل اور ان کے ساتھ ۳۲۸ دوسرے ارکانِ سلطنت کو طلب کر کے ان کے روبرو وصیت کی۔

"میری جاگیر کا ایک ثلث میرے اولاد کو اور ایک ثلث میرے موالی کو دیا جائے اور تیسرا حصہ خدا کی راہ میں صرف ہو"۔

وصیت کرنے کے بعد جمادی الثانی کو دجلہ کی مغربی سمت افواج کا پڑاؤ کیا اور عجیف بن عنبہ، عمرو الفرغانی اور دوسرے فوجی افسران کو "زبطرہ" کے مظلوموں کی امداد کے لئے روانہ کیا۔ یہ اس وقت زبطرہ پہنچے کہ رومی لوٹ مار کر کے لوٹ چکے تھے۔ عجیف وغیرہ کے پہنچنے پر مسلمان جو وہاں سے چلے گئے تھے وہ لوگ پھر واپس آکر آباد ہوگئے۔ کچھ عرصہ بعد زبطرہ میں امن وسکون قائم ہوگیا۔[2] اس اثناء میں عساکر اسلامی کو بمقابلہ بابک خرمی فتح یابی حاصل ہوگئی۔ معتصم نے اپنے مصاحبین اور ندیموں سے دریافت کیا۔

"رومیوں کے نزدیک کون شہر عمدہ اور مہتم بالشان ہے"۔

عرض کیا گیا عموریہ، معتصم نے یہ سنتے ہی تیاری کا حکم صادر کر دیا اور کمال تیزی اور عجلت سے اس قدر ساز وسامان جنگ اور آلاتِ حرب مہیا کئے کہ اس سے

---

[1] ابن اثیر جلد ۶ صفحہ ۱۶۲ [2] ایضاً

پیشتر کسی جہاد میں مہیا نہیں کئے گئے تھے۔ مقدمۃ الجیش پر سپہ سالار اشناس کو اور اس کے بعد محمد بن ابراہیم بن مصعب کو میمنہ پر سپہ سالار ایتاخ کو، میسرہ پر جعفر بن دینار خیاط کو اور قلب میں عجیف بن عتبیہ کو مامور کر کے کوچ کر دیا۔ بلادِ روم میں جب عسکر اسلامی داخل ہوا تہلکہ پڑ گیا۔ مقام سلوقیہ میں پہنچ کے "نہرسن" پر ڈیرے ڈال دیئے گئے۔ یہ مقام طرطوس سے ایک یوم کی مسافت پر واقع تھا۔

معتصم نے "نہرسن" پر پہنچنے کے دوسرے دن امیر العسکر افشین کو سرحد حرث سے سروج کی طرف روانہ کیا اور اشناس کو یہ ہدایت کر کے کہ "صفصات" میں پہنچ کے لشکر ہمایوں کے آنے کا انتظار کرے۔ اپنی فوج کو حدود طرطوس کی جانب بڑھنے کا حکم دیا[1] اور ایک دن مقرر کر کے سب کو ایک مقام پر جمع ہونے کا حکم دے دیا[2]۔

شاہِ روم توفیل کو جس وقت معتصم کی آمد کی خبر ہوئی اس وقت وہ اپنی پوری قوت کے ساتھ مقابلہ کے لئے روانہ ہو گیا اور ایک مناسب مقام پر اپنی افواج ٹھہرائیں۔ چنانچہ جیسے ہی توفیل کو افشین کی پیش قدمی کی خبر ملی اپنے عزیز کو لشکر گاہ میں چھوڑ کر خود اس کے مقابلہ کے لئے روانہ ہو گیا۔

آرمینیہ کے اطراف میں دونوں کا سامنا ہوا اور ایسی خونریز جنگ ہوئی کہ عسکر اسلامی کا پورا پیدل دستہ کام آ گیا۔ افشین چند گھنٹوں کے بعد پھر سنبھلا اور آگے بڑھا اور اس زور شور سے رومیوں پر حملہ آور ہوا کہ ان کی فوجیں تاب مقابلہ نہ لا سکیں۔ اور درہم برہم ہو گئیں۔ اس ابتری میں خود توفیل اپنی فوج کی نگاہوں سے اوجھل ہو گیا اس لئے اس کے لشکر گاہ کی فوجیں منتشر ہو گئیں۔ جب یہ ہنگامہ فرو ہوا اور توفیل جو بچ گیا تھا اپنی فوج میں واپس آیا اور اسے منتشر دیکھا تو محافظ

---

[1] تاریخ ابن خلدون جلد ہفتم کتاب ثانی صفحہ ۱۲۵ [2] طبری جلد ۱۱ صفحہ ۲۳۶۔

فوجی افسران پر سخت برہم ہُوا اور اُن کے سر قلم کرا دیئے اور اپنے تمام فوجی مرکزوں میں لکھ بھیجا کہ جو لوگ لوٹ گئے ہیں اُن کو کوڑوں سے پیٹ کر ایک مقام پر جہاں سے وہ دوبارہ بڑھنے والا تھا جمع کیا جائے اور ایک شخص کو انگورہ کی حفاظت کے لئے بھیجا۔ یہاں کے باشندے عسکر اسلامی کے حملہ کے خوف سے انگورہ سے نکل بھاگے تھے۔ توفیل کو اس کی اطلاع دی گئی۔ توفیل نے یہ رنگ دیکھ کر انگورہ کے بجائے عموریہ کی حفاظت کا سامان کیا اور معتصم کے مقدمۃ الجیش پر چھاپہ مارنے کے لئے آگے بڑھا۔

معتصم کے جاسوس توفیل کی فوج کے ساتھ لگے ہوئے تھے، انہوں نے اس کی اطلاع خلیفہ کو دی۔ معتصم نے فوراً مقدمۃ الجیش کے افسر اشناس کو ہدایت کی کہ تم وہیں توقف کرو جہاں ہو۔ میں تم سے وہیں جلد ملتا ہوں اور اس درمیان میں رومیوں کی نقل و حرکت کا پتہ چلالو۔ چنانچہ اشناس نے یہ خدمت عمرو فرغانی کے سپرد کی۔ تحقیقات سے معلوم ہُوا کہ توفیل مسلمانوں کے مقدمۃ الجیش کی تاک میں نکلا تھا۔ لیکن جب اس کو آرمینیہ کی سمت اسلامی فوجوں کے بڑھنے کی خبر ملی تو وہ ادھر چلا گیا۔ اس اطلاع کے بعد معتصم نے افشین کو خط کے ذریعے راستے میں ٹھہر جانے کا حکم دیا لیکن وہ آگے بڑھ چکا تھا اس لئے اس تک خط نہ پہنچ سکا۔ ادھر اشناس اور اس کے عقب سے معتصم دونوں آگے بڑھے۔ انقرہ کے قریب اشناس نے رومیوں کی ایک جماعت کو دیکھا اور اُن پر حملہ کر دیا ان کو گرفتار کر لیا اور قتل کرا دیا۔ ان میں ایک بوڑھا بھی تھا۔ اس نے کہا اگر تم میری جان بخشی کر دو تو انگورہ کی مفرور جماعت کا جس کے پاس خورد و نوش کا بہت سا سامان ہے پتہ دے سکتا ہوں "۔

اشناس نے منظور کر لیا اور مالک بن کرد کو اس کے ساتھ کر دیا۔ اس بوڑھے نے پہاڑوں پہاڑوں مالک کو لے جا کر اس جماعت کے سر پر کھڑا کر دیا۔ مالک نے ان کو گھیر لیا اور کل ساز و سامان پر قبضہ جما لیا اور بوڑھے کو انعام دے کر

رخصت کیا۔ افشین اور توفیل کی جنگ کے زخمی اس جماعت میں شریک ہو گئے تھے ان سے توفیل کی شکست کا حال معلوم ہوا۔ اس کے بعد افشین کے ہرکارہ نے مفصل حالات اور فتح کا مژدہ سنایا۔ افشین انگورہ پہنچ گیا۔ یہاں فوج کی تنظیم اس طرح کی گئی کہ میمنہ پر افشین اور میسرہ پر اشناس کا تقرر ہوا۔ قلب کی قیادت خود معتصم نے اپنے ہاتھوں میں رکھی اور تینوں ایک دوسرے سے دُو دُو فرسخ کا فاصلہ دے کر تاخت و تاراج کرتے ہوئے عموریہ پہنچے۔ یہاں ایک مسلمان جو رومیوں کے ہتھے چڑھ گیا تھا اور عیسائی بنا لیا گیا تھا وہ رومیوں کے قبضے سے نکل کر اپنے بھائیوں میں آملا اور اُس نے بتایا کہ شہر پناہ میں ایک مقام پر سوراخ ہے جو باہر سے چھپا دیا گیا ہے لیکن اندر سے کھول ہے معتصم نے اس مقام کے سامنے اپنا خیمہ نصب کر کے منجنیق سے سنگباری کے ذریعے سوراخ توڑ دیا۔

عموریہ کے بطریق باطیس نے توفیل کو اطلاع دی کہ شہر پناہ میں سوراخ ہو چکا ہے اس لئے میرا ارادہ ہے کہ کسی شب کو نکل کر مسلمانوں پر چھاپہ مارتا ہوا آپ کے پاس پہنچ جاؤں۔ یہ خط مسلمانوں کے ہاتھ لگ گیا معتصم نے اسی وقت شہر پناہ پر سنگ باری کر کے اس کو ایک مقام سے توڑ دیا۔ عموریہ اور عسکرِ اسلامی کے درمیان صرف خندق حائل تھی۔ معتصم نے کھالوں کے بورے بنا کر اور اس میں مٹی بھر کر اس کو پٹوا دیا اور مسلمان سنگبار آلات کے ساتھ شہر پناہ تک پہنچ گئے اور پھاٹک کے پاس دیوار توڑنا شروع کر دی۔ دوسری طرف افشین اور اشناس باری باری سے دو دن تک پوری قوت کے ساتھ حملہ کرتے رہے۔ تیسرے دن معتصم خود میدان میں آیا اور صبح سے شام تک نہایت گھمسان کا رَن پڑا۔ شام ہوتے ہوتے ہزار ہا رومی مارے گئے، ہزار ہا زخمی ہوئے۔ شہر پناہ کے اس حصہ کے محافظ بطریق (رومباد) نے دو سالئے روم سے اپنی حالتِ زار بیان کر کے امداد طلب کی لیکن اس میں اس کو سخت مایوسی ہوئی اور اسے مجبور ہو کر معتصم سے جان بخشی کا طالب ہونا پڑا۔ اس نے امان دے دی۔ بطریق مذکور معتصم

کے پاس چلا آیا۔ ابھی ان دونوں کو گفتگو ختم نہ ہوئی تھی کہ عبدالوہاب بن علی کی سرکردگی میں مسلمان ریلا کر کے شہر میں داخل ہو گئے۔ بطریق نے یہ رنگ دیکھا تو خوفزدہ ہُوا۔ معتصم نے اس کو اطمینان دلایا کہ تمہاری جان و مال محفوظ ہے اور تمہارے مطالبات پورے کئے جائیں گے۔

مسلمانوں کے عموریہ میں داخل ہو جانے کے بعد رومی کلیسائے اعظم کی آڑ پکڑ کر لڑنے لگے اس لئے مسلمانوں نے مجبوراً اس میں آگ لگادی۔ اس آڑ کے خاتمہ پر مسلمانوں کا قبضہ عموریہ پر مکمل ہو گیا۔ صرف یاطیس بطریق ایک برج میں جما رہا۔ معتصم نے اسے بھی امان دیدی اور عموریہ پر کامل قبضہ کر لیا۔ امن پسند عائد اور معززین کو کسی نے ہاتھ نہیں لگایا۔ البتہ فوجیوں کو جو گرفتار ہوئے تھے قتل کر دیا گیا ان کی تعداد بیس ہزار تھی[1]۔ فتح عموریہ میں مالِ غنیمت اس کثرت سے ہاتھ آیا کہ پانچ یوم تک برابر نیلام ہوتا رہا۔ اس کے بعد جو بچ گیا وہ پھونک دیا گیا۔ فوجیوں نے لوٹ مار کرنا چاہی معتصم نے روک دیا۔ اس کے بعد عموریہ کے جنگی استحکامات منہدم کر دیئے گئے۔[2]

تاریخ الخلفاء میں لکھا ہے کہ معتصم عموریہ پر حملہ کی تیاری کر رہا تھا۔ منجموں نے حکم لگایا تھا کہ طالع نحس ہے اس موقع پر فتح نہ ہو گی۔ مگر وہاں اُلٹی فتح و ظفر ہوئی۔ ابو تمام شاعر نے قصیدہ لکھا جس میں منجموں کی خوب خبر لی اور اُن کا مذاق اڑایا گیا۔[3]

عباس بن مامون کی بغاوت اور اُسکی موت

عموریہ فتح کرنے کے بعد معتصم نے قسطنطنیہ پر حملہ کی تیاریاں شروع کی تھیں کہ بغداد میں نیا فتنہ کھڑا ہُوا۔ معتصم افشین کو عجیف بن عنبہ پر ہمیشہ فضیلت

---

[1] تاریخ الخلفاء صفحہ ۳۳۲ [2] تاریخ ابن خلدون کتاب ثانی جلد ۷ صفحہ ۱۴۳

[3] تاریخ الخلفاء صفحہ ۲۳۳۔

دیا کرتا تھا۔ جس وقت عجیف کو زبطرہ کی طرف روانہ کیا اس کو خرچ و اخراجات کی آزادی نہ دی جیسا کہ افشین کو خود مختار کر رکھا تھا۔ اس کے علاوہ معتصم عجیف کے افعال پر نکتہ چینی بھی کیا کرتا۔ عجیف کو اس بنا پر معتصم سے ایک گونہ عناد ہو گیا اور بدعہدی و غداری کی ہوا دماغ میں سما گئی۔ اس نے عباس بن مامون سے ملاقات کی اور باتوں باتوں میں کہنے لگا۔

"آپ نے مامون کی وفات پر بڑی غلطی کی ناحق خاموشی اختیار فرمائی۔ آپ مستحق خلافت ہیں۔ اگر آپ ذرا سا اشارہ کرتے تو لوگ آپ ہی کی بیعت کرتے۔"

عباس بن مامون نے اپنی غلطی کا اعتراف کرتے ہوئے آئندہ اس غلطی کے دفعیہ کا اقرار کیا اور عجیف کی اتفاق رائے سے اپنے رازداروں میں سے ایک شخص سمرقندی نامی کو جو عبداللہ بن وضاح کا قرابت دار تھا اس امر پر مقرر کیا کہ امراء و روساء لشکر کو در پردہ معتصم سے بدظن اور عباس بن مامون کی طرف مائل کیا کرے۔ تھوڑے دنوں میں سپہ سالارانِ لشکر اور مقربین بارگاہِ خلافت کا ایک گروہ عمر فرغانی احمد بن خلیل اور حرث وغیرہ عباس کی جانب مائل ہو گیا اور اس کی خلافت کی بیعت کر لی۔ اس کے علاوہ عباس نے قیصرِ روم سے خط و کتابت کر کے اپنے چچا کے خلاف سازباز کرنی چاہی[1]

معتصم کو ان واقعات کی خبر ہوئی تو وہ قسطنطنیہ پر حملہ کا خیال چھوڑ کر بغداد واپس آ گیا اور عباس کو گرفتار کر کے قید کر دیا اور اس کا مال و متاع جس کی قیمت ایک لاکھ سولہ ہزار اشرفی تھی ضبط کر کے فوج میں تقسیم کر دیا۔ عباس قید میں بھوکوں مر گیا۔ یعقوبی کی روایت ہے کہ افشین نے عباس کو ہلاک کرا دیا[2] نصیبیس پہنچ کر معتصم نے عمر فرغانی کو زندہ دفن کرا دیا اور موصل پہنچا تو عجیف کو اسی طرح

---

[1] ابن خلدون جلد ۳ کتاب ثانی صـ۱۵۲ [2] مسعودی جلد ا صـ۱۳۲ [3] یعقوبی جلد ۲ صـ۵۸۱۔

مارا۔ غرضیکہ رفتہ رفتہ سپہ سالاروں کو جنہوں نے عباس بن مامون کی بیعت کی تھی قتل کر ڈالا۔

اولادِ مامون سے سلوک معتصم جب سامرا میں داخل ہوا تو مامون کی بقیہ اولاد کو گرفتار کرا کے ایک مکان میں قید کر دیا۔ یہاں تک کہ وہ سب وہیں مرکھپ گئے[1]

عروجِ اتراک ہارون اور مامون کے عہد میں عربوں کے مقابلہ میں عجمیوں کو بڑا اقتدار حاصل ہوا معتصم نے ترکی غلاموں کو سر چڑھایا۔ حکومت کے شکوہ و تجمل کے لئے ہزارہا سمرقندی فرغانوی ترک خرید کر لئے گئے۔ انہوں نے فتوحاتِ ملکی میں بڑے کارہائے نمایاں کئے تھے۔ ان کے لئے ہی سامرا کی تعمیر ازسرِ نو ہوئی جس کی تفصیل یہ ہے:۔

تعمیرِ سامرا

معتصم نے اپنے عہدِ خلافت میں مصر کے ایک گروہ کو مجتمع کر کے مطاربہ کے نام سے موسوم کیا تھا اور سمرقند، اشروسنہ اور فرغانہ سے ایک گروہ کو منتخب کر کے فرغانہ کا لقب دیا تھا[2]۔ یہ لوگ خرید کردہ تھے مگر ان کے لباس کا اہتمام خاص تھا۔ ریشم پہنتے تھے۔ زریں طوق اُن کے گلے میں رہتا تھا۔ یہ لوگ تہذیب و تمدن سے ناآشنائے محض تھے اور اس پر طرّہ یہ کہ وحشی خصلت بھی تھے اس لئے بغداد میں ان کے ہجوم سے اہلِ شہر کو بڑی تکلیفیں پہنچی تھیں۔ شرابیں پی کر بے تحاشا گھوڑے کداتے پھرتے۔ عورتیں، بوڑھے، بچے کچل جاتے تھے، یہ لوگ پرواہ نہ کرتے تھے۔ اہلِ بغداد نے معتصم سے فریاد کی۔ اُس نے ترکوں کی آبادی کے لئے بغداد کے قریب ایک مستقل شہر سامرا آباد کیا اور خود بھی وہیں قیام پذیر ہوا[3]

---

[1] ابن خلدون جلد ۷ کتاب ثانی صفحہ ۱۵۴ [2] ایضاً [3] ایضاً

سامرا کی بنا تو ہارون الرشید نے ڈالی تھی۔ اتفاقِ وقت سے تعمیر تکمیل کو نہ پہنچی تھی فصیلیں اور شہر کی دیواریں مسمار و خراب ہوگئی تھیں معتصم اپنے بیٹے واثق کو بغداد میں اپنا جانشین بنا کے قاطون آیا اور دوبارہ اس کی تعمیر کی بنیاد ڈالی۔ چنانچہ ۲۲۰ھ میں سلسلۂ تعمیر تکمیل کو پہنچا کر اس کو سُرَّ مَن رائے کے نام سے موسوم کیا جو آگے چل کر سامرا بن گیا۔

معتصم کا دارالحکومت یہی تھا[1] یہ تھوڑے عرصے میں مثل بغداد کے ہوگیا۔ اس میں بڑے عالی شان محلات تعمیر کئے گئے تھے۔

علامہ سیوطیؒ لکھتے ہیں :۔

> ”معتصم نے اپنا قصر میدان میں بنایا اور تعمیر کے بعد وہاں دربار کیا۔ لوگ سلام کے لئے حاضر ہوئے۔ اسحاق موصلی نے اس موقعہ پر اپنا ایک بے نظیر قصیدہ پڑھا جو آج تک مشہور چلا آتا ہے مگر شروع قصیدہ میں اُس نے لکھا تھا۔
>
> يَا دَارُ غَيَّرَكِ الْبَلَاءُ وَمَحَاكِ ۔ يَالَيْتَ شِعْرِي بِالَّذِي اَبْلَاكِ
>
> اے مکان تجھ کو بلا اور مصیبت بدل ڈالے گی کاش تو پرانا ہی ہو جاتا۔“

معتصم نے اس شعر کو بدشگون سمجھا اور اس کو منہدم کرا دیا۔[2]

نظامِ مملکت

مامون کے زمانے میں جو مملکت کا نظام قائم ہو چکا تھا معتصم نے اس کو قائم رکھا۔ البتہ اس نے فوج کے نظام کو بڑی ترقی دی جس سے عظیم الشان فتوحات حاصل کرنے کا موقع ملا چنانچہ اُس نے بادشاہانِ آذربائیجان، طبرستان، سیستان اشیاصح فرغانہ طخارستان، صفہ اور ملکِ کابل کے حکمرانوں کو قید کیا۔ مغیرہ بن محمد کہتے ہیں کہ

---

[1] ابن خلدون جلد ۳ کتاب ثانی صفحہ ۱۲۹ [2] تاریخ الخلفاء صفحہ ۲۲۴

جتنے بادشاہ معتصم کے دروازے پر جمع ہوئے کبھی کسی بادشاہ کے وقت میں جمع نہ ہوئے تھے۔[1]

فوج کا نظم

معتصم نے عنانِ خلافت ہاتھ میں لیتے ہی یہ محسوس کیا کہ مملکت کی حفاظت کے لئے زبردست فوج کی ضرورت ہے اس مقصد کے لئے اس نے ہزارہ ترک فوج میں داخل کئے۔ ترکوں سے اسے اُنس زیادہ اس وجہ سے بھی تھا کہ اس کی ماں ترک کی تھی۔

معتصم حسنِ صورت، حسنِ کمال، شجاعت اور اسلام کے شیفتہ ہونے کی وجہ سے ترک غلاموں پر بے حد اعتماد کرنے لگا اور اپنے قصر کی حفاظت انہی کے سپرد کی۔ انہیں بڑے بڑے عہدے دیئے، بڑے بڑے صوبوں کا گورنر مقرر کیا۔ انعام و اکرام کی اُن پر بارش کر دی۔ عربوں اور ایرانیوں دونوں پر ترکوں کو ہر بات میں ترجیح دی۔ اس کا نتیجہ یہ ہُوا کہ عربوں اور ایرانیوں کے جنرلوں کی غیرت کو ٹھیس لگی اور وہ حسد سے جلنے لگے۔ عرب اور عربوں کے جنرل خاص طور پر ترکوں سے بیزار تھے اور ترکوں کے اقتدار سے چھٹکارا حاصل کرنے کے لئے تدابیر سوچنے لگے۔ عباس کا دعوائے خلافت جس کا تفصیلی ذکر آچکا ہے ان عربوں ہی کی سازش کا کرشمہ تھا مگر عربوں کے لئے بجائے فائدے کے الٹا نقصان یہ ہُوا کہ معتصم کو عرب جرنیلوں سے نفرت ہوگئی اور ان کو فوج سے نکالنا شروع کر دیا۔

دیوانِ عطا کی فہرست سے ان عربوں کے نام خارج کر دیئے گئے اور ترکوں پر پہلے سے زیادہ اعتماد ہوگیا اور ان کی تعداد بڑھا کر ستر ہزار تک پہنچا دی گئی۔ مگر ترکوں کا ظرف اس کا متحمل نہ ہو سکا ان کا دماغی توازن بگڑ گیا۔ ترک جرنیلوں نے

---

[1] تاریخ الخلفاء، صد ۲۳۲ [2] مسلمانوں کا نظم مملکت صفحہ ۲۲۸، ۲۲۹ ۔

جو طریقہ اختیار کیا اس کی تفصیل گزر چکی ہے۔ آخر کچھ عرصہ بعد خود معتصم کو اپنے لئے ان ترکوں سے خطرہ نظر آنے لگا۔

اگر معتصم بھی اس وقت سیاسی تدبر سے کام لیتا تو عرب جرنیلوں کی امداد سے خلافت کے اقتدار کو بچا سکتا تھا مگر اس کی لا اُبالی طبیعت نے ان کی طرف سے سہل انگاری برتی اور یہ تخریبی عناصر ترقی کرتے رہے۔

ایک واقعہ ترک جنرل اس قدر صاحبِ اقتدار تھے کہ بڑے بڑے عرب سرداروں کو ذرا سے قصور پر ٹھکانے لگا دیا کرتے تھے۔ سپہ سالارِ اعظم افشین نے ایک عربی امیر ابو دلف قاسم بن عیسیٰ عجلی پر ازراہِ عداوت خون کا الزام قائم کر کے چاہا کہ اس کو قصاص میں قتل کرا دے۔ قاضی ابن ابی داؤد عرب تھے لے دے کے معتصم پر ان کا اثر و اقتدار باقی تھا ان کو خبر لگی، وہ افشین کے یہاں پہنچے دیکھا کہ جلاد تلوار لئے ہوئے ابو دلف کو قتل کیا چاہتا ہے آگے بڑھ کر افشین سے کہا کہ مجھ کو امیر المؤمنین نے یہ پیغام دے کر بھیجا ہے کہ تم ابو دلف کو قتل نہ کرو بلکہ میرے سپرد کر دو۔ پھر حاضرین سے مخاطب ہو کے کہا تم لوگ گواہ رہو کہ میں نے امیر المؤمنین کا حکم ایسے وقت جبکہ ابو دلف صحیح و سالم موجود ہے پہنچا دیا۔ سب نے کہا ہم شاہد ہیں۔ اس کے بعد وہ معتصم کے پاس گیا سارا ماجرا کہہ گزارا۔

معتصم نے قاضی صاحب کی اس کارروائی کو پسند کیا۔ آدمی بھیج کر ابو دلف کو بلایا اور اس کو رہا کر کے انعام بخشا۔ پھر افشین کو طلب کیا اور سختی کے ساتھ ارشاد فرمایا کہ بلا اجازتِ خلیفہ کے تم خود کس قانون سے قصاص لینے کا حق رکھتے ہو۔

محاصل عہدِ مامونی کی آمدنی کو اس زمانے کے کاغذات سے نقل کر کے علامہ ابن خلدون نے اپنی تاریخ کے مقدمہ میں ثبت کر دیا ہے جس کا خلاصہ ہم مامون کے احوال میں لکھ چکے ہیں۔ اسی طرح معتصم کے عہد کے کل مالیہ کو قدامہ بن جعفر نے کتاب الخراج میں تفصیل وار لکھا ہے۔ مامون اور معتصم کے زمانے بالکل متصل تھے۔ اس سے مالیات میں زیادہ کمی بیشی نہیں ہے۔

میزانِ آمدنی کی وہی ہے جو مامون کے عہد میں تھی۔

زراعت کی ترقی معتصم کو زراعت سے بہت دلچسپی تھی اور اس کے علاوہ زمین کی آبادکاری کا بھی بڑا خیال رکھتا تھا۔ اس نے وزیر ابن زیات کو حکم دے رکھا تھا کہ جو افتادہ زمین ایسی دیکھو کہ اس سال اس پر دس روپیہ صرف کردو تو آئندہ سال میں اس سے گیارہ روپے وصول ہوں ایسے خرچ کے لئے مجھ سے منظوری حاصل کرنے کی ضرورت نہیں۔

چنانچہ معتصم کے عہد میں بکثرت افتادہ زمینیں آباد ہوئیں اور بنجر زمینیں قابلِ کاشت ہوگئیں معتصم کہتا تھا۔

"زمین کی آبادی میں بہت سے فوائد ہیں اس سے مخلوق کی زندگی قائم ہے، خراج بڑھتا ہے ملک کی دولت و ثروت میں اضافہ ہوتا ہے مویشیوں کے لئے چارہ مہیا ہوتا ہے نرخ ارزاں ہوتا ہے کسبِ معاش کے ذریعے بڑھتے ہیں، معاش میں وسعت پیدا ہوتی ہے۔"[1]

علمی ترقی معتصم اپنے اسلاف کے برعکس علم و فن سے لگاؤ نہ رکھتا تھا۔ مامون کے عہد میں جو لوگ علمی تحقیق و تدقیق میں لگے ہوئے تھے وہی علم کی ترقی میں کوشاں تھے۔ معتصم کو ان سے نہ کوئی تعلق تھا اور نہ وہ اس کی توجہ کے محتاج تھے۔

معتصم کے معاصر علماء

یحییٰ بن یحییٰ التیمی، سعید بن کثیر بن عفیر سنید، محمد بن سلام بیکندی، نہندی قالون المقری، خلاد المقری، آدم بن ایاس، عفان قعبنی، عبدان المروزی عبداللہ بن صالح، کاتب لیث سلیمان بن حرب، علی بن محمد مدائنی، ابوعبید القاسم

---

[1] مروج الذہب مسعودی جلد ۲ صفحہ ۴۔

بن سلام، قرہ بن حبیب، عازم و محمد بن عیسیٰ الطباع الحافظ، اصبغ بن فرج فقیہ، سعدویہ الواسطی ابو عمر الجرمی نحوی [1]

شعر گوئی معتصم کو علمی شوق میں صرف شعر گوئی سے کچھ لگاؤ تھا۔ اشعار موزوں کر لیا کرتا تھا محمد بن عمر رومی کا بیان ہے کہ معتصم کا ایک غلام عجیب نامی تھا جو حقیقت میں اسم بامسمیٰ تھا اور اپنی نظیر نہ رکھتا تھا معتصم کو وہ بہت محبوب تھا اس کی تعریف میں اس نے کچھ اشعار کہے تھے، ایک روز مجھے بلا کر کہا کہ تم جانتے ہو کہ میں اپنے بھائیوں سے کم لکھا پڑھا ہوں اور اس کی وجہ یہ ہے کہ امیر المومنین (ہارون الرشید) کو مجھ سے بہت ہی محبت تھی اور مجھے کھیل کود سے رغبت تھی۔ میں نے کسی کی ایک نہ سُنی، میں نے چند اشعار "عجیب" کی تعریف میں لکھے ہیں ان کو سُن کر سچ بتاؤ کہ وہ اچھے ہیں کہ نہیں اگر اچھے نہ ہوں تو میں اُن کو پوشیدہ کر رکھوں۔ میں نے وہ اشعار سُن کر تختِ خلافت کی قسم کھا کر کہا کہ یہ اشعار ان خلفاء سے اچھے ہیں جو شاعر نہ تھے۔ معتصم یہ سُن کر بہت ہی خوش ہوا اور مجھے پچاس ہزار درہم عطا کئے [2]

سخاوت معتصم اپنے اسلاف کی طرح سخی تھا۔ لیتا دیتا بہت تھا۔ شعراء کو انعام و اکرام سے نوازتا تھا۔

باورچی خانہ کے اخراجات معتصم کا دسترخوان نہایت وسیع تھا۔ صرف باورچی خانے کے مصارف ایک ہزار اشرفی روزانہ تھے [3]

وزرائے عظام

فضل بن مروان معتصم کا پہلا وزیر فضل بن مروان بن ماسرخس تھا۔ نااہل

---

[1] تاریخ الخلفاء صفحہ ۲۴۲ [2] ایضاً ص ۲۴۳ [3] ایضاً ص ۲۴۳۔

اور اخلاقی حیثیت سے بھی پست۔ یہ شخص مذہباً عیسائی تھا معتصم کی شہزادگی میں اس کے کاتب یحییٰ جرمقانی کے دفتر میں آکر ملازم ہوا۔ حساب کتاب کا ماہر اور خوشنویس تھا اس لئے یحییٰ کے بعد معتصم نے اس کو سر دفتر کر دیا۔

طرطوس میں جب خلافت کی بیعت لی گئی تو فضل نے جو ان دنوں بغداد میں کارپرداز تھا۔ اہلِ بغداد سے اس کے لئے بیعت لی اور سلطنت کا انتظام سنبھالا معتصم بغداد آیا تو اس کی کارکردگی سے خوش ہو کر اس کو وزارت کے عہدے پر سرفراز کیا اور تمام ملکی معاملات اس کے سپرد کر دیئے۔ مگر فضل نے معتصم پر غلبہ حاصل کر لیا۔ اب اس کی روش مستبدانہ ہو گئی "معتصم کے احکام کی بھی اس کو پرواہ نہ تھی بلکہ بعض اوقات معتصم اپنے اخراجات کے لئے اس سے مال طلب کرتا وہ نامنظور کر دیتا تھا" معتصم تک فضل کی سخت گیری کی شکایات پہنچنے لگیں تو اس نے فضل کے استبداد کو روکنے کے لئے دو وزیر اور مقرر کئے۔

(۱) احمد بن عمار کو اخراجات کا دفتر سپرد کیا۔

(۲) نصر بن منصور کو خراج کا محکمہ تفویض کیا۔

فضل کو یہ ناگوار گزرا اور ان دونوں کی مخالفت پر کمر باندھ لی۔ جھگڑے نے طول کھینچا معتصم نے حساب کی جانچ کرائی تو فضل کے ذمہ بیشمار رقم برآمد ہوئی۔ اس غبن کی وجہ سے اس سے دس لاکھ دینار نقد وصول کئے اور اس کا کل اثاثہ ضبط کر لیا گیا اور موصل کے ایک گاؤں "سن" میں اس کو قید کر دیا گیا۔

احمد بن عمار فضل کے بعد احمد کو منصب وزارت سپرد ہوا اس نے نہایت معمولی درجہ سے ترقی کی تھی۔ شروع میں آٹا پیسنے کا پیشہ کرتا تھا اس پیشہ کے ذریعہ اس نے بصرہ میں بڑی جائیداد پیدا کی۔ پھر بغداد آیا فضل نے اپنے زمانۂ وزارت میں اس کی امانت کی تعریف کی تھی۔ اس لئے معتصم نے اس کو وزیر بنا دیا مگر یہ علم اور تدبر و سیاست ہر چیز میں کورا تھا۔ ایک مرتبہ معتصم کے پاس کسی عامل کا خط آیا جس میں کلا کا لفظ تھا۔ معتصم نے احمد سے کلا کی تشریح

پوچھی یہ نہ بتا سکا۔

معتصم نے کہا خلیفہ جاہل اور وزیر عامی "وزیرے چنیں شہریارے چناں"

پھر معتصم نے اپنے مصاحب محمد بن عبدالملک الزیات سے استفسار کیا۔ اس نے "کلا" کے تمام مدارج بتائے کہ شروع میں جب سبزہ اُگتا ہے تو اس کو بقل کہتے ہیں۔ جب بڑا ہوتا ہے تو اسے کلا کہتے ہیں۔ اور جب خشک ہو جاتا ہے تو اس کو حشیش کہتے ہیں۔ معتصم ابن عبدالملک کی قابلیت سے بہت خوش ہوا اور اس کو منشی کے عہدہ پر مامور کیا۔ پھر کچھ عرصے بعد اس کو وزارت کے عہدے پر سرفراز کیا۔[1]

محمد بن عبدالملک الزیات

احمد بن عمار کم لیاقتی کی وجہ سے علیحدہ کر دیا گیا اور اس کی جگہ ابن زیات مامور ہوا۔

محمد بن عبدالملک الزیات کا دادا آبان ایک پہاڑی قریہ وسکریہ کا باشندہ تھا وہ زیتون کا تیل بغداد لے جا کر بیچا کرتا تھا اس لئے زیات کہلاتا تھا۔ لیکن محمد کی تعلیم و تربیت بہت اچھی ہوئی تھی۔ ادب و شاعری، تاریخ، آداب، جہانبانی قوانینِ ملوک، فہم و فراست اور عقل و فرزانگی، غرضیکہ جملہ اوصاف میں یگانہ تھا۔

ابن خلکان لکھتا ہے کہ محمد بن زیات ادبائے عصر اور فضلائے وقت سے تھا۔ وہ بہت بڑا ادیب، فاضل، بلیغ اور نحو و لغت کا زبردست عالم تھا۔ علمائے عصر نحوی مسائل میں اس کی طرف رجوع کرتے۔ علامہ ابوعثمان مازنی جب بغداد آتے اور ان کی مجلس میں نحو کے مسائل چھڑتے تو جس مسئلہ میں اختلاف ہوتا ابوعثمان مباحثہ کرنے والوں کو الزیات کی طرف رجوع کرنے کا مشورہ دیتے اور ان کی رائے پر فیصلہ ہوتا۔

شاعری میں بھی اُس کا پایہ بلند تھا۔ ان خوبیوں کے ساتھ بڑا مغرور متکبر اور ظالم تھا، سزا دینے کے لئے تنور بنوایا تھا جس کے اندر ہر طرف کیلیں لگی ہوئی تھیں جب

[1] الفخری صفحہ ۲۱۲

کو سزا دینا مقصود ہوتا اس کے اندر بٹھا دیا جاتا ذرا حرکت کی اور کیلیں جسم میں چبھنے لگیں۔ آخر میں اس تنور کی نذر خود ہُوا۔

قاضی القضاۃ احمد بن داؤد قاضی احمد بن داؤد معتزلی کو معتصم نے تمام قلمرو کا قاضی القضاۃ مقرر کیا۔ قاضی صاحب کے حالات مامون کے تذکرہ میں بیان کئے جا چکے ہیں۔

امرائے عسکر

سپہ سالار افشین افشین کا نام حیدر بن کاؤس تھا۔ کاؤس اشروسنہ کا بادشاہ تھا۔ افشین یہیں پیدا ہُوا اور بغداد میں زیر سایہ عاطفت معتصم نشو و نما پائی۔ خلیفہ کی نظروں میں اس کی بڑی عزت و توقیر تھی جن دنوں یہ بابک کا محاصرہ کئے ہوئے تھا جو مال و اسباب اس کے ہاتھ آیا اشروسنہ بھیج دیا۔ آرمینہ سے جو تحائف آئے وہ دارالخلافہ بھیجنے کے بجائے اپنے وطن بھیج دیئے۔ عبداللہ بن طاہر والئ خراسان نے جس کے تعلقات افشین سے خراب تھے معتصم کو اس کی اطلاع دی۔ افشین نے انتقام میں عبداللہ کو خراسان سے ہٹانے کے لئے مازیار والی طبرستان کو بھڑکایا جس کا ذکر اُوپر آ چکا ہے، معتصم کو افشین کی سازش کا پتہ چل گیا[1] اور وہ اس سے بدظن ہو گیا۔ اس سے بڑھ کر افشین کی بے دینی تھی۔ وہ باطن میں اپنے آبائی مذہب پر قائم تھا اور اس کے قتل کے بعد اس کے یہاں سے وہ بُت برآمد ہوئے جن کی وہ پرستش کرتا تھا۔ اس کے علاوہ عباسی حکومت کے خلاف مازیار کو بھڑکایا۔ غرضیکہ ان تمام اسباب کی بنا پر معتصم کا رویہ اس کے ساتھ بالکل بدل گیا[2]

افشین کو بھی محسوس ہونے لگا وہ اس فکر میں تھا کہ آرمینہ بھاگ جائے اور

---

[1] طبری جلد ۱۱ صفحہ ۴۔۳۰ [2] مروج الذہب مسعودی جلد ۲ صفحہ ۱۳۸۔

خزر کو مسلمانوں کے خلاف لڑنے پر آمادہ کرے لیکن افشین کو فرار ہونے کا موقع نہ مل سکا تو اس نے معتصم اور دیگر افسران کی دعوت کی اور اس میں زہر دینے کا انتظام کیا۔ یہ منصوبہ پورا نہ ہوا تھا کہ راز فاش ہو گیا اور معتصم نے افشین کو بلا کر قید کر دیا[۱] اور پھر ایتاخ کے مکان میں لے جانے کا حکم دیا۔ خدامِ دولت افشین کو ایتاخ کے یہاں لے گئے۔ معتصم کے حکم سے افشین کو شعبان ۲۲۶ھ میں قتل کیا گیا اور باب عامہ پر سُولی پر لٹکا دیا۔ جب کل آیندہ[۳] روندگان دیکھ چکے تو لاشہ کو صلیب سے اتار کر جلا دیا گیا[۲]۔

ایتاخ ایتاخ بلاد خزر کا باشندہ تھا اور سلام ابرش کا غلام تھا۔ یہ باورچی تھا ۱۹۹ھ میں معتصم نے اس کو خرید لیا اور اسحاق بن ابراہیم کا مددگار مقرر کر دیا۔ ایتاخ پر معتصم کو بہت اعتماد تھا۔ جب کسی کو قتل یا قید کرنا چاہتا تو ایتاخ کے حوالے کیا جاتا۔ روم کے حملہ میں فوج کا امیر اسی کو بنایا۔ معتصم کے عہد تک اپنے عہدہ پر قائم رہا۔ واثق کے عہد میں مختارِ کل ہو گیا۔ متوکل کے ابتدائی زمانے ۲۳۵ھ میں قتل کیا گیا۔

اشناس یہ بھی معتصم کا زرخرید غلام تھا جنگِ عموریہ میں اس کی بہادری کا ذکر آچکا ہے۔ معتصم اس کا بڑا قدردان تھا۔ ۲۲۵ھ میں اپنے سامنے دربار میں زرین کرسی پر بٹھا کر اس کو تاج پہنایا۔ اس کی دختر اترنجہ کی شادی افشین کے بیٹے حسن کے ساتھ خود اپنے اہتمام سے کی۔ واثق بھی اس کی قدر کرتا تھا۔ ۲۳۰ھ میں انتقال کر گیا۔

عجیف بن عنبسہ وصیف۔ بغا کبیر الموسی مشہور امرائے فوج سے تھے۔ یہ سب ترک تھے مگر اس میں بیشتر نمک حرام نکلے۔ ایک بار معتصم نے اسحاق بن ابراہیم سے کہا کہ میں نے چار شخصوں کی تربیت کی لیکن ان میں سے کوئی بھی کام کا نہ نکلا۔ افشین کا جو حال

---

[۱] طبری جلد ۱۱ صفحہ ۳۰۶ [۲] ابن خلدون جلد ہفتم کتاب ثانی صفحہ ۱۲۰۹ [۳] آنے جانے والے۔

ہُوا وہ ظاہر ہے۔ اشناس سُست ہے اور ایتاخ بے کار۔ وصیف کسی رخنہ کو بند نہیں کر سکتا۔

اسحاق نے کہا امیر المومنین یہ لوگ نہ کسی معزز خاندان کے ہیں نہ قبیلے کے جوان کو اپنے باپ دادا کے ننگ و ناموس کا خیال ہو ان کی مثال ان شاخوں کی ہے جو بے اصل ہوتی ہیں اور شاذ و نادر ہی برگ و بار لاتی ہیں۔

حکومت بنی عباس پر جو زوال آیا وہ ان ترکوں کی وجہ سے آیا۔ اس کی ساری ذمہ داری معتصم پر ہے جس نے بے سمجھے بوجھے خلافت کے مستقبل کو امرائے عرب کے ہاتھوں سے نکال کر غلاموں کے سپرد کر دیا جو صرف عارضی اور دنیاوی فائدہ کے خواہاں تھے نہ ان کو قومی ناموس کا خیال تھا۔ نہ بقائے خلافت کی فکر تھی نہ یہ اصولِ اسلام سے واقف تھے۔

ولی عہدی معتصم نے ولی عہد اپنے بیٹے ہارون کو بنایا۔

وفات یکم محرم ۲۲۷ھ کو معتصم کی بیماری کا سلسلہ شروع ہوا۔ مرض الموت میں یہ آیت پڑھا کرتا۔

حَتّٰٓی اِذَا فَرِحُوْا بِمَآ اُوْتُوْٓا اَخَذْنٰهُمْ بَغْتَةً ۔

نزع کے وقت کہتا تھا کہ تمام حیلے جاتے رہے اب کوئی حیلہ باقی نہیں رہا۔

حالتِ نزع میں کہتا تھا کہ مجھے ان لوگوں میں سے نکال لے چلو اور کہتا۔

"الٰہی تو خوب جانتا ہے کہ میں تجھ سے نہیں بلکہ اپنے آپ سے ڈرتا تھا تجھ سے امید رکھتا تھا اپنے آپ سے نا امید تھا"

نزع کے وقت معتصم کے ورد یہ شعر تھا ؎

قرب الحمام واعجل یا غلام   واطرح السرج علیه واللجام
اعلم الاتراك انی خائف   لجة الموت فمن شاء اقام

"مرغابی قریب آگئی ہے اے غلام دوڑو اور اس پر زین کس اور لگام لگا۔ ترکوں سے

کہہ دو کہ میں تو موت کے گہرے پانی میں اترنے والا ہوں تم میں سے جس کا جی چاہے رہے یا جائے۔"

آخر شش ۱۱ ربیع الاول ۲۲۷ھ میں انتقال کیا۔[1]

اقوال معتصم کا قول تھا کہ جب طمع کو فتح ہو جاتی ہے تو عقل باطل ہو جاتی ہے جو شخص اپنے مال کے ساتھ طالب حق ہوا اس نے حق کو ضرور پا لیا۔

سیرت و اخلاق

اوصاف معتصم دل و جسم دونوں کا قوی اور بڑا بہادر اور عظمت و شان اور ہیبت و جبروت کا خلیفہ تھا۔

کان المعتصم من اعظم الخلفاء و اهیبهم۔

قوت و شجاعت علامہ سیوطی لکھتے ہیں:۔

"معتصم بڑا قوی اور شجاع اور صاحب معلومات تھا مگر پڑھا لکھا نہ تھا معتصم کی قوت غیر معمولی تھی، توانا سے توانا آدمی کا بازو دبا دیتا تھا تو ہڈیاں چٹخ جاتی تھیں۔"

ابن ابو داؤد کا بیان ہے کہ معتصم اکثر اپنا بازو میری طرف پھیلا کر کہتا کہ اس میں زور سے کاٹو۔ پھر کہتا کہ مجھے کچھ بھی اثر نہیں ہوا۔ میں پھر کاٹتا اور اثر نہ ہوتا تھا کیفیت یہ تھی کہ اس پر تو نیزے کا بھی اثر نہ ہوتا تھا کجا کہ دانت کا۔[2]

اس کے علاوہ اس میں طاقت و قوت اس قدر تھی کہ ایک ہزار رطل (۵ من) کا بار اٹھا کر چل لیتا تھا۔ نفطویہ کہتے ہیں کہ معتصم بڑا سخت گیر آدمی تھا۔ ان فطری اسباب کی بنا پر اس کو بزم کی بجائے رزم سے زیادہ دلچسپی تھی۔ بڑی مہمات کو خود سر کرتا، اس

---

[1] تاریخ الخلفاء صفحہ ۲۲۳ [2] ایضاً صہ ۲۲۲

کو صرف دو چیزوں کا شوق تھا۔ حکومت کی شان و شکوہ اور میدانِ کارزار کے مناظر دولت انہی چیزوں میں بہاتا تھا۔

فصاحت و بلاغت معتصم معمولی لکھا پڑھا تھا مگر اس کی معلومات بہت وسیع تھی۔ اس نے ہارون اور مامون کے عہد کے فصحاء و بلغاء کی صحبت اٹھائی تھی۔ ابراہیم بن عباس کا بیان ہے کہ جب معتصم کلام کرتا تھا تو تمام بلاغت ختم کر دیتا تھا۔

سادگی اور بے تکلفی معتصم کو حکومت و دبدبہ و شکوہ سے بے انتہا شغف تھا لیکن اس کی پرائیویٹ زندگی میں بہت سادگی اور بے تکلفی تھی۔ اس کا خلق غیر معمولی طور پر بڑھا ہوا تھا۔

حُسنِ خلق معتصم میں شجاعت اور ہمت و قوت اگرچہ بہت تھی مگر اس کا حسنِ خلق ہر چیز سے بڑھا ہوا تھا اور اس میں استقلال کا مادہ کُوٹ کُوٹ کر بھرا ہوا تھا۔

نااہلوں کی تربیت ایک دن معتصم عباسی نے احمد ابی داؤد سے کہا کہ میرا بھائی مامون جس اہل کار کو بڑھاتا تھا وہ اپنے آپ کو اس کے لائق ثابت کر کے دکھاتا تھا۔ ایسے لوگوں کی وجہ سے نہ صرف مخلوق کو فائدہ پہنچتا تھا بلکہ حکومت کا کام بھی خوب چلتا تھا۔

طاہر الحسنین عبداللہ طاہر اور احمد ابی خالد کیسے معقول اور قابل اشخاص گزرے ہیں، برخلاف اس کے مجھے کوئی ایسا شخص نہیں ملا جس سے حکومت کے کاروبار میں مدد مل سکے۔

قاضی احمد ابی داؤد نے جواب دیا۔ امیر المومنین بات یہ ہے کہ مامون جڑ کا خیال رکھتا تھا اور آپ شاخ پر نظر رکھتے ہیں۔ شاخ کو کتنا ہی پانی دیجئے پھل پھول نہیں دے سکتی۔ نااہلوں کو ترقی دینا شور زمین میں بیج بونا ہے۔

معتصم اور لکڑہارا ایک مرتبہ امیر المومنین معتصم اپنے عہدِ خلافت میں شکار کو

گیا۔ جاڑے اور بارش کا زور تھا سامنے ایک بوڑھا لکڑہارا خچر پر لکڑیاں لادے نظر آیا۔ راستے میں نالہ پڑا وہ عبور کرنا چاہتا تھا کہ نالہ میں گر گیا اور بوجھ کی وجہ سے اُٹھ نہ سکا۔ اتنے میں معتصم آ گیا اس نے غلاموں سے کہا۔ انہوں نے زور لگایا مگر ناکام رہے۔ خود گھوڑے سے اُترا اور خچر اور گھوڑے کو باہر نکالا وہ اپنی راہ چلا گیا یہ اپنی راہ لگ گئے۔

معتصم خلفاء بنو عباس کا آٹھواں تاجدار اور عباس بن عبد المطلب کے خاندان کا آٹھواں ممبر اور رشید کی اولاد میں آٹھواں شخص تھا۔ آٹھ برس اور آٹھ مہینے حکومت کی۔ آٹھ لڑکے، آٹھ لڑکیاں چھوڑیں۔ آٹھ فتوحات حاصل کیں، آٹھ محل سرائے بنوائیں۔ آٹھ دشمنوں بابک، باطش، مازیار، افشین، عجیف، قارن، قائد رافضہ اور رئیس زنادقہ کو تہ تیغ کیا۔ آٹھ لاکھ دینار سرخ، اسی قدر درہم سفید، آٹھ ہزار گھوڑے، آٹھ ہزار غلام اور آٹھ ہزار لونڈیاں ترکہ چھوڑ گیا[1]

حلیہ رنگ سفید سرخی مائل، داڑھی گھنی، متوسط القامت تھا۔

فتنۂ خلق قرآن مامون مرتے وقت معتصم کو وصیت کر گیا تھا کہ خلق قرآن کا عقیدہ بہ جبر علماء سے منوائے۔ چنانچہ جب وہ اس طرف متوجہ ہوا تو اس کے سامنے ایک ذات ایسی تھی جو اپنے اندر مرکزیت کی ساری شان رکھتی تھی، وہ ذات حضرت امام احمد بن حنبل کی تھی اس لئے معتصم عباسی کی ساری شاہی قوت بھی انہی کی تعذیب کے لئے سمٹ کر آ گئی۔ اس نے جس قدر مبالغہ آپ سے اس مسئلہ کے منوانے میں کیا آپ نے اسی قدر سختی سے اس کا انکار کر دیا۔ اس پر آپ قید کر دیئے گئے۔ چار چار بوجھل بیڑیاں آپ کے پاؤں میں ڈال دی گئیں جن سے ہلنا دشوار ہوتا تھا۔ اس پر یہ حکم کہ اسی حالت میں خود ہی اونٹ پر سوار ہوں کوئی دوسرا سہارا نہ دے، طرطوس تک اسی طرح پہنچائے گئے۔ راہ میں

---

[1] کامل ابن اثیر جلد ۶ صفحہ ۲۱۵ [2] الوفیات جلد ۲ صفحہ ۲۷۰

متعدد قید خانوں میں قید کئے جاتے رہے۔ کبھی اصطبل میں رکھے جاتے اور کبھی تنگ و تاریک کوٹھڑیوں میں بند کر دیئے جاتے اور یہ بھی ہوتا رہا کہ بار بار مناظرے ہوتے رہے جس میں ہمیشہ فریق مخالف کو ہی خاموش ہونا پڑا۔ بادشاہ نے خاص طور پر دو آدمیوں کو مناظرہ کرنے کی غرض سے بھیجا۔ ان کا آپ نے اور بھی بُرا حال کیا۔ آپ نے اُن سے کہا خدائے تعالیٰ کے علم کو مخلوق کہتے ہو یا غیر مخلوق؟ انہوں نے کہا غیر مخلوق؛ اس پر آپ نے فرمایا کہ اس قول سے تم کافر ہو گئے۔ کسی نے کہا یہ کیا کہتے ہو، یہ تو بادشاہ کے بھیجے ہوئے ہیں۔ فرمایا ہاں یہی بادشاہ کے بھیجے ہوئے کافر ہو گئے۔ آخر معتصم نے حکم دیا کہ امام صاحب اُس کے سامنے لائے جائیں۔ اسحاق حاکم بغداد نے بہت سمجھایا کہ آپ اگر اقرار نہ کریں گے تو بادشاہ نے قسم کھائی ہے کہ ہر روز آپ کو کوڑے لگوائیں جائیں گے یہاں تک کہ آپ خلق قرآن کا اقرار کر لیں یا پھر اسی عذاب میں مبتلا رہ کر مر جائیں۔ آپ نے فرمایا میں جو حق ہے وہ ہر حال میں کہتا رہوں گا۔ آخر کار حاکم بغداد نے آپ کو معتصم کے پاس بھیج دیا۔

رات بھر آپ قید میں رہے صبح کو بادشاہ نے اپنے سامنے بلایا۔ چار بیڑیوں کو سنبھال کر چلنا مشکل تھا اور کوئی چیز نہ تھی جس سے ان کو باندھا جاتا۔ آپ نے پائجامہ سے ازار بند نکال کر ان کو اکٹھا کیا اور پائجامہ کو گرہ دے لی اس حال میں افتاں و خیزاں بادشاہ کے روبرو پہنچے خلق کا ہجوم تھا جس میں معتزلہ کے علماء اور سردار ہی کثرت سے تھے۔ بادشاہ نے آپ کو اپنے پاس جگہ دی۔ بیڑیوں کی مشقت سے تھوڑی دیر دم لے کر آپ نے خود ہی بادشاہ سے پوچھا۔ خدا تعالےٰ نے بندوں کو کس چیز کی طرف بلاتا ہے؟ معتصم باللہ نے کہا لا الٰہ الا اللہ کی طرف۔ امام نے کہا تو میں لا الٰہ الا اللہ کی شہادت دیتا ہوں۔ معتصم نے کہا اگر تمہیں پہلے بادشاہ کی قید میں نہ پاتا تو ہرگز تعرض نہ کرتا۔ اس کے کے بعد عبدالرحمٰن بن اسحاق کی طرف دیکھ کر کہا کیوں میں نے نہیں کہا تھا کہ ان پر سختی نہ کی جائے اُس نے کہا یا امیر المؤمنین درحقیقت ان کی تعذیب مسلمانوں

کی آسانی کا سبب ہے معتصم بولا۔ اچھا مناظرہ کرو۔

عبدالرحمٰن نے کہا قرآن کو تم مخلوق کہتے ہو یا غیر مخلوق؟ آپ نے فرمایا تم اللہ تعالےٰ کے علم کو مخلوق کہتے ہو یا غیر مخلوق؟ اس جواب سے عبدالرحمٰن بن اسحاق لاجواب ہو چکا تو ہر طرف سے دلائل اور اعتراضات ہونے لگے اور آپ سب کو جواب دیتے گئے یہاں تک کہ سب ساقط ہو گئے۔ تیسرے روز ایک نہایت عظیم الشان دربار منعقد کیا گیا جس میں ایک طرف مسلح فوج اور دوسری طرف جلاد کوڑے لئے ہوئے کھڑے تھے۔ اس وقت آپ قید خانے سے لائے گئے معتصم کے کہنے سے خاص خاص لوگوں نے آپ سے پھر مناظرہ شروع کیا۔ مگر ان کا بھی وہی انجام ہوا جو اُن کے پیشروؤں کا ہو چکا تھا۔ بادشاہ معاملہ کے اس قدر طول کھینچنے سے گھبرایا۔ ادھر ابی داؤد سر گروہ معتزلہ بادشاہ کو شہ دے رہا تھا کہ اس بدعتی کو قتل کیجئے میری گردن پر خون رہے گا۔

معتصم کے صبر کا پیمانہ لبریز ہو چکا تھا اُس نے غصہ ہو کر آواز دی کہ اس کو کھینچو اور لباس اُتار کر کوڑے لگاؤ۔ پھر حالتِ غضب میں اپنے مقام سے اٹھ کر کرسی پر آ بیٹھا اور کوڑے والوں کے کوڑے دیکھ کر دوسرے کوڑے لانے کو کہا۔ جب دوسرے کوڑے پسند آ گئے تو جلادوں کو حکم دیا کہ اس کو خوب زور سے مارو۔ ایک شخص آگے بڑھا اور پوری قوت سے دو کوڑے مار کر ہٹ گیا۔ پھر دوسرا جلاد آیا اور اس نے بھی دو کوڑے اسی طرح مارے۔ اسی طرح نوبت بہ نوبت کوڑے مارنے والوں نے اپنی پوری طاقت سے دُو دُو کوڑے مارے۔ جب اُنیس کوڑے امام کے لگ چکے تو معتصم کو شاید کچھ رحم آ گیا اور آپ کے پاس آ کر کہنے لگا۔

"اے احمد خدا کی قسم! میں تم پر اپنے بیٹے سے زیادہ شفقت رکھتا ہوں اگر تم خلقِ قرآن کا اقرار کر لو تو خدا کی قسم اپنے ہاتھوں سے تمہارے پاؤں کی بیڑیاں کھول دوں! کہو کیا کہتے ہو؟"

آپ نے اس وقت بھی یہی کہا۔ اے معتصم! خدا کی کتاب یا رسول کی حدیث سے اس کا ثبوت پیش کیا جائے تو میں اقرار کرلوں"۔

آپ سے علمائے معتزلہ مناظرہ کرنے لگے۔ جب لاجواب ہوئے تو قتل کا مشورہ دیا۔ ابی داؤد نے غصہ دلانے کے لئے کہا امیر المومنین آپ روزہ سے ہیں اور اس شخص کی وجہ سے دھوپ میں کھڑے ہیں اس کو قتل کر ڈالئے اس کا خون میری گردن پر ہے۔ بادشاہ سے کچھ نہ بن پڑا کرسی پر جا بیٹھا اور جلادوں کو زیادہ سختی سے کوڑے مارنے کا حکم دیا۔

حضرت امام پر پہلا کوڑا پڑا تو کہا بسم اللہ، دوسرے کوڑے پر لاحول ولاقوۃ اِلَّا باللہ، تیسرے کوڑے پر القرآن کلام اللہ غیر مخلوق اور چوتھے کوڑے پر لن یُّصِیبنا اِلَّا مَا کَتَبَ اللہُ لَنَا۔ اسی طرح ہر کوڑے پر موقع موقع کی آیت تلاوت کرتے تھے جب تک ہوش رہا ہر ضرب پر معتصم کی خطا کو معاف کرتے رہے۔ کسی نے اُس کا سبب پوچھا تو آپ نے فرمایا میں اس بات کو ناپسند کرتا ہوں کہ قیامت کے دن کہا جائے کہ یہ شخص نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا کی اولاد اور اہلِ بیت کا دعویدار ہے۔

یہ رمضان المبارک کا آخری عشرہ تھا جب کہ آپ پر مصائب و آلام کے پہاڑ توڑے گئے۔ روزے پر روزے رکھتے تھے اس پر پیٹھ زخموں سے چُور چُور ہو چکی تھی۔ بار بار غش آجاتا تھا۔ ایک شخص نے سَتّو پیش کئے۔ آپ نے فرمایا روزے سے ہوں۔ مگر جب نماز کا وقت آیا اسی حالت میں نماز ادا کی۔ کہنے والے نے کہا۔ آپ نے نماز پڑھی حالانکہ جسم سے خون جاری ہے۔ آپ نے جواب دیا ہاں حضرت عمرؓ نے بھی ایسا ہی کیا تھا۔

فضیل بن عیاض کہتے ہیں۔ امام ۲۸ ماہ قید رہے اس عرصہ میں تھوڑے تھوڑے وقفے سے اس قدر تازیانے پڑتے تھے کہ آپ بے ہوش ہو جاتے تھے۔ اس کے علاوہ تلوار سے بھی چرکے لگائے جاتے [illegible] ڈال کر پاؤں سے روندے

جاتے تھے۔ اس آزمائش کے زمانے میں ابوالہشیم عیار نے عجب طرح پر آپ کی ڈھارس بندھائی۔ یہ امام موصوف کے پاس کھڑا ہُوا اور کہنے لگا "احمد میں ابوالہشیم چور ہوں مجھ پر اٹھارہ ہزار تازیانے پڑے تاکہ چور ہونے کا اقرار کر لوں مگر میں نے اقرار نہیں کیا۔ حالانکہ میں جانتا تھا کہ برسرِ حق نہیں ہوں۔ لہٰذا تم تازیانے کی گرمی سے بچتے رہنا۔ کیونکہ تم حق پر ہو۔ امام فرماتے ہیں کہ جب مار سے درد محسوس ہوتا تھا تو اس چور کی بات یاد آجاتی تھی۔

حافظ ابن جوزی محمد بن اسمٰعیل سے نقل کرتے ہیں۔ احمد بن حنبل کو ۸۰ کوڑے ایسے مارے گئے کہ اگر ہاتھی کے مارے جاتے تو چیخ اٹھتا۔ واثق بن معتصم کا انتقال ہُوا اور متوکل خلیفہ ہُوا تو اس نے حضرت امام کی مصیبتیں دُور کیں اور آپ کو بُلا کر تعظیم و تکریم سے پیش آیا اور ممالک اسلامیہ میں ایذا دہی اُٹھا دینے اور سُنت کا اظہار کرنے اور قرآن کے غیر مخلوق ہونے کے متعلق فرمان جاری کئے۔ اس تاریخ سے فرقہ معتزلہ کا گروہ ٹھنڈا پڑا۔

۲۴۱ھ میں بعمر ۷۷ سال امام عالی مقام نے انتقال فرمایا۔ آپ کے جنازے کی نماز میں اس کثرت سے لوگ شریک ہوئے کہ مردوں کا شمار آٹھ لاکھ اور عورتوں کا ساٹھ ہزار تک پہنچ گیا۔ ایک روایت میں ہے کہ آپ کے جنازے کی جگہ جگہ نماز پڑھی گئی اور پچیس لاکھ آدمیوں نے نمازِ جنازہ پڑھی۔ آپ کی وفات کا عجیب اثر تھا۔ قلوب اس درجہ متاثر تھے کہ اسی دن ۲۰ ہزار یہودی و نصرانی اور آتش پرست مسلمان ہو گئے۔ فتنۂ خلقِ قرآن کے بقیہ حالات واثق باللہ کے عہد میں آگے آتے ہیں۔

دیگر مشاہیر

علی بن معبد بنِ شداد الرقی، امام احمد کے طبقہ میں سے فقیہ، محدث، حنفی تھے۔ ۲۱۸ھ میں وفات ہوئی۔

احمد بن حفص المعروف بابی حفص الکبیر بخاری، فقہ و حدیث میں تلمیذ امام محمدؒ ہیں، زاہدوں میں شمار ہے۔

شداد بن حکیم بلخی، امام زفر کے اصحاب میں سے ہیں۔ فقیہ، محدث، احمد بن ابی عمران شیخ الطحاوی کے استاد تھے۔ بلخ کی قضا پیش کی گئی۔ آپ نے انکار کر دیا۔ ۲۳۰ھ میں وفات پائی۔

عیسیٰ بن ابان بن صدقہ، قاضی ابن موسیٰ حافظ الحدیث، فقیہ جیّد تھے۔ فقہ امام محمد سے، حدیث اسماعیل بن جعفر سے حاصل کی۔ ۲۲۱ھ میں انتقال ہوا۔

نعیم بن حماد بن معاویہ مروزی، محدث، فقیہ، عارف، فرائض کے بڑے ماہر ابن معین اور امام بخاری کے شیخ ہیں۔ مصر میں تھے جب قرآن کے مخلوق ہونے کا قول وہاں مشہور ہوا۔ آپ نے اس پر کفر کا فتویٰ دیا تو وہاں سے نکالے گئے اور آخر قید میں ۲۲۹ھ میں وفات پائی۔

فرخ مولیٰ امام ابو یوسف، فقیہ، جید و محدث، فقہ امام ابو یوسف سے حاصل کی۔ ۲۳۰ھ میں وفات پائی۔

اسمٰعیل بن ابی سعید الجرجانی امام محمد کے اصحاب میں سے ہیں۔ فقیہ و محدث ہیں۔ حدیث یحییٰ القطان و ابن عیینہ سے بھی سُنی۔ وفات ۲۳۰ھ میں ہوئی۔

علی بن الجعد بن عبید الجوہری البغدادی، امام ابو یوسف کے اصحاب میں سے ہیں۔ حافظ الحدیث ہیں ۱۳۶ھ میں پیدا ہوئے ۲۳۲ھ میں انتقال کیا۔

نصر بن زیاد نیشاپوری، فقیہ، محدث امر بالمعروف و نہی عن المنکر میں ثابت قدم تھے۔ فقہ امام محمد سے اور حدیث ابن المبارک سے حاصل کی۔ ۲۲۳ھ میں انتقال فرمایا۔



خلیفہ ہارون الواثق باللہ

نام ونسب الواثق باللہ ہارون ابوجعفر بن اسحاق محمد معتصم بن ہارون الرشید۔

ولادت قراطیس کے شکم سے ۱۸۶ھ میں مکہ کے راستہ میں پیدائش ہوئی۔

تعلیم وتربیت معتصم نے بغداد کے مشہور معلم ہارون بن زیاد سے واثق کو اعلیٰ تعلیم دلوائی۔ رجحان طبع علم کی طرف تھا۔ تھوڑے عرصہ میں واثق نے عربی علم وادب میں ید طولیٰ حاصل کر لیا اور ہزارہا اشعار شعرائے عرب کے یاد کر لئے۔ کم عمری میں ہی شعر کہنے لگے۔ چنانچہ واثق ادیب کامل اور شاعر شیریں مقال تھا[1]

صولی کہتے ہیں کہ واثق مامون کو اپنے ادب اور فضیلت کی وجہ سے حقیر سمجھا کرتا تھا اور مامون کا یہ عالم تھا کہ واثق کی قدر کیا کرتا اور اس کو اپنے بیٹے پر فضیلت دیتا تھا۔ علامہ سیوطی لکھتے ہیں:۔

"واثق اپنے زمانہ کے لوگوں میں سب سے بڑا عالم تھا اور ایسا ہی شاعر بھی"

خلافت معتصم کی وفات کے دن یوم پنج شنبہ ۸ ربیع الاول ۲۲۷ھ کو سامرا میں اس کی خلافت کی بیعت ہوئی اور لقب واثق باللہ رکھا گیا۔ دوسرے دن صبح کو اسحاق بن ابراہیم نے بغداد میں افسران فوج اور عمائد بغداد سے بیعت لی اور ۹ ربیع الاول کو اورنگ خلافت پر متمکن ہو گیا۔

تخت وتاج تخت وتاج کے لئے جو اوصاف وجۂ آرائش ہوتے ہیں وہ سب اس کی ذات میں جمع تھے اور اس نے مسند افروز خلافت ہوتے

---

[1] تاریخ الخلفاء صفحہ ۲۲۷۔

ہی وہ کام کئے کہ رعایا کے دل میں اس کی طرف سے بڑی بڑی شاندار امیدیں پیدا ہو گئیں۔ ہر شخص یہ سمجھتا تھا کہ واثق کا عہدِ میمنت مہد فراغی و فراخی کا ایک طویل و مدید دور ہوگا۔ وہ بلند و بالا اور وجیہہ و شکیل تھا۔ چہرے سے وقار و تمکنت کے ساتھ لطف بھی مترشح ہوتا تھا۔ جاہ و جلال اور طمطراق و احتشام میں واثق اپنے اسلاف پر سبقت لے گیا تھا۔

ترکوں پر نظرِ عنایت واثق نے عنانِ حکومت ہاتھ میں لیتے ہی اپنے باپ کے خادم ترکوں پر نوازش و اکرام کی بارش شروع کر دی۔ حتیٰ کہ دو ترک غلام اس کے منظورِ نظر ہو گئے۔

تاریخ الخلفاء میں ہے :-

"واثق کو دو غلاموں سے بہت محبت تھی اور وہ باری باری اس کی خدمت میں حاضر رہتے تھے۔ واثق نے ان دونوں کے متعلق ان اشعار میں اپنی کیفیت بیان کی ہے۔

قلبي قسيم بين نفسين	"میرا دل دو شخصوں میں منقسم ہے بھلا کبھی
افمن رأى روحا بجسمين	کسی نے ایک روح کو دو جسموں میں دیکھا ہے
يغضب ذا ان جاد ذا بالرضى	اگر ایک مجھ پر عنایت کرتا ہے تو دوسرا ناخوش
فالقلب مشغول بشجوين[1]	ہوتا ہے میرا دل دو مصیبتوں میں گرفتار ہے"!

نائب سلطنت کا عہدہ اشناس ترک معتصم کا بڑا منہ لگا ہوا تھا۔ خود واثق بھی اس پر بیحد مہربان ہو گیا اور اس کو جواہرات کے ہار پہنائے اور سر پر جواہرات کا تاج رکھ کر نائب السلطنت بنایا۔ واثق پہلا خلیفہ ہے جس نے نیابتِ سلطانی کا عہدہ قائم کیا[2]۔

قیسیوں کی بغاوت واثق کی تخت نشینی کے ساتھ ہی قیسیہ نے دمشق میں فتنہ و

---

[1] تاریخ الخلفاء صفحہ ۲۳۹ [2] ایضاً صفحہ ۲۳۸

فساد کی آگ لگادی۔ واثق کو معلوم ہوا تو اس نے رجاء بن ایوب فزاری کو ان کی سرکوبی پر مامور کیا۔ رجاء نے پہلے زبانی پیام کے ذریعے مطیع بنانے کی سعی کی۔ جب اہلِ فساد باز نہ آئے تو تلوار سے کام لیا۔ پندرہ سو شورش پسند اس ہنگامہ میں کام آئے پھر تو فتنہ کا خاتمہ ہی ہو گیا۔

اشناس کا دَور دورہ ہنگامۂ دمشق کے فرو ہونے کے بعد اشناس کا وہ دور دورہ تھا کہ تمام ممالک محروسۂ اسلامیہ کے سیاہ و سفید کا مجاز ہو گیا تھا۔

ایک قابلِ ذکر واقعہ ایک شب واثق کے یہاں مصاحبین اور نُدَمَاء کا دربار لگا ہوا تھا۔ بعض مصاحب اگلے حکمرانوں کے قصّے بیان کرتے ہوئے وزرائے برامکہ کا تفصیلی ذکر کر بیٹھے۔ ان کی فیاضی، اولوالعزمی اور دولت مندی اور ہارون الرشید پر ان کے متولّی ہو جانے اور کل امورِ سلطنت پر قابض و متصرف ہونے کے حالات بیان ہوتے رہے۔ واثق نے توجہ سے یہ حالات سُنے۔ اگلے دن ایک گشتی فرمان ہر چہار طرف روانہ کر دیئے اور اشناس کے اُوردوں کو گرفتار کر کے بہ جبر و تعدی مال و اسباب وصول کرنے لگا۔ احمد بن اسرائیل سے اَسّی ہزار دینار مار پیٹ کے وصول کئے۔ سلمان بن ذہب سے (یہ ایتاخ کا سیکرٹری تھا) چار لاکھ، حسن بن وہب سے چودہ ہزار، ابراہیم بن رباح اور اس کے سیکرٹری سے ایک لاکھ اور ابو الورد سے ایک لاکھ چالیس ہزار وصول کئے۔[1] اس واقعہ سے تمام ترک امراء میں ہلچل پڑ گئی۔ اپنی منصبی فرائض دیانت سے ادا کرنے لگے اور رشوت ستانی کا بازار سرد پڑ گیا۔

گورنروں کا تقرر یمن پر ایتاخ ترکی معتصم کے عہد میں گورنر رہ چکا تھا۔ واثق نے بھی اپنی جانب سے ایتاخ کو ہی یمن کی گورنری مرحمت

---

[1] تاریخ ابن خلدون جلد ۷ صفحہ ۱۰۲

کی اور اس عہدہ پر برقرار رکھا۔ مدینہ منورہ پر ۲۲۱ھ میں محمد بن صالح بن عباسی کو متعین کیا اور مکہ معظمہ کی خدمت محمد بن داؤد کے سپرد کی۔

۲۳۰ھ میں عبداللہ بن طاہر والی خراسان، کرمان، طبرستان اور رے کے انتقال کر جانے پر بادگاہِ خلافت کے حکم کے مطابق اس کے بیٹے طاہر ابن عبداللہ کو صوبجات مذکورہ کی سند گورنری مرحمت کی گئی[1]

اعرابِ حجاز کی شورش

اہلِ عرب جب ملکی اور فوجی مناصب سے علیحدہ کر دیئے گئے۔ ان سے امارت جاتی رہی۔ غربت اور جہالت ان میں عود کر آئی۔ بدویت کا رنگ ڈھنگ ان میں پیدا ہو گیا تو تاخت و تاراج اور غارت گری ان کا مشغلہ بن گیا۔ اعرابِ حجاز میں قیس عیلان کا سب سے قوی قبیلہ بنی سلیم کا تھا جو مدینہ کے متصل حرۃ بنی سلیم میں سکونت رکھتا تھا۔ اس قبیلہ نے مدینہ کے قرب و جوار پر دستِ تعدی دراز کیا اور لوٹ مار کرنے لگا۔ اس قبیلہ کے افراد جس بازار میں نکل جاتے ظلم و ستم روا رکھتے[2] ان کا ادنیٰ ظلم یہ تھا کہ سوداگران سے جو مال خریدتے وہ اپنے مقرر کردہ نرخ پر خریدتے۔

جمادی الثانی ۲۳۰ھ میں بنی سلیم کے رئیس عزیزہ بن قطاب نے بنی کنانہ اور باہلہ پر حملہ کیا اور ان کے بہت سے آدمی تلوار کے گھاٹ اتار دیئے۔

دارالخلافہ سامرا میں یہ خبریں پہنچیں تو واثق باللہ نے حماد بن جریر طبری کو دو سو سپاہیوں کے ساتھ مدینہ کی حفاظت پر متعین کیا۔ امیر مدینہ محمد بن صالح نے حماد بن جریر کو عزیزہ بن قطاب کی سرکوبی کے لئے بھیجا۔ مقامِ رُوثیہ پر ہر دو سے مقابلہ ہوا۔ حماد نے شکست کھائی اور جان بھی گنوائی۔ بنی سلیم نے مدینہ پر بھی حملے شروع کر دیئے۔ واثق کو یہاں کے حالات کی اطلاع پہنچی اس نے تجربہ کار سپہ سالار ابی موسیٰ بغا الکبیر ترکی کو ترکی، ایرانی اور مغاربہ فوج کے ساتھ ان کی سرکوبی کے لئے بھیجا۔ مقدمہ

---

[1] ابن خلدون جلد ۷ کتاب ثانی صفحہ ۱۷۳ [2] البدایہ النہایہ جلد ۱۰ صفحہ ۳۰۲

لشکر پر "طردوش" ترکی تھا۔ اس نے پہلے ہی حملہ میں بنی سلیم کے پچاس آدمی قتل کئے اور پچاس گرفتار کر لئے۔ جب بغا الکبیر حرّہ بنی سلیم میں پہنچا تو اس نے اس قبیلہ کے لوگوں کو جمع کیا اور ان میں سے ایک ہزار آدمی جو شر وفساد میں حصہ لیتے رہتے تھے گرفتار کر لئے اور ذی قعدہ ۲۳۰ھ میں ان کو مدینہ میں لاکر یزید بن معاویہ کے گھر میں بند کر دیا اور خود حج کو روانہ ہو گیا۔ حج سے واپسی پر قبیلہ بنی ہلال کے تین سو آدمیوں کو جو رہزنی کرتے تھے گرفتار کر لایا اور بنی سلیم کے ساتھ قید کر دیا۔

اس اثنا میں بنی مرہ نے بھی شورش کر رکھی تھی بغا الکبیر ان کی سرکوبی کو روانہ ہُوا تو یہاں قیدیوں نے نقب لگائی اور نکل بھاگنا چاہا۔ اہل شہر کو خبر لگ گئی۔ انھوں نے ان کو گھیر لیا۔ باہمی تلوار چلی تیرہ سو سے زیادہ قتل ہُوئے۔ بغا الکبیر آیا تو اُس نے افسوس کیا۔ پھر بنی مرہ اور بنی فزارہ جو فدک پر قابض ہو گئے تھے ان کے پاس بغا نے ایک فزاری رئیس کو بھیجا کہ ان کو امان دے کر یہاں لاؤ۔ اس نے شاہی فوج کی سطوت سے ڈرایا۔ وہ لوگ ڈر کر پہاڑوں میں چھپ گئے۔ چند اشخاص حاضر ہُوئے۔

بغا نے بنی اشجع اور غطفان کو بھی امان دی۔ پھر بنی کلاب کو جمع کیا۔ تین ہزار نفوس مجتمع ہُوئے۔ ان میں سے تیرہ سو اشخاص کو جو اہل فساد سے تھے گرفتار کیا اور مدینہ میں لاکر قید کیا مگر بنی اشجع اور غطفان یہ حالات دیکھتے ہوئے بھی قتل وغارت گیری سے باز نہ آئے۔

بغاوت بنو نمیر

۲۳۲ھ میں واثق نے بغا الکبیر کو حکم بھیجا کہ بنی نمیر بلادِ یمامہ میں قتل وغارت گری کر رہے ہیں ان کی سرکوبی کو جاؤ۔ چنانچہ وہ اس طرف گیا اور بنی نمیر کی مزاج پرسی اچھی طرح کر دی۔ پھر تمیم کی بستی مراۃ کی طرف آیا مگر ان لوگوں نے دھوکے سے ترکی فوج کو گھیر لیا۔ بغا کو راہِ فرار اختیار کرنی پڑی۔ اسی اثنا میں سو ترکوں کا ایک دستہ بنی نمیر کے مقابلہ سے

واپس آیا تھا۔ انھوں نے بنی تمیم کو گھیر لیا اور کشتوں کے پشتے لگا دیئے بقیہ امان کے طالب ہوئے۔ بغا نے سب کو گرفتار کرا کر کوڑوں کی مار دی۔ غرضیکہ مدینہ کے قرب و جوار میں جس قدر فتنے اٹھے تھے وہ بقوت دبا دیئے گئے۔ بغا قیدیوں کو لے کر بصرہ پہنچا اور مدینہ کے عامل محمد بن صالح کو لکھا کہ بنی فرازہ مرہ، ثعلبیہ کے جس قدر قیدی ہوں سب کو لے کر سامرا پہنچو۔ چنانچہ اس نے حکم کی تعمیل کی۔ غرضیکہ قیدیوں کی قسمت کا فیصلہ بغا الکبیر نے کر دیا[1]۔

محدث احمد بن نصر کا خروج

۲۳۱ھ میں احمد بن نصر نے احتجاجاً حکومت پر خروج کیا۔ احمد مالک بن ہیثم خزاعی نقیب دولت عباسیہ کے پوتے اور صاحب تقویٰ بزرگ تھے۔

علامہ ابن خلدون لکھتے ہیں۔

"احمد بن نصر کا شمار محدثین میں تھا اس کی نشست و برخاست اصحاب حدیث کی صحبت میں اکثر رہا کرتی تھی"[2]

حماد بن زید، سفیان بن عیینہ اور ہاشم بن بشر اور امام مالک سے سماع حدیث کیا تھا۔ یحییٰ بن معین جیسے محدث ان کے تلمیذ تھے[3]

وکان احمد بن نصر ھذا من اکابر العلماء العاملین القائمین بالامر بالمعروف والنھی عن المنکر[4]

ابن حصین، ابن دورقی اور ابو زہیر وغیرہم نے احمد بن نصر کو واثق کے عقائد کے خلاف بھڑکا دیا۔ یہ حق گو عالم واثق کے خیالات کی اپنے وعظ میں دھجیاں اڑانے لگے اور غصے میں آ کر خنزیر و کافر سے خطاب کرنے لگتے۔ عوام الناس میں اس کی شہرت ہو گئی۔ وہ جوق در جوق احمد بن نصر کی نصرت پر تھے[5]۔

---

[1] ابن خلدون جلد ۷ کتاب ثانی صفحہ ۱۷۶ [2] ایضاً صفحہ ۱۷۷ [3] البدایہ والنہایہ جلد ۱۰ ص ۳۰۵
[4] ایضاً [5] ابن خلدون جلد ۷ کتاب ثانی صفحہ ۱۷۷ ۔

واثق باللہ خلقِ قرآن اور رویتِ باری کے مسئلہ میں اپنے باپ معتصم کا ہم خیال و ہم عقیدہ تھا۔ محدثین اس عقیدے کے خلاف تھے۔ یہی وجہ تھی کہ احمد بن نصر واثق کو بُرا بھلا کہا کرتے۔ لوگوں نے عتاب سلطانی کا خوف دلایا مگر یہ لوگ بجائے خوف کھانے کے علانیہ حق گوئی سے کام لینے لگے۔ ابو ہارون السراج اور ابو طالب نے ابو نصر کی دعوت پر امر بالمعروف والنہی عن المنکر شروع کر دی جسے عوام نے قبول کیا اور امر بالمعروف ونہی عن المنکر پر ہزارہا نفوس نے احمد بن نصر کی بیعت بھی کر لی۔ ابو ہارون اس تحریک کا داعی اول تھا۔ روپیہ پیسہ سے بھی دریغ نہ کرتا تھا۔ یہ تحریک بہت جلد پھلی پھولی۔ اس کا دائرہ بہت وسیع ہو گیا تو ان لوگوں نے یہ طے کیا کہ ایک مقررہ شب کو بغداد کے مشرقی اور مغربی دونوں حصوں میں بیک وقت حکومت کے خلاف کھڑا ہو جانا چاہیئے اور دولت بنی عباس کا تختہ الٹ دیا جائے۔ پہلے ہی سے معتصم اور واثق کی سخت گیریوں اور عمل خلافِ سنت سے عوام الناس میں برہمی پیدا ہو گئی تھی۔

مسئلہ خلقِ قرآن کے پیچھے جو جو مظالم معتصم نے روا رکھے اور علماء کی تذلیل کی اس کا نتیجہ یہ ہونا ہی چاہیئے تھا کہ حکومت کے خلاف لوگوں میں جذبۂ منافرت ہو۔ اسی وجہ سے بہت سے لوگ احمد بن نصر کے جھنڈے کے نیچے جمع ہو گئے۔ ابو طالب نے ان کی فوجی تشکیل کی۔ انعامات اور اسلحہ دیئے۔ شب پنجشنبہ ۳ شعبان ۲۳۱ھ کو بغرض دعوتِ خروج عہد کیا گیا۔ بنی اشرس کے دو آدمی جو احمد کے متبع تھے موعودہ شب سے ایک شب پہلے نبیذ کے نشہ میں انہوں نے طبل بجانا شروع کر دیا۔ اسحاق بن ابراہیم افسر پولیس اس وقت بغداد میں موجود نہ تھا۔ اس کا بھائی محمد بن ابراہیم اس کا قائم مقام تھا تو اس نے نقارہ کی آواز سُنی گھبرا گیا۔ ایک آدمی کو دریافت حال کی غرض سے روانہ کیا۔ کوئی شخص نظر نہ پڑا۔ اتفاقیہ ایک اعور (بھینگا) عیسیٰ نامی حمام میں مل گیا اس نے بنی اشرس، احمد بن نصر، ابو ہارون اور طالب کی تحریک کا راز فاش کر دیا اور ان کے قیام کا بھی پتہ

دے دیا۔ محمد بن ابراہیم نے اسی وقت ایک دستہ فوج احمد بن نصر وغیرہ کی گرفت کو بھیج دیا۔ سب لوگ گرفتار ہو کر آئے۔ محمد بن ابراہیم نے ان لوگوں کو سامرا بھیج دیا۔ واثق کے روبرو دربارِ عام میں یہ حضرات صدق و صفا پیش کئے گئے۔ اس جلسہ میں قاضی احمد بن ابی داؤد بھی تھا۔ خلیفہ واثق نے احمد بن نصر سے بغاوت اور خروج کی وجہ دریافت نہ کی خلقِ قرآن کا مسئلہ چھیڑ دیا۔ احمد بن نصر نے عرض کیا "وہ کلامِ الٰہی ہے"۔

پھر واثق نے اللہ تعالیٰ کی رویت کا مسئلہ دریافت کیا۔ احمد نے کہا۔ اللہ تعالیٰ کی رویت اخبارِ صحیحہ سے ثابت ہے اور میں امیر المومنین آپ کو وصیت کرتا ہوں کہ آپ قرآن مجید اور حدیث شریف کی مخالفت نہ کیجئے"۔ خلیفہ واثق نے علماء کی طرف دیکھا اور احمد بن نصر کی بابت دریافت کیا۔ عبدالرحمٰن بن اسحاق قاضی جانب غربی بغداد نے کھڑے ہو کر عرض کیا۔

"امیر المومنین کو اس شخص کا خون مباح ہے"۔

قاضی ابن ابی داؤد بولا۔

"یہ شخص کافر ہو گیا اس کو توبہ کی ہدایت کی جائے"۔

واثق نے صمصامہ (یہ عمر بن معدی کرب زبیدی کی تلوار تھی) منگوائی اور اس کو نیام سے کھینچا۔ احمد بن نصر نے کلمہ پڑھتے ہوئے گردن جھکالی اور خلیفہ واثق نے ایک تلوار کندھے پر ماری دوسری سر پر رسید کی۔ اس تلوار نے پیٹ کو ناف سے سینہ تک چاک کر دیا۔ اس کے بعد سیما الاسقی نے اس حق گو عالم کا سر تن سے اتار کر بغداد بھیجدیا جو جسر بغداد پر آویزاں کر دیا گیا اور لاشہ کو بغداد کے دروازہ پر صلیب پر چڑھا دیا[1]۔

مختلف واقعات ۲۳۱ھ کے خاتمہ کے دور پر خلیفہ نے سعید بن مسلم بن قتیبہ

---

[1] ابن خلدون جلد ہفتم کتاب ثانی صفحہ ۷۰ اور طبری جلد ۱۱ صـ ۲۲۳۔

کو صفور اور عواصم کی سند گورنری مرحمت فرمائی اور ہدایت کی کہ عیسائی قیدیوں کو بعوض مسلمان قیدیوں کے والی روم کو دے کر مصالحت کر دو۔ مگر ساتھ ہی اس کے مسلمان قیدیوں سے قرآن کے مخلوق ہونے اور رویت باری کا مسئلہ دریافت کرتے جانا۔ جو شخص خلقِ قرآن کا قائل اور رویت اللہ کا موئد ہو اس کا معاوضہ دے کے عیسائیوں کی قید سے چھڑا لینا اور ایک دینار علاوہ زادِ سفر کے بطور انعام مرحمت کرنا اور جو شخص خلقِ قرآن کا منکر اور رویت اللہ کا قائل نہ ہو نہ اس کے معاوضہ میں کسی عیسائی قیدی کو رہا کرنا اور نہ اس کی رہائی کی فکر کرنا۔ چنانچہ رومی اور مسلمان اپنے اپنے قیدیوں کو لئے ہوئے نہر لامس پر آئے جو طرطوس سے ایک منزل پر تھی مسلمانوں نے عیسائی قیدیوں کو رہا کر دیا اور عیسائیوں نے مسلمان قیدیوں کو رہا کر دیا۔ یہ تعداد میں چار ہزار چونسٹھ مرد آٹھ سو لڑکے اور ایک سو عورتیں اہلِ ذمہ تھے۔[1]

جہاد

احمد بن سعید بن مسلم اس سے فارغ ہو کر ایام سرما کے آتے ہی ایک لشکر مرتب کر کے سرحدی بلاد پر جہاد کرنے چلا۔ اثنائے راہ میں روم کے بطریق نے منع بھی کیا کہ یہ موقع نہیں ہے مگر احمد بن سعید نے اس کے کہنے پر التفات نہ کی آخر برف اور کثرتِ بارش سے بے حد نقصان کا سامنا کرنا پڑا اور بے نیل و مرام دارالخلافہ واپس آیا۔ واثق نے احمد بن سعید کو اس ناعاقبت اندیشی پر نصیحت و فضیحت کے بعد معزول کر دیا اور اس کے بجائے نصر بن حمزہ خزاعی کو متعین کیا۔[2]

ارمینہ میں خلفشار

ارمینہ کے قرب و جوار میں عرب اور بطارقہ نے بغاوت کر دی۔ واثق نے خالد بن یزید بن مزید کو فوج دے کر بھیجا باغی گھبرا گئے اور تحائف لے کر خالد کے پاس آئے اور اظہارِ اطاعت کیا۔ مگر اسحاق بن اسماعیل باغی رہا۔ خالد اس کی سرکوبی کو بڑھا کہ یکا یک مر گیا۔ اس کی ہمراہی فوج منتشر ہو گئی۔ واثق نے خالد کے لڑکے کو اس کے والد کے بجائے افسر

---

[1] ابن خلدون جلد ۳ صفحہ ۱۷۹ [2] ایضاً [3] ایضاً

افسر مقرر کر کے بھیجا اس نے نظام کو تو نصیبین روانہ کیا۔ پھر احمد بن خالد نے باغیوں کی پوری سرزنش کی اور انہیں قتل کر کے ان کے مکانات میں آگ لگا دی اور رضا دیہ اور اسحاق کو بالکل شکست دے کر اس علاقہ کو معقول انتظام کر کے دارالخلافہ لوٹ گیا۔[1]

خوارج کا فتنہ ۲۳۱ھ میں دیارِ ربیعہ کے خوارج نے سر اٹھایا۔ عالم بن ابی مسلم نے ان کے سرغنہ محمد بن عبداللہ کو گرفتار کر کے سامرا بھیجا جہاں وہ اپنے کئے کی سزا کو پہنچا۔

اصفہان کے کرد اصفہان اور فارس کے کردوں نے شورش مچا رکھی تھی۔ سپہ سالار وصیف ترکی نے اس شورش کو بقوت دبا دیا اور پانچ سو کرد گرفتار کئے جس میں سے زیادہ تر نوعمر غلام تھے۔

فتوحات واثق کے عہد میں سسلی میں اہم فتوحات ہوئیں ۲۲۸ھ میں فضل بن جعفر ہمدانی نے سسلی پر حملہ کیا اور سینی کے بندرگاہ پر فوجیں اتار کر مختلف سمتوں میں پھیلا دیں اور خود "ناہل" کی طرف بڑھا۔ یہاں کے باشندے طالبِ امان ہوئے۔ پھر شہر "مکان" کو ایک سال میں فتح کر لیا۔

۲۲۹ھ میں ابوالعباس اغلب بن فضل "شرۃ" تک بڑھتا چلا گیا۔ "اہل شرہ" نے روکنا چاہا لیکن انہوں نے بڑی شکست فاش کھائی۔ ان کے دس ہزار رومی کام آئے۔ مقابلہ میں ادھر مسلمان تین شہید ہوئے۔ ۲۳۲ھ میں فضل بن جعفر نے سینی کا محاصرہ کیا اور اس کو فتح کر لیا۔ اسی سنہ میں انکبردہ کے شہر طارنت میں مسلمان آباد کئے گئے۔

وزارت

محمد بن عبدالملک بن زیاتؒ ہی واثق کا وزیر رہا۔ پہلے واثق زیات سے خفا تھا مگر اس کی تحریر واثق کو پسند آئی اس لئے راضی ہو گیا اور دوسرے کاتبوں کو اس کے اسلوبِ تحریر کی تقلید کی ہدایت کی۔[1]

---

[1] ابن خلکان جلد ۲ صفحہ ۵۶۔

رفاہِ عام واثق باللہ نے اپنے عہد میں بہت سے ایسے کام کئے جن سے رعایا کو بہت فائدہ پہنچا۔ خلفاء ماسبق کے زمانے میں جہازوں سے بحری ٹیکس وصول کیا جاتا تھا۔ اس سے حکومت کو بڑی خطیر آمدنی ہوتی تھی لیکن واثق نے اس ٹیکس کو بند کر دیا[1]

خیرات و مبرات واثق کی طبیعت میں سخاوت کا مادہ تھا اس کی فیاضی اور داد و دہش نے اہلِ مکہ و مدینہ کو اپنی طرف مائل کر لیا تھا۔ جب اس کی موت کی خبر مدینہ پہنچی تو کہرام مچ گیا۔ مدینہ کی عورتیں ہر شب اس کی یاد میں بقیع میں جا کر روتی تھیں[2]

علویوں سے سلوک واثق نے علویوں کو ہر قسم کی آزادی دے رکھی تھی۔ وہ ان کے رتبہ کے مطابق ان کا اعزاز و احترام مرعی رکھتا تھا اور حسنِ سلوک سے پیش آتا تھا۔

خلق و تواضع خلق و تواضع واثق کی ممتاز خصوصیت تھی۔ بڑوں کا غیر معمولی احترام کرتا۔ احمد بن حمدون کہتے ہیں ایک مرتبہ ہارون بن زیاد واثق کا معلم تھا، واثق سے ملنے آیا۔ واثق نے ان کی انتہا درجہ تعظیم و تکریم کی۔ کسی نے پوچھا کہ یہ کون شخص ہیں جن کی آپ اس درجہ تکریم کرتے ہیں۔ واثق کہنے لگا کہ سب سے پہلے انھوں نے میری زبان ذکرِ خدا کے ساتھ کھولی تھی اور رحمتِ الٰہی سے مجھے قریب کیا تھا۔

حمدون کہتے ہیں کہ خلفاء میں کوئی شخص واثق سے بڑھ کر حلیم اور تکلیفوں پر صبر کرنے والا نہ تھا اور بعض اوقات ان صفات کے بالکل برعکس بھی کر بیٹھتا تھا۔

قدر دانی و صلہ گستری واثق کو شعر و شاعری سے بڑی دلچسپی تھی۔ ایک دن دربار میں شعراء جمع تھے۔ ایک کنیز نے اخطل کا

---

[1] ابن اثیر جلد ۷ صد ۱۱ [2] ابوالفداء جلد ۲ صد ۳۶ [3] تاریخ الخلفاء صد ۲۳۲ ۔

شعر گایا ہے

وشادن مرّ بنا بالکاس نادمنی	"ایک آہو برہ ہے جو مجھے شراب پلاتا ہے
یذنو بالحصور ولا فیھا بسوّار	جس میں نہ وہ بخیلی کرتا ہے نہ سوار (جھوٹا) چھوڑتا ہے"

واثق نے شعراء کو مخاطب کر کے سوار کے معنی پوچھے۔ کوئی صحیح نہ بتلا سکا۔ ابن الاعرابی نے بسند شعرائے عرب معنی بیان کر دیئے۔ واثق بہت خوش ہوا اور بیس ہزار درہم اس کو عطا کئے۔ ابو محلم کو ایک موقعہ پر ایک لاکھ دینار انعام میں عطا کئے۔

علمی مجلس ایک دن واثق کی مجلس میں حسین بن ضحاک اور مخارق کی بحث چھڑ گئی۔ ایک ابو نواس شاعر کو ترجیح دیتا تھا۔ دوسرا ابو العتاہیہ کو، واثق نے کہا کچھ شرط کر و۔ چنانچہ دوسو دینار شرط مقرر ہوئی۔ واثق نے دریافت کیا کہ کوئی عالم حاضر ہے۔ معلوم ہوا ابو محلم موجود ہیں ان سے یہ معاملہ رجوع کیا گیا۔ انہوں نے فیصلہ کیا کہ ابو نواس بہت بڑا شاعر ہے اور تمام اصنافِ سخن پر قادر ہے۔ چنانچہ اسی فیصلہ پر دو سو دینار حسین بن ضحاک کو دیدیئے گئے[1]

فنِ موسیقی سے لگاؤ شعر و شاعری کے ساتھ واثق کو فنِ موسیقی سے بھی دلی لگاؤ تھا صولی کہتے ہیں خلفاء میں راگ راگنی کا سب سے زیادہ عالم واثق ہوا ہے۔ واثق نے بہت سی طرزیں ایجاد کیں۔ عود بجانے میں اور اشعار و اخبار میں وہ سب سے بڑا استاد مانا جاتا تھا۔

واثق کو کھانے پینے کا بھی بڑا شوق تھا۔

یزید المہلبی کا بیان ہے کہ واثق بڑا پُرخور تھا۔

ابن فہم کہتے ہیں کہ واثق کے چاندی کے چار خوان تھے جن کو بیس آدمی اٹھا کر لاتے تھے۔ ہر خوان میں کٹورے کاسے کے اور آبخورے چاندی ہی کے تھے۔

---

[1] تاریخ الخلفاء صفحہ ۲۳۸۔

شرعی احکام کا احترام ایک دن کا واقعہ ہے کہ قاضی ابی داؤد واثق کے کھانے کے وقت آگئے۔ وہاں کا رنگ ڈھنگ دیکھ کر قاضی صاحب نے واثق سے کہا چاندی کے برتنوں میں کھانا منع ہے۔ واثق نے سنتے ہی خدام کو حکم دیا کہ سب چیزیں توڑ کر چاندی بیت المال میں داخل کر دیجائے[1]۔

آزاد خیالی مامون کے معتزلی مسلک نے اس کے اہلِ خاندان کو مسائل تقلید کے بجائے آزادانہ رائے کا حامی بنا دیا تھا۔

اس کے دربار میں مختلف علوم وفنون کے علماء کی دلچسپ صحبتیں ہوتی تھیں ان مجلسوں اور صحبتوں کا تفصیلی حال مسعودی نے لکھا ہے۔

مسئلہ خلق قرآن

معتصم کی طرح واثق بھی خلقِ قرآن اور رویتِ باری کے مسئلہ میں تشدد رکھتا تھا۔ چنانچہ اس نے محدث احمد نصر کو خود قتل کیا۔ یوسف بن یحییٰ فقیہ شافعی کو جیل بھیجا۔ نعیم بن حماد کو سزا دی اور اپنی پوری قوت و جبروت کو خلقِ قرآن کے مسئلہ کے منوانے میں صرف کرتا۔ مگر اہلِ حق صاف گوئی سے باز نہیں آتے تھے اور اُس کے مظالم سہتے تھے۔

قاضی ابی داؤد کا زوال حضرت ابوعبدالرحمٰن عبداللہ بن محمد الازدی ابوداؤد اور نسائی کے استاد بھی دیگر علماء کے ساتھ گرفتار کر کے سامرا لائے گئے اور قاضی ابی داؤد کے سامنے پیش ہوئے۔ ابوعبدالرحمٰن نے قاضی سے پوچھا کہ جو رائے تمہاری ہے اور جس کی طرف تم لوگوں کو بلاتے ہو اُس کا علم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی تھا یا نہیں؟ اور اگر تھا تو آپ نے لوگوں کو اس مسئلہ کی طرف کیوں نہ بلایا۔ ابن ابی داؤد نے کہا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

---

[1] تاریخ الخلفاء صفحہ ۲۳۸۔

کو اس کا علم تھا۔ ابو عبدالرحمٰن نے کہا جو کام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں کیا وہ تم کیوں کرتے ہو؟ جو کام آپ نے ناجائز سمجھا اس کو تم نے کیسے جائز قرار دیا۔ کہتے ہیں یہ جواب سُن کر لوگ حیران رہ گئے اور واثق ہنس پڑا اور اپنے مُنہ پر ہاتھ رکھتے ہُوئے محل سرا میں چلا گیا اور لیٹ رہا۔ بار بار کہتا تھا کہ جس بات کو رسول اللہؐ نے ناجائز قرار دیا اسے ہم جائز سمجھ رہے ہیں۔ جس معاملہ میں آپؐ نے خاموشی اختیار کی ہم اس میں سختی کر رہے ہیں۔ چنانچہ ابو عبدالرحمٰن کو تین سو دینار نذر کئے اور ان کو باحترام ان کے وطن واپس کیا۔ اس دن سے واثق ابی داؤد سے ناخوش ہو گیا [۱]

خطیب بغدادی کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ واثق نے اپنی موت سے پہلے اس عقیدہ سے رجوع کر لیا تھا اور امام احمد بن حنبل کو قید سے اس نے ہی رہا کیا تھا [۲]

وفات ذی الحجہ ۲۳۲ھ کو واثق استسقاء میں مبتلا ہُوا۔ اطباء نے گرم تنور میں بٹھا کر بھاپ دلائی جس سے افاقہ ہوا۔ دوسرے دن تنور کو زیادہ گرم کرا دیا۔ اس کے اثر سے بخار چڑھا۔ یہی موت کا پیغام تھا۔ وفات کے وقت ۳۲ سال کی عمر تھی۔ مدتِ خلافت ۵ سال نو ماہ ہے۔ موت کے قریب یہ اشعار بار بار پڑھتا تھا ؎

الموت فیه جمیع الخلق مشترك	"موت میں تمام خلقت مشترک ہے نہ اس سے کوئی
لا سوقة منهم یبقی ولا ملك	بازاری بچنے پاتا ہے نہ بادشاہ نہ فقیروں کو دنیا
ما ضر اهل قلیل فی تفاقرهم	چھوڑنے میں افلاس مانع آتا ہے نہ بادشاہوں کے
ولیس یغنی عن الملاك ما ملكوا [۳]	ملک اُن کو فائدہ پہنچاتے ہیں"

حُلیہ نہایت خوش منظر اور سڈول جسم، رنگ سرخ و سپید، بائیں آنکھ میں پھلی تھی [۴]

---

[۱] تاریخ الخلفاء صفحہ ۲۲۳ [۲] ایضاً [۳] تاریخ کامل ابن اثیر جلد ۷ صفحہ ۱۰ [۴] ایضاً و الفخری صفحہ ۲۱۴

آثارِ واثق

واثق کو تعمیرات سے بھی بہت شوق تھا۔ سامرا میں اپنے ذوق سے چند محل تعمیر کرائے تھے۔ قصر الحتری جو اس کے باپ نے ابلق گھوڑوں والی پہاڑی پہ تعمیر کیا تھا جہاں سے پورے شہر سامرا کا نظارہ طائر نگاہ کے سامنے آجاتا تھا۔ اس کے علاوہ قصر مائدۃ لازوال قصر قوت القلوب، قصر سرو رالعیون، قصر النفحات، قصر فردوس عیش، واثق کے اپنی مرضی کے تعمیر کردہ تھے۔ اس کے زمانہ میں سامرا فخر البلاد بنا ہوا تھا۔

بیمارستان واثق کے دادا ہارون نے جس طرح بغداد میں بیمارستان قائم کیا تھا اس نے سامرا میں اس کی تعمیر کرائی اور حکیم سیمویہ کو اس کا نگران مقرر کیا۔

علمی ترقی

واثق نے ترویج علم کی طرف زیادہ توجہ نہیں کی مگر بغداد کی علمی چہل پہل روز افزوں تھی۔ صدہا درس گاہیں تھیں۔ حدیث کے حلقے قائم تھے۔ اس کے علاوہ واثق کے عہد کے علماء بڑے پایہ کے تھے۔ امام احمد بن حنبل کی جلالتِ شان سے کون انکار کر سکتا ہے باوجودیکہ امام کو حکومت نے سخت تکالیف دیں۔ قید میں رکھا کوڑے مارے گئے۔ مگر امام جمع نشر و اشاعتِ حدیث میں لگے ہوئے تھے۔

احادیث کے مجموعے چنانچہ امام نے دو لاکھ احادیث میں سے تیس ہزار کا مجموعہ مرتب کیا جو مسند کے نام سے مشہور ہے آپ نے اس کی صحت کی خاطر ستر ہزار جھوٹی حدیثیں یاد کر رکھی تھیں اور مسندِ ابوداؤد طیالسی (۲۱۴) مسندِ اسد بن موسیٰ الاموی، مسندِ نعیم بن حماد خزاعی (۲۲۸ھ) مسندِ عبد بن حمید (۲۴۲) حدیث کے مجموعے تیار ہوئے جن میں اسحاق بن راہویہ کا مجموعۂ حدیث زیادہ مشہور ہے۔

مصنفِ عبدالرزاق (۲۱۱) سننِ سعید بن منصور (۲۲۵) بھی قابلِ ذکر ہیں۔

فتنۂ وضع حدیث

منصور عباسی سے پہلے سے وضّاعِ حدیث اپنی فتنہ پردازی میں سعی بلیغ کر رہے تھے۔ مگر ہادی کے زمانے میں ان زندیقوں کو اپنے کئے کی بہت کچھ سزا ملی۔ مامون کے عہد میں علوم عقلیہ کی گرم بازاری نے حکومت کو زندیقوں کی طرف متوجہ نہ ہونے دیا معتصم اور واثق کے عہد میں ایک تو اعتزال کی گرماگرمی تھی پھر محدثین پہ یہ مسئلہ خلق قرآن کی بدولت زجر و توبیخ حکومت کی طرف سے ہو رہی تھی اس لیئے حدیث گھڑنے والوں کو کافی فرصت ملی۔ چنانچہ معتصم اور واثق کے عہد میں واضعینِ حدیث کثرت سے پیدا ہو گئے۔

ایک دن امام احمد بن حنبل اور یحیٰی بن معین مسجد رصافہ میں نماز پڑھ رہے تھے ان کے سامنے ایک واعظ کھڑا ہوا اور کہنے لگا کہ مجھ کو حدیث پہنچی ہے۔ احمد بن حنبل اور یحیٰی بن معین سے اور ان دونوں کو عبدالرزاق سے اور اس کو معمر سے اور معمر کو انس سے، حضرت انس نے کہا، فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو شخص کہے لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ تو اللہ تعالے اس کے ہر ایک کلمہ سے ایک جانور پیدا کرتا ہے جس کی چونچ سونے کی ہوتی ہے الخ

اس قصہ کو قریب بیس ورقوں کے بیان کیا۔ امام احمد بن حنبل نے یحیٰی بن معین کی طرف دیکھ کر پوچھا۔

”کیا تم نے یہ حدیث ان سے بیان کی ہے؟“

انہوں نے کہا۔ خدا کی قسم! ئیں نے اس واعظ کو دیکھا تک نہیں چہ جائیکہ اس کو حدیث سُناتا۔ اتنے میں وہ قصہ گو حاضرین سے خیرات لیتا ہوا ان دونوں تک آیا۔ انہوں نے اس سے پوچھا تو نے یہ حدیث کس سے لی ہے؟ اور ہمارے نام احمد بن حنبل اور یحیٰی بن معین ہیں۔ تو نے ہم پر افترا کیا ہے۔ اُس نے کہا مَیں نے سُنا تھا ابن معین احمق ہے لیکن اب یقین ہو گیا۔ کیا اس نام کے اور نہیں ہو سکتے۔ میں نے ۱۷ احمد بن حنبل اور ابن معین سے یہ روایت لکھی ہے۔

یہ کہہ کر ٹھٹھا لگاتا ہُوا مسجد سے چلتا ہُوا۔ یہ دونوں بزرگ منہ دیکھتے رہ گئے۔

کسی نے ابوعصمہ سے پوچھا کہ مالک کی روایت عکرمہ سے اور عکرمہ کی انس وابن عباس سے قرآن کی سورتوں کے فضائل میں تم نے کہاں سے پائیں۔ ابوعصمہ نے کہا میں نے دیکھا کہ لوگ قرآن کو چھوڑ کر ابوحنیفہ کی فقہ اور محمد بن اسحاق کی تاریخ کی طرف زیادہ متوجہ ہو گئے ہیں۔ اس لئے بہ نظر ثواب میں نے ان حدیثوں کو بنایا ہے۔

ابوعصمہ، نوح ابن مریم المروزی، محمد بن عکاشہ کرمانی، احمد بن عبداللہ جوئباری، ابن تمیم فرمانی وغیرہ بہ نظر ثواب حدیثیں بناتے تھے۔ سہل بن عبداللہ التستری کا بیان ہے کہ ان لوگوں نے دس ہزار حدیثیں بنائی تھیں[1] جو بعض کتب احادیث میں شامل ہیں۔

اس عہد میں ائمہ فن کو یہ خیال دامنگیر تھا کہ ان تمام مجموعوں سے نہایت صحیح و مستند روایتیں التقاط کر کے مثل مؤطا کے جمع کر دی جائیں۔

ایک دفعہ امام اسحاق بن راہویہ کا حلقۂ درس جما ہُوا تھا۔ امام محمد اسماعیل بخاری بھی حاضرِ درس تھے۔ امام ابن راہویہ نے تمام تلامذہ سے مخاطب ہو کر کہا۔ کاش تم میں سے کوئی صحیح حدیثوں کا ذخیرہ جمع کر دیتا۔

امام بخاری کہتے ہیں کہ امام کے اس قول نے میرے دل میں نہایت گہرا اثر کیا اور میں اس پر آمادہ ہُوا کہ استاد کی تمنا کو پورا کروں۔ چنانچہ سولہ سال کی مدت میں جامع صحیح مرتب کی اور امام علی بن مدینی، امام احمد بن حنبل، یحییٰ بن معین وغیرہم کے آگے اس جامع صحیح کو پیش کیا۔ سب نے اُسے اچھا بتایا۔ اور اس کی صحت کی گواہی دی[2]

مؤطا منصور کے زمانے میں مرتب ہوئی۔ بخاری شریف واثق کے

---

[1] تحذیر المسلمین صفحہ ۴ مطبوعہ مدراس ۱۳۰۴ھ [2] مقدمہ فتح الباری از علامہ ابن حجر عسقلانی۔

عہد میں تکمیل کو پہنچی۔

اسماء الرجال کی پہلی تصنیف

یحییٰ بن معین فنِ اسماء الرجال کے بڑے امام ہیں۔ وہ جرح وتعدیل میں کسی شخص کے رتبہ وحیثیت کی پرواہ نہ کرتے تھے۔ سلاطین وقضاۃ سے لے کر مقتداؤں اور پیشواؤں تک کے اخلاق و اعمال کی سراغ رسانی کر کے نکتہ چینی کرتے تھے۔ ان کے مذموم اوصاف تک کو افشاء کر دیتے اور اظہارِ حق میں کسی لومۃ لائم اور ملامت گر کی پرواہ نہیں کرتے تھے۔ ہر قسم کی طعن وتشنیع کو حدیث کی محبت وحفاظت میں خلوصِ نیت کو مدِ نظر رکھ کر گوارا کیا کرتے۔ ان کے استاد یحییٰ بن سعید القطان نے اسماء الرجال پر پہلی کتاب لکھی[1] اس کے بعد دوسرے مجموعے تیار ہوئے۔

علومِ عقلیہ

مامون کے زمانے سے واثق کے عہد تک علومِ عقلیہ کی بے حد ترقی ہوئی۔ معتصم کے عہد میں بیت الحکمت کا کام جاری رہا۔ واثق کو بھی اس سے دلچسپی تھی۔ اس نے از سرِ نو اس کو ترقی دی۔ بڑے بڑے مترجم بیت الحکمت میں ملازم رکھے۔ خود فلسفہ سے ذوق رکھتا تھا۔ اس کے دربار میں فلسفی شریک ہوا کرتے۔ واثق ان سے مباحثہ کرتا تھا[2]۔ یوحنا بن ماسویہ کو ندیم بنایا اور ان کو دولت سے مالا مال کیا[3]

ایک موقعہ پر تین لاکھ درہم عطا کئے مگر متکلمین کی زیادہ پذیرائی تھی بالخصوص

---

[1] دیباچہ میزان الاعتدال ذہبی [2] مروج الذہب ذکر خلافت واثق باللہ

[3] طبقات الاطباء تذکرۂ یوحنا بن ماسویہ

معتزلہ کی۔ البتہ اس کے عہد میں بنو موسیٰ بن شاکر کی رصدگاہ جو بغداد میں سنہ ۸۵۰ء میں قائم ہوئی تھی، سنہ ۸۸۰ء تک اس میں مشاہداتِ فلکی کا کام منجمین کرتے رہے۔

المسالک والممالک واثق کے عہد میں ابن خرداذبہ (امام ابوالقاسم عبداللہ محمد بن خرداذبہ) جغرافیہ نویس تھا۔ یہ زردشتی نومسلم کی اولاد سے تھا وہ صوبہ جبال میں محکمہ برید و احتساب کا افسر اعلیٰ تھا ۲۳۰ھ میں اس نے المسالک والممالک فنِ جغرافیہ میں لکھی۔

حکیم سلمویہ ابن ہندا المامون اور المعتصم کے زمانوں کا نسطوری طبیب تھا معتصم کا طبیبِ خاص رہا۔ واثق کی اس پر نظرِ عنایت تھی۔ اُس نے ہی حُنین کو جالینوس کی تصنیف میں مدد دی تھی۔ اواخر ۸۴۰ء میں انتقال کیا۔

مؤرخین واثق کے عہد میں ابو محمد عبدالملک ابن ہشام ابن ایوب الحمیاری البصری بہت بڑا مؤرخ تھا۔ اس کی عمر کا آخری زمانہ فسطاط میں گزرا ہیں ۲۵۲ھ ، ۸۳۳ء میں انتقال ہُوا۔ مصنف سیرت الرسول ہے۔ (جو سیرت ابن ہشام کے نام سے مشہور ہے اور سیرت کی نہایت اہم کتاب سمجھی جاتی ہے۔)

محمد بن سماعہ بن عبداللہ کوفی فقیہ، محدث، ۲۳۳ھ میں انتقال کیا۔ نوادر ابن سماعہ اور ادب القاضی تصنیفی یادگار ہیں۔

حاتم بن اسماعیل الاصم بلخی صاحب مقامات تھے ۲۳۷ھ میں وصال ہُوا۔

بشر بن الولید بن خالد کندی، امام ابو یوسف کے اصحاب میں سے ہیں۔ محدث صالح و عابد ۲۳۸ھ میں وصال ہُوا۔

داؤد بن رشید خوارزمی، امام محمد کے اصحاب سے ہیں۔ فقیہ و محدث ہیں۔

۲۳۹ھ میں وفات پائی [1]

دیگر ہم عصر علماء

احمد بن یونس، اسمٰعیل بن عمرو البجلی و سعید بن منصور صاحب السنن و محمد بن الصباح الدولابی صاحب سنن ابو الولید الطیاسی، خلف بن ہشام البزار (مشاہیر القراء) عبداللہ بن محمد السندی، نعیم بن حماد الخزاعی (راکابر جہمیہ سے تھا۔)

علی بن جعد الجوہری، محمد بن سعد کاتب الواقدی، مصنف کتاب الطبقات نسعید بن محمد الجرمی احمد بن نصر الخزاعی، امیہ بن بسطام، کامل بن طلحہ، محمد بن سلام الجمعی، یحییٰ بن بکیر راوی المؤطا عن امام مالک محمد بن الہذیل بن عبداللہ بن مکحول معروف العلاف متکلم متوفی ۲۳۵ھ۔

(ابن خلکان جلد ا صفحہ ۴۸)



[1] البدایہ والنہایہ جلد ۱۰ صفحہ ۳۰۳ تا ۳۰۸۔



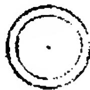
خلافتِ بنی عباس

حصّہ دوم

جس میں اٹھائیس عباسی حکمرانوں متوکل سے لے کر مستعصم تک کے تمام تاریخی حالات ایک خاص اسلوب سے جمع کیے گئے ہیں۔ اسی کے ساتھ سلاطینِ بویہ، سلاجقہ زنگی، ایوبی، علویین اور باطنیہ وغیرہ کی تاریخ کا جامع خلاصہ بھی پیش کیا گیا ہے۔

ادارۂ اسلامیات

۱۹۰- انارکلی لاہور



خلیفہ المتوکل علی اللہ جعفر

نام ونسب متوکل علی اللہ جعفر بن معتصم بن ہارون الرشید۔ ان کی والدہ کا نام "شجاع"، خوارزمی تھا جو ام ولد تھی۔ شوال ۲۰۶ھ میں متوکل کی ولادت مقام فہم الصلح میں ہوئی۔

تعلیم وتربیت متوکل، واثق کا ہم سبق رہا مگر واثق کی سی لیاقت نہ تھی۔ مذہب میں تقلید کا حامی تھا۔

خلافت واثق نے کسی کو ولی عہد نہیں کیا تھا۔ اس کی وفات کے بعد قاضی احمد بن ابی داؤد معتزلی، امیر ایتاخ، امیر عمر بن فرج اور ابوالزیات وغیرہ قصرِ خلافت میں مجتمع ہوئے اور محمد بن واثق باللہ کو جو ایک نوعمر لڑکا تھا تختِ خلافت پر بٹھلانے کی غرض سے سیاہ لباس وزیرہ پہنائی۔ اتفاق سے بوجہ کم عمری لباس بڑا اور وہ چھوٹا نکلا۔ امیر وصیف نے حاضرین سے مخاطب ہو کر کہا۔

"کیا تم لوگ اللہ تعالیٰ سے نہیں ڈرتے ہو جو ایسے کم عمر صاحبزادے کو سریرِ خلافت پر متمکن کیا چاہتے ہو"

حاضرین یہ سُن کر چپ کنے سے ہو گئے۔ مستحقینِ خلافت کی بابت رائیں قائم کر کے جعفر بن معتصم پر متفق الرائے ہوئے۔ جب جعفر حریم خلافت سے باہر آئے تو قاضی احمد بن داؤد نے فوراً اُن کو لباس فاخرہ پہنایا۔ عمامہ باندھا۔ دست بوسی کر کے کہا۔

"السلام علیک یا امیر المومنین ورحمۃ اللہ وبرکاتہ"

سب ارکینِ سلطنت نے بیعت کی اور المتوکل علی اللہ کا لقب دیا گیا۔ یہ واقعہ ۲۴ ذی الحجہ ۲۳۲ھ کا ہے۔ اس وقت متوکل کی عمر ستائیس سال کی تھی۔ خلیفہ

متوکل نے بیعت لینے کے بعد خلیفہ واثق باللہ کی نمازِ جنازہ پڑھائی اور دفن کرنے کا حکم دیا۔ بعدازاں شاہی لشکر کو آٹھ ماہ کی تنخواہ مرحمت فرمائی۔

نظمِ اعمال غانم بن محمد طوسی کو حکومتِ موصل پر بحال رکھا۔ ابن عباس محمد بن صولی کو دیوان نفقات سے معزول کیا اور اپنے بیٹے منتصر کو حرمین، یمن اور طائف کی حکومت عنایت کی[1]

احیاءِ سنّت متوکل نے عنانِ خلافت ہاتھ میں لیتے ہی اپنا میلانِ طبع احیاءِ سنت کی طرف ظاہر کیا۔ مسئلہ خلق قرآن کی پابندی اُٹھا دی گئی بلکہ محدثین کی دلجوئی اور اُن کی ہر قسم کی معاونت کی۔ ۲۳۴ھ میں تمام محدثین کو سامرہ مدعو کیا۔ اور جب مجتمع ہو گئے تو اُن کی تواضع و مدارت اُن کے شایانِ شان کی۔ انعام واکرام سے بھی نوازا اور حکم دیا کہ "صفات" و "رؤیتِ الٰہی" کے متعلق محدثین اپنے وعظوں اور مجلسوں میں بیان کیا کریں۔ چنانچہ ابوبکر بن ابی شیبہ محدث کو جامع رصافہ میں اور ان کے بھائی عثمان کو جامع منصور میں اشاعتِ حدیث پر مقرر کیا[2]۔ ان بزرگوں کے وعظ میں روزانہ تیس تیس ہزار آدمی شریک ہوتے تھے۔ رعایا پر اس عمل کا بڑا اچھا اثر پڑا۔ متوکل کے حق میں دعائیں ہونے لگیں۔

مدحِ متوکل

از

ابوبکر بن الخبازہ

وبعد فان السنۃ الیوم اصبحت	معززۃ حتی کان لم تذلل
تغول وتسطو اذا قیم منارھا	وحط منار الافک والزور من عل
وولی اخو الابداع فی الدین ھاربا	الی النار یھوی مدبرا غیر مقبل
شفی اللہ منھم الخلیفۃ جعفر	خلیفۃ ذی السنۃ المتوکل[3]

---

[1] ابن خلدون جلد ۳ کتاب ثانی صد ۱۸۱ [2] ضحی الاسلام جزء ثالث صد ۱۹۰ [3] ایضاً

ہلاکت ابن زیات

واثق اپنی زندگی میں متوکل سے بے حد ناخوش تھا تو وزیر محمد بن عبدالملک بن زیات بھی متوکل سے برگشتہ رہتا تھا۔ دیگر امراء بھی منحرف تھے۔ البتہ قاضی احمد بن داؤد معتزلی متوکل کا خیر خواہ تھا اور وہ واثق کے سامنے کلمۂ خیر اکثر کہہ دیا کرتا۔

چنانچہ، صفر ۲۳۳ھ میں خلیفہ نے ابن زیات اور اس کے تمام خاندان کو گرفتار کر لینے کا حکم دیا اور کل جائداد اس کی بحق سرکار ضبط کی گئی۔ قید میں ابن زیات کو ڈال کر اکتالیس دن سخت عذاب دیئے اور تنور میں بند کر دیا جہاں یہ گھٹ کر ہلاک ہو گیا۔ اس کے بعد عمر بن فرج کاتب اور اس کے بھائی جس نے تنخواہ کے کاغذ ایک موقعہ پر متوکل کی مسجد کے صحن میں پھینک دیئے تھے اس کو بھی پکڑوا بلوایا ۲۷۰۰۰ دینار ۱۵۰۰۰ درہم ان سے وصول کئے اور اس کی املاک بھی ضبط کی گئی۔ آخر میں ایک کروڑ درہم لے کر متوکل نے اہواز کی جاگیر واگذاشت کر دی اور قید سے رہا کر دیا۔

ابن بعیث کی بغاوت

آذربائیجان کا رئیس محمد بن بعیث بن جلیس باغی ہو کر ۲۳۴ھ میں قلعہ بند ہو گیا۔ مگر متوکل نے ترکیب سے سامرا بلا کر اس کو قید کر دیا۔ بغا شرابی کی سفارش پر چھوٹا تو "مرند" کے قلعہ کو مستحکم کر کے حکومت سے مقابلہ کے لئے تیار ہو گیا۔ ربیعہ اور دوسرے قبیلہ کے لوگ اس کے شریک ہو گئے۔ یہاں کا ان دنوں حاکم محمد بن حاتم تھا وہ اس کے مقابلہ کی تاب نہ لا سکا۔ اس کے بجائے حمدویہ بن علی بن فضل مقرر ہوا اس نے قلعہ کو گھیر لیا۔ مگر اس کی فوج سے قلعہ تسخیر نہ ہو سکا تو بغا شرابی دو ہزار سوار اور کثیر پیادوں کے ساتھ اس کی سرکوبی کے لئے روانہ ہوا۔

اِدھر امیر عیسیٰ بن شیخ نے خفیہ طور پر ابن بعیث کے ساتھیوں کو جان بخشی کا پیام بھیجا۔ وہ سب اس سے علیحدہ ہو گئے تو ابن بعیث بلا مددگار کے تنہا رہ گیا تو راہِ فرار اختیار کی مگر راستہ میں گرفتار ہوا اور سامرا لا کر قید کر دیا

گیا۔ وہیں عمر طبعی پاکر مر گیا۔[1]

فتنہ محمود بن فرج نیشاپوری

۲۳۵ھ میں محمود نے سامرا میں نبوت کا دعویٰ کیا اور اُس نے کہا کہ میں ذوالقرنین ہوں اور خود ساختہ کتاب بھی پیش کی کہ یہ الہامی ہے اس کو گرفتار کر لیا۔ ۲۷ آدمی اُس پر ایمان لانے والے پائے گئے جو پکڑ لئے گئے۔ محمود متوکل کے سامنے حاضر کیا گیا اور اس نے اس کے قتل کا حکم دے دیا اور اُس کے پیروؤں کو جیل میں بند کرا دیا گیا۔

بطارقہ ارمینیہ کی شورش

آرمینیہ اور آذربائیجان کی ولایت پر بغا شرابی مامور کیا گیا۔ اُس نے ابوسعید محمد مروزی کو اپنا نائب مقرر کر کے وہاں بھیجا۔ شوال ۲۳۶ھ میں وہ فوت ہو گیا تو اُس کے بیٹے یوسف کو نیابت ملی۔

آرمینیہ کے بطریق اعظم بقراط بن اشوط نے بغاوت کر دی تو یوسف نے اس کو گرفتار کر کے متوکل کے حضور سامرا بھیج دیا۔ اس کی وجہ سے تمام بطارقہ برہم ہو گئے۔ انھوں نے باشندوں کو اُبھار کر یوسف کے مقابل لا کھڑا کر دیا۔ یوسف ان دنوں شہر "طرون" میں مقیم تھا۔ آرمینیوں نے طرون کا محاصرہ کر لیا۔ اس نے نکل کر بلوائیوں کا مقابلہ کیا جس میں معہ ساتھیوں کے کام آیا۔ متوکل کو خبر لگی تو اس نے بغا شرابی کو بھیجا۔ اُس نے جزیرہ کی طرف سے پہنچ کر پہلے "ارزن" کا محاصرہ کیا۔ وہاں کا امیر موسیٰ بن زرارہ تھا جس نے یوسف کے قتل میں آرمینیوں کا ساتھ دیا تھا اس کو بغا نے گرفتار کرا کے سامرہ بھیج دیا اور خود امیر بغا خونثیہ کی طرف بڑھا۔ جس کے دامن میں باغی مجتمع تھے۔ بغا نے ان پر حملہ بول دیا۔ بیس ہزار آرمینی مارے گئے اور بیشمار قید ہوئے۔ اس فتح یابی کے بعد بغا آرمینیہ سے گزرتا ہوا دبیل اور تفلیس

---

[1] ابن خلدون جلد، کتاب ثانی صفحہ ۲۷۴۔

تک گیا۔ وہاں کا حاکم اسحٰق بن اسمٰعیل تھا۔ اس کو بھی مقابلہ میں زیر کیا اور قتل کرا دیا۔ پھر بغا صفاریہ گیا وہاں شکست اٹھانی پڑی۔ اہل صفاریہ نے روم، خزر اور صقالبہ کی مدد حاصل کی تھی۔ فوج گراں مقابلہ کے لئے جمع ہو گئی تو متوکل کو خبر دی گئی۔ اس نے خالد بن یزید شیبانی کو اس مہم پر مامور کیا۔ اس کے آنے سے یہ سب لوگ منتشر ہو گئے۔ خالد نے دوبارہ امان کی تجدید کر دی۔ اس طرح یہ فتنہ ختم ہوا[1]

دولت یعفریہ

صنعاء پر عہد معتصم میں جعفر بن سلیمان عامل مقرر کیا گیا تھا۔ اس نے اپنا نائب عبدالرحیم بن ابراہیم کو مقرر کر کے صنعاء بھیج دیا۔ اس نے صنعاء کا انتظام اچھا کیا۔ اس کے بعد اس کا بیٹا یعفر صنعاء کے انتظام میں لگ گیا۔ باشندے اس کے گرویدہ ہو گئے تو اس نے ۲۴۷ھ میں خود مختاری کا علم بلند کر دیا۔ یہ ریاست ۳۸۷ھ تک یعفر کے خاندان میں رہی۔ محمد بن یعفر، عبدالقادر بن احمد بن یعفر، ابراہیم بن محمد، سعد بن ابراہیم، محمد بن ابراہیم، عبداللہ بن قحطان صنعاء کے حکمران رہے۔

یعقوب بن لیث صفاری ۲۳۷ھ میں لبسنت کے باشندے صالح بن نصر نے سجستان پر قبضہ جمایا۔ یعقوب بن لیث صفاری جو پہلے سے حکومت عباسیہ سے منحرف ہو چکا تھا اس کے ساتھ ہو گیا۔ لیکن امیر طاہر بن عبداللہ بن طاہر والئ خراسان نے صالح کی گوشمالی کر دی اور سجستان کو واپس کر لیا۔ اس کے کچھ عرصہ بعد موقعہ پا کر امیر درہم بن حسین نے بلا مزاحمت سجستان پر قبضہ کیا۔ اس کے ساتھ یعقوب بھی ہو گیا۔ درہم میں فوجی لیاقت نہ تھی۔ یعقوب نے اس کی فوج کی باگ ڈور اپنے ہاتھ میں لے لی۔ جب درہم کے ہمراہیوں

---

[1] یعقوبی جلد ۲ صفحہ ۵۹۹۔

نے اپنے سردار کی کمزوری دیکھی وہ یعقوب کے ہمنوا ہو گئے اور اس کو اپنا سردار بنا لیا۔ درہم ان سے جدا ہو گیا۔ امیر یعقوب نے سجستان کا بہت اچھا انتظام کیا اور فوجی قوت کو بہت بڑی ترقی دی اور چند دنوں میں اس کی قوت اتنی بڑھ گئی کہ اس کے بھروسہ پر اس نے سجستان میں اپنی مستقل حکومت قائم کر لی جو صفاریہ حکومت کے نام سے تاریخوں میں مذکور ہے۔ اس دولت کا تفصیلی حال آگے آتا ہے۔

رومیوں کا حملہ مصر پر

رومیوں نے ۲۳۸ھ میں تین سو جنگی کشتیوں میں فوج بھر کر دمیاط کی طرف سے مصر پر حملہ کیا۔ امیر مصر فسطاط میں مقیم تھا وہاں دربار ہو رہا تھا۔ تمام بحری محافظ شرکت کے لئے گئے ہوئے تھے۔ دمیاط پر رومی بلا مقابلہ قابض ہو گئے شہر کو لوٹ لیا۔ جامع مسجد میں آگ لگا دی۔ باشندوں میں سے مردوں کو قتل کیا اور عورتوں کو پکڑ لے گئے۔ ابھی کشتیاں روانہ نہیں ہوئی تھیں کہ ایک مسلمان امیر یسیر بن اکشف جو اس وقت قید میں تھا۔ بیڑیاں توڑ کر قید خانہ سے نکل آیا۔ بہت سے راہگیر اس کے ساتھ ہو گئے۔ اس نے رومیوں پر حملہ بول دیا۔ ان کی اچھی خاصی جماعت تہ تیغ کر دی۔ تاب مقابلہ نہ لا کر رومی بھاگ کر اشتوم تینس پہنچے۔ یہاں پر بھی لوٹ مچائی اور آہنی پھاٹک اٹھا کر چلتے بنے[1] اس واقعہ کے بعد متوکل نے دمیاط میں قلعے تعمیر کرائے[2] اور سرحد کی حفاظت کا معقول انتظام کیا۔

اہل حمص کی بغاوت

۲۴۰ھ میں اہل حمص نے بغاوت کر دی۔ یہاں کا حاکم ابو المغیث موسیٰ ابن ابراہیم تھا۔ اس کو حمص سے بے دخل کر دیا۔ متوکل کو اطلاع پہنچی۔ اس نے محمد بن عبدویہ کو حمص کا حاکم مقرر کر کے ان کے ساتھ عتاب بن عتاب کو باغیوں کی سرکوبی کے لئے بھیجا۔ ان دونوں نے حمص جا کر باغیوں کی سرکوبی کر کے ان کی طبیعت میں سکون پیدا کر دیا۔ مگر کچھ دن

---

[1] ابن اثیر جلد ۷ صفحہ ۲۲ [2] کتاب الولاۃ صفحہ ۲۰۱

نہ گزرے کہ ان میں پھر بغاوت کا فتنہ اُٹھ کھڑا ہُوا تو محمد بن عبدویہ نے ان کے سربر آوردہ اشخاص کو گرفتار کر کے پابجولاں سامرہ بھجوا دیا۔ اور جب ابن عبدویہ حمص میں امن وامان کر کے دارالخلافہ واپس آیا تو ان سب کو کوڑوں سے اتنا پٹوایا کہ وہ ڈھیر ہو گئے۔ پھر ان کی لاشوں کو سُولی پر لٹکا دیا اور حمص کے جس قدر فتنہ پرور لوگ تھے اسی طرح سے ان کا خاتمہ کرا دیا گیا۔[1]

مُسلمان قیدیوں کا تبادلہ

۲۴۱ھ میں روم کی ملکہ تدورہ تھی وہ بڑی ظالمہ عورت تھی۔ اس کے قبضہ میں بارہ ہزار مسلمان قید تھے۔ اس نے بہت سوں کو عیسائی کر لیا۔ بڑی تعداد قتل کی گئی جو بچے متوکل کو کہلا بھیجا کہ اگر وہ ضرورت سمجھے تو فدیہ دے کر انہیں چھڑا لے۔ چنانچہ متوکل نے شنیف خادم اور جعفر بن عبدالواحد قاضی القضاۃ بغداد کو روم بھیج کر مسلمانوں کو چھڑا منگایا۔ بارہ ہزار میں سے صرف ۷۸۵ مرد اور ۱۲۵ عورتیں باقی بچی ہوئی تھیں۔[2] ایک سو سے زیادہ ذمی عیسائی بھی رومیوں کے قید خانے میں تھے۔ قاضی صاحب نے فدیہ دے کر ان کی بھی گلو خلاصی کرائی اور آزاد کر دیا۔ جہاں چاہیں رہیں۔

مصر پر بجاۃ کی یورش

شرقاً وغرباً دریائے نیل اور بحر احمر اور شمالاً وجنوباً مصر وحبشہ کے درمیان ایک قوم آباد تھی جن کو "بجاۃ" کہتے تھے۔ وحشی اور کافرانہ ان کی زندگی تھی۔ ان کے علاقہ میں چاندی وسونے وجواہرات کی کانیں کثرت سے تھیں۔ اوّلین صدی میں مسلمانوں نے ان کو جنگلی سمجھ کر نظر انداز کیا۔[3] دوسری صدی میں عبیدہ ابن حجاب نے ان سے معاہدہ کیا۔ پھر مامون الرشید کے زمانے میں عہدنامہ کی تجدید ہوئی اور وہاں ربیعہ اور جہینہ قبائل آباد ہو گئے۔ یہ لوگ سو مثقال سونا سالانہ مصر کو دیا کرتے تھے۔ متوکل کے عہد میں انہوں نے بند کر دیا اور جو مسلمان سونے وجواہرات کی کانوں میں کان کنی کرتے تھے

---

[1] ابن اثیر جلد ۷ صفحہ ۲۴ [2] [3] انسائیکلو پیڈیا آف اسلام جلد اوّل صفحہ ۶۸۷۔

ان کو قتل کر دیا جو بچ رہے وہ بھاگ گئے۔ اس پر طرہ یہ کہ ۲۴۱ھ میں بجاۃ نے مصر پر تاخت کی۔ متوکل کو ان کی خودسری نے برافروختہ کر دیا۔ اس نے محمد بن عبداللہ قمی کو ان کی سرکوبی پر مامور کیا اور عنبسہ بن اسحاق ضبئی کو لکھا کہ قمی کو فوج و ساز و سامان سے مدد دے۔ قمی بیس ہزار رضا کاروں کے ساتھ طویل سفر کے بعد بے آب و گیاہ میدان کو طے کر کے بجاۃ پہنچا اور رسد کا سامان جہاز سے قلزم کی راہ سے روانہ کیا۔ یہاں کا فرمانروا علی بابا تھا اس سے سخت مقابلہ ہوا مگر قمی کو یہ سوجھی کہ گھوڑوں کی گردنوں میں گھنٹیاں باندھکر میدانِ مصاف میں پہنچا جائے۔ دشمن کے فوجی شتر سوار ہوتے ہیں اور شتر گھنٹی کی آواز سے بدکتے ہیں۔ چنانچہ اس تدبیر سے فوجِ علی بابا کو شکست ہوئی۔ علی بابا قمی کی امان میں آگیا اور چار سال کا واجب الادا خمس چار سو مثقال سالانہ کے حساب سے ادا کیا۔ اپنے لڑکے لعین کو قائم مقام کر کے قمی کے ساتھ آستانۂ خلافت پر حاضر ہوا۔ متوکل نے علی بابا کی اطاعت کیشی کے صلہ میں خلعتِ فاخرہ سے سرفراز فرمایا اور اپنے ملک جانے کی اجازت مرحمت کی۔[۱]

فتوحات عہدِ متوکل میں رومیوں سے اکثر معرکے رہے۔ اس کے علاوہ صقلیہ میں بھی فتوحات حاصل ہوئیں۔ گو صقلیہ میں مسلمانوں کی نوآبادی قائم ہو چکی تھی بلرام اُن کا مرکز تھا۔

۲۳۴ھ میں رغوس کے باشندوں نے مسلمانوں سے صُلح کر کے شہر اُن کے حوالہ کر دیا۔ استحکامات منہدم کر دیئے گئے۔ سامان مسلمان ہٹا لے گئے۔ ۲۳۵ھ میں ایک رومی دستہ نے قصریانہ پر حملہ کیا۔ یہاں کے مسلمان بلاوجہ قتل کئے گئے۔[۲]

عباس بن فضل کے مجاہدانہ کارنامے صقلیہ کا حاکم محمد بن عبداللہ بن اغلب تھا۔ اس کے انتقال کے بعد مسلمانانِ

---

[۱] طبری جلد ۱۲ صفحہ ۱۴۲۹ [۲] ابن اثیر جلد ۷ صفحہ ۳۔

صقلیہ نے عباس بن فضل بن یعقوب سے جری اور بہادر کو اپنا امیر بنا لیا اور محمد بن اغلب والیٔ افریقہ سے اس کی منظوری بھی حاصل کر لی۔ عباس میں مجاہدانہ اسپرٹ تھی۔ عنانِ حکومت اپنے ہاتھ میں لیتے ہی اپنے چچا رباح کو قلعہ ابی ثور کی طرف بھیجا اور خود رضا کاروں کو لے کر مسلم شہداء کے انتقام لینے کے لئے قصریانہ کی طرف بڑھا۔ اور تاخت و تاراج کر کے واپس آیا۔ البتہ رباح نے رومیوں سے بدلہ لے لیا۔ ہزارہا رومی رباح کے مقابلہ پر کھیت رہے۔

۲۳۸ھ میں عباس ایک بڑی جمعیت لے کر نکلا۔ قصریانہ، قطانہ، سرقولہ، نوطس اور رغوس پر تاخت کرتا ہوا تبیرہ پہنچا۔ وہاں کے باشندے پانچ ماہ محصور رہ کر صلح پر آمادہ ہو گئے۔ عباس نے محاصرہ اُٹھا لیا۔ پھر ۲۴۰ھ میں چند رومی قلعوں کو تاخت کیا۔ ۲۴۲ھ میں پھر قصریانہ پر فوج کشی کی۔ باشندے مقابل آئے اور شکست کھا گئے۔ عباس نے فراغت پا کر سرقوسہ اور طبرین وغیرہ پر حملہ بول دیا۔ یہاں تاخت کرتا ہوا قصر حدید کا محاصرہ کر لیا۔ اہلِ قلعہ نے مجبور ہو کر ۱۵ ہزار دینار پر صلح کرنا چاہی عباس نے رد کر دی۔ دو سو آدمی کی گلو خلاصی شرط ٹھہری۔ چنانچہ دو سو آدمی اہلِ قلعہ کے چھوڑ کر قصر حدید پر قبضہ کیا۔ تمام باشندے غلام بنا کر فروخت کر دیئے اور قلعہ کو مسمار کر دیا مگر عباس کا جذبۂ انتقام اس پر بھی کم نہ ہوا۔[1]

فتح قصریانہ صقلیہ کا پایۂ تخت سرقوسہ تھا مسلمانوں کے حملے کے بعد رومیوں نے قصریانہ کو دار السلطنت بنایا۔ عباس نے اس کو فتح کرنے کے لئے ایک بحری مہم بھیجی تھی۔ رومیوں کے جہاز چالیس تھے۔ مقابلہ ہوا آخرش اُن کے دس جہاز گرفتار کر لئے گئے۔ اس کے بعد خود عباس نے حملہ کیا۔ شوال ۲۴۴ھ میں صقلیہ کے پایۂ تخت قصریانہ پر قبضہ کر لیا۔ اسی دن ایک مسجد کی بناء ڈالی گئی۔ اگلے جمعہ کو اس میں پہلا خطبہ پڑھا۔ اس فتح میں بے شمار دولت ہاتھ لگی۔ اس واقعہ

---

[1] ابن اثیر جلد ۷ صفحہ ۲۰۔

کی خبر قسطنطنیہ پہنچی تو شہنشاہ روم نے مقابلہ کے لئے تین سو جہاز کا بیڑا معہ جرار لشکر کے بطریق کی قیادت میں صقلیہ روانہ کیا۔ وہ سیدھا سرقوسہ پہنچا۔ مجاہد اعظم عباس نے اسے بھی شکست فاش دی اور سو جہاز رومی بیڑے کے گرفتار کئے اور رومی بے شمار قتل ہوئے۔ توسطر، ابلا، قلعہ عبدالمومن، قلعہ بلوط، قلعہ ابی ثور کے ساکنین میں انتقامی جوش بڑھ گیا اور یہ حکومت سے باغی ہو گئے۔

عباس نے پہلے ان کی سرکوبی کی۔ پھر قلعہ عبدالمومن اور ابلا طنوا کا محاصرہ کر لیا۔ اس دوران میں یہ خبر ملی کہ رومیوں کا ایک بڑا لشکر آ رہا ہے۔ عباس اپنی فوج کو لے کر چقلودی پر اس کا مقابلہ ہوا۔ پہلے معرکہ میں مخالف لشکر شکست کھا گیا۔ عباس کامیابی سے قصریانہ لوٹا اور اس کی درستی کرائی۔ جنگی استحکامات درست کئے، فوجی چھاؤنی قائم کی۔ اس سے فارغ ہو کر ۲۴۷ھ میں سرقوسہ کی طرف متوجہ ہوا۔ اس پر تاخت کرتا ہوا قرقنہ کی طرف بڑھا۔ راہ میں تین یوم بیمار رہ کر یہ مجاہد اعظم سفرِ آخرت کر گیا۔ رومیوں نے از راہ دشمنی قبر سے لاش نکال کر جلا ڈالی[1]۔

عباس کی مجاہدانہ سرگرمی کے علاوہ علی بن یحییٰ ارمنی نے ۲۲۸ھ میں رومیوں کے علاقہ پر فوج کشی کر رکھی تھی۔ نواح "سمیاط" کے رومی سرحدی مقامات پر حملہ آور ہوئے اور دس ہزار مسلمان پکڑ کر لے گئے۔ قرشاش اور عمر بن الاقطع نے اُن کا تعاقب کیا مگر وہ ہاتھ نہ لگے[2]۔

متوکل نے رومیوں کی سرگرمی دیکھ کر ۲۴۵ھ میں بغا کبیر کو سرحد پر مامور کیا۔ جس نے ضلع فتح کر کے اہلِ ارضِ روم کو پوری طرح پائمال کیا لیکن رومیوں نے دوبارہ سمیاط پر حملہ کر کے صدہا مسلمانوں کو شہید کیا۔ علی بن یحییٰ ارمی نے گرمائی فوجوں کے ساتھ کرکرہ پر حملہ کیا۔ رومی بطریق پکڑا گیا اور متوکل کے پاس بھیج دیا۔ شاہ روم نے ایک مسلمان سے اُس کا تبادلہ کرا لیا۔ پھر ۲۴۶ھ میں یحییٰ نکلا اور

---

[1] ابن اثیر جلد ۷ صفحہ ۲۰ [2] ابن خلدون جلد ۳ صفحہ ۲۷۷

رومیوں پر حملہ بول دیا۔ چار ہزار رومی گرفتار کئے۔ ادھر یہ کامیابی تھی دوسری طرف مجاہد کبیر فضل بن قارن نے بیس جہازوں کے ساتھ بحری حملہ کر کے انطاکیہ کے قلعہ کو فتح کر لیا۔ فتوحات کے اعتبار سے متوکل کا عہد کامیاب رہا۔[1]

سندھ ۲۳۵ھ میں سندھ میں ہارون ابن ابی خالد والی بنا کر بھیجا گیا۔ یہاں پر عمر بن عبدالعزیز ہباری کا اثر زیادہ تھا۔ ہارون پانچ برس تک ملکی شورش دباتا رہا۔ آخرش اس میں قتل ہوا تو عمر بن عبدالعزیز نے سندھ کے پائیہ تخت منصورہ پر قبضہ کر لیا اور ایک درخواست متوکل کو بھیجی۔ اس نے صوبہ سندھ کی حکومت کی سند اس کو بھیج دی۔ ابن العزیز نے اپنی حکومت کی بنا ڈال دی۔

ولی عہدی کا مسئلہ متوکل نے اپنے تینوں بیٹوں کو ۲۷ ذی الحجہ ۲۳۵ھ میں ولی عہد بنایا اور کل ممالک زیر نگین کو ان پر تقسیم کر دیا۔

منتصر کو:۔ افریقہ، مصر، شام، جزیرہ، عرب، عراقین، موصل، حضر موت، اہواز، اصفہان، سندھ، مکران وغیرہ کا علاقہ ملا۔

معتز کو:۔ خراسان، طبرستان، رے، ارمینیہ، آذر بائیجان۔ فارس اور ۲۴۰ھ میں کل ممالک محروسہ کے خزانوں کی تحویلداری کا عہدہ بھی اس کو ہی دیا گیا۔ بلکہ معتز کے نام سے ٹکسالوں میں درہم و دینار مضروب کئے جانے لگے۔

مؤید کو:۔ کوہند، دمشق، حمص، اردن، فلسطین دیا گیا۔

اس کے بعد ہر ایک اپنے اپنے حدودِ مملکت کا خود مختار حکمران قرار دیدیا گیا۔ عہد نامے میں لکھا گیا کہ خلیفہ ہو جانے پر منتصر، معتز اور مؤید کے کاموں اور اموراتِ ملکی میں دخیل نہ ہو۔

---

[1] ابن خلدون جلد ۳ صفحہ ،، [2] طبری و ابن اثیر۔

عہد نامہ کی ایک ایک نقل اُن کو دے دی گئی اور ایک نقل خلافت کے دفتر میں محفوظ رکھی گئی۔

علوئین بنی اُمیہ کے زمانے میں امام زید نے دعوائے خلافت کیا تھا۔ پھر اُن کے صاحبزادے حضرت یحییٰ اُٹھے۔ متوکل کے عہد میں اُن کے پوتے یحییٰ بن عمر نے "نوائے آل محمد" بلند کی۔ مگر حکومت بنی عباس کے قبضہ میں جلد آگئے۔ گرفتار ہو کر دربار میں لائے گئے۔ عمر بن فرج کاتب نے اس مقدس ہستی کو کوڑوں کی مار دی اور بغداد کی جیل میں ٹھونس دیا۔

متوکل کو علوئین سے دلی عناد تھا جس شخص سے متعلق اس کو خبر ملی کہ علوئیہ میں سے کسی کے ساتھ تعلق رکھتا ہے۔ اس کا خون اور مال سب حلال تھیں۔ آخر میں ناصبی خیالات ہو گئے تھے۔ اپنی مجلس میں حضرت علیؓ اور اُن کی اولاد کے متعلق اچھے لفظ نہیں کہتا تھا۔ حتیٰ کہ ۲۳۶ھ میں امام حسینؓ کا مقبرہ منہدم کرا دیا۔[1] روضہ سے ملحق ساری عمارتیں گرا دیں ان پر کاشت ہوئی۔ زائرین کا آنا جانا بند کر دیا گیا[2] وجہ یہ تھی کہ شیعوں نے مزار امام حسینؓ کو سجدہ گاہ بنا لیا تھا۔ اصلی مزار قائم تھا۔ البتہ قبہ منہدم کرا دیا گیا تھا۔

امام علی ہادی بن محمد جواد ملقب عسکری، سامرہ میں تشریف رکھتے تھے اور اُن کی نگرانی بھی رہتی۔ متوکل کو خبر لگی کہ امام کے پاس شیعہ کثرت سے آتے ہیں اور آدمی و اسلحہ فراہم کئے جا رہے ہیں۔ متوکل نے ان کی خانہ تلاشی کے لئے رات کو سپاہی بھیجے۔ امام موصوف ایک گلیمی قمیص پہنے اور ایک اُونی رومال سر پر باندھے ہوئے تلاوتِ قرآن اور دُعا میں مصروف تھے۔ اُن کے گھر میں کوئی چیز نہ نکلی یہاں تک کہ بستر بھی بجز فرش ریگ کے نہ تھا۔ اس حالت میں آپ کو متوکل کے پاس لایا گیا اُس نے اپنے قریب بٹھلایا تعظیم و تکریم سے پیش

---

[1] تاریخ الخلفاء صفحہ ۲۴۱ [2] ایضاً صفحہ ۲۴۲

آیا اور امام صاحب سے حکمت اور نصیحت کی باتیں سنیں۔ پھر قرض ادا کرنے سے چار ہزار درہم ان کو نذر کئے اور اعزاز و اکرام سے رخصت کیا[1]

متوکل کا واقعۂ قتل متوکل ترکوں سے اس قدر بیزار ہو گیا تھا پہلے تو امیر اتراک ایتاخ کو ٹھکانہ لگایا۔ اس کے بعد امیر وصیف اور امیر بغا ہر دو امراء کو قتل کرنا چاہا۔ مگر متوکل کا داؤ چلا نہیں۔ ان دونوں کا متوکل پر داؤ چل گیا۔

ترکی امراء سمجھ گئے تھے کہ ہماری قوت و اقتدار کو متوکل توڑنا چاہتا ہے ایتاخ کو قتل کر چکا ہم میں سے ایک ایک کو ختم کرانا چاہتا ہے

متوکل کا وزیر عبید اللہ بن خاقان اور ندیم خاص فتح بن خاقان یہ دونوں منتصر سے بغض رکھتے تھے اور متمنی تھے کہ یہ خلیفہ نہ ہو بلکہ معتز خلیفہ ہو اور منتصر کے خلاف کان بھرا کرتے۔ متوکل کو بھی معتز سے ہمدردی زیادہ بڑھ گئی۔ اور ارادہ کر لیا تھا کہ منتصر کو ولی عہدی سے معزول کر دیا جائے۔

منتصر نے باپ کی اس روش سے زیادہ اثر لیا اور ترکوں سے سازباز کرنے لگا اور ادھر متوکل فتح بن خاقان کے مشورہ سے منتصر بغا وصیف کو ٹھکانا لگانا چاہتا تھا اور اس خیال کا اظہار محفل نبیذ میں متوکل بغا شرابی سے کر گیا۔ اس نے باغر ترکی کو جو متوکل کا پاسبان تھا اپنا ہمراز بنا کر ۴ شوال ۲۴۷ھ کو رات کے وقت دس سپاہیوں کو ساتھ لے کر قصر خلافت میں گیا۔ وہاں متوکل اور فتح بن خاقان نبیذ پی رہے تھے۔ محفل جم رہی تھی۔ چنانچہ متوکل اور فتح کا کام تمام کر دیا گیا۔ منتصر نے شہرت دے دی کہ فتح نے متوکل کو قتل کیا۔ اس پر اس کا بھی خاتمہ کرا دیا گیا[2]

سیرت متوکل خلیق و متواضع بہت تھا بلکہ سخاوت و داد دہش میں اپنے

---

[1] ابن خلدون جلد ۷ کتاب ثانی صفحہ ۲۰۰ [2] ایضاً ص ۲۰۱ ۔

اسلاف کا نمونہ تھا۔

مذہب متوکل کو امام شافعیؒ سے بڑی عقیدت تھی اور اُن کے مسلک کا حامی تھا۔ اکثر کہا کرتا تھا کہ کاش میں اُن کے زمانہ میں ہوتا تو اُن کو دیکھتا اور اُن سے علم حاصل کرتا[1]

علامہ سیوطی نے اس کو ناصبی لکھا ہے۔ یہ خطاب دشمنی علوئین کی بنا پر دیا گیا۔

صلحاء سے عقیدت حضرت ذوالنون مصری سے متوکل کو بڑی عقیدت تھی۔ مصر سے اُن کو بلایا اور اپنے ساتھ رکھا اور ان سے باتیں کیں۔ اس کے بعد سے جب ملاقات ہوتی بڑی عزت کیا کرتا تھا۔

عیش وعشرت متوکل بھی مثل دیگر خلفائے بنی عباس کے عشرت پسند تھا۔ مگر اس قدر نہ تھا جس قدر کہ شیعہ مؤرخین نے اس کے اوپر اتہام لگائے ہیں۔ مسعودی اور ابن طقطقی وغیرہ نے لکھا ہے کہ متوکل شراب پیتا تھا اور چار ہزار کنیزوں سے خلوت کی اور تفنن طبع کے لئے اس کے دربار میں مسخرہ شریک کئے جاتے۔ علامہ سیوطی بھی کنیزوں کا افسانہ لکھ گئے ہیں[2]۔ متوکل جائز حدود کے اندر عیش و طرب کا دلدادہ ضرور تھا اور اس کے عہد میں عیش و طرب کے اتنے سامان جمع ہو گئے تھے کہ اس کا زمانہ عہدِ سرور کہا جاتا ہے۔ لیکن جو شخص احیاء سنت کا داعی ہو وہ شراب کیسے پی سکتا ہے؟ یہ افتراء شیعہ مؤرخین کی ہے البتہ نبیذ کا وہ عادی تھا جو بعض علماء عراق کے نزدیک جائز ہے۔ خطیب اور طبری وغیرہ نے اس کی مے نوشی کا تذکرہ نہیں کیا۔ اہلِ بیت کے ساتھ اس کا طرزِ عمل ناپسندیدہ تھا اس لئے شیعہ مورخین نے محرماتِ شرعیہ بھی اس کی جانب منسوب کر کے زعمِ باطل میں ثواب حاصل کیا ہے۔

---

[1] تاریخ الخلفاء صفحہ ۲۴۴ [2] ایضاً

سخاوت متوکل نہایت سخی واقع ہوا تھا۔ علامہ سیوطی کہتے ہیں کہ متوکل نے شعراء کو جس قدر انعام دیا ہے کسی خلیفہ نے نہیں دیا چنانچہ مروان ابن ابوالجنوب نے ایک شعر پڑھا ؎

ترجمہ :۔ اپنے ہاتھ کو جود سے روک لے کیونکہ میں کہیں ہلاک نہ ہو جاؤں یا مجھ پر کوئی سختی نہ پڑے "

یہ شعر سُن کر متوکل نے کہا کہ اس وقت ہاتھ نہ روکوں گا کہ میرا جود و سخا تجھے غرق نہ کر دے۔ چنانچہ ایک قصیدے کے صلہ میں اسے ایک لاکھ دس ہزار درہم اور پچاس کپڑے انعام دیئے[1]

فیاضی میں اعتدال بخل اور اسراف میں متوکل معتدل تھا۔ یہ رائے مسعودی کی ہے مگر سیوطی کہتے ہیں کہ ان کی داد دہش عام تھی شعراء کو بہت صلہ گستری سے نوازتا تھا[2]

واقعہ ابوعبادہ بحتری عربی کے مشہور شاعر نے متوکل کی مدح میں ایک قصیدہ پڑھا۔ ختم کے بعد ایک درباری ابوالفنس اُٹھا اور اُس نے ابوعبادہ کی نقل کی۔ متوکل بہت ہنسا اور خوش ہو کر دس ہزار درہم انعام دیئے۔

فتح بن خاقان نے کہا امیرالمومنین! مسخرے کو حضور نے دس ہزار درہم دیئے۔ ابوعبادہ نے کیا قصور کیا کہ وہ محروم رہا جاتا ہے۔ متوکل نے کہا اُس کو بھی دس ہزار درہم دے دو۔

متوکل کے دربار میں مامون، واثق کا سا رعب و داب نہ تھا۔ شعراء اُس کے سامنے ہزل گوئی کرتے اور متوکل محظوظ ہوا کرتا۔ اُس کا یہ اثر پڑا کہ امراء کی محفلیں بھی ہنسی مذاق کی صحبتیں بن گئی تھیں۔

---

[1] تاریخ الخلفاء صفحہ ۲۴۲ [2] مروج الذہب مسعودی جلد ۲ صفحہ ۱۹۱۔

نظم مملکت

نظمِ حکومت متوکل کا معتصم اور واثق کے مانند تھا۔ جو دستورِ حکومت منصور کا تھا وہ برقرار نہ تھا۔ متوکل کے عہد میں وزارت میں ابتری پھیلی۔ گورنروں کے گھڑی گھڑی کے تبادلہ نے نظم میں گڑبڑ پیدا کر دی۔

عمال کی تفصیل ۲۳۲ھ میں متوکل نے بلادِ فارس پر محمد بن ابراہیم بن مصعب کو مقرر کیا۔ ان دنوں موصل کا حاکم خاتم بن بن حمید طوسی تھا۔

متوکل کے اوائل زمانۂ خلافت میں محمد بن عبداللہ بن الزیات قلمدانِ وزارت کا مالک تھا اور دیوانِ خراج (محکمہ مال یا بورڈ آف ریونیو) کا یحییٰ بن خاقان خراسانی (ازد کا غلام) افسرِ اعلیٰ تھا۔ اس زمانہ میں فضل بن مروان معزول کیا گیا اور بجائے اس کے دیوانِ نفقات پر ابراہیم بن محمد بن ختول مامور ہوا۔ ۲۳۳ھ میں محمد عیسیٰ کو معزول کر کے منتصر کو گورنر کیا۔ جیسا کہ پیشتر لکھا جا چکا ہے ایتاخ حج کو گیا تو حجابت پر وصیف خادم کو مامور کیا[1]

پولیس اسحاق بن ابراہیم بن حسین بن مصعب کے مرنے کے بعد اس کے بیٹے ابراہیم کو بغداد پولیس افسری کے عہدہ پر مامور کیا۔

وزارت ۲۳۳ھ میں ابن زیات کے بعد احمد بن خالد میر منشی وزیرِ اعظم ہوا تھا وہ معزول ہوا۔ اس پر محمد بن فضل جرجرائی ہوا۔

۲۳۶ھ میں عبیداللہ بن یحییٰ بن خاقان عہدۂ سیکرٹری سے وزارت پر سرفراز کیا گیا جو متوکل کے آخر عہد تک رہا۔

قاضی القضاۃ ۲۳۹ھ میں قاضی احمد بن ابی داؤد کو عہدۂ قضاۃ سے معزول

---

[1] ابن خلدون جلد ۳ صفحہ ۱۹۹۔

کیا گیا[1] اور اس کی جاگیر ضبطی میں آئی اور اس کے لڑکے ابوالولید سے ایک لاکھ ساٹھ ہزار درہم وصول کئے اور قاضی یحییٰ بن اکثم کو قاضی القضاۃ کا عہدہ عنایت کیا۔ پسر ابوالولید مذکور کو صیغۂ فوجداری کے اختیار دیئے۔ بعد چندے اس کو معزول کر کے ابوالربیع محمد بن یعقوب کو مامور کیا۔ آخر میں اُس کو علیٰحدہ کر کے یہ صیغہ یحییٰ کو دیدیا گیا۔

۲۳۷ھ میں قاضی یحییٰ پر بھی عتاب نازل ہُوا۔ ۷۵ ہزار دینار اور ۴ ہزار جریب زمین جو بصرہ میں ان کی تھی وہ ضبط کی گئی اور ان کو معزول کر کے ان کی بجائے جعفر ابن عبدالواحد بن جعفر بن سلیمان بن علی کو قاضی القضاۃ کے عہدے پر مامور کیا۔

نظامِ مالیات معتصم اور واثق کے زمانے میں مالیات پر خالص اثر پڑا متوکل نے اس طرف زیادہ توجہ کی۔ عمال پر جرمانے کئے اور جلد جلد عامل بدلے۔ قلمرو عباسیہ میں مصر کی حالت زیادہ خراب تھی تو احمد بن مدبر کو مصر کا افسر خراج مقرر کر کے متوکل نے بھیجا۔ اس نے بہت سے جدید ٹیکس عائد کر دیئے۔ بلادِ مصر کی اراضی کا ٹیکس دو جنسوں میں تقسیم کر دیا۔ خراجی۔ ہلالی

خراجی میں غلہ، کھجور، انگور کی بیل اور میوہ جات کے باغات کی پیداوار پر ٹیکس لگائے۔

"ہلالی" گھاس، مچھلی وغیرہ پر ٹیکس تھا۔

یہ ٹیکس علم و فن کی ترقی، آب پاشی کی سہولتوں کے لئے اور دیگر مفادِ عامہ کے تعمیری کاموں کے نام سے عائد کئے گئے[2]

جزیہ کی آمدنی دارالخلافہ روانہ کر دی جاتی۔ باقی رقم مصر کے اخراجات میں صرف ہوتی۔

رعایا سے سلوک متوکل کو رعایا کا بڑا خیال تھا اور ان کے ساتھ منصفانہ سلوک کرتا۔ وہ کہا کرتا تھا کہ اگلے خلفاء رعایا پر اس لئے سختیاں کیا

---

[1] قاضی ۲۴۰ھ میں فوت ہُوا [2] مسلمانوں کا نظم مملکت صفحہ ۲۹۵۔

کرتے تھے کہ وہ اس سختی کے خوف سے ان کے مطیع رہیں اور میں نرمی کرتا ہوں تاکہ وہ مجھ سے محبت کریں، میرے پاس آئیں اور میری اطاعت کریں۔[1]

عدل

متوکل کے عدل وانصاف کی بڑی شہرت تھی۔ مسعودی کہتا ہے:۔

"عدل وانصاف کے لحاظ سے بھی متوکل کا زمانہ ممتاز شمار کیا جاتا ہے"۔[2]

رواداری

غیر مسلموں کے ساتھ بے حد رواداری کا برتاؤ کرتا تھا مگر عیسائی اپنی خبث باطنی سے شرارت کیا کرتے۔ رومی حکومت سے سازباز رکھتے۔ مسلمانوں کا لباس اور معاشرت اختیار کئے رہتے۔ مسلمان اُن کے دھوکے میں آکر اپنے دل کا حال کہہ گزرتے۔ رومیوں کے خلاف جہاد کی تیاری ہوتی عیسائی ان کو خبر کر دیتے۔ اس بنا پر شناخت کے لئے عیسائیوں کے لباس وضع وقطع و مذہبی مراسم پر چند قیود متوکل نے لگا دیئے۔ اس کا نتیجہ بے حد مفید ثابت ہوا۔[3]

یہی وجہ تھی کہ آخر میں ذمیوں سے سخت نفرت ہوگئی تھی۔ حتیٰ کہ اُس نے یہ حکم نافذ کیا کہ اسلامی مکاتب میں اُن کے بچے داخل نہ کئے جائیں اور نہ کوئی مسلمان اُن کو تعلیم دے۔

مُلک کی آسُودہ حالی

متوکل کا دور عباسی حکومت کا دورِ زرّیں کہا جاتا ہے۔ اس کے عہد میں رعایا فارغ البال تھی۔ عیش وتنعم کے سامانوں کی فراوانی، تمدنی نفاستیں اور نزاکتیں معراجِ کمال کو پہنچ گئی تھیں۔ مسعود لکھتا ہے۔

"متوکل کا زمانہ اپنی بھلائیوں، خوبیوں، سرسبزی وشادابی وفارغ البالی اور رفاہیت عیش وعشرت کے لحاظ سے عہدِ سرور تھا سارے خواص و

---

[1] تاریخ خطیب جلد، صفحہ ۱۶۶ [2] مروج الذہب جلد ۲ صفحہ ۱۹۱ [3] ابن اثیر۔

عوام خوش وخرم تھے "

رشوت ستانی متوکل کے اولین عہد میں البتہ رشوت کا بازار گرم تھا۔ مگر متوکل نے بڑے بڑے عہدیداروں کو سخت سزائیں دیں اور گرانقدر جرمانے وصول کیے جس سے رشوت ستانی کا دروازہ بند ہو گیا۔

رفاہِ عام اس کے زمانہ میں راستے پر امن تھے۔ تمام اشیاء کی ارزانی تھی۔ اہلِ حرفہ، تاجر خوشحال تھے۔ آئے دن متوکل محلات وغیرہ بنواتا رہتا، جس سے غرباء کو فائدہ پہنچتا رہتا۔

متوکل نے ایک ارب درہم ہارونی "قصر جعفری" کی تعمیر میں خرچ کیے[1]۔

خزانہ متوکل نے صلہ گستری، داد دہش میں کروڑہا روپیہ صرف کیا مگر پھر بھی بقول مسعودی ۴ لاکھ دینار اور ستر لاکھ درہم اپنے بعد خزانہ میں چھوڑ گیا[2]۔

تنزل کا آغاز متوکل کے زمانہ میں گو فتوحات کا دائرہ بہت وسیع رہا۔ حکومت کی شان و شوکت میں کوئی کمی نہ تھی۔ رعایا خوش حال، ظاہری دبدبہ بھی قائم تھا۔ لیکن اندرونی خرابیاں پیدا ہو گئی تھیں۔ ترکوں کے غلبہ سے حکومت کو بہت نقصان پہنچ رہا تھا۔ اقتدار اتراک سے عربوں کی عصبیت ختم ہو گئی تھی۔ امارت اُن کی جاتی رہی۔ فوجی خدمات سے ان کو علیحدہ کر دیا گیا تھا جس سے مجاہدانہ اور فاتحانہ سپرٹ اُن کی ختم ہو گئی۔ اس کے علاوہ خود خلیفہ اُن کے مقابلہ میں کمزور پڑ گیا تھا۔ خلیفہ معتصم کی غلطی کا نتیجہ خاندانِ بنی عباس بھگت رہا تھا۔

فوج معتصم اور اس کے بعد واثق کے عہد میں فوج میں ترکی عنصر غالب تھا۔ عرب اور عجمیوں سے زیادہ حکومت میں اُن کی پوچھ تھی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اُجڈ لوگ حکومت پر چھا گئے اور اُن کا استبداد بہت بڑھ گیا۔ وزراء تو وزراء

---

[1] مروج الذہب جلد ۷، صفحہ ۲۷۵، ۲۷۶ [2] ایضاً

خلیفہ کو ترک خطرہ میں نہ لاتے۔ متوکل خود اُن سے تنگ آگیا۔ آخرش اُس نے یہ طے کیا کہ ان کے سربرآوردہ لوگوں کو جس درجہ سے اُٹھے بھتے وہیں لے جا بٹھائے۔ چنانچہ ترکی امیر ایتاخ جو سپہ سالار اور حاجب تھا اور سامرہ کا سب سے بڑا امیر، اس کے پیچھے آدمی لگا دیئے۔ انھوں نے اس کو حج پر جانے کے لئے آمادہ کر دیا۔ ایتاخ نے متوکل سے اجازت طلب کی۔ یہاں سے معہ خلعتِ فاخرہ ان کو رخصتی ملی۔ متوکل نے بغداد کے شحنہ اسحاق بن ابراہیم مصعبی کو خفیہ اطلاع بھیج دی کہ تم ایتاخ سے نبٹ لینا۔ چنانچہ حج سے لَوٹ کر ایتاخ کوفہ آیا۔ اسحاق پیشوائی کو پہنچا۔ اُدھر متوکل کی طرف سے استقبال کے لئے معتمد معہ خلعت اور تحائف کے کوفہ آیا۔ غرضیکہ کوفہ سے بغداد ایتاخ کو لے کر محل خزیمہ میں اسحاق داخل ہُوا۔ اندرونِ محل ایتاخ کو گرفتار کر لیا اور سلیمان بن وہب اور قدامہ بن زیاد اور اس کے دونوں بیٹے منصور و مظفر جیل میں بند کر دیئے گئے۔ ایتاخ کو وہ تکالیف دی گئیں کہ ۲۳۵ھ کو قید ہی میں گھٹ کر مر گیا[1]

سامرہ دار الخلافہ سامرہ سے متوکل بیزار ہو گیا تھا۔ دمشق گیا تو یہاں فتنہ اُٹھ کھڑا ہُوا۔ آخرش سامرہ پھر لَوٹ آیا۔

جعفریہ کی تعمیر متوکل کو تعمیرات اور شہر آباد کرنے کا بڑا شوق تھا۔ چنانچہ اس نے ۲۴۵ھ میں سامرہ سے چند میل کے فاصلہ پر ملخوزہ قصبہ کو شہر کی صورت میں آباد کیا۔ اس کی تعمیر میں بیس لاکھ دینار صَرف کئے گئے۔ اپنے لئے خاص طور سے ایک بلند محل متوکل نے تعمیر کرایا اس کا نام "قصرِ لولو" رکھا۔ دو لاکھ دینار اس کی تعمیر میں صرفہ میں آئے۔ پانچ میل کے فاصلہ سے ایک نہر لانی چاہی۔ خلیفہ کی توجہ دیکھ کر امراء نے بھی اپنے مکانات وہاں بنوائے جس سے کچھ عرصہ بعد دوسرا سامرہ جعفریہ بن گیا۔

---

[1] ابن خلدون جلد ۳ صفحہ ۲۰۶۔

تعمیرِ محل کی داستان مذکور الذکر سامرہ میں ۲۴۵ھ میں متوکل محل بنوا رہا تھا جس کے لئے روپیہ کی ضرورت پیش آئی تو بنجاح بن سلمہ منشی نے بیس امراء کے نام کی فہرست مرتب کی جس میں وزیر اعظم بھی تھا اور اس کا بھائی موسیٰ بن عبدالملک اور اس کا نائب اور حسن بن مخلد وغیرہ تھے اور عرض کی کہ ان کو میرے سپرد کر دیجئے میں رقم وصول کر کے پیش کر دوں گا۔ وزیر اعظم کو خبر لگی وہ متوکل کے پاس گیا اور کہا۔ امیر بنجاح مخصوص امرائے دولت کو آپ سے بدظن کرنا چاہتا ہے اور جو صورت وہ اختیار کرنا چاہتا ہے اس سے عام خلفشار ہو گا۔ وہ یہ کہہ کر وہاں سے چلا آیا اور امیر موسیٰ اور امیر حسن کو بلا کر ان سے کہا خلیفہ تیار ہے کہ کل وہ تم کو بنجاح کے سپرد کر دے وہ مال کی ضبطی کے ساتھ تم کو ایسی سزائیں دے گا کہ تم ہلاکت کے درجہ پر پہنچ جاؤ گے۔ لہٰذا تم اس وقت امیر المومنین کو کہہ بھیجو کہ ہم محل کی تعمیر کے لئے بیس لاکھ دینار دینے کو تیار ہیں بشرطیکہ بنجاح ہمارے سپرد کر دیا جائے۔ ان دونوں نے تحریریں لکھ دیں۔ اس کو لے کر وزیر اعظم خلیفہ کے پاس پہنچا۔ اُس نے منظور کر کے بنجاح کو اُن کے حوالے کر دیا۔ انہوں نے اس کے بیٹے سے چودہ ہزار دینار نقد وصول کئے اور اس کی کل جائداد ضبط کی۔

بنجاح کا کاتب خاص اسحاق بن سعد تھا اس نے متوکل کی شہزادگی کے زمانے میں ایک بار اُس کی تنخواہ کے اجراء میں پچاس دینار رشوت میں لئے تھے متوکل نے حکم دیا کہ اس سے ہر ایک دینار کے عوض میں ایک ہزار دینار وصول کرو۔ وہ مطالبہ ادا نہ کر سکا۔ قید کر دیا۔ مجبور ہو کر اس نے ۱۴۰۰۰ دینار ادا کئے تو قید سے رہائی ہوئی۔ کچھ عرصہ بعد بنجاح مر گیا[1]

خلقِ قرآن بدعت خلقِ قرآن اور رؤیت باری کے مسئلہ نے مامون کے عہد

---

[1] تلخیص ابن اثیر و ابن خلدون جلد ۷

سے لے کر متوکل کے عہد تک بڑا فتنہ اٹھا رکھا تھا۔ متوکل نے ان بحثوں کو بقوت روک دیا۔

"وجاء المتوکل فاعلن ۲۳۴ھ ابطال القول بخلق قرآن وہدر من آثاره ہذه المسائل"
اور محدثینِ کرام کی پذیرائی کی۔ اس کے ساتھ ہی معتزلہ گروہ کی سرکوبی کی[1]
قاضی ابراہیم بن محمد تیمی کہتے تھے :-

وہ تین خلفاء نے کارنامے دکھائے۔ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ارتداد کے فتنہ کا انسداد کیا۔ عمر بن عبدالعزیز نے بنی امیہ کے مظالم کا تدارک کیا اور متوکل نے بدعت کو مٹا کر سنت کو زندہ کیا۔"

علمی ترقی متوکل کا علمی حیثیت سے اپنے اسلافِ کرام کے مقابلے میں کوئی خاص پایہ نہ تھا۔ مگر پھر بھی اُس نے بڑے بڑے کام کئے۔ علمی گھرانے کا فرد ہونے کے اعتبار سے احادیثِ نبوی سے ذوق اور شعر و سخن کا شوق تھا۔ اس سے متعدد احادیث مروی ہیں جن کو علامہ سیوطی نے تاریخ الخلفاء میں نقل کیا ہے۔ متوکل کا بڑا کارنامہ احادیثِ رسول کی اشاعت اور معتزلیوں و قدریوں و دیگر فرقِ باطلہ کی فتنہ انگیزیوں کا سدِ باب ہے۔

ذکرِ احیاءِ سنت میں لکھا جا چکا ہے محدث ابوبکر بن ابی شیبہ کو بُلا کر سامرا میں اشاعتِ حدیث پر مامور کیا اور دوسرے محدثین کرام کو سامرا طلب کر کے انعامات سے نوازا[3]۔

گو قلمرو بنی عباس میں متوکل سے پہلے سے درسِ حدیث کے حلقے قائم تھے جیسے امام ابویعقوب اسحاق بن ابی الحسن یا ابن راہویہ[4] جو فضل بن عیاض اور ابن وکیع کے شاگرد تھے، ان کا حلقہ تھا۔ جہاں سے امام بخاری جیسے جلیل القدر محدث مستفید

---

[1] ضحی الاسلام لاحمد امین مصری جز ثالث صہ ۱۹۸ [2] تاریخ خطیب جلد ۷ صہ ۱۷۰

[3] تاریخ الخلفاء ۲۴۰ [4] راہویہ نے ۷۷ عمر، سال ۲۳۸ھ میں وفات پائی۔ تہذیب الکمال

ہو کر نکلے اور اُن سے نوّے ہزار نے الجامع الصحیح سُنی۔ اس میں دس ہزار حدیثیں ہیں۔ بقول خود امام بخاریؒ کے چھ لاکھ حدیثوں سے انتخاب کی ہے۔ ان شیوخ کی تعداد جن سے صحیح میں حدیثیں لی گئیں دو سو نواسی ہیں۔

امام کے جلیل القدر شاگرد امام مسلم بن الحجاج ہیں اور ان کے نقشِ قدم پر چلتے ہیں۔ انھوں نے امام بخاری سے اور ان کی کتاب سے احادیث روایت کی۔

دارقطنی کا بیان ہے کہ :-

"اگر امام بخاری نہ ہوتے تو امام مسلم کچھ نہ کر سکتے۔ انھوں نے یہ کیا ہے کہ امام بخاری کی کتاب سامنے رکھ کر حدیثیں لکھنا شروع کر دیں کہیں کہیں اپنی طرف سے زیادتی بھی کی۔"

حاکم ابو عبداللہ نے "مسلم" کی یہ تعریف کی ہے :-

"ماتحت ادیم السماء کتاب اصح من کتاب مسلم ابن الحجاج"

مگر ایک عربی شاعر نے محاکمہ خُوب کیا ہے :-

۱- تنازع قوم فی بخاری ومسلم! لدیّ وقالوا ای ذین یقدم

۲- فقلت لقد فاق البخاری صحۃً کما فاق فی حسن الصناعۃ مسلم

متوکل کے عہد میں امام ابوداؤد بن اشعث الازدی السجستانی اور امام ابو عیسیٰ بن سورہ بن موسیٰ بن ضحاک سلمہ، ترمذی نے اپنے مجموعے تیار کئے۔ ان کے بعد سننِ ابن ماجہ، مسندِ حارث (۲۸۲ھ) مسندِ بزار (۲۹۲ھ) مسندِ دارمی (۲۵۵ھ) کتب حدیث شائع ہوئیں۔

اشاعتِ علوم دینی ان دنوں بغداد حدیث کی اشاعت کا مرکز بن گیا تھا۔ امام بخاری کے شاگرد فربری سے بھی نوّے ہزار آدمیوں نے صحیح بخاری کی اجازت حاصل کی[1] متوکل کے عہد میں محدثین نے اشاعتِ حدیث

---

[1] مقدمہ فتح الباری للامام ابن الحجر العسقلانی متوفی ۸۵۲ھ صفحہ ۵۔

میں خوب خوب سرگرمی دکھائی۔

احمد بن جعفر راوی ہیں کہ جب امام مسلم بغداد آئے تو نامی مقام پر انہوں نے حدیث کا املا کیا۔ سات مستملی کھڑے ہوئے جن میں سے ایک دوسرے کو شیخ کی روایت پہنچاتا تھا اور لوگ کھڑے کھڑے تحریرِ حدیث میں معروف تھے۔ یہ اندازہ کرنے کے لئے کہ کس قدر آدمی اس میدان میں فراہم تھے۔ میدان مذکور کی پیمائش کی گئی اور دواتیں گنی گئیں، کچھ اُوپر چالیس ہزار دواتیں ہوئیں۔ جو لکھتے نہ تھے صرف سماعاً شریک تھے وہ اس تعداد سے خارج ہیں۔

اس کا نتیجہ یہ تھا کہ تھوڑے عرصہ میں بغداد کا پایۂ علم حدیث کی اشاعت میں فائق تھا۔ مسلم بن ابراہیم کہتے ہیں کہ میں نے آٹھ سو شیوخ سے فنِ حدیث حاصل کیا۔ اور باوجود شیوخ کی اس کثرت کے میں دجلہ کے پُل سے اُتر کر نہیں گیا۔ بغداد میں آٹھ سو اساتذۂ حدیث ایسے تھے جو شیخ کے لقب سے ملقب تھے [1]

---

[1] امام سلیمان بن حرب محدث کا واقعہ ہے کہ مامون کے زمانہ میں قصرِ خلافت کے ایک مرتفع جگہ مثل منبر تیار کی گئی تا کہ اس پر بیٹھ کر املائے حدیث کریں۔ اس مجلس میں مامون اور تمام امرائے خلافت حاضر تھے جو لفظ امام ممدوح کے منہ سے نکلتا مامون اپنی قلم سے لکھتا جاتا۔ جب کُل حاضرینِ درس کا اندازہ کیا گیا تو چالیس ہزار نفوس انداز میں آئے۔ معتصم کے زمانہ میں امام عاصم ابن علی املائے حدیث کے واسطے بغداد سے باہر نخلستان میں ایک بلند چبوترے پر بیٹھے تھے۔ ان کے مستملی ہارون نے کھڑے ہونے کے لئے ایک ثمردار کھجور کا درخت پسند کر رکھا تھا۔ خلیفہ معتصم نے ایک بار ایک اپنا معتمد اس مجلس کے شمار کا اندازہ کرنے کے لئے بھیجا۔ معتمد نے ارشادِ خلافت کی تعمیل کی تو ایک لاکھ بیس ہزار پر حاضرین کی تعداد پہنچی۔ یہ وہ زمانہ تھا کہ محدثین کرام پر حکومت کی طرف سے سخت گیری تھی۔ معتزلہ ان محدثین کو ہر عنوان پریشان کرتے تھے۔"

علومِ عقلیہ کی ترقی | متوکل کے عہد میں علوم عقلیہ کی ترویج واشاعت عام تھی۔ موسیٰ بن شاکر کے لڑکوں نے جو رصدگاہ بنائی تھی اس کو متوکل کے زمانہ میں النظیری اور محمد بن عیسیٰ ابو عبداللہ نے بے حد ترقی دی۔ اور علم ہئیت کے بعض مسائل پر عالمانہ روشنی ڈالی۔ آفتاب اور دیگر ستاروں کی گردش کے متعلق حیرت انگیز معلومات اور تحقیقات بہم پہنچائی۔ ابوالحسن نے دُوربین ایجاد کی تھی اس کی ان ہئیت دانوں نے اور اصلاح کی۔

ماوراءالنہری ابوالعباس احمد الفرغانی متوکل کے عہد کا ممتاز ہیئت دان تھا جس نے متوکل کے لئے فطاس میں ایک نیل پیما تیار کیا تھا۔ اس کی ایک بے نظیر تصنیف کتاب المدخل الی ہئیتہ الافلاک ہے۔

حکیم | ابوزید حنین بن اسحاق عبادی یونانی زبان کا عالم تھا گردِ خلیل بن احمد، یہ وہی فلسفی اور طبیب ہے جو پہلے بنوموسیٰ بن شاکر کے یہاں ۵۰۰ پونڈ مشاہرہ پاتا تھا۔ پھر مامون کے یہاں اس کے ہر ترجمہ کی ہوئی کتاب کا معاوضہ دربار شاہی سے کتاب کے برابر وزن سونا پاتا تھا۔ متوکل نے ۲۴۰ھ میں اپنا طبیب خاص مقرر کیا[1] ۲۳ صفر ۲۶۰ھ میں انتقال ہوا۔ (طبقات الاطباء ص۵ و اخبار الحکماء قفطی جلد ا ص ۱۹۹۔

علی بن سہل ابان الطبری مصنف فردوس الحکمت (۸۵۰ء) عیسائی متوکل کے دورِ خلافت میں مشرف باسلام ہوا اور ایک عرصہ تک خلیفہ کا معالج رہا۔

علم تاریخ | علامہ بلاذری نے اس عہد میں اپنی کتاب فتوح البلدان مرتب کی۔ علامہ نے ۲۷۹ھ میں انتقال کیا۔ اس عہد میں طبقات ابن سعد کا مصنف گزرا۔ ابن سعد نے ۸۴۵ء میں وفات پائی۔

جغرافیہ | ابن خورداذبہ متوفی ۹۱۲ء نے ۸۴۶ء میں سلسلہ رسائل مسالک و ممالک جغرافیہ میں کتاب لکھی۔ اس سے ابن الفقیہ اور ابن حوقل نے اپنی تصانیف میں بڑا کام لیا ہے۔

---

[1] ابن خلکان۔

حیاتیات ابوعثمان عمرو ابن بحر الجاحظ متوفی ۲۵۵ھ ساکن بصرہ متوکل کا ہم عصر تھا۔ کتاب الحیوان تصنیف کی جس میں جانوروں کے کشمکش حیات پر بحث کی ہے۔ اس نے جانوروں کے براز خشک سے کشید کر کے امونیا بنایا۔ کتاب الامصار، البیان والتبیین، کتاب الامثال وغیرہ تصانیف ہیں۔

کُتب خانہ متوکل کو زیادہ کتابوں کا شوق نہ تھا۔ البتہ شاہی کتب خانہ جو مامون کے عہد میں قائم ہوا تھا اس کو تلف ہونے نہیں دیا۔ البتہ ابن ابی الحریش جلد ساز مامونی کے ہاتھ کی بنی ہوئی کتابوں کی بہت حفاظت اس کو منظور تھی۔

فتح بن خاقان وزیر متوکل نے عظیم الشان کتب خانہ قائم کیا تھا اور اس کا مہتمم علی بن یحییٰ منجم تھا۔ اس زمانے میں یہ کتب خانہ بے نظیر کہلاتا تھا۔ بغداد اور سامرہ کے علماء اور امراء کے کتب خانے بھی تھے مگر فتح بن خاقان نے محمد بن عبدالملک وزیر واثق باللہ جو کتابوں کی نقل و کتابت و ترجمہ میں دس ہزار روپے ماہوار خرچ کیا کرتا تھا۔ اس سے بہت زیادہ فتح بن خاقان اپنے کتبخانہ پر صرف کرتا تھا۔

بَیتُ الحکمت متوکل نے بھی ترجمہ کے کام اور تصنیف و تالیف کے شعبہ پر بے حد توجہ کی۔ اپنے طبیب حنین بن اسحاق کو بیت الحکمت کا افسر مقرر کیا اور بہت سے زبان دان اور فصیح و بلیغ مترجم اس کی ماتحتی میں دیئے یہ مترجمین ترجمہ کرتے اور حنین ان کی اصلاح کی غرض سے دیکھتا اور درست کرتا۔ متوکل نے حنین کی بے انتہا قدردانی کی۔ ایوانات شاہی میں سے تین محل اس کی رہائش کے لئے خالی کر دیئے اور ان کو ہر قسم کے آرائشی سامان سے سجوا کر شاہی کتب خانہ بھی وہیں رکھوا دیا۔ پندرہ ہزار ماہوار تنخواہ مقرر کی تھی[1]

---

[1] رسائل شبلی صفحہ ۲۵۳۔

علمائے معاصرین ابوثور، ابراہیم بن منذر خرامی، اسحاق بن راہویہ، اسحاق بن ندیم موصلی مفتی ازوح مغربی، زہیر بن حرب، سمتون سلیمان الشاذکوفی، ابومسعود العسکری، ابوجعفر نفیلی، دیک شاعر، عبدالملک بن حبیب امام مالکیہ، عبدالعزیز بن محی شاگردِ امامِ شافعی، عبیداللہ بن عمرو قواری، علی بن المدینی، محمد بن عبداللہ بن نمیر، یحیٰی بن معین، یحیٰی بن بکیر، یحیٰی بن یحیٰی، یوسف الازرق المقری، بشر بن الولید الکندی المالکی، جعفر بن حرب بن مکابر المعتزلہ، ابن کلاب المتکلم، حارث محاسبی، حرملہ شاگردِ امامِ شافعی، ابن سکیت، احمد بن منیع ابوتراب الخشینی، ابوعمر الدردی المقری، دعبل شاعر، ابوعثمان المازنی نحوی۔[1]

محدث و فقہاء ابراہیم بن یوسف بن میمون بن فدا ہو بلخی شیخ اکمل محدث فقیہ امام ابویوسف کی صحبت سے فیض یاب ہوئے تھے۔ والیٔ بلخ آپ کی منزلت کرتا تھا۔ ۲۴۱ھ میں وفات پائی۔

یحیٰی بن اکثم مروزی فقیہ و محدث، حدیث امام محمد وانس المبارک و سفیان سے سنی ۲۴۳ھ میں انتقال ہوا۔

ہلال بن یحیٰی بن مسلم فقیہ و محدث زفر سے فقہ حاصل کی اور ابوعوانہ سے حدیث سنی۔

۲۴۵ھ میں وفات پائی۔

خالد بن یوسف بن خالد السمتی فقیہ، محدث۔ ۲۴۵ھ میں وصال ہوا۔

اسحاق بن بہلول فقیہ، حافظ، محدث، شاگرد حسن بن زیاد۔ ۲۵۲ھ میں انتقال ہوا۔

(مقدمہ فتاویٰ ہندیہ)

---

[1] تاریخ الخلفاء صفحہ ۲۴۷۔

ملوکِ طاہریہ

طاہر[1] بن حسین قاتل خلیفہ امین خراسان پر دولتِ طاہریہ کا بانی ہے جس کا تفصیلی حال پہلے آچکا ہے۔ طاہر کے بعد طلحہ بن طاہر، علی بن طلحہ، عبداللہ بن طاہر، طاہر بن عبداللہ، محمد بن طاہر بن عبداللہ پے درپے یہ پانچ والی خلفاء کے حکم سے مقرر ہوئے۔ یہ حکمران برابر مطیع خلفاء کے تھے۔ محمد بن طاہر کو حسن بن زید علوی سے بہت تکلیف پہنچی۔ آخر میں یعقوب بن لیث بانی دولتِ صفاریہ سے مقابلہ ہوا اور ملوک طاہریہ کا اس پر خاتمہ ہوگیا۔

دولتِ طاہرہ میں جہاں تہور و شجاعت و مردانگی کے جوہر تھے وہاں علم سے بھی لگاؤ تھا۔ خراسان میں جہاں بدعت کا زور تھا وہاں اشاعتِ حدیث کا بھی بڑا انتظام تھا۔

"ابن رافع قشری حافظِ حدیث نے اپنے مکان پر حدیث کا درس شروع کیا۔ طلباء کے علاوہ خراسان کے امیر نامور طاہر کی اولاد بھی معہ خدم و حشم حاضرِ درس ہوتی۔ شیخ کے جلال کا یہ عالم ہوتا تھا کہ کسی کو بات کرنے یا مسکرانے کی مجال نہ تھی"[2]

دولتِ طاہریہ کے زمانہ میں کثرت سے خراسان میں درس گاہیں قائم ہوئیں جہاں سے بڑے بڑے اصحابِ فن پیدا ہوئے۔

---

[2] تذکرۃ الحفاظ علامہ ذہبی جلد ۲ صفحہ ۹۳۔

---

[1] طاہر بن حسین کا باپ مصعب بن زریق تھا جو سلیمان بن کثیر خزاعی دعوت بنی عباس کا کاتب تھا۔ وکان بلیغاً فمن کلامہ حسین کا انتقال ہوا تو مامون جنازہ میں شریک ہوا تھا۔ ابن خلکان جلد۱ صفحہ ۲۳۷

دولتِ صفاریہ

یعقوب بن لیث صفاری ابتدا میں ایک مزدور تھا۔ پھر لٹیروں کی جماعت کا سردار بن گیا اور اپنے ساتھی درہم بن حسین کو رستہ بتا کر خود رفتہ رفتہ ترقی کرتی ہُوا خراسان، کابل، بلخ، طبرستان کے علاقوں پر چھا گیا۔ محمد بن طاہر کو قید اور اس کے مدِمقابل حسن بن زید علوی کو شکست دی۔ یہ عہد معتمد کا تھا۔ پھر یعقوب نے فارس پر قبضہ جمایا۔ خلیفہ نے یہ رنگ دیکھ کر فارس اور خراسان کی ولایت (گورنری) خوشی سے یعقوب کو دینا چاہی لیکن اس کو تو تاجِ خلافت کی دھن تھی۔ یہ کب مانتا تھا۔ پہلی لڑائی میں خلیفہ کے بھائی موفق نے کسی حیلہ سے یعقوب کو بھگایا اور جب دوبارہ یعقوب نے تیاری کے ساتھ چڑھائی کی تو دردِ قولنج نے اُسے فرصت نہیں دی۔ یعقوب بڑا مستقل مزاج اور بہادر تھا۔ زندہ رہتا تو خلافت خطرے میں رہتی۔

خلیفہ معتمد کا ایلچی جب فارس اور خراسان کی ولایت کا پروانہ لے کر صُلح کا پیغام لایا تو اُس نے سامنے تلوار، نانِ خشک اور پیاز رکھ کر کہا کہ میں تلوار سے سلطنت لوں گا۔ خلیفہ کا مطیع ہونا مجھے منظور نہیں ہے اور تلوار نے میری مدد نہ کی تو سُوکھی روٹی اور ایک پیاز کی گٹھی مجھے بہت ہے۔

یعقوب کے مرنے کے بعد اس کے بھائی عمر بن لیث نے خود خلیفہ کی خدمت میں اظہارِ اطاعت کا خط بھیجا۔ وہاں سے عراق، عجم، فارس اور خراسان کی حکومت اس کو عطا ہوئی۔ اس کے خاندان کے طاہر بن محمد، لیث بن علی، عمرو بن یعقوب، خلف ابن احمد یکے بعد دیگرے سیستان کے حاکم ہوئے۔ سامانیوں سے مقابلہ رہا۔ آخر یہ دونوں خاندان تباہ ہوئے۔ دولتِ صفاریہ اور سامانیہ کا ایک ساتھ خاتمہ ہُوا[1]

---

[1] ابن اثیر جلد ۷ صفحہ ۲۰ اور مروج الذہب جلد ۷ صفحہ ۵۴ و ابن خلکان جلد ۲ صفحہ ۳۱۹ -

دولتِ ہباریہ

قبیلہ قریش کی ایک شاخ بنی اسد میں ایک شخص ہبار بن اسود جو ۸ھ میں مسلمان ہُوا۔ اس کی اولاد میں منذر بن زبیر سندھ کے والی حکم بن عوانہ متوفی ۱۲۱ھ کے ساتھ سندھ پہنچا اور اقامت پذیر ہو گیا۔ عمر بن عبدالعزیز اس کا سبط تھا۔ عبدالعزیز کے بعد عبداللہ حاکمِ منصورہ بنا۔

یہ تخت نشینی کے بڑا لائق ثابت ہُوا۔ امن و امان کے قیام کے ساتھ بڑا رُعب قائم کیا۔ اس کا وزیر رباح تھا۔ اس کے دو لڑکے محمد اور علی تھے۔ ایک کو قاضی مقرر کیا جو آل ابی شوارب کے خاندان سے تھا۔ پھر عبدالرحمٰن بن علی حاکم ہو گیا۔ ان پر اسماعیلیوں کا غلبہ ہو گیا۔

۴۰۱ھ میں محمود نے ملتان پر قبضہ کیا تو منصورہ پر اس کا تسلط ہو گیا اور ہباری خاندان ختم ہو گیا۔



۱؎ مروج الذہب صفحہ ۳۷۷۔

خلیفہ محمد بن جعفر الملقب بہ منتصر باللہ

نام ونسب محمد منتصر بن متوکل بن معتصم بن ہارون الرشید، والدہ کا نام حبشیہ تھا وامہ ام ولد یقال حبشیہ[1]۔ منتصر ۲۲۲ھ میں پیدا ہوا۔

بیعتِ خلافت ۲۳۵ھ میں متوکل نے اس کے لئے ولی عہدی کا فرمان لکھا تھا متوکل کے قتل کے بعد ۲۵ سال کی عمر میں اس کو ترکوں نے تختِ خلافت پر بٹھایا۔ وصیف اور دوسرے ترکی امراء نے اس کے ہاتھ پر ۴ شوال ۲۴۷ھ مطابق ۱۱ دسمبر ۸۶۱ء میں بیعت کی[2]۔

دوسرے دن منتصر کے سوتیلے بھائیوں معتز اور ابراہیم موئد نے بیعت کی۔ اس کے بعد تمام عمائد سلطنت سے بیعت لی گئی۔

وقائع تختِ خلافت پر بیٹھنے کے بعد منتصر نے جعفریہ کو جسے متوکل نے بے شمار دولت صرف کر کے بنوایا تھا کھدوا ڈالا۔ یہاں کی کل آبادی اپنی پرانی جگہ پر واپس کر دی گئی۔

ابو العمود شاربی کا خروج منتصر کو تخت نشین ہوئے کچھ عرصہ گزرا تھا کہ یمن میں بوارنج اور موصل میں ابو العمود شاربی نے بغاوت بپا کر دی۔ قبیلہ ربیعہ اور کرد بھی اس بغاوت میں شریک ہو گئے۔ اس وجہ سے ابو العمود طاقت ور ہو گیا۔ منتصر نے سیما ترکی سردار کو اس کے مقابلہ پر روانہ کیا۔ اس نے چند مقابلے کئے۔ آخرش ابو العمود گرفتار ہوا اور منتصر کی

---

[1] یعقوبی جلد ۱ صفحہ ۱۷۰ [2] یعقوبی جلد ۲ صفحہ ۳۰۶۔

خدمت میں بھیج دیا گیا۔ منتصر نے اطاعت کا عہد لے کر آزاد کر دیا۔[1]

فتوحات ۲۳۷ھ میں امیر عبداللہ بن عباس مجاہد اعظم عباس کے مرنے کے بعد امیر صقلیہ ہوا۔ اس نے جبل بن مالک ارمبنن اور مشارعہ متعدد قلعے فتح کئے۔ پانچ ماہ بعد ۲۴۸ھ میں عبداللہ کی جگہ خفاجہ بن سفیان امیر مقرر ہوا۔ اس نے اپنے لڑکے محمود کو سرقوسہ روانہ کیا۔ اس نے سرقوسہ کو تاخت کیا مگر قبضہ نہ کرسکا۔ لوٹ آیا۔[2]

وزارت منتصر نے عبیداللہ بن خاقان کو معزول کر کے احمد بن خصیب کو جو اس کا کاتب تھا وزارت کے عہدہ پر سرفراز کیا۔

منصب قضاۃ جعفر بن عبدالواحد ہاشمی کو منصب قضاۃ پر مقرر کیا۔[3]

اتراک کا اقتدار متوکل کے قتل کے بعد سے ترکی امراء اور فوج خودسر ہوگئی تھی۔ ان کی ہیبت سے خود خلیفہ لرزہ بہ اندام تھا وصیف اور بغا نے اس سے کہا کہ اپنے دونوں بھائیوں کو ولی عہدی سے معزول کر دو۔ چنانچہ منتصر کے کہتے ہی مؤید نے فوراً منظور کر لیا۔ بعد کو معتز نے بھی دستبرداری لکھ دی ورنہ ان کی جان کو خطرہ تھا۔

وزیر احمد بن خصیب ترکی جنرل امیر وصیف سے مخاصمت رکھتا تھا اس نے منتصر سے کہہ سن کر آمادہ کیا کہ وصیف دارالخلافہ سے علیحدہ رہے۔ چنانچہ منتصر نے وصیف سے ایک دن کہا قیصر سرحد پر حملہ کرنا چاہتا ہے آپ جائیں یا میں اس کے مقابلہ کے لئے روانہ ہوں۔ چنانچہ وصیف نے کہا خاکسار جانے کو تیار ہے۔ وزیر خصیب نے جملہ سامان کا انتظام کر دیا۔ امیر وصیف سرحد روانہ ہو گیا۔[4]

---

[1] مروج الذہب جلد ۷ صفحہ ۲۰۹ [2] ابن اثیر جلد ۷ صفحہ ۲۳

[3] تنبیہ و اشراف صفحہ ۲۵۰ [4] طبری جلد ۱۲ صفحہ ۱۴۸۰ -

صفاتِ منتصر منتصر حلیم، عفیف، بامروت، اس کا حسنِ خلق بڑھا ہوا تھا۔ متوکل نے شیعوں پر جو قیود عائد کر دیئے تھے ان کو یک قلم اُٹھا دیا۔ تمام علویوں کے وظائف جاری کر دیئے اور اوقاف واگذاشت کر دیئے گئے۔ باغ فدک عطا کر دیا۔ کربلا کی زیارت کی اجازت دے دی [1]

علامہ سیوطی کا بیان ہے :۔

"منتصر نے رعیت میں عدل و انصاف پھیلایا اور لوگ باوجود اس کی ہیبت کے اس کی طرف مائل ہو گئے۔ کیونکہ وہ بہت سخی اور حلیم الطبع تھا۔" [2]

منتصر رعب دار تھا ہر وقت باخبر رہا کرتا تھا مگر نہایت ممسک واقع ہوا تھا مال و زر کی اتنی حفاظت کرتا تھا کہ لوگ اُسے بخیل اور کنجوس ہی کہا کرتے تھے [3]

حلیہ قد میانہ، حسین چہرہ، گندمی رنگ، نہایت جسیم و لحیم اور بارعب و داب تھا۔

واقعۂ عبرت منتصر نے اپنے باپ کے خزانے سے کچھ فرش نکلوائے اور ان کو ایک مکان میں بھجوایا۔ ایک فرش کے وسط میں ایک دائرہ بنا ہُوا تھا اور اس میں ایک سوار کی تصویر جس کے سر پر تاج تھا بنی ہوئی تھی۔ اس کے چاروں کناروں پر فارسی میں کچھ لکھا ہوا تھا۔ ایک فارسی خواں کو خلیفہ نے بلوایا۔ وہ پڑھ کر کچھ چُپ سا ہو گیا۔ منتصر نے پوچھا کیا لکھا ہے؟ اس نے کہا کہ اس کے کچھ معنی میری سمجھ میں نہیں آئے۔ مگر خلیفہ اصرار کرتا رہا۔ مجبور ہو کر اُس نے کہا کہ اس میں یہ لکھا ہے کہ "میں نے شیرویہ بن کسریٰ بن ہرمز ہوں جس نے اپنے باپ کو قتل کیا۔ لیکن مجھے چھ ماہ سے زیادہ سلطنت

---

[1] تنبیہ و اشراف صفحہ ۲۵۸ [3] تاریخ کامل جلد ۷ صفحہ ۴۴ و فوات الوفیات جلد ۲ صفحہ ۱۸۴

[2] تاریخ الخلفاء صفحہ ۲۴۸۔

کرنا نصیب نہ ہوا"۔
یہ سن کر منتصر کا رنگ فق ہو گیا اور اس فرش کو جلا دینے کا حکم دیدیا۔[1]

باپ کے قتل کا غم منتصر ترکوں کا ہمنوا ہو کر باپ کو قتل کرا چکا مگر اس کو اس واقعہ کا غم بہت تھا۔ شب و روز باپ کے لئے رویا کرتا۔ اس غم میں چھ ماہ تک گھل گھل کر سوکھ گیا۔ ادھر باپ کے قاتلوں سے انتقام بھی لینا چاہتا تھا۔ ترک اس کے انداز کو سمجھ گئے۔

مسعودی کا بیان ہے کہ ایک دن منتصر قصر میں بیٹھا ہوا تھا کہ بغا صغیر کو ترکوں کے غول میں آتے دیکھا۔ منتصر نے اسے دیکھ کر فضل بن مامون سے کہا اگر میں والد کے بدلہ میں ان کو قتل نہ کردوں اور ان کی جماعت کو منتشر نہ کردوں تو خدا مجھے قتل کردے۔ ترکوں کو اس کا علم ہو گیا۔ چنانچہ سب سردار اس کی جان کے لاگو ہو گئے۔[2]

وفات منتصر مرض الموت میں مبتلا ہو گیا۔ امرائے ترک نے اس کے طبیب ابن طیفور کو تیس ہزار اشرفی دے کر مسموم آلہ سے فصد دلوا دی جس کی سمیت کے اثر سے منتصر جانبر نہ ہو سکا۔[3]

سامرہ میں منتصر کا ۵ ربیع الثانی ۲۴۸ھ کو انتقال ہوا۔ احمد بن محمد بن معتصم نے نماز جنازہ پڑھا کر یہیں دفن کر دیا۔[4] وفات کے وقت پچیس سال چھ ماہ کی عمر تھی۔ مدتِ خلافت چھ مہینے دو دن ہے۔

---

[1] تاریخ الخلفاء صفحہ ۹۰ [2] مروج الذہب جلد ۷ صفحہ ۳۰۱ [3] تاریخ الخلفاء صفحہ ۳۶۵
[4] تاریخ کامل جلد ۷ صفحہ ۳۸۔

خلیفہ مستعین باللہ ابو العباس احمد عباسی

نام ونسب ابو العباس احمد ملقب مستعین بن محمد بن معتصم بن ہارون الرشید اس کی والدہ کا نام مخارق صقلوی تھا۔

ولادت ۲۲۱ھ میں ہوئی۔

بیعتِ خلافت منتصر کے مرنے کے بعد موالی کا اجتماع ہُوا۔ ان میں ممتاز ہستیاں بغا کبیر، بغا صغیر اور اتامش، ان تینوں نے اتراک مغاربہ اور اشروشینہ کے امراء سے حقِ انتخاب خلیفہ لے کر موسیٰ بن شاکر منجم کی رائے سے احمد بن محمد بن معتصم کو خلیفہ تجویز کیا اور اس کے ہاتھ پر بیعت کی اور لقب مستعین باللہ رکھا گیا۔ مستعین ۵ ربیع الثانی ۲۴۸ھ کو تختِ خلافت پر رونق افروز ہُوا۔ وزیر احمد بن حصیب برقرار رہا۔

علوئین زیدیہ جماعت میں سے یحییٰ بن عمر جو بغداد میں مقید تھے وہ آزاد ہو گئے اور انھوں نے اپنی جماعت کو فراہم کیا اور دعوائے خلافت کر بیٹھے۔ اور کوفہ کو بلا مزاحمت تصرف میں لائے۔ امیر بغداد محمد بن عبداللہ بن طاہر نے اُن کے مقابلہ کے لئے حسن بن ابراہیم بن مصعب کو فوج دے کر بھیجا۔ وہ کوفہ سے کچھ فاصلہ پر مقیم ہُوا۔ زیدیہ نے یحییٰ کو مشورہ دیا کہ امیر حسن سے چل کر اس کے قیام پر نبٹ لیا جائے اور کوفہ سے اُسے بڑھنے ہی نہ دیا جائے۔

چنانچہ یحییٰ اصولِ جنگ سے ناواقف کوفہ سے نکل کر شاہی فوج پر حملہ کرنے کے لئے چلے۔ رات بھر چل کر ۱۳ رجب ۲۵۰ھ کی صبح کو امیر حسن کے

---

[1] یعقوبی جلد ۱ صفحہ ۲۱۸۔

مقابل آئے۔ اس کی فوج تازہ دم اور زیدیہ درماندہ۔ پہلے ہی جھڑپ میں منہ کی کھا گئے۔ یحییٰ گھوڑے سے نیچے آرہے اور مقتول ہوئے۔ ان کا سر مبارک محمد بن عبداللہ امیر بغداد کے پاس بھیج دیا گیا۔ اس نے سامرہ روانہ کیا وہاں باب عامہ پر لٹکا یا گیا۔ محبانِ اہلِ بیت میں شورش پیدا ہوئی۔ اس وجہ سے بغداد واپس کیا گیا۔ وہاں لٹکایا تو وہاں بھی یہی صورت پیش آئی تو دفن کر دیا گیا۔ مستعین کے زمانے میں علوئین کے ہوا خواہ بڑھ گئے تھے اور بنی عباس سے پہلا سا انس کم ہو رہا تھا۔[1]

طبرستان میں دولت علویہ حسن بن یزید علوی نے طبرستان کو زیر نگین کر لیا ۲۷ سال فرماں رواں رہا۔ ۲۸۷ھ میں حسن قتل ہوا اور حسن بن علی قائم مقام ہوا۔ حسن نے حکومت قائم کی اور ۳۱۶ھ تک اس کے خاندان میں حکومت رہی۔

رومی سرحد ملک کی اندرونی حالت کمزور ہونے سے سرحد پر رومیوں نے فتنہ کھڑا کر رکھا تھا۔ وہاں عمر بن عبداللہ اقطع اور علی بن یحییٰ ارمنی دو امیر تھے جن کے تہور اور شجاعت کی دھاک رومیوں کے قلوب پر مستولی تھی۔ عمر نے ملطیہ پر چڑھائی کی۔ وہاں شہید ہو گئے۔ رومیوں نے میدان صاف دیکھ کر جزیرہ کے حدود تک قدم بڑھایا۔ علی بن یحییٰ مقابل آئے۔ مگر ان کے ساتھ قلیل جماعت تھی۔ آخر ش چار سو مسلمانوں کی ہمراہی میں جامِ شہادت نوش کیا۔

رومیوں نے اب خوف و خطرہ کے بغیر اسلامی علاقہ کو تاخت و تاراج شروع کر دیا۔ مستعین میں اب دم نہ رہا تھا کہ وہ کسی سردار سے کہتا کہ سرحدی فتنہ کا سدِ باب کرے۔

---

[1] ابن خلدون جلد ۷ صد ۲۱۶۔

نظمِ مملکت ملک کے انتظام میں بہت کچھ خرابی پیدا ہو چکی تھی۔ ترک جاہل قوم تھی وہ ہر ملکی انتظام میں دخیل ہو کر اُسے بگاڑ رہے تھے وزارت پر بھی اُن کا تسلط تھا۔ ان کی مرضی کو انتخابِ وزیر میں زیادہ دخل تھا۔

وزراء احمد بن خصیب، اتامش، ابو صالح عبداللہ بن محمد بن یزداد، وزیر مامون محمد بن فضل جرجرائی، وزارت پر سرفراز کئے گئے۔

قضاۃ منصبِ قضاۃ پر حسن بن ابی الشوارب اموی کو ممتاز کیا۔[۱]

احمد بن خصیب پہلے کاتب تھا۔ یہ کم سواد اور کوتاہ نظر اور نہایت تند مزاج، پہلے منتصر کا وزیر رہا پھر علیحدہ کر دیا گیا مستعین نے وزارت پر ممتاز کیا۔ مگر ترکی امراء اس سے ناراض ہو گئے۔ ۲۴۸ھ میں اس کو گرفتار کر کے جزیرہ اقریطش بھیج دیا اور اس کے لڑکے کا مال و اسباب ضبطی میں لایا گیا۔[۲]

وزیرِ اعظم اتامش ترکی امراء میں سے تھا جب یہ وزیرِ اعظم بنایا گیا اس کا کاتب "شجاع" تھا مستعین کی والدہ مخارق جس کا کاتب سعید بن سلمہ نصرانی تھا اور شاہک خادم قصرِ خلافت کا داروغہ اور خزانچی یہ تینوں اتامش ترک سے ساز باز کر گئے جو رقم خزانہ میں آتی وہ حصہ رسد تقسیم ہو جاتی۔ کچھ رقم رہ جاتی وہ مستعین کے صاحبزادے عباس کے اتالیق دلیل بن یعقوب نصرانی کے قبضہ میں جاتی۔

وقائع ۲۴۸ھ میں طاہر بن عبداللہ بن طاہر والی خراسان فوت ہوا۔ وصیف اور بغا جو کسی زمانے میں سیاہ و سپید کے مالک تھے۔ یہ رنگ دیکھ کر اتامش سے ناراض ہو گئے۔ انہوں نے ترکی امراء کو بھڑکا دیا۔

۱۲ ربیع الثانی ۲۴۹ھ میں انہوں نے اپنے ترکی سپاہیوں سے اتامش کو جو قصرِ خلافت میں پناہ گیر ہوا تھا، قتل کرا دیا۔

---

[۱] تنبیہ و اشراف صفحہ ۲۶۰ [۲] یعقوبی جلد ۲ صـ ۲۱۸ [۳] ایضاً

ابو صالح نے چاہا کہ محاصل کے حسابات منضبط کر کے سلطنت کے مالیہ کو درست کرے۔ بغا صغیر کو یہ انتظام پسند نہ آیا، وہ برہم ہو گیا۔ ابو صالح جان بچا کر شعبان ۲۴۹ھ میں بغداد چلا گیا۔ صرف تین ماہ فرائض وزارت انجام دیئے۔

محمد بن فضل، اس نے منصبِ وزارت پر مامور ہو کر بجائے وزیر کے کاتب کا عہدہ اپنے لئے رکھا اور ترکوں کی مرضی پر چلتا رہا۔

مستعین کی معزولی

آتامش وزیر کے قتل کے بعد باغر ترکی جس نے متوکل کو قتل کیا تھا۔ اس نے بغا کبیر اور وصیف کو دیکھا کہ وہ امورِ خلافت پر حاوی ہیں اور خود کو کچھ اختیار نہیں۔ اس نے ایک جماعت ترکوں کی لے کر مستعین اور بغا اور وصیف کو قتل کرنے کی تدبیر کی۔ اس سازش کی خبر مستعین کو لگ گئی۔ اس نے وصیف کو مطلع کیا۔ اُس نے باغر کو قتل کرا دیا۔ اس کے ساتھی جو تھے وہ خلیفہ اور وصیف کو باغی ہو گئے اور کچھ عرصہ سامرہ میں شورش بپا رہی۔ خلیفہ مستعین قتل کئے جانے کے ڈر سے بغا اور وصیف بغداد لے گئے۔ امیر بغداد محمد بن عبداللہ بن طاہر کے محل میں لے جا کر رکھا۔ خلیفہ کے جاتے ہی شورش پسندوں نے معتز کو قید خانہ سے نکال کر خلیفہ اور موید کو ولی عہد بنایا۔ مستعین سامرا کے امراء کو اور معتز بغداد کے امراء کو خطوط لکھ کر اپنی طرف مائل کرنے لگے۔

محمد بن عبداللہ نے بغداد کی فصیل پر فوجیں متعین کر دیں اور سامرا کے راستے روک دیئے تاکہ سامانِ رسد وہاں نہ پہنچ سکے۔ معتز نے سامرا میں عنانِ حکومت ہاتھ میں لیتے ہی بغداد کو تسخیر کرنے کے لئے اپنے بھائی ابو احمد بن متوکل اور ترکی امیر کلباتکین کی قیادت میں فوجیں روانہ کیں۔ بمقام عکبرا میں خیمہ زن ہو کر محرم ۲۵۱ھ میں بغدادی فوجوں پر حملہ کرتے ہوئے آگے بڑھتے ہوئے، صفر کو فصیل بغداد تک ہر دو سردار پہنچ گئے۔ وہاں سخت لڑائی ہوئی۔ محمد بن عبداللہ جان لڑا رہا تھا۔ عبیداللہ بن یحییٰ بن خاقان وزیر متوکل نے امرائے فوج سے کہا کیوں

مستعین کے لئے جان دیتے ہو یہ منافق ہے۔ محمد بن عبداللہ نے کنارہ کشی اختیار کی۔ اہلِ بغداد بھی جماعت سے دست کش ہو گئے۔ مستعین نے یہ رنگ دیکھ کر خلافت سے دست بردار ہونے کو تیار ہو گیا۔

۱۰ ذی الحجہ ۲۵۱ھ میں محمد بن عبداللہ قاضیوں اور فقیہوں کو لے کر اس کے پاس گیا۔ مستعین نے کہا میں محمد بن عبداللہ کو اپنا مجاز بناتا ہوں جو فیصلہ کریں گے مجھے منظور ہے۔ محمد بن عبداللہ نے معتز کو مستعین کی جان بخشی کے لئے لکھا۔ اس نے منظور کر لیا۔ ۴ محرم کو معتز کی خلافت کی بیعت ہوئی۔

مستعین نے رداء اور مہر خلافت حوالہ کر دی۔ مستعین کو واسط روانہ کر دیا اور اس کے آرام و آرائش کا حکومت کی طرف سے انتظام کر دیا گیا۔[1] احمد بن طولون اس کا نگران تھا۔ سیر و شکار کی اجازت تھی۔

قتلِ مستعین کچھ عرصہ بعد سرمن رائے کے ایک مقام قادسیہ میں وہ روز چہار شنبہ ۳ شوال ۲۵۲ھ کو حاجب سعید کے ہاتھوں قتل کرا دیا گیا۔

اس وقت اس کی عمر ۳۵ سال کی تھی۔ ۳ سال آٹھ مہینے اور اڑتالیس دن حکومت کی۔[2]

حلیہ نہایت لحیم جسیم اور خوب صورت تھا۔ ڈاڑھی سیاہ تھی۔ چہرے پر چیچک کے داغ تھے۔ زبان میں لکنت تھی۔[3]

اوصاف وہ نرم مزاج مگر لایعنی باتوں کی اتباع میں سخت مطلق العنان تھا۔ خوف سے اس کو جان کے لالے پڑے رہتے تھے اسی خوف اور بے اطمینانی کے باعث اپنے دارالحکومت اور مرکز عزت

---

[1] ابن خلدون جلد ۷ صفحہ ۲۳۲ [2] تنبیہ و اشراف صفحہ ۲۵۹

[3] تاریخ الخلفاء صفحہ ۲۶۹۔

سے اُس نے راہِ گریز اختیار کی اور امورِ سلطنت کے بار سے سبکدوش ہوگیا۔[1]

علامہ سیوطی کا بیان ہے :-

"مستعین نہایت نیک اور فاضل ادیب اور فصیح و بلیغ شخص تھا[2] لیکن فہم و شعور اور عقل و دانش کے لحاظ سے وہ نہایت معمولی خلیفہ تھا"۔[3]

علمائے معاصر

عبد بن حمید۔ ابوطاہر بن سرح۔ حارث بن مسکین۔ اعقری۔ ابوحاتم سجستانی۔ جاحظ



---

[1] تبغیہ واشراف صفحہ ۲۵۹ [2] تاریخ الخلفاء صفحہ ۲۴۵۔
[3] الفخری صفحہ ۲۲۔

خلیفہ معتز ابوعبداللہ

نام ونسب ابوعبداللہ معتز باللہ بن متوکل کی پیدائش ۲۳۱ھ میں ہوئی۔ اس کی ماں کا نام قبیحہ تھا جو ام ولد تھی۔[1]

تعلیم وتربیت علی بن حرب سے علوم رسمیہ کی تحصیل کی۔[2]

وزارت معتز نے تختِ خلافت پر بیٹھتے ہی پہلے وزارت کو سنبھالا۔ ابوالفضل جعفر بن محمود اسکافی کو ترکوں کے دباؤ سے وزارت کے عہدہ پر سرفراز کیا۔ مگر یہ تھا علم وادب سے ناآشنا، صرف زرپاشی سے امراء کو خوش رکھتا تھا۔ معتز کو یہ پسند نہ تھا۔ جن ترکی امراء کو فائدہ نہ پہنچا وہ ناراض ہوگئے۔ ابوالفضل کو علیحدہ ہونا پڑا۔ عیسیٰ بن فرخانشاہ کو وزارت پر سرفراز کیا۔ مگر ترکوں کی کش مکش سے زیادہ عرصہ تک وزیر نہ رہ سکا اور علیحدہ کر دیا گیا۔ احمد بن اسرائیل جو علم وکتابت میں لائق و فائق تھا اور معتز کا قدیمی کارپرداز رہ چکا تھا عہدۂ وزارت پر سرفراز کیا گیا۔

علوئین معتز کے زمانہ میں علی ہادی بن محمد جواد جو شیعوں کے دسویں امام ہیں سامرا میں انھوں نے وصال فرمایا۔ اس کے بعد ان کے بیٹے حسن عسکری امام ہوئے۔ امام کا علم وفضل میں بڑا پایہ تھا۔ آپ نے ایک تفسیرِ قرآن بھی لکھی۔[3]

زیدیہ نے طبرستان میں حکومت قائم کر لی تھی اور بغداد اور عراق کے شیعوں

---

[1] یعقوبی جلد ۲ ص ۲۳ [2] تاریخ الخلفاء صفحہ ۲۴۹ [3] فہرست ابن ندیم۔

سے خط وکتابت کر رہے تھے وہ پکڑ لئے گئے۔ معتز نے ان لوگوں کو سامرا بلا کر زیر نگرانی رکھا۔ کوئی زجر و توبیخ نہیں کی۔

وصیف وبغا کی معزولی ترکی امراء کے مشورہ سے وصیف وبغا کو مستعین کی معاونت کے جرم میں معزول کر دیا۔ پھر سفارش پر بحال کر دیا اور جاگیریں جو ضبط کر لی گئی تھیں وہ واپس کر دی گئیں اور اپنے اپنے مناصب پر بحال کیا۔

نائب سلطنت جس سال معتز تخت نشین ہوئی اسی سال اشناس مر گیا۔ جس کو واثق نے نائب سلطنت بنایا تھا۔ اس نے پچاس ہزار دینار چھوڑے جو بحقِ حکومت ضبط کئے گئے اور علی بن محمد بن عبداللہ بن طاہر کو خلعتِ نیابتِ سلطنت عطا کیا اور اس کے دو تلواریں کمر میں باندھی ہیں۔ کچھ عرصہ بعد اُس کو بھی معزول کیا اور اپنے بھائی ابو احمد کو نائب سلطنت بنایا اور اس کے سر پر چاندی کا تاج رکھا اور جواہرات کا طرہ لگایا اور دو تلواریں اس کے بھی باندھیں۔ پھر اس کو بھی معزول کر کے نقش شرابی کو نائب بنایا اور اس کو تاج شاہی پہنایا گیا۔ اُس نے ایک سال بعد بغاوت کی مگر قتل کر دیا گیا اور اس کا سر معتز کے پاس بھیج دیا گیا[1]

مغاربہ اور اتراک معتصم باللہ کے عہد سے مغاربہ کی ایک فوج باقی رہ گئی تھی۔ اس میں باہم چل گئی اور اُن کے سردار محمد بن عون کے یہاں چھپ گئے۔ ترکوں نے ان سرداروں میں سے محمد بن ارشد اور نصیر بن سعید کو گرفتار کر کے قتل کر ڈالا اور ابن عون کو خلیفہ کی سفارش سے جلاوطن کر دیا۔[2]

حالات مساور خارجی موصل کی گورنری پر عقبہ بن محمد خزاعی تھا اور پولیس

---

[1] تاریخ الخلفاء صفحہ ۲۵۰۔ [2] ابن خلدون جلد ۷ صفحہ ۲۲۸۔

افسر حسین بن بکیر تھا۔ مساور بن عبداللہ بن مساور بجلی خارجی بوارنج میں رہتا تھا۔ اس کے لڑکے جوثرہ کو حسین نے پکڑ لیا۔ اُس نے باپ کو لکھا کہ افسر پولیس میرے ساتھ فعل بد کرتا ہے۔ مساور نے خوارج کو جمع کیا اور موصل پر حملہ بول دیا۔ عقبہ بن محمد والیٔ موصل سے زوردار مقابلہ رہا۔ ۲۵۲ھ میں ایوب بن عمر بن خطاب تغلبی گورنر موصل بنایا گیا۔ اس نے اپنے بیٹے حسن کو نائب کیا اور حمدون بن حرث محمد بن عبداللہ کو معہ فوج کے مساور کے مقابلہ کے لئے بھیجا۔ مگر اس کو ہزیمت اُٹھانا پڑی۔

۲۵۵ھ میں عبداللہ بن سلیمان کو گورنر موصل کیا۔ اس کو بھی مساور نے شکست دے دی اور موصل پر قبضہ جمایا اور نماز جمعہ ادا کی۔ مگر ۲۵۶ھ میں اس کی جماعت میں سے عبید بن زہیر عمری نے اس کی مخالفت شروع کر دی۔ مگر کچھ بگاڑ نہ سکا۔ ۲۵۵ھ سے ۲۵۷ھ تک مساور نے عراق کے اکثر بلاد پر قبضہ کر لیا۔ موسیٰ بن بغا ایک عظیم الشان لشکر لے کر اس کے مقابل آیا۔ مگر بلا لڑے واپس آ گیا۔[1]

اوصاف معتز عیش و نشاط میں ہر وقت ڈوبا رہتا تھا، خوبیاں کم برائیاں زیادہ تھیں۔ مگر فصیح، بلیغ اور زبان آور خطیب تھا۔ تدبیر و رائے میں نہایت بے بہرہ تھا۔ اس کی ماں قبیحہ اور دوسرے لوگ اس کی طرف سے سلطنت کے معاملات انجام دیا کرتے تھے جس کی وجہ سے ہر شخص کو امورِ مملکت میں تغلب و تصرف کا موقعہ ہاتھ آ جاتا تھا اور معتز دیکھا کرتا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ کارہائے سلطنت میں لوگوں کی نظروں سے بالکل اُتر گیا۔ مگر خود مزاج میں امامت اور نفاست کی شان رکھتا تھا۔ معتز نے اپنی سواری کے ساز کو خالص طلائی کا بنوایا تھا۔[2]

---

[1] تنبیہ واشراف صفحہ ۲۶۱ [2] تاریخ الخلفاء صفحہ ۳۴۹۔

حُلیہ رنگ گورا۔ چہرہ حسین، کالے بال، خوب صورت آنکھیں۔ وہ اتنا حسین تھا کہ اُس کے حسن وجمال کی نظیر تمام خلفاء میں نہیں ملتی۔

خلع خلافت معتز ترکوں کے مقابلہ میں بہت ضعیف تھا۔ ان لوگوں نے جمع ہو کر امیر المومنین سے کہا کہ ہمیں کچھ دلوائیے کہ ہم صالح بن وصیف کو ٹھکانے لگا دیں۔ کیونکہ صالح سے معتز خوف زدہ تھا۔ ترکوں کی مانگ کو اپنی ماں سے روپیہ لے کر پورا کرنا چاہتا تھا مگر ماں نے صاف انکار کر دیا۔ یہاں خزانہ شاہی خالی تھا۔ عسکری ترکوں کی تنخواہیں کہاں سے دی جاتیں۔ اس لئے مجبوراً معتز نے مناسب سمجھا کہ خلع خلافت کر کے اپنی آبرو اور جان بچالے جائے ترک بھی رضامند ہو گئے اور انہوں نے صالح بن وصیف اور محمد بن بغاء علی الحسن بن مخلد ذکواں صالح، علی احمد بن اسرائیل کاتب وزیر کو ہمنوا بنالیا۔ دار الخلافہ میں ہتھیار بند ترک گھس آئے اور معتز کو بلا بھیجا۔ معتز نے کہا میں نے دوا پی ہے اور کمزور ہوں اس لئے باہر محل سے نہیں آسکتا اس پر ترک برافروختہ ہو گئے اور محل میں گھس کر اس کی ٹانگ پکڑ کر گھسیٹتے ہوئے باہر لے آئے۔ پھر زدوکوب کیا۔ گرمی کے دن تھے اُس کو دھوپ میں کھڑا کر دیا۔ ذلیل کر کے کہا خلع کیوں نہیں کرتا؟ قاضی ابن ابو شوارب کو بلالائے اور اس سے خلع خلافت کرالیا۔ پھر ترک بغداد سے سامرہ پہنچے۔ محمد بن واثق وہاں تھا معتز نے خلافت اس کے سپرد کر دی اور خود اس سے بیعت کر لی۔

آخری زمانہ معتز کا آخری زمانہ ترکوں کی وجہ سے بے حد کلفت سے گذر رہا تھا۔ اس کے جو قلمرو زیر نگیں تھے اس میں سے کٹ کر نئی حکومتیں بن گئی تھیں۔ ۲۵۴ھ میں طولونیہ ایک اور جدید حکومت کی بنا پڑی۔ جس کا ذکر آگے آتا ہے۔

وفات بیعت کے واقعہ کے پانچ روز بعد ترک معتز کو پکڑ کر حمام میں لے گئے یہاں غسل کرایا۔ اس کو پیاس لگی تو پانی نہ دیا اور وہاں

سے نکال کر اس کو برف کا پانی پلادیا جس کے پیتے ہی معتز کا دم نکل گیا۔ یہ واقعہ ۸ شعبان ۲۵۵ھ کا ہے [1]

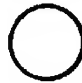
اس کی نماز جنازہ مہتدی نے پڑھائی اور اس کو دفن کر دیا گیا [2]

معتز کی ماں بیٹے کے مرنے کے بعد صالح بن وصیف سے ملی اور ایک کروڑ تیس لاکھ دینار اور ایک چادر انی جس میں بیش قیمت زمرد لگے ہوئے تھے نذر کئے۔ ابن وصیف نے کہا پچاس ہزار دینار کی بدولت اپنے بیٹے کو قتل کر ڈالا۔ لہٰذا تم اب مکہ میں رہ کر عبادت کرو اور اس نے اس کو مکہ معظمہ بھیج دیا۔ وہاں وہ ۲۶۴ھ میں مر گئی [3]

ناکام حکمرانی معتز بغا کے خوف سے تمام عمر لرزہ بہ اندام رہا۔ اس کا زمانہ شورشوں اور انقلابات میں گزرا۔ اس کو انتظام سلطنت کا موقعہ نصیب نہ ہوا بلکہ عباسی حکومت کا ایک حصّہ دولتِ صفاریہ کی شکل میں رونما ہوا۔ اس کے سوا طبرستان پر زیدیوں کا قبضہ و تصرف ہوا۔

علمائے عصر

سری سقطی۔ ہارون بن سعید الاملی۔ دارمی مصنف مسند۔ عقبلی، مصنف مسائل القبیہ [4]



---

[1] تاریخ الخلفاء صفحہ ۲۴۹ و ابن اثیر جلد ۷ صفحہ ۶۸-۶۹ [2] یعقوبی جلد ۱ صفحہ ۲۲۶

[3] تاریخ الخلفاء صفحہ ۲۵۰ [4] ایضاً۔

دولت علوئین اور دعوت آلِ محمد

حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے بعد دعوتِ آل محمد کا سلسلہ بنو فاطمہ اور علویوں کی طرف سے شروع ہوا جس میں حضرت زید، نفس ذکیہ وغیرہ مدعی خلافت ہوئے۔ ان کی مساعی، جانبازی، جان نثاری کا بنوعباس نے اپنی حسنِ قابلیت اور حسنِ تدبیر سے پھل پایا۔ تمام ممالکِ اسلامیہ میں ان کا سکہ چل گیا جیسا کہ اس سے پہلے بنو اُمیہ کی حکومت کا چراغ جل رہا تھا۔ اس زمانہ میں بنو اُمیہ کا بچہ بچہ اس جُرم میں کہ وہ خاندانِ خلافت کا آئندہ ایک ممبر ہوگا، قتل ہو رہا تھا۔ ہاشم بن عبدالملک کی اولاد سے عبدالرحمٰن بن معاویہ بن ہشام اس عام خونریزی سے بہ کمال بے کسی و بے سروسامانی اپنی جان بچا کر بھاگا جس کی تفصیل ہماری تالیف ”خلافتِ ہسپانیہ“ میں ہے۔

غرض کہ عبدالرحمٰن دریا کو عبور کر کے اندلس (ہسپانیہ) پہنچا۔ حکمرانی کی بُو دماغ سے نہ گئی تھی۔ اندلس کو عبدالرحمٰن بن یوسف فہری کے قبضہ سے نکال کر خود حکمرانی کرنے لگا۔ ایک برس خلیفہ سفاح کا خطبہ اندلس کی مساجد میں پڑھا گیا۔ پھر اس کے نام کا خطبہ پڑھا جانے لگا۔ اُس دن سے اندلس کو دولتِ اسلامیہ سے جس کے مالک بنوعباس ہو گئے تھے علیحدہ ہو گئے۔ پھر عہدِ خلیفہ ہادی ۱۹۲ھ میں علی بن حسن کا واقعہ پیش آیا اور ان کے سرگروہ حسین بن علی بن حسن مثنیٰ معہ ایک گروہ کے جو اُن کے خاندان کے افراد تھے قتل کر ڈالے گئے۔

ازاں جملہ ادریس بن عبداللہ بن حسن مغرب اقصیٰ کی جانب چلے گئے اور بربریوں میں اس زمانے سے اپنی دعوتِ آلِ محمد کی آڑ لے کر حکومت کی بنیاد ڈالی۔ جس کا تفصیلی تذکرہ ”خلافتِ ہسپانیہ“ میں آچکا ہے۔ اس طرح سے مغرب کا علاقہ بھی، بنوعباس کے دائرہ حکومت سے باہر ہو گیا اور وہاں ان کی ادریسیہ

حکومت مستقل قائم ہو گئی۔ بعد چندے جس وقت متوکل مارا گیا۔ اس وقت سے خلافت عباسیہ اور ضعیف ہو گئی اور ہر چہار طرف سے گورنران صوبجات اسلامیہ کی خود مختاری کی صدائیں آنے لگیں۔ حکمرانی کی مشین کے پُرزے ایک دوسرے سے جدا ہو گئے اور بجائے خود ایک مشین کے وہ قائم ہو گئے۔ بغداد میں بغاوت پھوٹ نکلی۔ علویہ نے اس موقعہ سے اُٹھا کر بلادِ اسلامیہ میں دعوتِ آل محمد کا نقارہ بجا دیا۔

چنانچہ المعتضد باللہ عباسی کے عہد میں ابو عبداللہ شیعی نے ۲۸۶ھ میں افریقہ پہنچ کر عبیداللہ المہدی بن محمد بن جعفر بن محمد بن اسماعیل بن جعفر الصادق کی خلافت کی دعوت دی اور ان لوگوں سے عبیداللہ المہدی کی خلافت کی بیعت لی اور افریقہ کو بنو اغلب کے قبضہ سے نکال کر اس پر اور مغرب اقصیٰ، مصر اور شام پر متصرف ہو گیا۔ پس ان کل صوبجات نے خلفاء بنو عباسیہ کے اقتدار سے نکل کر ایک جدید دولت کی صورت اختیار کر لی جو دو سو ستر برس تک قائم رہی [1]

عہدِ مستعین میں علویہ سے حسن بن زید داعی نے ظہور طبرستان میں کیا۔ معتز کے عہد میں اسمٰعیل بن یوسف علوی نے مکہ میں خروج کیا اور حج کے موقعہ پر سولہ سو حاجیوں کو قتل کر ڈالا اور محمد بن جعفر کوفہ میں اُٹھے۔ مزاحم بن خاقان نے اُن پر قابو پا لیا۔ [2]

اطروش علوی

۳۰۱ھ میں بنو حسین سے اطروش نے دولت و حکومت کا پتھر رکھا۔ پھر بنو علی سے عمر داعی طالقان کی حکومت زمانہ مقتدر میں قائم ہوئی۔ یمن میں ۱۹۹ھ میں یحیٰی بن الحسین بن القاسم بن ابراہیم طباطبا کا ظہور ہوا جنہوں نے دولتِ زیدیہ کا آغاز کیا اور دولت علویہ زیدیہ قائم کی۔ طباطبائی نے ۲۰۸ھ میں انتقال کیا [3]

---

[1] ابن خلدون جلد، کتاب ثانی صفحہ ۲۰۴ [2] طبری جلد ۱۲ صفحہ ۱۶۹۴

[3] دائرہ معارف بستانی جلد ۱۱ صفحہ ۱۹۱ ۔

(صیعدہ) صنعاء اور بلادِ یمن پر متصرف ہو گئے۔ اطراف بحرین اور عمان میں قرطہ کا ظہور ہوا۔ یہ کوفہ سے ۲۷۹ھ عہدِ معتضد میں وارد بحرین ہوئے اور بصرہ اور کوفہ پر متصرف ہو گئے۔ پھر بحرین پر اکتفا کر کے حکومت قائم کر لی۔ بنو سامان ۲۶۰ھ میں ان کی دعوت دیتے رہے جن کی حکومت چوتھی صدی کے آخر تک قائم رہی۔ ان کے تفصیلی حالات اس تاریخ میں آگے تحریر ہیں۔

دولتِ زیدیہ

حسن بن زید بن محمد بن اسماعیل بن حسن بن زید بن حسن بن علی کرم اللہ وجہہ اپنے زمانے کے انقیائے وقت سے تھے "رے" میں قیام تھا۔ کلا اور سالوس کے رئیس محمد و جعفر پسران رستم نے حسن بن زید کو مدعو کیا اور ان سے بیعت کی اور سلیمان بن عبداللہ بن طاہران دنوں طبرستان کا عامل تھا۔ اس کے زیر اثر کلا د سالوس تھے۔ پسران رستم نے تمام کارندے سلیمان کے نکال باہر کئے اور کل صوبہ پر قبضہ جمایا۔

خلیفہ مستعین نے محمد بن عبداللہ بن طاہر کو دیلم کے متصل حدود طبرستان میں کلا اور سالوس دو مقامات بصلہ مہم یحییٰ بن عمر جاگیر میں دیئے تھے۔ اس پر بھی حسن بن زید کا قبضہ ہو گیا۔ حسن کے ساتھ بہت سے لوگ ہو گئے تو "امل" کی طرف رخ کیا۔

محمد بن اوس مقابلہ کے لئے آیا مگر ہزیمت کھا کر بھاگا۔ پھر شہر ساریہ مسکن سلیمان بن عبداللہ پر چڑھائی کی وہ تاب مقابلہ نہ لا سکا۔ پھر "رے" بھی قبضہ و تصرف میں آ گیا۔ مستعین نے یہ رنگ دیکھ کر وصیف ترکی کو بھیجا کہ وہ ہمدان پہنچ کر اس سیلاب کو روکے جس کا ذکر آگے آتا ہے۔

حسن بن زید نے ایک قطعہ دولتِ طاہریہ کا اور ایک قطعہ خلافتِ عباسیہ کا فتح کر کے اپنی حکومت قائم کر لی جن میں دیلم اور طبرستان کے کوہستانی

سلسلے شامل تھے۔

	نام	
۱	حسن بن زید بانی حکومت	۲۵۰ھ تا ۲۷۰ھ
۲	محمد بن زید قائم بالحق	۲۷۹ھ
۳	کچھ عرصہ سامانی قابض رہے	
۴	حسن اطروش بن علی بن حسین بن علی بن عمر بن امام زین العابدین۔	۳۰۴ھ
۵	حسن بن قاسم	۳۵۵ھ

ایک صدی تک یہ دولت زیدیہ رہی۔ بنی سامان نے محمد بن زید کو قتل کر کے ۲۲ سال قبضہ رکھا۔ حسن اطروش نے لڑ کر اپنا ملک واپس لے لیا۔ پھر ایک جنگ میں وہ شہید ہوئے تو حسن بن قاسم نے عنانِ حکومت سنبھالی۔ مگر اولاد اطروش برسرِ پیکار رہے۔ آخر زیدیوں کے ہاتھ سے یہ حکومت ۳۵۵ھ میں نکل گئی [1]

دولتِ طولونیہ

مصر میں دولتِ طولونیہ کا قیام

خلیفہ معتز کے عہد میں ہی مصر میں دولتِ طولونیہ قائم ہوئی معتز نے

[1] ابن اثیر و مسعودی جلد ۷ صفحہ ۳۰۳۔

بابکیال ترکی کو مصر کا گورنر کیا۔ اس نے احمد بن طولون[1] کو اپنا نائب بنا کر معہ فوج مصر بھیجا۔ احمد بن طولون رمضان ۲۵۴ھ میں مصر پہنچا۔ اس وقت یہاں سے

---

[1] احمد بن طولون کا باپ طولون ترکی غلام تھا اس کو ۲۰۰ھ میں بخارا کے عامل نوح بن اسد سامانی نے مامون کی خدمت میں بطور ہدیہ بھیج دیا تھا۔[1] ۲۲۰ھ میں سامرا میں ان کے یہاں احمد ۲۲۰ھ میں پیدا ہوا اور طولون ۲۴۰ھ میں فوت ہوا۔ احمد کی تعلیم و تربیت اعلیٰ پیمانے پر ہوئی۔ علم حدیث سے دلی لگاؤ تھا۔ طرطوس کے محدثین سے سماعِ حدیث کیا۔ صلحاء و اخیار کی صحبت بہت مرغوب تھی۔ ابن خلکان کا بیان ہے۔

کان احمد عادلاً جواداً شجاعاً	"احمد میں عدل پروری، فیاضی، شجاعت
متواضعاً حسن السیرۃ صادق	بہادری حسن سیرت، فراست تمام اوصاف
الفراسۃ یباشر الامور بنفسہ	جمع تھے وہ جملہ فرائض بذاتِ خود انجام
ولعیر البلاد ویتفقد احوال	دیتا تھا۔ رعایا کے حالات معلوم کرتا
الرعایا ویحب اھل العلم وکانت	تھا۔ شہروں کو بساتا تھا اور اہلِ
لہ مائدۃ محضرھا کل یوم الخاص	علم کو بہت دوست رکھتا تھا اس کا
والعام وکان لہ الف دینار فی	دسترخوان عام و خواص ہر شخص کے لئے
کل شہر للصدقہ۔	وسیع تھا۔ ایک ہزار دینار روزانہ
[2]	خیرات کرتا تھا"

بعد تحصیل علومِ دینی احمد سامرہ میں سرکاری عہدہ پر ممتاز ہو گیا۔ کچھ عرصہ بعد اس نے عباس وزیر عبید اللہ بن یحییٰ سے طرطوس کا تبادلہ کرایا۔ مستعین اس پر بہت مہربان تھا۔ جب مستعین قید کیا گیا یہ نگران بنا۔ معتز کی ماں قبیحہ نے اس کو انعام کا لالچ دے کر مستعین کو قتل کرانا چاہا۔ اس نے اپنی جگہ احمد بن محمد کو مقرر کر کے الگ ہو گیا۔[3] معتمد کے عہد

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ ۳۸۸ پر)

---

[1] وفیات الاعیان جلد اول صفحہ ۵۴ [2] ابن خلکان جلد ۱ صفحہ ۵۵ [3] طبری جلد ۲ صفحہ ۱۰۴۔

حاکم خراج ابن مدبر کا مصر میں سکہ جما ہوا تھا۔ ابن طولون نے اُن کا رنگ کچھ دنوں میں اکھاڑ پھینکا۔ خلیفہ مہتدی کے زمانے میں اسکندریہ کی حکومت بھی اس سے متعلق ہو گئی۔ اس سے اس کی قوت وعظمت وشکوہ میں اضافہ ہو گیا[1] اماجور سابق عامل مصر کی لڑکی اس کو منسوب تھی۔ مصر میں اس قدر شوکت حاصل کر لی کہ مساجد کے ممبر پر خلیفہ اور ماجور کے بعد احمد بن طولون کا نام خطبوں میں شامل کر لیا گیا۔

(بقیہ حاشیہ پچھلے صـ ۳۸۷ سے آگے)

۲۵۸ھ میں مصر کا مستقل والی بن گیا۔ وہاں کے لوگ اس کے حسنِ انتظام اور پسندیدہ اخلاق کی وجہ سے بہت خوش تھے۔

ابن طولون ۲۷۰ھ میں فوت ہوا[2]

اس کے خاندان میں ۲۹۲ھ تک حکومت رہی پانچ امیر ہوئے۔

۱۔ احمد بن طولون (۲۵۴-۲۷۰)

۲۔ خمارویہ بن احمد (۲۸۲ھ)

۳۔ جیش بن خمارویہ (۲۸۳ھ)

۴۔ ہارون بن خمارویہ (۲۹۲ھ)

۵۔ شیبان بن احمد بن طولون (۲۹۲ھ)

یہ حکمران تحت دولتِ عباسیہ تھے۔ احمد کی یادگار جامع طولونیہ ہے۔۔۔

[1] دفعات الاعیان جلد اول صـ ۵۴

---

[2] طبری جلد ۲ صفحہ ۱۰۴

خلیفہ مہتدی باللہ

نام ونسب المہتدی باللہ (خلیفہ الصالح) محمد ابو محمد اسحاق بن مامون واثق بن معتصم بن ہارون الرشید، ایک ام ولد دردہ نامی کے بطن سے اپنے دادا کے خلافت کے زمانہ ۲۱۰ھ میں پیدا ہوا مگر یعقوبی لکھتا ہے۔ وامہ ام ولد یقال لہا قرب[1]

بیعتِ خلافت ۲۵۵ھ میں لوگوں نے اس سے بیعت کی۔ مگر بغداد میں جب پولیس افسر سلیمان بن عبداللہ نے شاہی رکن امیر الدین احمد کو بیعت کے لئے بلایا۔ اہل بغداد بھڑک گئے۔ اتنے میں امیر باجوج تیس ہزار اشرفیاں لے کر گیا۔ مگر شورش کو بڑھتا دیکھ کر میدان آکر ٹھہرا اور روپیہ سامرے سے منگا کر بغدادیوں پر تقسیم کیا جب لوگوں نے بیعت کی۔

وقائع تختِ خلافت پر متمکن ہو کر سب سے پہلے اُس نے لہو ولعب کے انسداد پر توجہ کی ۔گانے بجانے حرام کردیئے اور عاملان سلطانی کو حکم بھیجا کوئی ظلم نہ کرنے پائے اور عدل وانصاف کو ہر عامل پیشِ نظر رکھے۔ حکومت کے جس قدر دفاتر تھے اُن کو سختی سے جانچا کرتا اور اس کا انتظام معقول کیا خود اجلاس کیا کرتا اور منشیوں کو سامنے بٹھا کر حساب کتاب کراتا۔

جعفر بن محمود جو شیعی عقیدہ رکھتا تھا اُس کو سرمن رائے سے بغداد بھیج دیا۔ اس کی حرکتوں سے سخت نفرت تھی[2] اس کی دین داری کا اثر عوام اور فوج پر بھی پڑا۔

---

[1] یعقوبی جلد ۱ صفحہ ۲۲۷ [2] تاریخ الخلفاء ص ۲۵۱۔

وزارت خلیفہ مہتدی باللہ نے محمود بن جعفر اسکافی کو وزارت کے عہدہ پر ممتاز کیا۔ مگر وہ مرضی مبارک کے مواقف نہ تھا اس کو علیحدہ کر کے سلیمان بن وہب بن سعید کو سرفراز فرمایا۔

سلیمان کا خاندان امیر معاویہؓ کے زمانہ سے کتابت میں نامور چلا آتا تھا۔ سعید آل برمک کا کاتب خصوصی ایک زمانہ سے رہ چکا تھا۔ وہب جعفر بن یحییٰ اور ذوالریاستین کے یہاں کاتب رہا۔ سلیمان چودہ۱۴ سال کے سن میں ماموں کے دفتر میں ملازم ہوا تھا۔ اس کے بعد امیر ایتاخ ترک اور امیر شناس کا کاتب رہا۔ یہ شخص انشاپردازی اور ادب میں بے مثل اور علم وفضل میں یگانہ روزگار تھا۔

قاضی منصب قضاء پر حسن بن محمد ابی شوارب کو ممتاز کیا۔

حجابت صالح بن وصیف۔ موسیٰ بن بغاء، عبداللہ بن دکین عہدۂ حجابت پر مامور ہوئے [1]

مگر خلافتِ عباسیہ کا انتظام مملکت بہت بگڑ چکا تھا۔ مہتدی اپنی سعی میں ناکام رہا۔ کیونکہ ایوانِ حکومت میں خودغرض امراء کا مجمع تھا انہیں ذاتی مفاد کے سوا حکومت کی فلاح وبہبود سے دور کا بھی تعلق نہ تھا۔ یہی وجہ ہوئی کہ اُسے سلطنت اور جان دونوں خلافتِ عباسیہ کے بھینٹ دینی پڑی۔

فتنہ مساور خارجی معتز کے زمانہ میں مساور کا اقتدار بڑھ چکا تھا ۲۵۵ھ میں موصل پر حملہ آور ہو کر عبداللہ بن سلمان عامل موصل کو نکال کر خود قابض ومتصرف ہو گیا پھر "حدیثہ" چلا گیا اس زمانہ میں اسکی جماعت کے ایک رکن عبیدہ سے مذہبی مسئلہ میں اختلاف ہو گیا۔ اُس نے اس کے مذہبی خیالات سے بُرا اثر لیا اور گمراہ سمجھ کر اس سے جدا ہو گیا اور اپنے ساتھیوں کو لیکر مساور کے مقابل آیا۔ ادھر مساور نے عراق کی آمدنی دارالخلافہ جانے سے روک دی۔ حکومت نے موسیٰ بن بغا اور بابکبال کو اس کے استیصال کے لئے بھیجا۔ مگر وہ اس کے

---

[1] النبیہ والاشراف صفحہ ۲۶۳۔

مقابل نہ آئے اور ہمت ہار کر لوٹ گئے[۱]۔ ابھی یہ فتنہ ختم نہ ہوا تھا کہ ایک ـــــ اور فتنہ صاحب الزنج اُٹھ کھڑا ہوا۔

فتنہ صاحب الزنج

علی بن عبدالرحیم المعروف بہ صاحب الزنج قبیلہ عبدقیس[۲] کا معمولی آدمی تھا۔ ابتداء میں منتصر کے درباریوں کی مصاحبت[۳] کرتا تھا۔ دولت عباسیہ کی کمزوری دیکھ کر اُسے بھی قسمت آزمائی کا حوصلہ پیدا ہوا۔ اس نے اپنے کو علوی رکن بتا کر بحرین جو شیعانِ علی کا مرکز تھا وہاں جا کر کہا کہ میرا نام علی بن محمد بن احمد بن عسیٰ بن زید بن علی بن حسین بن علی بن ابی طالب[۴] ہے اور اس نے مظلوم حبشیوں کو اپنا ہمنوا بنا لیا۔ لاکھوں حبشی ان دنوں غلامی کی زندگی گزار رہے تھے۔ ان کا کوئی پرسانِ حال نہ تھا نہ کوئی سر دھرا تھا کہ اُن کو حکمران طبقہ سے آزاد کرائے۔ صاحب الزنج اُن کا قائد بنا اور اُن سے کہا کہ میں اُن کی آزادی کا ذمہ دار ہوں۔ اگر اُن کا کوئی آقا مزاحم ہو گا اس کے مقابلہ کے لئے تیار ہوں۔ اس نے اعلان کیا کہ ہر غلام حبشی اپنے آقا کو چھوڑ کر یہاں چلا آئے وہ آزاد ہے۔ چنانچہ اس تدبیر سے ہزارہا اس کے جھنڈے تلے حبشی آ گئے۔ اس مناسبت سے صاحب الزنج مشہور ہو گیا۔

ان حبشیوں کی جماعت سے عراق میں قیامت بپا ہو گئی۔ حبشیوں نے اپنے آقا اور اُن کے عزیز و اقارب سے انتقام لیتے ہوئے مسلمانوں پر بھی ہاتھ صاف کرنے لگے پھر تو جا و بے جا مظالم توڑنے شروع کر دیئے جس سے دنیائے اسلام میں کھلبلی مچ گئی۔ بحرین، بصرہ، ایلہ اور کربلا میں صاحب الزنج نے آفت بپا کر دی۔

لطف یہ تھا کہ دعوت تو آلِ محمد کی تھی۔ مگر عقائد خارجیوں کے رکھتا تھا اور کبھی عباسیت کا مدعی بن جاتا۔[۵]

حکومت کی جانب سے ابو ہلال ترکی چار ہزار کی جمعیت سے صاحب الزنج

---

[۱] ابن اثیر جلد ۷ صـ۶۲ [۲] طبری [۳] ابوالفدا جلد ۲ صـ۴۶ [۴] مسعودی جلد ۸ صـ۳۱

کے مقابلہ پر نہر ریان پر آیا۔ مگر حبشیوں کی یلغار سے شکست کھا گیا۔ بعد اس کے ابوالمنصور ایک عظیم الشان لشکر لے کر زنگیوں (حبشیوں) کی گوشمالیوں کو چلا۔ اس لشکر میں متطوعہ (والنٹیر) اور بلالیہ اور سعدیہ کی فوجیں بھی شریک تھیں۔ صاحب الزنج سے مقابلہ کیا۔ مگر ناکامی کا منہ عسکر شاہی کو دیکھنا پڑا۔ صاحب الزنج کی اس کامیابی سے جرأت اور بڑھ گئی۔ پھر وہ بصرہ کی طرف خود بڑھا۔ جعلان ترکی اہل بصرہ کی کمک پر سامرہ سے آیا۔ اُس کو بھی غفلت میں زنگیوں نے لے ڈالا۔ پھر جماعت زنگی کامرانی حاصل کرتے ہوئے ابلہ پر حملہ آور ہوئے اور گورنر ابوالاحوص عبیداللہ بن حمید معہ گروہ کثیر کے مار ڈالا گیا۔ ابلہ میں آگ لگا دی۔ یہ شہر جل کر خاک سیاہ ہو گیا۔ پھر "اہواز" کو جاکر زنگیوں نے لوٹا۔ مہتدی کے بعد معتمد نے سعید بن صالح حاجب کو زنگیوں کی گوشمالی کے لئے بھیجا۔ اس نے آتے ہی ان سیہ بخت زنگیوں کو سخت ہزیمت دے کر ہزارہا کاٹ ڈالے اور اُن کی قوت کو توڑ کے رکھ دیا۔ اور ان کے پاس جو کچھ تھا وہ سب لوٹ لیا۔[1]

موسیٰ بن بغا

موسیٰ بن بغا "رے" سے "سر من رائے" صالح بن وصیف کے قتل کے ارادے سے آیا تاکہ معتز کے خون کا بدلہ اُس سے لے۔ موسیٰ نے خلیفہ مہتدی سے باریابی کا اِذن مانگا۔ خلیفہ اس وقت دارالعدل میں بیٹھا ہُوا مقدمات فیصل کر رہا تھا اُس نے انکار کر دیا۔ اس پر موسیٰ نے خودسرانہ اس پر نرغہ کیا اور اُس کو دارالعدل سے اٹھا کر ایک ٹٹو پر جبریہ سوار کرایا اور وارناجود میں لے جاکر وہاں تنہائی میں خلیفہ سے امیر موسیٰ نے کہا۔ اے امیرالمومنین! آپ صالح کی طرفداری نہ کریں۔ مہتدی نے یہ رنگ دیکھ کر حلف اٹھا لیا تو موسیٰ نے معذرت کی اور بیعت بھی کر لی۔ مگر پھر صالح کے پیچھے موسیٰ اور مہتدی میں ٹھن گئی۔ یہاں تک کہ موسیٰ سے خلع خلافت کی گفتگو ہونے

---

[1] ابن خلدون جلد ۳، صفحہ ۲۷۳۔

لگی اور اس درجہ بات بڑھ گئی کہ مہتدی نے تلوار نکال لی اور کہا :-

"موسیٰ بن بغا مجھے تمہارا ارادہ معلوم ہو گیا ہے۔ مجھے تم مستعین اور معتز کی طرح نہ سمجھنا۔ واللہ میں اس وقت غضب ناک ہوں اور اپنی جان سے مایوس ہو کر وصیت کر چکا ہوں۔ تلوار کا قبضہ جب تک میرے ہاتھ میں ہے بہت سوں کی جان لے کر مروں گا۔ آخر دین اسلام اور حیا بھی کوئی چیز ہے۔ خلفاء کی دشمنی اور خدا کے خلاف جرأت کرنی سخت باعثِ وبال ہے اور مجھے صالح کا ہرگز علم نہیں ہے کہ وہ کہاں ہے۔"

یہ سن کر موسیٰ اور اس کے ساتھی خاموشی سے دربار سے اُٹھ گئے۔[1]

صالح کا قتل صالح کی تلاشی میں موسیٰ نے اپنے آدمی لگا دیئے۔ دس ہزار دینار پتہ لگانے والوں کے لئے مقرر کر دیا گیا۔ صالح ایک گوشہ مکان میں سو رہا تھا۔ غلاموں کی نظر پڑ گیا۔ انہوں نے موسیٰ کو مطلع کیا۔ اس کے آدمیوں نے جا کر صالح کو گرفتار کر لیا اور قتل کر ڈالا اور اس کا سر کاٹ کر شہر میں تشہیر کرایا۔ امراء کی خودسری کے اس واقعہ کا اثر مہتدی نے بہت کچھ لیا۔

موسیٰ "رسن" کی طرف روانہ ہُوا تو مہتدی نے اس کے ایک ترک ساتھی باکیال کو لکھا کہ امیر موسیٰ اور دوسرے ساتھیوں کو قتل کر دیا جائے۔ باکیال نے یہ خط بابِ خلافت کا آیا ہُوا امیر موسیٰ کو دکھا دیا۔ وہ دیکھتے ہی آگ بگولا ہو گیا۔ پہلے باکیال کو دارالخلافہ بھیجا۔ پھر خود مہتدی کے قتل کا قصد کر کے وہیں سے لوٹا۔

وفات موسیٰ نے آ کر مہتدی پر نرغہ بول دیا۔ اہلِ مغرب اور فرغانہ نے خلیفہ کی حمایت میں کسر نہ اُٹھا رکھی اور خوب خوب مقابلہ کیا۔ امراء کے ساتھیوں میں سے صرف ایک دن میں چار ہزار ترک قتل ہوئے۔ کئی روز لڑائی

---

[1] تاریخ الخلفاء صفحہ ۲۵۲۔

کے بعد خلیفہ کی فوج نے شکست کھائی اور خلیفہ دادِ شجاعت دیتا ہوا گرفتار ہوا۔ دشمنوں نے اس کے خصیتین دبا کر مار ڈالا۔ یہ واقعہ رجب ۲۵۶ھ کا تھا[1]۔ مہتدی نے صرف گیارہ ماہ چند دن فرائض خلافت انجام دیئے[2]۔

زوالِ سلطنتِ عباسیہ

مہتدی کے زمانے میں سلطنت کی خرابیاں اس درجہ پر پہنچ چکی تھیں کہ ان کی اصلاح مہتدی جیسے متقی اور سلیمان بن وہب وزیر فاضل سے نہیں ہو سکتی تھیں۔ ترک اپنی جہالت سے ایسی حرکتیں کر رہے تھے کہ وقارِ خلافت عوام کے قلوب سے اُٹھتا جا رہا تھا۔ عوام بھی ان کی سخت گیریاں جھیل جھیل کر بزدل بن گئے تھے۔ باشندگانِ بغداد جب مہتدی کو ترکوں نے نرغہ میں کر لیا تو اس کی حفاظتِ جان کے لئے مسجدوں میں دعائیں کر رہے تھے خود کسی قسم کی معاونت نہیں کر سکتے تھے[3]۔

مہتدی کے زمانے میں دولتِ عباسیہ کا اور ملک کا حصّہ بھی علیٰحدہ ہو گیا۔ دولتِ طولونیہ قائم ہوئی۔

صفاتِ مہتدی

یعقوبی لکھتا ہے:-

"وظهرت من المهتدى سيرت حسنة ومذاهب محمودة وجلس للمظالم بنفسه وناشر الامور بجسمه ووقع فی القصص بخطه وابطل الملاهی وقدم اهل العلم"[4]

مہتدی نہایت متقی تھا تہذیب و شائستگی، علم و فضل میں اور اعتدال و میانہ روی اور امانت داری و دینداری میں تمام مشہور خلفائے بنو عباس میں قریب قریب ویسا ہی تھا[5]۔ احکامِ خدا کے اجراء میں سخت تھا۔ شجاع تھا مگر اس کو مددگار نہ ملا۔

خطیب بغدادی لکھتا ہے "خلیفہ ہونے کے وقت سے لے کر قتل ہونے تک روزہ رکھتا رہا۔ رکوع و سجود میں رات کا بڑا حصّہ گزارتا۔

---

[1] تاریخ الخلفاء صفحہ ۲۵۲ [2] ایضاً صفحہ ۲۵۱ [3] یعقوبی جلد ۲ صفحہ ۲۲ [4] تاریخ الخلفاء صفحہ ۲۵۱

زہد و ورع ہاشم بن قاسم کہتے ہیں کہ رمضان میں شام کے وقت مہتدی کے پاس میں بیٹھتا تھا۔ جب میں چلنے لگا تو مہتدی کہنے لگا۔ ہاشم بیٹھ جاؤ۔ میں بیٹھ گیا۔ پھر ہم نے افطار کیا اور نماز پڑھی۔ مہتدی نے کھانا مانگا تو ایک بید کی ڈلیا میں کھانا آیا۔ اس میں پتلی پتلی روٹیاں تھیں اور ایک برتن میں تھوڑا سا نمک دوسرے میں سرکہ اور تیسرے میں زیتون کا تیل تھا۔ مجھ سے بھی کھانے کو کہا۔ میں نے کھانا شروع کیا اور دل میں سوچا۔ کھانا اور بھی آتا ہوگا۔ مہتدی نے میری طرف دیکھ کر پوچھا۔ کیا تمہارا روزہ نہ تھا۔ میں نے کہا۔ تھا! پھر پوچھا کہ کیا کل روزہ نہ رکھو گے؟ میں نے عرض کیا۔ رکھوں گا اور عرض کیا۔ امیرالمومنین! یہ تو ماہِ رمضان ہے۔ خلیفہ بولا۔ پھر تو اچھی طرح سے کھاؤ اور اُمید نہ رکھو کہ اور کھانا آئے گا۔ کیونکہ اس کے سوا اور میرے لئے کھانا نہیں ہے۔ یہ سُن کر مجھے سخت تعجب ہُوا اور میں نے تعجب سے پوچھا کہ امیرالمومنین یہ کیا معاملہ ہے؟ خدا نے آپ کو تمام نعمتیں عطا کی ہیں۔

مہتدی نے کہا۔ بات یہ ہے کہ بنو اُمیہ میں عمر بن عبدالعزیز سا شخص پیدا ہُوا اور بنی ہاشم میں نہ ہو۔ اس لئے میں نے یہ طور اختیار کیا ہے[1]۔

لباس صوف مہتدی سادی وضع سے رہتا تھا۔ دربار میں لباسِ فاخرہ پہنتا۔ مگر مدتوں ایک جوڑا استعمال میں رہتا۔ ورنہ گھر میں صوف کا لباس پہنتا تھا چنانچہ نفطویہ کا بیان ہے۔

"مہتدی کے پاس ایک جامدانی تھی کہ جس میں ایک کُرتہ صوف کا اور ایک چوڑا کپڑا رہتا تھا۔ مہتدی اُس کو رات کو پہن کر نماز پڑھا کرتا تھا"۔[2]

بنی عباس کا ایوانِ عیش و عشرت بدل کر بوریائے فقر محلات میں بچھا دیا۔ اس کی سادہ زندگی زہد کا نمونہ تھی۔

---

[1] تاریخ الخلفاء صفحہ ۲۵۱ [2] ایضاً صہ ۲۵۲۔

عدل وانصاف مہتدی کی سیرت میں سب سے نمایاں اس کا عدل وانصاف اور اوامر ونواہی کا قیام ہے۔ اس نے عدل کے لئے[1] ایک خاص عمارت قبتہ المظالم کے نام سے بنوائی۔ جہاں روزانہ بیٹھ کر عوام وخواص کی دادرسی کیا کرتا۔ ایک دفعہ کسی شخص نے اس کے لڑکے پر دعویٰ کیا۔ مہتدی نے شہزادے کو عدالت میں طلب کیا اور مدعی کے پہلو میں کھڑا کرکے دعوے کی سماعت کی۔ شہزادے نے اقرار کر لیا۔ مہتدی نے اس وقت مدعی کا حق دلوا دیا۔

عبداللہ بن ابراہیم اسکافی نے تعریف کی۔ مہتدی بولا۔ میں اس آیتِ قرآن پر عامل ہوں۔ وَنَضَعُ الْمَوَازِينَ الْقِسْطَ لِيَوْمِ الْقِيَامَةِ الخ اور بے اختیار رو پڑا[2]

علامہ فخری کا بیان ہے کہ مہتدی نے اپنے تمام متعلقین کو ظلم وتعدی سے حکماً روک دیا تھا[3]

علماء کی قدردانی مہتدی کی علمی استعداد گو معمولی تھی۔ مگر شاہی علمی گھرانے میں آنکھ کھولی تھی۔ علومِ دینی کا اثر اسلاف سے پایا تھا۔ علماء اور اہلِ کمال کی توقیر ومنزلت بہت کرتا تھا۔ ایک علماء کی جماعت اس کے پاس رہتی۔ بڑے مرتبہ کے فقہاء اس کے دربار سے منسلک تھے۔ ان کی ہر قسم کی ضرورتوں کو پورا کیا کرتا[4]

اتباعِ سنت اتباعِ سنت کا بڑا لحاظ رکھتا تھا۔ اپنے بزرگوں جنہوں نے عجمیوں کے مانند حکومت کی شان بنا رکھی تھی ان کے خلاف تھا۔ چنانچہ محلات جو گہوارۂ عشرت تھے اس کے لوازمات کو ختم کیا[5] نقرئی وطلائی

---

[1] تاریخ خطیب جلد ۳ صفحہ ۳۴۹ [2] مروج الذہب جلد ۸ صدا ۲ [3] ایضاً
[4] مسعودی جلد ۸ صد ۱۹ [5] مروج الذہب جلد ۸ صفحہ ۱۹۔

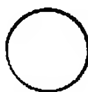
ظروف گھلوا دیئے اور اُس کے سکے ڈھلوائے گئے۔ ایوانِ عشرت کو بے حد سادہ صورت میں اُس نے بنا دیا۔ خلفائے عباسیہ نے مینڈھوں اور مُرغوں کو اپنی تفریح طبع کے لئے محل میں رکھ چھوڑا تھا اُن کو ذبح کرا دیا۔ جانور خانہ جس میں درندے پلے ہوئے تھے مروا ڈالے۔ وہ فرش و فروش جن کا استعمال شرعًا ممنوع تھا اپنے محل سے ہٹوائے۔ باپ دادا نے دسترخوان کا خرچ دس ہزار درہم روزانہ کا قرار دے رکھا تھا گھٹا کر سو درہم کر دیا۔ خود اس میں سے بہت قلیل خرچ اپنی ذات پر کرتا عمومًا روزہ رکھا کرتا تھا۔

محبت اہلِ بیت

حضرت علیؓ سے خصوصیت سے محبت رکھتا تھا۔ اُن کا ایک خطبہ محمد بن علی کعبی سے پوچھ کر قلمبند کیا اور روزانہ تنہا مکان میں رو رو کر اُس کو پڑھا کرتا تھا[1]

حلیہ

قد میانہ، بدن حسین، پیشانی چوڑی، البتہ آنکھیں کنجی، پیٹ بڑا، داڑھی لانبی تھی۔ سر پہ بال کم تھے[2]



[1] مروج الذہب جلد ۸ صفحہ ۲۹ [2] التنبیہ والاشراف صفحہ ۲۶۵۔

خلیفہ معتمد علی اللہ

نام ولقب احمد بن جعفر متوکل نام تھا۔ کنیت ابو العباس تھی۔ لقب معتمد علی اللہ تھا۔ ام ولد فتیان نامی خاتون کے بطن سے تھا[1]

تعلیم و تربیت شاہی خاندان میں تعلیم و تربیت ہوئی۔ اس کے اوائل عمری میں دارالخلافہ علوم وفنون کا مرکز بنا ہُوا تھا۔ معتمد پر بھی اثر پڑے بغیر نہ رہا۔

بیعتِ خلافت مہتدی کے عزل کے وقت معتمد "وسق" مقام میں قید تھا۔ ترکی امراء نے قید خانہ سے لا کر تختِ خلافت پر بٹھایا۔ اس وقت معتمد کی عمر پچیس سال کی تھی۔

۱۶ر رجب ۲۵۶ھ کو موسیٰ بن بغا و دیگر اعیانِ سلطنت نے بیعت کی اور المعتمد علی اللہ لقب سے ملقب کیا۔

وزارت عنانِ حکومت ہاتھ میں لیتے ہی وزراء پر نظر ڈالی۔ عبیداللہ بن یحییٰ بن خاقان کو منصبِ وزارت تفویض کیا۔ پھر حسن بن مخلد بن جراح، سلیمان بن وہب، ابوالصقر اسماعیل بن بلبل، ابوبکر بن صالح بن شیرزاد، یکے بعد دیگرے وزارت پر وقتی ضرورت کے لحاظ سے سرفراز ہوتے رہے۔ آخر میں عبیداللہ بن سلیمان وزیر اعظم تھا۔

عاملِ مشرق معتمد نے اپنے بھائی موفق طلحہ کو مشرق کا عامل بنایا اور اپنے بیٹے جعفر کو ولی عہد بنا کر مصر و مغرب کا گورنر کیا اور اس کو

---

[1] یعقوبی جلد ۲ صفحہ ۲۲۸ [2] التنبیہ والاشراف ص ۲۶۵ -

خلافتِ باپ نے مفوض الی اللہ سے خطاب فرمایا۔

قضاء منصب قضاۃ پر حسن بن محمد بن ابی الشوارب برقرار رکھے گئے۔ آگے چل کر اُن کے بھائی علی بن محمد کو قضاۃ کے عہدہ پر سرفراز کیا۔[1]

حجابت اس منصب پر یاجوج ترکی۔ کیغلغ ترکی۔ حسن بن ترتنگ بخطامش۔ یکتمر فائز ہوتے رہے۔

طوائف الملوکی معتمد نے عنانِ حکومت اُس وقت ہاتھ میں لی جبکہ قلمروِ دولتِ بنی عباس میں ہر جگہ بدنظمی پھیلی ہوئی تھی۔ شورش اور ہنگامے آئے دن ہوتے رہتے۔ سجستان، کرمان، فارس پر دولتِ صفاریہ کا اقتدار تھا۔ خراسان سے بھی حکومت طاہریہ کا اقتدار، صفاریہ کے غلبہ سے کمزور پڑتا جا رہا تھا۔ طبرستان اور جرجان وغیرہ پر دولتِ زیدیہ کا قبضہ تھا۔ ماوراءالنہر پر ایک نئی حکومت سامانیہ کے نام سے قائم ہو رہی تھی۔ شمالی افریقہ پر دولت اغالبیہ کا قبضہ و تصرف تھا۔ بصرہ اور ابلہ اور کور دجلہ وغیرہ پر صاحب الزنج چھایا ہُوا تھا۔

والیٔ شام کی بغاوت دولتِ عباسیہ کے قلمرو کے حصہ ہو چکے تھے جو ملک باقی تھے اُن میں بھی آئے دن بغاوت ہوتی رہتی۔ شام میں عیسیٰ بن شیخ خلافتِ مآب کی طرف سے والی تھا۔ اس نے موقعہ کی نزاکت سے فائدہ اٹھا کر شورش پر کمر باندھی۔ مہتدی کے وقت میں ابن شیخ نے کچھ ہاتھ پَیر نکالے تھے مگر یہ فتنہ بڑھنے نہ پایا۔ معتمد کے زمانے میں اپنی قوت کے بل بوتے پر سرکاری خراج بھیجنا بند کر دیا اور اس پر طرّہ یہ کہ مصر سے جو خراج دارالخلافہ بھیجا گیا اس کو راہ میں روک لیا۔ معتمد تک عیسیٰ کی خودسری کی خبر پہنچی۔ اس نے دور بینی کو کام میں لا کر بجائے سرزنش کرنے کے ارمینیہ کے علاقہ

---

[1] التنبیہ والاشراف صفحہ ۲۶۵۔

کی حکومت اس کو اور عطا کر دی ۔ یہ طریقہ خلافت مآب کا بڑھتی ہوئی شورش اور بغاوت کے خاتمہ کے لئے بہترین ثابت ہوا۔ عیسیٰ بن شیخ اس مراحم خسروانہ کو دیکھ کر خلیفہ سے عذرخواہ ہوا اور اطاعت کا حلف اٹھایا اور بیعت کر لی۔ مگر کچھ عرصہ بعد پھر انحراف کیا۔

معتمد نے دمشق کا والی امیر اماجور ترکی کو کیا۔ عیسیٰ کو ناگوار گزرا۔ اس نے اپنے لڑکے منصور کو آماجور سے مقابلہ کرنے کو بھیجا۔ وہاں ایک پختہ کار ترک اور منصور نوعمر اور نوخیز کیا مقابلہ کرتا۔ آخر کار اس معرکہ کے نذر منصور چڑھا۔ اس کے ساتھی تاب مقابلہ نہ لا سکے اور یہ اماجور کے ہاتھ لگ گیا۔ اس نے منصور کو قتل کرا دیا۔ اس واقعہ سے عیسیٰ بن شیخ کے حوصلے پست ہو گئے اور اس قدر بیٹے کے مرنے سے دلگیر ہوا کہ اس نے شام کی ولایت چھوڑ دی اور ارمینہ کا رخ اختیار کیا[1]

شورش صاحب الزنج

صاحب الزنج کا اقتدار مہتدی کے زمانے سے معتمد کے عہد میں اور بڑھ گیا۔ پھر تو وہ عراق کے بڑے حصے پر قابض ہو کر حکمرانی کرنے لگا۔ ۲۵۲ھ سے ۲۷۰ھ تک اس علاقہ کے مسلمانوں پر بلا روک ٹوک من مانے بڑے مظالم توڑے۔ گو عباسی افواج نے مقابلے ہوئے مگر اس کو ہی ہر معرکہ میں کامیابی رہی۔ آخر کار خلافت مآب کی فوج کے ہاتھوں زنگیوں کا سرغنہ بہبود نامی مارا گیا جو اپنے کو رسول کہتا تھا[2]

صاحب الزنج کا دوسرا ساتھ مہلبی تھا۔ اس نے محلہ مقبرہ بنی یشکر میں ایک منبر تیار کر کے جمعہ کے دن صاحب الزنج کے نام کا خطبہ پڑھا شیخین پر رحمت اور دیگر پر تبرہ بھیجتا۔ مگر اس کے ساتھ ہی اس نے اہل بصرہ کو تباہ و برباد کیا۔ اس کے خوف سے صدہا بصری جنگلوں میں جا چھپے۔ بصریوں کی جان و مال کے علاوہ

---

[1] ابی الفدا جلد ۲ صفحہ ۴۸ [2] تاریخ الخلفاء صفحہ ۳۰۳۔

عزت وآبرو بھی اُن کے ہاتھوں محفوظ نہ تھی۔ سادات کی خواتین کو لونڈی بنایا اور نیلام کیا۔ پندرہ سال تک مسلسل ایسے ظلم کئے۔ صرف مہلبی نے ۱۵ لاکھ مسلمان قتل کئے۔ موفق خود عسکر عباسیہ کی کمان لے کر میدان میں آگیا اور اپنے تہور وشجاعت سے زنگیوں کی ایسی خبر لی کہ ہزار ہا کھیت رہے۔ آخر کار سنہ ۲۷۰ھ میں صاحب الزنج کا خاتمہ کر کے خلق اللہ کو اس کے ظلم سے موفق نے نجات دلائی [1]

مؤرخین کا بیان ہے کہ اس نے اور دوسرے ساتھیوں نے ایک کروڑ مُسلمان تلوار کے گھاٹ اُتارے [2] موفق (برادر معتمد) نے اس مہم کو سر کر کے بلادِ اسلامیہ میں زنگیوں کی واپسی اور امن دینے کا اعلان کر دیا۔ چند دنوں تک امن وامان کرنے اور انتظام کے خیال سے موفقیہ میں مقیم رہا۔ بصرہ، ابلہ کو ردجلہ کی حکومت محمد بن حماد کو عنایت کی اور اپنے بیٹے ابوالعباس کو جس نے زنگیوں کے مقابلہ میں دادِ شجاعت دی تھی۔ بغداد روانہ کیا۔ چنانچہ ابوالعباس ۱۵ر جمادی الثانی سنہ ۲۷۱ھ کو داخل بغداد ہُوا۔ اہل بغداد نے بڑی خوشی منائی۔ سارے شہر میں چراغاں کیا گیا۔ [3]

واقعاتِ احمد بن طولون

سنہ ۲۶۲ھ میں موفق، ابن طولون کے خلاف ہوگیا۔ اور اس کو مصر سے معزول کر دینے کی دھمکی دی۔ اس پر ابن طولون، جو مصر میں صاحب اقتدار بن چکا تھا۔ اس نے نائب سلطنت کو سخت جواب دیا۔ موسیٰ بن بغا کی ماتحتی میں موفق نے لشکر بھیجا۔ رقہ میں پہنچ کر کمی رسد سے ابن بغا کو لوٹنا پڑا۔ مگر معتمد نے رنگ دیکھ کر بھائی موفق کی مرضی کے خلاف ابن طولون کو طرطوس کی ولایت کا فرمان لکھ بھیجا۔ کیونکہ وہاں آئے دن رومی حملے ہوتے رہتے تھے۔ ابن طولون نے خلافت مآب کے فرمان کے بموجب سرحد کے علاقہ میں جا کر سرحد کو بالکل محفوظ کر دیا۔ رومی ابن طولون کے نام

---

[1] طبری وابن اثیر و ابن خلدون جلد ۷ صفحہ ۲۸۶ تا ۳۶۰ [2] تاریخ الخلفاء صفحہ ۱۹۴

[3] ابن خلدون جلد ۷ صفحہ ۳۶۰۔

سے خوف زدہ رہنے لگے۔ اب طولون کی توجہ ملحقہ ملکوں کی طرف منعطف ہوئی چنانچہ اس نے ۲۶۴ھ میں سارے ملک شام پر قبضہ کر لیا اور متصرف ہوگیا۔ اب طولونیہ دولت برقہ سے فرات تک وسیع ہو گئی۔ خلیفہ عباسی معتمد کے پاس صرف عراق کے جزیرہ کے صوبے رہ گئے جہاں شورشوں کا تانتا لگا ہوا تھا۔

موفق صاحب الزنج کے فتنہ کے سدباب میں لگا ہوا تھا۔ ابن طولون نے موقع سے فائدہ اٹھا کر اپنی فوج کو بڑھایا اور سلطنت طولونیہ کو قوی کیا۔ اس کے سوا خلیفہ کو تحفے وتحائف کثرت سے روزانہ کئے اور خلیفہ سے استدعا کی کہ مصر آجائیے۔ معتمد، موفق کے اقتدار سے گھبرا چکا تھا۔ سامرا سے روانہ ہوا لیکن موفق کو بصرہ میں اس کی روانگی کا علم ہوگیا۔ اس نے ناقہ سوار کے ہاتھ حاکم موصل کو خط لکھا کہ خلیفہ کو سرحد سے باہر نہ جانے دے۔ چنانچہ اس نے معتمد کو سمجھا بجھا کر روک لیا اور سامرا کی طرف باحترام واکرام واپس کیا۔

موفق کو ابن طولون کی اس حرکت سے بے حد بے زاری پیدا ہوگئی اور اس نے معتمد سے اس پر لعنت بھیجنے کا حکم آئمہ مساجد کے نام لکھوایا۔

شورش سرحد اندرونی خلفشار کی وجہ سے سرحد پر شورش اٹھ کھڑی ہوئی۔ رومی مسلمانوں کے علاقہ میں لوٹ مار کرتے رہے ۲۶۳ھ میں رومیوں نے قلعہ لولو پر جو ان کے لئے سب سے بڑی حدبندی تھی اس پر قبضہ کیا اور اسلامی لشکر جو حفاظت سرحد پر تھا۔ اس پر آئے دن حملے کرتے رہتے۔ یہی وجہ تھی کہ خلیفہ نے ابن طولون کو اس طرف کا والی بنایا۔ چنانچہ طرسوس پر ابن طولون نے بقوت قبضہ کر کے رومیوں کی بڑھتی ہوئی قوت کو پسپا کر دیا بلکہ فوجیں تیار کر کے رومی ملکوں پر چڑھ دوڑا اور اکثر رومی شہروں کو تاخت وتاراج کر دیا جس سے ابن طولون کی ہیبت وجلالت شان رومیوں کے قلوب پر چھا گئی۔

۲۶۵ھ میں رومیوں نے اس علاقہ کو چھوڑ کر دیار ربیعہ کی سرحد پر غارت گری شروع کر دی اور بہت سے مسلمانوں کو گرفتار کر کے لے گئے۔ عبداللہ بن رشیدی

بھی گرفتار ہو گئے۔ مگر اس سلسلہ میں قیصرِ روم نے عبداللہ کو چھوڑ دیا اور چند مصاحف ابن طولون کے پاس ہدیہ میں بھیجے۔

واقعاتِ صقلیہ ۲۶۶ھ میں سسلی کے مسلمانوں اور رومیوں میں بحری معرکہ درپیش ہوا۔ اس میں مسلمانوں کو شکست فاش ہوئی اور وہ ناکامی کے ساتھ سسلی لوٹ گئے۔ پھر دیارِ ربیعہ پر رومیوں نے تاخت کی۔ ۲۷۰ھ میں رومی ایک لاکھ فوج کے ساتھ طرطوس پر حملہ آور ہوئے تو ابن طولون کے غلام مازیار نے ایسا مقابلہ کیا کہ ستر ہزار مارے گئے۔ رئیس البطارقہ مقتول ہوا اور بے شمار مالِ غنیمت عسکرِ اسلامی کے ہاتھ آیا۔

امیر صقلیہ جعفر بن محمد نے بحری و بری فوج سے سرقوسہ کو فتح کر لیا۔ جس سے کچھ عرصہ کے لئے سرحدی بغاوت کے خطرہ کا سدِباب ہو گیا۔ قسطنطنیہ سے جنگی بیڑہ آیا تو اس کو بھی شکست فاش دی۔[1]

احوالِ علوئین معتمد کے زمانہ میں اثنا عشریہ کے گیارہویں امام ابو محمد حسن عسکری نے ۲۶۰ھ میں وصال فرمایا اور اپنے والد بزرگوار کے پہلو میں دفن ہو گئے۔ ان کی وفات پر شیعوں میں اختلاف پیدا ہو گیا۔ بعض کی رائے یہ تھی کہ امامت کا سلسلہ ان کی ذات پر منقطع ہو گیا۔ اب کوئی امام دنیا میں نہیں ہے۔ بعض کا کہنا یہ تھا کہ ان کے بھائی جعفر امامِ وقت ہیں لیکن زیادہ تر افراد اُن کے بیٹے محمد عسکری کو امام تسلیم کرتے ہیں جو اپنی والدہ کے سامنے ایک سرداب سرمن رائے (تہ خانہ) میں داخل ہوئے اور باہر نہ نکلے۔ یہی امام مہدی (امام منتظر اور امام قائم) کے نام سے مشہور ہیں۔

گو شیعوں میں امام جعفر صادق کے بعد سے ہی اختلاف شروع ہو گیا تھا۔ ان کے سات بیٹے تھے۔ عبداللہ، اقطع، محمد، موسیٰ، اسمٰعیل وغیرہ بعض شیعوں نے

---

[1] ابن خلدون جلد ۳ صہ ۳۳۔

عبداللہ اقطع کو امام کے منصب پر فائز کیا۔ کسی نے محمد کو امام قرار دیا۔ ایک جماعتِ شیعہ اسماعیل کی امامت کی قائل ہوئی جو آگے چل کر اسماعیلی کہلانے لگے۔ غرضیکہ امامت کا مسئلہ شیعوں میں متفق علیہ نہیں ہے۔

اسمٰعیلیہ اسماعیلیہ اور امامیہ مبدا تشیع میں باہم متفق اس صورت سے ہیں کہ دین میں رائے کو دخل نہیں بلکہ تحفظ شرع کے لئے ایک امام معصوم کا وجود ضروری ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے لے کر امام جعفر صادق تک چھ اماموں کی امامت پر شیعوں کی کل جماعتیں متفق ہیں۔ ان جماعتوں میں دو سر گروہ ہیں امامیہ و اسماعیلیہ، بقیہ ان کی شاخیں ہیں۔ گروہِ امامیہ نے موسیٰ کاظم سے سلسلہ حسن عسکری تک قائم کر رکھا ہے اور امام قائم کے منتظر ہیں اور اسمٰعیلیہ نے اسماعیل کی اولاد میں امامت مختص کر دی ہے۔

اسمٰعیلیہ کا عقیدہ یہ ہے کہ امام کا ظہور کچھ ضروری نہیں ہے بلکہ کبھی کبھی وہ مستور ہوا کرتا ہے۔ لوگوں کو اس کے حال کی آگاہی نہیں ہوتی۔ مگر جب یہ صورت پیش آئے تو اس کا کوئی نائب ظاہر ہو جو خلق اللہ پر حجت ہو اور دعوت و تبلیغ کے منصب پر قائم ہوئے گا۔ ان کے آئمہ پر "خلافتِ بنو فاطمہ" میں بحث کی جائے گی۔

باطنیہ باطنیہ، اسماعیلیوں کی ایک شاخ ہے جو معتمد کے عہد کے پیداوار ہے۔ امام حسن عسکری کے بعد اسمٰعیلی داعیوں نے اپنی تعلیمات کو جن کا زیادہ حصہ مخفی رکھا جاتا تھا۔ اس کی تبلیغ و اشاعت شروع کر دی اور نہایت صبر و استقلال اور نرمی سے اپنے خیالات کی خاص خاص لوگوں میں تبلیغ کرتے۔ اس وجہ سے اس جماعت کو باطنیہ کہنے لگے۔ زیادہ تر ان کے پھندے میں نومسلم مجوسی پھنسے۔ یہ لوگ ظاہرہ مسلمان تھے باطن میں اپنے قدیم عقائد کے قائل تھے۔ مجوسیوں میں دیصانیہ اور مانیہ خیالات کے لوگ زیادہ تھے۔ باطنیہ جماعت میں ان لوگوں نے شامل ہو کر اپنے عقائد کی خوب خوب تبلیغ کی اور گمراہی کا دروازہ باطنیہ کے پردے میں اسلام میں کھول دیا۔ گو عہدِ خلافت اسلامیہ میں نومسلم مجوسیوں نے فتنے اٹھائے تھے،

برامکہ، فضل وزراء ان کے دام میں پھنس گئے تھے۔ مگران زندیقیوں کو مہدی، ہادی نے کیفرکردار کو پہنچا دیا تھا جس کا تفصیلی حال پہلے آچکا ہے۔

باطنیہ میں سب سے بڑا شخص عبداللہ بن میمون بن قدح ویصانی تھا۔ اسلام لانے کے بعد داعیِ نبوت ہوا۔ پہلے عسکر مکرم میں مقیم ہوا وہاں سے نکالا گیا۔ پھر بصرہ میں بنی عقیل کے پاس رہا۔ اس کے بعد حمص (شام) چلا گیا۔ وہاں ایک موضع سلمیہ کو اپنا مرکز بنایا۔ یہی وہ مقام ہے جہاں سے فرقہ باطنیہ کا ظہور ہوا۔[1]

بعض مؤرخین دولت فاطمیہ کا بانی عبیداللہ مہدی کو میمون کی نسل سے بتاتے ہیں۔ مگر علامہ ابن خلدون اس کی تردید کرتے ہیں۔

قرامطہ

یہ جماعت بھی اسمٰعیلی شیعوں سے عہد معتمد میں نکلی۔ اُن کا مستقر عراق تھا۔ بے باک اور خونریز جماعت تھی۔ اسلام کو اس جماعت نے بہت نقصان پہنچایا۔

حمدان قرمط نواحی خوزستان سے کوفے کے متصل قریہ نہرین میں آکر داعی امامت ہوکر قیام پذیر رہا۔ اس کے ظاہرہ زہد و عبادت کو دیکھ کر اہلِ قریہ اس کے گرویدہ ہوگئے۔ اُس نے پچاس وقت کی نماز کی تلقین کی۔ جب کثرت سے لوگ آنے جانے لگے تو امام منتظر کی دعوت شروع کردی۔ جب حمدان قرمطی بیمار پڑا، کرمیتہ نامی نے اس کی تیمارداری کی۔ جب وہ اچھا ہوگیا تو حمدان نے تیماردار کا نام اختیار کرلیا۔ پہلے یہ لوگ کرمیتہ پھر قرمط کہلانے لگے۔ سوادِ عرق کے کم عقل دہقانی کاشتکاری پیشہ رکھنے والے اس کے دام میں پھنس گئے۔ جب زیادہ رجوعات ہونے لگی تو قرمط نے ایک آسمانی کتاب کے اپنے اوپر نازل ہونے کا دعویٰ کیا۔

دعوتِ قرامطہ

قرمطی کی یہ دعوت تھی کہ فرج بن عثمان قریہ نصرانیہ کا باشندہ داعی مسیح ہے، مسیح ہے، کلمہ ہے، مہدی ہے،

---

[1] ابن اثیر جلد ۷ صفحہ ۲۸۔

احمد بن محمد بن حنفیہ ہے۔ جبریلؑ ہے اور مسیح نے انسانی پیکر میں آکر اس سے کہا کہ تم داعی ہو، حجتہ ہو، ناقہ ہو، دابّہ ہو۔ یحییٰ بن زکریا ہو۔ روح القدس ہو"۔

قرامطہ کو چار رکعت نماز کی تعلیم دی۔ دو طلوع آفتاب سے قبل اور دو غروب آفتاب سے پہلے۔ انبیاء علیہ السلام کے ساتھ احمد بن محمد بن حنفیہ کی رسالت کی بھی شہادت تھی۔ نماز میں کلام اللہ کی آیات کے بجائے "استفتاح" اس کے گمان میں جو احمد بن محمد بن حنفیہ پر نازل ہوا اس کی تلاوت کی جاتی۔ کعبۃ اللہ کی بجائے بیت المقدس کو اپنا قبلہ قرار دیا [1] جمعہ اور اتوار ہفتہ میں ہر دو دن رخصت کے رکھے مہرجان اور نوروز کے دن میں دو روزے مقرر کئے۔ نبیذ کو حرام اور شراب کو حلال قرار دیا۔ جنابت میں غسل کے بجائے وضو اور غیر محارب پر جزیہ مقرر کیا[1]۔ اس کے علاوہ ثنوی مذہب کی بہت سی باتیں قرامطہ نے اپنا لی تھیں۔ ان کا عقیدہ باطنی یہ تھا کہ نور سے خیر کا ظہور ہوتا ہے اور ظلمت سے شر کا ظہور ہوتا ہے۔ یزدان اور اہرمن کی باطنی تعلیم تھی۔ اس کے عقائد میں ایرانی فلسفہ کی آمیزش تھی[2]۔

وقائع قرمطی سوادِ کوفہ، امیر ہیثم کا علاقہ تھا۔ اس کو قرمط کا حال معلوم ہوا اس نے اس کو پکڑ کر بند کر دیا۔ حمدانی قرمط نے موقعہ پاکر اس کی لونڈی سے گڑ گڑا کر رحم کی درخواست کی۔ اس نے ہیثم کے تکیہ کے نیچے سے چھپا کر چابی نکال کر دروازہ قید خانہ کا کھول دیا۔ دوسرے دن شب میں ہیثم نے دروازہ کھلا پایا وہ فرار ہو گیا۔ صبح قید خانہ خالی تھا۔ عوام میں یہ شہرت اُڑ گئی کہ قرمط اپنی کرامت سے غائب ہو گیا۔ اس سے عوام اور گمراہ ہو گئے۔ ہیثم عراق سے شام پہنچا اور وہاں اپنے خیالات کی اشاعت کرنے لگا[3] ادھر

---

[1] ابن اثیر جلد ۷ صفحہ ۱۰۲ و ابوالفدا [2] کتاب الفرق بین الفرق صفحہ ۲۶۹

[3] ابن اثیر جلد ۷ صفحہ ۱۴۸۔

سوادِ کوفہ میں جو تخم بو یا گیا تھا خوب برگ و بار لایا۔

دولتِ سامانیہ معتمد کے عہد میں نصر بن احمد بن اسد سامانی اپنے والد احمد بن اسد کے بجائے فرغانہ کا حاکم مقرر ہوا۔ مامون نے ہی احمد کو عامل مقرر کیا تھا۔ نصر نے اپنے بھائی اسمٰعیل کو ۲۶۱ھ میں بخارا میں نائب بنا کر بھیجا۔ مگر دونوں بھائی حاسدوں کے پھندے میں پڑ کر باہمی لڑ پڑے بسٹ ۲۷۵ھ میں اسمٰعیل نے نصر کو مقابلہ پر شکست دی اور نصر کو گرفتار کر لیا۔ مگر پھر ہر دو بھائی مل کر بیٹھے۔ نصر سمرقند بھیج دیا گیا۔ احمد بن اسد چار بھائی تھے۔ ماوراء النہر کے چار حصوں پر فرغانہ، شاس، اشروسنہ، ہرات پر نوح، احمد، یحییٰ، الیاس بن اسد عامل تھے۔ ان بھائیوں نے دیکھا کہ یعقوب صفاری نے ہرات سے لے کر فارس تک خود مختار حکومت قائم کر لی تو انہوں نے بھی باہمی مل کر ماوراء النہر میں اپنی خود مختاری کا اعلان کر دیا اور اپنی حکومت کا دائرہ فارس تک صفاری دولت کو ختم کر کے بڑھا لیا۔ ۲۶۱ھ میں یہ عظیم الشان سلطنت قائم ہوئی اور ۳۸۹ھ میں خاقانی ترکوں اور آلِ سبکتگین کے ہاتھوں ختم ہوئی۔ دولتِ سامانیہ کے مفصل حالات آگے آتے ہیں۔

غرضیکہ صفاری، سامانی دول کے قیام سے عملاً خلافتِ عباسیہ کا نفوذ اٹھ گیا۔ صرف خطبوں میں خلیفہ کا نام رہ گیا۔

مغرب میں دولتِ طولونیہ کے قیام سے مصر اور شام، برقہ سے خلافتِ عباسیہ کا اثر جاتا رہا تھا۔ اب ماوراء النہر اور فارس سے بھی اقتدار اٹھ گیا۔

ولی عہدی معتمد کے بعد موفق ولی عہد قرار دیا گیا تھا۔ مگر ۲۷۸ھ میں اس کا یکایک انتقال ہو گیا۔ اس لئے معتمد نے اپنے بیٹے مفوض اور موفق کے بیٹے ابوالعباس کی ولی عہدی کا فرمان لکھا۔ لیکن ابوالعباس صاحبِ اثر اور شجاع تھا جن نے صاحب الزنج کے مقابلہ میں کارہائے نمایاں کئے تھے اس نے اپنے آپ کو مفوض باللہ پر مقدم کر لیا۔

حالاتِ موفق عباسی موفق صحیح معنی میں امورِ خلافت انجام دے رہا تھا اور اس

نے اقتدارِ دولت بنی عباس کو برقرار رکھنے میں اپنی جان کی بازی لگادی صاحب الزنج کے فتنہ کو ختم کیا۔ مگر حکومت کے ارکان خود غرض اور ناکارہ تھے۔ اس کی تمام مساعی بے سُود رہیں۔

خلیفہ کی حالت

معتمد نام کا خلیفہ رہ گیا تھا۔ اس کی زندگی لہو و لعب رقص و سرود میں گزرتی تھی۔ اگر معتمد نے اپنی رائے سے کوئی کام بھی کبھی کیا تو اس میں ذلت کا پہلو ضرور ہوتا تھا۔ ابن طولون کے جھانسہ میں آکر مصر جا رہے تھے۔ اگر چلے گئے ہوتے تو رہا سہا بھرم خلافتِ بنی عباس کا ختم ہو گیا ہوتا۔

خمارویہ

۲۷۰ھ میں طولون مَرا تو اس کا بیٹا خمارویہ اس کی جگہ مصر میں تخت نشین ہوا۔ ابوالعباس اور خمارویہ میں سخت جنگ ہوئی خون کے دریا بہہ گئے۔ لیکن خمارویہ کو فتح ہوئی۔

دعوائے مہدیت

اسی سال عبیداللہ مورثِ خلفائے مصر اور رافضیانِ یمن کے مقتدا نے دعوائے مہدیت کیا اور ۲۷۸ھ میں اس نے حج کیا۔ قبیلہ بنو کنانہ نے اس کا ساتھ دیا اور ملک مغرب میں اُن کے ساتھ گئے۔ یہیں سے مہدی کو عروج حاصل ہُوا۔

ابوالعباس کا اقتدار

موفق کے مرنے کے بعد معتمد کی گلو خلاصی ہوئی تھی۔ مگر ابوالعباس جس کے ہاتھ میں فوج کی کمان تھی اس نے مثل موفق کے حکومت پر اپنے پنجے جما لئے۔ موفق بھائی کا خیال رکھتا تھا۔ اس نے اپنے چچا معتمد کو نظر انداز ہی کر دیا۔ معتمد نے ایک مجلس عام میں اپنے بیٹے کو ولی عہدی سے معزول کر کے ابوالعباس کو ولی عہد بنایا اور خود لوگوں سے اس کی بیعت لی اور اس کا لقب معتضد رکھا[1] اس کے بعد سے ابوالعباس نے اپنے

---

[1] تاریخ الخلفاء صفحہ ۱۹۶۔

چچا کی خبر گیری شروع کر دی اور احترام و اکرام سے پیش آیا کرتا۔

وفاتِ معتمد ایک دن محفلِ رقص و سرود تھی اس میں دورِ شراب چل رہا تھا معتمد نے زیادہ پی لی اور اس پر کھانا زیادہ کھا لیا جس سے اس کو تخمہ ہو گیا۔ ۱۹ ار رجب شب دوشنبہ ۲۷۹ھ ۸۹۳ء کو انتقال کر گیا۔ ۲۳ برس معتمد نے سلطنت کی۔ علامہ سیوطی لکھتے ہیں کہ اُن کو زہر دیا گیا۔ بعض کہتے ہیں گلا گھونٹ دیا گیا [۱]

علمی ترقی معتمد کو کوئی علمی دلچسپی نہ تھی مگر اس کے عہد میں قلمرو بنی عباس میں بڑے بڑے جلیل القدر علماء علمی سرگرمی دکھا رہے تھے۔ البتہ ۲۷۹ھ میں اُس نے یہ حکم دیا تھا کہ کوئی منجم یا افسانہ گو سرِ راہ نہ بیٹھے اور کتب فروشوں کو ہدایت کی کہ آئندہ سے فلسفہ اور مناظرہ کی کتابیں فروخت نہ ہوں [۲]

نائبِ سلطنت موفق موفق معتمد کا بھائی تھا اُس کے ہاتھ میں خلافت حقیقی معنی میں تھی اور اُس نے عباسی حکومت کو بہت کچھ فائدہ پہنچایا۔ معتمد میں کوئی علمی حیثیت نہ تھی۔ البتہ موفق میں جملہ اوصافِ جہانبانی تھے۔ فضل و کمال، تدبیر و سیاست و اخلاق، عدل و انصاف میں اپنے اسلاف کے قدم بقدم تھا۔ رعایا کی داد رسی کے لئے خود قضاۃ کے ساتھ بیٹھتا اور مقدمات کی سماعت کرتا اور منصفانہ فیصلہ دیتا تھا [۳]

موفق شجاع و بہادر تھا خود فوجوں کی کمان کرکے میدان میں اُترتا۔ صاحب الزنج کی قوت کو اس نے اور ابو العباس نے ختم کیا۔ ترکوں کو اُس نے حد سے آگے نہ بڑھنے دیا۔ بلکہ اس کے جبروت سے امراء ترک لرزہ براندام تھے اس کی وفات سے دولتِ عباسیہ کو بڑا نقصان پہنچا۔

حالاتِ وزراء عبید اللہ بن یحییٰ بن خاقان اصولِ سیاست سے واقف اور مالیات کا بڑا ماہر ۲۶۳ھ میں گھوڑے سے گر کر فوت ہوا۔

---

[۱] تاریخ الخلفاء صفحہ ۱۹۶ [۲] ایضاً [۳] ابن اثیر جلد ۷ ص ۱۴۷ ۔

حسن بن مخلد اپنے عہد کا بے نظیر انشاء پرداز ایک عرصہ تک موفق کا کاتب رہا پھر وزارت پر ممتاز ہُوا۔ تمام ضوابط از بر تھے۔ دو مرتبہ وزیر ہوا۔ ایک دفعہ ۱۶ دن فرائض وزارت انجام دیئے۔ موسیٰ بن بغا کی درشتی سے بغداد چلا گیا تھا۔

سلیمان بن وہب عرصہ تک مہتدی کا وزیر رہا۔ پھر موفق کا میر منشی ہُوا۔ وزارت پر موفق نے سرفراز کیا۔ مگر ۲۶۴ھ میں معتمد اس سے خفا ہو گیا۔ اس نے اس کے لڑکے وہب اور ابراہیم کے گھر لٹوا دیئے اور اس کو قید کر دیا اور بغداد سے پھر حسن بن مخلد کو وزارت پر بُلا لیا۔ پھر اس سے خفا ہو کر سلیمان کو بلایا۔ اُن پر بھی عتاب نازل ہُوا تو اُن سے نو لاکھ دینار وصول کئے اور نظر بند کر دیا۔ جہاں ۲۷۲ھ میں وہ انتقال کر گیا۔

معتمد کے عہد کے علماء امام بخاری، امام مسلم، ابوداؤد، ترمذی، ابن ماجہ ربیع الجنیری، ربیع المرادی، مزنی، یونس بن عبدالاعلیٰ زبیر بن بکار، ابوالفضل رباشی، محمد بن یحییٰ ذہلی، حجاج بن شاعر عجلی الحافظ، سوسی المقری، عمر بن شیبہ، زرعہ رازی، محمد بن عبداللہ بن عبدالحکم، داؤد الظاہری ابن وارة، بقی بن مخلد، ابن قتیبہ، ابوحاتم رازی وغیرہ[1]

محدثین و فقہاء احمد بن عمر بن عمر بن فہیر خصاف کنیت ابوبکر فقیہ اجل محدث زہد و ورع کی شہرت تھی۔ فقہ اپنے والد اور حسن بن زیاد سے پڑھی۔ حدیث ابوداؤد طیالسی سے سُنی۔ نعلین و موزہ دوزی کی کمائی سے زندگی بسر کرتے تھے۔ حکومت کے دستِ نگر نہ تھے۔ ۲۶۱ھ میں انتقال ہُوا۔ تصانیف میں سے کتاب الخراج و کتاب الحیل، کتاب الوصایا، کتاب الشروط صغیر و کبیر، کتاب ادب القاضی، کتاب النفقات وغیرہ کثیر التعداد مشہور ہیں۔

حضرت ابراہیم بن ادھم البلخی محدث فقیہ، زاہد اولیاء کے کبار سے تھے۔ بادشاہی ترک کر کے کوچۂ فقر میں قدم رکھا۔ فضیل بن عیاض سے خرقہ ارادت پہنا۔ ۲۶۲ھ میں فوت ہوئے۔

---

[1] تاریخ الخلفاء

محمد بن شجاع ثلجی فقہ میں حسن بن مالک کے شاگرد تھے اور حدیث میں یحییٰ بن آدم و وکیع وغیرہ کے علم کے دریا تھے۔ ۲۶۶ھ میں انتقال ہوا۔ تصحیح الآثار، نوادر کتاب المضاربہ، الرد علی المشبہ تصانیف یادگار سے ہیں۔

نعیم بن یحییٰ بلخی تلمیذ سلیمان الجوزجانی ۲۶۷ھ میں فوت ہوئے۔ محمد بن الیمان ماتریدی سمرقندی ۲۶۸ھ میں فوت ہوئے۔ معالم الدین یادگار سے ہے۔

بکار بن قتیبہ قاضی مصر فقہ یحییٰ بن ہلال رازی و امام زفر سے اور حدیث ابوداؤد الطیالسی سے سماعت کی۔ ۲۷۰ھ میں فوت ہوئے۔ کتاب الشروط، کتاب المحاضر والسجلات کتاب الوثائق والعمود تصنیف سے ہے۔

امام المحدثین ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل بن ابراہیم بن مغیرہ بن بَردِزبہ بخاری الجعفی ولادت ۱۹۴ھ میں ہوئی۔ شیخ داخلی محدث بخارا کے پاس تحصیل علم کیا۔ پھر مکہ معظمہ طلب علم کے لئے گئے، حج کیا۔ اٹھارہ سال کی عمر سے تصنیف و تالیف شروع کی۔ محدث ابن راہویہ کے حلقہ میں بھی شریک ہوئے بعمر ۶۲ سال ۲۵۶ھ میں انتقال ہوا۔ خرتنگ میں دفن ہوئے۔ ۵ لاکھ حدیثیں یاد تھیں۔ (مقدمہ فتح الباری)

امام حافظ مسلم بن حجاج قشیری نیشاپوری، شاگرد امام بخاری آپ کا مجموعہ حدیث صحیح مسلم کے نام سے مشہور ہے۔ ولادت ۲۰۴ھ میں پیدا ہوئے۔ امام احمد بن حنبل سے علم حاصل کیا۔ شافعی مذہب تھے۔ ۵ لاکھ احادیث یاد تھیں۔ ۲۶۱ھ میں انتقال ہوا۔

امام ابوداؤد بن الاشعث الازدی السجستانی ۲۰۲ھ میں پیدا ہوئے۔ امام احمد بن حنبل سے علم حاصل کیا۔ شافعی مذہب تھے۔ ۵ لاکھ حدیث یاد تھیں۔ ۲۷۵ھ میں انتقال ہوا۔

امام ابوعیسیٰ بن سورہ بن موسیٰ بن ضحاک سلمی ترمذی، ولادت ۲۰۹ھ میں ہوئی۔ امام بخاری و مسلم کے شاگرد تھے۔ جامع ترمذی شمائل ترمذی یادگار سے ہے۔ ۲۷۹ھ میں انتقال ہوا۔



ملوک سامانی

۲۶۱ھ تا ۳۹۵ھ مطابق ۸۷۴ء تا ۹۹۹ء

بہرام چوبی کی نسل سے اسد بن سامان ایک شخص تھا جس کو اعزاز کی وجہ سے مامون الرشید بہت محترم سمجھتا تھا۔

اس کے چار لڑکے تھے جنہوں نے دارالخلافت میں مامون کے وقت میں تربیت پائی اور پھر اُن کو ذمہ داریوں کے عہدے بھی دیئے گئے۔ ان کے نام نوح یحییٰ، الیاس اور احمد تھے۔ خراسانی نائب عسان بن ثابت نے احمد کو فرغانہ یحییٰ کو اشروسنہ اور شاس، الیاس کو ہراۃ اور نوح کو سمرقند کا حاکم بنایا۔ اُن کی اولاد ایک عرصہ تک حکومت رہی۔ کبھی تو ملوک طاہرہ کی طرف سے ان کو حکومت ملتی تھی اور کبھی خلفائے بغداد کی طرف سے مقرر کئے جاتے تھے۔ بادشاہی لقب اس خاندان میں اسمٰعیل ابن احمد بن اسد سامانی کے وقت سے استعمال کیا گیا جو ایک خود مختار بادشاہ ماوراء النہر میں ہُوا۔ اور خلیفہ بغداد کی جو کچھ اس نے خدمت کی وہ جزاً بطور اطاعت اور جزاً بطور سلوک تھی۔

اسمٰعیل سامانی نے بہت بڑی فتح ترکستان میں حاصل کی۔ شاہِ ترکستان کو مع اس کی خاتون کے گرفتار کر کے سمرقند لایا اور پھر جیحون سے عبور کر کے عمرا بن لیث کو گرفتار کیا جس کا ذکر ملوک صفاریہ کے تذکرہ میں آ چکا ہے۔ ان دو فتوحات نے اسے مستقل بادشاہ بنا دیا۔ شروع شروع اس نے ماوراء النہر میں زور پکڑا اور سمرقند اُس کا پایۂ تخت ہُوا۔ عمر بن لیث کو اس نے قید کر کے بغداد بھیجا۔ وہاں سے اس کو سجستان، خراسان، مازندان، رے اور اصفہان کی حکومت عطا ہوئی۔ اس نے محمد بن زید علوی کو جس نے طبرستان میں خروج کیا تھا شکست دی۔ یہ بادشاہ بڑا

عادل اور نیک نام تھا۔ اسمٰعیل کے بعد آٹھ بادشاہ خاندانِ سامانی کے اور ہوئے جن کی تفصیل ذیل میں درج ہے :-

نمبر شمار	نام	سنہ جلوس	کیفیت
۱	احمد بنِ اسماعیل		خلیفہ بغداد نے اس کو عہد نامہ اور لوا بھیجا۔ اس کا پائیہ تخت بخارا تھا۔ یہ بہادر اور کج خلق تھا۔ ارکین دولت کے ایما سے یہ قتل کیا گیا۔ چھ سال تک یہ بادشاہ رہا۔
۲	ابو الحسن نصر بنِ احمد		نہایت خورد سالی میں یہ تخت پر بیٹھا۔ اس کے خاندان والے اس سے منحرف رہے اور مغلوب ہوئے۔ ہوش سنبھالنے پر یہ بڑا نامور بادشاہ ہوا۔ ۳۳۱ھ میں ۲۸ سال حکومت کر کے ۳۸ سال کی عمر میں اس نے انتقال کیا۔ اپنی کریم النفسی سے اس کا لقب امیر سعید ہوا۔
۳	نوح بنِ نصر بنِ احمد	۳۳۱ھ	اس کو سلاطین دیالمہ سے برابر مقابلہ رہا۔ اکثر یہ غالب رہا۔ ۳۴۳ھ میں مرا۔
۴	عبد الملک بن نوح	۳۴۳ھ	ملک رے اور خراسان کی بابت یہ بھی اپنے باپ کی طرح دیالمہ سے برابر لڑتا رہا۔ آخر میں کچھ مصالحت ہو گئی تھی اور اسی اثناء میں چوگان کھیلتے ہوئے گھوڑے سے گر کر یہ ۳۵۰ھ میں مر گیا۔ لوگ اس کو موید اور موفق بھی کہتے تھے۔

نمبر شمار	نام	سنہ جلوس	کیفیت
۵	منصور ابن نوح بن نصر	۳۵۰ھ	اپنے بھائی عبدالملک کے مرنے پر خراسان اور ماوراءالنہر کا بادشاہ ہُوا۔ البتگین سپہ سالارِ خراسان اس کی تخت نشینی کے خلاف تھا۔ اس لئے وہ اس کی تخت نشینی کی خبر سُن کر غزنی بھاگ آیا اور یہاں اسی کے غلام سبکتگین کی ذات سے سلطنت کی بنیاد پڑی۔ رکن الدولہ دیلمی پر یہ بادشاہ غالب آیا اور اس سے کچھ سالانہ خراج مقرر کرالیا۔ پندرہ سال حکومت کرکے ۳۶۵ھ میں یہ مرا۔ لوگ اس کو امیر موئد اور امیر سدید بھی کہتے تھے۔
۶	نوح بن منصور بن نوح		البتگین کے غلام سلطان سبکتگین کا یہ ہمعصر تھا۔ اس کے وقت میں عضدالدولہ بن رکن الدولہ دیلمی تمام عراق پر قابض ہو گیا تھا اور شمس المال قابوس بن وشمگیر جرجان اور طبرستان پر قابض تھا۔ اس کے وقت میں بڑے بڑے معرکے ہُوئے اور بڑی بڑی لڑائیاں ہوئیں۔ کئی مرتبہ تو یہ فخر الدولہ کی حمایت میں عضدالدولہ دیلمی سے لڑا۔ پھر بغرا خان گورنر خراسان ابوعلی کی سازش سے ترکستان سے بخارا آیا اور ماوراءالنہر پر قابض ہو گیا۔ امیرِ نوح تابِ مقابلہ نہ لاکر مفرور ہو گیا۔ بوعلی خراسان کا خود مختار بادشاہ بن بیٹھا۔ بغرا خان بیمار ہو کر اپنے وطن واپس چلا اور راہ میں مر گیا۔ اس طرح نوح پھر ماوراءالنہر کا بادشاہ ہُوا۔ لیکن بوعلی اور فائق نے لڑائی کی دھمکی دی تو وہ گھبرایا۔ سبکتگین کا شمار اب تک سلاطین میں نہ تھا۔

نام	نام	سنہ جلوس	کیفیت
			سپہ سالاروں کی طرح ہندوستان میں کچھ اس نے غزوات کئے تھے جس سے اس کا نام روشن ہو چلا تھا۔ نوح نے اس سے مدد مانگی جسے اس نے فخر سمجھا اور فوج لے کر نوح کے پاس آموجود ہوا۔ غرضیکہ سبکتگین اور اس کے بیٹے محمود نے بوعلی کو شکست دی جس کے صلہ میں امیر نوح نے سبکتگین کو ناصر الدین اور محمود کو سیف الدولہ کا خطاب عطا کیا۔ پھر اس کے بعد کئی مرتبہ سبکتگین اور محمود نے نوح کی طرف سے لڑائیاں کیں۔ نوح کے گورنر اور ملازم اکثر نمک حرام تھے اسلئے اسکو بڑی بڑی دقتیں پیدا ہوئیں۔ ۳۸۷ھ میں یہ اپنی موت سے مرا۔
۷	منصور بن نوح بن منصور	۳۸۷ھ	درباریوں کا حال تو بگڑا ہی تھا۔ انہوں نے سیف الدولہ ایسے خیر خواہ دولت سے منصور کو لڑوانا چاہا لیکن محمود بچالے گیا۔ اس کے بعد خود ارکین نے منصور کی آنکھ میں سلائی پھیر کر تخت سے اُتار دیا اور اس کے بھائی عبدالملک کو تخت پر بٹھایا۔
۸	عبدالملک بن نوح		عبدالملک بن نوح کو بھی لوگوں نے محمود سے لڑوانا چاہا۔ محمود کب تک صبر کرتا یہ لڑ پڑا۔ عبدالملک بھاگ کر اپنے دارالسلطنت کی طرف گیا۔ وہاں ایک خان کاشغر سے آکر قابض ہو گیا تھا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ عبدالملک گرفتار ہو گیا اور دولت سامانیہ کا خاتمہ ہوا۔ منتصر بن نوح سامانی نے کچھ سر اٹھایا بلکہ ایک خان سے خوب خوب لڑا لیکن آخر ہزیمت پائی اور ۳۹۵ھ میں آل سامان کا خاتمہ ہو گیا۔ یہ حکمران بہادر تھے اور ملک گیری کا شوق رکھتے تھے[1]

[1] ابن اثیر جلد ۷ صفحہ ۱۶۵ و ابن خلدون جلد ۴ صفحہ ۲۵۰ تا ۳۹۰۔

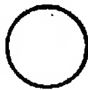
علمی ترقی

سامانی دور میں جہاں شجاعت اور بہادری کے جوہر نظر آتے ہیں وہاں تہذیب و تمدن میں ان کے عہد کو خوش گوار زمانہ کہا جا سکتا ہے اور سامانیوں کے دور میں علوم و فنون کی ترقی بھی قابلِ ذکر ہے۔ بادشاہانِ سامانیہ علم اور علماء کے قدردان تھے۔ ابو صالح منصور بن اسحاق کے علمی مذاق کے اثر نے ابو زکریا رازی[1] فلسفی کو اس کا مدح خوان بنا دیا۔ اس نے اپنی ایک کتاب کا نام المنصوری اس کے نام پر معنون کی۔

بعد کو نوح ثانی (۹۷۶ء) نے نوعمر ابن سینا کو (جس کا باپ ایک اسمٰعیلی فرقہ کا آدمی تھا) اپنے دربار میں مدعو کیا اور وہ اس کے کتب خانے سے استفادہ حاصل کرتا رہا۔

سامانیوں کے دور میں جدید فارسی کا نشوونما ہوا۔ فردوسی (۹۳۴ء تا ۱۰۲۰ء) کی پیدائش اسی عہد میں ہوئی۔

بلعمی منصور اول کا (۹۶۱ء تا ۹۷۶ء) وزیر تھا۔ ابن حوقل جغرافیہ نویس نے اس کے زمانہ وزارت میں ملک کی اندرونی ترقیوں کی بڑی تعریف و توصیف کی ہے۔ اسی عہد میں الطبری کی تاریخ کا فارسی زبان میں خلاصہ کیا گیا۔ ایلک خان نے ۹۹۹ء میں اس ترقی یافتہ حکومت کو پامال کر دیا۔



---

[1] ابو زکریا رازی: شیخ ابو بکر محمد بن زکریا رازی علم طب، منطق، علم ہندسہ، علم موسیقی کا ماہر تھا۔ بغداد کے بیت الشفاء میں رئیس الاطباء رہا۔ کتاب الجامع، کتاب الاعصاب وغیرہ کثیر التعداد تصانیف اس کی یادگار ہیں۔ ۳۲۰ھ میں فوت ہوا۔

خلیفہ المعتضد باللہ

نام ونسب ابوالعباس احمد بنِ ابواحمد موفق بنِ متوکل۔ اس کی والدہ ضرار نامی ام ولد تھی۔

بیعتِ خلافت ۱۹ ر رجب ۲۷۹ھ میں اُس کے ہاتھ پر خلافت کی بیعت ہُوئی۔

وزارت عبیداللہ بن سلیمان بن وہب اس کا پہلا وزیر تھا۔ اس کے بعد قاسم بنِ عبیداللہ بنِ سلیمان مذکور منصبِ وزارت پر ممتاز ہُوا۔

حجابت منصب حجابت پر صالح الامین کا تقرر ہوا۔

قضاۃ منصب قضاۃ پر ابواسحاق بنِ اسماعیل بن حماد بن زید مالکی۔ پھر یوسف بنِ یعقوب اور ابوحازم عبدالحمید بن عبدالعزیز حنفی بصری مشرقی ممالک کے عہدۂ قضاۃ پر مامور ہوئے۔[1]

شہنۂ بغداد معتضد نے اپنے غلام بدر کو بغداد کی شہنگی عطا کی۔ اس وقت معتضد کی عمر ۳۶ سال کی تھی۔

بنی عباس میں معتضد عقل ودانش تدبیر وسیاست اور جاہ وجلال میں ایک امتیازی درجہ رکھتا تھا۔ وہ کبھی ترکوں کا کھلونا نہیں بنا۔ بلکہ تمام سرکش امراء کو زیر رکھا اور مخالف قوتوں کو اُبھرنے نہ دیا۔ عباسی دولت جس حالت پر پہنچ گئی تھی اس کی از سرِ نو اصلاح کی اور تمام عمر ترقی میں کوشاں رہا۔"

تخت پر بیٹھتے ہی امیر رافع بن ہرثمہ پر نظر رکھی کیونکہ یہ خود سر امیر تھا۔ رافع بن ہرثمہ کو محمد بن طاہر نے ۲۷۱ھ میں خراسان [illegible] اکر بھیجا۔ اس

---

[1] تنبیہ والاشراف مسعودی صفحہ ۲۶۶۔

نے شاہی علاقہ پر بھی ہاتھ صاف کیا۔ معتضد نے اس کی معزولی کا حکم دیا اور عمر بن لیث صفاری کو جو عرصہ سے خراسان کی فکر میں تھا۔ خراسان کا عامل بنا دیا۔ رافع نے علویہ طبرستان سے ساز باز کر کے عمر کے مقابل ہوا۔ مگر محمد بن زید علوی والی طبرستان نے عمر بن لیث سے لگاؤ پیدا کر لیا اور وقت پر امداد دینے سے انکار کر دیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ معرکہ میں رافع کو شکست ہوئی۔ نیشاپور چھوڑ کر "ابیورد" چلا گیا۔ مگر عمر بن لیث نے راستہ روک لیا تو وہ خوارزم بھاگا۔ شاہ خوارزم نے ابوسعید فرغانی کو استقبال کے لئے بھیجا اور رافع کو دھوکہ دے کر قتل کرا دیا اور سر عمر بن لیث کے پاس بھیج دیا[1]

خوارج کی شورش کا خاتمہ

ہارون خارجی موصل کے نواح کے خوارج کا قائد بن گیا۔ حمدان بن حمدون عامل موصل نے ۲۸۱ھ میں ہارون سے موافقت کر لی۔ یہ خبر معتضد کے کانوں تک پہنچی تو اس نے موصل پہنچ کر بدوؤں کا قتل عام بول دیا۔ مگر حمدان قلعہ ماردین میں تھا، بچ رہا۔ اس نے قلعہ کو منہدم کر دیا۔ حمدان وہاں سے بھی نکل بھاگا۔ مگر کہیں جان کی امان نہ تھی۔ خود معتضد کے حضور میں حاضر ہوا۔ ہارون نے جزیرہ کی طرف رُخ کیا۔ کثیر التعداد ساتھی ہو گئے۔ سردارانِ فوج اس کے مقابل ہوئے، شکست کھائی۔ معتضد نے حسین بن حمدان کو اس مہم پر بھیجا اور حمدون کو قید سے آزاد کر دیا۔ حسین نے جا کر ہارون کو شکست دی اور گرفتار کر کے بغداد لایا جس کو ۲۸۳ھ میں سولی دیدی گئی[2]۔ ہارون کے قتل کے بعد موصل میں کامل امن و سکون ہو گیا۔

احوالِ قرامطہ

معتمد کے حالات میں لکھا جا چکا ہے۔ قرمطی شام چلا گیا تھا مگر عراق، بحرین اور اس کے نواح میں اس کے ساتھیوں نے اس تحریک کو چلائے رکھا۔ کثرت سے لوگ قرمطی خیال کے ہو گئے۔ ۲۸۱ھ میں

---

[1] ابن اثیر جلد، صفحہ ۱۰۱ بورڈ کے بعد [2] ایضاً صفحہ ۱۵۴ تا ۱۵۷ -

ان میں سے یحیٰی بن مہدی نے "قطیف" میں دعویٰ کیا کہ وہ مہدی موعود کا داعی ہے جن کا عنقریب ظہور ہونے والا ہے اور مہدی کی جانب سے ایک صداقت نامہ بھی پیش کیا۔ قطیف اور بحرین کے شیعانِ علی نے اس دعوت کو بطیب خاطر قبول کیا۔ ان میں سب سے اہم شخصیت ابوسعید جنابی کی تھی۔ بحرین سے کچھ روز کے لئے یحیٰی چلا گیا اور کچھ دن بعد لوٹ کر آیا۔ اس کے پاس مہدی کی طرف سے سب کے نام شکریہ کے خط تھے اور خمس دینے کا حکم تھا۔ شیعیوں نے نامہ مہدی کو سر آنکھوں پر رکھا اور خمس کے پیش کرنے کی تعمیل کی۔

یحیٰی قبیلۂ قیس میں گیا اور اس کو بھی گمراہ کیا۔ بحرین کے والی کو اس کا علم ہوا۔ اس نے یحیٰی کو گرفتار کر لیا اور اس کو سخت سزا دی۔ ابوسعید جنابی بھاگ گیا۔ کچھ عرصہ قید رکھ کر چھوڑ دیا۔ یحیٰی جب چھوٹا تو اس نے بنی کلاب، بنی عقیل اور قریش کے لوگوں کو خفیہ طور سے اپنا ہم خیال بنا لیا۔ اب ان کی قوت اتنی بڑھ گئی کہ ۲۸۷ھ میں ہجر کے نواح میں قرامطہ لوٹ مار، ڈاکہ زنی کرنے لگے۔ ابوسعید نے بصرہ پر حملہ کا ارادہ کیا۔ یہاں کا والی احمد الواثقی تھا۔ وہ ابوسعید کے ہمراہیوں کی قوت سے خوف زدہ ہو گیا اور معتضد کو اس کی اطلاع دی۔ اس نے حکم دیا کہ بصرہ کے اردگرد شہر پناہ تعمیر کر دی جائے تا کہ قرامطہ حملہ نہ کر سکے۔ لیکن قرامطہ نے ہزار ہا ہمراہیوں کے ساتھ حملہ کیا اور بصرہ اور ہجر کے اطراف میں ظلم و ستم روا رکھ کر اپنی دھاک بٹھا دی۔ مقابل میں عباس بن عمرو غنوی والی فارس معتضد کی طرف سے آیا۔ اس کو ان کے مقابلہ پر شکست ہوئی۔ عباس کے سوا تمام عسکریوں کو جو گرفتار تھے ابوسعید نے آگ میں جلوا دیا۔ اس کے بعد عباس کو رہا کر دیا گیا کہ وہ جا کر معتضد سے سب حال کہے یہ ایلہ ہوتا ہوا بغداد پہنچا۔ معتضد نے اس کی دلدہی کے لئے خلعت عطا کیا۔[1]

---

[1] ابن اثیر جلد ۷ صفحہ ۱۶۲۔

قرامطہ نے نواح کوفہ کی طرف رُخ کیا اور وہاں شورش بپا کر دی۔ اس شورش کو دیکھ کر ایک طالبی غلام بدر مجاہدانہ ذوق وشوق سے اُٹھ کھڑا ہُوا اور اُس نے مجاہدین کی جماعت کو لے کر قرامطہ پر یلغار بول دی۔ بہت سے رؤسا کو موت کے گھاٹ اُتارا۔ معتضد نے علیحدہ فوجیں روانہ کیں جنہوں نے ان کو بے دریغ قتل کیا۔ ہزارہا قرامطی مارے گئے۔ ایک داعی ذکرویہ بن مہرویہ نے طے کے قبائل کو اپنا ہمنوا بنانا چاہا۔ مگر وہ ہتھے نہ چڑھے۔ بنی قیس ان کے دام میں آ گئے۔ اُن کو لے کر معتضد کے غلام شبل جو اُن کے مقابل آیا اس کو گرفتار کر کے قتل کرا دیا اور رصافہ کی مسجد جلا ڈالی اور شام کی سرحد تک کی آبادیوں کو ویران کر دیا۔ طولونی عہدہ دار طغج بن خف نے روکا لیکن ذکرویہ سے اس کو شکست کھانا پڑی [1]

۲۸۹ھ میں شام اور کوفہ پر قرامطہ کا تسلط ہو گیا۔ مگر عامل کوفہ نے ان سے لڑ بھڑ کر اُن کے سردار ابوالفوارس کو گرفتار کر کے معتضد کے پاس بھیج دیا۔ معتضد نے اُس سے پوچھا کہ کیا یہ تمہارا اعتقاد ہے کہ اللہ تعالیٰ یا اس کے انبیاء کی رُوح تمہارے جسم میں داخل ہو کر تم کو عملِ خیر کی ہدایت کرتی ہے اور خطا اور غلطی سے روکتی ہے۔ اس نے کہا :-

"ہمارے جسموں میں اللہ تعالیٰ کی رُوح ہے یا ابلیس کی اس سے تم کو کیا غرض؟ تم وہ بات پوچھو جو تم سے تعلق رکھتی ہے"

معتضد نے پوچھا۔ وہ کون سی بات ہے۔ وہ بولا کہ

"جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وفات پائی تمہارے باپ حضرت عباس موجود تھے مگر وہ نہ خلافت کے لئے نامزد کئے گئے اور نہ کسی نے بیعت اُن کے ہاتھ پر کی۔ پھر حضرت ابوبکرؓ کی وفات کے وقت وہ زندہ تھے مگر خلافت حضرت عمرؓ کو ملی۔ اسکے بعد اصحاب شوریٰ میں آئی۔ پھر بھی تمام صحابہ نے

---

[1] ابن اثیر جلد، صفحہ ۱۶۸ -

تمہارے جدامجد کو خلافت کا مستحق نہیں سمجھا تو تم اپنے کو کیوں حق دار سمجھتے ہو۔"

معتضد نے ان باتوں سے خفا ہو کر اس کو قتل کرا دیا۔ رئیس قرامطہ ذکرویہ بن مہرویہ کا بیٹا ابوالقاسم یحیٰی بنی کلب میں اباحت کی تبلیغ کر رہا تھا اور اس نے اپنے امام کو امام جعفر کی اولاد بتایا اور کہا میرے تابع ایک لاکھ آدمی ہیں جو ہر وقت جان دینے کو تیار ہیں۔ غرضیکہ ۲۸۹ھ میں بنی کلب نے اس کے ہاتھ پر بیعت کر لی۔ اس نے اپنے مریدوں کا نام فاطمین رکھا۔ غرضیکہ عراق، بحرین اور شام میں ان کی چیرہ دستیاں بہت بڑھی ہوئی تھیں۔

اسی زمانہ میں فاطمی دعاۃ یمن اور افریقہ میں اسماعیلی امامت کی تبلیغ میں مشغول تھے۔ ان کا مقصد یہ تھا کہ تمام اسلامی ممالک میں ایک ساتھ رایتِ امامت بلند کیا جائے تاکہ بنی عباس مقابلہ نہ کر سکیں[1]

عمرو بن لیث صفاری اور اسماعیل سامانی

ان کے حالات اپنے اپنے ملوکیت کے تحت مختصراً آ چکے ہیں۔ معتضد کے وقائع کے ساتھ جو تعلق ہے یہاں اس کا اظہار ہے۔ معتضد نے عمرو کو رافع ابن ہرثمہ کے سر پیش کرنے کے صلہ میں ماوراء النہر کے علاقہ اس کی خواہش پر دیا تو شکریہ میں چالیس لاکھ درہم، بیس گھوڑے معہ رسن وسازِ طلا ۱۵۰ اونٹ ریشمی پارچہ جات کے معتضد کی خدمت میں بھیجے اور امیر محمد بشیر کو اس علاقہ پر قبضہ کرنے کے لئے بھیجا ماوراء النہر پر اسمٰعیل قابض تھا آمد میں لبِ جیحوں پر مقابلہ ہوا۔ امیر محمد مارا گیا۔ اس کی فوج نیشاپور چلی گئی۔ عمرو خود اسمٰعیل سے مقابلہ کرنے آ گیا۔ بلخ میں مورچہ لگایا۔ اسمٰعیل نے اسے گھیر لیا۔ تاب مقابلہ نہ لا کر راہِ فرار اختیار کی۔ مگر راہ میں گرفتار ہوا۔ اسمٰعیل نے معتضد کے پاس اس کو بغداد بھیج دیا۔ معتضد نے اسے قید کر دیا اور اسمٰعیل کو اس کے تمام

---

[1] ابن اثیر جلد ۷ صفحہ ۱۶۲۔

مقبوضات کا حاکم بنا کر خلعت سے نوازا۔[1]

عمرو کے گرفتار ہونے سے طبرستان کے علویوں نے ہاتھ پیر نکالے۔ ان کی نگاہ عرصہ سے خراسان پر تھی۔ محمد بن زید علوی نے فوج کشی کر دی۔ اسماعیل نے کہلا بھیجا کہ میں نے تمہارے خاندان کا احترام کر کے جرجان چھوڑ رکھا تھا۔ اب تم خراسان کا قصد نہ کرو ورنہ نقصان اٹھاؤ گے۔ انہوں نے اس کی پرواہ نہ کی۔ اسمٰعیل نے محمد بن ہارون کو ان کے مقابلہ کے لئے بھیجا۔ باب جرجان پر نہایت خونریز معرکہ ہوا۔ محمد بن زید زخمی ہوئے اور ان کا لڑکا زید گرفتار ہوا۔ محمد زخموں کے صدمے سے انتقال کر گئے۔ اسمٰعیل نے زید کی بڑی خدمت کی۔ احترام و عزت سے اپنے پاس رکھا۔

دولتِ صفاریہ اور زیدیہ دونوں اسماعیلِ سامانی کے زیرِ نگین آگئیں اور ماوراءالنہر سے لے کر طبرستان تک سامانی حکومت کے ڈنکے بج گئے۔

طرطوس کے بحری بیڑے کی تباہی

امیر محمد بن ابی اساج کو معتمد کے زمانہ میں عروج ہوا اور آذربائیجان کا حاکم مقرر ہوا۔ معتضد کے زمانہ میں خودسری کرنے لگا تو خلیفہ نے اس کو رام کرنے کے لئے آرمینیہ کی حکومت اور خلعت عطا کی۔ ابن ابی الساج نے اظہارِ شکرگزاری میں قیمتی ہدایا پیش کئے۔ مگر اس نے اپنے غلام وصیف کو آمادہ کیا کہ وہ سرحد کی ولایت کی درخواست اس کے حضور میں پیش کرے۔ اس سازش میں اہلِ طرطوس شامل تھے۔ وصیف نے ظاہرہ ابن الساج کا ساتھ چھوڑ کر ملطیہ چلا گیا۔ معتضد کو مخبروں سے تمام حالات معلوم ہو گئے۔ خود وصیف کی تادیب سے اٹھا۔ عین زربہ پر وصیف گھر گیا اور گرفتار ہو کر معتضد کے حضور پیش ہوا۔ فوج کو امان دی گئی۔ طرطوس کے امراء گرفتار کئے گئے اور یہاں کے بحری بیڑے کو جس میں پانچ سو جہاز تھے جلا ڈالے گئے۔ اس فعل سے مسلمانوں کی بحری قوت رومیوں کے مقابلہ میں کمزور ہو گئی۔

---

[1] ابن اثیر جلد، صفحہ ۱۲۵۔

خلیفہ معتضد اور طولونیہ مصر کے تعلقات

معتضد نے خمارویہ بن طولون پر بہت زیادہ مراحم خسروانہ روا رکھے۔
کیونکہ معتضد جب تخت نشین ہوا تو خمارویہ نے بیس خچر سونے سے لدے ہوئے، دس خادم، دو صندوق زیورات، سترہ راس اسپ معہ طلائی ساز و سامان وغیرہ نذر میں خلافت پناہ کو پیش کئے تھے۔ معتضد نے اس کے صلہ میں مصر کی باقیماندہ رقم میں سے کل دو لاکھ دینار لے کر تین لاکھ سالانہ پر فرات سے برقہ تک کی حکومت کا سی سالہ قبالۂ خمارویہ اور اس کے لڑکے کے نام لکھ دیا۔ ۲۸۲ھ میں بارہ پارچے کا خلعت مالائے مروارید عطا کی اور ۲۸۲ھ میں خمارویہ نے مزید تقرب کے لئے اپنی بیٹی قطر الندی کو علی بن معتضد کو بیاہنا چاہی لیکن معتضد نے خود اپنے ساتھ شادی منظور کی۔ چنانچہ بڑی شان و شوکت سے یہ تقریب انجام پائی۔ خمارویہ نے اپنی بیٹی کو جو جہیز دیا اس کی نظیر تاریخ میں نہیں ملتی۔

اس کے لئے سونے کا تخت تھا جس کے ستون مرصع اور جالی دار طلائی قبہ تھا جس کے ہر حلقہ میں ایک انمول موتی تھا۔ رخصتی کے وقت مصر سے بغداد تک ہر ہر منزل پر اپنے محل کے مشابہ ایک قصر تعمیر کرا کے ساز و سامان سے آراستہ کیا۔ جہاں عروس روزانہ قیام کیا کرتی۔ عروس کی سواری کے ساتھ اس کا چچا شہاب بن احمد بن طولون تھا جو آغاز محرم ۲۸۲ھ میں بڑی شان سے بغداد میں داخل ہوئی۔ یہاں بھی شاہانہ استقبال کیا گیا۔ بغداد کو مثل عروس کے سجایا گیا تھا۔[1]

خمارویہ مصر اور شام کا والی اور طرطوس کا قلعدار تھا۔ رومی اس کی جلالتِ شان اور رعب سے سرحد میں قدم رکھتے گھبراتے تھے۔ ۲۸۲ھ میں خمارویہ کو اس کے غلام نے قتل کر دیا۔ اس کا لڑکا تخت نشین ہوا۔ لیکن چند ماہ بعد وہ بھی معزول کر دیا گیا۔ اس کا بھائی ہارون تخت نشین ہوا۔ خلیفہ نے طرطوس اس کے قبضہ سے نکال کر دوسرے

---

[1] کتاب الولات کندی صفحہ ۲۴۰۔

والی کے سپرد کیا۔ پھر قنسرین اور عواصم بھی لے کر اس کی حکومت شام اور مصر تک محدود کردی اور چار لاکھ ۵۰ ہزار دینار سالانہ خراج اس کے ذمہ کیا۔

رومیوں سے جنگیں معتضد کی توجہ اندرونی اصلاح و تنظیم و شورشوں کے انسداد کی طرف زیادہ رہی ۲۸۰ھ میں موفق کے غلام راغب نے طرطوس سے بحری حملہ کیا اور تین جہاز رومیوں کے گرفتار کر کے جلا دیئے اور تین ہزار رومی اس معرکے میں قتل ہوئے۔ اس واقعہ کے انتقام میں انہوں نے ۲۸۱ھ میں پھر طرطوس پر حملہ کیا۔ یہاں کا حاکم گرفتار ہوگیا ۲۸۸ھ میں حسن بن علی نے کئی رومی قلعے فتح کئے اور بہت سے رومی گرفتار کئے۔ اس کے انتقام میں رومیوں نے کیسوم پر بری اور بحری دو سمتوں سے حملہ کر کے پندرہ ہزار مسلمانوں کو گرفتار کر کے لے گئے [1]

ولی عہد اپنے لڑکے علی مکتفی کو معتضد نے ولی عہد قرار دیا تھا۔

وفات معتضد نے ۲۱ ربیع الثانی ۲۸۹ھ مطابق ۹۰۲ء کو بعمر ۴۷ سال وفات پائی۔ ۹ سال ۹ ماہ تین دن فرائض خلافت انجام دیئے۔

اوصاف معتضد بڑے جاہ و جلال کا ممالک اسلامیہ کا شہنشاہ تھا۔ متاخرین خلفائے بنی عباس میں اس کو امتیازی درجہ حاصل تھا۔ اس دل و دماغ اور حوصلہ و ہمت کا خلیفہ اس تخت حکومت پر ایک عرصہ بعد بیٹھا تھا۔ تدبر و سیاست کے ساتھ محاسن اخلاق سے بھی آراستہ و پیراستہ تھا۔ اس کا عہد عام فلاح و بہبود و امن و امان، عدل و انصاف میں مشہور تھا۔ اس نے ہی خلافتِ عباسیہ کے بے روح جسم میں جان ڈالدی تھی۔ اس لئے اسے سفاح ثانی کے لقب سے بھی یاد کیا جاتا ہے [2]

علامہ مسعودی لکھتا ہے :-

"معتضد کے تختِ خلافت پر قدم رکھتے ہی فتنہ و فساد میں سکون پیدا

---

[1] ابن خلدون جلد ۳ صفحہ ۳۵۴ [2] مسلمانوں کا نظم مملکت صفحہ ۷۶ -

ہو گیا۔ ملک کی حالت درست ہو گئی۔ لڑائیوں کا سلسلہ ختم ہو گیا اور شورش و ہیجان میں سکون آ گیا۔ مخالفین نے صلح کر لی وہ مظفر و منصور تھا تمام امورِ مملکت اس کے قابو میں آ گئے۔ مشرقی و مغربی علاقے اس کے زیرِ فرمان ہو گئے۔" [۱]

الفخری کا بیان ہے :-

"معتضد عاقل، فہیم، فاضل اور خصائلِ حمیدہ سے آراستہ تھا۔ اس کی تختِ نشینی کے وقت سلطنت ویران ہو رہی تھی۔ سرحدیں بیکار ہو چکی تھیں اس نے بڑی خوبی سے اس کی اصلاح کی۔ اس کے حسنِ انتظام سے اس کی سلطنت آباد ہو گئی۔ آمدنی میں اضافہ ہو گیا۔ سرحدیں مضبوط ہو گئیں۔ وہ سیاست میں نہایت مضبوط اور فتنہ پرستوں کے لئے نہایت سخت تھا۔ رعایا کے مال و متاع میں فوجوں کی دست درازی اور ایذا رسانی کا خاتمہ کر دیا۔ اپنے ابن عم آلِ ابی طالب کا محسن تھا۔ اس کے زمانہ میں شورشیں اور بغاوتیں بھی ہوئیں۔ عمرو بن لیث الصفار نے بڑی عظمت و قوت حاصل کر لی تھی اور عجم کے بڑے حصہ پہ چھا گیا تھا۔ اس کا دعویٰ تھا اگر میں چاہوں تو دریائے بلخ پر سونے کا پل بنا دوں۔ اس کا باورچی خانہ چھ سو اونٹوں پر چلتا تھا۔ لیکن معتضد کے اقبال سے بڑی ذلت و خواری کے ساتھ قید ہوا اور معتضد نے دولتِ عباسیہ کے منتشر شیرازہ کو پھر سے متحد کر دیا اور رعایا میں عدل و انصاف قائم کیا اور مرتے وقت بڑی دولت خزانہ میں چھوڑ گیا۔" [۲]

سیاست معتضد تدبیر و سیاست میں اپنے عہد کے حکمرانوں میں بہت فائق تھا دولتِ عباسیہ سے کٹ کر دولتِ صفاریہ اور دولتِ سامانیہ بن

---

[۱] مروج الذہب جلد ۷ صفحہ ۱۱۳ [۲] الفخری صفحہ ۲۳۱۔

مگر معتضد نے عمرو بن لیث صفاری اور اسمٰعیل سامانی کو اپنی حسنِ تدبیر سے بھڑا دیا۔ چنانچہ صفاری حکومت ختم ہو گئی۔ سامانی حکومت اس قدر کمزور ہو گئی کہ کچھ عرصہ بعد اُس کا بھی خاتمہ ہو گیا۔

ترک امراء جن کے ہاتھ میں خلافت کی باگ تھی اُن کی طاقت کو توڑ کر رکھ دیا۔ کسی ترک امیر کو مجال نہ تھی کہ معتضد کے مقابل آتا یا خود سری کرتا۔

انتظامِ مملکت تمام دفاتر سرکاری کی دیکھ بھال خود معتضد نے کی۔ پہلے خلفاء کے زمانے میں حکومت کی آمدنی بہت گھٹ گئی تھی۔ حتیٰ کہ تنخواہیں وقت پر نہ مل سکتی تھیں۔ معتضد نے اپنے حسنِ انتظام سے اس میں معقول اضافہ کیا اور اس کے زمانہ میں حکومت کا میزانیہ اتنا بہتر ہو گیا کہ حکومت کے مصارف کے بعد خزانہ میں بڑی رقم سالانہ بچ جایا کرتی تھی۔

یومیہ خرچ معتضد فضول خرچ نہ تھا مگر ضروری اخراجات میں کمی نہ کرتا تھا سات ہزار اشرفی روزانہ کا خرچ تھا۔ صابی کی کتاب الوزراء میں ان اخراجات کا گوشوارہ موجود ہے۔

تعمیر قصر معتضد نے دیوان مواریث کو ختم کیا اور حکم دیا کہ مورث کا جو ترکہ بچے وہ ذوی الارحام کو ملا کرے[1] ایک قصر اپنے لئے تعمیر کرایا۔ اس میں چار لاکھ اشرفیاں صرف کیں۔

سنہ ۲۸۱ھ میں معتضد نے مکہ شریف میں دار الندوہ گرا کر مسجد حرام کے پاس ایک مسجد بنا دی۔[2]

مشرکانہ رسوم کی بندش سنہ ۲۸۲ھ میں معتضد نے نوروز کے دن عید منانے، آگ جلانے اور آگ پر پانی چھڑکنے سے منع کیا کیونکہ یہ فعل مجوسیوں کا تھا۔

---

[1] تاریخ الخلفاء صفحہ ۲۵۰ [2] مروج الذہب جلد ۷ صفحہ ۱۱۶۔

مذہبیت معتضد میں جہاں اوصاف جہانبانی کے تھے وہاں وہ اپنے مذہب کا بڑا پابند تھا۔ فسق و فجور سے اس کا دامن کبھی آلودہ نہیں ہوا تھا۔ قاضی اسمٰعیل کہتے ہیں کہ ایک روز میں معتضد کے پاس گیا تو دیکھا کہ اس کے پیچھے کئی رومی مرد نہایت خوبصورت کھڑے ہوئے تھے۔ میں ان کو دیکھ کر خاموش رہا۔ جب میں چلنے لگا تو مجھے معتضد نے کہا کہ آپ مجھ سے بدگمان نہ ہوں۔ خدا کی قسم میں نے کبھی حرام پر اپنا ازار بند نہیں کھولا[1]

اصلاح بغداد میں مختلف العقیدہ لوگ آباد تھے۔ عجمیوں اور یہودیوں کے یہاں کی خرافات اور رسوم مروج تھیں منجم اور قصہ خوانی سر راہ بیٹھ کر گمراہی کا دروازہ کھولے ہوتے تھے۔ معتضد نے ان کو شوارع عام پر بیٹھنے کی ممانعت کر دی[2]

سب سے بڑی خرابی اس زمانہ میں فلسفہ یونانی کی وجہ سے پیدا ہو گئی تھی۔ کم علموں کے عقائد و خیالات بہت بگڑ گئے تھے تو کتب فروشوں کو فلسفہ کی کتابوں کی اشاعت ممنوع قرار دیدی تھی۔ مگر اہلِ علم کے لئے ان کا پڑھنا منع نہ تھا۔

وسعتِ سلطنت معتضد تخت پر بیٹھا تو اس سے اپنے پیشروؤں کے تغافل سے صفاریہ، سامانیہ، طولونیہ کی حکومتیں قائم ہو چکی تھیں۔ دولتِ عباسیہ صرف جزیرۃ العرب، بلاد جزیرۃ النہرین، عرب، عراق و عجم، آذربائیجان، ارمنیہ اور وہ اقالیم جو بحر جرجان اور بحر ہند کے کنارے ہیں، مگر طولونیوں کو اطاعت گزار کیا۔ جیسا کہ لکھا جا چکا ہے۔ صفاریہ کا خاتمہ ہوا اور سامانیہ کمزور ہو گئے۔ ان کے بہت سے علاقے قلمرو عباسیہ میں لوٹ آئے۔

زراعت کی ترقی چنانچہ معتضد کی توجہ زراعت کی طرف بہت تھی وہ ملک کو خوشحال دیکھنا چاہتا تھا۔ چنانچہ دجلہ کی ایک نہر دجیل

---

[1] تاریخ الخلفاء صفحہ ۲۵۸ [2] ایضاً [3] تاریخ عرب موسیو سیدیو صہ ۲۰۲۔

تھی جس کا دہانہ مدت ہائے دراز سے بند تھا۔ اس کے اطراف کی زمین پانی نہ ملنے سے بنجر ہو گئی تھی۔ معتضد نے اس نہر کو درست کرایا جس کے ذریعہ بڑا علاقہ سیراب ہونے لگا۔

ترقی تجارت معتضد نے تجار کو بہت کچھ مراعات دے رکھی تھیں۔ تجار کے قافلے دارالخلافہ سے جاتے۔ حکومت کی طرف سے ان کی حفاظت کا انتظام گزرگاہوں پر تھا۔ اس کے عہد میں ڈاک کا معقول انتظام تھا۔

علمی ترقی معتضد کا عہد انتظام ملک کے بعد علمی ترقی میں بھی پیش پیش ہے اس نے سامرا کے بجائے پھر بغداد کو دارالخلافہ بنایا۔ یہاں پہلے سے اہل علم جمع تھے دوبارہ دارالحکومت ہونے سے علمی چہل پہل میں اور اضافہ ہوا۔ معتضد کو علم سے دلی لگاؤ تھا اور اس نے اس کی ترقی کے لئے سعی بلیغ کی۔ پہلے پہل دارالعلوم قائم کیا۔

دارالعلوم یہ پہلا خلیفہ ہے جس کے دل میں جدید صورت میں دارالعلوم کا خیال آیا اور اس نے اس کا نقش اول قائم کیا۔

علامہ مقریزی کا بیان ہے :-

"جب خلیفہ معتضد باللہ نے بغداد میں شماسیہ کا محل بنوانا چاہا تو ضرورت سے زائد زمین لی۔ لوگوں نے اس کی وجہ دریافت کی تو اس نے جواب دیا کہ میں اس زمین میں مکانات، حجرے اور خاص کمرے بنواؤں گا ان میں مختلف صنعت اور علمی علوم کے ماہرین رہیں گے جن کی زندگی کی شاندار کفالت اسی ادارہ سے کی جائے گی تاکہ جو شخص جس علم و فن کی تعلیم حاصل کرنا چاہے اس کے ماہرین سے استفادہ کرے[1]"

یہ مدرسہ ایسا تھا جہاں صنعتی اور علوم عقلیہ و علمیہ کے اکتشافات کے لئے مشاہیر اساتذۂ فن جمع کئے گئے تھے اور ہر فن کے لئے الگ الگ مکان تھے

---

[1] کتاب الخطط والآثار جلد ۲ صفحہ ۲۶۲۔

جن میں دار الاقامتہ اور کمرے کا انتظام تھا اور تحقیقِ علم اور کسی خاص فن سے شغف رکھنے والے طلباء کو یہاں تعلیم دی جاتی تھی۔ اس دور کے رجحان کے مطابق اس درس گاہ میں صنائع اور عقلیات کا عنصر غالب تھا۔

معتضد کے عہد میں علمی چہل پہل بغداد کے علاوہ دوسرے شہروں میں بھی نظر آتی ہے۔ کیونکہ عربوں کا بڑا حصہ جو عجمیوں کے اقتدار کی بدولت کشور کشائی سے الگ ہو گیا تھا۔ اس کی توجہ زیادہ تر علم وفن کی طرف ہوئی۔ چنانچہ اس فاتح قوم نے میدانِ علمی میں بھی اپنی فطری مستعدی اور غیر معمولی بیداری کا ثبوت دیا۔ علم کی سرپرستی دولتِ بنی عباس کا عام شیوہ رہا۔ لیکن عربوں کی ترقی کا مدار محض دولت پر نہ تھا بلکہ زیادہ تر ان پرستاران علم کی ذاتی جدوجہد پر تھا جو بجز فضل وکمال اور علم ودانش کے کسی دوسری چیز کے سامنے اپنی پشت خم کرنا علم وفضل کی توہین تصور کرتے تھے۔

اس بے نیازی اور استغناء کا نتیجہ تھا کہ حکومت ودولت کی گردن اکثر اُن کے دَر پہ جھکتی تھی اور یہ سب اس علمی روح کی بدولت تھا جس کی اشاعت مذہبی اشاعت میں مضمر تھی۔ چنانچہ محدثین کا طبقہ تھا جن میں سے اکثر کے حالات پہلے بیان کئے گئے ہیں۔ اُنھوں نے حکومت کا توسل عار سمجھا۔ بڑے سے بڑے جلیل القدر خلفائے بنی عباس نے ان کے سامنے زانوئے ادب طے کیا۔ غرضیکہ معتضد کے عہد میں تصنیف وتالیف کا سلسلہ بہت بڑھ گیا تھا۔

فنِ بیطاری

معتضد کے عہد کے علماء کے علاوہ دوسرے صیغوں کے ملازم تک تصنیف کا شوق رکھتے تھے۔ چنانچہ اس کا داروغہ اصطبل یعقوب بن اخی حزام نے فنِ بیطاری پر الفروسیہ دستیات الخیل لکھی جو اپنی نوعیت کی لاجواب کتاب ہے۔

علومِ عقلیہ

معتضد کو علومِ عقلیہ میں دلچسپی صرف ہیئت سے تھی۔ اس کے عہد میں اسحاق بن حنین فلسی تھا جو علمِ نجوم کا بڑا ماہر تھا معتضد نے تقویم کی اصلاح کی طرف توجہ کی اور اس کو ٹھیک کرایا۔

ابوریحان بیرونی لکھتا ہے :-

"معتضد کے عہد میں بہت تحقیق اور تدقیق سے یہ تقویم تیار ہوئی جو تقویم معتضدی کے نام سے مشہور ہے"[1]

علماء کی قدر دانی معتضد باللہ کے دربار میں جہاں تمام وزراء امراء دست بستہ کھڑے رہتے تھے۔ صرف وزیر اعظم اور حکیم بن ثابت قرۃ ثانی کو بیٹھنے کی اجازت تھی[2] معتضد ثابت کی اس کے علم وفضل کے اعتبار سے بڑی قدر ومنزلت کرتا تھا۔ ایک دن باغ میں معتضد چہل قدمی کر رہا تھا، ثابت ہمراہ تھا معتضد ثابت کے ہاتھ میں ہاتھ ڈالے ہوئے تھا۔ دفعتہً معتضد نے اپنا ہاتھ کھینچ لیا۔ ثابت ڈرا۔ معتضد نے کہا۔ ڈرو نہیں۔ میرا ہاتھ اوپر تھا۔ میں اس کو سوئے ادب سمجھتا ہوں کہ میرا ہاتھ اہلِ علم کے اُوپر ہو۔

حق گو علماء معتضد کے عہد میں علماء حق بات کہتے ہوئے باک نہیں کرتے تھے۔ ابوالحسن نوری دربار کی طرف سے گزرے۔ خدام کشتی میں نبیذ کے مٹکے لے کر جا رہے تھے۔ دریافت کیا کہ یہ کس کے ہیں؟ معلوم ہوا کہ معتضد نے منگوائے ہیں۔ آپ نے تمام مٹکے توڑ دیئے۔ جب معتضد نے سکرا کے پوچھا کہ تم کو محتسب کس نے مقرر کیا ہے؟ تو فوراً جواب دیا کہ جس نے تجھے خلیفہ مقرر کیا۔ معتضد نے سُنا اور سر جھکا لیا[3] باوجود یہ کہ فقہائے عراق نے نبیذ کو حرام قرار نہیں دیا تھا۔

حکماء حکیم سنان بن ثابت بن قرہ حرانی سنان کی کنیت ابو سعید ہے۔ یہ نامور فلسفی اور طبیب اپنے باپ کی طرح فاضل طبیب تھا۔ خلیفہ معتضد باللہ عباسی نے اپنے دربار کا خاص طبیب بنایا تھا۔ رئیس الاطباء کہلاتا تھا۔ پھر قاہر باللہ کی خدمت میں باریاب ہو کر اس کا طبیب خاص ہو گیا۔ اس کے فضل وکمال نے

---

[1] آثار باقیہ البیرونی [2] ابوالفرج صفحہ ۲۴۹ [3] افکارِ سیاست صفحہ ۵۳۲۔

قاہر کو گرویدہ کر لیا تھا۔ وہ ہر ملکی معاملہ میں سنان سے ہی مشورہ لیا کرتا۔ یہ پہلے صائبی مذہب کا پیرو تھا۔ مگر علمائے اسلام کی صحبت سے داخلِ اسلام ہو گیا۔ پھر قاہر سے کسی وجہ سے چپقلش پیدا ہو گئی۔ مخفی طور سے خراسان چلا گیا۔ مگر گہوارۂ علوم و فنون اور سرچشمۂ حکمت و معارف بغداد کی زندگی کی ہوک اٹھتی تھی وہاں جی نہ لگا۔ بغداد چلا آیا۔ راضی باللہ نے اپنے پاس رکھا۔ اس کے بعد الحکم کے پاس رہا اور اس کے اخلاق کی اصلاح کی۔ اس نے "واسط" میں ایک مہمان خانہ بنوایا۔ الحکم اس کی عزت و تکریم بیحد کرتا تھا۔ ۳۳۱ھ میں وفات پائی۔

سنان نے ۳۰۵ھ میں خلیفہ کو یہ مشورہ دیا کہ ایک ایسا بیمارستان بنایا جائے جو خلیفہ کے نام سے منسوب ہو۔ چنانچہ خلیفہ نے اس کے بنانے کا حکم دے دیا۔ یہ نہایت عظیم الشان ہسپتال باب الشام میں تیار ہوا۔ اس کا نام بیمارستان المعتضد رکھا گیا۔ خلیفہ جیب خاص سے دو سو اشرفیاں ماہانہ خرچ کے لئے دیا کرتا تھا۔ ۳۰۶ھ میں سنان نے بیمارستان سیدہ کا افتتاح کیا جو سوق یحییٰ میں تھا۔ خود سنان اس کا مہتمم بنا اور نامور اطباء کو اس میں مقرر کیا۔ اس کا خرچہ چھ سو اشرفی تھا۔ یوسف بن یحییٰ منجم کے ذمہ انتظام صرفہ کا تھا۔ امراء و وزراء اس کی بڑی قدر کرتے تھے۔ وزیر علی بن عیسیٰ بن جراح سے کہہ کر سفری شفا خانے قائم کرائے۔

احمد بن الطیب سرخسی یعقوب کا شاگرد تھا۔ علوم فلسفہ کا ماہر تھا۔ منطق و موسیقی میں اس کی عظیم الشان تصانیف ہیں۔ ایک عرصہ تک خلیفہ معتضد کا مصاحب و ندیم رہا۔ ۲۶۸ھ میں قتل ہوا۔

(الفہرست صفحہ ۲۶۱، قفطی ۷۸، طبقات الاطباء ۱۲، ص ۳۰۹)

ابن فقیہ۔ ابوبکر احمد بن محمد الہمداء معروف ابن فقیہ الہمو نے ۲۹۰ھ میں کتاب البلدان لکھی۔

النیریزی فضل بن حاتم علم ہندسہ، ہیئت اور حرکات نجوم کے علمائے متقدمین میں سے تھا۔ شرح مجسطی شرح اقلیدس، زیج کبیر یادگار سے ہیں۔ قفطی صفحہ ۱۶۸

ہیں اس کی تصانیف کا ذکر ہے۔ اس نے اپنی تصنیف کتاب احداث الجو خلیفہ معتقد کے لئے لکھی تھی۔ تیسری صدی ہجری کے بعد فوت ہوا۔

(طبقات الامم صفحہ ۹۶)

محدثین وفقہاء

محمد بن سلمہ بلخی فقیہ کامل شداد بن حکیم وجوزجانی سے اور بغداد میں محمد شجاع بلخی سے فقہ پڑھی اور ان سے ابوبکر اسکاف نے حاصل کی ۲۷۸ھ میں انتقال ہوا۔

سلیمان بن شعیب از اصحاب امام محمد فقیہ، ان سے طحاوی نے روایت کی۔ ۲۷۸ھ میں فوت ہوئے۔

احمد بن ابی عمران شیخ الطحاوی فقیہ، محدث، فقہ ابن سماعہ وبشیر بن الولید سے اور حدیث علی بن عاصم وشعیب بن سلیمان سے ابن یونس نے تاریخ میں توثیق کی۔ ۲۸۰ھ میں انتقال ہوا۔

عبدالحمید بن عبدالعزیز قاضی القضاۃ بغداد۔ فقیہ، ثقہ، متقی، ۲۹۰ھ میں فوت ہوئے۔

ابوحنیفہ بن داؤد بن ونندا لاہوزی مختلف علوم وفنون میں مہارت رکھتے تھے۔ ایک کتاب علم نباتات پر لکھی جس سے ان کی بڑی شہرت ہے۔ ۲۸۲ھ میں انتقال ہوا۔



خلیفہ مکتفی باللہ عباسی

نام ونسب ابو محمد کنیت علی بن احمد معتضد نام اور مکتفی باللہ لقب تھا۔ ۲۶۳ھ میں پیدا ہوا۔ ماں اُمِ ولد تھی، جیجق لقب تھا۔ لوگ اس کو خاضع کہتے تھے۔

خلافت معتضد کی وفات ہوتے ہی اس کی بیعت لی گئی۔ جب وہ مسند آرائے حکومت ہوا تو اس نے امورِ سلطنت کو مثل باپ کے بکھرا ہوا پایا۔ وہ بکثرت ریشہ دوانیوں اور اطرافِ ملک کی ہنگامہ آرائیوں میں مبتلا ہو گیا۔ مگر اس کے پاس مال وزر وافر تھا اور فوج بہت کافی تھی۔ اس لئے ان حالات کا مقابلہ کرنے کے لئے سینہ سپر ہو گیا۔ باپ کے نقشِ قدم پر چلا اور اسی کے روش پر گامزن ہوا۔ اس کو نہ بہادر کہا جا سکتا تھا اور نہ بزدلی کا الزام اس پر رکھا جا سکتا تھا۔

وزارت وزارت کے عہدے پر قاسم بن عبید اللہ کو جس طرح معتضد کے زمانے میں تھا قائم رکھا۔ پھر عباس بن حسن کو وزارت دی۔ اس وقت اس کا باپ حسن بن ایوب بن سلیمان زندہ تھا۔

اس نے اپنی انگشتری میں اپنے باپ معتضد کی انگشتری کی طرح "اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ لَیْسَ کَمِثْلِهٖ شَیْءٌ وَّھُوَ خَالِقُ کُلِّ شَیْءٍ" نقش کندہ کرایا۔

قضاۃ منصب قضاۃ پر یوسف بن یعقوب اور اس کے بیٹے محمد بن یوسف اور ابو حازم کو مقرر کیا۔ پھر آخر الذکر کی جگہ عبداللہ بن علی بن ابی الشوارب اموی کو مامور کیا۔

حجابت حجابت کے عہدے پر خفیف سمرقندی اور اپنے مولیٰ سوسن کو رکھا۔

خروج قرامطہ

مکتفی کے عہد میں قابلِ ذکر اہم واقعات میں قرامطہ کی بغاوت ہے۔ قرمطی شام چلا گیا تھا اس نے اپنی ابوالقاسم کنیت بتائی۔ اور آل ابی طالب کی طرف اپنے تئیں منسوب کرتا تھا۔ حالانکہ قبائل بنو کلب میں کوئی شخص آل ابی طالب میں داخل نہیں ہیں۔ اس کے مختصر حالات معتضد کے عہد میں بیان کئے گئے ہیں تفصیلی یہاں لکھے جاتے ہیں۔

قرمطی ۲۸۹ھ میں سماوہ کو اپنے تصرف میں لایا اور یہاں سے رقہ کی جانب جو بلادِ مصر میں داخل تھا بڑھا۔ سبک دیلمی سے جو اس علاقے کا عامل تھا اس کی مڈبھیڑ ہوئی اس نے دیلمی اور اس کی افواج کے پرخچے اڑاتے ہوئے نوارح دمشق کا رُخ کیا۔ اس وقت ابن طولون کے خاندان میں مصر اور شام کی حکومت تھی اور ہارون بن خمارویہ ابن احمد بن طولون کی طرف سے طغج بن جف فرغانی دمشق حمص اور اردون کا حاکم تھا۔ اس نے وادی قیروان اور رفاعی کے مقامات میں جو دمشق کے ماتحت تھے، اختتام رجب ۲۸۹ھ میں قرمطی سے مقابلہ کیا۔ مگر اس نے طغج کو بھی شکست دی۔ اس کی جماعت کی بڑی تعداد کو تہ تیغ کیا اور تین ماہ بیس روز تک دمشق کو محاصرہ میں رکھا۔ اس درمیان میں اکثر خون ریز لڑائیاں ہو جاتی تھیں۔ مگر فتح وشکست کا نتیجہ کسی طرف ظاہر نہیں ہوتا تھا۔ اس دوران میں لوگ دمشق کے اطراف وجوانب غوطہ اور دوسرے مقامات سے آ آکر قرمطی جماعت میں شریک ہوتے رہے اور اس کے قوتِ بازو بن گئے تھے۔ مصری فوج نے بھی اس سے سانز باز کر لیا۔

جب طغج کی فوج مقابلے کے لئے حریف کے سامنے آئی تو کوکنا اور کوکبا کے مشہور مقامات میں جو دمشق سے ایک دن کے فاصلہ پر تھے۔ ماہ رجب سال رواں میں گھمسان کی لڑائی ہوئی۔ قرمطی مارا گیا اور مصریوں کو بھی شکست ہوئی۔ جماعتِ قرامطہ نے قرمطی کے بھائی ابوالحسن کے ہاتھ پر بیعت کر کے ازسرِنو دمشق کا محاصرہ کیا اور شب وروز اہل دمشق کے ساتھ سرگرم پیکار رہنے لگے۔

دمشق کے حاکم نے شہر کو قرامطہ کے حوالے کیا اور رعایا کو ان کے حال پر چھوڑ کر دوسری جگہ چلا گیا۔ قرمطی نے بھی اسی سال روز یکشنبہ ۱۲ رجب کو وہاں سے کوچ کیا۔ اور حمص پہنچ کر خیمہ زن ہوا۔ یہاں سے اپنی جمعیتوں کو شہر بعلبک کی طرف جو دمشق کے ماتحت تھا روانہ کیا۔ ان لوگوں نے وہاں پہنچ کر شہر کی اینٹ سے اینٹ بجادی۔

یہ خبر سن کر مکتفی اپنی افواج کو لئے مدینۃ السلام سے نکلا اور ابوالاغر خلیفہ بن مبارک بن خلیفہ سلمی کو مقدمۃ الجیش بنا کر روانہ کیا۔ وہ یہاں سے چل کر شہر حلب کے سواد میں پہنچا۔ قرمطی نے ایک دستہ فوج کا اس کے مقابلہ کے لئے بھیجا۔ ابوالاغر کی فوج قرمطی سے زیادہ تھی۔ یہ واقعہ ۲۰ رمضان المبارک سنہ رواں میں پیش آیا۔

جب جنگ چھڑی تو مکتفی کی افواج نے کشتوں کے پشتے لگائے اور بے شمار قرامطہ کو گرفتار کیا اور جو بچ رہے تھے ان میں باہم پھوٹ پڑ چکی تھی۔ قرمطی نے اپنے رفقاء کو چھوڑ دیا اور روپوش ہو کر کوفہ کی راہ لی۔ واسیہ جو ولایات رحبہ اور سقبی العزلت کے ماتحت تھا اس کے والی نے قرمطی کو گرفتار کر لیا۔ اس وقت قرمطی کے رفقاء میں صرف چار یا پانچ آدمی ساتھ رہ گئے تھے۔ وہ مکتفی کے پاس رقہ بھیجا گیا۔ اور روز دوشنبہ ۲۶ محرم سنہ رواں میں اس کے سامنے پیش کیا گیا۔

اسی سال روز دوشنبہ یکم ربیع الاول کو مکتفی لباس فاخرہ میں آراستہ ہو کر باجاہ و جلال قرمطی اور اس کے اسیر رفقاء کو ساتھ لئے ہوئے مدینۃ السلام بغداد میں داخل ہوا۔ کچھ روز کے بعد محمد بن سلیمان بھی بقیہ افواج اور قرامطہ لٹیروں کے ساتھ جو شام میں ایک ایک کر کے گرفتار کئے گئے تھے آ پہنچا۔

پرانی عیدگاہ کے متصل اور مدینۃ السلام سے مشرقی جانب ایک پُر فضا، ریتلا اور ہموار میدان خاص کر تیار کیا گیا تھا۔ ۲۲ ربیع الاول سنہ جاری میں قرمطی اور اس کے ساتھیوں کے خون سے میدان لالہ زار بنایا گیا۔ قرامطہ نے عام خلقت کو

تباہ کرنے میں کوئی دقیقہ نہیں اٹھا رکھا تھا۔ اس لئے فتح وشادمانی کا یہ اہم واقعہ تھا۔ عام وخاص لوگوں۔ نے بے حد خوشیاں منائیں۔

قرامطہ ثانی نے شام میں طولونی افواج کے پرخچے اڑا دیئے تھے۔ اس وجہ سے محمد بن سلیمان کو مصر کی طرف بڑھنے اور فتح کرنے کا اچھا موقع ہاتھ آیا۔ روز پنج شنبہ یکم ربیع الاول ۲۹۲ھ میں وہاں پہنچ کر اس نے آل طولون کی رہی سہی قوتوں کو مٹا دیا اور اُن کے شیرازے کو منتشر کر کے اس حکومت کا خاتمہ کر دیا۔ آل طولون کی کل ۳۷ سال ۵ ماہ اور سات دن تک حکومت رہی۔

۲۹۳ھ میں بنو کلب میں ایک اور قرمطی جس کی کنیت ابو غانم تھی شام کے نواح میں نمودار ہوا۔ اس کے تحریک نے زور پکڑا اور روز بروز اس کے پیرو بڑھنے لگے اور اذرعات بصری حوران اور شینہ کے اطراف میں جو دمشق کے ماتحت علاقے تھے، پھیل گئے۔ یہ لوگ یہاں کے باشندوں کو لوٹتے، خونریزی اور قید کرتے ہوئے طبریہ کی طرف جو بلاد اردن میں واقع تھا چلے گئے اور اس شہر میں بزور داخل ہو کر بکثرت افواج رعایا اور یہاں کے سردار جعفر بن ناعم کو تہ تیغ کر دیا۔

یہ سن کر خلیفہ نے حسین بن ہمدان تغلبی کو اس کے مقابلہ پر بھیجا۔ ایک مشہور مقام خندق پر جو دمشق کے ماتحت تھا اس کا قرامطہ سے مقابلہ ہوا۔ دونوں میں خوب معرکہ آرائیاں ہوئیں۔ ایک دوسرے پر فتح پانے کی کوششیں کرتے رہے۔ آخر حسین اپنے حریفوں پر غالب آیا اور اُن کو کھلے میدان میں شکست دی۔ یہ واقعہ اسی سال شعبان کا ہے جس کی طرف بنو کلب کے ایک شاعر نے اپنے شعر میں اشارہ کیا ہے ؎

لولا حسین یوم دردی خندق
دخیلہ درجلہ لم تستنف
نفس امیرا لمومنین المکتفی

"اگر خندق کے معرکہ میں سوار اور پیدل فوجوں کو لے کر حسین مقابلہ نہ کرتا تو

امیرالمومنین مکتفی کی روح کو تسکین نہ ہوتی"۔

یہ نظم طویل ہے کہنے والے نے اس واقعہ کے ہیرو معرکے کے تمام حالات اور شام میں قرامطہ کے کارناموں کو مفصل بیان کیا ہے۔

قرمطی ہزیمت اٹھا کر ہیت چلا گیا اور وہاں کے باشندوں کو قتل کر کے شہر میں آگ لگا دی۔ پھر وہاں سے ناحیتہ البحر کی طرف روانہ ہوا۔ مکتفی نے چند سپہ سالاروں کو اس کے تعاقب میں بھیجا جن میں محمد بن اسحاق بن کنداجلیق اور مونس خازن ملقب بہ مخلی بھی تھے۔ شاہی افواج نے باغیوں کا محاصرہ کر لیا۔ یہ حالت دیکھ کر بنوکلب میں تشویش پیدا ہو گئی اور ان کو اپنی جانوں کے لالے پڑ گئے۔ آخر ان میں ایک آدمی اٹھا اور دھوکہ دے کر قرمطی کو جان سے مار ڈالا اور اسی رات کو نعش مٹی کے نیچے دبا کر سب کے سب غائب ہو گئے۔

بنوکلب کا ایک سردار جس کی کنیت ابوذئب تھی قرمطی کے سر اور دونوں ہتھیلیوں کو کاٹ کر محمد بن اسحٰق بن کنداجلیق کے پاس لایا جس نے ابوذئب کو ان تحائف کے ساتھ دربار شاہی میں بھیج دیا اور ۵ رشوال سنہ جاری میں دربارِ خلافت میں سر پیش ہوا۔

ذکرویہ بن مہرویہ کی بغاوت بنوکلب اور دوسرے قبائل میں ۲۹۳ھ کو شروع ہوئی تھی۔ ایک مشہور مقام صورعسکا کا یہ رہنے والا تھا جو قادسیہ سے براہ خشکی عرضاً چار میل کے فاصلہ میں واقع ہے۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ یہ شخص جس قرمطی کا ہم نے اوپر بیان کیا ہے اس کا باپ تھا اس کی تحریک شام میں ظاہر ہوئی تھی اور بعض لوگ کہتے ہیں کہ یہ مضافات کوفہ میں تحریک قرامطہ کا بانی اور عبدان کی بغاوت سے پہلے تھا۔

بہرحال وہ اس سال ۱۰ ذی الحجہ کو کوفہ میں آیا۔ اس وقت کوفہ میں اسحاق بن ابراہیم اور اسحٰق بن عمران حاکم تھے۔ رعایا اور شاہی ملازمین نے اس کا مقابلہ کیا۔ مگر اس نے انہیں شکست دے کر بہتوں کو قتل کر ڈالا۔ اسحٰق بن عمران

نے دربارِ خلافت سے کمک مانگی۔ خلیفہ نے رائق معتضدی نیز بشر افشینی اور جنّی صفوانی دو خادموں کی سرکردگی میں کوفہ فوج روانہ کی۔ سواد کے قریب پہنچ کر غنیم سے مقابلہ ہُوا، مگر نتیجہ برعکس نکلا۔ دشمن نے فوج کے بڑے حصّے کو تباہ کر دیا۔ یہ واقعہ آخری ذی الحجہ میں رونما ہُوا۔

اس کے بعد قرمطی مکہ سے واپس آنے والے حاجیوں کے قافلوں کی کمین گاہ میں جا بیٹھا۔ سب سے پہلے خراسانی قافلہ کو ورقصہ کی منزل پر جا گھیرا۔ یہ قافلہ بہت بڑا تھا۔ اس کو لُوٹ کر قافلہ کی دوسری منزل کی طرف بڑھا۔ اس کا نام عقبہ تھا اس نے یہاں شاہی قافلہ پر چھاپہ مارا۔ مبارک قمی اور ابو العشا لڑا۔ احمد بن نصر عقیلی قافلہ سالار تھے۔ آخر الذکر شامی سرحد کا حاکم تھا۔ قرمطی نے ان دونوں سردار، تمام امراء اور عوام کو قتل کر کے یہاں سے تیسرے شاہی قافلہ کی طرف جو ہبیر کے مشہور مقام طلیح میں پڑا ہوا تھا گیا اور اس کو بھی تاخت و تاراج کیا۔ یہ علاقہ ریگستان میں ثعلبیہ اور شقوق کے درمیان واقع ہے۔ قافلہ میں نفیس موسوی احمد بن سیماء نیز امراء و سالار قافلہ اور ہر ملک اور ہر طبقے کے لوگ تھے۔ قافلہ کے پچاس ہزار سے زیادہ آدمیوں کو اُس نے قتل کیا اور اس سے پہلے دوسرے قافلوں میں جس قدر خونریزیاں کی تھیں ان کے مقتولین کی تعداد اس کے علاوہ ہے۔

یہ خبر سُن کر قادسیہ سے وصیف بن صوار تگین خزری اور قاسم بن سیما اس کی سرکوبی کے لئے بنی شیبان کی ٹڈی دَل فوج لے کر روانہ ہوئے۔ اس مہم میں امراء بھی شریک ہو گئے تھے۔ کوفہ اور بصرہ کے درمیان روم ایک مشہور جگہ پر جہاں قافلے پانی لینے کے لئے ٹھہرا کرتے تھے۔ روز یکشنبہ ۲۲ ربیع الاول ۲۹۴ھ میں طرفین کا مقابلہ ہُوا اور گھمسان کی لڑائی ہوئی۔ انجام کار کرویہ کی جماعت نے ہزیمت اٹھائی اور تمام باغی بزور گرفتار ہوئے۔ قرمطی بھی اسیر ہُوا۔ مگر اسے کئی زخم کاری لگے تھے وہ جانبر نہ ہو سکا۔ دوسرے روز اس نے دم توڑ دیا۔ اس کی نعش اونٹ پہ باندھ کر مدینۃ السلام بھیج دی گئی اور تمام قیدی اور مقتولین کے سر بھی روز دوشنبہ

۹ ربیع الاول سنہ مذکور میں وہاں روانہ کئے گئے[1]

اس کے بعد عراق میں یہ تحریک کمزور ہوگئی۔ مگر جبالی بحرین میں موجود تھا وہ مکتفی کے عہد میں خاموش رہا۔

اسمٰعیل بن احمد سامانی ۲۹۵ھ میں اسمٰعیل فوت ہوا۔ اس کا جانشین احمد ہوا۔ مکتفی نے اس کے لئے سند ولایت بھیجی۔

دولتِ طولونیہ شیبان بن احمد بن طولون کے مرتے ہی دولت طولونیہ ختم ہو گئی۔ شام و مصر مکتفی کے قبضہ میں آ گئے۔

دولتِ اغالبیہ افریقہ میں ابوعبداللہ حسن شیعی داعی فاطمین کا اقتدار بڑھ رہا تھا۔ اس نے اس دولت پر اپنا تسلط جمایا جس کی وجہ سے یہ دولت ختم ہوگئی۔ ابوعبداللہ حسن شیعی کے حالات جلد ہفتم میں تفصیل سے ہیں۔

روم مکتفی کے آغازِ عہد میں رومیوں سے تعلقات اچھے تھے اور دونوں طرف سے ہدیے اور تحفے آتے جاتے تھے۔ لیکن ۲۹۱ھ میں رومیوں نے پھر سرحد دولت بنی عباس کو لوٹا۔ اس وجہ سے عسکرِ اسلامی نے ان کا مقابلہ کیا جس میں پانچ ہزار رومی قتل اور اسی قدر گرفتار ہوئے اور مالِ غنیمت بھی بہت کچھ ہاتھ آیا[2]

رومیوں کے ہاتھوں جو مسلمان پکڑے گئے تھے۔ ان کا زرِ فدیہ اور تبادلہ سے تین ہزار مسلمان ۲۹۳ھ میں مکتفی نے آزاد کرائے۔

وفات مکتفی روز یکشنبہ ۱۳ ذی قعدہ ۲۹۵ھ بغداد میں انتقال کیا۔ ۳۱½ سال کی عمر میں ۶ سال اور ۱۹ روز اس نے حکومت کی۔

حلیہ نحیف الجثہ، گندمی رنگ، چھوٹی آنکھیں، ڈاڑھی اور سر کے بال دراز اور خوبصورت تھے۔ چہرہ حسین اور بانداز مناسب تھا[3]

اوصاف مکتفی کی خوش خلقی مشہور تھی۔ عدل و انصاف میں کسی خلیفہ سے پیچھے

---

[1] التنبیہ والاشراف صہ ۳۲۸ [2] تاریخ الخلفاء صہ ۲۶۳ [3] التنبیہ والاشراف۔

نہ تھا۔ اس کے والد نے دوسروں کے مکانات بحق حکومت ضبط کر کے نعمت خانہ بنوائے تھے اُن کو گروا دیا اور ورثاء کو قیمیں دیں اور مساجد بنوا دیں اور قہر میں جو مکانات آئے تھے اُن کے مالکوں کو وہ مکانات دیدیئے۔ اس عمل سے اہلِ بغداد مکتفی کے گرویدہ ہو گئے اور دُعائیں دیتے۔ ابن دینا نے دو شعر لکھ کر مکتفی کو بھیجے۔ دس ہزار درہم صِلہ میں عطا کئے۔

خشیتِ الٰہی مکتفی نے اپنی بیماری میں کہا کہ مجھے ان سات سو دیناروں کا بڑا خطرہ لگا ہُوا ہے جو اپنے خرچ میں لے آیا ہوں حالانکہ میں اچھی طرح جانتا ہوں کہ یہ مسلمانوں کا مال ہے اور مجھے اُن کی چنداں احتیاج بھی نہ تھی، اگر فردائے قیامت میں مجھ سے اُن کی پرستش ہوئی تو میرے ساتھ بُری گذرے گی۔ میں اپنی غلطی پر خدا سے مغفرت مانگتا ہوں [۲]۔

ہمعصر علماء عبداللہ بن احمد بن حنبل، ثعلب امام العربیہ، قنبل المقری، ابوعبداللہ بوسنجی فقیہ، بزار صاحب مسند، ابومسلم کجی، قاضی ابوحازم، صالح جزرہ، محمد بن نصر المروزی، ابوحسین نوری شیخ صوفیہ، ابوجعفر ترمذی شیخ شافعیہ عراق۔

فلسفی اسحاق بن حنین مشاہیر حکما میں سے تھا۔ خلیفہ مکتفی نے اس کو وزارت پر ممتاز کیا۔ اس کو نجوم میں کمال حاصل تھا۔ ایک دن مکتفی نے کہا۔ ایسا طالع اختیار کر کہ میرا بیٹا ولی عہد ہو۔ اس نے کہا علم کی رو سے ظاہر ہے کہ تیرا بھائی ولی عہد ہو گا۔ ۲۹۸ھ میں انتقال ہُوا۔

فقیہ محمد بن مقاتل رازی، اصحاب امام محمد میں سے تھے۔ فقیہ و محدث تھے۔ علی الرازی عالم، عارف، زاہد، تلمذ حسن بن زیاد سے تھے۔ کتاب الصلوٰۃ مشہور تصنیف ہے۔

---

[۱] تاریخ الخلفاء صفحہ ۲۶۲ [۲] ایضاً صـ ۲۶۳ ۔

خلیفہ مقتدر باللہ

نام ولقب ابوالفضل کنیت جعفر بن احمد معتضد نام اور مقتدر لقب تھا بعض کا خیال ہے کہ اصلی نام اسحاق ہے وہ متوکل کے ہم شکل تھا اس لئے اس کا نام بھی جعفر ہو گیا۔ اس کی ماں ام ولد تھی۔ روم کی باشندہ اور شغب نام تھا۔

خلافت ۲۸۲ھ میں پیدا ہوا۔ تعلیم و تربیت شاہانہ طور وطریق سے ہوئی۔ روز یک شنبہ ۱۳ ذی القعدہ ۲۹۵ھ میں بیعت لی گئی۔

قضیہ ابوالفضل کی خلافت کو چار مہینے گزرے تھے کہ ارکانِ سلطنت اور سپہ سالاروں کی ایک جماعت نے جس میں حسین بن حمدان بن حمدون تغلبی وصیف بن صوارتگین، خزری، محمد بن داؤد بن جراح اور علی بن عیسٰی سردارانِ لشکر اور ممتاز اہلِ دفتر تھے۔ مقتدر کو معزول کر کے عبداللہ بن المعتز کی بیعت لی۔ اس سلسلہ میں حسین ابن حمدان، عباس بن حسن کے ہاتھ سے مارا گیا اور فاتک معتضدی بھی جو ابن حمدان کی مدد کو آیا تھا مقتول ہوا۔

ابن المعتز عام لوگ مقتدر کو معزول سمجھ کر ۵ ار ربیع الاول روز شنبہ ۲۹۶ھ کو ابن المعتز کی بیعت کرنے لگے۔ ایک رات دن اسی طرح حالت گزری۔ تاہم مقتدر دارالخلافہ سے نہ جدا کیا گیا اور نہ تخت خلافت سے اتارا گیا۔ چند خاص شاہی غلاموں نے ابن المعتز کی جماعت سے مقابلہ کیا اور لڑ کر انہیں اُلٹے پاؤں پراگندہ بھاگنے پر مجبور کیا۔ اس ہنگامہ میں بہت سے لوگ کام آئے۔ ابن المعتز گرفتار ہو کر قتل ہوا جس سے مقتدر کے لئے مطلع صاف ہو گیا۔

وزارت مقتدر نے عباس بن حسین کو جس طرح مکتفی کے عہد میں وزارت کے عہدہ پر تھا قائم رکھا۔ مگر جب عباس مارا گیا تو حسبِ ذیل لوگوں کی

طرف بہ ترتیبِ ذیل وزارت منتقل ہوئی۔
علی بن محمد بن موسیٰ بن فرات[۱]، محمد بن عبیداللہ بن یحییٰ بن خاقان الملقب بہ

---

[۱] علی بن محمد بن فرات کا خاندان علاقہ دجیل کا تھا۔ ذی علم اور عدل و انصاف کا خوگر تھا۔ برمکی کی طرح فیاض اور فاضل، تدبیرِ سیاست میں ممتاز، تین مرتبہ وزیر بنا۔ قرامطہ کی حمایت میں قتل ہوا۔[a]

علی بن عیسیٰ ایمان دار، عدل و انصاف سے کام لیا کرتا۔ شراب فروشی اور شراب نوشی کے خلاف احکام جاری کئے۔ پانچ لاکھ دینار خراج ایک سال کا رعایا کو معاف کر دیا۔ سخی، فیاض، اہلِ علم کا قدردان، خود فاضل جلیل تھا۔[b] عباسی تاریخ میں اس سے زیادہ متقی اور دیندار وزیر نہ گزرا تھا۔ حافظ قرآن، حدیث میں بھی ورک، حساب کا ماہر، صدقات وخیرات میں ہزاروں روپے صَرف کرتا تھا۔ اُس نے کارِ خیر کے لئے اوقاف کے دیوان البر کے نام سے ایک شعبہ قائم کیا۔ رعایا کی دادرسی کے لئے روزانہ صبح سے عصر تک امورِ وزارت انجام دیتا۔

امورِ مملکت میں بڑا تجربہ کار تھا۔ انتظامی حیثیت سے اس کا دورِ وزارت کامیاب رہا۔ ۳۰۰ھ میں مقتدر نے معزول کر دیا۔ اس کے بعد حامد بن عباس وزیر ہوا وہ سنگدل اور نااہل تھا، اس کو ہٹا کر محمد بن عبداللہ کا دوبارہ تقرر ہوا۔ پھر یہ بھی معزول ہوا تو ابوالعباس احمد بن عبیداللہ بن احمد بن خصیب کا تقرر عمل میں آیا۔ ۳۱۴ھ میں یہ بھی نکالا گیا۔ ابن مسکویہ لکھتا ہے: یہ شرابی تھا۔ حکومت کا نظام بگڑ گیا۔ ابن خصیب کے بعد ابوعلی محمد بن علی مقلہ وزیر ہوا۔ اس کے حالات آگے آتے ہیں۔ ۳۱۸ھ میں معزول کر کے فارس جلاوطن کر دیا گیا۔ اس کے بعد ابوالقاسم سلمان بن حسن بن مخلد وزیر بنا۔ مگر اس سے بھی وزارت نہ سنبھلی۔ عبیداللہ بن محمد کلواذکو یہ منصب ملا۔ مگر یہ بھی مالیات کو سنبھال نہ سکا جیسا کہ آگے ذکر کیا جائے گا۔ پھر حسین بن قاسم وزیر ہوا۔ اُس کے بعد ابوالفضل جعفر بن فرات کو قلمدانِ وزارت سپرد ہوا۔ اس کے وقت میں مقتدر قتل ہوا۔

---

[a] ابن اثیر جلد ۸ صفحہ ۴۹ [b] تاریخ الخلفاء صفحہ ۲۶۴ ۔

دق صدرہ، علی بن عیسیٰ بن داؤد بن جراح، علی بن محمد بن فرات (دوبارہ وزیر بنایا گیا) حامد بن عباس، علی بن محمد بن فرات (سہ بارہ وزیر بنایا گیا) عبداللہ بن محمد بن عبیداللہ خاقانی۔ عبداللہ کو وزارت اس وقت ملی تھی جب اس کا باپ محمد بن عبیداللہ زندہ تھا۔ مگر بیٹے کو عہدۂ وزارت پر فائز ہوئے بارہ روز گزرے کہ باپ کا انتقال ہوا۔ اس کی وفات روز دوشنبہ وقت عصر ۲۲ ربیع الاوّل کو اور بقول بعض ۳۱۲ھ کے اوائل میں ہوئی۔ اس وقت تک عبداللہ آخری شخص تھا کہ باپ کی زندگی میں وزارت کے عہدہ پر سرفراز کیا گیا۔ احمد بن عبیداللہ خصیبی، علی بن عیسیٰ (دوبارہ وزیر بنایا گیا) ابوعلی بن محمد بن علی بن مقلہ، سلیمان بن حسن بن مخلد بن جراح (علی بن عیسیٰ کا ابن عم تھا) عبیداللہ بن محمد کلواذانی، حسین بن قاسم بن عبیداللہ بن سلیمان بن وہب، فضل بن جعفر بن موسیٰ بن فرات۔

مقتدر کی انگشتری میں المقتدر باللہ کندہ تھا۔

قضاۃ منصب قضاۃ پر جن لوگوں کا تقرر عمل میں آیا ان کے نام یہ ہیں:- محمد بن یوسف بن یعقوب۔ مشرقی سمت اور کرخ کے لئے مقرر کئے گئے تھے۔ ترقی کر کے قضاء القضاۃ کا درجہ حاصل کیا۔ جب اُن کی وفات ہوئی اُن کے صاحبزادہ عمر بن محمد بن یوسف کو یہ عہدہ عطا کیا گیا اور تقرر بھی سمت شرقی اور کرخ کے لئے عمل میں آیا۔ مدینۃ المنصور اور ماتحت علاقہ جات کے لئے یہ لوگ بہ ترتیب ذیل مقرر کئے گئے۔

عبداللہ بن علی بن ابی الشوارب ان کے صاحب زادہ محمد بن عبداللہ عمر بن حسن (اشنانی کے نام سے مشہور تھے) بعد کو ان کا عہدہ توڑ دیا گیا۔ حسن ابن عبداللہ بن ابی الشوارب، عمر بن محمد بن یوسف۔

حجابت حجابت کے عہدے پر بہ ترتیب سوسن مولی، نصر قشوری، یاقوت اور یاقوت کے دو بیٹے ابراہیم اور محمد مقرر کئے گئے۔

فتنۂ قرامطہ مسعودی کا بیان ہے اہم حوادث اور غیر معمولی واقعات جو مقتدر کے عہد (۳۱۲ھ) میں رونما ہوئے۔ اُن کی کوئی مثال پیشتر اسلام میں نہیں ملتی۔ ابو طاہر سلیمان بن حسن بہرام جنابی حاکم بحرین ۲۵ ربیع الاول ۳۱۱ھ کو چار سو سوار جن کی سواری میں چار سو گھوڑیاں تھیں اور پانچ سو آدمیوں کی پیدل پلٹن کے ساتھ احساء (بحرین میں واقع ہے) سے چھ راتوں میں بصرہ پہنچا اور شب کے وقت شہر میں گھس کر سبک مصلحی اور اس کے رفقاء اور رعایا میں جس کا اس سے سامنا ہوا قتل کرتا گیا۔ لوگ خوف سے بھاگ بھاگ کر ابلہ، مفتح، شطوط، انہار، جزائر اور دوسرے مقامات میں چلے گئے۔ شہر میں سترہ روز ٹھہر کر جو کچھ مال سمیٹ سکے اس کو لے کر اپنے گھروں کو واپس آ گئے۔

پھر حجاج کے قافلوں کو جو مکہ معظمہ سے واپس آ رہے تھے، ثعلبیہ کے قریب بھیر کے نواح میں جا کر روکا۔ اس وقت یہ جماعت پانچ سو سوار اور چھ سو پیدل آدمیوں پر مشتمل تھی۔ اس کے قافلہ کے سردار خواص اور عوام کے خون سے زمین کو رنگین کر کے ابوالہیجا عبداللہ بن حمدان بن حمدون امیر قافلہ، احمد بن محمد بن کشمرد نیز ممتاز حضرات اور ہر طبقہ کے بہت سے مرد اور عورتوں کو گرفتار کر لیا۔ شمسیہ اور تمام مال و اسباب جس کا شمار و اندازہ کسی طرح نہیں کیا جا سکتا تھا لوٹ لیا۔ یہ واقعہ یکشنبہ ۱۹ محرم ۳۱۲ھ کا ہے۔

۳۱۲ھ میں ابو طاہر نے حجاج کے قافلوں کی جو حج کے لئے گھروں سے نکلے تھے ناکہ بندی کی۔ اس وقت بھی اس کی جماعت کی تعداد پانچ سو سوار اور چھ سو پیدل آدمیوں پر مشتمل تھی۔ قافلہ کے بعض آدمیوں پر اس کا داؤ چل گیا۔ مگر باقی لوگ کوفہ اور مدینۃ السلام سے واپس چلے گئے۔ ابو طاہر نے بھی کوفہ کا رُخ کیا۔ اس کے مقابلے کے لئے دربارِ خلافت سے جعفر بن ورقاء شیبانی جنبی صفوانی خادم مولیٰ ابن صفوان عقیلی شامی سرحد اور انطاکیہ کا حاکم شمل خادم دلعنی طریف سبکری خادم اسحاق بن شیرو بن سبکری معہ فوج کے بھیجے گئے۔ مقابلہ پر اس نے لوگوں کو شکست

دے دی۔ بے شمار آدمیوں کو قتل کیا اور جبنی صفوانی کو لوگوں کے ساتھ گرفتار کر لیا۔

کوفہ سے مال و اسباب اور اپنے اہلِ خاندان کو لے کر احساء واپس چلا گیا اور کوفہ کو اسمٰعیل بن یوسف بن محمد بن یوسف المعروف بہ اخیضر صاحب یمامہ بن ابراہیم بن موسیٰ بن عبداللہ بن حسن بن حسن بن علی بن ابی طالب کے سپرد کر دیا گیا۔

ابوطاہر کے مقابلہ کے لئے ابوالقاسم یوسف بن ابی سباح اپنی افواج لے کر واسطہ سے روانہ ہوا۔ یہ آذربائیجان آرمینیہ، اتران اور بیلقان وغیرہ ممالک کا حاکم تھا۔ بارگاہِ خلافت سے یہ واسطہ بھیجا گیا تھا تاکہ فوجی تیاریاں کر کے بحرین کی طرف فوج روانہ کرے۔ ابھی یہ واسطہ میں تیاریاں کر رہا تھا کہ دفعتہً کوفہ پر حاکمِ بحرین کی چڑھائی کی خبر ملی۔ وہ فی الفور اس کے مقابلہ کے لئے نکل کھڑا ہوا اور ابوطاہر آگے بڑھ کر ایک مقام پر جو خورنق کے نام سے مشہور تھا اُترا اور اس مقام پر اپنا قبضہ کیا۔ ابن ابی سباح بھی دوسرے روز ابوطاہر کے پاس ہی پاس ایک مقام پر آ اترا جو بین النہرین کے نام سے مشہور تھا اور قریہ حروراء کے متصل واقع تھا۔ اسی حروراء کی طرف خوارج کے فرقہ حروریہ کی نسبت کی جاتی ہے۔ الغرض ابوطاہر اس قریہ اور کوفہ کے درمیان حائل ہو گیا تھا۔

۹ شوال روز شنبہ ۳۱۵ھ کو دو جماعتوں میں معرکہ کارزار گرم ہوا۔ ابن ابی سباح گرفتار ہو گیا۔ اس کی فوج کے پرخچے اُڑا دیئے گئے اور تیس ہزار سے زیادہ سوار اور پیدل آدمی کام آئے۔ اس کے علاوہ اس کی فوج کا معتدبہ حصہ راستے ہی سے جدا ہو گیا تھا اور ایک حصہ ابھی پیچھے باقی رہ گیا تھا۔ حاکمِ بحرین کے تقریباً دو ہزار آدمی مارے گئے جن میں زیادہ تر پیدل تھے۔

ابوطاہر کوفہ سے انبار آیا اور اس کو اپنے قبضہ تصرف میں لایا تھا۔ ساتھ کے کچھ لوگ دریائے فرات کو پھاند کر مشرقی سمت میں جا پہنچے اور انبار کے سپہ سالار اور اکابر لوگ مثلاً حارثی یرغوث، ابن ہلال، اور محمد بن یوسف تغزری کو قتل کر دیا۔

ابوطاہر نے دریائے فرات پر ایک پُل بنایا اور اپنی جمعیت نیز اہلِ خاندان کو یہیں چھوڑ کر خود سواروں کے ایک دستہ کے ساتھ انبار سے گزرتا ہُوا شاہی دربار تک جانا چاہا اور زبارا تک جو ایک چھوٹی نہر سے بڑھتا چلا گیا تھا۔ یہ نہر عقرقوق مشہور پہاڑی سے ایک فرسخ کی بلندی پر ہے۔ مدینۃ السلام سے اس کی مسافت ایک دن سے بھی کم ہے۔

مونس خادم نصر حاجب المعروف کشوری اور ابوالہیجا عبداللہ بن حمدان جو ابن ابی سباح کے مقابلے سے پہلے چھوٹ چکا تھا اور اس کے ساتھ کے قیدی بھی رہا ہو چکے تھے۔ دربارِ خلافت کا تمام شاہی لشکر اس نہر پر پڑا ہوا تھا۔ جب انہیں ابوطاہر کے نزدیک آنے کی خبر ہوئی تو نہر کا پُل کاٹ دیا۔ یہ نہر دونوں فریقوں کے درمیان حدِ فاصل بن گئی۔ ابوطاہر کی پیدل فوج کے چھ آدمی پانی میں اُتر آئے تھے مگر ان پر دوسری سمت سے پتھروں کی بوچھاڑ پڑنے لگی۔ چارو ناچار اس نے انبار واپس جانے کی ٹھہرائی۔

مونس نے اپنے غلام بلیق کو تقریباً تین ہزار اور بقول بعض سات ہزار فوج کے ساتھ قصر ابن ہبیرہ کے راستہ پر متعین کیا جو کوفہ جاتے ہُوئے راستہ میں ملتا ہے۔ یہ لوگ فرات کے جسر سورا کو عبور کر کے براہ راست روانہ ہُوئے اور راستہ کترا کے ابوطاہر کی جمعیت تک پہنچنے کی کوشش کی۔ بعض ممتاز آدمیوں نے پانی میں اُتر کر ابوطاہر کے بنائے ہُوئے پُل کو جلا ڈالا جس کے جل جانے سے وہ نہر کی مشرقی سمت میں رہ گیا اور اس کی جماعت نہر کی غربی جانب میں تھی۔ جب اُس نے بلیق کی آمد کی خبر سُنی تو ایک چھوٹی سی کشتی میں دریائے فرات کو طے کیا جس میں اس کے تین بھائی بھی تھے۔ بقیہ لوگ تیر کر دریائے فرات کے پار ہُوئے اور بھاگ کر اپنی جماعت میں جا ملے۔ ابوطاہر کے دو بھائی ابوالعباس فضل اور ابو یعقوب یوسف اپنی جماعت ہی میں تھے جب انہیں بلیق کے نزدیک آنے کی خبر ملی۔ اسی وقت انہوں نے ابن ابی سباح کو قتل کر دیا۔

بلیق آپہنچا اور اُن لوگوں سے سرگرم پیکار ہُوا مگر اس کے بہت سے آدمی مارے گئے اور خود اس کی جان بچ گئی ۔ ابو طاہر تمام سامان اور اسباب لے کر شہر ہیت آیا اور اس کا محاصرہ کیا ۔

اس نے انبار کی جانب ہیت سے کچھ فاصلہ پر مقام قم بقہ میں تمام رفقاء کے کئی جتھے کر دیئے تھے ۔ یہ سب کے سب مسافت طے کر کے یہاں آ کر اُس سے مل گئے ۔ روز یکشنبہ ۸ ر ذی الحجہ سنہ مذکورہ میں ہیت کے لوگوں نے اس کا مقابلہ کیا ۔ شام کو ہارون بن غریب الخال ابوالعلاء سعید بن حمدان، یونس غلام اصمعی اور دوسرے اکابر بھی وہاں پہنچ گئے تھے جن کے آنے سے جنگ کے شعلے اور بھڑک اُٹھے ۔ شہر پناہ کی دیواروں سے جنگ ہونے لگی ۔ دفعتہً غنیم کے کئی قلعہ شکن آلات میں آگ لگ گئی جس کی وجہ سے وہ لشکر گاہ کو واپس گیا اور دوسرے روز دوشنبہ کی صبح کو وہ رحبہ مالک بن طوق کے ایک گوشہ کی طرف روانہ ہُوا ۔ کُوچ سے پہلے علی الصباح اس کی لشکر گاہ سے آگ کے شعلے بلند ہونے لگے ۔ مگر وہ دراصل اسباب و سامان کو آگ کی نذر کر رہا تھا ۔ کیونکہ اس کے پاس بار برداری کے وسائل کی کمی تھی اور سامان اور کنبہ کے لوگ بہت تھے ۔

جب وہ رحبہ پہنچا تو اس وقت یہاں کا حاکم ابوجعفر محمد بن عمرو ن تغلبی تھا ۔ اس نے شہر کو بزور شمشیر فتح کیا اور وہیں مقیم ہو گیا ۔ یہ جگہ شام کی طرف ہے اور پھر قرقیسیا کو جو جزیرہ کی سمت میں واقع ہے فتح کیا ۔ یہاں سے اس نے جماعت کی ٹولیاں بنا کر اطراف و اکناف میں روانہ کیں اور فوج کا ایک ایک دستہ حسین بن علی بن سنز ثقفی اور معاذ اعرابی کلابی کی سرکردگی میں کفر توثا و اس العین اور نصیبین کی طرف روانہ کیا جس نے قبائل تغلب اور نمر کے بدوؤں اور شہریوں سے مقابلہ کیا ۔

اس سے پہلے سلیمان حلبی کو لشکر کی رسد کے لئے کفر توثا بھیجا تھا ۔ یہ شخص اس جماعت میں نہایت متقشف اور اُن کے مذہب سے پورا واقف تھا ۔ یہ ابوزکریا بحران کی جماعت میں شریک تھا مگر بعد کو ابوسعید جنابی اور اُس کی اولاد سے جا ملا ۔

فوج کا ایک اور دستہ جس میں کم و بیش دو ہزار آدمی تھے رقہ بھیجا جو رحبہ سے تیس فرسخ کے فاصلہ پر تھا۔ یہ دستہ بھی حسین بن علی بن سنبرہ اور معاذ کلابی کی سرکردگی میں روانہ ہوا۔ روز یک شنبہ ۲۲ر جمادی الاول ۳۱۶ھ کو دونوں رقہ پہنچے۔ اس وقت یہاں کا امیر نجم غلام جنی صفوانی تھا۔ سہ شنبہ ۲۵ر جمادی الاولیٰ کو طرفین میں لڑائیاں ہوئیں۔ چہار شنبہ کو کچھ دن باقی تھا کہ اس کی فوج رحبہ سے واپس چلی گئی۔ جانبین کے کچھ آدمی مارے گئے جس میں رقہ کے آدمی زیادہ تھے۔

یکم شعبان ۳۱۶ھ کو وہ رحبہ سے روانہ ہوا اور براہ خشکی اور براہ دریائے فرات اُس نے مسافت طے کی۔ رحبہ میں تقریباً سات ماہ تک اُس نے اقامت کی۔ یہاں سے چل کر دوبارہ ہیت آیا اور اب کے اُس نے خشکی اور دریائی راستوں سے اس پر حملے کئے۔ طرفین میں زور شور کی معرکہ آرائیاں ہوئیں۔ جب اُس نے اس شہر پر پہلی بار حملہ کیا تھا تو اس کے پاس کشتیاں نہیں تھیں۔

الغرض وہ یہاں سے بھی روانہ ہوا اور کوفہ اور قادسیہ کے نواح میں آیا یہاں رسد فراہم کر کے بصرہ کے بیرونی حصوں کو طے کرتا ہوا بحرین واپس چلا گیا۔ ۳۱۷ھ میں چھ سو سوار اور نو سو پیدل فوج لے کر مکہ معظمہ کی طرف بڑھا اور ۷ر ذی الحجہ دوشنبہ کے دن یہاں پہنچا۔ یہاں کا حاکم محمد بن اسمٰعیل معروف بہ ابن مخلب تھا۔ عمائد شہر عوام، حجاج اور ان کے باشندے اس کے مقابلے میں صف آرا ہوئے۔ مگر جب نظیف غلام ابن حاج مقتول ہوا تو اس کے لئے میدان خالی کر دیا گیا نظیف مکہ کے بااثر لوگوں میں تھا اور اس پر کافی اعتماد کیا جاتا تھا۔ لوگوں نے تلواریں لے کر خانہ کعبہ میں پناہ لی۔

جو لوگ اس گروہ کے ہاتھوں بلد الحرام اور تمام شہروں میں مارے گئے تھے اُن کی تعداد تیس ہزار تھی۔ بہت سے لوگ وادیوں میں اور کچھ پہاڑوں کی چوٹیوں پر اور کچھ جنگلوں میں پیاس اور سخت تکالیف اٹھا کر ہلاک ہو گئے تھے جن کا کوئی شمار نہ ہو سکا۔

خانہ کعبہ کی بے حرمتی اُس نے بیت الحرام کے دروازے جن پر سونے کے پتر چڑھے ہوئے تھے، توڑ ڈالے۔ خانہ کعبہ میں چاندی کی جتنی محرابیں، جتنے یمینی مُہرے، جتنے جھاڑ اور سونے چاندی کے جتنے منطقے اور تازیرات تھے جن سے بیت الحرام ہر وقت آراستہ رہتا تھا ان تمام چیزوں پر قبضہ کر لیا۔ حجر اسود کو اکھاڑ کر اس کی جگہ اتنا گہرا کر دیا کہ تقریباً کہنی تک ہاتھ چلا جاتا تھا اور پھر کعبہ کا غلاف اُتارا اور ان تمام سامانوں کو پچاس اُونٹوں پہ بار کیا۔ اس دار و گیر اور قتلِ عام کے وقت جن لوگوں نے بیت الحرام میں پناہ لی تھی ان کی وجہ سے بعض چیزیں لُوٹ سے بچ گئیں۔ یہ واقعہ روز دوشنبہ ۱۳ ذی الحجہ ۳۱۷ھ کا ہے اس کی فوج مکہ معظمہ میں آٹھ روز تک مقیم رہی۔ روزانہ صبح کو شہر میں داخل ہوتی تھی اور شام کو واپس باہر آتی تھی۔ بالآخر قتل و غارت کرتی ہوئی ہفتہ کے روز مکہ سے روانہ ہوئی۔ مگر راستہ میں قبیلہ ہذیل بن مدرکہ بن الیاس بن مضران سے مزاحم ہُوا۔ قبیلہ کے لوگ تنگنایوں، گھاٹیوں اور پہاڑیوں میں پھیلے پڑے تھے۔ پتھروں اور خنجروں سے وہ حملہ آور ہوئے اور اُس کو آگے بڑھنے سے روک دیا یا فوج راستہ بھول گئی۔ تین دن تک پہاڑوں اور وادیوں میں بھٹکتی پھری۔ اس بادیہ نوردی میں بہت سے مرد و زن نے جو گرفتار تھے اس کی قید سے نجات پائی۔

اس وقت اس جماعت کے انواع و اقسام کے مال و اسباب سے تقریباً ایک لاکھ اُونٹ لدے ہوئے تھے۔ قبیلہ ہذیل نے بہت اسباب و سامان اور ہزاروں اُونٹ اس سے چھین لئے۔ غنیم نے ہذیل کے ایک سیاہ فام غلام کو جس کا نام زیاد تھا، امان دی تھی جس کی مکافات میں اس نے ان لوگوں کو راستہ بتایا تو وہ تنگنایوں سے نکل کر اپنے ملک واپس آ گئے[1] بقیہ قرامطہ کا حال راضی کے تذکرے میں ہے۔

---

[1] تنبیہ و اشراف صفحہ ۲۷۱ تا ۲۸۲۔

منصور حلاج مضافات ملک فارس میں شہر بیضاء کا باشندہ حسین بن منصور معروف بہ حلاج کے قتل کا واقعہ ۲۴ ذی قعدہ ۳۰۹ھ کو ظہور پذیر ہوا۔ وہ ایک اونٹ پر سوار ہو کر بغداد آیا اور انا الحق کی آواز لگائی۔ اس کا قول تھا کہ انسان میں خدا حلول کر سکتا ہے۔ قرآن و حدیث سے جاہل تھا۔ حکومت نے اس کو گرفتار کر لیا اور قاضی ابوعمرو دیگر علماء نے اس کے زندقہ کی تائید کی۔ اور اُس کے قتل کا حکم دیا۔ ۲۴ ذیقعدہ ۳۰۹ھ کو اس کے سو کوڑے لگائے گئے۔ دونوں ہاتھ پاؤں کاٹے گئے۔ سر تن سے جدا کیا گیا اور لاش جلا دی گئی۔ یہ تمام واقعات پولیس کی جماعت کے روبرو قید خانہ کی فصیل پر انجام پائے (یہاں قید خانے کو عرف میں مزف کہتے ہیں)۔

اس کی نسبت جو جو مذہبی باتیں ہر جگہ بیان کی جا رہی تھیں۔ اُن کی وجہ سے وہ نہایت خطرناک تھا۔ اس کے متبعین اور پیروؤں کی تعداد بہت تھی۔ حلاج تصوّف اور الوہیت کی باتیں کرتا تھا۔ حلاج کے مسلک و مذہب کے متعلق جو روایتیں صحت کی حد تک پہنچی ہیں یا جو خود اس نے اپنی کتابوں میں لکھا ہے۔ ان باتوں کو مسعودی نے ارباب النحل اور روساء الملل کے تذکرے کے ذیل میں بیان کیا ہے[1]۔

شحنہ مقتدر نے بغداد کے شحنہ عمر دیہ کو نکال دیا جو ابن معتز کا حامی تھا۔ اس کی جگہ مونس خازن شحنہ مقرر ہُوا۔

حامیانِ معتز کا قتل ابن معتز، امیر محمد بن داؤد، قاضی احمد بن یعقوب بدر العجمی امیر وصیف بن صوار تگین کاتب وغیرہ کو گرفتار کر کے قید میں ڈال دیا گیا۔ بعضوں کو قتل کر دیا[2]۔ حسین بن حمدان والیٔ موصل جس نے مقتدر کے خلاف ابن معتز کی حمایت کی تھی وہ بچ نکلا۔ اس کے

---

[1] تاریخ الخلفاء صفحہ ۲۰۱ [2] تجارب الامم ابن مسکویہ جلد ۱ صہ ۲ ۔

بھائی ابوالہیجا کو اس کی گرفتاری کے لئے بھیجا۔ ہر دو میں جنگ ہوئی۔ آخر ش حسین ابن فرات کے ذریعہ خطا معاف کرا کر مقتدر کے حضور حاضر ہو گیا۔ مقتدر نے اس کی عزت افزائی کی اور قم، قاشان کا والی بنا دیا[۱]
کچھ دن کے بعد ربیعہ کا علاقہ بھی اس کو دے دیا۔ ۳۰۳ھ تک ان مقامات کا حکمران رہا۔
وزیر علی بن عیسیٰ اور حسین بن حمدان میں کسی بات پر اختلاف ہو گیا تو وزیر نے حسین کو حکم دیا کہ موصل کے علاقے عباسی عمال کے سپرد کر دے۔ اس نے انکار کیا۔ مقتدر نے فوجیں مونس کی سرکردگی میں بھیجیں۔ حسین اور ابوالہیجا گرفتار ہوئے۔ قید کئے گئے۔ ۳۰۵ھ میں ابوالہیجا آزاد ہوا اور حسین قتل کر دیا گیا[۲]

وقائع ۳۰۵ھ

شاہ روم کی طرف سے دو قاصد بغداد آئے اور یہ درخواست پیش کی کہ فریقین آپس میں صلح کر کے قیدیوں کو فدیہ پر رہا کر دیں۔ مقتدر نے درخواست منظور کر لی اور اس کام کے انجام دینے کے لئے مونس کو بھیجا۔ اس نے حکم کی تعمیل کی۔

دولت ادریسیہ و اغالبیہ

دولت ادریسیہ و اغالبیہ کا خاتمہ عبیداللہ مہدی فاطمی کے ہاتھوں ہوا۔ فاطمی حکومت قائم ہوئی۔ اس کا مستقر شہر مہدیہ (متصل قیروان) تھا۔

بغاوت مرداویج

دیلمی سردار مرداویج بن زیاد نے ۳۱۵ھ میں علم بغاوت بلند کیا۔ سب سے پہلے حاکم جرجان، اسفارین شیرویہ پر حملہ آور ہوا۔ اس کو قتل کر کے قزوین، رے، ہمدان، کنکو، قم، کاشان، اصفہان طبرستان پر قبضہ کر لیا۔ ایک سونے کا تخت بنایا گیا جس پر بیٹھ کر وہ دربار لیا کرتا تھا۔ مقتدر کو خبر لگی۔ اس نے فوج بھیجی وہ ناکام رہی مگر مرداویج نے

---

[۱] ابن اثیر جلد ۸ صفحہ ۳ [۲] ابن خلدون جلد ۳ صفحہ ۲۶۸۔

بطور حفظ ماتقدم مقتدر کو چند لاکھ سالانہ خراج دینا منظور کر لیا۔ غرض کہ خراسان اور ماوراء النہر میں آل سامان کا کچھ یوں ہی سا اقتدار تھا۔ ان کے مقابل ایک جدید طاقت دیلمیوں کی اُٹھ کھڑی ہوئی۔

آلِ حمدان موصل پر آلِ حمدان کا ایک عرصہ سے اقتدار بڑھ رہا تھا۔ یہ لوگ تہور اور شجاع بھی تھے موقعہ سے فائدہ اُٹھا کر انھوں نے بھی اپنی حکومت کی بنا ڈالی۔

رُومی حملہ رومیوں نے بغداد کی کمزوری محسوس کر کے ۳۰۳ھ میں جزیرہ کے حدود پر حملہ کر دیا۔ فوج سرحد پر نہ تھی۔ قلعۂ منصورہ پر فاتحانہ آ گئے اور صدہا مسلمان گرفتار کر کے لے گئے جن کو مقتدر نے چھڑایا جس کا ذکر پہلے آ چکا ہے۔ پھر ۳۱۵ھ میں قیصر روم نے ملیطہ پر حملہ کیا اور اس کو ویران کر ڈالا۔ وہاں کے بہت سے مسلمان قتل ہوئے۔ مقتدر کو اہلِ ملیطہ نے اطلاع دی۔ مگر ان کی فریاد نہیں سُنی گئی۔ مقتدر عیش و عشرت میں مُبتلا تھا۔ مجبور ہو کر ۳۱۵ھ میں خود طرطوس کے مسلمانوں نے رومی سرحد میں حملہ کر دیا۔ چار سو مسلمان گرفتار ہو گئے اور بہت سے شہید کر دیئے گئے۔ اس سال دمستق رومی نے ایک عظیم الشان فوج لے کر ارمینیہ کے سب سے بڑے شہر دبیل پر چڑھائی کی۔ اس کے ساتھ منجنیق وغیرہ قلعہ شکن آلات کے علاوہ آتش بازی کے بڑے بڑے برج تھے۔ مگر مسلمانوں نے ثابت قدمی سے مقابلہ کیا اور رومیوں پر غالب آ کر دس ہزار رومیوں کو تہ تیغ کر ڈالا۔ اس فتح سے سرحد کے رومیوں پر مسلمانوں کا رعب غالب ہو گیا۔

زیاری حکومت کا قیام مقتدر کا عہد دولت عباسیہ کے لئے پُر آشوب تھا۔ ایک تو اُن کے مقابل آلِ ہاشم عبید اللہ فاطمی نے حکومت مغرب میں قائم کی۔ جرجان میں محمد زید علوی کے قتل کے بعد اس خاندان کے ایک رکن حسن بن علی الملقب بہ اطروش کو طبرستان پھر لینے کی

فکر ہوئی۔ اس وقت احمد بن اسماعیل سامانی کا قبضہ تھا۔ اطروش دیلم پہنچا۔ تیرہ سال اسلام کی اشاعت کی۔ ہزاروں دیلمی اُن کے ہاتھ پر اسلام لائے۔ ان کو ہمراہ لے کر محمد بن اسماعیل سے مقابلہ کرنا چاہا مگر دیلمی رضامند نہیں ہوئے۔ طبرستان پر عبداللہ بن محمد کا تقرر ہُوا۔ اس کے مرنے پر محمد بن ابراہیم والی ہُوا۔ یہ دیالمہ سے اُلجھ پڑا تو اطروش نے اس موقعہ سے فائدہ اُٹھا کر ۳۰۱ھ میں طبرستان پر قبضہ کر لیا۔ ابراہیم کو مار بھگایا۔ چار سال بعد کسی سامانی نے اس کو قتل کر دیا تو اُس کا داماد حسن بن قاسم المعروف بہ داعی جانشین ہُوا۔ انہوں نے دیلمی افسروں کی مدد سے سامانی حکومت کے بہت سے علاقے قبضہ میں کر لئے۔ کچھ دن بعد اس کا دیلمی افسر اسفار بن شیرویہ سعید بن نصر سامانی سے مل گیا اور حسن مقابلہ میں کام آئے۔ اس کے مقبوضات پر اسفار قابض ہو گیا جس کے ایک افسر ہارون بن بہرام نے ابوجعفر بن حسن کو گدی نشین کر دیا لیکن اسفار نے ہر دو کو مروا ڈالا اور طبرستان سے نئی علوی حکومت ختم ہو گئی۔

اسفار نے سامانیہ کا خطبہ بند کر دیا۔ نصر بن احمد سامانی نے فوج کشی کر دی۔ اسفار گھبرا گیا اور صلح کر لی۔ مرداویج کے آدمیوں نے اسفار کو بھی قتل کر دیا۔ اس کا علاقہ مرداویج کے قبضہ میں آ گیا۔ اب اس کی قوت بہت بڑھ گئی۔ اس نے چند دنوں میں ہمدان، دینور، قم، کاشان اور اصفہان پر قبضہ کر کے اپنی حکومت قائم کر لی۔ دولتِ عباسیہ نے آخرش دو لاکھ سالانہ پر مفتوحہ علاقے کا ٹھیکہ ۳۱۹ھ میں مرداویج کو دے دیا۔ اور اس کا والی بنا دیا۔ غرض کہ جرجان میں باقاعدہ زیاری حکومت قائم ہو گئی۔[1]

امیر الامراء مونس مونس مقتدر کا غلام تھا اس کو بڑھا کر امیر الامراء کر دیا۔ وہ تمام امورِ مملکت پر حاوی ہو گیا۔ اب مقتدر کی آنکھ کھُلی

---

[1] ابن اثیر جلد ۸ صفحہ ۷۱۔

تو اُس کو نظروں سے گرانا چاہا۔ چنانچہ مونس نے امیر ابوالہیجا بن حمدان والی جبل اور دوسرے امراء کو گانٹھ لیا۔ ۳۱۷ھ میں مونس نے مقتدر کو لکھا :۔

"شاہی خدم وحشم اور حرم سلطانی کے بے جا مصارف، جاگیروں پر اُن کا قبضہ وتصرف اور امورِ سلطنت میں اُن کا مداخلت کرنا فوج میں برہمی کا سبب بن رہا ہے اُن کا مطالبہ ہے کہ آپ جاگیریں اُن کے قبضہ سے نکال لیں۔ خدم وحشم کو الگ کر دیں۔ ہارون بن غریب (جو مقتدر کا عزیز تھا مونس کو یہ خیال ہُوا کہ میری جگہ امیر الامراء یہ بنایا جارہا ہے) کو محل سے نکال دیا جائے"

مقتدر نے ہارون کو شام وجزیرہ کی سرحد کا حاکم کر دیا اور تمام مطالبات ماننے کو تیار ہو گیا مگر مخالفین کی تشفی نہ ہوئی۔ محرم ۳۱۷ھ میں مونس، نازوک، ابوالہیجا اور دوسرے امرائے مخالفت نے مقتدر کو مع اہل وعیال کے مونس کے محل میں قید کر دیا۔ اور اس کے سوتیلے بھائی محمد کو خلیفہ بنا کر قاہر باللہ کا لقب دیا اور قاضی ابوعمرو مالکی کے سامنے مقتدر سے با قاعدہ خلافت سے خلع کا حلف لیا۔

نازوک نے قصرِ خلافت کی شاہی فوج مصافیہ کو قصر چھوڑ دینے کا حکم دیا۔ وہ بگڑ بیٹھی۔ قاہر سے حقِ بیعت اور ایک سال کی تنخواہ کا مطالبہ کیا اور گھیر لیا۔ اور نازوک اور ابوالہیجا کو قتل کر دیا۔ دوسری طرف مونس کے محل میں سے مقتدر کو نکال لیا اور قصرِ خلافت میں لے آئے۔ قاہر سے مقتدر نے کوئی باز پرس نہ کی۔ اور اُس کی ماں کے پاس بند کر دیا۔

دوبارہ بیعتِ خلافت

مقتدر نے تجدید بیعت کا اعلان کیا۔ شاہی سامان بیچ کر فوج کو تنخواہ دی۔ امیر مونس بدستور اپنے عہدہ پر قائم رہا[1]۔ اس وقت تو مقتدر دوبارہ حکمران بنے مگر امیر مونس کی جاہ پسندی

---

[1] ابن اثیر جلد ۸ صفحہ ۶۳ تا ۶۵۔

اور دیگر امراء کی خود غرضی اور رشک و رقابت رنگ لائے بغیر نہ رہ سکی۔ دو جماعتیں بن گئیں۔ امیر مونس اور عباسی وزیر سلیمان ایک جماعت کے سرغنہ تھے۔ صاحب دولت یاقوت اور محمد بن یاقوت شحنہ بغداد دوسری جماعت کے سرگروہ تھے۔ ۳۱۹ھ میں مقتدر نے احتساب کا محکمہ بھی محمد بن یاقوت کو دے دیا۔ مونس بگڑ بیٹھا۔ اس عہدہ پر قاضی یا عدول ہونا چاہیئے تھا۔ مقتدر نے یاقوت اور محمد کو کل عہدوں سے علیحدہ کیا۔ یاقوت کو کرمان و فارس اور محمد کو سجستان اور دوسرے لڑکے مظفر کو اصفہان کا والی بنا کر بھیج دیا۔ حاجب ابراہیم رائق اور اس کے بھائی محمد کو شحنۂ بغداد مقرر کیا۔

مالی حالت حرم سلطانی کے اسراف بے جا اور مقتدر کے مصارف کثیر اور محاصل کی قلت نے حکومت کا مالی نظام بگاڑ دیا۔ خزانہ خالی تھا اور ۳۱۹ھ میں وزیر سلیمان بن دہب کو الگ کیا اور ابوالقاسم کلواذانی کا تقرر ہوا۔ لیکن وہ بھی حکومت کا میزانیہ نہ سنبھال سکا۔ اس لئے حسین بن قاسم کو منصب وزارت تفویض ہوا۔ مونس اور حسین میں اختلاف ہو گیا تو حسین نے اپنی عالی دماغی سے بغداد میں مونس کے خلاف فضا پیدا کر دی۔

مونس نے یہ رنگ دیکھا تو موصل چلا گیا۔ یہاں مال و اسباب اس کا ضبط ہوا۔ حکومت کو تین لاکھ اشرفی ہاتھ لگی۔ شاہی خزانہ میں یہ دولت جمع ہو گئی۔ مقتدر نے حسین کو عماد الدولہ کا لقب دیا اور سکوں پر اس کا نام نقش کرایا۔ حسین نے تمام امراء کو جو مونس کے ساتھ چلے گئے تھے بغداد بلا بھیجا اور آل حمدان کو کہلا بھیجا کہ امیر مونس کی تیغ سے مدارات کر دینا۔ چنانچہ تیس ہزار فوج سے امیر مونس کو روکنے آل حمدان آئے۔ اس نے آٹھ سو کی مختصر جماعت سے ان کو شکست فاش دی اور موصل پر قبضہ کر لیا۔ امیر مونس بڑا فیاض اور محسن اور سیر چشم تھا۔ بغداد، مصر، شام سے لوگ اس کے پاس پہنچ گئے اور یہاں پھر فوج دانہ دانہ کو محتاج ہو گئی۔ وہ بھی موصل پہنچے۔ امیر مونس نے ان سب کو ہمراہ لے کر بغداد میں ۳۲۰ھ میں حملہ

بول دیا جس سے مقتدر کے حواس بجاتے رہے۔

مقتدر کا قتل مقتدر نے ابوالعلاسعید بن حمدان اور صافی بصری کو مونس کے روکنے کے لئے سرمن راء بھیجا اور محمد بن یاقوت کو "معشوق" روانہ کیا۔ ابن یاقوت کی سپاہ چلتی بنی۔ محمد بن یاقوت نے مقتدر سے کہا۔ آپ خود مونس کے مقابل ہو جئے وہ آپ کو دیکھ کر رام ہو جائے گا۔ آخر کار مقتدر فوج لے کر نکلا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ۳۲۰ھ میں بُری طرح قتل ہوا۔ سر جدا کر کے لکڑی پر آویزاں کیا گیا۔ بدن پر سے کپڑے اُتار کر لاش عریاں چھوڑ دی گئی۔ ایک راہگیر نے گڑھا کھود کر مقتدر کی لاش کو زمین میں دفن کر دیا۔

مونس خود راشدیہ میں مقیم تھا۔ سر مقتدر کا اس کے سامنے پیش ہوا اُس نے افسوس کیا قتل کے وقت مقتدر کی عمر ۳۸ سال کی تھی مدتِ خلافت ۲۵ سال رہے۔

حلیہ مقتدر کا حلیہ یہ تھا۔ قد میانہ، ذرا جُھکا ہُوا، آنکھیں چھوٹی، گندم گوں رنگ، خوبصورت چہرہ، ڈاڑھی خوشنما اور سُرخی مائل۔

تجمل و طمطراق مقتدر، عقل و دانش اور تدبیر و سیاست سے عاری نہ تھا۔ لیکن عیش پرستی نے ناکارہ کر دیا تھا۔ ہر وقت عورتوں کی صحبت میں رہتا۔ ظاہری طمطراق اتنے بڑھا رکھے تھے کہ حکومت اُن کے اخراجات کی متحمل نہ ہو سکی۔ لونڈیوں اور محلاتِ شاہی پر بے دریغ روپیہ لٹاتا تھا۔ خزانہ کے قیمتی جواہرات ان میں تقسیم کر دیئے تھے۔ ایک ایک دربار کی شان و شوکت میں لاکھوں روپیہ صرف کر دیا کرتا تھا۔

مقتدر باللہ کا عہدِ حکومت باوجود اندرونی شورشوں اور بیرونی فتنوں کے شان و شکوہ اور عظمت و جلال کا تھا۔

---

[1] تجارب الامم [2] التنبیہ والاشراف صفحہ ۲۷۳

۳۰۵ھ میں جب شہنشاہِ روم کا سفیر مصالحت اور قیدیوں کے باہمی تبادلے کی غرض سے بغداد آیا تو خلافت کے ہیبت و دبدبہ کا مظاہرہ کرنے کے لئے ایک نو تعمیر محل میں اس کا وسیع پیمانہ پر خیر مقدم کیا گیا۔ یہ محل دار الشجرہ نہایت بیش قیمت فرنیچر سے سجایا گیا تھا۔ مجلس میں قرینہ سے دروازوں، دہلیزوں، صحنوں اور راستوں پر حاجب اور خادم مامور تھے اور دو رویہ قطاروں میں سپاہی صف بستہ کھڑے تھے۔ اُن کا لباس نہایت موزوں اور وقت کے مناسب تھا۔ ان گھوڑوں پر زربفت اور دوسرے اعلیٰ قسم کی جھولیں پڑی تھیں[1]

علامہ سیوطی کا اس واقعہ کے متعلق یہ بیان ہے :۔

"مقتدر نے بڑے وسیع پیمانے پر اس سفیر کے استقبال کی تیاریاں کی تھیں۔ باب شماسیہ سے دار الخلافت تک ایک لاکھ سات ہزار مسلح فوج صف بستہ کھڑی تھی۔ فوج کے آگے سات ہزار خادم دست بستہ کھڑے تھے۔ ان کے بعد سات سو حاجب کھڑے تھے۔ دار الخلافہ کی دیواروں پر اٹھائیس ہزار ریشمی پردے پڑے تھے اور بائیس ہزار دوسرے بیش قیمت اور اعلیٰ قسم کے پردے پڑے تھے[2] دربار کی آرائش کا اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ اس میں بارہ ہزار فرش بچھائے گئے تھے"[3]

مقتدر باللہ دجلہ کے کنارے آبنوس کے تخت پر تاج پہنے جلوہ فرما تھا۔ بدن پر سفید ریشمی لباس تھا جس پر سونے کا کام بنا تھا۔ تخت پر منقش سنہرا فرش بچھا تھا جس کی جھالر میں تسبیح کے دانوں کے برابر نہایت بیش قیمت جواہرات لٹک رہے تھے۔ پانچ شہزادے تین دائیں جانب دو بائیں جانب

---

[1] تاریخ بغداد، خطیب بغدادی صفحہ ۱۰۰ تا ۱۰۲ [2] تاریخ الخلفاء صفحہ ۲۵۰
[3] فتوحات اسلامیہ ۔

بیٹھے تھے۔ اس وقت قاصد اور ترجمان سامنے کھڑے ہوئے تھے (قاصد (سفیر) نے سجدہ کیا اور مونس خادم اور نصر قشوری کے واسطہ سے جو مقتدر کے ترجمان تھے گفتگو کی۔

دار الشجرہ محل دار الشجرہ میں سونے چاندی کا ایک درخت بنایا گیا تھا اس کا تنا اور شاخیں سونے، چاندی کی تھیں۔ پتیاں اور پھول پھل جواہرات کے۔ شاخوں کی بناوٹ اس طرح کی تھی کہ وہ ہوا سے اصلی شاخوں کی طرح جھومتی تھیں۔ ان پر سونے اور چاندی کے طیور بٹھائے گئے تھے۔ ان میں یہ صفت رکھی گئی تھی کہ جب ان کے جوف میں ہوا بھرتی تھی تو ان سے چہچہانے کی سی آواز نکلتی تھی اور سب کی بولیاں ایک دوسرے سے جدا تھیں[1]۔

اصراف بے جا مقتدر نے اپنے عیش و عشرت میں جو دولت لٹائی اور اصرافِ بے جا کیا اس کا تخمینہ سات کروڑ اشرفی تک کیا جاتا ہے[2]۔

ملکہ قہرمانہ ملکہ قہرمانہ ام موسیٰ مقتدر کی ماں محل میں بیٹھ کر خود حکمرانی کرتی تھی۔ وزراء دم نہ مار سکتے تھے۔ اس نے مفید کام بھی کئے۔ مکہ معظمہ اور مدینہ مکرمہ کے غرباء کے لئے بڑا وقف کیا تھا۔ قاہر نے زبردستی اس پر قبضہ کر لیا۔ ملکہ نے اپنے ذاتی صرفہ سے ایک شفا خانہ بھی بنایا تھا[3]۔

مقتدر کا عہد مقتدر کا زمانہ ۲۵ سال کی طویل مدت کا ہے مگر حکومت میں شورشیں رہیں۔ انقلابات گزر رہے۔ دو مرتبہ تخت سے اتارا گیا۔ تیسری مرتبہ جان سے ہاتھ دھونے پڑے۔

باغات مقتدر کو باغات اور میوے کے درخت لگانے سے بڑی دلچسپی

---

[1] فتوحاتِ اسلامیہ [2] ابن اثیر جلد ۸ صفحہ ۷۶ [3] ایضاً صفحہ ۷۸

[4] صناجۃ الطرب فی تقدمات العرب صفحہ ۶۱۱۔

تھی۔ چنانچہ اس نے ہندوستان سے ترنج منگایا اور عمان میں اس کے درخت لگائے گئے۔ پھر وہاں سے عراق اور شام میں لگائے گئے[1]

رواداری خلیفہ مقتدر میں جہاں مادہ عیش و عشرت تھا وہاں اس میں چند خوبیاں بھی تھیں اس کے مزاج میں رواداری کا مادہ بہت تھا۔ چنانچہ وہ اہلِ ذمّہ کی مخصوص اہلیتوں کو سمجھتا تھا۔ اس نے یہودیوں اور عیسائیوں کو بعض خدمات کے لئے سرکاری ملازمتوں میں داخل کیا۔ بلکہ ۹۰۹ء میں مقتدر نے ایک فرمان جاری کیا جس میں یہودیوں اور عیسائیوں کو صرف دو قسم کے سرکاری عہدوں پر متعین کئے جانے کی اجازت دی گئی تھی یعنی طبیب اور جہبند۔[2]

امر المقتدر ان لا یتخدم احد الیہود والنصاریٰ الا فی الطب والجہبند۔

یہود نوازی رسائل جاحظ میں ہے کہ :-

خلیفہ متوکل کے زمانہ میں (۸۴۷ء تا ۸۶۱ء) عراق میں یہودی زیادہ تر رنگ ریز، دباغ، حجام اور قصاب تھے۔ مگر مقتدر کے عہد میں یہودیوں کو سرکاری ملازمت ملنے لگی اور مالیات میں اُن سے کام لیا گیا۔ پھر تو ایک بغداد کا محلہ ساہوکاروں کے لئے مخصوص تھا۔ اس کا نام درب العیون تھا[3]

دیوان الجہبندا مقتدر نے الجہبندا کا محکمہ نیا قائم کیا تھا۔ کیونکہ نظام مالیات میں کچھ وقتی چیزیں نئی بڑھیں۔ اس وقت تک مسلم حکومت میں درہم (معیار سیم) رائج تھا۔ اس کی جگہ دینار (معیار طلا نے لے لی) شرح مبادلہ میں ردّوبدل ہونا ضروری تھا۔ یہ لازمی ہو گیا کہ خزانۂ عامرہ میں جو سکے آئیں انہیں معیاری سکہ میں تبدیل کیا جائے۔ اس کے لئے (صراف) جہبند مقرر کئے جاتے تھے

---

[1] مناجتہ المطرب فی تقدمات العرب صفحہ ۲۱۱ [2] النجوم الزاہرہ جلد ۲ صفحہ ۲۰۴
[3] مسکویہ صفحہ ۲۴۷۔

محمد بن عبیداللہ بن یحییٰ خلیفہ مقتدر کا وزیر تھا۔ اس نے درباری ساہوکار (الجہبند) یوسف بن فنیاس اور ہارون بن عمران مقرر کئے تھے۔

رفاہِ عام مقتدر اسلامی نظریہ سے قابلِ پذیرائی نہ تھا۔ مگر اپنے معاصر شاہانِ عالم کے مقابلہ میں امتیازی درجہ رکھتا تھا جہاں وہ عیش وعشرت اور محلات کی رنگینیوں میں وقت گزارتا تھا۔ اس کے ساتھ ہی اس نے بعض کام قابلِ قدر کئے۔ بیمارستان کی طرف اس کی زیادہ توجہ تھی۔ اس کا وزیر علی بن عیسیٰ جس کو رفاہِ عام کے کاموں سے دلی لگاؤ تھا۔ اس کے ہاتھوں بہت سے کام کرادیئے جیسا کہ اوپر ذکر آچکا ہے۔

شفاخانہ مقتدر نے بغداد میں عظیم الشان شفاخانہ بنوایا۔[1] اور اس کا نگران سنان بن ثابت بن قرہ جو بڑا مشہور طبیب اور صابی تھا۔ علی کی وزارت میں وبائی مرض پھیلا تو اس نے متعدد فرمان اس بارے میں لکھے اور شفاخانوں کے متعلق نئے کارخانے قائم کئے۔

۳۱۹ھ میں ایک نیم حکیم نے ایک بیمار کا علاج غلط کیا اور وہ مرگیا۔ خلیفہ کو اطلاع ہوئی۔ اس نے حکم صادر کیا کہ کوئی شخص باقاعدہ جب تک امتحان نہ دے مطب اور علاج نہ کرنے پائے۔ سنان بن ثابت ممتحن مقرر ہوا اور ہزار ہا طبیبوں نے امتحان دیئے۔ آٹھ سو ساٹھ آدمی امتحان میں کامیاب ہوئے۔ اور ان کو سنان نے سند عطا کی۔

مقتدر کی ماں نے جو شفاخانہ بنایا تھا، سالانہ خرچ سات ہزار دینار تھا۔ یہ شفاخانہ دجلہ کے کنارے تھا۔ ۳۰۶ھ میں رسم افتتاح اس کی عمل میں آئی تھی۔ علی بن عیسیٰ وزیر نے اپنے صرفہ سے محلہ حربیہ میں ۳۰۲ھ میں شفاخانہ قائم کیا تھا۔ مشہور طبیب ابوسعید بن یعقوب اس کا نگران تھا۔ دوسرے وزیر

---

[1] طبقات الاطباء صفحہ ۲۲۱

ابن فرات نے محلہ درب المفضل میں ایک ہسپتال قائم کیا اور سنان کی نگرانی میں دیا۔[5]
امرائے عہد نے اس کے علاوہ شفاخانے عوام کے لئے قائم کئے تھے۔

سیاسی حالت

مقتدر باللہ کے عہدِ خلافت میں داخلی اور خارجی دونوں قسم کی فضاء اضطراب انگیز تھی۔ اس کے سب سے بڑی وجہ ترکوں کا حکومت کی مشینری پر غلبہ تھا۔ اس زمانہ میں فوج کے جنرلوں کا عمل دخل اتنا بڑھ گیا تھا کہ خلیفہ کا تقرر اور عزل اُن کے اختیار میں تھا۔ اس وقت وزراء کی کوئی حیثیت نہ رہی تھی۔ یہ سب خلیفہ کی صغیر سنی اور نااہلی کا نتیجہ تھا۔ خلیفہ عیش وعشرت اور لطف اندوزیوں میں غرق تھا حکومت کے نظم ونسق میں حرم دخیل تھیں۔ اس کا جو نتیجہ ہونا چاہیئے تھا وہ دولتِ عباسیہ پر پڑے بغیر نہ رہا۔

اشاعتِ اسلام

مقتدر باللہ کے زمانہ میں اسلامی اخلاق اور معاشرت کا اثر دیگر اقوام پر بے حد پڑ رہا تھا جبر یہ نہیں بلکہ خود عوام تو کجا خواص بطیبِ خاطر اسلام کی آغوش میں آنا اپنے لئے باعثِ صد افتخار سمجھتے تھے۔ چنانچہ بلغار کا بادشاہ سنہ ۳۱۰ھ کے بعد اسلام لایا اور یہ بادشاہ نہایت صاحبِ اقتدار تھا۔ وہ قسطنطنیہ، اٹلی، فرانس، اسپین پر اکثر حملے کیا کرتا تھا۔ اسلام لانے کے بعد اس کے بیٹے نے حج کیا اور بغداد آیا۔ خلیفہ مقتدر باللہ نے اس کو رایت و علم عطا کیا۔ مسعودی کے حوالہ سے صاحب تلفیق الاخبار لکھتا ہے۔

”بادشاہ کا نام الماس خان بن ملکی خان تھا۔ اسلام لانے کے بعد بادشاہ نے مقتدر باللہ کے دربار میں سفیر بھیجا اور غائبانہ اس کے ہاتھ پر بیعت کی یہ بھی درخواست کی کہ احکام اسلام کی تعلیم کے لئے فقہاء اور علماء بھیجے جائیں ان کے ساتھ ریاضی دان بھی آئیں کہ ٹھیک ٹھیک سمت قبلہ بتائیں۔ مقتدر نے علماء وفضلاء کو اس خدمت پر مامور کیا جن میں

---

[5] طبقات الارض صفحہ ۲۲۲

سوسن راسی اور بدر خرمی بھی تھے۔ احمد بن فضلان کو بھی اس سفارت کے لئے ساتھ بھیجا اور حکم دیا کہ بلغار کے حالات اور سفر کے تمام واقعات کی رپورٹ لکھ کر لائیں۔ چنانچہ اس نے ایک مفصل رسالہ لکھا جس سے یاقوت حموی نے معجم البلدان میں اس سے مدد لی [۱]

زوال سلطنت بچپن میں مقتدر کو حکومت ملی تھی۔ اس لئے نہایت سادہ لوح، عیش پسند اور ناآزمودہ کار تھا۔ علامہ مسعودی کا بیان ہے :-

"مقتدر سلطنت کے حالات سے بے خبر رہتا تھا۔ امراء وزراء اور اہلِ دفتر امورِ سلطنت انجام دیتے تھے وہ کسی معاملہ میں گرہ کشائی نہیں کرسکتا تھا۔ تدبیر اور ریاست کے اوصاف سے بے بہرہ تھا عورتیں خدام اور دوسرے لوگ سلطنت کے معاملات میں بہت زیادہ دخیل ہو گئے تھے۔ اس کا نتیجہ یہ ہُوا کہ سارے ملک میں بدامنی پھیل گئی تھی۔ حکومت کے خزانوں میں جس قدر دولت اور ساز و سامان تھا سب صاف ہو گیا تھا جس کی وجہ سے خونریزیاں ہونے لگیں۔ حالات بالکل بگڑ گئے اور خلافت کے بہت سے رسوم مٹ گئے۔ غرضیکہ سلطنت میں زوال کا آغاز ہو گیا۔ [۲]

عہد مقتدر باللہ کے علماء مقتدر کو علم سے لگاؤ زیادہ نہ تھا۔ مگر اس کے عہد میں علم حدیث کی اور تفسیر کی ترقی بہت کچھ ہوئی۔ امام نسائی وغیرہ نے مسندیں تیار کیں۔ اس کے علاوہ رجال پر بھی کتابیں لکھی گئیں اور تاریخ پر بھی زیادہ توجہ ہوئی۔ چنانچہ ابو جعفر بن جریر اس کے عہد کا بڑا مورخ تھا۔ بغداد میں ~~۹۹۲~~ ۳۸۳ھ میں اس نے وفات پائی۔ اپنی تصنیف ۳۰۲ھ میں مرتب

---

[۱] مقالات شبلی صفحہ ۱۳ جلد ۴ [۲] التنبیہ والاشراف صفحہ ۲۷۱۔

کر کے عہد مقتدر باللہ میں ملک کے سامنے پیش کی جو قدر کی نگاہ سے دیکھی گئی۔

علی بن فضلان مقتدری دربار کا بڑا عالم تھا۔ اس کو ۳۰۹ھ میں مقتدر نے بلغاریہ میں سفیر بنا کر بھیجا تھا وہاں سے واپس آ کر ایک کتاب احوال الامم الشایہ لکھی۔ اور مقتدر کو پیش کی۔ اس عہد میں ابوزید بلخی نے جغرافیہ میں خاص طور پر صور الاقالیم کتاب تصنیف کی۔

محمد بن ابو داؤد ظاہری، یوسف بن یعقوب القاضی، ابن شریح شیخ شافعیہ، جنید شیخ صوفیہ ابوالعثمان زاہد جعفر القربانی، امام نسائی صاحب سنن، حسن بن ضعان، جبائی شیخ المعتزلہ، ابو یعلی الموصلی صاحب مسند، ابن سیف قاری مصر، ابوبکر رویانی صاحب مسند، زجاج نحوی، ابن خزیمہ، ابن زکریا طبیب، اخفش الصغیر بنال الجمال، ابوبکر بن داؤد سجستانی، ابن سراج نحوی، ابوعوانہ صاحب صحیح۔ ابوالقاسم بغوی صاحب مسند، ابوعبید بن نحوی حربویہ قدامہ کاتب[۱] سے علماء تھے جو علمی خدمت میں بلا معاونت حکومت لگے ہوئے تھے اور اس کے عہد میں فوت ہوئے[۱]

فقہاءِ محدث محمد بن سلام بلخی، ابونصر معاصر ابوحفص کبیر ۳۰۵ھ میں فوت ہوئے۔ محمد بن خزیمہ از مشائخ بلخ صاحب اختیارات فی المذاہب ۳۱۴ھ میں انتقال ہوا۔

الحسن بن علی بن عبدالصمد بن یونس بن مہران، ابوسعید البصری معروف بالازمی بغداد جا کر حدیث کی سماعت صہیب و بحر بن الحکم وغیرہ سے کی۔ واسط میں ۳۰۳ھ میں انتقال کیا۔

فلسفی ابوعبداللہ محمد بن جابر التبانی اسلاف اس کے صابی تھے۔ مگر علماءِ کرام کی صحبت میں مشرف بہ اسلام ہوا۔ سب سے بڑا سائنس دان تھا۔ اس نے ذاتی کاوش سے بعض مسائل ہئیت کی تحقیق کی بطلیموس

---

[۱] تاریخ الخلفاء صفحہ ۲۰۲ [۲] معجم البلدان جلد ا صفحہ ۲۱۶۔

کے مشاہدات کے ساتھ اپنے مشاہدات کا مقابلہ کیا تو اس کو آفتاب کے اوج کی حرکت کا پتہ چلا اور طریق شمس کے میل میں تبدیلی معلوم ہوئی۔ اس نے استقبال اعتدالین کی صحیح ترقیمت دریافت کی اور علم المثلثات میں جیوب کا استعمال آغاز کیا۔ حرکاتِ ثوابت پر اسی کی کتاب کے لاطینی ترجمے کا مطالعہ کرکے ہوملیس نے چاند کی حرکت میں دہری تغیر محسوس کی۔ ۸۵۰ء میں پیدا ہوا اور ۹۱۸ء / ۳۰۵ھ ، ۳۰۵ھ میں فوت ہوا۔

مفسرین

امام ابراہیم بن معقل حنفی تفسیر نسفی یادگار سے ہے اور ۲۹۵ھ میں انتقال کیا۔

شیخ ابوالحسن علی بن موسیٰ بن یزداد قمی احکام قرآن تالیف سے ہے۔ ۳۰۵ھ میں فوت ہوئے۔

شیخ محمد بن یزید واسطی مؤلف اعجاز القرآن ۳۰۶ھ میں انتقال ہوا۔

امام ابوبکر محمد بن ابراہیم نیشاپوری مؤلف تفسیر ابن المنذر ۳۱۸ھ میں وفات پائی۔

شیخ قاسم عبداللہ بن احمد حنفی معتزلی معروف کعبی ۳۱۹ھ میں انتقال ہوا۔ تفسیر کعبی یادگار ہے۔



عبداللہ بن معتز

نام ونسب نام عبداللہ اور ابوالعباس کنیت تھی مشہور خلیفہ معتز کا لڑکا۔ ولادت ۲۴۶ھ میں ہوئی۔

تعلیم وتربیت معتز نے عبداللہ کی تعلیم پر مبرد ادیب اور ثعلب نحوی کو مقرر کیا۔ چنانچہ عبداللہ نے ان دونوں اُستادوں کے فیض سے بہت کچھ حاصل کیا۔

ابن ندیم لکھتا ہے :-

"شعر وادب میں وحید عصر تھا۔ بدوی فصحاء اور علمائے نحو کے پاس جاکر اُن سے استفادہ کیا۔"[1]

ابن خلکان کا بیان ہے :-

کان ادیبًا بلیغًا شاعرًا "وہ ادیب، بلیغ اور فطری شاعر تھا"[2]

بیعتِ خلافت اور معزولی مکتفی کی نامزدگی کے مطابق ۲۹۵ھ میں اس کے چھوٹے بھائی مقتدر کی بیعت ہوئی۔ یہ بہت کم سن تھا۔ ارکانِ دولت نے اختلاف بھی کیا۔ مگر وزیرِ دولت عباس بن حسن نے اپنی خودغرضی کی بناء پر اُن کے علی الرغم مقتدر کی بیعت کی رسم ادا کی گئی۔ مگر یہ بیل منڈھے نہ چڑھی۔ مقتدر کو معزول کرنا چاہا اور عبداللہ بن معتز سے اس منصب کے قبول کرنے کی درخواست کی۔ اس نے کہا۔ بغیر کسی فتنہ کے مجھے خلیفہ کرنا چاہیں تو میں مان لوں گا۔ جب یقین دلایا گیا تو وہ راضی ہوگیا۔ ۲۹۶ھ میں عبداللہ کی

---

[1] فہرست ابن ندیم صد ۱۶۸ [2] ابن خلکان جلد ا مدا ۱۶۸

بیعت ہوگئی ۔متصف باللہ یا غالب باللہ لقب دیا گیا[1]

عبداللہ کی خلافت کو ابھی چند دن بھی نہ گزرے تھے۔ بغیر کسی ظاہری اسباب کے ایسا واقعہ رونما ہو کہ لاچار تختِ خلافت سے دست بردار ہو کر روپوش ہونا پڑا ۔ مقتدر کے آدمیوں نے ڈھونڈھ کر قتل کر دیا۔

یہ واقعہ ۲۹٦ھ کا تھا۔

عبداللہ صاحبِ علم خطیب، شعر و ادب کا بڑا ستھرا مذاق رکھنے والا تھا۔ صاحب آغانی نے اس کی شاعری پر تبصرہ کیا ہے۔

"اس کے اشعار میں اگرچہ شاہانہ نزاکت اور رندانہ تغزل اور نئے شعراء کی لطافت موجود تھی ۔لیکن ان اوصاف کے باوجود اس کے اشعار میں کثرت سے ایسے اوصاف بھی تھے جو اعلیٰ درجہ کے شعراء کا اسلوب ہے اور جن میں سابقین شعراء بھی پیچھے رہ گئے ہیں۔"[2]

ایک شعر نقل ہے ؎

وجاءنی فی قمیص اللیل مستترا یستعجل الخطو من خوف ومن حذر

"وہ میرے پاس رات کے پیرہن میں چھپ کر آیا اور رقیبوں کے خوف سے قدم جلدی جلدی ڈال رہا تھا۔"

موسیقی عبداللہ کو اس فن سے خاص دلچسپی تھی۔ اغانی میں ہے:-

"عبداللہ بن معتز فنِ موسیقی سے خوب واقف تھا اور راگوں کے حقائق اور علل کا بھی اُسے پورا علم تھا۔"[1]

علمِ بدیع عبداللہ علمِ بدیع کا موجد اور امام ہے۔ سب سے پہلے محاسنِ کلام کے مسائل کا استقصا کر کے اس فن کو مدون اور مرتب کیا۔ اور نام بھی بدیع رکھا۔

---

[1] ابن خلکان جلد ا صفحہ ۲۵۸ [2] ایضاً [3] اغانی جلد ۹ صفحہ ۱۳۴۔

سید صدر الدین شیرازی اپنی کتاب انوار الربیع فی انواع البدیع میں لکھتے ہیں۔
"سب سے پہلے عبداللہ بن معتز نے اس فن کی ایجاد کی اور اس کا نام بدیع رکھا"

تصانیف عبداللہ کی گیارہ تصانیف مندرجہ ذیل ہیں:۔
کتاب الزہر۔ کتاب البدیع۔ مکاتبات الاخوان بالشعر۔ کتاب الجوارح والسعید۔ کتاب السرقات۔ کتاب اشعار الملوک۔ کتاب الادب۔ کتاب علی الاخبار۔ طبقات الشعراء، کتاب الجامع فی الغناء، کتاب ارجوزہ فی ذم الصبوح [1]

خلیفہ قاہر باللہ

نام ولقب ابو منصور محمد قاہر بن خلیفہ احمد معتضد بربریہ ام ولد قبول نامی کے بطن سے تھا۔ علمی استعداد معمولی تھی۔ مقتدر کی محلات کی رنگ رلیوں میں یہ بھی اوائل عمر سے مبتلا تھا۔

خلافت مقتدر کے قتل کے بعد مسئلہ خلافت پیش ہوا۔ امیر مونس کی رائے تھی۔ شہزادہ ابو العباس بن مقتدر خلیفہ بنایا جائے مگر وہ کم سن تھا۔ اس لئے اسحاق نوبختی نے رائے دی کہ ہمیں ایسا شخص چاہیئے جو امور ملکی انجام دے سکے۔ مونس کی سمجھ میں آگیا۔ چنانچہ ۳۲۰ھ میں ابو المنصور محمد بن معتضد کو قاہر باللہ کے لقب کے ساتھ تخت خلافت پر بٹھایا۔ ارکان سلطنت نے بیعت کی۔

---

[1] فہرست ابن ندیم صفحہ ۱۶۸ و ابن خلکان جلد ۱۲ صفحہ ۲۵۸۔

وزارت منصب وزارت پر ابن مقلہ سرفراز کیا گیا۔ اس کے بعد ابو جعفر محمد بن قاسم بن عبداللہ، ابوالعباس احمد بن عبیداللہ خصیبی یکے بعد دیگرے وزیر ہوئے [۱]

حجابت حاجب علی ابن بلیق بدر خرشی اور فارس بن زنداق محمد بن یاقوت اور سلاسہ موتمن بہ اضی سنجح یکے بعد دیگرے مقرر ہوئے۔

قضاۃ قضاۃ پر عمر بن محمد بن یوسف بن یعقوب ممتاز ہوا۔

سخت گیری قاہر سریر آرائے خلافت ہونے کے بعد مقتدر کے ہم نشینوں کے ساتھ سخت گیری کا برتاؤ کرنے لگا۔ حتیٰ کہ ان کا مال و اسباب ضبطی میں لاکر فروخت کرا دیا اور مقتدر کی ماں جو مرض استسقاء میں مُبتلا تھی اور بیٹے کے رنج و غم میں زندگی کے دن گذار رہی تھی۔ اس کی سخت بے حُرمتی کی اور اس نے کارِ خیر میں جو وقف کئے تھے اُن کو منسوخ محکمۂ قضاۃ کے سامنے کیا۔ قاہر کے جو رفیق، مونس، بلیق علی بن بلیق، ابو علی بن مقلہ ہر ایک سے چشمک گئی۔ یہ تو قاہر کی فکر میں لگے اور یہ اُن کے قتل کے درپے ہُوا۔

ان واقعات سے مقتدر کا لڑکا عبدالواحد مدائن چلتا ہُوا اور عمال سوس اور اہواز کو اُن کی جگہ سے ہٹا کر خود یہاں کا خراج وصول کیا۔ امیر ہارون بن غریب نے تین لاکھ نذر کرکے قاہر سے میل کر لیا اور اس کو ماء الکوفہ، ماسبندان اور مہرجانقذق کا حاکم بنا دیا اور شہزادہ عبدالواحد کے مقابلہ کے لئے امیر بلیق بھیجا گیا تو وہ تاب مقابلہ نہ لاسکا تو اس نے مونس کی معرفت خلیفہ سے قصور معاف کرا لیا۔ خلیفہ اس سے رضامند ہو گئے اور انہوں نے اس کی ضبط شدہ جائداد اور اس کی ماں کی دولت اُس کو واپس کر دی۔

---

[۱] التنبیہ والاشراف صفحہ ۲۸۲۔

خلیفہ اور امراء کی باہمی کشمکش امیر بن یعقوب میں اور ابن مقلہ میں پرانی مخالفت اور خصومت تھی۔ امیر یعقوب نے خلیفہ کو اپنا ہم خیال بنا لیا تو ابن مقلہ اور امیر مونس اور امیر بلیق نے باہم متفق ہو کر یہ طے کر لیا کہ قاہر کو تختِ خلافت سے اُتار دیا جائے۔ خلیفہ کو ان کے مشورہ کی خبر لگ گئی تو اُس نے بلیق اور امیر علی اور مُونس کو بلا کر اپنے غلاموں کے ہاتھوں ٹھکانے لگوا دیا۔ ابن مقلہ روپوش ہو گیا جس سے اس کی جان بچی اور وزارت کی جگہ خالی ہوئی تو ابو جعفر محمد بن قاسم کو وزیر بنایا اور امیر احمد بن مکتفی کو یہ امراء تختِ خلافت پر بٹھانا چاہتے تھے۔ اس کو گرفتار کر کے دیوار میں چنوا دیا۔ ابو اسحاق نوبختی جس نے قاہر کو تخت نشین کرا دیا تھا اس کو گرفتار کر کے قید میں ڈال دیا اور قتل کرا دیا۔ اس کی ان حرکتوں سے اراکینِ سلطنت اور امرائے دولت میں اس کی طرف سے بے حد بے دلی پیدا ہو گئی۔ ابن مقلہ نے بحالتِ روپوشی فوج کے افسران سے جوڑ توڑ کر کے ساجیہ اور حجریہ فوج کو ملا لیا اور چہار شنبہ ۵ جمادی الاول ۳۲۲ھ میں دونوں فوجوں نے قصر کو گھیر لیا۔ قاہر مے نوشی میں مشغول تھا اسے فوج کی آمد کا علم ہوا تو وہ باہر نکل آیا۔ فوجیوں نے گھیر کر گرفتار کر لیا اور آنکھوں میں تیل کی سلائیاں پھیر دیں اور قید میں ڈال دیا۔

انتقال چھ سال زندہ رہ کر ۳۵ سال کی عمر میں ۳۳۸ھ میں قاہر انتقال کر گیا۔ صرف ایک سال سات ماہ حکمران رہا۔

وزیر ابن مقلہ ابو علی محمد بن علی بن مقلہ، یہ بڑا فاضل اور اپنے عہد کا بڑا باکمال خطاط تھا۔ اس کے زمانہ میں اس فن میں کوئی اس کا مقابل نہ تھا۔ اس نے خط کوفی میں ترمیم کر کے ایک نیا خط ایجاد کیا جس کو خطِ نسخ کہتے ہیں۔

---

[1] التنبیہ والاشراف صفحہ ۲۸۳۔

ابن مقلہ کسی دفتر میں معمولی کلرک تھا۔ پھر ابن فرات کے دامن سے وابستہ ہو گیا۔ پہلے مقتدر اور پھر قاہر کا وزیر رہا۔ راضی کے زمانے میں اس کو بہت عروج حاصل ہوا۔

قاہر کا حلیہ رنگ گورا جس پر سرخی چھائی ہوئی تھی۔ قد میانہ، خوش اندام آنکھیں خوب صورت گھنی ڈاڑھی، زبان میں لکنت تھی [۱]

اوصافِ قاہر قاہر بڑا بہادر اور دبدبہ وشکوہ کا خلیفہ تھا لیکن مزاج میں تلون تھا۔ مسعودی کا بیان ہے :۔

"قاہر کے تلون اور غیر مستقل مزاجی کی وجہ سے اس کی سیرت کا صحیح اندازہ نہیں کیا جا سکتا۔ وہ جری، بہادر اور سخت گیر تھا۔ چند دنوں کے اندر اس نے مونس، بلیق اور علی جیسے عمائد سلطنت کا خاتمہ کرا دیا اور لوگوں کے دلوں میں اس کی ہیبت بیٹھ گئی۔ اس کی سخت گیری نے خلفاء کے مقابلہ میں امراء کی گستاخانہ جسارت ختم کر دی۔ مگر چونکہ اس کے کسی کام میں ثبات و استقلال نہ تھا اور وہ لوگوں کو دھمکاتا رہتا تھا اس لئے انجام اچھا نہ ہوا۔" [۲]

علامہ مسعودی کا بیان ہے :۔

"قاہر قتل وخوں ریزی میں جلد باز اور نہایت تند مزاج تھا۔ اس کے عہد میں آمدنی کم تھی تاہم مال اندوختہ کرنے میں حریص تھا۔ اسکی توجہ لوگوں کی تادیب و تربیت میں بہت کم صرف ہوتی تھی۔ معاملات کے انجام سے بے فکر اور نہایت متلون مزاج تھا مخبوط الحواس تھا۔ آبا و اجداد کے نقشِ قدم پر چلنا چاہتا تھا مگر سوءِ تدبیر اور ناقص سیاست کے سبب عاجز رہتا تھا۔" [۳]

---

[۱] التنبیہ والاشراف صد ۲۸۳ [۲] مروج الذہب جلد ۲ صد ۲۸۶ [۳] التنبیہ والاشراف صفحہ ۲۸۳۔

چند اصلاحات قاہر نے چند روزہ سلطنت میں کچھ مذہبی اصلاحات بھی کیں۔ ناچنے والی عورتوں اور پیشہ وروں اور شراب نوشی کو قانوناً بند کر دیا تھا۔ گویوں اور ہیجڑوں کو خارج البلد کر دیا تھا۔ موسیقی اور لہو و لعب کے تمام لوازمات ضائع کرا دیئے۔ مغنیہ کنیزوں کو فروخت کر دیا مگر خود مے نوشی میں مدہوش رہتا تھا[1]

شبستانِ عیش ایک طرف تو اہلِ ملک کے لئے بندشیں تھیں دوسری طرف خود اپنے لئے شبستانِ عیش میں ساقی گری کے لئے قدو قامت کی حسین و جمیل لونڈیوں کا پرا کا پرا تھا جو زرق برق مردانہ لباسوں میں ملبوس رہتی تھیں[2]

باغ و محل قاہر کو باغات سے دلچسپی تھی اس نے ایک بڑا وسیع باغ لگوایا تھا اور اس میں ایک عالی شان محل تعمیر کرایا۔ باغ کی زینت اور محل کی آرائش کے لئے مختلف ملکوں سے درخت اور سامانِ آرائش منگوائے تھے[3] یہاں قاہر رنگ رلیاں منایا کرتا تھا۔

علماء قاہر کے عہد میں طحاوی شیخ الحنیفہ ابن درید، ابو ہاشم بن جبائی سے علمائے کرام نے انتقال کیا۔

سلاطین دیالمہ یا بویہ

سلاطین دیالمہ کو مؤرخ بہرام گور کی نسل سے بتاتے ہیں اور بعض لکھتے ہیں کہ یہ لوگ یزدجرد بن شہریار آخر ملوک عجم کی نسل سے تھے دیالمہ جمع ہے دیلم کی۔ دیلم مقام کا نام ہے۔ اس کو جیلان بھی کہتے ہیں جس کا ساکن نشین ادوبار تھا جو بحر

---

[1] تاریخ الخلفاء صفحہ ۳۹۶ [2] مروج الذہب صفحہ ۳۹۶ [3] تاریخ الخلفاء صفحہ ۳۹۷۔

خزر کے جنوبی غربی ساحل پر واقع تھا۔ ایک زمانہ میں دیوان کا صوبہ بنا۔ پہلے یہاں بت پرست تھے۔ اطروش کی تبلیغ کی وجہ سے بلاد دیلم میں اسلام پھیلا۔ اطروش کے واقعات تحریر ہو چکے ہیں۔

ابو شجاع بویہ ایک معمولی حیثیت کا آدمی تھا جس کے تین بیٹے علی، حسن، احمد تھے۔ بڑھتے بڑھتے شاہی درجہ تک پہنچے تھے اور خلفائے بغداد کی طرف سے عماد الدولہ، رکن الدولہ اور معز الدولہ کے لقب سے ملقب ہوئے۔ فارس اور کرمان کی زبردست سلطنت اُن کے اور اُن کی نسل کے ہاتھ میں عرصہ تک رہی۔ خلفائے بغداد اُن کے عروج کے پہلے کچھ دنوں سے اتراکین ترک کے ہاتھ میں تھے۔ اب اُن سے نکل کر اُن کے ہاتھ میں آ گئے۔ یہ لوگ خلفائے عباسیہ کے احترام کرتے تھے لیکن محض مصلحتِ ملکی پر نظر ڈال کر خلفاء بھی ان کی مدد سے کسی طرح بے نیاز نہ تھے۔ خلیفہ مقتدر کے زمانہ (سنہ ۳۲۰ھ) میں اس خاندان کی ابتدا ہوئی۔ محمود غزنوی کے عہد میں زوال شروع ہوا اور پھر سلجوقیوں کے عہد میں ابو المنصور پر اس کا خاتمہ ہو گیا۔

اس خاندان میں چھ بادشاہ ہوئے جن کی مختصر کیفیت ذیل میں درج کی جاتی ہے۔ ورنہ بہت کچھ حالات خلفائے عباسیہ کے حالات میں درج کئے ہیں۔ ان لوگوں کا کوئی مستقل پایۂ تخت نہ تھا۔ مختلف مقامات پر یہ لوگ رہتے تھے اور کبھی ایسا بھی ہوا کہ ایک ہی وقت میں اس خاندان کے دو تین اشخاص کی جُدا جُدا خود مختار حکومتیں قائم رہیں۔

لیکن ایک مستقل سلسلہ انہی لوگوں کا ہے جو خلفائے بغداد پر حاوی تھے۔ اور دوسرے وہ سلاطین ہیں جو بغداد سے الگ اصفہان، کرمان اور فارس میں رہے۔ ان دونوں گروہ کا بیان یکجا کیا جاتا ہے۔ ناظرین پڑھتے وقت اس کا لحاظ رکھیں تاکہ غلط مبحث سے غلط فہمی نہ ہو۔

عماد الدولہ (سنہ ۳۳۸ھ) — خلیفہ مقتدر کے گورنر یاقوت کو شکست دے کر اس نے چارہ ہدی کی ابتداء میں فارس پر قبضہ کر لیا۔

اور اپنے بھائی رکن الدولہ کو بھیج کر عراق فتح کیا اور معزالدولہ کو کرمان بھیجا جو کرمان فتح کر کے بغداد پر بھی مستولی ہو گیا جیسا کہ تفصیلی ذکر آچکا ہے (تجارب الامم جلد ۶ ص ۱۱۷)

رکن الدولہ (۳۱۶ھ) متوفی ۳۶۵ھ۔ اس کی حکومت کا زمانہ بہت کم تھا۔ عماد الدولہ تو اس کے بیٹے عضدالدولہ کو اپنا ولی عہد کر گیا تھا لیکن معلوم نہیں کہ کیونکر یہ تخت نشین ہو گیا۔ ظاہر الرطے کے نے باپ سے لڑنا پسند نہیں کیا۔ مرتے دم اس نے کرمان، اہواز، فارس، عضدالدولہ کو دیا۔ ہمدان، رے اور طبرستان کی حکومت اس نے اپنے دوسرے بیٹے فخرالدولہ کو اور اصفہان کی حکومت اپنے تیسرے بیٹے موئدالدولہ کو دے کر ان دونوں کو تاکید کی کہ وہ عضدالدولہ کے مطیع رہیں۔ (ابن اثیر جلد ۶ ص ۲۲۱)

معزالدولہ (۳۳۲ھ) معزالدولہ کو جب اس کے بھائی عماد الدولہ نے فتح کرمان کے لئے بھیجا تو اس نے کرمان فتح کیا۔ اس کے بعد بغداد کے حاکم سے اہواز چھین لیا۔ بغداد پر بھی تین مرتبہ حملہ کرنے کے بعد اس نے قبضہ کر لیا۔ خلیفہ کا امیرالامراء توزن جب تک زندہ رہا معزالدولہ کو کامیابی نہ ہوئی۔ اس کے مرنے پر ابن شیرزاد اس کا قائم مقام تاب مقابلہ نہ لا سکا۔ خلیفہ مکتفی کی مجلس میں آکر اس نے خلیفہ کے ہاتھ پر بیعت کی اور اپنے اور اپنے دونوں بھائیوں کے لئے معزالدولہ، رکن الدولہ، عماد الدولہ، کے خطاب حاصل کئے[۱] (تجارب الامم جلد ۶ ص ۸۵)

لیکن بیعت اور خطاب کی عجیب نوعیت تھی کہ بظاہر اس کی کچھ ضرورت

---

[۱] پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ہی سے بنو ہاشم کو غیر قبیلہ میں خلافت کا جانا کسی قدر ناگوار ہوا لیکن اس میں شبہ نہیں کہ دونوں خلفاء حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کے حسن انتظام نے عام طور پر اس خیال کو کھو دیا۔ حضرت عثمانؓ کے وقت کے جھگڑوں نے مضمون کو پھر تازہ کر دیا لیکن نہ اس طور کہ یہ کوئی مذہبی رکن قرار پائے۔ امیر معاویہؓ کے ساتھی شیعان علیؓ کو اور شیعان علیؓ کے ساتھی امیر معاویہؓ کو اعلانیہ اور بالالتزام برا کہتے تھے۔ لیکن یہ ایک پولیٹیکل

(باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

نہ تھی۔لیکن اس کے حاصل کرنے کو محمود ایسے سلطان نے بھی اپنا فخر سمجھا تو سلاطین دیالمہ

(بقیہ حاشیہ صد سے آگے) بحث تھی مذہبی بات نہ تھی۔ خلفائے عباسیہ نے شروع شروع بنو امیہ کی بہت کچھ توہین اور اُن پر ظلم کئے لیکن محض پولٹیکل خیال سے علویوں سے ان کا برتاؤ اچھا بھی رہا جب جیب موقع ہُوا ویسا کیا گیا سُنیوں اور شیعوں کی جیسی تفریق اب ہے تین صدی تک نہ تھی۔اس کی ابتدا خاندانِ دیالمہ سے پڑی۔ چنانچہ اخیر حکمران معزالدولہ نے تمام مساجد بغداد کے دروازوں پر حکم دیا کہ امیر معاویہ کے نام و دیگر صحابہ پر تبرا لکھا جائے۔اس سے شہر میں بڑا شور و غل پیدا ہُوا معزالدولہ سے خلیفہ دبتا تھا اور معزالدولہ کو اپنے فعل پر اصرار تھا۔بہرحال وزیر محمد بن مہدی کی حکمت عملی سے سوائے امیر معاویہؓ کے اور سب عبارت نکال دی گئی۔مجملاً لکھ دیا گیا کہ "معاویہ اور آلِ رسول پر ظلم کرنے والے قابلِ بیزاری ہیں"۔ یہ تو ظاہر ہے کہ بادشاہوں کا کوئی مذہب نہیں ہوتا۔پولٹیکل مصلحت۔بس عموماً یہی مذہبِ سلاطین ہے اس میں شک نہیں کہ آلِ رسول میں ایک توفیقِ رسول کا اثر نسلاً بعد نسلاً عرصہ تک قائم رہا۔دوسرے اُن کا مظلوم رہنا اور سلطنت کے لہو و لعب سے دور رہنا اور بھی کام دے گیا۔اپنے اخلاق کی وجہ سے مسلمانوں کی نظروں میں اولاد علی کرم اللہ وجہہ نے بڑی وقعت پیدا کی۔دینی امور میں بس یہی لوگ نمونہ رہ گئے۔پیغمبرِ خدا کے بعد مسلمانوں میں جو وقعت حسنین کی تھی اس سے کہیں زیادہ وقعت عام مسلمانوں کی نظر میں اولادِ حسنین سے دو صدیوں کے بعد پیدا کی۔چنانچہ بنو عباس پر تفوق حاصل کرنے کی یہ حکمت سوجھی کہ آلِ علی کا اپنے کا شیدا ظاہر کیا۔

کسی کی ذاتی عقیدت سے یہاں بحث کرنا مقصد نہیں ہے۔محض اس قدر ظاہر کیا جاتا ہے کہ خلافت کے جھگڑے کو جزوِ ایمان قرار دینا اور اہلِ تشیع کے مذہب کو اہلِ سنت والجماعت سے الگ کر کے دکھانا، یعنی مذہبِ اسلام کو یوں دو مستقل حصوں میں تفریق کرنا اس بدعت کا بانی معزالدولہ ہُوا اور اسی خیال کے مؤید اکثر سلاطین دیالمہ تھے ورنہ اس کے پہلے یہ باتیں مسائل جزیہ کی طرح سے مافی الذہن رہتی تھیں، اپنے مخالف خیال والے کو کوئی مذہبی طور پر جدا نہیں سمجھتا تھا۔بعد دیالمہ کے فارس کے صفوی خاندان نے بھی اس جزوی مسئلہ کو خوب رونق دی اور رفتہ رفتہ سُنیوں اور شیعوں میں تفرقہ پیدا ہو گیا جو مسلمانوں کی تباہی کا سبب بنا۔

بمقابلہ اس کے کس شمار میں تھے، بصرہ پر بھی قابض ہو گیا۔ اس کا قیام بغداد میں بطور سپہ سالار خلیفہ کے تھا۔

عضد الدولہ بن رکن الدولہ ۳۲۵ھ، متوفی ۳۷۲ھ

یہ اپنے چچا کی جگہ فارس اور کرمان کا بادشاہ ہوا۔ اس نے نجف میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی تربت بنا کر ایک عالی شان عمارت اس پر قائم کی اور اس کو زیارت گاہ قرار دیا۔ باوجودیکہ فرضی مزار ہے ورنہ حضرت علیؓ بقول ابن تیمیہ قصر امارت کوفہ میں دفن کئے گئے۔ اس نے جوڑ بند سے قیصر روم سے اپنے لئے ہدیہ اور تحفے منگوائے اور اس طرح اپنے کو عام نظروں میں معزز ثابت کیا۔ یہ بڑا زبردست بادشاہ گزرا ہے۔ شہر بغداد کی اس نے بہت کچھ قدر اور منزلت بڑھائی۔ بغداد اور مکہ میں راہ میں جتنے کنوئیں اور نہریں خراب ہو گئی تھیں سب کو اس نے درست کرایا۔ مکہ، مدینہ، نجف اور کربلا میں اس نے غرباء کے لئے روپے بھیجے اور شکستہ گرجاؤں اور خانقاہوں کی مرمت بھی کرائی۔ اس کا وزیر نصر بن ہارون نصرانی تھا۔ چونتیس برس تک اس نے سلطنت کی۔ یہ اس خاندان کا سب سے بڑا حکمران تھا۔ اس کے عہد میں بغداد کی حکومت ہارون الرشید کی حکومت کے برابر وسیع ہو گئی۔ اس نے خلیفہ الطائع کی لڑکی سے شادی کی اور اپنی لڑکی اس کے عقد میں دی تاکہ اس سے جو اولاد ہو وہ خلیفہ بن سکے۔ اس نے رفاہِ عامہ کے کام کئے۔ اس نے بغداد میں ایک لاکھ دینار کے وقف کے ساتھ بیمارستان العضدی تیار کرایا۔ عضد کا پایۂ تخت شیراز تھا۔ لیکن بغداد اور دوسرے شہروں پر بے حد روپیہ صرف کیا۔

مؤید الدولہ بن رکن الدولہ ۳۷۲ھ

اپنے بھائی عضد الدولہ کے وقت میں یہ اصفہان کا حاکم تھا اور عضد الدولہ کا مطیع تھا۔ عضد الدولہ کے مرنے کے تھوڑے ہی دنوں کے بعد یہ بھی مر گیا۔ اس نے صرف اپنے بھائی فخر الدولہ سے جنگ کی تھی۔ اس لئے کہ وہ عضد الدولہ

سے سرتابی کر کے خراسان چلا گیا تھا اور وہاں سے سامانیوں کی مدد سے مؤید الدولہ کے مقابلہ کو آیا تھا جیسا کہ نوح بن سامانی کے حال میں لکھا گیا ہے۔ اس کی حکومت کا زمانہ تو بہت پہلے سے شروع ہوا۔ لیکن بادشاہت ۳۷۲ھ میں ہوئی کہ یہی عضد الدولہ کی وفات کا زمانہ ہے۔

فخر الدولہ بن رکن الدولہ ۳۷۳ھ متوفی ۳۸۵ھ

دونوں بھائیوں کے مرنے پر امرائے دولت نے اس کو خراسان سے (جہاں یہ بھائیوں کے خوف سے جا چھپا تھا) بلا کر تخت پر بٹھایا۔ اس کے لئے صمصام الدولہ نے خلیفہ بغداد سے خلعت بھجوائی اور اسی طرح ایک مدت کے بعد ملک موروثی پر آسانی سے قابض ہو گیا۔ یہ ذی علم تھا۔ اس کے عہد میں علمی ترقی بہت ہوئی۔ اس کا وزیر ابن عبادہ تھا جو علم وفضل میں یگانہ روزگار۔ امیر بخارا نے درپردہ اپنی وزارت کے لئے طلب کیا۔ ابن عبادہ نے نہ آسکنے کے لئے دو عذر لکھے۔ اس میں یہ بھی تھا کہ صرف میری کتابوں کے اٹھانے کے لئے چار سو اونٹوں کی ضرورت ہوتی ہے۔ وزیر ممدوح کے ہمراہ سفر میں صرف ادب کی کتابوں کے تیس اونٹ رہتے تھے [1]

صمصام الدولہ

علاء الدولہ کے مرنے پر صمصام الدولہ بغداد کا امیر الامراء بنا۔ اس کو اُتار کر شرف الدولہ نے اپنے کو امیر الامراء بنایا اور چھ برس کے بعد اپنی موت مر گیا۔

بہاء الدولہ بن عضد الدولہ (۳۷۸ھ)

شرف الدولہ کے مرنے پر یہ امیر بغداد ہوا۔ ۴۰۳ھ میں یہ مرا اور اس کا تابوت مشہد امام علیہ السلام میں بھیجا گیا۔

(ذیل تجارب الامم صفحہ ۱۶۷)

---

[1] ابن خلکان جلد ا صفحہ ۷۶، ۲۳۴۔

مجدالدولہ بن فخرالدولہ (۳۸۷ھ) فخرالدولہ کے بعد اس کا نابالغ بیٹا مجدالدولہ تخت پر بیٹھا۔ لیکن انتظامِ سلطنت اس کی (مجدالدولہ کی) والدہ کرتی تھی اور اپنی زندگی تک سلطنت دیلمی کی رونق اس نے قائم رکھی۔ سلطان محمود غزنوی نے اس پر چڑھائی کرنی چاہی تھی اُس نے کہلا بھیجا کہ بیوہ پر فتح یابی سے محمود کا کیا نام ہوگا اور کہیں شکست ہوئی تو ذلت بڑی ہوگی۔ محمود نے پھر اس کی زندگی میں ادھر توجہ نہ کی۔ لیکن اس کے مرتے ہی محمود نے اس پر چڑھائی کر کے اور مجدالدولہ کو گرفتار کر کے غزنی بھیج دیا اور خلیفہ قادر باللہ کو لکھا کہ مجدالدولہ کا چلن شرع محمدی کے خلاف تھا اس لئے مَیں نے ایسا کیا۔

سلطان الدولہ بن بہاء الدولہ (۴۰۳ھ) اپنے باپ کے بعد یہ فارس اور بغداد میں حکمران ہُوا۔ اس کے ملک کو زیادہ تر محمود غزنوی نے کمزور کیا اور کچھ خانہ جنگیوں نے خراب کیا۔

شرف الدولہ بن بہاء الدولہ (۴۱۱ھ) ۴۱۱ھ میں شرف الدولہ کا نام بغداد کے خطبہ میں داخل ہُوا اور سلطان الدولہ کا نام متروک ہوا۔ شرف الدولہ علمی مذاق کا حکمران تھا۔ ابراہیم بن بلال اس کا ندیم تھا۔ (تجارب الامم جلد ۶ صفحہ ۱۰۱)

ابو کالیجار بن سلطان الدولہ محمود کا اور بغداد پر ترکوں کے حملے دیالمہ کی باہم لڑائیاں۔ اس پر طرّہ یہ کہ تین بادشاہ کالیجار و جلال الدین و قوام الدولہ باہم جھگڑنے میں مصروف ہُوئے۔ ملک میں بدامنی تھی۔ سلطنت دیالمہ کے ضعف کے ساتھ خلافت کو بھی ضعف تھا۔ پہلے سلاطین دیالمہ سے ملک کو فوجی تقویت تھی اور خلفاء سے درباری عزت تھی۔ ترکوں نے پھر زور پکڑا اور بجائے ملوک غزنی کے سلجوقیوں کا زور شروع ہُوا جس کا اثر بغداد تک پہنچا۔

خسرو بن فیروز بن کالنجار اس بادشاہ کا لقب ملک رحیم تھا اس کے وقت میں دیالمہ نے چاہا کہ متفقہ طاقت سے وہ اپنے کو سنبھال لیں لیکن سنبھال نہ سکے۔ خلیفہ نے بھی ان کی عزت کم کر دی۔ خلیفہ نے حکم دیا کہ ملک رحیم سے پہلے طغرل بیگ کا نام خطبہ میں پڑھا جائے۔

طغرل بیگ خلیفہ کی اجازت سے حج کو چلا۔ راہ میں وہ خلیفہ سے ملنے کو ٹھہرا۔ دیالمہ اپنی غلط فہمی سے طغرل بیگ کے ساتھی ترکوں سے لڑ پڑے اور مغلوب ہوئے۔ تمام شہر میں لوٹ مار ہوئی۔ خسرو کو طغرل قید کر کے لے گیا۔ لیکن ابومنصور بن ابوکالنجار کو ایک موقع مل گیا کہ وہ کچھ دنوں کے لئے فارس کا بادشاہ ہو گیا۔ اور پھر اپنے سپہ سالار فضل بن حسن کے ہاتھ سے جس کی نسل کو مورخ فضلویہ کہتے ہیں ۴۴۸ھ میں مارا گیا اور اس کے ساتھ دیالمہ کا خاتمہ ہو گیا۔ فضلویہ کو بھی تھوڑے ہی دنوں میں ملک قادر سلجوقی نے بھگا کر اپنا سکہ اور خطبہ جاری کیا۔[1]

علمی ترقی خاندان دیالمہ علمی ذوق و شوق میں کسی دوسرے فرمانروا سے کم نہ تھا۔ عضدالدولہ کے وقت میں خزانہ دار فلسفی و مورخ ابوعلی ابن مسکویہ متوفی ۴۵۶ھ تھا جس کی کتابیں تہذیب الاخلاق اور فوز الاصفر، تجارب الامم، علمی دنیا میں بلند پایہ سمجھی گئیں۔

عضدالدولہ کے نام علی الفارسی نے اپنی کتاب الایضاح معنون کی متنبی عرب کے مشہور شاعر اس کا مدح خواں تھا۔ اس کی تعریف میں اس کے معرکہ کے قصیدے لکھے ہیں۔ عضد نے پہلے پہل اپنے کو شہنشاہ کہلایا۔ عضد خلیفہ مامون کی تقلید کرتا تھا۔ علماء کو مالا مال کر دیا۔ شعراء کو بڑے بڑے انعام دیئے۔ مدرسہ[2] بغداد بنایا۔

---

[1] کتاب التاج لابن بلال و ناسخ التواریخ۔ آثار الباقیہ و ابن اثیر و ابن خلدون۔ تجارب الامم۔ ابن مسکویہ جلد ۶

[2] تاریخ عرب موسیو سیدیو صفحہ ۲۱۲ ۔

عضد کا بیٹا شرف الدولہ اپنے باپ کے قدم بقدم چل کر علمی کارناموں کو فروغ دیتا رہا۔ مدرسہ بغداد کو باپ سے زیادہ ترقی دی۔ ابن اعلم عبدالرحمٰن الصوفی الوفا فلکی اس کے ندیم تھے۔ اس نے بغداد میں ایک رصدگاہ قائم کی۔ اس کے لڑکے بہاء الدولہ نے خلیفہ الطائع کے عہد میں بغداد میں دس ہزار کتابوں کا ایک کتب خانہ قائم کیا۔ المقری نے اس کتب خانہ سے بہت استفادہ کر کے علمی دنیا میں شہرت پائی۔ انہیں بویہ سلاطین ہی کے زمانے میں اخوان الصفاء کی جماعت قائم ہوئی۔ جس نے علمی رسائل مرتب کر کے اور شہر مرجان میں عظیم الشان شفاخانہ بنوایا[1] ان کے کارناموں پر مستقل تاریخیں ہیں۔

علمائے دربار سلاطین دیالمہ ابراہیم بن ہلال ابن ابراہیم بن زرول الصابی کنیت ابواسحاق ہے۔ اس کی اصل حران کی ہے۔ ۱۵ رمضان ۳۱۳ھ میں پیدا ہوا اور بغداد میں علمائے عصر سے اکتساب علم کیا۔ علم ادب میں ماہر اور صناعت نظم و نثر میں بڑا بالغ نظر تھا۔ اس کے ساتھ علوم ریاضی میں دستگاہ کامل تھی۔ بالخصوص علم ہیئت و ہندسہ میں ید طولیٰ حاصل تھا۔ شرف الدولہ بن عضد الدولہ دیلمی نے بغداد میں زیر نگرانی یحییٰ بن رستم کو ہی رصد بنانی چاہی۔ اس زمانہ میں ابراہیم دربار شریف الدولہ میں پہنچے۔ بادشاہ نے ہاتھوں ہاتھ لیا۔ قدر و منزلت بھی بڑی ہوئی۔ رصد کے سلسلہ میں ان کا مشورہ لیا۔ مگر حاسدوں نے چین لینے نہ دیا۔ کچھ عرصہ قید میں رہے۔ ۱۲ شوال ۳۸۴ھ میں انتقال ہوا۔ کتاب "التاجی آل بویہ" یادگار ہے ہے[2]

ابو محمود حامد بن الخضر الخجندی کبار فلکیین سے تھا۔ اس کا تعلق فخر الدولہ دیلمی کے دربار سے رہا۔ اس نے ایک آلہ رسد موسوم بہ سدس الفخری ایجاد کی۔ اس آلہ کی مدد سے آمیال و عروض البلاد کی ترصید کی جاتی تھی۔ ۳۸۲ھ میں اس کا انتقال ہوا۔

---

[1] تاریخ عرب موسیو سیدیو صد ۲۱۲ [2] فلاسفہ اسلام از انتظام اللہ شہابی۔

ابو سہل ویجان بن رستم الکوہی، علم ہیئت کا ماہر، متبحر، شرف الدولہ کے دربار کا رکن تھا۔ اس نے ہی رصد گاہ قائم کی تھی جس کا ذکر پہلے آچکا ہے۔

ابو الحسن کوشیار ابن کنان الجیلی۔ اس نے ایک نہایت عمدہ رصد خانہ تیار کیا تھا۔ ۳۵۹ھ میں اُس نے کثیر فلکی مشاہدات کئے۔ اس کی ازیج الجامع والسامع مشہور ہے۔

ابو القاسم محمد بن محمد النور جانی الصفاتی علمائے ہیئت میں مشہور شخص ہے۔ علم مثلث اور ہیئت میں مفید اضافے کئے۔ کتاب ما یحتاج اللہ الکتنا والعمال من الحساب تصنیف سے ہے۔ ۳۸۳ھ میں انتقال ہوا[1]

شریف بن الاعلم عبدالرحمٰن صوفی کا معاصر تھا۔ فن ہیئت میں اس کا جدول مشہور ہے عضد الدولہ کو اس کی شاگردی پر فخر تھا۔ ۳۷۵ھ میں فوت ہوا۔

ابو الحسین عبدالرحمٰن الصوفی الرازی اکابر ماہرین ہیئت کتاب الکواکب الثابتہ۔ مدخل فی الاحکام، رسالہ فی الاصطرلاب اس کی تصنیف میں سے ہیں۔ ۴۱۱ھ میں فوت ہوا[2]

وزیر ابو القاسم اسماعیل بن عباد

فخر الدولہ کا وزیر سلطنت تھا بلحاظ علم وفضل یکتا تھا۔ سیاست، ملک داری میں اپنا آپ نظیر تھا۔ مختلف علوم وفنون میں مہارتِ تامہ رکھتا تھا۔ تصنیف وتالیف میں بھی اس کو دستگاہ کامل تھی جو رسائل اس نے لکھی تھے وہ بہت مشہور اور مدوّن ہیں۔ اس کے کتب خانہ میں اسقدر کتابیں تھیں کہ کسی نے اس قدر جمع نہ کی ہوں گی۔ کہا جاتا ہے کہ اس کا کتب خانہ چار سو اونٹوں پر بار کیا جاتا تھا۔ ابو القاسم نے ۳۸۵ھ میں بمقام "رے" انتقال کیا[3]

۴

[1] ابن اثیر (البیرونی) صفحہ ۱۰-۱۹ [2] ابن خلدون جلد سیزدہم صفحہ ۱۶۸ -

خلیفہ راضی باللہ

نام ونسب ابوالعباس احمد مقتدر بن معتضد بن طلحہ بن متوکل ظلوم نامی رومی کنیز کے شکم سے ۲۹۷ھ میں پیدا ہوا۔

تعلیم وتربیت مقتدر نے علمائے عصر سے تعلیم دلوائی۔ علامہ بغوی سے احمد نے حدیث کی سماعت کی۔ ادب اور شاعری سے دلی لگاؤ تھا۔ علامہ سیوطی لکھتے ہیں :-

راضی عقیل، سخی، ادیب، شاعر، فصیح آدمی تھا۔ علماء کی خدمت کیا کرتا اور اچھے شعر کہتا۔ [1]

خلافت قاہر کی گرفتاری کے بعد احمد بن مقتدر اپنی ماں کے ساتھ مقید تھا۔ امرائے سلطنت نے اسے آزاد کر کے روز پنج شنبہ ۶ رجمادی الاول ۳۲۲ھ میں اس سے بیعت لی۔ راضی باللہ کے لقب سے ملقب ہوا۔

حاجب محمد بن یاقوت رہا۔

وزارت راضی علمی ذوق کا فرد تھا۔ وزارت کے لئے ابن مقلہ پر نظر پڑی اس کو ہی منصب وزارت پر سرفراز کیا۔ عنانِ وزارت ہاتھ میں لیتے ہی اپنے دشمنوں سے نیک سلوک سے پیش آیا۔ مگر امیر محمد بن یاقوت اس سے کھٹکتا ہی رہا۔

راضی کے آغاز عہد میں تمام امور وزیر بن مقلہ اور مذکور الذکر ابن یاقوت کے اختیار میں تھے۔

---

[1] تاریخ الخلفاء صفحہ ۲۰۹،۲۰۰ [2] تبلیغیہ الاشراف صفحہ ۲۸۲ ۔

حنابلہ حنابلہ، امام احمد بن حنبل کی طرف منسوب ہیں۔ راضی کے عہد میں اُنھوں نے معاصی کا چاروں طرف چرچا دیکھا تو اصلاح کرنے کا عزم بالجزم کیا۔ افسروں اور عوام کے گھروں میں گھس کر تلاشیاں لیں۔ شراب کے قلابے توڑ دیئے۔ مغنیہ عورتوں کو سزائیں دیں۔ مزامیر کو بے کار کر دیا مگر بے حد غلو کو کام میں لائے تو اُن کے متعلق مخالف علماء نے حلول و تشبیہ کی تہمت رکھ کر حکومت سے ان کو پٹوا دیا۔ اُس میں بہت سے ظلم و تشدد کا شکار ہوئے۔

ابن مقلہ آگے چل کر ابن مقلہ معطل ہو کے رہ گیا تو خلیفہ سے لگائی بجھائی کر کے ابن یاقوت اور اس کے بھائی مظفر کو قید کرا دیا۔ مگر مظفر نے ابن مقلہ سے عہد لے کر آزاد کر دیا۔ مگر اس نے فوج کو تنخواہ کے سلسلہ میں بھڑکا دیا۔ اس نے ابن مقلہ کو گھیر لیا اور معزول کر دیا۔ علی بن عیسیٰ سے وزارت کے لئے کہا اس نے اپنے بھائی عبدالرحمٰن کی سفارش کی وہ وزیر ہو گا مگر ملک کی حالت بگڑ چکی تھی مستعفی ہو گیا۔ اس پر اُسے ستر ہزار وصول کئے اور عیسیٰ سے ایک لاکھ کا جرمانہ وصول کیا۔ منصب وزارت پر ابو جعفر کرخی سرفراز کیا گیا۔

بغاوت ہارون بن غریب ہارون بن غریب مقتدر کا ماموں زاد بھائی تھا۔ وہ قاہر کے عہد میں دینور اور ماسبذان کا حاکم تھا۔ اس نے بغداد آکر حکومت میں دخیل ہونا چاہا۔ راضی نے اس کے ارادے سے مطلع ہو کر اُس کو روکا مگر وہ ضد کر گیا اور بغداد روانہ ہو گیا۔ راضی نے حاجب محمد بن یاقوت کو اس کے مقابلہ پر بھیجا۔ ہارون نے اسے شکست دے دی۔ گھوڑا حاجب کے پیچھے ڈال دیا۔ بدقسمتی سے گھوڑے نے ٹھوکر کھائی یہ نیچے آ رہا۔ اس کے غلام یمن نے انعام کے لالچ سے اپنے آقا کا سر کاٹ لیا۔ اور حاجب کو نذر کیا [1]

---

[1] ابن اثیر جلد ۸ صفحہ ۹۱۔

عمادالدولہ کا اقتدار دولتِ عباسیہ زوال کے دور میں گزر رہی تھی خودسر اور حوصلہ مند لوگ اپنی حکمرانی قائم کرتے جا رہے تھے مگر یہ رسم البتہ باقی تھی کہ عباسی خلیفہ اُن کی حکومت کی تصدیق کر دے۔ عمادالدولہ علی بن بویہ نے شیراز پر قبضہ کرنے کے بعد ابن مقلہ سے مقبوضہ علاقوں کی حکومت کی سند کی درخواست کی اور خلافتِ بغداد کی اطاعت کے اقرار کے ساتھ ایک رقم سالانہ پیش کرنے کا وعدہ بھی کیا۔ ابن مقلہ نے وقت کے تقاضا سے منظور کر لیا اور راضی باللہ کی جانب سے خلعت اور لوائے حکومت بھجوا دی۔ اس سے اس کی عظمت بڑھ گئی۔ اس کا حریف مرداویج تھا اس کو عمادالدولہ کا اعزاز ناگوار گزرا اُس نے فوج کشی کر دی۔ عمادالدولہ نے اس کی دلجوئی کے لئے اس کا نام خطبہ میں اور اُس کی اطاعت پر صلح کر لی[1]

مگر مرداویج کچھ دن بعد اپنے ایک ترک کے ہاتھ سے قتل ہوا تو اس کا بھائی وشمگیر اس کا جانشین ہوا۔ عمادالدولہ کے لئے یہ موقعہ راس آیا۔ عراق اور خوزستان عباسی حکومت کا خالصہ تھا۔ اس پر امیر یاقوت، عمادالدولہ، مرداویج، بریدی ہر ایک کی نگاہ تھی۔ عمادالدولہ نے یاقوت پر حملہ کر کے مغلوب کر لیا اور ان علاقوں پر قبضہ جمایا۔ راضی نے یہ رنگ دیکھ کر فارس، عراق، خوزستان کے علاقہ پر بھی باقاعدہ عمادالدولہ کی سرداری منظور کر لی۔ عمادالدولہ نے شیراز کو مستقر بنایا[2]

واقعات ناصرالدولہ حمدانی راضی کی جانب سے امیر محمد حسن بن عبداللہ بن حمدان الملقب بہ ناصرالدولہ موصل و دیار ربیعہ کا والی تھا۔ اُس نے بھی اور امرائے سلطنت کی طرح ہاتھ پیر نکالے۔ اس کے چچا ابوالعلا بن حمدان نے خلیفہ راضی سے خفیہ طور سے ناصر کے مقبوضات کا ٹھیکہ لے لیا اور جب یہ موصل پہنچا ناصر کو خبر لگ گئی۔ استقبال کے بہانے سے

---

[1] ابی الفدا جلد ۲ صفحہ ۸۲ [2] ایضاً

یہاں سے نکل گیا۔ ابوالعلاء موصل پہنچا اُسے معلوم ہُوا کہ وہ میرے استقبال کے لئے دوسرے راستے سے گیا ہے۔ یہ اس کے مکان میں ٹھہرا۔ ناصرالدولہ نے واپس آکر اس کو گرفتار کر کے قتل کرادیا۔ راضی کو یہ واقعہ گراں گزرا اُس نے ابن مقلہ کو ناصرالدولہ کی گوشمالی کے لئے موصل روانہ کیا۔ ناصر نے راہِ فرار اختیار کی۔ ابن مقلہ نے موصل میں کچھ عرصہ رہ کر وہاں کا انتظام درست کیا اور چلتے وقت علی بن طباب اور ماکرو دیلمی کو اس کی حفاظت کے لئے چھوڑ گیا اور بغداد لوٹ آیا۔ ناصر ابن مقلہ کے ہٹتے ہی موصل آپہنچا۔ ان دونوں عمالِ خلیفہ کو نکال باہر کیا اور موصل پر حکمرانی کرنے لگا اور راضی سے بھی عفو تقصیر کرالیا۔

بنو فاطمی | عبیداللہ مہدی[1] نے مغرب میں حکومت قائم کرلی تھی۔ اس کے انتقال پر اس کا بیٹا ابوالقاسم محمد الملقب بالقائم بامراللہ بادشاہ ہُوا۔

---

[1] عبیداللہ مہدی کے متعلق علامہ سیوطی کی تحقیق یہ ہے کہ مہدی کا یہ دعوے کہ میں علوی ہوں بالکل لغو ہے۔ کیونکہ یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچ چکی ہے کہ مہدی کا دادا مجوسی تھا۔ چنانچہ قاضی ابوبکر باقلانی کہتے ہیں۔

"عبیداللہ الملقب مہدی مجوسی مغرب میں پہنچا اور علوی ہونے کا دعویٰ کیا لیکن علمائے نسب میں سے کسی نے اس کے دعویٰ کو نہیں مانا۔" دراصل وہ خبیث باطن تھا، شراب و زنا کو جائز کر دیا تھا۔ پچیس برس حکمرانی کی۔"[1]

---

[1] تاریخ الخلفاء صفحہ ۲۰۸۔

مصر میں دولت اخشیدیہ کا آغاز

۳۲۲ھ میں راضی باللہ نے محمد بن طغج الاخشید کو مصر کا گورنر بنایا لیکن ابن طغج صرف گورنری پر قانع نہ ہوا بلکہ اس نے مصر کو مستقل طور سے اپنے قبضہ میں لانا چاہا اور اپنی حکومت بنا لینے کی تدبیریں کرنے لگا۔ راضی میں طاقت نہ تھی لہٰذا وہ اپنے مقصد میں کامیاب ہو گیا۔ بلکہ اپنی سعی سے مصر مع شام کے اپنے قبضہ و تصرف میں لے آیا۔ راضی نے مجبوری درجہ قطع تعلق کے بجائے اخشید کا لقب اس کو عطا فرمایا۔ اس طرح سے دولت اخشیدیہ کی بناء پڑی۔

امیر الامرائی وزیر ابوجعفر نے بیت المال کو دیکھا کہ خالی پڑا ہے۔ ادھر محمد بن رائق والی بصرہ اور ابو عبداللہ بریدی والی اہواز نے خراج روک دیئے اور ابن بویہ نے صوبہ فارس پر قبضہ کر لیا۔ مطالبات کی کثرت اور بے مائیگی سے تنگ آ کر ابوجعفر روپوش ہو گیا۔ اس کی جگہ پر ابو القاسم بن سلیمان کو بلایا گیا۔ لیکن وہ بھی نظامِ حکومت کو نہ سنبھال سکا۔ خلیفہ نے مجبور ہو کر ابن رائق سے خط و کتابت کی اور بغداد میں بُلا کر خلافت کے کل صوبوں کا دفتر خراج سپرد کر کے اس کا لقب امیر الامراء رکھا۔ دفتر وزارت توڑ دیا گیا۔ کل اختیارات ابن رائق کے ہاتھ میں آ گئے۔ سارا مالیہ ابن رائق کے قبضہ میں تھا جس طرح مرضی ہوتی وہ کام میں لاتا اور خلیفہ کو بقدر گزارہ کے رقم دے دیا کرتا۔ مگر خراج کی آمد بند تھی جو کچھ آتا

لہ اخشیدی آل طولون کے موالی میں تھا۔ ۳۲۳ھ میں اپنی حکومت قائم کی جو ۳۵۸ھ تک رہی اس کی اولاد میں سے ابو القاسم انوجور بن اخشید، ابو الحسن علی بن اخشید، ابو المسک کافور مولیٰ اخشید، ابو الفوارس احمد بن علی بن اخشید کے بعد دیگر ملوک ہوئے (جلد ہفتم میں تفصیلی حالات درج ہیں) دائرۃ معارف القرآن جلد ۸ صفحہ ۱۰۳۔

تھا وہ انتظامِ سلطنت کے لئے ناکافی تھا۔ ابوالفتح جعفر بن فرات شام اور مصر کے خراج کا والی تھا۔ ابن رائق نے اس کو وزارت پر بُلا لیا۔ بغداد پر آیا تو اس پر خلیفہ کی نوازشات بہت تھیں مگر وہ برائے نام خلیفہ کا اور حقیقتاً وزیر ابن رائق کا تھا۔

خلافت اور سیاست میں فرق

اس انقلاب نے خلافت کو سیاست سے جُدا کر دیا۔ عملی طور پر خلیفہ سیاست سے قطعی بے تعلق ہو گیا۔ امیر الامراء کے ہاتھ میں عنانِ حکومت تھی۔ حتیٰ کہ خطبہ میں بھی امیر الامراء خلیفہ کا شریک بن گیا۔ خلیفہ کی شان صرف دینی رہ گئی۔

واسط پر بریدکا اقتدار

واسط میں عبداللہ بریدی حکمرانی کر رہا تھا ابن رائق خلیفہ کو لے کر واسط روانہ ہوا۔ اس نے وقت کے تقاضہ سے تین لاکھ ساٹھ ہزار دینار سالانہ تیس ہزار ماہوار کے حساب سے بارہ اقساط میں دینے کی استدعا کی۔ خلیفہ نے منظور کر کے بغداد کی مراجعت کی۔ مگر بریدی نے چند دینار بھی نہ بھیجے تو رائق نے اس کو وزارت کا لالچ دیا۔ اس نے احمد بن علی کوفی کو اپنی طرف سے بھیج دیا۔ ابن رائق نے بصرہ ہاتھوں ہاتھ لیا اور بریدی کے بھائی ابو یوسف کو بصرہ کا والی مقرر کر دیا تو بریدی نے مع فوج کے اس کو بصرہ پر قبضہ کرنے بھیجا۔ اب اہواز سے بصرہ تک بریدیوں کی حکمرانی قائم ہو گئی تو انہوں نے خودسری اختیار کی۔ رائق نے بجکم دیلمی اور بدر خرشنی کو فوج کے ساتھ بریدیوں کی سرکوبی کے لئے بھیجا۔ بجکم نے سوس پر قبضہ کیا۔ پھر تستر کی طرف متوجہ ہوا۔ ابوعبداللہ بریدی مع اپنے بھائی کے ۳ لاکھ درہم اور ساز و سامان لے کر کشتی میں سوار ہو کر فرار ہو گئے۔ راہ میں کشتی بادِ مخالف سے اُلٹ گئی۔ بمشکل ان دونوں بھائیوں کی جان بچی۔ یہ ابلہ اور وہاں سے بصرہ پہنچے۔

اعیانِ اہلِ بصرہ کو درمیان میں ڈال کر ابن رائق سے صلح کرنا چاہی مگر ابن رائق نے منظور نہ کی اور بصرہ پر بجکم نے حملہ کر دیا۔ بریدی نے اہلِ بصرہ کو ساتھ لے کر مقابلہ کیا۔ فوج رائق شکست کھا گئی۔ رائق خود فوج لے کر آیا اور بجکم کو

بھی جو اہواز پر قابض تھا بلایا۔ لیکن بریدیوں سے ہزیمت اٹھا کر واپس گیا۔ بریدی کی ہمت بڑھ گئی۔ اس نے عماد الدولہ بن بویہ (دیالمہ) کو عراق کی طمع دلا کر اپنا بنا لیا۔ اس نے بریدی کے جھانسے میں آکر اپنے بھائی معزالدولہ کے ہمراہ فوج بھیجی۔ اس نے آتے ہی اہواز پر حملہ کیا اور بجکم کو نکال باہر کیا۔ وہ واسط آ گیا۔ مگر بریدی کی چالاکی معزالدولہ پر کھل گئی تو وہ اس سے منحرف ہو گیا۔

بجکم نچلا نہ بیٹھا سوس اور جندیسا پور پر اس نے قبضہ جمایا۔ اہواز پر بریدیوں سے دو دو ہاتھ کئے۔ ان کو شکست دے کر اہواز پر بھی قبضہ کیا۔ ابن رائق کی بغداد میں قوت ختم ہو گئی۔ اس کے ساتھی اس سے کٹ گئے۔ بجکم نے بھی اس سے آنکھیں پھیر لیں اور واسطہ کا خراج بھیجنا بند کر دیا اور خفیہ طور سے ابن مقلہ کے ذریعے خلیفہ سے امیر الامرائی حاصل کرنے کی کوشش کی۔ خلیفہ نے منظور کر لیا چنانچہ بجکم بخوشدلی مع فوج کے بغداد آیا۔ ابن رائق نے مقابلہ کیا مگر شکست کھا گیا۔ ۱۳ ذی قعدہ ۳۲۶ھ میں بجکم بغداد میں داخل ہوا۔ خلیفہ نے خوش دلی سے اسے امیر الامرائی کا منصب اس کو عطا کیا[1]

ابن رائق نے ایک سال دس ماہ امیر الامرائی کے منصب پر فائز رہنے کے بعد روپوشی اختیار کی۔ ۳۲۷ھ میں ناصر الدولہ بن حمدان نے موصل کا خراج روک دیا۔ بجکم خلیفہ کو ساتھ لے کر اس طرف گیا اور اس کو مغلوب کر کے رقم وصول کر لی۔

ادھر رائق نے بغداد کو خالی پا کر بغداد کی ایک جماعت کو مطیع کر لیا۔ جب امیر بجکم اور راضی کو اس واقعہ کی اطلاع ہوئی تو انہوں نے دفع شر کے لئے اس کو خراسان، رہا، قنسرین اور عواصم وغیرہ کی گورنری عطا کر دی وہ وہاں چلا گیا۔ راضی اور بجکم بغداد لوٹ آئے۔

---

[1] ابن اثیر جلد ۸ صفحہ ۱۱۲۔

شام پر رائق کا قبضہ

رائق نے گورنری ہاتھ میں لیتے ہی ۳۲۸ھ میں بدر نائب اخشید کو شکست دے کر شام پر قبضہ کیا اور آہستہ آہستہ عریش تک اپنا دائرۂ حکومت وسیع کر لیا۔ مگر اخشید نے چند دنوں میں یہ زرخیز علاقہ لڑ بھڑ کر واپس لے لیا اور شام پر حملہ آور ہوا۔ مگر ناکام رہ کر واپس چلا گیا۔ اس معرکہ میں اخشید کا بھائی مارا گیا۔ شام پر ابن رائق کا کامل تسلط ہو گیا۔

دولتِ عباسیہ کی تقسیم

ابن رائق امیر الامراء بنایا گیا تو اس وقت خلافتِ عباسیہ کے قبضہ میں صرف بغداد اور اس کے توابعات کے سوا کچھ نہ تھا[1] تمام صوبے دوسروں کے قبضہ میں تھے۔ بصرہ پر ابن رائق قابض تھا۔ خوزستان میں ابو علی محمد ابن الیاس کا اقتدار قائم تھا۔ رے اور اصفہان رکن الدولہ ابن بویہ اور دشمگیر بن زیار کے زیرِ نگین تھا۔ موصل، دیار بکر، مضر، ربیعہ پر بنو حمدانی حکمرانی کر رہے تھے۔ مصر اور کچھ علاقہ شام پر اخشید کی فرماں روائی تھی۔ خراسان و ماوراء النہر کی حکومت پر نصر سامانی براج رہا تھا۔ طبرستان و جرجان دیلمیوں کے زیرِ نگین تھے۔ بحرین و عمان پر ابو طاہر قرمطی حکمرانی کر رہا تھا۔ اندلس اور افریقہ کے علاقے پہلے ہی سے دوسروں کے قبضہ میں چلے گئے تھے۔ بلکہ امیر عبدالرحمٰن شاہِ اندلس نے عباسی خلیفہ کا حشر دیکھ کر اپنا لقب امیر المؤمنین ناصر لدین اللہ اختیار کر لیا تھا[2]

حوادثاتِ قرامطہ

قرمطی نے راضی باللہ کے عہد میں بھی فوج کے دو دستے کوفہ اور واسط کے نواح میں روانہ کئے۔ مگر نتیجہ خیز جنگ نہیں ہوئی۔ قرمطی ثانی اس کے بعد سے برابر احساء بلاد بحرین میں رہنے لگا۔ اور حکمرانی کرنے لگا۔ یہاں تک کہ ۳۳۲ھ روز دوشنبہ ۱۷ رمضان کو اس کا طائر روح قفسِ عنصری سے پرواز کر گیا۔ اس وقت اس کی عمر ۳۸ سال کی تھی۔ اس

---

[1] تاریخ الخلفاء صفحہ ۲۰۸ [2] ایضاً صفحہ ۲۰۹۔

کی پیدائش سنہ ۲۹۴ھ میں ہوئی اور جب اُس کا باپ ابوسعید جنابی سنہ ۳۰۱ھ میں مارا گیا ہے اس وقت قرمطی کی عمر ۶ سال کی تھی۔

باپ کے مرنے کے بعد اس کی فوج ۹ سال تک بے کار پڑی رہی۔ رمضان سنہ ۳۱۰ھ میں ابوطاہر نے اس کی کمان اپنے ہاتھ میں لی۔ سنہ ۳۱۶ھ میں اُن کا کوفہ پر غلبہ بغلیہ کی وجہ سے ہوا۔

کوفی قرامطۂ بغلیہ کے حالات

قرامطہ بغلیہ کے سرداروں کے نام سعود بن حرث، عیسیٰ بن موسیٰ بن رغت، عبدان بن ربیت ملقب بہ قرمیط معروف بہ ابن ابی السعید ابن الاعمیٰ ابوذر جوہری تھے۔ قبائل بنوذہل اور بنو رقاعہ کے عوام اسی جماعت کے پیرو ہو گئے تھے۔ سرداران بغلیہ نے اپنی قوت بڑھا کر جنیلا اور تل فخار کے نواح میں قبیلہ بنو ابن نفیس پر حملہ آور ہوئے اور اُن کو شکست دے کر اس کے تمام افراد کو اپنے تصرف میں لے آئے۔ ہارون بن غریب الخال اور صافی غلام نصر قشوری کا اس جماعت سے مقابلہ ہوا اور اس جماعت کے کچھ لوگ مقتول ہوئے اور کچھ لوگ قید کئے گئے اور کچھ لوگ سلیمان بن حسن سے جب وہ ہیت سے بلد بحرین واپس جا رہا تھا مل گئے۔

اس جماعت کے لوگوں کو سلیمان کے لشکر میں آجمین کہتے تھے۔ کیونکہ ان میں اکثر لوگ آجام یعنی جنگلوں اور کوفہ کے علاقہ طفوف میں رہا کرتے تھے۔

وقائع قرامطہ

غلام معروف بہ زکری جو بلاد اصفہان کے شاہانِ عجم کی اولاد سے تھا۔ وہ قرمطیوں کے دام میں آ گیا۔ وہ سنہ ۳۱۶ھ میں قرمطی کے پاس آیا۔ ابوطاہر نے سنہ ۳۱۹ھ میں حکومت اُس کے حوالے کر دی۔ تمام قرامطہ نے اس پر اتفاق کر لیا۔ اس نے عجیب و غریب مراسم اور طریقوں سے لوگوں کو پھانسنا شروع کر دیا۔ ابوطاہر کے بہنوئی ابوحفص ابن زرقان کو اس نے قتل کر دیا جو عقل و علم و ادب میں سب سے زیادہ لائق اور کامل تھا۔ پھر بنو سلیمان

اور سردارانِ لشکر کو قتل کیا جن کی تعداد سات سو تک بیان کی جاتی ہے ۔ لشکر میں بُری عادتیں اور قبیح خصلتیں زکری کی وجہ سے پڑ گئیں جن کی مثال جب سے ابوسعید اور اس کی اولاد ان ممالک پر مسلط ہوئی اس قوم کے لشکر میں کبھی دیکھی اور نہ سُنی گئی تھیں۔ زکری کی حرکات سے اس کے متبع بھی بیزار ہو گئے اور اُنھوں نے موقع پا کر اس کو قتل کر دیا۔

اس کے بعد ابوسعید حسن بن بہرام جنابی ان کا سرگروہ بن گیا۔ وہ بنو مسمار سے آکر ملا۔ اُن کو ہمنوا بنا کر قطیف آیا۔ یہاں بنو کلاب کو ہم خیال بنا کہ ابوذکریا بحرانی بھی اُس کا ہم آہنگ ہو گیا۔ مگر ہر دو میں کچھ عرصہ بعد چپقلش ہو گئی ۔ ابوسعید نے زکریا کو مار ڈالا۔ پھر اُس نے بحرین وغیرہ پر قبضہ جمایا۔ قطیف میں علی بن مسمار رہتا تھا اس کو بھی تہ تیغ کیا اور پُورا قبضہ و تسلط قطیف پر ابوسعید نے کر لیا۔ اس کے علاوہ قرامطہ کا دوسرا شہر زررہ تھا جہاں خاندانِ حسن بن عوام آباد تھا۔ اس کا تعلق قبیلہ زرد سے تھا۔

تیسرا شہر صفوان تھا یہاں بنو حفص آباد تھے۔ یہ خاندان عبدالقیس سے تعلق رکھتا تھا۔

چوتھا شہر طہران اور پانچواں احساء یہاں بنوسعد آباد تھے جن کا تعلق قبیلۂ تمیم سے تھا۔

چوتھا شہر طہران اور پانچواں احساء یہاں ہشیم ربعی آباد تھا۔ عریاں کا ذکر علی بن محمد نے اپنے اشعار میں کیا ہے۔ علی بن محمد اپنا انتساب ابوطالب کی طرف کرتا ہے۔ یہ زنج کا رہنے والا تھا۔ بصرہ میں اس کی تحریک کا آغاز ہُوا۔ وہاں جانے سے پہلے جب یہ بحرین کے تمیم کلاب نمیر اور دوسرے قبائل میں اپنی تحریک کی اشاعت کر رہا تھا تو عریاں نے قبائل عبدالقیس بنی عامر بن صعصعہ محارب بن خصفہ بن قلیس بن عیلان وغیرہم کے ساتھ پے در پے حملے کر کے بحرین اور اس کے نواح سے اس کو نکال دیا اور اس کے ساتھ بہت سے آدمیوں کو قتل کر دیا۔

لہ التنبیہ والاشراف صفحہ ۲۸۶ ۔

ابوسعید کا قتل اس کی فتنہ انگیزی سے حکومت بہت پریشان ہوگئی تو اُس کی سرکوبی کے لئے بدر مجلبی بھیجا گیا۔ بدر کے ساتھ صقلبی تھے۔ ان میں سے دو شخص ابوسعید قرمطی کے خادم بن گئے۔ انھوں نے حمام میں اس کا کام تمام کر دیا۔ اس کا دَورِ فتنہ، ۲۰ برس تک قطیف بحرین (ہجر کے فتح ہوجانے تک) رہا[1]

راضی کے عہد سے عباسی خلفاء کی بہت سی خصوصیات ختم ہوگئیں۔ دولتِ عباسیہ انتہائی انحطاط کی طرف جارہی تھی۔ شورشیں بڑھ رہی تھیں۔ امراء اپنے اقتدار کی خاطر باہمی دست بگریباں تھے۔

راضی کی وفات راضی مرض استسقاء میں مُبتلا ہُوا۔ ربیع الاوّل ۳۲۹ھ میں انتقال کر گیا۔ عمر ۳۲ سال کی تھی اور مُدّتِ خلافت چھ سال دس مہینے تھی۔

اوصاف راضی باللہ علمی اعتبار سے نہایت لائق و فائق تھا۔ تاریخ، ادب اور شاعری میں صاحبِ کمال تھا۔ اس کا دیوان بھی ہے۔ اس کے علاوہ تاریخ میں اس کی معلومات بڑی وسیع تھیں۔ علماء اور اہلِ کمال کا بہت قدردان تھا۔ اس کے دربار میں بڑے بڑے ارباب کمال جمع تھے۔ ہر ایک کو اپنی فیاضیوں سے نوازتا رہتا تھا[2]

راضی پست ہمت نہ تھا حتی المقدور اپنے اقتدار کو سنبھالے رکھا۔ اُس کے عہد کے اُمراء خود بھی صاحبِ جوہر اور تہور و شجاعت میں یگانہ تھے، مگر راضی کی حسنِ قابلیت تھی کہ بے دست وپا ہوتے ہوئے اُن کو مرہونِ منت بناتا رہا۔ مگر امراء اپنی خود غرضیوں میں مُبتلا تھے۔ ان کی شجاعت و مردانگی باہمی کشمکش میں صَرف ہورہی تھی۔

راضی نے عباسی دَور کی پُرانی روایات اور خصوصیات کو ابتداء میں قائم رکھا

---

[1] التنبیہ والاشراف صفحہ ۱۸۶ [2] مروج الذہب جلد ۸ ص ۳۸۹

اس کا عہد اس بہار کا آخری منظر تھا۔ اس کے آخری عہد سے ہی بہار پر خزاں آگئی۔

فیاضی اور سیر چشمی میں اپنے اسلاف کے قدم بقدم تھا۔ اس کے ندیم اور حاشیہ نشین اس کے انعام و اکرام سے مالا مال تھے[1]

خطبہ راضی جمعہ کی نماز خود پڑھاتا تھا اور خطبہ بلیغ پڑھتا تھا۔ ابوالحسن بن زرقویہ کہتے ہیں کہ اسماعیل خطبی شب عید کو خلیفہ کے پاس گئے۔ راضی نے اُن سے پوچھا کہ کل میں عید کے نماز پڑھانے کے بعد کیا دُعا مانگوں؟ انھوں نے کہا کہ تم یہ آیت قرآن بطورِ دُعا پڑھنا۔

رَبِّ أَوْزِعْنِي أَنْ أَشْكُرَ نِعْمَتَكَ الَّتِي أَنْعَمْتَ عَلَيَّ وَعَلَىٰ وَالِدَيَّ۔

ترجمہ:۔ اے میرے پروردگار! توفیق دیدیجئے مجھے کہ میں آپ کی ان نعمتوں کا شکریہ ادا کیا کروں جو آپ نے مجھ کو اور میرے ماں باپ کو عطا فرمائی ہیں"

علامہ سیوطی لکھتے ہیں:۔

"راضی آخری خلیفہ تھا جس نے فوج کی تنخواہ کے قواعد بنائے"

راضی کے عہد کے علماء نفطویہ۔ ابن مجاہد مقری، ابن کاس حنفی، ابن ابوحاتم میرماں، ابن عبداللہ صاحب العقد، اصطخری شیخ الشافعیہ، ابن شنوذ، ابوبکر انباری[2]

محدث و فقہاء مکحول نسفی تلمیذ ابی سلیمان فقیہ و محدث تھے۔ ۳۱۸ھ میں وفات پائی۔

احمد بن محمد علامہ الطحاوی۔ فقیہ و محدث مشہور و معروف ہیں سمع حدیث

---

[1] مروج الذہب جلد ۸ صفحہ ۳۸۹ [2] تاریخ الخلفا، صفحہ ۲۰۹

[3] تاریخ الخلفا، صفحہ ۲۰۹۔

محمد بن سلامہ و یونس بن عبدالاعلیٰ و بحر بن نصر وغیرہ سے کی۔ اس سے روایت الطبرانی و ابوبکر المقری نے کی۔ آپ سے ابوبکر محمد بن منصور و امفانی نے فقہ حاصل کی۔

معانی الآثار۔ مشکل الآثار۔ احکام القرآن۔ مختصر الطحاوی، شروح جامع کبیر و صغیر، کتاب الشروط۔ کتاب السجلات و الوصایا و الفرائض وغیرہ تصانیف و تالیف سے ہیں۔ وفات ۳۲۱ھ میں ہوئی [1]

محمد بن محمد بن محمود ابو منصور ماتریدی مشائخ کرام سے تھے۔

تصحیح عقائد و رد اہل الاہواء والبدعۃ میں تصانیف کثیرہ ہیں ۳۳۳ھ میں وصال ہوا [2]

فلسفی ابو بشر متی بن یونس منطق و فلسفہ کا عالم تھا۔ راضی باللہ کے عہد میں بغداد میں علوم فلسفہ کی اشاعت کی۔ درس و تدریس مشغلہ تھا۔ ۳۲۶ھ میں فوت ہوا [3]



---

[1] تاریخ الخلفاء صفحہ ۲۰۹ [2] مقدمہ فتاویٰ عالمگیری صفحہ ۵۵ [3] طبقات الاطباء صفحہ ۲۲۵، القفطی صفحہ ۲۱۲۔

خلیفہ متقی باللہ

نام ولقب ابو اسحاق ابراہیم متقی باللہ بن مقتدر بن معتضد ام ولد مسماۃ خلوب یا زہرہ کے بطن سے تھا۔

خلافت راضی کی وفات کے بعد انتخاب خلافت صرف امیر الامراء کے حکم کے انتظار میں چند دن معرض التوا میں رہا۔ جب واسطہ سے امیر بجکم کا منشی ابو عبداللہ کوفی یہ حکم لے کر آیا کہ اراکین سلطنت قاضی و فقہاء رؤسائے بغداد آل عباس۔ علوئین اور راضی کا وزیر سلیمان بن حسن وغیرہ جمع ہو کر خلیفہ منتخب کرلیں۔ چنانچہ انہوں نے جمع ہوکر ابو اسحاق بن مقتدر کے ہاتھ پر ۳۲۹ھ میں بیعت کر لی [1] عمر اس وقت ۳۴ سال کی تھی۔ متقی باللہ کے لقب سے ملقب کئے گئے۔

تعلیم و تربیت شاہی خاندان میں تعلیم و تربیت ہوئی تھی۔ اتقاء و زہد اسلاف سے ورثہ میں پایا تھا۔

علامہ سیوطی لکھتے ہیں :-

"بہت زیادہ روزے رکھنے والا اور عبادت کرنے والا تھا۔" [2]

بجکم کا قتل ۳۲۹ھ میں خوزستان میں ابو عبداللہ بریدی نے اپنی مستقل حکومت قائم کرلی۔ بجکم نے اس کی سرکوبی کو فوج روانہ کی۔ بریدی مقابل آیا اور شکست کھا گیا۔ بجکم خوزستان روانہ ہوا۔ راہ میں دولت مند قافلہ پڑاؤ کئے تھا۔ نیت بگڑ گئی۔ اس پر ہاتھ صاف کیا۔ مگر ایک کردی بچے نے اچانک

---

[1] تاریخ الخلفاء صـ ۲۰۹ [2] کتاب تجارب الامم جزو سادس صـ ۲ ۔

بجکم کی کمر میں خنجر بھونک دیا جس سے وہ جانبر نہ ہو سکا۔ دو سال امیر الامرائی کی۔ تمام مال تقریباً ایک کروڑ دینار کا بحق حکومت ضبط ہوا۔

متقی نے عنانِ حکومت نئے سرے سے اپنے ہاتھ میں لی۔ کیونکہ سلطنت کا شیرازہ بکھر چکا تھا۔ برائے نام نظم و نسق سلطنت عبداللہ احمد بن علی کوفی کاتب بجکم کے ہاتھ میں تھا اور وہی سیاہ و سپید کے مالک بنے ہوئے تھے۔ مگر بجکم کے مرتے ہی اس کی کمان اُتر گئی۔ اس کی جگہ کورتگین دیلمی امیر الامراء بنایا گیا۔ مگر امیر رائق کو اس کا عروج ناگوار ہوا۔ حملہ آور ہوا۔ یہ مقابل آیا اور شکست کھا کر روپوش ہو گیا۔ پھر ابن رائق امیر الامراء ہو گیا۔ بریدی نے بغداد پر لشکر کشی بجکم کے مرتے ہی کی تھی اور جبریہ متقی سے پانچ ہزار دینار بھی فوج کے لئے لئے تھے۔ مگر فوج کو ایک حبہ نہ دیا۔ اس پر فوج بگڑ گئی۔ جان بچا کر واسط چلا گیا۔

گنبد خضرا ۳۲۹ھ میں گنبد خضرا جو منصور نے بنایا تھا رعد و باراں کی زیادتی سے گر پڑا۔ یہ گنبد تاج بغداد سمجھا جاتا تھا۔ اسی گز اونچا تھا اس کے نیچے ایک ایوان بیس گز مربع کا تھا۔ اس کے درمیان میں ایک سوار کی تصویر بنی ہوئی تھی۔ جس طرف سے کوئی دشمن آنے والا ہوتا تھا اس طرف اس کا منہ پھر جایا کرتا تھا[2]۔

بریدی کا خروج ۳۳۰ھ میں ابوالحسین علی بن محمد بریدی نے بیشتر قوتوں کو یکجا کر کے بغداد پر حملہ کیا۔ خلیفہ اور رائق دونوں اس کے مقابل آئے مگر شکست اٹھا کر موصل ہر دو چل دیئے۔ بریدی نے بغداد میں داخل ہو کر خوب لوٹ مچائی۔ پر رونق شہر کو تباہ و برباد کر دیا۔ خلیفہ تکریت پہنچا۔ اپنے بیٹے المنصور کو اور رائق کو استمداد کے لئے موصل بھیجا۔ وہاں سیف الدولہ ابوالحسن علی بن عبداللہ بن حمدان والی تھا۔ وہ تعظیم و تکریم سے پیش آیا۔ جب یہ

---

[1] تاریخ الخلفاء صفحہ ۲۷۰ [2] ایضاً صـ ۲۱۱۔

دونوں واپس ہوئے تو متقی کو قتل کرا دیا۔[1]

اس واقعہ کے بعد ابن حمدان کو خلیفہ نے ناصرالدولہ کا خطاب دیا اور اُس کے بھائی کو منصب امیرالامراء پر فائز کیا اور سیف الدولہ کا خطاب دیا اور اس کو موصل کا تاج و تخت سپرد کیا۔ پھر اُن کو بغداد لایا۔ بریدی کو خبر لگی وہ روپوش ہو گیا۔ اور واسط چلا گیا اور وہاں سے فوج لے کر بغداد پر پھر حملہ کرنے چلا۔ اہلِ بغداد میں سخت انتشار پیدا ہو گیا۔ معززینِ شہر بھاگنے لگے۔ خلیفہ متقی اور ناصرالدولہ ساتھ مقابلہ کے لئے نکلے اور سیف الدولہ نے بڑھ کر بریدی کو "مدبرین" پر آگھیرا اور اس قدر پٹائی کی کہ واسط لوٹ گیا۔ مگر سیف الدولہ نے وہاں بھی پہنچ کر خبر لی۔ آخر بصرہ جا کر دم لیا۔ سیف الدولہ کامرانی سے واپس آیا۔

رُومی حملہ ۳۳۱ھ میں اہلِ روم نے ارزان پر ہر طرف سے حملے کئے اور باشندوں کو خاک و خون میں ملایا۔ وہاں کے گرجا میں ایک رومال تھا جس کی نسبت عیسائیوں کا گمان تھا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنا روئے مبارک اُس سے پونچھا تھا اور آپ کی شبیہ مبارک اس میں منقش ہو گئی تھی۔ عیسائیوں نے اس رومال کو منگوایا۔ مگر شرط یہ تھی کہ تمام قیدی رہا کر دیئے جائیں۔ چنانچہ مسلمان قیدی آزاد کئے گئے اور رومال عیسائیوں کو دیدیا گیا۔

آذربائیجان پر رُوسی حملہ ۳۳۲ھ میں اس کے غارت گروں نے بحری راستہ سے اطراف آذربائیجان پر حملہ کر کے برذعہ پر قبضہ کر لیا۔ مگر آذربائیجان نے اُن کو مار پیٹ کر نکال باہر کیا۔

توزون کا اقتدار سیف الدولہ اور بریدیں میں پھر چل گئی۔ بھائی کی معاونت کے لئے ناصرالدولہ ۱۳ ماہ امیرالامرائی کر کے موصل گیا۔ بغداد پر امیر توزون واسط سے آکودا[1] متقی نے با جبر و اکراہ اسکی آؤ بھگت

---

[1] کتاب تجارب الامم جز سادس ص۸۵۔

کی اور خلعت امیر الامرائی عطا کیا۔ توزون خفیف الحرکات تھا۔ متقی سے بیچ گئی۔ توزون نے ابوجعفر بن شیرزاد کو واسطے بغداد بلا بھیجا۔ اوس نے آکر بغداد کو اپنے تحت و تصرف میں کر لیا۔

متقی نے یہ رنگ دیکھ کر موصل ابن حمدون کو لکھا۔ وہ کثیر لشکر سے بغداد پہنچا۔ ابوجعفر روپوش ہوا۔ متقی اپنے اہل وعیال کو لے کر تکریت تشریف لے گئے۔ ادھر ناصر الدولہ عزنیوں اور کردوں کو ایک عظیم لشکر لے کر توزون سے مقام مکبر پر قوت آزما ہوئے۔ ناصر الدولہ ابن حمدان کو منہ کی کھانا پڑی اور متقی کو تکریت سے لے کر موصل بھاگ گئے۔ امیر توزون نے پھر راہ میں اس کو آگھیرا۔ خلیفہ اور ابن حمدان نے مقابلہ کیا۔ مگر پھر انہیں شکست ہوگئی۔

خلیفہ نے اب کوئی چارہ نہ دیکھا تو اخشید والی مصر کو اپنی مدد کے لئے بلا بھیجا۔ اس حرکت سے ناصر الدولہ کو اُن سے عناد پیدا ہوگیا تو خلیفہ نے خفیہ طور پر توزون سے صلح کا نامہ و پیام جاری کر دیا۔ اُس نے مان لیا اور ۳۶ لاکھ درہم لے کر عہد و پیمان وحلف ہو گیا۔ ادھر اخشید خلیفہ کی مدد کے لئے آیا۔ رقہ میں ملاقات ہوئی۔ اخشید نے متقی سے عرض کیا۔

"امیر المومنین میں آپ کا غلام اور غلام کا بیٹا ہوں۔ ترکوں کی شرارت اور عذاب آپ کو معلوم ہو چکے۔ بہتر ہو آپ میرے ساتھ مصر چلے چلئے اور اس پر حکومت کیجئے اور امن سے بیٹھ جائیے"[1]

لیکن متقی کو بغداد پہنچنے کی پڑی ہوئی تھی۔ اخشید کبیدہ خاطر ہو کر مصر لوٹ آیا۔ ۴ محرم ۳۳۳ھ کو متقی رقہ سے بغداد کی طرف روانہ ہوا۔ توزون اس کے استقبال کے لئے آیا۔ انبار اور نوہیت کے درمیان ملنا ہوا تو توزون نے بڑے احترام سے خلیفہ کو ہاتھوں ہاتھ لیا اور ایک خیمہ میں آتار دیا۔

---

[1] الفخری صفحہ ۲۵۹۔

متقی آرام واطمینان سے ٹھہرا ہوا تھا کہ علی بن معلہ معہ ساتھیوں کے آیا اور متقی کی آنکھیں نکلوالیں اور اُس کو بغداد بھیج دیا۔ امیر توزون بھی بغداد پہنچا اور عبداللہ بن مکتفی کی مکتفی باللہ کے لقب سے بیعت کرلی۔ یہ واقعہ ۲۰ محرم ۳۳۳ھ کا ہے۔ پھر متقی کو جزیرہ میں قید کردیا۔[1]

وفات

متقی نے بحالتِ قید ۳۵۷ھ میں بعمر ۶۰ سال وفات پائی۔ کل مدتِ خلافت چار سال ہے۔

اوصاف

متقی میں جہاں بانی کا کوئی وصف نہ تھا۔ اس کے دورِ خلافت میں جنگ وجدال اور فتنہ وفساد ہوتے رہے۔ غرضیکہ نظام حکومت درہم برہم ہوکر رہ گیا۔[2]

البتہ مذہبی اور اخلاقی حیثیت سے متقی میں خوبیاں بہت تھیں خطیب کا بیان ہے کہ :۔

"وہ اپنے پیشرو خلفاء کے بہت سے افعال واعمال سے محترز رہا۔ نبیذ کبھی نہیں پی۔[3]

ہر وقت قرآن شریف تلاوت کرتا رہتا اور کہا کرتا تھا کہ میرا اس سے بڑھ کر کوئی رفیق و ندیم نہیں ہے اور اپنی کنیزوں کو منہ نہیں لگایا۔"[4]

---

[1] تاریخ الخلفاء صفحہ ۲۱۱ و ابن اثیر جلد ۸ ص ۱۳۶ [2] الفخری صفحہ ۲۵۶ ۔
[3] تاریخ خطیب جلد ۶ ص ۵۲ [4] تاریخ الخلفاء ص ۲۱۱ ۔

متقی کے عہد کے علماء وفقراء

ابو یعقوب النہر خوری، خلیفہ جنید بغدادی
قاضی ابو عبداللہ المحاملی، ابوبکر الفرغانی
صوفی حافظ ابو العباس بن عقدہ ابن ولاد النحوی[1] احمد بن عصمہ صفار البلخی،
متوفی ۳۳۶ھ۔

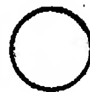
محدث وفقہاء

محمد بن محمد بن احمد بن عبداللہ المعروف بحاکم الشہید
فقیہ، متبحر، حافظ الحدیث، ابو عبداللہ حاکم صاحب
مستدرک، آپ سے تلمذ رکھتے تھے۔ کتاب منتقی وکافی ومختصر حاکم آپ سے
معروف ہیں۔ ۳۳۴ھ میں انتقال کیا۔

احمد بن سہل ابو حامد سمرقندی، شاگرد محمد بن الفضل سمرقندی ۳۴۰ھ میں فوت
ہوئے۔ مختصر کرخی وشرح جامع صغیر وکبیر یادگار سے ہیں[2]

مفسر

شیخ ابوبکر محمد بن عزیز السجستانی علوم قرآن میں متبحر کا درجہ تھا۔
"الفرید"، تفسیر القرآن لکھی۔ ۳۳۰ھ میں فوت ہوئے۔



---

[1] تاریخ الخلفاء صفحہ ۲۱۱

[2] مقدمہ فتاویٰ عالمگیری صـ ۵۶

خلیفہ مستکفی باللہ

نام ولقب ابوالقاسم عبداللہ مستکفی بن مکتفی بن معتضد ام ولد موسومہ املح الناس کے بطن سے ۲۹۲ھ میں پیدا ہوا۔

خلافت بعد خلع خلافت متقی ۳۳۳ھ میں توزون نے ابوالقاسم عبداللہ کو مستکفی باللہ کا لقب دے کر خلیفہ بنایا۔ عمر ۴۱ سال کی تھی۔[1] اس مشورہ میں ایک عورت قہرمانہ شریک تھی۔ مستکفی نے اس کو اپنے خزانے کا سیکرٹری بنالیا اور اس کا نام علم رکھا۔

وزارت ابوالفرج محمد بن علی سامری کو وزارت کے عہدے پر سرفراز کیا۔

امیرالامراء توزون ہی خود منصب امیرالامرائی پر برقرار رہا۔ اس کو خلیفہ نے خلعت اور تاج پہنایا۔

سیف الدولہ کا اقتدار ۳۳۳ھ میں سیف الدولہ نے اپنی حکمرانی کے دائرہ کو وسیع کرنے کے لئے حلب پر حملہ کیا اور اس کو قبضہ میں لے آیا۔ اس کے بعد حمص پر بھی متصرف ہوگیا۔ ان دونوں ملکوں کے انتظام سے فراغت پاکر دمشق کا محاصرہ کیا لیکن اخشیدی والئ مصر نے اس سے قنسرین میں مقابلہ کیا۔ سیف الدولہ کو جزیرہ کا رخ کرنا پڑا۔ اخشید کامیابی حاصل کرکے دمشق واپس آگیا۔

رومی اس اثناء میں رومیوں نے شورش مچائی اور اسلامی سرحد میں داخل ہوکر حلب تک پہنچ گئے لیکن سیف الدولہ کی بہادر فوج نے رومیوں کو

---

[1] تاریخ الخلفاء صفحہ ۲۱۱۔

شکست فاش دی۔

ابوالحسن بریدی کا قتل عبداللہ بریدی کے انتقال ۳۳۳ھ کے بعد اس کا بھائی ابوالحسن جانشین ہوا تھا۔ فوج نے اس سے باغی ہو کر اس کے برادر زادہ ابوالقاسم کو اپنا امیر بنا لیا۔ ابوالحسن نے امیر قرامطہ سے مدد لے کر برسرِ اقتدار ہونا چاہا مگر ناکام رہا۔ بغداد آ کر توزون کو رقم دے کر بصرہ کی حکومت لینا چاہی۔ ابوالقاسم نے زیادہ رقم پیش کی، ابوالحسن ناکام ہوا۔ آخر ابن شیرزاد نے توزون سے کہہ کر ابوالحسن کو گرفتار کر لیا۔ قرامطہ سے تعلق رکھنے کی بنا پر قتل کیا گیا۔[1]

وفات امیر توزون دو سال چار ماہ انیس دن توزون امیر الامرائی کر کے ۳۳۴ھ میں فوت ہوا۔ اُس کا رفیق کار زیرک بن شیرزاد مقام ہیت میں مقیم تھا۔ جب توزون کے مرنے کی خبر لگی وہ فوج لے کر بغداد پر چڑھ دوڑا۔ یہاں کی فوج نے اس کا خیر مقدم کیا اور متفقہ اس کو منصب امارت کے لئے پسند کیا۔ خلیفہ نے بمجبوری اس انتخاب کو قائم رکھا۔

معزالدولہ احمد بن بویہ معزالدولہ کی امیر الامراء بننے کی دیرینہ تمنا تھی۔ مگر امیر توزون کی شجاعانہ سرگرمی سے مقابل آتے ڈرتا تھا۔ اس کے مرنے کے بعد فوج لے کر بغداد پر آ دھمکا۔ مستکفی اور شیرزاد کو معلوم ہوا پہلے روپوش ہونا چاہا۔ خلیفہ مستکفی نے موقعہ کی نزاکت کا لحاظ کر کے معزالدولہ کا خیر مقدم کیا اور ہاتھوں ہاتھ لیا اور دربار میں معزالدولہ کا لقب عطا کیا اور عہدہ امیر الامرائی پر تقرر فرمایا اور مزید دلجوئی کے لئے اس کے بھائی علی کو عماد الدولہ اور حسن کو رکن الدولہ کے خطابات سے سرفراز کیا۔[2]

۳۳۴ھ میں سکوں پر بھی اُن کے نام کندہ کرائے۔ اس کے بعد بنی بویہ کا

---

[1] تجارب الامم جلد ۶ ص۷۹ [2] ایضاً ص۸۵۔

اقتدار بڑھتا گیا۔ اس نے کچھ عرصہ بعد نظامِ حکومت پر قبضہ جمایا۔ اب دولتِ عباسیہ گویا بنی بویہ کی گردشِ چشم و ابرو کی محتاج بن گئی۔ کچھ دن بعد شیرزاد ظاہر ہوا۔ اُس کو معزالدولہ نے حاکم خراج کر دیا۔

خلیفہ کا وظیفہ معزالدولہ نے مستکفی کے حقوق و اختیارات سلب کرکے اس کے گزارے کے لئے پانچ ہزار ماہانہ اور تھوڑی سی جاگیر مقرر کر دی۔ صرف خطبہ میں خلیفہ کا نام لیا جاتا یا بعض احکام و فرامین رسماً اس کے نام سے جاری ہوتے تھے اور تختِ خلافت پر خلیفہ کے پہلو میں معزالدولہ بیٹھا کرتا تھا۔

سیاسی حالت بنی بویہ شیعہ تھے ان کو بنی عباس سے کوئی ہمدردی نہ تھی اور نہ اُن کے دلوں میں خلفاء کا احترام تھا۔ ترک مستبد تھے مگر خلفاء کا احترام کرتے تھے۔ دیالمہ کی تولیتِ خلافت سے خلفاء بنی عباس کا رہا سہا اقتدار ختم ہو گیا۔ خلیفہ کے ساتھ کوئی طاقت نہ تھی جس کے بھروسہ پر وہ اقتدار کو بحال کرتا۔ ترک دیالمہ سے گٹھ گئے تھے۔ مستکفی دن کاٹ رہا تھا۔ ایک سال چند ماہ خلافت کے منصب پر بیٹھے گزر رہے تھے۔

مستکفی کی معزولی معزالدولہ کو یہ وہم سوار ہوا کہ مستکفی مجھ کو قتل کرا دے گا۔ اور قہرمانہ علم خلیفہ کی ہمراز ہے۔ چنانچہ اُس نے اپنے دو نقیبوں کو بھیج کر قہرمانہ کی زبان کٹوائی اور دارالخلافہ کا کل سامان لوٹ لیا اور مستکفی کو تخت سے اُتار کر معزالدولہ کے دربار میں لے جا کر اُس کو معزولی کا حکم سنایا[1]۔ اور ۳۳۴ھ میں اس کو قید کر دیا اور آنکھوں میں گرم سلائیاں پھیر دیں۔ بحالتِ قید مستکفی نے ۳۳۸ھ میں وفات پائی[2]۔ ۴۶ سال زندہ رہا۔ کل مدت خلافت ایک سال چار ماہ ہے[3]۔

علماء قدامہ، اس کے اسلاف نصرانی تھے۔ مگر علمائے اسلام کی صحبت سے مشرف باسلام ہوا اور علوم و فنون میں بڑا درک حاصل کیا۔ ۹۲۸ء عہد مستکفی میں مالگذاری کا

---

[1] ابن اثیر جلد ۸ صفحہ ۱۶۰ [2] تاریخ الخلفاء صفحہ ۲۶۷ [3] ابن اثیر جلد ۸ صفحہ ۴۰۶۔

محاسب مقرر ہوا۔ اس نے کتاب الخراج لکھی جس میں خلافت بنی عباسیہ کے صوبجات کی تقسیم کی۔ سالانہ آمدنی اور نظام رسل و رسائل پر بحث کی ہے۔ ۳۳۸ھ/۹۵۰ء میں فوت ہوا۔

ابوالوفا البوزجانی الحاسب خلیفہ مستکفی اور مطیع کے عہد کا ماہر ہیئت تھا۔ اس نے حجاج بن یوسف بن مطر (متوفی ۸۳۳ء) جس نے اقلیدس اور مجسطی کا ترجمہ کیا تھا اس میں کچھ نقائص تھے تو ابوالوفا نے اس کی تصحیح کی اور زیج الواضح اور کتاب الہندسہ تصنیف کی۔ اس کا بڑا کارنامہ مثلثات کی تحقیقات ہے۔ مماس، مماس التمام قاطع، قاطع التمام کو زیادہ رواج دیا اور اس کے لئے ضابطے دریافت کئے۔ ریاضی میں اس کا پایہ مسلم ہے۔ ۹۴۰ء میں پیدا ہوا اور ۳۸۸ھ/۹۹۸ء میں عہد قادر میں انتقال ہوا۔

ابوبکر احمد بن محمد معروف جصاص رازی یگانۂ روزگار سے تھے۔ احکام القرآن آپ کی تالیف ہے۔ ۳۷۰ھ میں انتقال ہوا۔

شیخ ابومحمد عبداللہ بن عطیہ وطن دمشق تھا۔ اُن کی تفسیر ابن عطیہ قدیم کے نام سے مشہور ہے۔ ۳۸۳ھ میں انتقال کیا۔

علامہ خطابی علوم قرآن کا ماہر تھا۔ اس نے اعجاز القرآن معرکہ کی کتاب لکھی۔ ۳۸۸ھ میں فوت ہوا[1]

ابوالحسن علی بن عیسی بن عبداللہ الرمانی اخشیدی اور وتراق سے مشہور تھے لیکن زیادہ تر رمانی ہی کہے جاتے تھے۔ مختلف علوم میں دستگاہ رکھتے تھے۔ بہت متکلم تھے۔ ۲۷۹ھ میں ولادت ہوئی اور ۳۸۴ھ میں وفات پائی۔



---

[1] ابوداؤد کی مشہور شرح معالم السنن انہی کی تصنیف ہے۔

خلیفہ مطیع اللہ

نام ولقب ابوالقاسم فضل مطیع اللہ بن مقتدر بن معتضد باللہ عباسی ام ولد مشعلہ صقلبی کے بطن سے ۳۰۱ھ میں پیدا ہوا[1]

خلافت مستکفی کی معزولی کے بعد ۲۲ رجمادی الآخر ۳۳۴ھ میں ابوالقاسم فضل کو مطیع اللہ کا لقب دے کر نام نہاد تختِ خلافت پر بٹھایا[2] مستکفی نے بھی بجبر بیعت کی اور معزولی کا اقرار کیا۔ معزالدولہ کسی علوی کو خلیفہ بنانا چاہتا تھا۔ اس کے ندیم شیعوں نے مخالفت کی کہ بنی فاطمہ کو خلیفہ بنا کر خود اپنے اقتدار کا خاتمہ اپنے ہاتھوں کرنا ہے۔ یہ بنی عباس آپ کے قابو میں رہیں گے چاہے قتل کرو مگر بنوفاطمہ کو خلیفہ بنا کر عقیدت کے اعتبار سے ان کا کچھ نہیں کر سکتے[2]

وفاتِ اخشید ۳۳۴ھ میں اخشید نے دمشق میں وفات پائی۔ اس کا چھوٹا بیٹا نوجور اس کی جگہ پر فائز ہوا۔ مگر صغر سنی کی وجہ سے تمام کاروبار کو حبشی غلام کافور نے سنبھال لیا۔ سیف الدولہ نے اس کمزوری سے فائدہ اٹھا کر دمشق پر قبضہ کر لیا۔ مگر کافور نے قوتِ مردانگی سے سیف الدولہ سے دمشق کو واپس لے لیا۔

حجرِ اسود مطیع کی خلافت کو پانچ سال ہوئے تھے کہ ذوالحجہ ۳۳۹ھ میں قرامطہ نے حجر اسود واپس کر دیا جو بیت الحرام میں اپنی جگہ نصب کر دیا گیا[4]

---

[1] تاریخ الخلفاء صفحہ ۲۷۰ [2] تجارب الامم جلد ۲ ص۸۵ [3] ابن اثیر جلد ۸ ص۱۲۹
[4] التنبیہ والاشراف صفحہ ۲۹۱۔

خلیفہ کے اقتدار کا خاتمہ

خلافت عباسیہ اگرچہ معزالدولہ کے اقتدار سے پہلے اپنی ساکھ کھو چکی تھی۔ مگر معزالدولہ نے رہی سہی آبرو کا خاتمہ کر دیا۔ معزالدولہ غالی شیعہ تھا اور مجوسی النسل، اس نے خلیفہ کو اس قدر بیکار بنا دیا کہ خلیفہ کے پاس اس کے مال و اسباب کی نگرانی کے لئے ایک منشی کے سوا کوئی بھی خادم نہ رہا تھا۔ معزالدولہ نے عراق کے علاقے اپنی فوج کے امراء میں تقسیم کر دیئے۔ ان لوگوں نے مالیانہ کی وصولی کے سلسلہ میں بے حد ظلم کاشت کاروں پر توڑے کہ وہ گھر بار چھوڑ گئے۔ ادھر فوج میں عموماً دیالمہ تھے اُن سے اور ترکوں سے چل گئی اور لوٹ مار ہونے لگی۔ تجارتی قافلوں کا آنا جانا بند ہو گیا۔ بغداد میں غلّہ تک اس قدر گراں ہو گیا کہ باشندے مردار خور ہو گئے۔

ترویج شیعیت

معزالدولہ نے اپنی شیعت کا مظاہرہ شروع کر دیا۔ عید غدیر منائی گئی۔ محرم میں عورتیں بالوں کو کھول کر نوحہ کرنے نکلتیں۔ اس سے بھی بڑھ کر تبرا بازی تھی[1] اس کی تفصیل دولتِ دیالمہ میں لکھی جا چکی ہے۔ غرضیکہ شیعہ سُنّیوں میں ٹھن گئی اور چاروں طرف سے معزالدولہ پر یورش ہو گئی۔ نتیجہ یہ ہُوا کہ مُلک میں سخت ابتری پھیل گئی۔

موصل کے رئیس ناصر الدولہ نے اس فتنہ کا خاتمہ کرنا چاہا اور مُلک کو معزالدولہ کے ظلم سے نکالنا چاہا۔ بریدی امیر بصرہ بحرین کا قرمطی جو معزالدولہ کا دشمن تھا اُس سے جا کر ہجر میں ملا۔ قرمطی امیر عمان کے ساتھ بصرہ پر حملہ آور ہوئے۔ معزالدولہ سے سخت جنگ ہوئی۔ یہ آپس میں دست بہ گریبان تھے۔ واسط اور بصرہ کے درمیان مقام بطیحہ میں عمران بن شاہین حوصلہ مند امیر تھا اس نے موقعہ موافق جان کر خود مختاری کا اعلان کر دیا۔ معزالدولہ کی فوجیں اس کے مقابل ہوئیں تو شکست کا مُنہ دیکھنا پڑا۔ آخرش معزالدولہ ابن شاہین کے سامنے عاجز ہو گیا۔

---

[1] ابن اثیر جلد ۸ صفحہ ۱۷۹

ابن شاہین ابن شاہین نے ۳۲۹ھ میں اپنی حکومت قائم کی جو ۴۰۸ھ تک قائم رہی۔[1]

الغرض معز الدولہ کا سارا عہد بغداد میں ظلم وستم کا عہد تھا۔

۳۳۸ھ میں اس کا بھائی عماد الدولہ اصطخر میں مر گیا۔ اس کے اولاد نہ تھی۔ اپنے بھتیجا فنا خسرو پسر رکن الدولہ کو جانشین کر گیا جو فارس کا بادشاہ ہوا اور اس کا لقب عضد الدولہ تھا۔ معز الدولہ ۱۲ ربیع الاول ۳۵۶ھ میں مر گیا۔[2] اس کا بیٹا بختیار (عز الدولہ) جانشین ہوا۔ یہ شرابی، کبابی اور متعہ کے شوق میں دن رات لگا رہتا تھا۔ اس کے وزیر ابوالفضل عباس بن حسین اور محمد بن عباس بھے جو اس کے نازیبا طریقۂ عمل سے برگشتہ ہو گئے۔ اس سنہ میں ناصر الدولہ حمدانی والی موصل کو اس کی اولاد نے قتل کر دیا۔ اس کا بیٹا ابو تغلب رئیس ہوا۔ بختیار نے ۱۲ لاکھ درہم سالانہ خراج اس پر لگا دیا۔

مصر میں فاطمی خلافت ۳۵۶ھ میں کافور نے انتقال کیا۔ چنانچہ معز الدین فاطمی تاک میں تھا۔ اس نے اپنے سپہ سالار جوہر صقلی کو فوج دے کر مصر بھیجا۔ اس نے ۳۶۱ھ میں فاطمی خلافت کا جھنڈا مصر پر لہرایا۔ تفصیلی حالات بنو فاطمہ کے جلد ہفتم میں تحریر ہوں گے۔

رکن الدولہ اور دشمکیر دست بہ گریباں ہوئے۔ آخر ش ۳۵۷ھ میں دشمگیر فوت ہوا تو اس کا بیٹا "بے ستون" تخت نشین ہوا۔ اس سے بھی رکن الدولہ جنگ کرتا رہا۔

---

[1] امرائے حکومت شاہین:۔ عمران بن شاہین (۳۶۹ھ) حسن بن عمران (۳۷۲ھ) ابوالفرج بن عمران (۳۷۳ھ) ابوالمعالی بن حسن (۳۷۳ھ) مظفر وزیر (۳۷۶ھ)۔ مہذب الدولہ ابوالحسن (۴۰۸ھ) ابن مہذب الدولہ (۴۰۸ھ) عبداللہ ابنی سنی (۴۰۸ھ)۔

[2] ابن اثیر جلد ۸ صفحہ ۱۹۴۔

رومیوں کے حملے

سرحد پر قیصرِ روم نے حملہ کر دیا۔ خلیفہ کو معطل بنا دیا گیا تھا۔ رومیوں کو جواب کون دیتا۔ معزالدولہ یا عزالدولہ کو عیش و عشرت اور ظلم و ستم سے اور ترویج سئیات سے فرصت کہاں تھی کہ اس طرف توجہ کرتے۔ سیف الدولہ حمدانی میں اسلامی جرأت تھی وہ رومیوں کے مقابل آیا۔ مگر ہر موقعہ پر رومی بڑھتے گئے اور ہزار ہا مسلمان قتل ہوئے۔ مسجدیں مسمار کی گئیں۔ ہزار ہا بچے قید کر لئے گئے۔ سروج۔ میافارقین دیار ربیعہ تباہ کئے۔ پھر بحری راستہ سے طرطوس پر رومیوں نے حملہ کر کے آگ لگا دی۔ ۱۸ سو مسلمان شہید کر دیئے گئے۔ ۳۴۸ھ میں رہا کو لوٹ لیا اور مسلمانوں پر ظلم و ستم کر کے چلتے ہوئے۔

۳۴۹ھ میں سیف الدولہ انتقام لینے کے لئے اُن کے مُلک میں بڑھتا چلا گیا۔ رومیوں نے پیچھے سے آ کر گھیر لیا۔ کل فوج اسلامی ہلاک ہوئی۔ صرف تین سو نفوس سیف الدولہ کے ساتھ بچ رہے۔

۳۵۰ھ میں انطاکیہ کے مطوّعین کی ایک جماعت روم کی طرف بڑھی۔ لیکن رومیوں نے اُن کو گھیر کر ایک حصّہ کو موت کے گھاٹ اُتار دیا۔ دوسرے حصّہ کو پکڑ کر لے گئے۔

دمستق کے مظالم

۳۵۱ھ میں دمستق (نیکوفورس) سپہ سالار قیصر ارمانوس عین زربہ کی طرف حملہ آور ہُوا۔ اس نے ۵۴ قلعہ فتح کر لئے۔ لاکھوں مسلمان بے خانماں ہو گئے۔ اس کے بعد وہ حلب کی طرف متوجّہ ہُوا۔ والی حلب سیف الدولہ مقابلہ پر آیا مگر اُس کو شکست کا مُنہ دیکھنا پڑا۔ سیف الدولہ کے اقرباء اس جنگ میں کام آئے۔ دمستق نے سیف الدولہ کا مال و متاع لوٹ لیا اور اس کے محل کو منہدم کرا دیا۔ دو روز شہر میں لُوٹ رہی۔ بقیہ مال کو نذرِ آتش کر دیا۔ اس کے علاوہ دمستق ظالم بارہ ہزار مسلمان بچوں کو پکڑ کر لے گیا۔ یہ سب مصائب مسلمانوں پر ہو رہے تھے۔ معزالدولہ، عزالدولہ کے کان پر جُوں تک نہ رینگی۔ ۳۵۳ھ میں دمستق نے مصیصہ کا محاصرہ کیا۔ مسلمان

رضا کار سیف الدولہ کی کمان میں اُٹھ کھڑے ہوئے۔ اُن کی مدد کے لئے پانچ ہزار خراسانی آ گئے مگر رومی چلتے بنے اور طرطوس کو جا لیا۔ تین ماہ محاصرہ کیا۔ اُن میں وباء پھیلی، ہزارہا رومی مر گئے۔ وستق یہ رنگ دیکھ کر پیچھے بھاگا۔

قیصر نے ۳۵۴ھ میں مصیصہ کو فتح کر لیا۔ صدہا مسلمان تہ تیغ کر ڈالے گئے۔ دو [illegible] مانوں کو قید کر کے لے گیا۔ پھر طرطوس کا گھیرا ڈال دیا۔ شہر کے لوگ امان کے طالب ہوئے۔ شہر کا دروازہ کھول دیا گیا۔ حکم دیا جو شخص جس قدر مال اُٹھا سکے لے کر یہاں سے نکل جائے۔ چنانچہ ہزارہا مسلمان انطاکیہ چلے گئے۔ جامع مسجد کو منہدم کر دیا اور اس میں گھوڑے باندھے گئے اور مسلمانوں کو جبرًا عیسائی بنا لیا۔ مگر امراء سے حمیت اسلامی رخصت ہو چکی تھی کہ مسلمانوں کی مدد کرتے۔ صرف سیف الدولہ تھا جو رومیوں کے مقابل آ جاتا تھا۔

سیف الدولہ اس زمانہ میں سیف الدولہؒ نے انتقال کیا۔ مسلمانوں کا رہا سہا سہارا سیف الدین کی موت سے جاتا رہا۔ اس کے مرنے کے بعد قیصر روم نے حلب پر قبضہ کر لیا۔

حملہ قیصر ۳۵۸ھ میں قیصر شام میں آیا۔ طرابلس کو جلا کر خاک کر دیا۔ قلعہ عرقہ کو تسخیر کیا۔ پھر حمص میں پہنچ کر آگ لگا دی اور جس قدر ساحلی آبادیاں تھیں اُن کو تباہ و برباد کر دیا۔ ایک لاکھ سے زیادہ مسلمان بچے [illegible] لے گیا۔ بوڑھے نکال دیئے گئے۔ جوان تہ تیغ کر دیئے گئے۔ ظلم و ستم کا کوئی دقیقہ رومی نصرانیوں نے اس موقعہ پر اُٹھا نہ رکھا۔ ان دست درازیوں سے عالمِ اسلامی میں ہیجان پیدا ہو گیا۔

امام ابوبکر محمد بن اسمٰعیل بن قفال مروزی شافعی سرکردگی ۲۰ ہزار مجاہدین کو لے کر قیصر کے مقابلے کو نکلے۔ راستہ بلادِ جبل میں سے گزرتا تھا۔ رکن الدولہ شیعی دیلمی نے از راہِ عداوت ان کو جبرًا روک دیا۔ قیصر کو پتہ لگا تو اُس نے ۳۵۹ھ میں انطاکیہ پر قبضہ کر لیا۔ باشندوں کو قتل کیا۔ بیس ہزار لڑکے لڑکیوں کو اسیر کر لیا۔

اس کے بعد حلب کی طرف رومی آئے۔ سیف الدولہ کا غلام قرعویہ حاکم تھا۔ اسکے ساتھ ابوالمعالی شریف ابن سیف الدولہ جنگ میں مشغول تھا۔ وہ رومیوں کی یلغار سے بیابان کی طرف چلتا ہوا۔ قرعویہ نے کچھ رقم دے کر رومیوں سے صلح کرلی[1]

رومی کامیاب ہوکر رہا گئے۔ اس کو دوبارہ لوٹا۔ پھر جزیرہ میں نصیبین کی طرف آئے اور قتل و غارت کا بازار گرم کیا اور دیار بکر کو بھی لگے ہاتھوں تباہ کر ڈالا۔ یہاں کے باشندے بغداد میں فریاد لے کر پہنچے مسجد جامع میں رومیوں کے مظالم بیان کئے۔ بختیار شکار کھیلنے گیا تھا۔ اعیانِ سلطنت شکار گاہ گئے۔ بختیار سے کہا سنا اُس نے امداد کا وعدہ کیا۔ امیر سبکتگین حاجب کو بغداد بھیجا کہ جہاد کا اعلان کرے۔ ابو تغلب والی موصل کو تحریر کیا کہ تم رسد اور اسلحہ کا انتظام کرو۔ چنانچہ اُس نے خوشدلی سے سامان فراہم کیا۔ شکار سے بختیار بغداد لوٹا۔ خلیفہ مطیع سے مالی مدد مانگی۔ اُس نے کہا۔

"جو شخص ممالک سے خراج وصول کرتا ہے اُس کے اوپر جنگ اور اس کے اخراجات کا بار ہے۔ مَیں انتظام نہیں کرسکتا"

بختیار نے خلیفہ کو دھمکایا۔ اس نے مجبوری درجہ حرم کے کپڑے زیورات یہاں تک کہ مکانات تک فروخت کر کے چار لاکھ درہم بختیار کو رومیوں سے مقابلہ کی تیاری کے لئے دیئے۔ مگر بختیار نے جنگ کا ارادہ ترک کر کے وہ رقم اپنی عیش و عشرت میں اُڑادی[2]

یہ تھی سلاطین دیالمہ کی اسلامی خدمت دارالخلافہ میں یہ واقعات پیش آئے۔ رومی قدم بڑھا رہے تھے۔ ۳۶۳ھ میں وستق شہر آمد کی طرف متوجہ ہُوا۔ ہبتہ اللہ بن ناصر الدولہ حمدانی اور اس کے بھائی ابو تغلب مسلمانوں کی پشت پناہی

---

[1] ابن خلدون جلد ۸ ص ۱۱۴   [2] تجارب الامم جلد ۶ ص ۳۰۱

کی خاطر جان کو ہتھیلی پر رکھ کر دُستق پر دو طرف سے آپڑے۔ رومیوں سے دو دو ہاتھ کئے۔ ہزاروں کا کھیت رہا۔ رومی پٹ کر بھاگے۔ دُستق گرفتار کیا گیا۔ اس کے بعد سے رومی ٹھنڈے پڑ گئے [1]

قرامطہ ۳۵۷ھ میں قرامطی دمشق پر قابض ہوئے اور حج کے جانے کے لئے مصر، شام کے راستے روک دیئے۔ اُن کا ارادہ مصر پر قبضہ کرنے کا تھا لیکن بنو عبید (بنی فاطمہ) المقر پہلے پہنچ گئے اور مصر پر قابض ہو گئے اور قاہرہ میں دارالامارہ بنا دیا گیا۔ بنو عباس کا نام مصر میں خطبوں میں سے نکال دیا گیا۔ ان شیعوں کی سلطنت اقلیم مغرب و مصر و عراق میں قائم ہو گئی [2]

بختیار اور خلیفہ ۳۶۲ھ میں بختیار اور خلیفہ میں کشیدگی پیدا ہو گئی۔ عوام میں بختیار سے نفرت تھی۔ کسی نے عز الدولہ بختیار کے غلام کو مار ڈالا۔ وزیر ابو الفضل شیرازی نے غلام کے بدلے شہر میں آگ لگوادی مگر وہ خود بھی اس آگ میں جل مرا [3]

تقررِ قاضی ۳۶۳ھ میں مطیع نے ابو الحسن محمد بن ام شیبانی ہاشمی کو قاضی بنایا۔ وہ قضاۃ کو قبول نہیں کرتے تھے۔ پھر اس پر رضامند ہوئے کہ وہ معاوضہ نہیں لیں گے کسی کی سفارش نہیں سنیں گے۔ البتہ عملہ قضاۃ کا صرفہ حکومت کے ذمہ ہے [4]

خلعِ خلافت ۳۶۳ھ میں مطیع پر فالج گرا اس کی زبان بند ہو گئی۔ عز الدولہ نے حاجب امیر سبکتگین کے ہاتھ کہلا بھیجا کہ وہ اپنے آپ کو معزول سمجھ کر اپنے بیٹے عبد الکریم الطائع اللہ کو کاروبارِ سلطنت سونپ دے۔ چنانچہ مطیع نے ایسا ہی کیا اور بروز چہار شنبہ ۲۳ ذی قعدہ ۳۶۳ھ مطابق ۷ اگست

---

[1] ابن اثیر سے ملخص کیا ہے [2] تاریخ الخلفاء صفحہ ۲۷۸ [3] ایضاً ص ۲۷۹

[4] تاریخ الخلفاء صفحہ ۲۷۹۔

۹۷۴ء کو الطائع للہ خلیفہ ہوا۔ مطیع نے انیس سال اور دو ماہ خلافت کی۔

علامہ ذہبی لکھتے ہیں کہ :۔

"مطیع اور اس کا بیٹا بنی بویہ کے ہاتھ میں کٹھ پتلی رہے اور یہ حالتِ ضعف خلافت مقتفی للہ تک باقی رہی۔ گو اس نے حالتِ خلافت کو کچھ تھوڑا سا سنبھال لیا تھا"

علامہ مسعودی نے التنبیہ والاشراف میں لکھا ہے کہ :۔

"خلیفہ کے لئے اب صرف دعا اور مراسلت میں امیر المومنین کا لقب رہ گیا ہے اور وہ اپنی جان کی سلامتی پر خوش اور خلیفہ کے لقب پر قانع ہے"

سیاسی حالات

مطیع کا عہد طویل تھا۔ مگر سیاسی انقلاب اور شورشیں ملک میں بپا رہیں۔ دیالمہ کا اقتدار بڑھا۔ دولتِ عباسیہ صرف نام کی رہ گئی۔ خلیفہ معز الدولہ کا دستِ نگر تھا۔ اس کو انتظامِ حکومت سے کوئی تعلق نہ تھا۔ عراق اور ایران میں امراء کی خانہ جنگیاں تھیں۔ سیاسی حالت کا تو یہ نقشہ تھا۔ معاشی کیفیت نہایت ابتر تھی۔ ہزارہا بھوک کا شکار ہو گئے۔ امن وامان مفقود تھا۔ بنی بویہ کے دور میں بغداد تباہی کی راہ لگ گیا۔ ایسا قحط پڑا کہ گلی، کوچے فاقہ زدوں کی لاشوں سے اَٹ گئے۔ جائدادیں روٹیوں کے بدلہ میں بکیں۔ مگر بختیار عیش وعشرت کرتا رہا۔[1]

وفات

مطیع اپنے بیٹے کو لے کر واسط چلا گیا اور محرم ۳۶۴ھ میں وہیں انتقال کر گیا۔[2]

فنِ جغرافیہ

خلیفہ مطیع کے زمانہ میں فنِ جغرافیہ کی خاص ترقی ہوئی۔ باوجودیکہ ابن رستا نے الاخلاق الفینہ (۹۰۳ء) اور ابن الفقیہ الہمدانی نے

---

[1] تاریخ الخلفاء صفحہ ۲۷۶ [2] ایضاً ص ۲۸۰

کتاب البلدان لکھی۔ مگر ابن حوقل نے اُن سے زیادہ سیاحت کی۔ اسپین تک سفر کیا اور جغرافیہ کی قدیم کتابوں پر اور نقشوں پر نظر ثانی بھی کی۔ ایک مجموعہ یادگار چھوڑ گیا۔ ۹۴۳ء میں ابن حوقل فوت ہوا۔

علمی ترقی مطیع کے عہد میں دارالخلافہ شورش کا مرکز بنا رہا۔ البتہ دنیائے اسلام میں بڑے بڑے علماء اس کے عہد میں پیدا ہوئے اور انھوں نے علمی خدمات انجام دیں۔ اس کے عہد کے مشاہیر علماء یہ تھے :۔

خرقی شیخ الحنابلہ۔ ابوبکر شبلی صوفی۔ ابن القاضی۔ امام الشافعیہ۔ ابورجاء الاسوانی ابوبکر صولی۔ ہیثم بن کلیب الشاشی۔ ابوالطیب الصعلوکی۔ ابوجعفر النحاس النحوی، ابواسحاق المروزی امام شافعیہ۔ ابوالقاسم الزجاجی النحوی کرخی، شیخ الحنیفہ، دینوری صاحب المجالسۃ۔ ابوبکر الضبعی۔ قاضی ابوالقاسم۔ ابن الحداد صاحب الفروع۔ ابوعلی بن ابوہریرہ شافعیہ، ابوعمر زاہد ابن درستویہ، ابوعلی الطبری، فاکہی صاحب تاریخ مکہ، ابن حبان صاحب الصحیح، ابن شعبان امام مالکیہ، ابوعلی القالی، عبداللہ بن محمد بن یعقوب فقیہ متوفی ۳۴۰ھ، احمد بن محمد بن عبدالرحمان، ابوعمر والطبری متوفی ۳۳۳ھ۔

مؤرخ ابوالحسن علی المسعودی، آخری عہد خلفائے بنی عباس کا مورخ ہے۔ مسعودی پہلا شخص ہے جس نے تاریخ نویسی کے قدیم طریقہ سنہ واری اور واقعہ نگاری کو چھوڑ کر تنقیدی و سلسلہ واری طریقہ کو رواج دیا جس کے بعد عام مورخین نے اختیار کیا۔

المسعودی نے تیس جلدوں میں تاریخ لکھی جس کا خلاصہ مروج الذہب و معادن الجواہر ہے۔ دوسری تصنیف التنبیہ والاشراف ہے[1]

فقہاء و محدثین اسحاق بن محمد بن اسماعیل سمرقندی متوفی ۳۴۲ھ علی بن محمد

---

[1] تاریخ الخلفاء صفحہ ۲۸۱۔

تنوخی، متوفی ۳۴۲ھ ۔ احمد بن محمد بن حامد طواویسی فقیہ متوفی ۳۴۴ھ، ابراہیم بن الحسین ابو اسحاق العزرمی، محدث و فقیہ متوفی ۳۴۲ھ ۔

ابو الفرج علی بن حسین اصفہانی ادیب کامل تھا۔ بغداد میں قیام تھا۔ اس نے کتاب الاغانی عام ضرب المثلیں تاریخی فوائد کا مجموعہ مرتب کی۔ ایک سو نظموں پر مشتمل یہ تالیف ہے۔ یہ نظمیں ابراہیم موصلی، اسماعیل بن جامی، فلیح بن عورۃ نے خلیفہ ہارون الرشید کے لئے لکھی تھیں۔ اس کے علاوہ اور بھی نظمیں ہیں۔ ابو الفرج کا انتقال ۳۵۶ھ میں ہوا۔[1]

معلم ثانی معلم ثانی ابو نصر بن طرخان بن اوزلیغ فارابی ماوراء النہر میں پیدا ہوا۔ سیف الدولہ کے دربار کا رکن تھا۔ فارابی کے موسیقی کے کمالات شہرہ آفاق ہیں۔ سیف الدولہ کے سارے دربار کو اگر ایک راگ سے ہنسا دیتا تھا تو دوسرے راگ سے رلاتا تھا اور کبھی غنودگی میں لاکر عرصہ تک حالت خواب میں رکھتا تھا۔ رسالہ فصوص الحکم۔ رسالہ فی آراء اہل المدینۃ الفاضلہ اور السیاسۃ المدنیۃ، آخر الذکر دو کتابوں میں فارابی افلاطون کی ری پبلک کے زیر اثر بہترین شہر کے نظم و نسق کو مذہبی حکومت کے تحت جسم انسانی کے مشابہ قائم کرنا چاہا ہے۔ اس فرضی شہر کا مقصود اولین شہریوں کی خوشحالی بتائی گئی ہے اور اقتدار اعلیٰ اخلاقی و ذہنی حیثیت کا متصور ہے۔ اس کے علاوہ فلسفہ میں کثیر التعداد کتابوں کا مصنف ہے۔ ہم نے فلاسفۂ اسلام میں مفصل حالات لکھے ہیں۔ ۳۳۹ھ، ۹۵۰ء بعمر اسّی سال وفات پائی۔[2]

دولت حمدانیہ حمدانی خاندان ابتداً شمالی عراق میں حکمران رہا۔ ان کا دار الحکومت موصل تھا۔ ۹۲۹ء سے ۹۹۱ء تک حمدانی سلطنت رہی۔ یہ لوگ حمدان بن حمدون قبیلۂ تغلب کی اولاد سے تھے۔ خاندان کا بانی سیف الدولہ

---

[1] ابن خلکان جلد ۲ صـ ۷۹ اخبار الحکما قفطی صـ ۱۸۲ [2] التنبیہ والاشراف صفحہ ۱۲۲ ۔

تھا (۹۴۴ء، ۹۶۷ء) جس نے اخشید کے نائب سے حلب اور حمص چھین لیا سیف الدولہ کے بعد سعد الدولہ اور اس کے بعد سعید الدولہ حکمران ہوئے۔ سعید الدولہ رومیوں کے بائیس تئیس حملوں کو کامیابی کے ساتھ روکتا رہا۔ آخر بلینی فورس سے شکست کھا کر ۹۶۱ھ میں حلب کو چھوڑنا پڑا۔ اس کے بعد قبرص کلیشہ، انطاکیہ بھی بائنزنیم کے ہاتھ آ گئے۔ انطاکیہ ۹۶۹ء سے ۱۰۸۴ء تک بائنزنیم کے قبضہ میں رہا۔ بنو فاطمی عبیدی کی طرف سے بھی سعید الدولہ پر دباؤ پڑا۔ آخر مجبور ہو کر اس نے ۱۰۰۳ء میں اُن کی اطاعت قبول کر لی۔ حمدانی بھی شیعہ مسلک رکھتے تھے۔

تذکرہ سیف الدولہ

سیف الدولہ ابی الحسن علی بن عبداللہ بن حمدانی جلیل القدر امراء سے تھا۔ پہلے موصل کا گورنر رہا پھر خود مختار ہو گیا۔ تمام عمر اس نے رومیوں سے جہاد کرنے میں گزاری جس کے حالات مطبع کے بیان میں درج کیے گئے ہیں۔ یہ تیغ و قلم ہر دو کا مالک تھا اور اس قدر علم دوست تھا کہ بقول امام ثعلبی کے اس کے دربار میں جس قدر شعراء اور اہلِ کمال جمع ہوئے، خلفائے عباسیہ کے سوا کبھی کسی کے دربار میں نہیں جمع ہوئے۔ ابوالعلا المعری (مت ۱۰۵۷) حکیم ابونصر فارابی اس کے دربار کے رکن تھے۔ فارابی نے قانون (رحاجا) سیف الدولہ کو نذر کیا۔

سیف الدولہ کو فن ادب سے دلی لگاؤ تھا اُس نے ایک کتب خانہ قائم کیا تھا جس میں صرف فن ادب کی کتابیں جمع تھیں۔ چنانچہ فن ادب کا ذخیرہ جس قدر اس کتب خانہ میں مہیا ہُوا اور کہیں نہیں ہُوا۔

محمد بن ہاشم اور اس کا بھائی دونوں فنِ شاعری میں ممتاز تھے۔ اس کُتب خانہ کے مہتمم اور افسر تھے[1] حلب سیف الدولہ کا دارالحکومت تھا۔

ابوالطیب المتنبی عرب کا قادر الکلام شاعر سیف الدولہ کا ندیم تھا۔ اس نے

---

[1] مقالاتِ شبلی جلد ۶ صفحہ ۱۶۲۔

اس کی مدح میں متعدد پرزور قصیدے نظم کئے ہیں جو نازک خیالی، چستی بندش، فصاحت و بلاغت اور محاسن کلام کے اعلیٰ نمونہ ہیں[1] اس کا معاصر ابو تمام حبیب بن اوس طائی دیوان حماسہ کا جامع تھا۔

ابو العلا المعری ۹۷۳ء میں پیدا ہوا، شعرا کا فیلسوف اور فیلسوفوں کا شاعر تھا، سیف الدولہ بڑی قدر کرتا تھا۔

المعری کی غذا اخوان الصفا اور ہندی خیالات کے زیر اثر صرف نباتات تھی۔ اللزومیات اور لزوم مالا یلزم اور رسالہ الغفران اس کی تصانیف سے ہیں۔ آخر الذکر تصنیف کا جو قنوطیت پر مبنی ہے ڈانٹے کی کتاب ڈیوائین کومیڈی کی تالیف پر گہرا اثر پڑا ہے۔ ۱۰۵۷ء ۴۴۸ھ میں انتقال ہوا۔

ابو طاہر محمد بن بقیۃ وزیر

ابو الطاہر محمد بن بقیۃ الملقب نصیر الدولہ عز الدولہ بختیار بن معز الدولہ دیلمہ نائب سلطنت خلیفہ مطیع للہ عباسی کا وزیر تھا۔

ابو الطاہر معز الدولہ کے مطبخ کا داروغہ تھا۔ بختیار کا منظور نظر ہو گیا۔ رفتہ رفتہ ترقی کرتے ہوئے وزارت پر سرفراز ہوا۔ مگر اس کے جود و سخا و کرم و عطا سے تمام عیوب پر پردہ پڑ گیا۔ کہتے ہیں کہ بیس روز میں اس نے بیس ہزار خلعت لوگوں میں تقسیم کئے۔

ابو اسحٰق کا بیان ہے کہ ایک شب کے جلسہ میں میں بھی موجود تھا۔ ابن بقیۃ نے دو سو دفعہ پوشاک بدلی۔ پہلی پوشاک بدل کر انعام میں دے دیتا۔ ایک منہ لگی مغنیہ نے کہا۔ حضور ان پوشاکوں میں شاید بھڑیں ہوں گی جو بدن پر کچھ لمحہ لباس رہنے نہیں پاتا۔ ابن بقیۃ یہ سن کر ہنس پڑا۔ اس کی امارت کا اندازہ اس سے ہوتا ہے کہ اس کے یہاں کا صرف موم بتی کا خرچ دو ہزار اشرفی ماہوار کا تھا۔

---

[1] تاریخ عرب موسیو صفحہ ۱۵۴۔

سخاوت میں بے عدیل تھا۔ مگر بخیل خور تھا۔ عزالدولہ کو عضدالدولہ سے بھڑا دیا۔ عزالدولہ بھائی سے شکست کھا گیا تو اُس کو ابن بقیتہ سے نفرت ہو گئی اور اس نے اس کو گرفتار کر کے عضدالدولہ شاہ اہوازہ کے پاس بھیج دیا۔ وہ اس کی حرکتوں سے واقف تھے اُس نے اسے پہلے تمام شہر میں تشہیر کرایا اور پھر مست ہاتھی کے پاؤں میں ڈال کر کچلوا دیا اور پھر بیرون دروازۂ شہر پھانسی پر لٹکوا دیا۔ یہ واقعہ ۳۶۷ھ کا ہے۔ ابوالحسن محمد انباری اس کے دربار کا شاعر تھا۔ اس نے اپنے آقا کی لاش پھانسی پر لٹکی دیکھی مدح کے پیرایہ میں مرثیہ لکھا جس کے دو شعر یہ ہیں ؎

علو فی الحیٰوۃ و فی الممات	لحق انت احدی المعجزات
کان الناس حولک حین قاموا	وفود نداک ایام الصلات
کانک قائم فیہم خطیبًا	وکلھم قیام للصلوٰۃ
لعظمک فی النفوس تبیت ترعی	بحفاظ و حراس ثقات[1]

ترجمہ ۱:۔ زندگی میں بھی تو بلند تھا اور مرنے کے بعد بھی بلند رہا۔ حق تو یہ ہے کہ تو بھی گویا ایک معجزہ ہے۔

۲:۔ لوگ جو تیرے گرداگرد کھڑے ہیں ایسے معلوم دیتے ہیں کہ تجھ سے انعامات و عطیات لینے کے لئے حاضر ہوتے ہیں۔

۳:۔ تو درمیان میں استادہ ہے اور لوگ بھی کھڑے ہوئے ہیں۔ اس سے ایسا نظر آتا ہے کہ تو خطیب ہے اور لوگ نماز کے لئے کھڑے ہیں۔

۴:۔ چونکہ آپ کی عظمت دلوں میں جمی ہوئی ہے اس لئے آپ سو رہے ہیں اور معتبر چوکیدار اور دربان پہرہ دے رہے ہیں۔

۴

[1] ابن اثیر جلد ۸ صفحہ ۲۲۹۔

خلیفہ طائع للہ

نام و لقب ابوالفضل عبدالکریم طائع للہ[1] بن الفضل مطیع بن جعفر مقتدر باللہ اس کی پیدائش ۳۱۷ھ میں ہوئی۔ اس کی ماں کا نام "ہنرارہ" تھا جو ام ولد تھی۔ خطیب کا بیان ہے:۔

"امہ ام ولد اسمہا عتسب"[2]

خلافت ۴۳ سال کی عمر میں تختِ خلافت پر بیٹھا (۳۶۳ھ) میں اراکین سلطنت نے بیعت کی۔ اس نے پہلا کام یہ کیا کہ امیر سبکتگین کو نیابت کا خلعت عطا فرمایا اور نصر الدولہ کا خطاب اور پرچم مرحمت کیا۔[3]

سبکتگین اور عزالدولہ سبکتگین کے اعزاز سے عزالدولہ بگڑ بیٹھا سبکتگین کا عزالدولہ پر غلبہ تھا وہ مقابل تو نہ آیا مگر اس نے اپنے چچازاد بھائی عضدالدولہ کو بغداد پر حملہ کرنے کے لئے آمادہ کیا۔

بغداد پر حملہ عضدالدولہ ۳۶۳ھ میں بغداد پر حملہ آور ہوا۔ اس اثنا میں سبکتگین نے اس دارِ فانی سے کُوچ کیا۔ ترکوں نے امیر افتگین کو اس کا جانشین اور تاج و تخت کا وارث قرار دیا۔ امیر افتگین نے عضدالدولہ سے دو دو ہاتھ کئے۔ ہر دو طرف کے بہادروں نے اپنے اپنے جوہر مردانگی دکھائے۔ مگر افتگین کو خونریز جنگ کے بعد شکست اُٹھانا پڑی۔ معہ اپنے ترکی فوج کے تکریت کی طرف ہٹ گیا۔ بغداد پر عزالدولہ قابض ہُوا اور

---

[1] دائرہ المعارف البستانی جلد ۱۱ صفحہ ۱۸۹ [2] تاریخ الخلفاء صفحہ ۲۸۲۔

[3] تاریخ بغداد جلد ۱۱ صفحہ ۷۹۔

اس نے عزالدولہ بختیار کو گرفتار کر لیا۔ بختیار کا لڑکا عضدالدولہ سے بگڑ بیٹھا۔ اس نے عمران بن شاہین کو ساتھ لے کر عضدالدولہ کے خلاف اُٹھ کھڑا ہوا اور بغداد پر حملہ بول دیا۔ عضدالدولہ کو شکست کا منہ دیکھنا پڑا اور وہ اپنے مستقر چلا گیا۔ پھر سے بختیار منصب امارت پر قائم ہوا۔ مگر ابھی زیادہ زمانہ نہ گزرا تھا ۳۶۷ھ میں عضدالدولہ کی فتح و نصرت کا بغداد میں دوبارہ ڈنکا بجا۔ خلیفہ نے عضدالدولہ کو نائب سلطنت بنایا۔ مگر اس نے طائع کا نام خطبوں سے نکلوا دیا۔ چند ماہ بغداد میں یہی رنگ رہا۔ اس کے عہد میں رقص کا چرچا بڑھ گیا۔ نماز تراویح بند کر دی گئی[1] عضدالدولہ کی ڈیوڑھی پر فجر، مغرب، عشاء کے وقت نوبت بجا کرتی[2] بختیار نے راہِ فرار بغداد سے اختیار کی۔ اس کا محبوب غلام عضدالدولہ نے پکڑ لیا۔ غلام کے لئے عزالدولہ بے چین رہتا تھا۔ دو کنیزیں ایک لاکھ میں خرید کر کے غلام کے بدلہ میں عزالدولہ کو دیں۔ جب غلام بختیار کے پاس پہنچا[3] بختیار ایک درجہ خبیث باطن تھا۔ عضدالدولہ اس سے بڑھا ہُوا نکلا۔ آخرش بختیار عضدالدولہ کے قبضہ میں آگیا۔ اُس نے اُسے موت کے گھاٹ اُتار دیا۔

اس کے بعد عضدالدولہ بنی حمدان کی سرکوبی کے لئے موصل پر حملہ آور ہُوا۔ ابو تغلب تاب مقابلہ نہ لا سکا اور شام چلتا ہُوا۔ وہیں وہ قتل ہو گیا۔ اس کے بیٹوں ابراہیم و حسین نے ۳۸۰ھ میں دادِ شجاعت دیکر موصل پھر واپس لے لیا۔

بغداد میں عضدالدولہ کا دَور دورہ تھا۔ خلیفہ نے اس کو سات خلعتیں عطا کیں جواہرات سے جڑا ہُوا تاج عضدالدولہ کو پہنایا۔ طوق و کنگن پہنائے اور ایک ہدایت نامہ اس کے حق میں خلیفہ نے لکھا۔ جب یہ رنگ عضدالدولہ نے دیکھا تو اب خلیفہ پر زور ڈالا کہ میرے لئے اسی طرح سے تفویض و قائم المقامی کی رسم ادا کی جائے جس طرح خود مختار گورنروں کے لئے خلفائے سابق کا دستور تھا۔

---

[1] تاریخ الخلفاء صفحہ ۲۸۳ [2] ابن اثیر جلد ۸ صفحہ ۲۱۲ [3] تاریخ الخلفاء صفحہ ۲۸۴۔

غرضیکہ اس نے خلافت کی روایات کے خلاف تفویض کی تحریر کو لوگوں کے سامنے سنانے کے لئے خلیفہ کو آمادہ کر لیا۔ ورنہ خلیفہ کا قاعدہ تھا کہ اپنے خود مختار گورنروں کے لئے ایک تحریر لکھتا تھا اور بغیر دکھلائے ہوئے سربمہر کر دیتا تھا اور اس سے کہتا تھا یہ تفویض ہے جو کچھ اس میں ہے اس پر تمہیں عمل کرنا ہوگا۔" مگر عضد الدولہ نے جبریہ اس کے خلاف عمل کرایا۔

خلیفہ کی زبوں حالی عضد الدولہ نے خلیفہ کو اس حیثیت کا بنا دیا تھا کہ جب کبھی عضد الدولہ سفر سے آتا تو استقبال کے لئے خلیفہ کا باہر آنا ضروری تھا۔ ظاہرہ طور پر عام مجالس میں عضد الدولہ خلیفہ سے نہایت عزت و احترام سے پیش آیا کرتا تھا۔[2] عضد الدولہ ۳۷۲ھ میں مر گیا۔ اس کا لڑکا صمصام الدولہ اس کا جانشین ہوا جس کو شمس الملت کا خطاب عطا کیا۔ تھوڑے عرصہ بعد اس کے بھائی شرف الدولہ نے اس پر چڑھائی کر دی۔ اور اس کو گرفتار کر کے اندھا کر دیا۔ خلیفہ نے شرف کو نائب سلطنت بنا لیا۔ شرف الدولہ ۳۷۹ھ میں فوت ہوا اس کا بھائی ابونصر جانشین ہوا۔

دربارِ خلافت سے بہاء الدولہ اور ضیاء الملت خطاب عطا ہوئے اور اعیانِ حکومت کے سامنے سات خلعتیں مرحمت ہوئیں۔ سیاہ عمامہ، طوق و کنگن عنایت ہوئے۔ دربار میں حاجیوں کی تلوار کے سایہ میں خلیفہ کے حضور لایا گیا۔ بہاء الدولہ نے زمین بوسی کی اور کرسی پر بیٹھا اور تفویض کی تحریر خلیفہ سے پڑھوائی۔

بہاء الدولہ بہاء الدولہ نے عنانِ حکومت بغداد ہاتھ میں لیتے ہی شرف الدولہ کے لڑکے ابوعلی کو دھوکہ سے بلا کر قتل کرا دیا اور پھر صمصام الدولہ سے بھڑ پڑا۔ ۳۸۹ھ میں فارس کے میدان میں دو دو ہاتھ ہوئے مگر صلح پر فیصلہ ہوا۔ عراق و خوزستان بہاء الدولہ کے قبضے میں رہے۔ فارس اور ارجان

---

[1] ابن اثیر جلد ۸ صفحہ ۲۷۷ [2] تاریخ الخلفاء صفحہ ۲۸۹۔

صمصام الدولہ کے قبضہ وتصرف میں آئے [1]

موصل کی حمدانی حکومت کا خاتمہ عضد الدولہ نے کر دیا تھا۔ مگر ناصر الدولہ حمدانی کے لڑکے ابوطاہر، ابراہیم، عبداللہ حسین شرف الدولہ کے پاس بغداد میں رہتے تھے تینوں بہاء الدولہ سے اجازت لے کر موصل گئے۔ اہل موصل اپنے آقا زادوں کے ہمنوا ہو گئے۔ خواشناذہ والیٔ موصل نے راہِ فرار اختیار کی اور بغداد پہنچا۔ یہ تینوں بھائی موصل پر پھر قابض ہو گئے۔ بادکردی والیٔ دیار بکر نے موصل لینا چاہا۔ مگر وہ جنگ میں گھوڑے سے گر کر مر گیا۔ اس کے بھانجے ابوعلی حسن بن مروان نے اس کے مقبوضات پر قبضہ کیا۔ اس وقت سے دیار بکر میں مروانی حکومت قائم ہوئی۔

امرائے دولت مروانیہ

ابوعلی حسن بن مروان (۳۸۰ھ۔ ۳۸۷ھ)
مهدو الدولہ ابونصر احمد بن مروان (۴۰۲ھ)
نصر الدولہ ابونصر احمد بن مروان (۴۵۳ھ) نظام الدولہ نصر بن احمد (۴۷۲ھ) منصور بن نصر (۴۸۹ھ) ابوعلی کے بعد نصر الدولہ اس خاندان میں جلیل القدر حکمران تھا۔ علماء کا مربی وسرپرست، امام عبداللہ گازرونی اس کے دربارِ علمی کے رکنِ اعلیٰ تھے۔ یہ وہ ہستی تھے جنہوں نے دیار بکر کی پست قومیں تعلیم کی طرف رجوع کیں اور اُن کی تمدنی حالت درست ہوئی ۴۸۹ھ میں یہ دولت بھی بنی بویہ کے ملک کے ساتھ سلاجقہ کے قبضہ میں چلی گئی۔

بغداد کی مرمت

طائع کے عہد میں مسلسل خونریزیوں اور پیہم معرکہ آرائیوں نے بغداد کو ویران کر دیا تھا۔ بختیار کی نیابت میں اور خراب حالت ہو گئی تھی۔ عضد الدولہ نے ۳۶۹ھ میں فصیل بغداد کی مرمت کرائی۔ مسجد اور بازاروں کو درست کرایا۔ طائع کے مشورے سے آئمہ، علماء، فقراء میں مال و زر تقسیم کیا۔ نہروں کو جاری کرایا۔

---

[1] دائرہ المعارف البستانی جلد ۱۱ صفحہ ۶۶۔

شفاخانہ | ۳۷۱ھ میں شفاخانہ عضدی کھولا گیا۔

عضدالدولہ کی نظر خلافت پر | عضدالدولہ کا شوقِ سیادت اس رتبہ بلند ہونے کے بعد بھی تشنہ تھا اس کی تمنا یہ تھی کہ خلافت بھی اس کے خاندان میں منتقل ہو جائے۔ چنانچہ اس نے اپنی لڑکی کا طائع کے ساتھ صرف اس امید پر عقد کر دیا کہ اگر اس سے کوئی بیٹا پیدا ہوگا تو وہ خلافت کا وارث ہوگا مگر یہ اُمید بر نہ آئی۔

ذکر آلِ حمدان | آلِ حمدان نے بانہ کے قتل کے بعد دیار بکر پر فوج کشی کی۔ ابوعلی نے گرفتار کر لیا۔ مگر والیٔ مصر کی سفارش سے ابوعبداللہ چھوٹے اور مصر چلے گئے۔ اس کو والیٔ مصر نے حاکمِ حلب بنا دیا۔

ابوطاہر نصیبین گیا تو وہاں کے والی محمد بن مسیب عقیلی نے اس کو گرفتار کر کے قتل کرا دیا اور موصل پر حکمرانی کرنے لگا۔ پھر اس کی اولاد میں عقیلی حکومت ایک عرصہ تک رہی جس کا ذکر قادر کے حالات میں تحریر ہے۔

دولتِ غزنویہ

طائع کے عہد میں افغانستان کی غزنوی حکومت قائم ہوئی۔ یہ حکومت ماوراءالنہر کی سامانی حکومت سے پیدا ہوئی۔ یہاں کا فرمانروا امیر نوح بن منصور سامانی تھا۔ اس کی حکومت کی بنیاد کمزور ہو چکی تھی۔ اس کے پہلو میں ایک جدید حکومت شہاب الدین بغراخاں کی پیدا ہو گئی۔ وہ سامانیوں کے مقابل طاقت ور تھی۔

اِدھر سبکتگین کے اقبال کا ستارہ طلوع ہو رہا تھا۔ رفتہ رفتہ وسط ایشیا سے لے کر ہندوستان تک پھیل گئی۔ اس حکومت کا بانی امیر سبکتگین ماوراءالنہر کی سامانی حکومت کے خراسانی صوبہ دار امیر الپتگین کا غلام تھا، مگر تھا سامانیوں کی نسل سے، اس کے بزرگ ایک عرصہ تک حکمرانی کر چکے تھے۔ زمانہ کے ہاتھوں سبکتگین کو

غلامی کا منہ دیکھنا پڑا۔

سبکتگین کو شجاعت اور دُور بینی ورثہ میں ملی تھی۔ اس کے بشرے سے آثار ترقی ظاہر ہوتے تھے۔ ترقی کرتے ہوئے فوج غزنی کا سپہ سالار ہو گیا۔ اِدھر ۳۸۳ھ میں بغرا خاں مذکور نے آل سامان کے نائب ابوالحسن سمجور کو جو خراسان کا امیر تھا اس نے اپنے ساتھ ملا لیا اور بخارا پر حملہ کر دیا۔ نوح بن سامان مغلوب ہو کر آمد چلا گیا۔ بغرا خان حسنِ اتفاق سے بیمار ہو گیا تو نوح نے پھر اپنے گئے ملک پر قبضہ کر لیا۔ بغرا خاں اس مرض میں جاں بحق ہوا۔ اس کا بیٹا ایلک خاں اس کا جانشین ہوا۔ اس نے ۳۸۸ھ میں امیر نوح کے مرنے کے بعد اپنے سپہ سالار فائق کو بخارے پر قبضہ کے لئے بھیجا۔

فائق نے بخارا فتح کر لیا۔ منصور بن نوح نے صلح کر لی کہ ملک ایلک خاں کا رہے اور حکومت فائق کی ہو۔ مگر فائق اور سامانی سپہ سالار بکتوزون نے باہمی میل کر کے منصور کو قتل کرا دیا اور اس کے بیٹے عبدالملک کو تخت نشین کیا۔ ۳۸۹ھ میں خود ایلک خاں بخارا گیا۔ اس نے بکتوزون کو گرفتار کر لیا۔ عبدالملک بھاگ گیا مگر وہ گرفتار ہو کر اٖفکند میں قید کر دیا گیا وہیں وہ مرا۔ اس کے بعد سے سامانی دولت کا چراغ گُل ہو گیا جس کی تفصیل پہلے بیان کی جا چکی ہے سلوا مانی حکومت حلوان سے حدودِ چین تک تھی۔

امیر سبکتگین آل سامان کی طرف سے غزنی میں اسحاق بن الپتگین امیر تھا۔ سبکتگین اس کا غلام تھا۔ جیسا کہ اوپر ذکر آ چکا ہے اسحاق کی فوج نے اسحاق کے مرنے کے بعد سبکتگین کو اپنا سردار بنا لیا۔ وہ ہر سپاہی سے برادرانہ سلوک کرتا تھا۔ سبکتگین نے ہندوستان کی سرحد پر مختلف جنگیں کیں۔ راجہ جے پال سے مقابلہ رہا۔ اس کے تفصیلی حالات "تاریخ ملت" جلد نہم میں تحریر کئے جائیں گے۔

غرضیکہ ۳۴۴ھ میں خراسان میں فائق اور ابو علی سمجور نے بغاوت کی۔

اس وقت امیر نوح سامانی نے سبکتگین کو ان کے مقابلہ کے لئے بھیجا۔ ان دونوں نے فخر الدولہ بنی بویہ اور امیر جرجان سے مدد مانگی۔ اس نے لشکر روانہ کیا۔ امیر سبکتگین نے نواحی جرأت پر ان سب کو شکست دی جس سے کچھ عرصہ کے لئے خراسان آل سامان کے پاس رہ گیا۔ امیر نوح نے سبکتگین کو ناصر الدولہ کا خطاب دیا اور اس کے بیٹے محمود کو جس نے اس جنگ میں کارنامے نمایاں کئے تھے سیف الدولہ کا خطاب عطا کر کے خراسان کا والی مقرر کیا۔ اس نے نیشاپور میں قیام کیا اور سبکتگین غزنی کی طرف واپس آ گیا۔

ابو علی سمجور نے موقعہ پا کر پھر یورش کی۔ محمود تاب مقابلہ نہ لا سکا۔ غزنی روانہ ہونے کو تھا سبکتگین نے خبر پا کر طوس کے متصل ابو علی کو جا لیا اور اس کی مزاج پرسی ایسی کی کہ پھر سر اٹھانے کی اس میں طاقت نہ رہی۔ ۳۸۷ھ میں امیر سبکتگین کا انتقال ہوا۔ یہ نہایت عادل، دیندار، مجاہد پابندِ عہد تھا۔ اس کی جگہ اس کا بیٹا اسماعیل امیر ہوا۔ امیر محمود سے چھوٹا تھا۔ امیر محمود نے اس کو لکھا کہ امارت میرا حق ہے۔ تم اپنے درجہ پر رہو۔ مگر وہ راضی نہ ہوا تو امیر محمود نے نیشاپور سے غزنی پر فوج کشی کر دی۔ اسماعیل گرفتار ہو گیا۔ محمود نے اس کے ساتھ برادرانہ سلوک کیا۔ محمود نے سامانی سرداروں کو زیر کر کے مستقل سلطان بن گیا۔

عباسی خلیفہ قادر باللہ نے اس کو یمین الدولہ کا خطاب عطا فرمایا اور ولایت کا خلعت بھیجا۔ اطراف ممالک کے بادشاہوں نے سلطان محمود کی قوت کو دیکھ کر دربار میں اطاعت نامے ارسال کئے۔ ہندوستان میں متعدد فتوحات حاصل کیں اور بڑے حصہ پر قبضہ کیا۔ نیز رے اور جبال وغیرہ بھی اس کی حکومت میں آ گئے۔ جرجان اور طبرستان کے ملوک نے بھی اطاعت قبول کی۔ بقیہ حالات آگے آتے ہیں۔

دولت زیاریہ اس دولت کا حال پہلے کچھ آ چکا ہے۔ جرجان میں مرداویج بن زیار نے سلطنت قائم کی تھی۔

امرائے دولت زیاریہ

مرداویج بن زیار (۳۱۶ - ۳۲۳ھ) وشمگیر (۳۵۷ھ) ظہیر الدولہ بے ستون پسر وشمگیر (۳۶۶ھ) شمس المعالی قابوس پسر وشمگیر (۴۰۳ھ) شمس المعالی کے ہاتھ میں جرجان اور طبرستان کی آزاد حکومت تھی ۔ ۳۶۶ھ میں تخت نشین ہوا ۔ ۳۷۱ھ میں دیلمیوں نے اس کی حکومت پر قبضہ کر لیا ۔ شمس المعالی نے سامانیوں کے یہاں پناہ لی ۔ ۳۸۸ھ میں دوبارہ حکومت حاصل کی ۔ ۴۰۳ھ میں بلوے میں قتل ہوا ۔

شمس المعالی علم دوست حکمران تھا ۔ شیخ الرئیس ابو علی سینا اس کے دربار علمی میں اس وقت پہنچا جب وہ انتقال کر چکا تھا ۔ شمس المعالی نے البیرونی کو طلب کیا اور اپنے پاس ایک عرصہ تک رکھا [1] البیرونی کی عمر ۲۷ سال کی تھی ۔ اس نے تجرید الشفاعات اور کتاب آثار الباقیہ لکھ کر شمس المعالی کی خدمت میں ۳۹۰ھ میں پیش کی ۔

شمس المعالی کے قتل کے بعد فلک المعالی منوچہر پسر بے ستون تخت نشین ہوا ۔ ۴۲۰ھ تک حکمران رہا ۔ اس کے بعد ابو شروان بن قابوس ہوا ۔ اس کے وارث شاہان غزنویہ ہوئے ۔

طائع کی گرفتاری

بہاء الدولہ دیلمی حکمرانوں میں منحوس تھا ۔ اس کے عہد میں خزانہ خالی تھا فوج کو تنخواہ وقت پر نہ ملتی تھی ۔

چنانچہ ۳۸۱ھ میں فوج میں روپے کے لئے شورش پیدا ہو گئی ۔ امیر ابو الحسن بن معلم فتنہ پرداز نے بہاء الدین سے کہا کہ طائع کے خزانہ میں کافی دولت ہے اگر طائع کو گرفتار کر لیا جائے تو اس کی دولت ہاتھ آ جائے گی ۔ بہاء الدولہ نے تجدید عہد کے بہانہ طائع سے باریابی کی اجازت چاہی اس نے دیدی ۔

بہاء الدولہ چند دیلمیوں کو ساتھ لے کر پہنچا ۔ پہلے زمین بوس ہوا اور کرسی پر بیٹھا ۔ دیلمی بھی دست بوسی کے بہانے سے آگے بڑھے اور طائع کو تخت سے کھینچ کر ظالموں نے نیچے اُتار لیا اور گرفتار کر لیا ۔ بہاء الدولہ نے محلات کا سامان

لوٹ لیا۔ طائع کو بہاء الدولہ کے محل میں لا کر خلافت سے معزول کر کے قاہر باللہ کے محل میں نظر بند کر دیا۔ مگر قاہر نے دوران نظر بندی میں طائع کی عزت و حرمت کا پورا لحاظ رکھا اور حتی الوسع آرام و آسائش کا پورا انتظام کیا۔

انتقال یہیں طائع کا شب عید الفطر ۳۹۳ھ میں انتقال ہو گیا۔ رصافہ میں دفن ہوا۔[1] اس کی مدتِ خلافت سترہ سال آٹھ مہینے اور عمر چونسٹھ سال تھی۔ نماز جنازہ قادر باللہ نے پڑھائی۔ شریف رضی نے مرثیہ اس کے لئے لکھا۔

اوصاف طائع شجاع تھا، خلیق و متواضع، حتی المقدور انعام و اکرام سے نوازتا تھا۔ دماغی قوت اور اوصافِ جہانبانی سے محروم تھا۔ اس نے اپنے ہاتھوں عضد الدولہ کے اقتدار کو بڑھایا۔ مگر اس کے ساتھ قوی بڑا تھا۔ اس کی بہادری کا واقعہ الفخری میں یہ ہے:-

"اس کے قبرستان میں ایک پہاڑی مینڈھا مست ہو گیا۔ کوئی شخص اس کے پاس جانے کی ہمت نہ کرتا تھا۔ طائع خود اس کو قابو میں لانے کے لئے گیا۔ مینڈھے نے اس پر حملہ کر دیا۔ طائع نے بڑھ کر اس کے دونوں سینگ پکڑ لئے اور بڑھئی کو بلا کر آری سے سینگ کٹوا دیئے جب تک سینگ نہ کٹ گئے خود طائع پکڑے رہا۔[2] طائع کی جسمانی طاقت بہت تھی مگر دماغی حالت کمزور تھی جس کا نتیجہ اس کی معزولی کی صورت میں رونما ہوا"[3]

خطبہ طائع کی کمزوری اور ضعف سلطنت کا نتیجہ تھا کہ حرمین میں خلفائے

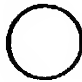
---

[1] تاریخ الخلفاء صفحہ ۲۸۵ [2] تاریخ بغداد جلد ۱۱ صفحہ ۷۹ [3] الفخری صفحہ ۲۵۹۔

---

[1] آثار الباقیہ صفحہ ۶۸۔

عباسیہ کا خطبہ پڑھا جاتا تھا۔ فاطمیہ مصر معزالدولہ کے نام کا خطبہ پڑھا جانے لگا۔[1]
طائع کے وقت میں حسب ذیل علماء نے انتقال کیا :۔
"ابن السنی الحافظ۔ ابن عدی۔ قفال کبیر۔ حسن السرانی نحوی قاضی بغداد متوفی ۳۶۸ھ۔ ابوسہل الصعلوکی۔ احمد بن علی بن الحسین ابوبکر الرازی الحنفی محدث متوفی ۳۷۰ھ صاحب احکام القرآن۔ ابن خالویہ۔ ازہری امام اللغتہ۔ ابوابراہیم فارابی صاحب دیوان الادب۔ رفاد شاعر، ابوزید المروزی الشافعی، دارکی۔ ابوبکر الابہری شیخ المالکیہ، نصر بن محمد بن احمد ابواللیث السمرقندی محدث امام الحنفیہ۔ ابوعلی فارسی النحوی، ابن الجلاب المالکی۔[1] علی بن الطحاوی محدث متوفی ۳۵۱ھ۔ احمد بن محمد نیشاپوری معروف بقاضی الحرمین متوفی ۳۵۱ھ ابن ابی یعقوب الندیم الوراق علماء اسلام سے تھا۔ فہرست العلوم مشہور و معروف اس کی تصنیف سے ہے۔ ۳۸۵ھ، ۹۹۵ء میں یہ جلیل القدر عالم فوت ہوا۔
ابوبکر احمد بن محمد بن موسیٰ بن رجاء الارجنی فقیہ و محدث تھے۔ ۳۶۹ھ میں انتقال کیا۔[2]
ابی بکر محمد بن حسن معروف نقاش موصلی معتزلی شفاء الصدور کے مصنف ہیں ۳۵۱ھ میں فوت ہوئے۔



---

[1] تاریخ الخلفاء صـ۲۸۲ [2] معجم البلدان جلد ۱ صـ۱۷۶۔

خلیفہ قادر باللہ

نام ولقب ابوالعباس احمد قادر باللہ بن اسحاق بن مقتدر باللہ۔ اس کی والدہ ومنہ نامی تھی۔ ۳۳۶ھ میں اس کے بطن سے پیدا ہوا[1]

تعلیم وتربیت شاہی گھرانے کا فرد ہوتے ہوئے آباؤ اجداد سے ورثہ میں علم عطا ہوا تھا۔ وہ بڑا فقیہ تھا۔ یہاں تک کہ اس کو تفقہ میں علامہ ابی بشر الہروی الشافعی پر ترجیح دی جاتی تھی[2]

خلافت طائع کی گرفتاری کے بعد ۳۸۱ھ میں باتفاق آرا قادر باللہ ابوالعباس احمد بن اسحاق بن مقتدر کے ہاتھ پر ارکینِ سلطنت نے بیعت کی۔

وقائع طائع کی زندگی میں قادر نے اس کو ایک مرتبہ خلافت سے معزول کرانے کی کوشش کی تھی۔ اس وجہ سے طائع نے اس کی گرفتاری کا حکم دیا۔ وہ بغداد سے بطیحہ میں مہذب الدولہ ابوالحسن کے پاس چلا گیا۔ اُس نے ہاتھوں ہاتھ لیا اور تعظیم وتکریم سے پیش آیا۔ طائع کی معزولی کے بعد امرائے بغداد نے قادر کو خلافت کے لئے نامزد کیا۔

بہاء الدولہ نے اپنے خواص کو قادر کے لینے کے لئے بھیجا۔ مہذب الدولہ نے شاہانہ ساز وسامان کے ساتھ قادر کو بغداد روانہ کیا اور بہت بڑی رقم بھی ساتھ کر دی۔ ۱۲ رمضان ۳۸۱ھ کو بغداد میں قادر رونق افروز ہوا۔ بہاء الدولہ اور تمام امرائے سلطنت استقبال کے لئے نکلے۔ نہایت تزک واحتشام کے ساتھ دربار میں لائے اور اس وقت خلافت کی بیعت ہوئی۔

---

[1] تاریخ الخلفاء ص ۲۸۶ [2] طبقات الشافعیہ جلد ۳ ص ۱

نائب سلطنت

بہاء الدولہ بویہ نائب السلطنت بنے ہوئے تھے۔ نام کے لئے قادر خلیفہ تھے لیکن امورِ مملکت میں اُن کا کوئی دخل نہ تھا۔ مگر قادر ذی علم اور ذی لیاقت تھا۔ اُس نے علماء کو اپنے دربار میں جگہ دی اور رعایا کا خبر گیراں رہتا تھا۔ بہاء الدولہ سے کہہ سُن کر رعایا کی فلاح و بہبود کے کام کراتا۔ اس لئے رعایا میں بہت ہر دلعزیز ہو گیا۔ امراء اور حکام پر بھی اس کا اثر ہونے لگا۔ مؤرخین کہتے ہیں کہ قادر نے اپنے حُسنِ تدبیر و سیاست دانی سے خلافت میں ایک تازہ روح پھونک دی اور حکام و عُمّال نے بھی اس کی اطاعت کی۔ آہستہ آہستہ بہاء الدولہ سے قادر اختیار لینے لگا۔

رُومیوں سے صُلح

رومیوں نے آرمینیہ کے علاقہ پر حملہ کر دیا۔ بلادِ خلاط ملاذ کرد[1] وار جیش کا محاصرہ کر لیا۔ امیر ابو علی حسن بن مروان نے جو بنو مروان میں حاکم تھا اُن سے پریشان کن حملوں سے محفوظ رہنے کے لئے اُن سے دس سال کے لئے مصالحت کر لی۔

نئی حکومتوں کا قیام

حکومت بنی عباس کی کمزوری سے آئے دن نئی نئی حکمرانیاں قائم ہو رہی تھیں۔ چنانچہ یمن کی دولت زیادیہ پر آلِ زیاد کے ایک حبشی غلام مؤید نجاح نے ۴۱۲ھ میں قبضہ کر کے اپنی خود مختاری کا اعلان کر دیا۔[2]

---

[1] دیار بکر پر باذ کرد کا قبضہ تھا۔ اس کے بھانجہ ابو علی حسن نے ۳۸۰ھ میں دولت مروانیہ قائم کی۔ ابو علی نہایت فرزانہ مدبر برادر کریم الطبع تھا۔ سیف الدولہ کی بیٹی ست الناس اس کو منسوب تھی۔

[2] یہ دولت ۵۵۴ھ تک اس کی نسل میں رہی۔ امراء کے نام یہ ہیں:-
مؤید نجاح (۴۱۲ - ۴۵۴ھ) سعید احول بن نجاح (۴۸۲ھ) جیاش بن نجاح ۴۹۸ھ فاتک بن جیاش (۵۰۳ھ) منصور بن فاتک (۵۱۷ھ)، ۵۵۴ھ میں یہ دولت ختم ہو گئی اور دولتِ مہدیہ کے قبضہ میں گئی۔

بنی حمدان موصل میں بنی حمدان حکمران تھے ان میں حکومت کرنے کی صلاحیت نہ رہی تو اُن کے کھنڈروں پر دولتِ عقیلی[1] کی تعمیر ہُوئی۔ یہ بنی بویہ کے ماتحت تھے۔

دولت مرواسیہ حلب کے علاقے پر خلفائے فاطمین کے پَے در پے حملے ہُوئے۔ آخر مِرداس ان کا یہاں اقتدار ہوگیا۔ ان کا خطبہ بھی یہاں جاری ہُوا۔ اس علاقہ کے امرائے عرب حسان امیر بنی طے صالح بن مرداش امیر بنی کلاب اور سنان بن علیان، شجاع اور بہادر اس کے ساتھ اسلامی درد اُن کے دل میں تھا۔ خلفائے بنی ناطمین کی غلط روش اور ان کی ترویجِ بدعات سے متاثر ہوکر اُن کے مقابل آ گئے۔

فوج سے دو دو ہاتھ کئے۔ ان کو حلب بلکہ شام سے بھی بے دخل کر دیا۔ حلب سے عانہ تک صالح نے قبضہ کیا۔ رملہ سے مصر کے حدود تک حسان کے تصرف میں آیا۔ دمشق پر سنان حکمران ہُوا۔

۴۲۰ھ میں فاطمی خلیفہ الظاہر نے انوشکین بربری کے ہمراہ ایک فوج ان امراء سے مقابلہ کے لئے بھیجی۔ صالح اس جنگ میں کام آیا۔ لیکن اس کے بیٹے

---

[1] دولتِ عقیلی۔ حسام الدولہ مقلد بن مسیب (۳۸۶ - ۳۹۱ھ) معتمد الدولہ قرواش بن مقلد (۴۴۲ھ)۔

[2] قرواش نے خلیفہ عباسی کا خطبہ ترک کر کے فاطمی خلیفہ کا خطبہ جاری کیا۔ قادر نے قاضی ابوبکر باقلانی شیخ اشعریہ کو بہاء الدولہ کے پاس بھیجا۔ اس نے موصل پر فوج سرکوبی قرواش کے لئے روانہ کی۔ قرواش نے خوف کھا کر پھر عباسی خطبہ جاری کر دیا۔

[3] زعیم الدولہ ابوکامل برکت بن مقلد (۴۴۳ھ) علم الدولہ ابوالمعالی قرداش بن بدران بن مقلد (۴۵۳ھ) شرف الدولہ ابوالمکارم مسلم بن قرواش (۴۷۸ھ) ابراہیم بن قرواس (۴۸۶ھ) علی بن مسلم بن قرواس (۴۸۹ھ)۔

نصر نے مصریوں کی پوری طاقت کا مقابلہ کیا اور اُن کو مار بھگایا۔ پھر بلا شرکت غیرے نصر حلب[1] پر حکمرانی کرنے لگا۔ اس کی اولاد میں ۴۹۲ھ تک حکمرانی رہی۔

عراق کے حکمران قادر کے عہد میں دیالمہ میں سے یہ چار تھے :۔

۱۔ بہاء الدولہ ابونصر بن عضد الدولہ۔ اس کی حکمرانی عراق، فارس، اہواز اور کرمان پر تھی۔ اس نے ۴۰۳ھ میں انتقال کیا۔

۲۔ سلطان الدولہ ابوشجاع بن بہاؤ الدین باپ کا جانشین ہوا۔

۳۔ شرف الدولہ ابوعلی بن بہاء الدولہ اس نے ۴۱۲ھ میں سلطان الدولہ سے سلطنت چھین لی اور اس نے فارس اور کرمان جاکر اپنی نئی حکومت قائم کی۔ ۴۱۶ھ میں شیراز میں مرا۔ اس کا بیٹا کالیجار اس کا جانشین ہوا۔ شرف الدولہ نے ۴۱۶ھ میں انتقال کیا۔

۴۔ جلال الدولہ ابوطاہر بن بہا الدولہ اشرف الدولہ کے بعد خطبہ میں اس کا نام پڑھا گیا۔ یہ بصرہ میں مقیم تھا اس کو بُلایا گیا مگر وہ نہیں آیا تو اس کے نام کے بجائے ابوکالیجار والی فارس کا نام خطبہ میں لیا گیا۔ وہ اپنے چچا ابوالفوارس حکمران کرمان کے ساتھ جنگ میں مصروف تھا۔ اس وجہ سے بغداد آنے میں تعویق عمل میں آئی۔ یہاں بوجہ بادشاہ نہ ہونے کے ترکوں نے شورش برپا کردی امرائے بغداد نے جلال الدولہ کو لکھا۔ اس نے ۴۱۸ھ میں آکر حکومت کو سنبھالا۔

علوئین ۳۸۱ھ میں علوئین مکہ میں حکمرانی کی لہر اُٹھی۔ چنانچہ ابوالفتوح الحسن جعفر علوی نے اہلِ مکہ سے بیعت لی اور الراشد باللہ اپنا لقب رکھا۔ عبید بن

---

[1] امرائے حلب :۔ صالح بن مرداس (۴۱۴ – ۴۲۰ھ) شبل الدولہ ابوکامل نصر (۴۲۹ھ) معز الدولہ ابوعلوان ثمال بن صالح (۴۴۹ھ) ابوذوابہ عطیہ بن صالح (۴۵۴ھ) رشید الدولہ دوبارہ (۴۶۸ھ) جلال الدولہ نصر بن رشید الدولہ (۴۸۲ھ) ابوالفضل سابق بن رشید الدولہ (۴۸۲ھ) اس سے بنی عقیل نے حکومت چھین لی۔

مصر کا اقتدار مکہ سے اُٹھ گیا۔ خطبہ ابوالفتوح کا پڑھا جانے لگا۔ خلافت میں مقابلہ کا دَم نہ تھا۔ مگر اقتدار حکمرانی الحسن سے سنبھال نہ سکا کنارہ کشی اختیار کی۔ پھر خطبہ عبیدین (فاطمین مصر) کا جاری ہو گیا [1]

کتب خانہ کرخ میں ۳۸۲ھ میں وزیر ابونصر سابور اردشیر نے عظیم الشان کتب خانہ کی عمارت تعمیر کی۔ اس کا نام دارالعلم رکھا۔ اس میں جملہ علوم وفنون کی کتابوں کا ذخیرہ جمع کیا اور اس کے انتظام کے لئے علماء کی مجلس بنائی اور وقف کیا۔

قاضی القضاۃ ۳۹۴ھ میں بہاء الدولہ نے شریف ابواحمد الحسین بن موسیٰ الموسوی کو قاضی القضاۃ کے عہدہ پر سرفراز کیا۔ مگر قادر باللہ نے منظور نہیں کیا [2]

۳۹۵ھ میں مصر کے خلیفہ حاکم نے بہت سے علماء کو قتل کرادیا اور مساجد کے دروازوں پر تبرا لکھوایا اور یہ حکم دیا کہ جہاں میرا نام لیا جائے تعظیم کی جائے۔

۳۹۸ھ میں بغداد میں شیعہ سُنی فساد ہو گیا۔ شیخ ابوحامد العزا ابنی قتل ہوتے ہوتے بچ گئے۔ شیعہ یا حاکم یا منصور کے نعرے لگاتے تھے۔

القادر باللہ نے اس فتنہ کو بقوت ختم کیا۔ شیعہ کثیر التعداد قتل کئے گئے [3]

وفات ۴۲۲ھ میں قادر باللہ اکتالیس سال تین ماہ سلطنت کرکے شب دوشنبہ ۱۱ر ذی الحجہ ۴۲۲ھ کو جان بحق ہوا۔ [4]

اوصاف قادر باللہ عقیل و دانا خلیفہ تھا۔
بقول علامہ ابن خلدون :-

"دیلم اور ترک کے دلوں پر اس کے رُعب کا سکہ بیٹھا ہوا تھا۔"

---

[1] تاریخ الخلفاء صفحہ ۲۸۰، [2] ایضاً ص ۲۸۵ [3] ایضاً ص ۲۸۷

[4] تاریخ الخلفاء ص ۲۸۶ [5] تاریخ ابن خلدون جلد سیزدہم ص ۲۰۰۔

علّامہ سیوطی کا بیان ہے :-

"قادر صاحبِ دیانت و سیاست تھا۔ تہجد اُس نے کبھی قضا نہیں کی۔ خیرات بہت کرتا تھا۔ حسنِ طریقت میں یکتا تھا۔ ایک کتاب فضائل صحابہ اور تکفیرِ معتزلہ اور خلق قرآن پر لکھی۔ یہ کتاب جامع مسجدِ مہدی میں ہر جمعہ کے دن اصحاب حدیث کے حلقہ میں پڑھی جاتی۔" [1]

خطیب بغدادی لکھتے ہیں :-

"علم کے ساتھ وہ باعمل بھی تھا۔ اس کی سعادت دین داری تہجد گزاری نیکیاں اور صدقات وخیرات کی کثرت اس قدر مشہور تھیں جس سے ہر شخص واقف تھا۔"

خطیب دوسری جگہ لکھتے ہیں۔

"قادر باللہ حکومت کی صلاحیت رکھتا تھا۔ حسنِ سیرت اور حسن اطوار میں ممتاز تھا۔ سب سے بڑی بات یہ تھی کہ مذہبی عقائد بھی نہایت اچھے تھے۔" [2]

اخلاق

ابن اثیر کا بیان ہے کہ وہ حلیم الطبع، کریم النفس تھا۔ بھلائی اور نیکیوں کو محبوب رکھتا تھا۔ نیکی کا حکم دیتا تھا اور بُرائی سے روکتا تھا۔ [3]

سخاوت

سخاوت میں قادر بہت بڑھا ہوا تھا حتیٰ کہ اپنے افطاری تک کے تین حصّے کرتا۔ دو حصّے جامع رصافہ اور بغداد کے مساکین کو بھیج دیتا تھا۔" [4]

علمی ترقی

قادر باللہ کے عہد میں علمی ترقی سے پایاں تھی۔ باوجودیکہ خلافت

---

[1] تاریخ الخلفاء صفحہ ۲۸۷ [2] خطیب جلد ۲ صفحہ ۳ [3] تاریخ بغداد جلد ۴ صفحہ ۳
[4] ابن اثیر جلد ۹ صفحہ ۱۴۴ -

بنی عباس کا دائرہ محدود تھا۔ مگر جس قدر اس کے عہد کے امراء بھی علماء کی قدر دانی کرتے۔ دولت سے نوازتے جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ قادر کے عہد میں کثرت سے قلمرو اسلامی میں علماء اور فضلاء پیدا ہوئے۔ تاریخ الخلفاء سے ان کی فہرست صرف نقل کئے دیتے ہیں۔

ابواحمد عسکری الادیب، رمانی نحوی، ابوالحسن ماسرجسی، شیخ الشافعیہ ابوعبداللہ المرزبانی، دارقطنی الحافظ، ابن شاہین، ابوبکر اودنی الشافعی یوسف ابن السیرافی، ابن رواق مصری، ابن ابی زید مالکی، ابوطالب مکی صاحب قوت القلوب، ابن بطۃ الحنبلی، ابن شمعون الواعظ خطابی، خاتمی اللغوی، اوفوی ابوبکر، زاہر السرخی شافعی، ابن غلبون المقری، معانی بن زکریا النہروی۔

تذکرۂ علماء قاضی ابوطاہر زید بن عبدالوہاب بن محمد الاروستانی الادیب شاعر نیشاپور میں آکر رہے۔ ذیقعدہ ۴۱۵ھ کو وفات ہوئی (معجم البلدان ج ۱ ص ۱۸۳)

قاضی ابوالحسن عبدالجبار بن احمد بن خلیل الاسد آبادی فروع میں پابند مذہب شافعی تھے۔ اصول میں معتزلہ کے ہم خیال تھے۔ تصانیف کثیرہ یادگار سے ہیں۔ رے کے قاضی رہے۔ پھر بغداد آ گئے۔ کچھ عرصہ بعد خراسان جا کر رہے۔ وہیں ۴۱۵ھ کے بعد وفات پائی۔ (تاریخ بغداد جلد ۱۱ ص ۱۱۰)

دولتِ غزنویہ امیر سبکتگین سے ۳۶۶ھ میں غزنوی حکومت کی بنیاد پڑی۔ بڑی شخصیت اس خاندان[1] میں سلطان محمود کی تھی جو دنیائے

---

[1] امیر سبکتگین۔ امیر اسماعیل۔ سلطان محمود، امیر محمد بن محمود، مسعود بن محمود، مودود بن مسعود، علی بن مسعود، عبدالرشید بن محمود، فرخزاد بن مسعود، ابراہیم بن مسعود، مسعود بن ابراہیم، ارسلان شاہ بن مسعود، بہرام شاہ بن مسعود شاہ، خسرو شاہ بن بہرام شاہ، ملک شاہ بن خسرو، ۵۷۹ھ میں شہاب الدین غوری کے ہاتھوں اس حکومت کا خاتمہ ہوا۔

اسلام کا مجاہدِ اعظم تھا۔

سلطان محمود غزنوی سلطان نے سامانیہ حکومت کے خاتمہ کے بعد اُن کے مقبوضات پر قبضہ کیا۔ ماوراالنہر پر ایلک خاں کا قبضہ تھا۔ محمود سے صُلح ہوگئی۔ دریائے جیحوں دونوں کی سرحد قرار دیا یا۔ ۳۹۶ھ میں محمود ہندوستان کی مہم میں مصروف تھا۔ ماوراءالنہر کے ترکمانوں نے حملہ کرکے نیشاپور اور ہرات پر قبضہ کر لیا۔ محمود خبر سُن کر ہند سے واپس آیا۔ ترکمانوں نے بچ کر نکلنا چاہا۔ حاکم غزنوی ارسلان حاذب نے ناکہ بندی کرکے تلوار کے گھاٹ سب کو اُتار دیا۔ بقیہ ایلک خاں کے پاس گئے وہ چالیس ہزار فوج سے محمود کے مقابل آیا اور شکست کھائی۔ پھر محمود نے غور کے علاقہ پر قبضہ کیا۔ ۴۰۳ھ میں گرجستان فتح کیا۔

۴۰۸ھ میں اہلِ خوارزم نے اپنے فرمانروا ابوالعباس مامون کو جو محمود کا حقیقی بہنوئی تھا قتل کر دیا۔ محمود انتقاماً خوارزم پر حملہ آور ہُوا۔ سپہ سالار الپتگین بخاری کو گرفتار کر لیا اور خوارزم پر قابض ہو کر اپنے حاجب التونتاش کو یہاں کا حاکم مقرر کیا اس کے بعد "رے" پر قابض ہُوا۔ مجدالدولہ گرفتار ہُوا۔ دیلمی خاندان کی بے اندازہ دولت محمود کے ہاتھ لگی۔ قرب وجوار کے جس قدر حکمران تھے وہ یکے بعد دیگرے اس کے مطیع ہو گئے۔ یوسف قدر خاں فرمانروائے ختن جو ترکستان کے حکمرانوں میں سب سے بلند مرتبہ رکھتا تھا۔ کاشغر سے محمود کو ملنے سمرقند آیا۔ ہر دو میں تعلقات دوستانہ قائم ہوئے۔

ہندوستان سلطان محمود نے ہندوستان پر سولہ یا سترہ حملے کئے راجہ انند پال والی پنجاب اور قنوج، کالنجر۔ متھرا مالوہ، اجمیر، گوالیار، گجرات کی متحدہ افواج کو شکست دی۔

غرضیکہ پنجاب پر اپنے غلام ایاز کو حاکم بنایا۔ سندھ و نیشاپور سے لے کر پنجاب تک زیرنگیں کر لیا۔

علمی ترقی سلطان محمود جہانگیر وکشورکشا تھا۔ اس نے علم وتمدن کی بھی گرانقدر خدمات انجام دیں۔ جامع کمالات فرمانروا تھا اس کے لئے مختلف علوم وفنون پر کتابیں لکھی گئیں۔ وہ علماء کا قدردان اور ان کا اعزاز واکرام مرعی رکھتا۔ وہ عدل پرور اور رعایا کے ساتھ شفیق تھا [1]

محمود خود بڑا صاحبِ علم تھا۔ ممتاز فقیہ فصاحت و بلاغت میں یگانہ، فقہ، حدیث، خطبات میں اس کی تصانیف ہیں۔ کتاب التفرید کثرتِ مسائل میں امتیازی درجہ رکھتی ہے۔

اس کے دربار کے علماء میں البیرونی، ابوالحسن خمار، ابونصر سے لوگ تھے۔ محمود خود شاعر تھا۔ اس نے شاعری کا ایک محکمہ قائم کر رکھا تھا۔ عنصری کو ملک الشعراء کا خطاب دے کر شعبۂ شاعری کا افسر مقرر کیا۔ چارسو شعراء اس سے منسلک تھے ابوالقاسم، حسن بن احمد عنصری، ابوالحسن علی بن قلوع حرفی، حسن بن اسحاق فردوسی، ابونصر علی بن احمد رسدطوسی وغیرہ مشہور درباری شعراء تھے۔ حمداللہ مستوفی کا بیان ہے کہ محمود علماء اور شعراء کا قدردان تھا اُن پر چار لاکھ دینار سالانہ صرف کرتا تھا [2] علوم وفنون کے باب میں بڑا فیاض تھا اُس نے غزنی میں ایک عظیم الشان دارالعلوم بنایا اس کے متصل عجائب خانہ تھا۔ ایک لاکھ سالانہ محض علماء کے وظائف مقرر کئے۔ یہ نامور مجاہد ربیع الثانی ۴۲۱ھ میں بعمر ۶۴ سال فوت ہوا۔ مدتِ حکومت تیس سال ہے۔



---

[1] ابن اثیر جلد ۹ صفحہ ۲۴۹ [2] تاریخ گزیدہ جلد ا صفحہ ۳۹۵۔

خلیفہ قائم بامر اللہ

نام ولقب ابو جعفر عبداللہ بن قادر باللہ بدر الدجی کے بطن سے تھا جو ارمنی کنیز تھی[1] قائم کے متعلق ابن کثیر کا بیان ہے :-

"وہ خوب صورت، عابد، زاہد عالم، خدا پر بھروسہ رکھنے والا، صدقہ دینے والا، صابر، ادیب، خوشخط، عادل احسان کرنے والا تھا"

خلافت قادر کی وصیت کے مطابق ذی الحجہ ۴۲۲ھ میں اس کے ہاتھ پر اراکین سلطنت نے بیعت کی۔ تخت نشینی کے وقت اس کی عمر ۳۱ سال تھی۔

وقائع نظام حکومت جلال الدولہ کے ہاتھ میں تھا۔ یہ غیر منتظم حکمران تھا۔ فوج کو تنخواہ نہ ملتی وہ اس سے باغی ہو گئی۔ بمشکل یہ فتنہ ختم ہوا۔ جلال الدولہ نے راہِ فرار اختیار کی۔ عکبرا جا کر مقیم ہوا۔ فوجی ترکوں نے اس کے برادر زادہ صمصام الدولہ ابو کالیجار بن سلطان الدولہ کو بلا بھیجا وہ متوجہ نہ ہوا تو جلال الدولہ کو ترک افسران منا لائے مگر اس کا رعب و دبدبہ رخصت ہو چکا تھا۔

جلال الدولہ نے باوجود اپنی کمزوری کے ۴۳۲ھ میں خلافت مآب سے ملک الملوک کے خطاب کی خواہش کی۔ خلیفہ نے انکار کیا اور کہا اسلام میں اس قسم کا خطاب ممنوع ہے۔ مگر جلال الدولہ مصر ہوا۔ اس وجہ سے علمائے بغداد سے فتوے طلب کیا۔ قاضی ابو طیب طبری ابو عبداللہ صیرفی، ابوالقاسم کرخی وغیرہ نے سلطان جلال الدولہ کے دباؤ سے جواز کا فتویٰ دے دیا۔ مجبوراً خلیفہ نے یہ

---

[1] تاریخ الخلفاء صفحہ ۲۹۰۔

خطاب عطا کیا۔ لیکن قاضی القضاۃ ابوالحسن ماوردی نے جو جلال الدولہ کے ندیم تھے اور وہ اُن کی بہت تعظیم کیا کرتا تھا اس فتوے کی مخالفت کی اور علماء سے بحث کی اور سلطانی دربار کو چھوڑ کر گھر بیٹھ رہے۔ ایک دن جلال الدولہ نے طلب کیا۔ آپ تشریف لے گئے تو وہ بولا۔ میرے دل میں آپ کی قدر پہلے سے زیادہ بڑھ گئی۔ آپ حق گو عالم ہیں اور تمام اہلِ علم سے فائق ہیں اس لئے کمال علمی کے ساتھ تمہاری حق گوئی اور حق پرستی اور غیرت دینی کا نقش میرے قلب پر ثبت ہو گیا۔ انہوں نے الطافِ شاہانہ کا شکریہ ادا کیا۔

شہنشاہ جلال الدولہ

آخرش جلال الدولہ نے بغداد کی حکومت سنبھالی۔ شہنشاہ کا خطاب اپنے لئے مقرر کیا۔ مگر خلافت اور سلطنت پر ضعف طاری ہو چکا تھا۔ اِدگرد کے اُمراء نے غارت گری شروع کر دی۔ جلال الدولہ سے انتظام سنبھل نہ سکا۔ ۴۳۵ھ میں انتقال کر گیا۔ دو سال گیارہ ماہ اُس نے انتظام سلطنت کیا۔ اس کے مرنے کے بعد ابو کالیجار بن سلطان الدولہ بن بہاء الدولہ اس کا جانشین ہوا۔ خلیفہ نے محی الدولہ خطاب دیا۔ اس سے بھی سلطنت کا انتظام سنبھل نہ سکا۔ اس زمانے میں ترکوں کی ایک جماعت نے دولتِ سلجوقیہ کی بنیاد ڈالی۔ ان میں پہلا بادشاہ طغرل بک تھا۔

شاہ عبدالرحیم

۴۴۰ھ میں بہرام کرخی عامل کرمان نے بغاوت کر دی۔ اس کی سرکوبی کے لئے بوکالیجار نے لشکرکشی کی مگر اس اثنا میں اس کا بھی انتقال ہو گیا۔ اس کا بیٹا عبدالرحیم جانشین ہوا اور اس نے عراق، بصرہ اور خوزستان پر قبضہ جمایا۔

ارسلان بساسیری

بہاؤ الدولہ کا ایک مملوک تھا جس کا نام بساسیری تھا۔ اس نے اپنی لیاقت اور حسن تدبیر سے بڑی ترقی کی۔ یہاں تک

لہ ابن خلدون جلد سیزدہم۔

کہ امیر العسکر ہو گیا اور آخر میں انبار کا خود مختار بادشاہ بن گیا۔ فرق باطلہ سے تھا۔ خلیفہ کے خلاف سازشیں کیں۔

دیالمہ کا خاتمہ سلاجقہ کا عروج

طغرل بک نے ۴۳۴ھ میں اصفہان پر قبضہ کیا۔ پھر آذربائیجان فتح کیا۔

طغرل کی بغداد میں آمد ۴۴۷ھ میں بغداد خلیفہ کی طلبی پر آیا۔ پہلے اس نے عبدالرحیم دیلمی کو آکر قید کر لیا اور خود شہنشاہ بن بیٹھا۔

عبدالرحیم بحالتِ قید ۴۵۰ھ میں مر گیا۔ بغداد میں بنی بویہ نے ۱۴ سال کی فرمانروائی کی تفصیلات دولت دیالمہ میں تحریر ہیں۔ خلیفہ نے ۴۴۹ھ میں طغرل بک کے سر پر تاج رکھا اور عمامہ باندھا اور سات خلعت دیئے۔ ملک المشرق والمغرب خطاب دیا۔ طغرل بک نے خلیفہ کے ہاتھ کو بوسہ دیا اور آنکھوں سے لگایا۔

حادثہ بساسیری بساسیری نے دعوت و تبلیغ بنو فاطمہ سے ایک کثیر جماعت ہمنوا بنالی۔ حتیٰ کہ طغرل کے بھائی ابراہیم حاکم جبیل وحمدان پر بھی اس کا اثر پڑا۔ طغرل کو خبر لگی وہ اس کی سرکوبی کو گیا۔ بساسیری کو بڑا موقعہ ہاتھ آیا۔ اس نے ۴۵۰ھ میں قائم کے نام کو خطبہ سے نکال کر بغداد کی تمام مساجد میں مستنصر فاطمی کا خطبہ پڑھوایا اور اس کی خلافت کا اعلان کر دیا۔ طغرل اپنے بھائی کی گوشمالی کر چکا تو بغداد پھر آیا۔ خلیفہ بساسیری کی حرکاتِ ناشائستہ سے قریش بن بدر اُن کے یہاں روپوش تھے۔ بساسیری طغرل کی فوج کے حملہ کی تاب مقابلہ نہ لاسکا۔ آخر ش اس معرکہ میں بساسیری قتل (۴۵۱ھ) ہوا۔ اس طرح یہ فتنہ ختم ہوا۔

بغداد آتے ہوئے طغرل نے امام اہلِ سنت ابوبکر احمد بن محمد کو جو ابن فورک کے نام سے مشہور تھا۔ امیر قریش بن بدر اُن کے پاس بھیجا کہ خلافتِ مآب کو ہمراہ لے کر بغداد آئیں۔ چنانچہ ۴۵۲ھ میں سلطان طغرل اور خلیفہ دونوں بغداد

میں داخل ہوئے۔ طغرل نے بعزت واحترام تختِ خلافت پر متمکن کیا۔ خلیفہ مصلے پر ہی سونے لگا۔ دن بھر روزے سے رہتا۔ رات کو اکثر نمازیں پڑھا کرتا جس جس نے اس کو اذیت دی تھی اُن کو معاف کر دیا۔

۴۷۱ھ میں سلطان ابراہیم بن مسعود بن سلطان محمود بادشاہ غزنی اور سلطان جعفری بک بن سلجوق (طغربک) والیٔ خراسان کی آپس میں جنگ ہوئی۔ فیصلہ صُلح پر ہوا۔ اس کے بعد جعفر مر گیا۔

واقعات طغرل بک و الپ ارسلان

۴۵۵ھ میں طغرل بک رے سے تیسری بار بغداد آیا۔ بغداد پر ڈیڑھ لاکھ ٹیکس لگا کر جبل کی طرف چلا گیا۔ لیکن منزلِ مقصود تک پہنچنے سے پیشتر قافلہ عمر کا سفر ختم ہو چکا تھا۔ چنانچہ رمضان ۴۵۵ھ میں فوت ہُوا۔ اس کا وارث الپ ارسلان سلطان ہُوا۔ قائم نے خلعتِ سلطنت عطا کیا۔

سلطان الپ ارسلان نے نصاریٰ کے ملک فتح کئے۔ نظام الملک طوسی اس کا وزیر تھا۔ ۴۵۹ھ میں نظام الملک نے مدرسہ نظامیہ بغداد میں قائم کیا۔

۴۶۳ھ میں اہلِ روم اور مسلمانوں سے جنگ عظیم ہوئی۔ الپ ارسلان اسلامی لشکر کے سپہ سالار کی حیثیت سے تھا۔ شاہ روم رومانوس گرفتار ہُوا۔ مگر بعد کو پچاس سال کی صُلح پر رہا کر دیا گیا۔ ۴۶۵ھ میں الپ ارسلان قتل ہُوا۔ اس کا بیٹا ملک شاہ بلقب جلال الدولہ سلطان بنا۔ سلاجقہ کے تفصیلی حالات دولتِ سلاجقہ میں تحریر کئے ہیں۔

قائم کی وفات

۱۳ رشعبان ۴۶۷ھ میں قائم نے فصد کھلوائی۔ اس میں اس کا انتقال ہُوا۔ اس نے اپنے پوتے عبداللہ بن محمد کو ولی عہد و جانشین کیا۔ قائم باللہ نے ۴۵ سال خلافت کی[1]

---

[1] تاریخ الخلفاء صفحہ ۲۹۰۔

اوصاف قائم اوصافِ جہانبانی میں اپنے باپ کا صحیح جانشین تھا۔ اس نے باپ سے زیادہ خلافت کے وقار کو قائم رکھنے کی سعی کی۔ ابن طقطقی مورخ لکھتا ہے۔

"فاضل اور صالح خلیفہ تھا اس نے عباسی خلافت کے وقار و قوت میں اضافہ کیا۔ علمی حیثیت سے ممتاز تھا۔ ادب و خطاطی سے زیادہ دلچسپی تھی"۔[1]

قائم کے عہد کے علماء عبداللہ بن حسین ناصحی فقیہ ثقہ جید شاگرد قاضی ابوالہیثم اور بعہد سلطان محمد سبکتگیں قاضی بخارا رہے۔ ۴۴۷ھ میں فوت ہوئے۔

اسحاق بن ابراہیم بن مخلد بن جعفر بن محمد فقیہ محدث خطیب نے بیان کیا کہ میں نے کچھ علم ان سے سیکھا ہے۔ فقہ میں محمد بن جریر طبری کے مذہب پر تھے۔ ۴۲۹ھ میں انتقال ہوا۔

ابوالقاسم عبداللہ بن حسین عکبری محدث نحوی ادیب، جن کی تصنیف اعراب القرآن ہے۔ ۴۱۶ھ میں فوت ہوئے۔

یحییٰ بن علی بن عبداللہ بخاری زیدولیبی، فقیہ زاہد، شاگرد ابوحفص سقکروری و محمد بن ابراہیم عیدانی روضۃ العلماء آپ کی تصنیف ہے۔

محمد بن موسیٰ خوارزمی ابوبکر جامع مسند الامام فقیہ و محدث قاری نے ابن الاثیر کی مختصر غریب الحدیث سے نقل کیا کہ پانچویں صدی کے اول میں جو لوگ مجددینِ امت میں شمار ہیں ان میں آپ بھی ہیں۔

حسین بن خضر بن محمد بن یوسف نسفی۔ کنیت ابوعلی، فقیہ، محدث ابوبکر بن الفضل سے فقہ حاصل کی۔ حدیث کی سماعت عبداللہ بن عبدالرحمٰن الزہری بغدادی

---

[1] الفخری صفحہ ۲۶۰۔

سے ۔ آپ سے جم غفیر نے فقہ اور حدیث حاصل کی ۔ شعبان ۴۲۴ھ کو انتقال ہوا ۔

خلافت عباسیہ کی سیاسی حالت سلاطین دیالمہ کے اقتدار کے زمانہ میں خلافت عباسیہ کا نظم ونسق خلفاء کے ہاتھ میں نہ تھا ۔ بلکہ وہ صرف مذہبی اجارہ دار بن کے رہ گئے تھے ۔ صرف خطبہ میں اُن کا نام لیا جاتا اور سکہ اُن کے نام کا جاری رہتا ۔ یا وہ امراء یا جدید فرماں رواؤں کو خطاب اور خلعت عطا کیا کرتے ۔ آل بویہ ظاہرہ طور پر محفلوں اور اجتماعات میں خلیفہ کا ادب واحترام کرتے[1] ورنہ خلیفہ کی یہ قدر و منزلت رہ گئی تھی کہ وہ ان سلاطین کا استقبال کرتا ۔ ان کے سفراء کی تعظیم کرتا[2]

غرض کہ اُن کے عہد میں عباسی خلیفہ کی کوئی قدر و قیمت نہ تھی بلکہ اُن کی سیاسی حیثیت کا خاتمہ ہو گیا تھا ۔ مگر سلجوقی اقتدار سے قائم نے نئے سرے سے خلافت کے وقار کو قائم کرنے کی سعی کی ۔

وزراء خلیفہ فخر الدولہ بن جہیر خلیفہ کا وزیر اعظم تھا ۔ ۴۶۰ھ میں خلافت مآب نے معزول کر دیا ۔ اس کے بجائے ابوالعلی وزیر ابو شجاع کو عہدۂ وزارت پر مامور کیا ۔ مگر وہ جلد مر گیا ۔ پھر فخر الدولہ کو دوبارہ قلمدانِ وزارت سپرد کیا ۔

مکہ میں خطبہ ۴۶۲ھ میں محمد بن ابی ہاشم والیٔ مکّہ نے خلیفہ قائم اور سلطان الپ ارسلان کے نام کا خطبہ حرم میں پڑھا ۔ خلیفہ عبیدی مصری کا خطبہ موقوف ہوا ۔ خلیفہ کے دربار میں شیخ ابو اسحاق شیرازی[3] ، علامہ ابونصر

---

[1] تاریخ الخلفاء صد ۲۹۱ [2] ابن اثیر جلد ۸ صد ۲۷۳

[3] شیخ ابواسحاق ابراہیم بن علی بن یوسف شیرازی فیروز آبادی ملقب بہ جمال الدین علم زہد وورع و تقویٰ میں بڑھے ہوئے تھے، مہذب فی المذہب لمع وغیرہ تصانیف ہیں ۴۷۶ھ میں انتقال ہوا ۔ (ابن خلکان جلد ۱ صد ۴) ابونصر عبد السلام بن محمد بن عبد الواحد معروف بہ ابن صباغ فقیہ کتاب شامل کے مصنف ۴۷۷ھ میں وفات پائی ۔

شریک ہوا کرتے۔

سلجوقی فرمانروا اور خلافت مآب

آل بویہ سے بہتر طغرل سلجوقی نے خلافت مآب کی عظمت و بزرگی کا خیال کیا۔ ۴۴۹ھ میں طغرل بک موصل پر قبضہ کرنے اور دبیس بن فرید اور قریش بن بدران کی شورشوں کو دبا کر بغداد آیا تو خلیفہ قائم بامر اللہ کے ساتھ جو طریقہ اختیار کیا وہ خلیفہ کے شایانِ شان تھا۔[1]

جب یہاں سے واپس جانے لگا تو بہت سے ہدایہ خلیفہ کی خدمت میں بھیجے تھے جس میں پچاس ہزار دینار، پچاس ہزار ترک غلام اور بہت سے گھوڑے اور اسلحہ وغیرہ شامل تھے۔ خلافتِ مآب نے سلجوقیوں کی اس روش سے بہت اثر لیا اور اپنی کھوئی ہوئی عظمت پھر بحال کرنے میں قائم سرگرم سعی کرتا رہا۔

سلاطین سلاجقہ

بیغو شاہ ترکستان کے دربار میں ایک شخص سلجوق نامی تھا جو بیغو سے خفا ہو کر مسلمانوں کی سرحد دیار سمرقند میں چلا آیا تھا۔ نواحی جندر میں یہ آکر ٹھہرا۔ یہاں کے مسلمانوں کے اخلاق اور تمدن و معاشرت کے اثر نے اس کی طبیعت کو مجبور کیا حتی کہ وہ اپنا مذہب آبائی چھوڑ کر خالی ماوراء النہر کے استمزاج سے مسلمان ہو گیا۔ جندر اس زمانے میں بیغو شاہِ ترکستان کا باجگذار تھا۔ ترک سالانہ خراج لینے آتے تو سلجوق مزاحم ہوا۔ اُس نے کہا کفار مسلمانوں سے خراج لیں میں اُسے گوارا نہیں کر سکتا۔ جندر کے مسلمان سلجوق کی مدد سے غالب آئے اور یہی سلجوق کی شہرت کی ابتدا ہوئی۔ اس کے بعد جب ابراہیم سامانی نے سلجوق کی مدد سے ایلک خاں پر

---

[1] ابن خلکان جلد ۳ صہ ۳۰۳ [2] ابن اثیر جلد ۹ صہ ۱۶۳۔

فتح پائی تو سلجوق کا نام اور بلند ہوا۔

سلجوق کا بیٹا میکائیل ایک لڑائی میں مارا گیا اور اس کے دو بیٹے طغرل بیگ اور جغر بیگ اپنے دادا سلجوق کے ظلِ عاطفت میں پرورش پاتے رہے۔ سلجوق کے دونوں بیٹے میکائیل اور داؤد اپنے باپ کے طرز پر تھے اور دونوں پوتے طغرل بیگ اور جغر بیگ تو بڑے ہی زبردست نکلے۔ سلجوقیوں سے حاکم ماوراء النہر علی تگین معروف ایلک خاں اور ترکستان کے سلاطین دبنے لگے۔ ایلک خاں نے تمام سلاطینِ گردونواح کو جمع کر کے سلجوقیوں کا استیلاء کرنا چاہا۔ اس پر جغر بیگ خراسان سے ہوتا ہوا آیا۔ ارمینیہ کی طرف نواح سلطنت روم میں عیسائیوں سے مذہبی جنگ کرنے چلا گیا۔ یہ زمانہ سلطان محمود سبکتگین کا تھا۔ سلجوقیوں کو والی طوس نے اپنے ملک سے گزرنے دیا۔ اس پر وہ سلطان محمود کے عتاب کا مستوجب ہوا۔

جغر بیگ نے وہاں کئی قلعے فتح کئے اور بہت سا مالِ غنیمت لے کر آیا۔ پھر یہ دونوں بھائی ایک جا ہو کر اپنی قوت متفقہ کا زور فتح میں لگانے لگے۔ خان کاشغر اور سلطان محمود نے باہم مل کر ایلک خان کو جب سمرقند سے بھگایا تھا۔ اس وقت سلجوقیوں کا زور گھٹ گیا تھا۔ لیکن محمود کے مرنے پر مسعود کے زمانے میں مرو اور ہرات پر جغر بیگ قابض ہو گیا اور خراسان میں بہ مقام نیشاپور طغرل بیگ نے اپنا تختِ حکومت رکھا۔ اس کے بعد مسعود نے چڑھائی کی اور دونوں بھائیوں نے مل کر مسعود کا سخت مقابلہ کیا۔ اس لڑائی میں اتنی خون ریزی ہوئی کہ ہزاروں برس سے نہیں ہوئی تھی۔ مسعود کو ہزیمت ہوئی اور سلجوقیوں کی سلطنت خراسان میں قائم ہوئی [1]۔

طغرل بیگ خوارزم شاہ سے اس کے سپہ سالار نے سرتابی کی تھی اس لئے طغرل بیگ کو خوارزم شاہ کی مدد کے لئے خوارزم جانا پڑا۔

---

[1] ابن خلدون جلد نہم۔

اور وہاں سے منصور واپس آیا۔ پھر غزوہ روم کے لئے روانہ ہوا اور وہاں سے بھی کامیاب واپس آیا۔ اس زمانے میں طغرل بیگ دو مرتبہ بغداد گیا۔ ایک مرتبہ تو ملک رحیم دیلمی کا استیصال کیا۔ اور دوسری مرتبہ قائم باللہ خلیفہ بغداد کو بساسیری کے پنجہ سے چھڑایا پھر تخت پر بٹھایا اور مستنصر علوی کا نام خطبہ سے نکال کر پھر قائم باللہ کا نام خطبہ میں پڑھایا گیا۔ تیسری مرتبہ ۴۵۴ھ میں طغرل بیگ پھر بغداد گیا اور قائم باللہ کی لڑکی سے عقد کیا۔ لیکن زفاف کی نوبت نہیں آئی تھی کہ طغرل بیگ نے دُنیا سے رحلت کی اور چغر بیگ اس سے پہلے مر چکا تھا۔

چغر بیگ، طغرل بیگ یہ دونوں بادشاہ ساتھ حکمران تھے۔ باہم بہت رسم تھا ایک دل ہو کر سب کام کرتے تھے۔ صرف کہنے کو چغر بیگ کا آخر میں دار الحکومت مرو اور طغرل بیگ کا نیشا پور تھا۔ ورنہ مرتے دم تک ایک دل رہے[1]۔

الپ ارسلان بن چغر بیگ یہ بڑا نیک نام اور نیک نیت بادشاہ تھا۔ ڈاڑھی اس کی بہت بڑی تھی اور ٹوپی بہت اُونچی رکھتا تھا۔ عبادان سے سواحل بحر تک اور جیحوں سے دجلہ تک اُس کے قبضہ میں تھا۔ کئی سلاطین اس کے باجگزار تھے۔ خان ترکستان کی لڑکی سے اس نے اپنے بیٹے ملک شاہ کی شادی کی اور سلطان ابن مسعود کی لڑکی سے اپنے دوسرے بیٹے ارسلان شاہ کا بیاہ کیا۔

قیصر روم اس کے وقت میں قیصر روم نے تین لاکھ فوج لے کر اور بہت سے عیسائی سلاطین کو ساتھ لے کر بلادِ اسلام پر چڑھائی کی اور نیت یہ کی کہ بغداد کو ویران کر دے اور تمام مسجدیں کھدوا دے۔ الپ ارسلان نے بڑے استقلال سے مقابلہ کیا۔ عیسائی پسپا ہوئے اور قیصر روم گرفتار ہوا۔ لیکن

---

[1] ابن خلدون جلد ۹۔

پھر قیصر کو رہائی دی گئی اور قیصر نے اپنی بیٹی الپ ارسلان کے بیٹے ارسلان شاہ کے عقد میں دی۔

ارسلان شاہ کے لئے خاقان چین کی دختر بھی لی گئی اور خاقان چین بھی مطیعان کے زمرہ میں داخل ہوا۔ اس کے وقت میں نیشاپور رشک بغداد بن گیا۔ تمام سلاطین اس کے دربار میں آتے تھے اور آستانہ شاہی پر جبہ سائی کرتے تھے۔ موت اُس کی عجیب طور پر ہوئی۔ اتفاق سے قلعہ دار اسیر ہو کر آیا اور گفتگو میں مشتعل ہو کر اس کی طرف لپکا۔ لوگوں نے روکنا چاہا لیکن اس نے اپنی شان کے خلاف سمجھا کہ کوئی غیر اُسے بچائے اُس نے لوگوں کو باز رکھ کر خود کمان سیدھی کی۔ تیر خالی گیا اور قلعہ دار نے پہنچ کر اس کا کام تمام کر دیا۔ اس بادشاہ کے دربار میں علماء بہت رہتے تھے۔ خود نظام الملک طوسی اس کا وزیر ایک زبردست عالم اور بڑا مدبر شخص تھا۔ سلجوقین نے جو زور پکڑا اس میں شمشیر ترکی کے ساتھ حکمت نظام الملکی ایک قابلِ لحاظ شئے تھی۔

جلال الدین ملک شاہ بن الپ ارسلان

نظام الملک طوسی کی سعی سے جلال الدین تخت پر بیٹھا۔ نظام الملک اس کے باپ کے وقت سے وزیر تھا۔ اب تو بالکل ہی سیاہ سپید کا مالک ہو گیا۔ نظام الملک بڑا مشہور شخص ہوا ہے۔ عباسیوں کے زمانہ میں برامکہ کا خاندان تھا۔ اسی طرح کچھ دنوں کے لئے سلجوقیوں کے وقت میں نظام الملک کا خاندان عروج پر تھا۔ بغداد اور بصرہ میں مدرسہ نظامیہ اسی کا بنوایا ہوا ہے۔ اس کی یونیورسٹی کی کتابوں کا پڑھنا اس زمانہ تک طریقہ نظامیہ کا درس کہلاتا ہے۔ طوس مردم خیز جگہ ہے۔ یہاں نظام الملک غزالی، فردوسی تین بڑے مشہور شخص گزرے ہیں۔ کسی کا شعر ہے:

ہر دبیر و شاعر و مفتی کہ اُو طوسی بود
چوں نظام الملک و غزالی و فردوسی بود[1]

---

[1] تاریخِ اسلام صفحہ ۲۸۹۔

ملک شاہ کی گرفتاری

یہ بادشاہ ایک مرتبہ شکار کو نکلا۔ راہ میں رومیوں کے ہاتھ گرفتار ہُوا۔ حالتِ گرفتاری میں اُس نے اپنے ساتھیوں سے کہا کہ تم میری عزت نہ کرنا۔ ورنہ دشمن مجھے معزز سمجھ کر ذلیل کریں گے۔ یہاں نظام الملک نے مصالحت کا ڈھنگ ڈالا اور شرائط طے کرنے کو خود گیا۔ قیصر روم نے ان قیدیوں کا ذکر کیا تو نظام الملک نے بڑی بے پرواہی سے سنا۔ بلکہ ملک شاہ جب نظام الملک کے سامنے لایا گیا تو اس نے کچھ التفات نہ کیا۔ نظام الملک لوٹا تو قیصر روم نے ملک شاہ کو مع اور قیدیوں کے اُس کے ساتھ کر دیا۔ کیونکہ مصالحت ہو جانے پر اسیرانِ سلطنت کی رہائی لازمی تھی۔ جب ملک شاہ رومیوں کی حدِ نظر سے باہر ہُوا تو نظام الملک نے بادشاہ کی رکاب کو بوسہ دیا۔

قیصرِ روم کی گرفتاری

اس کے بعد ملک شاہ نے رومیوں پر چڑھائی کی اور کسی حکمت سے قیصرِ روم گرفتار کر کے ملک شاہ کے دربار میں پیش کیا گیا۔ قیصرِ روم نے ملک شاہ سے کہا کہ اگر تم بادشاہ ہو تو مجھے چھوڑ دو۔ تاجر ہو تو بیچ ڈالو اور قصاب ہو تو ذبح کر ڈالو"

ملک شاہ نے نہایت عزت سے قیصر روم کو رخصت کیا اور کہا کہ میری غرض صرف یہ تھی کہ میں تم پر ثابت کر دوں کہ میری سابق گرفتاری ایک امر اتفاقی تھی۔ میری قوم کسی طرح کمزور نہیں ہے۔ ملک شام بھی اس بادشاہ کے قبضہ میں آ گیا تھا۔ شکار کا اس کو بہت شوق تھا۔ جب بادشاہ بغداد گیا تو خلیفہ مقتدی باللہ نے اس کی بڑی تواضع کی۔ اس نے خلیفہ کا ہاتھ چُومنا چاہا لیکن خلیفہ نے (غالباً براہ تواضع) گوارا نہ کیا) تب ملک شاہ نے بادشاہ کی انگھوٹھی لی اور اسی کے بوسہ پر اکتفا کیا۔ مقتدی نے اپنی بیٹی ملک شاہ کے عقد میں دی اور تمام بلاد اسلام کی امارت ملک شاہ کے سپرد کی۔

جلال الدین خلیفہ ہی کا عطیہ خطاب ہے۔ آخر میں بادشاہ ناخوش ہو گیا تھا ناخوشی کے نتائج پورے طور پر ظاہر نہیں ہوئے تھے کہ ایک فدائی نے نظام الملک

کو قتل کیا اور ملک شاہ نے بھی مہینہ کے اندر ہی اپنی موت سے وفات پائی ۔

مدرسہ نظامیہ مدرسہ نظامیہ کے دو مدرس بڑے مشہور ہیں۔ امام ابواسحاق شیرازی اور امام غزالی۔ نظام الملک نے یہ چاہا کہ اپنے طرز زندگی پر علمائے وقت کی رائیں لکھوا کر اپنے ساتھ قبر میں بطور نیک نامی کے لیتا جائے۔ تمام علماء نے آنکھ بند کر کے نظام الملک کی خوبیوں کا قصیدہ نثر میں لکھ دیا اور اس میں کچھ شک نہیں کہ نظام الملک طوسی ایسا ہی شخص تھا۔ تحول اور پھر شرع کی حدود کا لحاظ آسان امر نہیں ہوتا۔ لیکن جب ابواسحاق کی باری آئی تو انہوں نے لکھا ۔

" خیر الظلمۃ حسن ۔ کتبہ ابواسحاق "

یعنی ظالموں میں حسن اچھا ہے ۔ راقم ابواسحاق ۔

نظام الملک کا نام حسن تھا۔ نظام الملک یہ تحریر دیکھ کر بہت رویا اور بولا کہ ابواسحاق سے زیادہ کوئی دوسرا سچا نہیں ہے ۔

برکیارق بن ملک شاہ (۴۸۷ھ) نظام الملک کے بیٹے مؤید الملک و فخر الملک اس کے وزیر تھے۔ تیرہ برس سلطنت کر کے یہ مرا۔ اس کے وقت میں تخت اور حکومت کے لئے سلجوقیوں میں باہمی نزاع رہا۔ کچھ حالات مقتدی اور مستظہر باللہ کے تذکرہ میں درج ہیں ۔

محمد بن ملک شاہ (۴۹۲ھ) تیرہ برس تک سلطنت کر کے یہ مرا ۔

سلطان السلاطین سنجر بن ملک شاہ ۵۰۹ھ یہ بادشاہ بڑا نیک نام، خدا ترس اور بیدار مغز تھا۔ اس کے وقت میں بہت سی لڑائیاں اور بہت سے غزوات ہوئے۔ بہرام شاہ غزنی اس کا باجگذار ہوا۔ کورا خان ترکی کے مقابلہ میں سلطان سنجر مغلوب ہو گیا

تھا۔ اس سے ذرا رنگ پھیکا ہو چلا تھا۔ لیکن اس کے بعد بہرام غزنوی کو جب علاء الدین جہاں سوز غوری نے آ دبایا اور سلطان سنجر نے پہنچ کر علاء الدین کو گرفتار کر لیا۔ تب پھر اس کا طنطنہ کامرانی اصلی حالت پر آ گیا۔ نواحی بلخ میں ایک مرتبہ ترکمان غزنی کے ہاتھ گرفتار ہو گیا اور چار برس تک گرفتار رہا۔ پھر حکمتِ عملی سے نکل کر اپنے ملک میں آیا۔ یہ پہلے بھی آ سکتا تھا لیکن معہ بیوی کے گرفتار تھا۔ بیوی کے ساتھ بھاگ نکلنا آسان نہ تھا اور بیوی کو چھوڑ کر بھاگنا گوارا نہ تھا۔ جب بی بی مری تو یہ کسی حکمت سے نکل بھاگا۔ اس اثنا میں غزوں نے تمام ملک ویران کر دیا تھا۔ اس کے وقت میں حاکم خوارزم نے بغاوت کر کے ایک جُدا سلطنت قائم کی۔ حکمران آگے چل کر خوارزم شاہیوں کے نام سے مشہور ہوئے۔ اس بغاوت نے سلطان سنجر کو بہت زیادہ کمزور کر دیا تھا۔ ۵۵۲ھ میں سلطان سنجر نے ۷۳ سال کی عمر میں وفات پائی۔

محمود خاں جواہر زادہ (۵۵۲ھ) بغرا خاں کی نسل میں تھا سلطان سنجر کے بعد ہی تخت نیشاپور پر بیٹھا۔ اس کے وقت میں خوارزم شاہیوں اور غوریوں کا دور ہوا۔ محمود کو اندھا کر کے کچھ ملک خوارزم نے لے لیا اور کچھ غوریوں نے لے لیا۔ اس طرح سلجوقیوں کی سلطنت کا خراسان میں خاتمہ ہو گیا۔

اب کچھ سلجوقیوں کا حال لکھا جاتا ہے جو عراق اور عرب میں حکمراں تھے۔

محمد بن محمد بن ملک شاہ (۵۰۹ھ) اپنے باپ ملک شاہ کے مرنے پر یہ عراق پر حکمراں ہوا اور سلطان سنجر نے کچھ زیادہ اس کی فکر نہیں کی۔ مسترشد باللہ خلیفہ بغداد سے یہ رنجیدہ ہو گیا تھا۔ اور اس نے بغداد کا محاصرہ بھی کیا تھا لیکن پھر مصالحت ہو گئی۔

طغرل بن محمد بن ملک شاہ (۵۲۵ھ) بھائی کے مرنے پر سلطان سنجر کے اشارے سے یہ عراق کی ریاست پر قابض ہوا۔

مسعود بن سلطان ملک شاہ (۵۲۹ھ) اس کے وقت میں چند سلجوقیوں نے خلیفہ مسترشد کو ملک گیری کے لئے اُبھارا۔ مسعود سے لڑائی ہوئی۔ خلیفہ گرفتار ہُوا اور ایک فدائی نے اس کا کام تمام کیا۔ اس کے بعد راشد اپنے باپ کے خون بہا کے لئے نکلا اور اصفہان تک پہنچتے پہنچتے مارا گیا۔ پھر مسترشد کے دوسرے بیٹے مقتفی باللہ کو مسعود نے تختِ خلافت پر بٹھایا۔

ملک شاہ بن محمود بن محمد بن سلطان ملک شاہ (۵۴۷ھ) تین مہینہ تک یہ بادشاہ رہا۔

اس کے مزاج میں عیاشی تھی۔ لوگوں نے اُسے قید کر کے اس کے بھائی محمد کو تخت پر بٹھایا۔

محمد بن محمود (۵۴۸ھ) سلیمان شاہ سے جو اس کے بعد تخت پر بیٹھا برابر لڑتا رہا۔ آل سلجوق کے ضعف کا زمانہ تھا اس لئے خلفائے بغداد نے بھی کچھ قوت پکڑ لی تھی۔ سات برس تک سلطنت کر کے مرا۔

سلیمان بن ملک شاہ (۵۵۱ھ) ارسلان کے ساتھ اس کا نام بھی خطبہ میں داخل کیا گیا۔ آٹھ مہینہ تک اس کی سلطنت رہی۔

ارسلان بن طغرل (۵۵۵ھ) الموت کے فدائیوں سے یہ لڑتا رہا اور غالب رہا۔ اس کے وقت میں خوارزم شاہیوں کا زور شروع ہوا۔

طغرل بن ارسلان (۵۷۱ھ) خلیفہ مستضی باللہ کے وقت میں یہ تخت نشین ہُوا۔ رکن الدین قسیم امیر المومنین کا لقب تھا۔ اس کے وزیر قزل ارسلان نے اس سے سرتابی کی اور عرصہ تک لڑتا رہا۔ درمیان میں طغرل کے قید ہو جانے سے یہی بادشاہ بن گیا تھا۔ خلیفہ ناصر دین اللہ بھی طغرل سے ناخوش تھا۔ تکش سلطان شاہِ خوارزم کے مقابلہ میں یہ مارا گیا اور اس کا سر بغداد گیا اور اس کے مرنے پر عراق میں سلجوقیوں کی حکومت کا خاتمہ ہو گیا۔

سلطان سنجر کے ایک بھائی کی نسل میں سلطان شاہ، توران شاہ، ایران شاہ، ارسلان شاہ، محمد شاہ بن ارسلان شاہ، طغرل شاہ، ارسلان شاہ طغرل شاہ، بہرام شاہ، توران شاہ، محمد شاہ بن بہرام شاہ۔ یہ دس خود مختار بادشاہ کرمان میں یکے بعد دیگرے خوارزم شاہیوں کے عروج تک حکمران رہے اور ہمدان اُس کا پایہ تخت تھا۔ اس کے بعد تمام سلجوقیوں کی طرح یہ لوگ بھی مِٹ گئے۔

سلیمان بن قلتمش بن اسرائیل بن سلجوق کو الپ ارسلان نے روم کی طرف بھیجا تھا۔ اس کی نسل سے ایک جدا بادشاہت قائم ہوگئی جس میں چودہ بادشاہ اس کے بعد تخت پر بیٹھے اور قوسیہ یا قونیہ دارالحکومت قرار پایا۔ سلیمان بن قلتمش، داود بن سلیمان قلیچ، ارسلان بن سلیمان، مسعود بن قلیچ ارسلان قلیچ، ارسلان بن مسعود، غیاث الدین کیخسرو بن قلیچ ارسلان، رکن الدین سلیمان بن قلیچ، ارسلان بن سلیمان، عزیز الدین کیکاؤس بن غیاث الدین، علاء الدین کیقباد بن غیاث الدین، غیاث الدین کیخسرو بن علاؤ الدین، رکن الدین سلیمان بن غیاث الدین کیخسرو، کیخسرو بن رکن الدین مسعود بن کیکاؤس، کیقباد بن فرامرز۔

اس خاندان کے بادشاہ رومیوں سے لڑتے رہے۔ خوارزم شاہیوں سے بھی لڑے۔ عراق کے سلجوقیوں سے بھی کبھی مقابل ہوگئے۔ لیکن برابر اپنی حالت پر قائم رہے۔ ساتویں صدی ہجری کے اخیر میں بر سیغ غراخاں نے جس کے مطیع یہ سلطنت ہوگئی تھی، کسی قصور پر کیقباد کو تخت سے اُتار کر روم سے سلجوقیوں کا نام مٹا دیا۔[1]

طغرل بک بانی خاندانِ سلجوقیہ

سلاطین سلجوقیہ میں طغرل کا حال بیان کر آئے ہیں۔ اس جگہ اس کی زندگی کے چند روشن پہلو پیش کرتے ہیں۔

---

[1] تاریخ اسلام صفحہ ۲۹۲ از علامہ ابوالفضل احسان اللہ عباسی۔

"سلطان طغرل اولوالعزم بادشاہ گزرا ہے[1]۔ وہ ہمیشہ افرادِ قوم کو عدل و تقویٰ، رفق و احسان کی تاکید کرتا تھا اور خود بھی ان اوصاف سے محلی تھا"

مذہب طغرل پنجگانہ نماز باجماعت مسجد میں ادا کرتا۔ ہفتہ میں دوشنبہ و پنجشنبہ کو روزہ رکھا کرتا۔ صدقات و خیرات بکثرت کرتا۔ جگہ جگہ مسجد تعمیر کرائیں۔ وہ کہا کرتا تھا۔ مجھے شرم آتی ہے کہ اپنے لئے تو مکان تعمیر کراؤں اور خدا کے لئے اس کے پہلو میں گھر نہ بنواؤں۔

طغرل نے قسطنطنیہ میں جو ہنوز یونانیوں کے قبضہ میں تھا نماز باجماعت اور جمعہ کی اجازت مسلمان کے لئے ملکۂ قسطنطنیہ سے حاصل کر لی اور جمعہ کے دن خطبہ میں خلیفہ قائم باللہ کا نام پڑھا گیا۔

طغرل شہزادی بغداد سے عقد کے لئے بغداد آیا تو نکاح کے بعد شہزادی کے حضور میں گیا۔ شہزادی سنہرے تخت پر جلوہ فرما تھی۔ طغرل بک نے پہلی ملاقات میں سامنے جا کر نہایت ادب سے شہزادی کو سلام کیا اور قیمتی تحفے پیش کئے۔ اس کے بعد مؤدبانہ سلام کر کے چلا آیا اور شہزادی کے منہ سے نقاب تک نہ اٹھائی۔ طغرل کو اس رشتہ سے فخر تھا۔ عقد کے چھ ماہ بعد ربیع الاول ۴۵۵ھ میں بعمر ستر سال انتقال کر گیا[2]۔

طغرل بک نے ایک ایسے خاندان کی بنا ڈالی جو عظمت و ہیبت کے علاوہ علم دوست اور عمدہ اوصاف کے لئے آج تک چار دانگ عالم میں مشہور ہے۔

طغرل بک کا فرزند نرینہ کوئی نہ تھا۔ الپ ارسلان بن داؤد جو اس کا بھتیجا تھا اس کو اپنا جانشین کیا۔ جیسا کہ اُوپر ہم ذکر کر چکے ہیں۔ الپ ارسلان کا خلف ارشد سلطان ملک شاہ تھا۔ اس کا ہی وزیر نظام الملک تھا۔ پورے حالات سلاطین سلجوقیہ میں لکھ چکے ہیں۔ یہی ملک شاہ تھا جس کے حکم سے رے نیشاپور میں ایک رصدگاہ بنائی گئی۔

---

[1] دائرۃ المعارف بستانی جلد ۱۱ صفحہ ۲۰۱، ۴۱۰ھ [2] تاریخ ابن خلدون جلد ۹ صفحہ ۷۔

جس کا اہتمام عمر خیام (۱۰۳۸ - ۱۱۲۳ھ) کے سپرد تھا۔ عمر خیام رباعیات کی وجہ سے مشہور ہے مگر نجوم و ہئیت کا بڑا ماہر تھا۔ تاریخ جلالی ملک شاہ کے نام سے مرتب کی۔ اس تاریخ میں یہ خوبی ہے کہ پانچ سال میں صرف ایک دن کی غلطی پیدا ہوتی ہے ایک ان کی کتاب جبر مقابلہ پر ہے اس میں ثنائی مساواتوں کا جبری و ترسیمی حل معہ ترتیب و تعلیل مساوات کعبی سمجھایا گیا ہے۔

سلجوقیوں کے عہد میں علمی ترقی کمال پر تھی۔ سلجوقی خاندانوں نے علماء کو بہت کچھ نوازا۔ جس کی تفصیل نظام الملک طوسی میں دیکھیئے۔

ملک شاہ کی اولاد میں سے سلجوقی سلطان ابوالفتح ملک شاہ بن محمد تھا جس کے دربار میں ابوالروح محمد بن منصور بن عبد اللہ بن منظور الجرجانی الملقب بہ زرین دست نے نورالعیون کتاب لکھ کر دربار میں ۴۸۰ھ میں پیش کی۔

نظام الملک طوسی حسن ابن علی بن اسحاق بن عباس کنیت ابوعلی لقب نظام الملک قوام الدین تھا۔ بروز جمعہ ۲۱ ذی قعدہ ۴۰۸ھ کو نوقان ضلع طوس میں پیدا ہوا۔ اس کا باپ معمولی زمیندار تھا۔ اس نے حدیث و فقہ کی تعلیم حسن ابن علی کو دلوائی۔ حسن بن صباح اور عمر خیام ہم سبق تھے۔ سن بلوغ کو نظام الملک پہنچا تو علی بن شاقون کے پاس جا کر نوکر ہوا۔ کچھ عرصہ بعد ملازمت ترک کرکے داؤد بن میکائیل سلجوقی کے پاس چلا گیا۔ داؤد کو جوہر قابلیت اس میں نظر آیا۔ اس نے نظام کو اپنے بیٹے الپ ارسلان کا اتالیق بنا دیا اور شہزادے کو ہدایت کی کہ نظام کو میرے برابر سمجھنا اور اس کے بلا مشورہ کے کوئی کام نہ کرنا۔ جب ارسلان نے سر پر تاج رکھا تو تدبیر مہام اور مہار انتظام کو نظام الملک کے ہاتھ میں دیدی۔ دس سالہ حکومت کے بعد الپ ارسلان مر گیا تو ملک شاہ تخت نشین ہوا۔ اس کے ہاتھ میں حکومت میں سے صرف تخت تھا اور شکار کے لئے جنگل۔ باقی سیاہ و سپید کا مالک نظام الملک تھا۔ اس جاہ و جلال کے ساتھ نظام الملک نے اپنی عمر کے بیس سال پورے کئے۔ نظام الملک کی مجلس ہر وقت علمائے کبار اور

صوفیائے نامدارسے بھری رہتی تھی۔ ابوالقاسم قشیری اور امام الحرمین ابوالمعالی کی تعظیم و توقیر میں نہایت غلو رکھتا تھا۔

جامعہ نظامیہ نظامیہ یونیورسٹی کی ۴۵۷ھ میں بنیاد رکھی۔ عمارت کی تکمیل ۴۵۹ھ میں ہوئی۔ شیخ ابونصر صباغ صدر مدرس مقرر ہوئے پھر شیخ ابواسحاق شیرازی کو پرنسپل کیا۔

حدیث شریف کے درس میں طالب علمانہ طور سے حاضر ہوتا۔ گاہے خود بھی روایت کیا کرتا اور کہا کرتا میرا شمار راویانِ حدیث میں تو ہو گا۔ تین کروڑ سالانہ کی جاگیر جامع نظامیہ کے لئے وقف کی۔

نظام الملک وزیر سلطنت اور عالمِ دین تھا۔ اس کے علاوہ اور بھی مدارس اور سرائیں اور پل تعمیر کرائے۔ ۱۰ رمضان ۴۸۵ھ میں ایک باطنی نے قتل کر دیا۔ تاج الملک ابوالغنائم خسرو بھی اس سازش میں شریک تھا۔

ابوالہیجا مقاتل بن عطیہ نے مرثیہ میں یہ قطعہ لکھا

کان الوزیر نظام الملک لؤلؤۃ یتیمۃ صاغھا الرحمٰن من شرف

عزت فلم تعرف الایام قیمتھا فردھا غیرۃ منہ الی الصدف

ترجمہ: "نظام الملک ایک نفیس موتی تھا جسے رحمان نے دریائے شرف سے نکالا تھا۔ اس نے دُنیا کو اپنی آب وتاب دکھلائی مگر دنیا نے اس کی قدر و قیمت نہ پہچانی اس لئے غیرتِ الٰہیہ نے اس کو پھر صدف میں ہی رکھ دیا۔"

نظام الملک کی علمی یادگار سیاست نامہ ہے جو اپنے موضوع پر ایک لاجواب تصنیف ہے [1]

---

[1] ابن خلکان ذکر نظام الملک طوسی

خلیفہ مقتدی بامر اللہ

نام و لقب مقتدی بامر اللہ بن ذخیرۃ الدین محمد بن قائم بامر اللہ اس کے والد محمد بن قائم اس کو حمل میں چھوڑ کر قائم کی حیات میں مر گئے تھے۔ اپنے باپ کے چھ ماہ بعد ارجوان کے بطن سے پیدا ہوئے۔ اپنے دادا کے مرنے کے بعد بعمر ۱۹ سال چھ ماہ تخت خلافت پر بیٹھے۔

خلافت وقت بیعت خلافت مؤیدا لملک ابن نظام الملک وزیر فخر الدولہ بن جہیر، عمید الدولہ، شیخ ابو اسحاق شیرازی، ابن الصباغ، نقیب النقبا طراد، نقیب الطاہر، معمر بن محمد اور قاضی القضاۃ ابو عبداللہ دامغانی وغیرہ علماء و ارکانِ سلطنت نے ۴۶۷ھ میں بیعت کی [1]

ابن عمید الدولہ کو ملک شاہ سے بیعت لینے بھیجا۔ سعد الدولہ کو ملک شاہ نے شحنہ کر کے بغداد کو بھیجا۔ خلیفہ نے عنانِ خلافت ہاتھ میں لیتے ہی تمام لہو و لعب کے انسداد کا حکم دیا۔ خلافِ شرع جس قدر امور تھے ان کو سختی سے بند کیا۔ تھوڑے عرصہ میں نیکیاں اور حسنات ظاہر ہونے لگے۔

وزارت وزارت پر فخر الدولہ بن جہیر ممتاز تھا۔ کچھ عرصہ کے لئے معطل کر دیا گیا۔ پھر اس کو ہی قلمدانِ وزارت سپرد ہوئی کچھ روز کے لئے ابو شجاع محمد بن حسن مخاطب ظہیر الدین وزارت پر سرفراز رہا۔

وقائع تاج الملک ملک شاہ کا بھائی مقتدی کا ہوا خواہ تھا۔ اس نے بھی دمشق کو تسخیر کر کے وہاں مقتدی کے نام کا خطبہ پڑھوایا۔ ملک شاہ سے

---

[1] ابن خلدون جلد ۹ صفحہ ۱۹۔

بھڑ پڑا۔ مگر صلح ہو گئی۔ خراسان، ترمذ وغیرہ پر قبضہ کر چکا تھا چھوڑ گیا۔

۴۷۳ھ میں ملک شاہ نے اپنی لڑکی مقتدی کی کنیزی میں پیش کی۔ خلیفہ نے اپنے نکاح سے مشرف فرمایا[1]

خطاب امیر المومنین ۴۷۹ھ، یوسف بن تاشفین والیٔ سبتہ و مراکش جس کے حالات خلافت ہسپانیہ میں لکھے جا چکے ہیں یوسف نے مقتدی سے درخواست کی کہ جو شہر اُس کے قبضہ میں ہیں وہ اس کو دے کر سلطان کا لقب عطا کر دیا جائے۔ چنانچہ مقتدی نے یہ درخواست منظور کر لی۔ اس کے پاس خلعت و علم بھیجا اور اس کو امیر المؤمنین کا عظیم ترین خطاب عطا کیا[2]

دار العلم ۴۸۳ھ میں بغداد میں مستوفی دولت تاج الملک نے ایک مدرسہ باب البرزہ کے پاس بنایا۔ اس مدرسہ کے صدر مدرس ابوبکر شاشی تھے۔

کوائف صقلیہ ۴۸۴ھ میں فرنگیوں نے تمام جزیرہ صقلیہ پر قبضہ کر لیا۔ یہ جزیرہ ۲۰۰ھ میں مسلمانوں کے قبضہ میں آیا تھا۔ آخری بادشاہ صقلیہ کا عبیدی معزولی تھا۔

جامع مسجد اس سال ملک شاہ بغداد آیا۔ ایک جامع مسجد بنوائی اور اس کے گرد مکانات امراء نے تعمیر کرائے۔ پھر ملک شاہ اصفہان چلا گیا۔ مگر ۴۸۵ھ میں بغداد پھر لوٹا اور خلیفہ سے کہلا بھیجا کہ بغداد کو خالی کر دو۔ خلیفہ نے ایک ماہ کی مہلت مانگی۔ مگر ملک شاہ نے دس دن کی مہلت دی۔ خلیفہ نے روزے رکھنے شروع کئے اور افطار زمین پر بیٹھ کر کرتا تھا۔ نہایت عجز کے ساتھ ملک شاہ کے لئے دعا مانگی۔ خدا نے قبول کی کہ ملک شاہ بیمار پڑ گیا اور بعمر ۳۸ سال ۴۸۵ھ میں مر گیا[3]

---

[1] دروس التاریخ علامہ محی الدین الخیاط مصری جزء ۴ صفحہ ۱۳۴ [2] تاریخ الخلفاء صفحہ ۲۲۵

[3] تاریخ الخلفاء صفحہ ۲۲۶۔

ملک شاہ کے آثارِ خیر ملک شاہ کے زمانے میں اُس کے نام کا خطبہ حدود چین سے شام تک اور شمال سے یمن تک پڑھا جاتا تھا۔ سارے قلمرو میں عدل و انصاف کی وجہ سے امن و خوشحالی تھی نہریں نکالی گئیں۔ پُل بنائے گئے۔ مساجد آباد کی گئیں۔ مدرسے تعمیر ہوئے۔ مکہ معظمہ کے راستے میں جا بجا رباط اور لنگر خانہ قائم کئے۔ اس کی شوکت ہمسایہ سلطنتوں پر غالب تھی۔ ملک شاہ کے چار بیٹے تھے، محمود چھوٹا تھا۔ اس کی والدہ ترکان خاتون نے جس کی بیٹی مقتدی کو منسوب تھی۔ خلیفہ کے مشورہ سے محمود کو ولی عہد کر دیا۔ برکیارق کو نظام الملک ولی عہد کر گیا تھا۔ چنانچہ برکیارق نے محمود کو معزول کر دیا۔

قبضہ بغداد برکیارق ابن ملک شاہ نے ۴۸۶ھ میں بغداد پر قبضہ کیا اور خطبہ میں اپنی شہنشاہی کا اعلان کیا اور رکن الدولہ لقب اختیار کیا۔

مقتدی کی وفات ۵ محرم ۴۸۷ھ میں مقتدی نے برکیارق کے نامۂ تخت نشینی پر دستخط کرنے کے بعد اچانک بعمر ۲۸ سال وفات پائی۔ کل مدتِ خلافت ۱۹ سال ہے۔ عمائدِ سلطنت نے اسی وقت مستظہر باللہ کی بیعت لی۔ اس سے فراغت پا کر تجہیز و تکفین عمل میں آئی۔

اوصاف مؤرخین کا بیان ہے کہ مقتدی جامع اوصاف فرمانروا تھا۔ مقتدی میں دین و سیاست دونوں جمع تھے۔ گو ملک شاہ خلافت پر حاوی ہو گیا تھا۔ مگر مقتدی نے خلافت کے وقار کو قائم رکھا۔

ابن اثیر کا بیان ہے :-

"مقتدی قوی دل اور عالی ہمت خلیفہ تھا۔ اس کا عہد بڑی خیر و برکت کا زمانہ تھا۔ خیر کی کثرت اور رزق میں کشادگی و وسعت تھی۔"[۱]

معاصر علماء عبدالقادر جرجانی، ابوالولید الباجی، شیخ ابواسحاق شیرازی، اعلم النحوی،

---

[۱] ابن اثیر جلد ۱ صـ۶۹ ۔

ابن الصباغ صاحب الشامل، امام الحرمین والدامغانی حنفی۔ ابن فضال المجاشی۔ [1]

محدّث وفقہاء

محمد بن عبداللہ ناصحی عہد سلطان الپ ارسلان میں نیشاپور کے قاضی رہے۔ شیخ ابوالمعالی بن ابو محمد جوینی شافعی سے مناظرے ہوئے۔ ۴۸۴ھ میں خراسان میں انتقال کیا۔

علی بن الحسین بن علی نیشاپوری ابوالحسن مؤلف تفسیر نیشاپوری، فقیہ، مفسر، شاگرد حسین بن علی حمیری نیشاپور میں زہد اختیار کیا۔ سلاطین سے اعراض کرتے تھے۔ ایک روز ملک شاہ سلجوقی نے کہا کہ آپ نے ہمارے پاس کیوں آنا ترک کر دیا۔ کہا اس لئے کہ تو عالموں کی زیارت سے بہتر بادشاہ ہو اور میں بادشاہوں کی زیارت سے بدتر عالم نہیں ہوں۔ ۴۸۲ھ میں انتقال کیا۔

عبدالعزیز بن احمد بن نصر بن صالح بخاری شمس الائمہ حلوائی۔ فقیہ، محدث، شاگرد شیخ ابوعلی نسفی۔ آپ کی تالیفات سے مبسوط و نوادر وغیرہ مشہور ہیں ۴۴۸ھ میں وفات پائی۔

عبدالوحاب بن علی بن برہان الدین عکبری، فقیہ نحوی متکلم لغوی، مورخ ادیب تھے۔ ابوالقاسم کنیت تھی۔ حنبلی سے حنفی ہو گئے۔ قدوری کے شاگرد ہیں۔ حدیث ابن بطہ سے سماعت کی۔ ۴۵۶ھ میں انتقال ہوا۔

علی بن محمد بن حسین فخر الاسلام ابوالحسن البزدوی ۴۰۰ھ میں پیدا ہوئے۔ فقیہ ماہر اصول و فروع مرجع انام مفتی حنفیہ تھے۔ تصانیف مفیدہ بہت یادگار ہیں جیسے اصول میں متن معتمد معرف باصول، فخر الاسلام بزدوی وسیع مبسوط گیارہ مجلدات میں تفسیر قرآن و شرح جامعین صغیر و کبیر ۴۸۲ھ میں انتقال ہوا۔

احمد بن محمد بن صاعد بن محمد استوائی، شیخ الاسلام ابومنصور قاضی القضاۃ فقیہ و محدث شاگرد صاعد بن محمد و محدث ابوسعید صیرفی ۴۸۲ھ میں فوت ہوئے۔

باطنیہ اور اُن کی حکمرانی

باطنیہ کا کچھ تذکرہ آچکا ہے کہ یہ اسماعیلی شیعی فرقہ ہے۔ امام جعفر صادق کے صاحب زادہ امام اسمٰعیل کی طرف منسوب ہے۔ امام جعفر صادق تک اثنا عشری اور اسماعیلی دونوں متفق ہیں۔ امام جعفر صادق کے امام اسمٰعیل اور امام موسیٰ کاظم دو صاحبزادے تھے۔ اسمٰعیل باپ کے جانشین تھے۔ مگر اُن کا انتقال امام جعفر کی زندگی میں ہوگیا تھا۔ اثنا عشری کے نزدیک چونکہ امامت من جانب اللہ یہ لوگ سمجھتے ہیں اس لئے اسماعیلی یہ رائے رکھتے ہیں کہ ایک مرتبہ کسی امام کی نامزدگی کے بعد پھر اس کا اخراج نہیں ہو سکتا اس لئے وہ ان کو ہی امام مانتے ہیں۔ لیکن شیعوں کے نزدیک متوفی کو امام نہیں کہہ سکتے اور اپنے عقیدہ بداء کی وجہ سے امام جعفر صادق کے بعد امام موسیٰ کاظم کو مانتے ہیں۔

اسماعیلیوں کا یہ بھی عقیدہ ہے کہ اسمٰعیل نے وفات نہیں پائی بلکہ نگاہوں سے اوجھل ہوگئے۔ ان کے نزدیک آئمہ ظاہرین کی دو قسمیں ہیں۔ ظاہر اور مستور اور ان میں ہر ایک کا سات سات کا دور ہوتا ہے۔ اس لحاظ سے اسمٰعیل ساتویں امام ہیں۔ اس لئے اُن پر آئمہ ظاہر کا دور ختم ہُوا۔ اُن کے لڑکے محمد سے آئمہ مستور کا دور شروع ہوا۔ گو یہ آئمہ مخفی رہتے ہیں۔ لیکن ان کے دعاۃ اعلانیہ اُن کی دعوت کرتے رہتے ہیں۔ عبیداللہ المہدی مغربی بانی دولت فاطمیہ سے پھر ائمہ ظاہر کا دور شروع کرتے ہیں۔ اس فرقہ کے نزدیک ہر ظاہر کا ایک باطن ہے اس لئے جماعت کو باطنی کہا گیا[1]

تحریک آلِ محمد اور اسمٰعیلی تحریک آلِ محمد ہی نے حکومت بنو اُمیہ کا تختہ اُلٹا اور حکومت بنی عباس اسی دعوت کی بنا پر قائم ہوئی۔

---

[1] کتاب الملل والنحل شہرستانی جلد ۲ صـ ۲۷ ۔

مگر بنی عباس نے اہلِ بیت کو نظر انداز کر دیا تو یہ لوگ بنی عباس کے خلاف ہو گئے اور اپنی خلافت کے لئے کوشاں رہے۔ اہلِ بیت میں سے اکثر کو قربان ہونا پڑا۔ مگر بعض حضرات کو مین افریقہ وغیرہ میں کامیابی ہوئی۔ مگر وہ حکمرانیاں دولت بنی عباس کے مقابلہ کی نہ تھیں۔ البتہ عبید اللہ فاطمی نے دولتِ بنی عباس کی کمزوری اور خانہ جنگی سے فائدہ اٹھا کر مغرب میں اپنی عظیم الشان حکومت قائم کر لی۔

اب ان کی نگاہیں مشرق کی طرف اٹھنے لگیں تو انہوں نے اپنا پرانا طریقہ دعوت و تبلیغ کا پھر شروع کر دیا مگر اس میں کچھ اصول نئے اور نکلے اور اس تحریک کے داعی جو ملے وہ عموماً سفاک اور ظالم بھی تھے جس کی تفصیل آگے آتی ہے۔ اس تحریک کا صدر دفتر مصر قرار دیا۔ وہاں باقاعدہ نظام تھا۔ مریدین کو یہاں خاص تعلیم دی جاتی جن میں امامت کی دعوت سب سے مقدم تھی اور ہدایت تھی کہ جن ملکوں میں داعی پہنچیں خفیہ تعلیم دیں۔ یہ لوگ فدائی کہلاتے تھے۔ ان کا سرغنہ داعی الدعاۃ تھا۔ اس کا درجہ قاضی القضاۃ کے برابر سمجھا جاتا تھا۔

خلفائے فاطمینِ مصر کی نگاہیں خراسان اور ایران پر زیادہ تھیں۔ جو شیعیت کے گہوارہ تھے۔ مصر پر اپنی حکمرانی قائم کرنے کے بعد اپنے دعاۃ انہی ممالک میں بھیجے۔ یہاں بنی بویہ کے عہد تک جا بجا صاحب برید و اخبار متعین تھے جو ہر قسم کی اطلاعیں دیا کرتے۔ اس پر طرہ یہ کہ گو بویہ شیعی عقیدہ رکھتے تھے مگر اہلِ بیت کے حامی نہ تھے۔ البتہ شعیت میں غلو اس قدر رکھتے تھے کہ نجف اشرف تک ننگے سر پیر بنی بویہ حکمران زیارت کو پہنچتے۔ مگر اپنے اقتدار کو قائم رکھنے کے لئے خلفائے فاطمی کو نظر انداز کر جاتے۔ بلکہ کوئی داعی ہتھے چڑھ جاتا تو اس کو سخت سزا دیتے۔ اس کا نتیجہ ظاہر ہے کہ باطنی تحریک، خراسان وغیرہ میں عہد بویہ تک دبی رہی۔ سلجوقی دور آیا۔

الپ ارسلان نے جاسوسی کا محکمہ توڑ دیا۔ نظام الملک نے اس سے کہا کہ اس صیغہ کا رہنا ضروری ہے مگر اس نے جواب دیا کہ ہر شہر میں ہمارے دشمن بھی ہیں اور دوست بھی۔ بہت ممکن ہے کہ اربابِ غرض دوست کو دشمن یا دشمن کو دوست کی

شکل میں دکھلائیں۔ اس لئے میں اس بات کو جائز نہیں رکھتا"۔

چنانچہ سلجوقیوں کے عہد میں باطنیہ پھلے پھُولے اور اُن کی تبلیغ کا جال دُور دُور تک پھیل گیا۔

اوّلاً اُن کا ظہور ساوہ میں ہُوا جو رَے اور ہمدان کے درمیان واقع ہے۔ وہاں کے شحنہ نے دو باطنیوں کو گرفتار کیا مگر لوگوں کی سفارش پر چھوڑ دیا۔ ان لوگوں نے ایک موذن کو اپنے مقصد کے لئے پھانسا۔ مگر وہ ہاتھ سے نکل گیا تو اس کو قتل کر دیا۔ یہ پہلا خون تھا جو مشرق میں گروہِ باطنیہ کے ہاتھ سے ہُوا۔

حسن بن صباح

اصفہان اور نیشاپور کے وسط میں قصبہ قائن کا رئیس باطنیوں کے دام میں گرفتار ہو گیا۔ اس نے ایک جماعت بنائی جو قافلوں کو لُوٹا کرتی۔ اُن کی مزاحمت کرنے والا کوئی نہ تھا۔ اصفہان تک غارت گری کا دائرہ بڑھ گیا۔ پھر تو باغیوں نے ملک شاہ کے تعمیر کردہ قلعہ پر قبضہ جما لیا۔ اس جماعت کا داعیٔ اعظم احمد بن عبدالملک بن عطاش تھا۔ جماعت باطنیہ نے عطاش کے سر پر تاج شاہی رکھا اور اُس کے پاس چاروں طرف سے لُوٹ کا مال لاکر جمع کیا جاتا۔

حسن اتفاق سے ایک فاضل جلیل شخص حسن بن صباح جس کا وطن "رے" تھا جو امام موفق نیشاپوری کے حلقہ درس میں شریک ہو چکا تھا، نظام الملک اور حکیم عمر خیام کا ہم سبق بھی تھا۔ ہندسہ، حساب، نجوم وغیرہ علوم ریاضیہ کا بڑا ماہر فاطمی داعی احمد بن عطاش کے اثر سے فاطمی تحریک میں شامل ہو گیا۔ اس کے یہاں فاطمی دعاۃ کی آمد و رفت شروع ہو گئی۔ نظام الملک کے خسر ابومسلم نے جو "رے" کے رئیس تھے اس کو نظر میں رکھا۔ وہ گرفتاری کے خوف سے بھاگ کر مصر پہنچا۔ خلیفہ مستنصر علوی نے اپنے گون کا سمجھ کر ہاتھوں ہاتھ لیا اور مشرق میں فاطمی دعوت کی تبلیغ پر اُس کو مامور کر دیا۔

حسن بن صباح مصر سے لوٹ کر شام آیا۔ پھر جزیرہ دیار بکر، خراسان، کاشغر اور

ماوراءالنہر کا دورہ کر کے اپنے خیالات ملحدانہ ان علاقوں میں پھیلائے اور" قزوین" کے قریب نیالمہ کا بنایا ہوا ایک سنگین قلعہ" الموت" اس کے مقصد کے لئے موزوں تھا۔ یہ ایک علوی کی ملکیت تھا۔ حسن بن صباح نے یہاں قیام کیا۔ اپنے ظاہری زہد و ورع سے چند دنوں میں اس نے نواح میں کافی اثر پیدا کر لیا۔ الموت کا علوی بھی ظاہری زہد سے متاثر ہوا۔ مگر کچھ دن بعد ابن صباح نے اس کے ساتھ دغا کر کے الموت پر قبضہ جمایا اور علوی کو نکال باہر کیا[1]

قلعہ الموت قلعہ الموت پر قبضہ جمانے کے بعد حسن بن صباح کھل کر میدان میں آ گیا اور دلیرانہ قتل و غارت کرنے لگا۔ اس کے داعیوں کے ہاتھ سے صدہا اکابر علماء قتل ہوئے۔ اس کے داعی کسی کی جان لینا اور اپنی جان دینا معمولی بات سمجھتے تھے۔

ملک شاہ کو باطنیوں کے حالات معلوم ہوئے۔ نظام الملک نے حسن بن صباح کے پاس سفارت بھیج کر افہام و تفہیم کے ذریعے اُسے روکنے کی سعی کی۔ لیکن وہ اپنے خودسری سے باز نہ آیا تو پھر الموت پر فوج کشی کر کے اس کا نہایت سخت محاصرہ کرایا۔ سلجوقی اقوام کا مقابلہ ابن صباح کے بس کی بات نہ تھی۔

جب اُس نے دیکھا کہ اُس کے لئے کوئی مفر نہیں ہے تو ایک فدائی کو بھیج کر نظام الملک کو قتل کرا دیا۔ فوجیں مستقر خود لوٹ آئیں۔ ابن صباح کی جان اس طرح بچ گئی۔ باطنیوں کو اب زیادہ آزادی مل گئی۔ انہوں نے قہستان اور طبس وغیرہ پر بھی تسلط کیا اور ابہر کے متصل وستم کوہ کے نامی اور محفوظ قلعہ کو قبضہ میں لا کر اپنا ماویٰ و ملجا بنایا۔ اردگرد جو قلعے تھے وہ بھی باطنیوں نے لے لئے۔

ان کی دست درازیاں اس قدر بڑھ گئیں کہ سلطان برکیارق کے بہت سے امراء کو مار ڈالا۔ اس نے صدہا باطنیوں کو کیفر کردار تک پہنچایا مگر باطنیہ تحریک گھٹنے

---

[1] ابن اثیر جلد ۱۰ صفحہ ۱۱۰۔

کے بجائے روز افزوں ترقی پر تھی۔ غرضیکہ باطنیوں کی دراز دستی سے خراسان میں اضطراب عظیم پیدا ہوگیا۔ اس وجہ سے ۴۹۷ھ میں سلطان سنجر کے سپہ سالار امیر برغش نے اُن پر حملہ کر دیا اور بہت سے ملحدوں کو قتل کر کے طبس کا محاصرہ کیا۔ کچھ عرصہ بعد اس کو فتح کر کے باطنیوں کا استیصال نہیں کیا، مگر صلح کر کے لوٹ آیا۔

۵۰۰ھ میں سلطان محمد نے اصفہان کے قلعہ پر جہاں ابن عطاش رئیس رہتا تھا، محاصرہ کر لیا۔ آخر میں ابن عطاش گرفتار ہوا اور قتل کیا گیا۔ اس کی بیوی نے قلعہ سے گر کر جان دیدی۔ یہاں سے فارغ ہو کر سلطان محمد نے قلعہ الموت پر لشکرکشی کی جہاں ابن صباح ۲۶ سال سے حکمران تھا اور قرب وجوار میں لوٹ مار اور غارت گری کر رہا تھا مگر راہ میں بیمار پڑ کر فوت ہوگیا۔ امیر شگین شیر گیر والی سادہ نے بھی باطنیوں کی سرکوبی کی۔ آخر شش ظلم وجور کے بعد حسن بن صباح ۵۱۸ھ میں مر گیا۔ اس کا بیٹا کیا بزرگ تھا جو حسن بن صباح کا جانشین ہوا۔

اُمرائے حکومت باطنیہ

کیا بزرگ بن حسن (۵۱۸ھ) اپنے باپ کے مرنے پر تخت الموت پر بیٹھا۔ اس کے وقت میں ریاست نے کچھ اور زور پکڑا، مگر محمود سلجوقی کے وقت میں باطنی بہت مارے گئے۔ لیکن اس کی خود مختاری میں کوئی فرق نہ آیا۔ اس کے بعد اس کا بیٹا محمد جانشین ہوا۔

محمد ابن کیا عنانِ حکومت ہاتھ میں لیتے ہی الراشد باللہ پر نگاہ رکھی۔ چنانچہ کچھ عرصہ بعد چار فدائیوں نے خلیفہ عباسی راشد باللہ کو راہ میں موقع پا کر قتل کیا۔ مگر اس واقعہ سے ریاست اسماعیلیہ کو کچھ فائدہ نہیں پہنچا لیکن عام طور پر الموت میں خوشی منائی گئی۔ محمد سلطان سنجر نے محمد ابن کیا کا عقیدہ دریافت کیا۔ غرض اس کی یہ تھی کہ بے دین ہو تو مجاہدینِ اسلام بھیجے جائیں لیکن محمد ابن کیا

نے جواب میں وہ باتیں لکھیں جس سے محمد سلطان سنجری بھی ساکت ہو رہا اور معلوم ہوا کہ صرف جزئیات میں اختلاف ہے رکن مذہب میں کوئی فرق نہیں ہے۔ محمد بن کیا ۲۵ برس تک حکمران رہا۔ اس کی ذات سے اسلام کو بڑا نقصان پہنچا۔

حسن بن محمد کیا اس کو لوگ علی بذکرہ السلام کہتے ہیں۔ اس کو علماء نے اسلام ملحد اور زندیق لکھتے ہیں۔ اس کے معتقدات اسلام کے خلاف تھے۔ یہ دہریہ مذہب رکھتا تھا اور بے تکلف لوگوں کو گمراہ کرتا کہ وہ مذہب کو کوئی چیز نہ سمجھیں۔

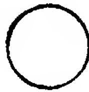
محمد بن حسن بن محمد بن کیا (۵۶۱ھ) الحاد میں یہ اپنے باپ سے بھی بڑھا تھا۔ امام فخر الدین رازی اس زمانہ میں تھے۔ آذربائیجان سے رے میں آکر درس جاری کیا۔ مذہبی درس میں وہ مثالاً نام اسماعیلیوں کا لیتے تھے اور حسن بن محمد اور محمد بن حسن کو بُرا بھلا کہتے تھے تاکہ لوگ ادھر مائل نہ ہوں۔ فدائیوں نے الموت سے پہنچ کر امام فخر الدین رازی کو بہت دق کیا جس سے وہ غیاث الدین بادشاہ کے پاس غور چلے گئے اور پھر وہاں سے سلطان خوارزم کے پاس خوارزم میں جاکر زندگی بسر کی۔

جلال الدین حسن بن محمد بن حسن باپ کے اعتقادات سے اس نے توبہ کی خبر تمام سلاطینِ مصر کے پاس بھیجی جس سے یہ جلال الدین حسن نومسلم مشہور ہُوا۔ مذہب اسلام کو اُس کے وقت میں رونق ہوئی۔ اس کی ماں ایک مرتبہ حج کو گئی تو اس کے ساتھ ایک سلطان بھی تھا۔ ناصر خلیفہ بغداد کے حکم سے سلطان محمد خوارزم شاہ کے رائت سے رائت جلال الدین آگے رکھا گیا۔ سلطان محمد کو جہاں اور رنج ناصر سے ہُوا وہاں یہ بھی خیال تھا کہ خلیفہ نے جلال الدین سے مجھے کم سمجھا۔

علاء الدین محمد بن جلال الدین بن حسن نو برس کے سن میں یہ تخت پر بیٹھا۔ یہ جو کچھ اُلٹا سیدھا حکم

حکم دیتا تھا، لوگ اپنے مذہبی عقیدہ کے مطابق اُس کو واجب التعمیل مانتے تھے کہ امام معصوم ہوتا ہے۔ اس کے وقت میں مذہب کھیل ہو گیا۔ "ایلان ناصری" کا مصنف ناصر الدین اسی وقت میں تھا۔

رکن الدین خور شاہ بن علاء الدین | ۶۵۳ھ چنگیز خاں کے پوتے ہلاکو نے اسے گرفتار کر کے ہزاروں اسماعیلیوں کو تہ تیغ کیا اور رکن الدین کو قتل کرا دیا اور پھر اس کے بعد بغداد کی طرف توجہ کی۔ خلفائے بغداد اور شاہان الموت کی بربادی کا ایک زمانہ ہے۔



خلیفہ مستظہر باللہ

نام ولقب

مستظہر باللہ ابوالعباس احمد بن المقتدی باللہ ماہ شوال سنہ ۴۷۰ھ میں پیدا ہُوا۔

خلافت

بعمر ۱۶ سال ۴۸۷ھ میں تختِ خلافت پر رونق افروز ہُوا۔ وزیر عمید الدولہ وغیرہ نے بیعت کی۔ لقب مستظہر باللہ قرار پایا۔ وزیر سلطان برکیارق کے پاس گیا۔ اس نے بطیبِ خاطر خلیفہ کی بیعت وزیر کے ہاتھ پر کی۔

مجلسِ عزا

خلیفہ مقتدی کی موت کے تیسرے دن مجلسِ عزا منعقد ہوئی۔ سلطان برکیارق معہ اپنے وزیر عز الملک بن نظام الملک اور اس کے بھائی بہاء الملک کے مجلس میں حاضر ہُوا اور باب مناصب سے طراد عباسی، معمر علوی اور علمائے کبار سے قاضی القضاۃ، ابوعبداللہ دامغانی، امام غزالی اور امام شاشی وغیرہم بھی ماتم پُرسی کو آئے اور تعزیت کی اور خلیفہ مستظہر کی بیعت کی اور رخصت ہو گئے[1]

تاج الملک برکیارق

تاج الملک، ملک شاہ کا بھائی تھا۔ توسیع مملکت کی ہوس میں سنہ ۴۸۷ھ میں فوج کشی کر دی۔ بھیت، موصل، دیار بکر، آذربائیجان کو زیرنگین کر لیا۔ برکیارق رکن الدولہ اس کے مقابل آیا۔ مگر ناکام اصفہان کی طرف چلا گیا۔ وہاں اس کا بھائی محمود بن ملک شاہ حاکم تھا اس نے اس کو روکا اور پھر قتل کرنے کی نیت سے داخل ہونے کی اجازت دے دی۔ اتفاق قضا و قدر کہ برکیارق کے قتل ہونے سے پہلے موت نے

---

[1] تاریخ الخلفاء صفحہ ۲۴۲۔

خود سلطان محمود کا خاتمہ کر دیا اور اہلِ اصفہان نے متفقہ طور پر برکیارق کو اپنا بادشاہ تسلیم کر لیا۔ تاج الملک تتش برکیارق سے نبٹنے کو اُٹھا "رے" کے میدان میں کارزار گرم ہوا۔ تتش اس معرکے میں کام آیا۔ برکیارق کے لئے میدان صاف ہو گیا۔

وزارت وزیر عمید الدولہ کو خلیفہ مستظہر نے معزول کر کے سدید الملک ابو المعالی بن عبد الرزاق ملقب عضد الدین کو قلمدانِ وزارت سپرد فرمایا۔ مگر چند سال بعد ۴۹۶ھ میں وہ بھی معہ اہل و عیال کے گرفتار کیا گیا۔

وزیر موصوف کی گرفتاری کے بعد خلافت مآب نے امین الدولہ ابو سعد بن موصلا کو مجلسِ مشورہ کا ناظر مقرر کیا اور زعیم الرؤسا ابو القاسم بن جہیر کو حلہ سے طلب کیا۔ اربابِ دولت نے اس کا پُرتپاک استقبال کیا۔ دربارِ خلافت سے خلعتِ وزارت مرحمت اور قوام الدولہ کا خطاب عنایت ہوا۔ کچھ عرصہ بعد آن پر بھی نزلہ گرا۔ قاضی ابو الحسن دامغانی قائم مقامی کرتا رہا۔ بعدہ ابو المعالی بن محمد بن مطلب ۵۰۱ھ میں عہدۂ وزارت پر ممتاز ہوا۔ ۵۰۲ھ میں سلطان محمد کے اشارہ سے یہ بھی معزول کیا گیا۔ مگر اس شرط سے بحال رہ سکتا ہے کہ :-

"آئندہ عدل و انصاف سے کام لے گا۔ رعایا کے ساتھ ظلم و جبر سے پیش نہ آئے گا اور ذمیوں میں سے کسی کو ذمہ داری کا عہدہ نہ دے گا۔"[1]

ابو المعالی نے جملہ شرائط منظور کر کے وزارت کا کام انجام دینا شروع کیا مگر نباہ نہ سکا تو اس کے بجائے ابو القاسم بن جہیر مقرر ہوا۔ وہ ۵۰۹ھ تک فرائضِ وزارت انجام دیتا رہا۔ پھر ربیع ابو منصور بن وزیر ابو الشجاع محمد بن حسین وزیر سلطان محمد کو قلمدانِ وزارت عطا کیا۔[2] چند دن بعد پھر برکیارق نے مؤید الملک بن نظام الملک کو وزارت پر سرفراز کیا۔

---

[1] ابن خلدون جلد ۹ صد ۶۷ [2] ایضاً صد ۶۸۔

زبیدہ خاتون

برکیارق کی والدہ زبیدہ خاتون بڑی عقیل و دانا خاتون تھی۔ اُس نے امورِ سیاست میں دخل دینا شروع کر دیا۔ فخر الملک بن نظام الملک نے تحفہ بھیج کر اپنا رسوخ پیدا کیا۔ اُس نے برکیارق کو مؤید الملک کا مخالف بنا دیا۔ اس نے مؤید کو قید کیا اور فخر الملک کو وزارت عطا کی۔ مؤید الملک قیدِ زندان سے نکل کر محمد بن ملک شاہ والی اران کے پاس پہنچا۔ اس نے تعظیم و تکریم کی اور اپنا وزیر کر لیا۔ مؤید نے برکیارق پر حملہ کرا دیا۔ ۴۹۱ھ سے ۴۹۷ھ تک باہمی جنگ ہوتی رہی۔ ملکی نظام کا شیرازہ بکھر گیا۔

رے، جبل، طبرستان، خوزستان، فارس، دیار بکر اور حرمین میں برکیارق کے نام کا خطبہ جاری تھا اور آذربائیجان، اران، ارمینیہ اصفہان اور عراق میں سلطان محمد کا بطائح میں کہیں اس کا اور کہیں اس کا اور بصرہ میں دونوں کا۔ سنجر بن ملک شاہ نے مشرق میں حدود جرجان سے ماوراء النہر تک اپنے نام کا خطبہ جاری کر دیا۔ یہ ابتری دیکھ کر ردمی ملک شام پھر بیت المقدس کے لئے حملے کرنے لگے۔ اس وجہ سے بعض امراء و علماء، قاضی ابو المظفر جرجانی حنفی اور ابو الفرج احمد بن عبد الغفار ہمدانی نے برکیارق اور محمد میں صلح کرا دی اور دونوں کے حدود قائم کر دیئے۔

وفات برکیارق

برکیارق اس صلح کے چند دن بعد ۴۹۸ھ میں مر گیا۔ اس کے مرنے کے بعد اس کا بیٹا ملک شاہ ثانی تخت نشین ہوا۔ محمد نے اُس پر چڑھائی کر دی اور کامیاب ہو گیا۔[1]

حروبِ صلیبیہ

خلیفہ مستظہر کے زمانے میں جنگ صلیبی کا آغاز ہوا۔ کیونکہ عباسی خلفاء جب سے داخلی مملکت کے جھگڑوں میں اُلجھ گئے، مہدی، ہارون، مامون جیسے جاہ و جلال والے خلفاء کا دور ختم ہو چکا تھا۔

---

[1] ابن خلدون جلد ۹ صفحہ ۶۹

ان کے اخلاف کی کمزور قوت اور نااہلی سے اب عباسیہ حکومت کی طاقت بالکل کمزور ہو چکی تھی۔ چنانچہ رومی سلطنت نے اس موقعہ سے فائدہ اُٹھایا۔ ۳۴۹ھ ۹۶۰ء کے درمیان نقفور اور جنازمین کے حملے خصوصی طور سے اہم تھے جیسا کہ اوپر ذکر تفصیلی کر چکے ہیں۔ رومیوں کی سرحدات سے متصل اسلامی علاقوں پر خاندان بنی حمدان کا قبضہ تھا۔ پوری جدوجہد کے باوجود وہ رومی فوجوں کے دباؤ کی تاب نہ لا سکے۔ یہ فوجیں شام کے ساحلی علاقہ پر قبضہ کرتے ہوئے دریائے فرات کو عبور کرنے لگیں اور خود دارالخلافہ بغداد اُن کے حملوں کی زد میں آ گیا۔

عباسی خلیفہ مطیع اللہ بہت گھبرایا۔ باوجودیکہ نائب سلطنت کے کہنے پر اپنے محل کے اسباب تک کو بیچ ڈالا۔ تاہم خلافت کی خوش قسمتی سے اس وقت رومی فوجیں پسپا ہوئیں مگر یہ سلسلہ مقابلہ کا ایک عرصہ تک رہا۔ سلجوقیوں نے اپنے دور میں رومیوں کو بہت کچھ پامال کیا۔ ان کے علاقے چھین لئے۔ ان کی قوت سے آس پاس کی حکومتیں لرزہ براندام تھیں۔ ملک شاہ سلجوقی نے تمام سرحدی حکومتوں سے اپنے قوت کے بل پر من مانی شرطیں منوالیں۔ مشرقی رومن ایمپائر کا شہنشاہ کیسوس بھی ملک شاہ کے جلال وہیبت سے کانپ رہا تھا۔

ملک شاہ کے مرتے ہی کسیوس نے موقعہ سے فائدہ اٹھایا اور مسیحی دُنیا کے مشرقی و مغربی حصے کی باہمی رقابت اور مخالفت کو یکسر بھلا کر اپنے قاصد یورپ کے جنگجو اور جنگ آزما بہادروں سے درخواست کی کہ وہ میرا ساتھ دیکر سلطنت کے کھوئے ہوئے وقار اور وسعت کو دوبارہ لوٹا دیں۔

سب سے پہلے شہنشاہ کسیوس کی معاونت کے لئے "پطرس" راہب اُٹھ کھڑا ہُوا۔ پطرس فرانس کے شہر ایمیس کا رہنے والا تھا۔ جوانی میں اس نے فوجی نوکری کی۔ مگر بعد میں تارکِ دُنیا بن گیا اور راہب کا لقب پایا۔ اس نے بیت المقدس آ کر زیارت کی تھی۔ بغداد بھی گیا تھا۔ کچھ حصہ عالمِ اسلامی میں پھرا۔ یہاں سے یہ خیال لے کر گیا کہ خونِ حسین کے نام سے بنی فاطمہ برسرِ اقتدار ہو گئے تو اس نے

صلیب کو سامنے رکھا اور جس طرح بنی فاطمہ عیوب اور ظلم بنی اُمیہ و بنی عباس کے بیان کر کے لوگوں کو اپنا ہم نوا بنا رہے تھے اسی طرح اس نے جا کر یورپ میں ہنگامی دَورہ کیا اور مسلمانوں کے مفروضہ مظالم بیان کئے اور صلیب کے زیرِ سایہ آنے کی دعوت دی۔ خلاصہ یہ کہ صلیبی جوش کی آندھی چلی اور بڑی بے ڈھب چلی۔

مشرقی رومی ایمپائر کے شہنشاہ کا ایک قاصد پاپائے روم کی خدمت میں حاضر ہُوا اور اس سے درخواست کی کہ وہ فرینک، جرمن اور انگریز وغیرہ مغربی اقوام کو دعوت دے کر صلیب کی امداد پر آمادہ کرے اور ارضِ مقدس کو اُس کے دُشمنوں سے چھڑائے۔ پاپائے روم نے یہ درخواست منظور کی۔ تمام یورپ کو صلیب کے نام پر کھڑے ہونے کا حکم دیا۔ یہ فتویٰ نائب مسیح بگولہ بن کر سارے مغربی نصرانیوں میں پھیل گیا۔

پھر تو ارضِ مقدس پر قبضہ کرنے کے عزیز مقصد کو حاصل کرنے کے لئے سارا یورپ تیار ہو گیا۔ اس کی مختصر تفصیل یہ ہے:-

پوپ اربن دوم نے ۴۸۸ھ، ۱۰۹۵ء میں فرانس کے شہر کلرموں میں عیسائی دُنیا کی ایک عظیم الشان کانفرنس منعقد کی۔ چند فروعی امور کے تصفیہ کے بعد پوپ نے مجمع کو مخاطب ہو کے کہا "مسلمانوں کا ظلم بہت بڑھ گیا ہے ان پر حملہ کرنا ضروری ہے۔ اس وقت جو شخص اپنی صلیب کو نہ اُٹھائے گا اور میری ساتھ نہیں چلے گا وہ میرا پیرو نہیں ہے"۔[1]

پوپ کی تقریر نے حاضرین میں مجنونانہ حالت پیدا کر دی، چلّا اُٹھے۔ خدا کی مرضی یہی ہے اور سُرخ کپڑے کی صلیبیں اپنے سینوں پر لگا کر اس عظیم الشان مہم کے لئے تیار ہو گئے۔ مَردوں، عورتوں اور بچوں کا ایک

---

[1] تاریخ یورپ اے۔ جے گرانٹ صفحہ ۳۵۱ -

انبوہ کثیر پطرس راہب کی قیادت میں روانگی کے لئے تیار ہوگیا"۔[۱]

فرانسیسی مؤرخ لیبان نے "تمدن عرب" میں ان مقدس صلیبوں کا یہ حال لکھا ہے :۔

"جنت ملنے کے علاوہ ہر شخص کو اس میں حصول مال کا بھی ایک ذریعہ نظر آتا تھا۔ کاشت کار جو زمین کے غلام اور آزادی پر جان دیتے تھے۔ خاندانوں کی وہ اولاد اصغر جو قانونِ وراثت کی رو سے محروم الارث تھی۔ امراء جنہیں آبادی جائداد کا حصہ کم ملتا تھا اور جنہیں دولت کی خواہش تھی۔ راہب جو خانقاہی زندگیوں سختیوں سے عاجز آ گئے تھے۔ غرض کل مفلوک الحال اور ممنوع الارث اشخاص جن کی تعداد بہت تھی اس مقدس گروہ میں شریک تھے"[۲]

اے۔ جے گرانٹ کے بیان سے اس مقدس صلیبی گروہ کے مذہبی و اخلاقی حالت کا یہ نقشہ نظر آتا ہے۔

"اس خالص جذبہ مذہبی میں حرص و ہوا اور خود غرضی ظلم و ستم، انتقام منافرت اور جنگ و خون ریزی کے عناصر شامل ہو گئے۔ انہیں صرف مسلمانوں ہی سے نفرت نہ تھی بلکہ غریب یہودی بھی جو مغرب میں آباد تھے گرفتار مصیبت ہو گئے۔ مالی نقصان کے علاوہ انہیں سخت جسمانی تکلیفیں بھی پہنچائی گئیں اور طرفہ تماشہ یہ تھا کہ اس بدکرداریوں کے بانی وہ لوگ تھے جو اس سرزمین کو آزاد کرنے جا رہے تھے جہاں مسیح نے تمام بنی آدم کے لئے اپنی جان دی تھی"۔[۳]

غرض کہ صلیبی مجاہدین کا یہ انبوہ کثیر جس کی تعداد ۱۳ لاکھ تھی پطرس راہب اور

---

[۱] تاریخ یورپ اے۔ جے گرانٹ صفحہ ۳۵۵ [۲] تمدن عرب صفحہ ۲۹۵

[۳] (تاریخ یورپ اے جے گرانٹ صفحہ ۳۵۵ (اردو)۔

ایک مفلس سردار "گوتیر" کی قیادت میں قسطنطنیہ روانہ ہوا۔ راہ میں آؤ بھگت خوب ہوئی۔ مگر بلغاریہ والوں نے ان سے روپیہ لے کر سودا دیا۔ مجاہدین بگڑ بیٹھے دیہات لوٹ لئے۔ عیسائی باشندے قتل کئے اور صدہا کو دریا میں پھینک دیا۔

پھر قسطنطنیہ پہنچے۔ قیصر الکزس نے ان کے مظالم سے تنگ آکر انہیں باسفورس پار ایشیائے کوچک روانہ کر دیا۔ پھر تو بلا امتیاز مسلمان و عیسائی سب کو جو راہ میں ملتا قتل کر دیتے۔ بچوں کی تکا بوٹی کر ڈالتے۔ یہ وحشیانہ افعال روز افزوں ترقی پر تھے۔ امیر قلیج ارسلان سلجوقی والی قونیہ کے علاقہ میں داخل ہوئے اُس نے ان کی اس بربریت کا پورا انتقام لیا اور جانوروں کی طرح اُن کا قتل عام کیا اور قریب قریب پوری صلیبوں کی فوج برباد ہو گئی [1]

یہاں ان مجاہدین کو اپنے کرتوت کا یہ پھل ملا۔ ادھر یورپ کی حکومتوں نے فوجیں تیار کیں اور اپنے اعزہ و امراء کی قیادت میں اُن کو روانہ کیا۔ شمالی فرانس کی فوجیں فلپ اول کے بھائی ہیگو آف دتبدڈ واسٹفن کی قیادت میں تھیں۔ جنوبی فرانس کی ایمنڈ کاؤنٹ ٹولوزلی نارمنوں کی شاہ انگلینڈ کے بھائی رابرٹ کی، رائن کے جرمنوں اور فرانسیسیوں کی گاڈفری رئیس بولیون کی جنوبی اٹلی و سلی کی بوٹنڈ اور ٹنکر کی سرکردگی میں روانہ ہوئیں۔

ان کے علاوہ یورپ کے چھوٹے موٹے رئیس بھی شریک تھے۔ ان فوجیوں کی تعداد دس لاکھ تھی۔ پہلے اس میں کچھ چپقلش چلی مگر پھر مصلحت کے تقاضے سے ۴۹۰ھ، ۱۰۹۷ئ میں تمام افواج گاڈفرے کی سرکردگی میں آگئیں اور باسفورس کو عبور کر کے اُنہوں نے قونیہ کا محاصرہ کر لیا۔ امیر قلیج ارسلان سلجوقی بڑی شجاعت سے مدافعت کرتا رہا۔ مگر آخر میں شکست کا منہ اُس کو دیکھنا پڑا [2]

قونیہ کے بعد صلیبی افواج شام کی طرف بڑھیں اور انطاکیہ کو گھیر لیا۔ یہاں

---

[1] تمدن عرب صد ۲۹۶ [2] ابن اثیر جلد ۱۰ صد ۹

کے سلجوقی والی باغیان نے پوری مدافعت کی۔ مگر صلیبی ایک قلعہ دار سے سازباز کر کے شہر میں داخل ہو گئے اور پوری مسلمان آبادی کو انھوں نے تہ تیغ کر دیا۔ امیر قوام الدولہ کو بوغا والی موصل انطاکیہ مدد کے لئے آیا۔ مگر ناکام لوٹا۔ پھر یہ صلیبی مجاہد شمالی شام کی طرف بڑھے معرۃ النعمان کو فتح کیا۔ ایک لاکھ سے زیادہ مسلمان قتل کئے۔ اسی قدر گرفتار کئے گئے۔ معرۃ النعمان کے بعد عرقہ کا محاصرہ کیا۔ امیر منقذ والی شیرز نے صلح کر لی۔ پھر صلیبی حمص پہنچے۔ یہاں کے حاکم جناح الدولہ نے بھی صلح کر کے مسلمانوں کی ان ظالموں سے جان بچائی۔ پھر اس جمِ غفیر کا رخ "عکا" کی طرف ہوا مگر وہاں سے منہ کی کھائی [1]

پھر بیت المقدس کا رخ کیا۔ جنگِ صلیبی کا آغاز میں سلجوقی نگران تھے۔ انطاکیہ کے بعد فاطمیہ مصر قبضہ کر بیٹھے۔ صلیبیوں کے حملہ کے وقت ان ہی کا یہاں تسلط تھا۔

فتح بیت المقدس

رجب ۴۹۲ھ، ۱۰۹۹ء کو صلیبیوں نے بیت المقدس کا محاصرہ کر لیا۔ ان کے سیلاب کو روکنے کی طاقت نہ تھی۔ بیالیس دن محاصرہ کے بعد شعبان ۴۹۲ھ میں صلیبیوں کا قبضہ بیت المقدس پر ہو گیا۔ کئی ہفتوں تک قتلِ عام رہا۔ صرف مسجدِ اقصیٰ میں ستر ہزار مسلمان قتل ہوئے۔ مسجد کا تمام طلائی و نقرئی بیش قیمت سامان لوٹ لیا۔ غرضیکہ بیت المقدس اسلام کے آغوش سے نکل کر صلیب کے دامن میں چلا گیا۔

بیت المقدس کے قبضہ کے بعد اس کے آس پاس کے تمام شہروں صور، عکہ رملہ اور یافہ وغیرہ پر قبضہ کر لیا۔ گاڈفرے کے پاس تخت و تاج بیت المقدس کا پیش کیا۔ اس نے قبول نہیں کیا۔ محافظ قبر مسیح کی حیثیت رکھی۔ انطاکیہ، بوہمینڈ کو ملا۔ رہا، بوڈوین کے حصہ میں آیا۔ طرابلس، شام ریمنڈ کو دیا گیا۔ اس طرح شام کے حصے ہو کر چار عیسائی حکومتیں قائم ہوئیں۔ خلافتِ عباسیہ کی

---

[1] ابن اثیر جلد ۱۰ صفحہ ۹۸۔

کمزوری اور امرائے سلاجقہ کی باہمی آویزشوں، امرائے اسلام کی ذاتی غرضوں سے یہ روزِ بد مسلمانوں کو دیکھنا پڑا۔ غرضیکہ ان درندوں نے تمام مسلم آبادی کو تہ تیغ اور مال و متاع اور کتب خانوں کو نذرِ آتش کیا۔ تھوڑے عرصہ میں اس وحشت اور سفاکی سے سارا شام ویران ہوگیا[1]

وقائع بغداد

شام کے علاقے پر نصرانیوں کا قبضہ ہوگیا۔ سلطان محمد کو اس طرف توجہ نہ ہوئی۔ وہ بغداد پر قبضہ و تصرف کرنا چاہتا تھا چنانچہ ۴۹۶ھ میں سلطان محمد نے بغداد کی طرف کوچ کیا۔ سقمان قطبی (قطب الدولہ اسمٰعیل بن قوتی بن داؤد) جکرمش والیٔ موصل سیف الدولہ والیٔ حلہ اور اس کے لڑکے بدران و دبیس موکب سلطانی کے ساتھ تھے۔

امیر ایاز جو برکیارق کی طرف سے اس کے بیٹے ملک شاہ ثانی کا ولی تھا وہ اور وزیر ابوالحسن سلطان محمد کی خدمت میں پیش ہوئے۔ مسجد میں سلطان محمد کے نام کا خطبہ پڑھا گیا۔ سلطان نے ملک شاہ کو گلے سے لگایا۔ پھر امیر ایاز نے سلطان کی دعوت کی۔ خلیفہ نے بھی نوازشات مبذول فرمائے۔ سلطان محمد نے عنانِ حکومت بغداد سنبھالی۔ عدل و انصاف سے کام لینے لگا۔ ٹیکس موقوف کئے گئے۔ لشکریوں کو جبر و تعدی سے روک دیا اور ان کو بازاروں میں جانے کی ممانعت کردی[2]

مگر انتظام ملک کا نہ چل سکا اور شورش پھیل گئی۔ آخرش ۵۱۱ھ میں وہ انتقال کر گیا۔ ۱۲ سال سلطان محمود نے حکومت کی۔ خلیق اور شجاع تھا۔ جانشین اس کا بیٹا محمود ہوا۔

مستظہر کی وفات

۱۵ ربیع الآخر ۵۱۲ھ میں ۴۱ سال کی عمر میں مستظہر نے بھی انتقال کیا۔ مدتِ خلافت ۲۵ سال ہے۔ اس

---

[1] خطط الشام کرد علی جلد ۱ صہ ۲۵۳ [2] تاریخ کامل ابن اثیر جلد ۱۰ صہ ۱۵۱۔

کے عہد میں تین بادشاہوں تاج الملک تتش، سلطان برکیارق، سلطان محمد کے نام کے خطبے پڑھے گئے[1]

حادثات مستظہر کے عہد میں بڑے بڑے حادثات رونما ہوئے۔ مشرق میں فرقہ باطنیہ نے بے حد ظلم ڈھائے۔ سلجوقیوں کی خانہ جنگی اور جنگ صلیبی کی وجہ سے ملک آتشِ جنگ بنا ہوا تھا۔

اوصاف ابن اثیر کا بیان ہے کہ :-

"مستظہر نہایت ملائم طبیعت، کریم الاخلاق، نیک کاموں میں جلدی کرنے والا۔ خوش خط۔ انشاء پرداز تھا۔ فنون میں اپنا کوئی ہمسر نہ رکھتا تھا۔ علم وسیع رکھتا تھا۔ شجاع، سخی، علماء و صلحاء پر جان دینے والا۔ اس کا سارا عہد اہلِ بغداد کے لئے آرام و راحت کا زمانہ تھا"۔[2]

علمی ذوق علمی اعتبار سے مستظہر فاضل تھا۔ ادب و انشاء کا بلند مذاق رکھتا تھا۔ اس کی مختصر توقیعات اس کے ذوقِ ادب کا نمونہ ہیں۔

حسنِ انتظام اور رعایا کے سکون و راحت و فارغ البالی کے لحاظ سے بھی اس کا دور ممتاز تھا۔ گو اس کے عہد میں امرائے سلجوقی باہمی برسرِ پیکار تھے۔ باطنی علیحدہ شورش پر کمر باندھے ہوئے تھے۔ جنگ صلیبی کے بادل منڈلا رہے تھے مگر مستظہر کی حسنِ قابلیت سے بغداد محفوظ تھا۔

ہمعصر علماء محمد بن احمد بن ابی سہل السرخسی شمس الائمہ ابوبکر امام علامہ فقیہ ابن کمال سا سارومی۔ نے آپ کو طبقہ مجتہدین فی المسائل میں شمار کیا ہے۔ آپ کو بادشاہِ وقت نے کلمۂ حق کہنے پر چاہ میں قید کر دیا۔ مگر آپ کے شاگرد کنوئیں کی منڈیر پر بیٹھ کر استفادہ حاصل کرتے تھے۔ اس قید کی حالت

---

[1] تاریخ الخلفاء صفحہ ۲۲۶ [2] دول الاسلام ذہبی جلد ۲ صفحہ ۲۰ ابن اثیر جلد ۱۰ صفحہ ۱۸۹۔

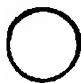
میں اپنے تلامذہ کو مبسوط اپنی زبانی شرح لکھوائی اور اسی زمانے کی کتاب "العبادات و شرح کتاب الاقرار ہے۔ مختصر الطحاوی بھی یادگار سے ہے۔ سنہ ۵۰۰ھ میں انتقال کیا۔

وزیر سدید الملک

سدید الملک ابوالمعالی بن عبدالرزاق ملقب بہ عزیز الدین علم و فضل میں یگانہ روزگار تھا۔ اس نے مقتدی کے عہد میں وزیر ابوالشجاع کی صحبت اٹھائی تھی۔ ابوالشجاع نہایت عادل اور منصف وزیر تھا۔ اس کا معمول تھا کہ نماز ظہر کے بعد عدالت کا اجلاس کرتا تھا اور منادی کرا دیتا تھا کہ جس کسی کو کوئی شکایت ہو وہ آکر پیش کرے [1]

حج کو گیا تو مدینہ منورہ کے قیام کے دوران میں مسجد نبوی کو جھاڑو دینا اور چراغ جلانا خاص طور سے انجام دیتا۔

سدید الملک بھی ابوالشجاع کے قدم بقدم اولاً چلا۔ آخر میں بہک گیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ مستظہر نے قید خانے بھیج دیا۔



[1] الفخری صفحہ ۲۶۵۔

خلیفہ مسترشد باللہ

نام ولقب مسترشد باللہ ابوالمنصور الفضل مستظہر باللہ ربیع الاول ۴۸۵ھ میں پیدا ہُوا۔

تعلیم وتربیت ابوالقاسم بن بیان اور عبدالوہاب بن ہبۃ اللہ السبتی سے حدیث سُنی اور محمد بن عمر بن الملکی الاہوازی اس کے وزیر علی بن طراد اور اسماعیل بن طاہر الموصلی نے اس سے حدیث روایت کی۔ اس کے علم و فضل کی نسبت اتنا کہہ دینا کافی ہے کہ ابن صلاح اور ابن سبکی نے اس کو طبقاتِ شافعیہ میں شمار کیا ہے۔ ابوبکر شاشی نے ایک کتاب فقہ میں تصنیف کر کے اس کے نام سے مشہور کی اور عدۃ الدنیا والدین خطاب پایا[1]

نہایت خوشخط تھا اور تمام خلفائے بنی عباس پر اس فن میں سبقت لے گیا تھا۔ اکثر مشہور کاتبوں کو اصلاحیں دیا کرتا۔ جرأت، ہیبت وشجاعت اور مجاہدانہ سرگرمیوں میں بڑھا ہوا تھا[2]

خلافت مستظہر کی وفات کے بعد ربیع الآخر ۵۱۲ھ میں مسترشد باللہ تختِ خلافت پر متمکن ہُوا۔ تیس برس پیشتر اس کی ولی عہدی کا اعلان ہو چکا تھا۔ تختِ خلافت پر جلوہ افروز ہونے پر اس کے بھائی ابوعبداللہ، محمد ابوطالب عباس اور اس کے اعمام پسران مقتدی نے بیعت کی۔ بعد ازاں فقہاء، قضاۃ، ارکینِ دولت اور امرائے سلطنت سے بیعت لی گئی۔ بیعت لینے پر قاضی ابوالحسن دامغانی مامور ہوئے۔

---

[1] تاریخ الخلفاء صـ ۲۹ [2] ایضاً

وزارت قاضی ابوالحسن دامغانی کو ہی خلیفہ نے عہدۂ وزارت پر بحال رکھا۔ مگر کچھ دن بعد یہ معزول کئے گئے۔ سلطان محمود کے وزیر ابوشجاع محمد بن ربیب ابومنصور کو وزارت پر ممتاز کیا۔ یہ بھی ۵۱۶ھ میں معزول کئے گئے اور ان کے بجائے جلال الدین عمید الدولہ ابوعلی حسن بن علی بن صدقہ کو قلمدانِ وزارت مرحمت کیا۔[1] یہ وزیر ریاست کے نظم ونسق کی غیر معمولی صلاحیت رکھتا تھا۔ اس کو جلال الدین، سید الوزراء، صدر الشرق والغرب اور ظہیر امیر المومنین کے خطابات مسترشد نے دیئے تھے۔

وقائع مسترشد نے اپنے ہوش وگوش سے کام لے کر خلافت بنی عباس میں نئے سرے سے جان ڈالنے کی سعی کی۔ اس میں حکمرانی کا مادہ تھا چنانچہ دبیس خلیفہ کے مقابل آیا۔ مگر اس کو بقوت شکست دی۔ سلطان محمد اور سنجر میں چل گئی تو خلیفہ نے اپنی قوت کو بڑھالیا اور مخالفین سے برسر پیکار ہوا۔ سلطان محمود سلجوقی کے شحنہ کو بغداد سے نکال دیا۔ اس نے محمود سے جا لگائی وہ بغداد آیا مگر اپنا پہلو کمزور دیکھا تو صلح کر لی۔ امرائے محمود نے محمود کو مشورہ دیا۔ بغداد کو آگ سے پھونک دیا جائے۔ اس نے کہا کہ یہ ایسا کام ہے کہ اگر سارے عالم کی سلطنت بھی مجھے ملے تو نہیں کروں گا۔

سلطان محمود بغداد میں داخل ہوا۔ خلیفہ نے خلعت اور عربی گھوڑے اس کو عطا فرمائے۔ تقریباً دو ماہ وہ قیام پذیر رہا۔ ۴ ربیع الثانی ۵۲۱ھ کو اپنے مستقر چلا گیا۔

باطنیہ اصفہان میں ابن عطاش باطنی کی جماعت کو سلطان محمود نے فنا کر دیا۔ لیکن پھر بھی بہت سے لوگ قلعہ الموت میں رہ گئے۔ پھر ۵۲۴ھ میں محمود نے ان کا استیصال بھی بہت کچھ کر دیا۔

---

[1] ابن خلدون جلد ۹ کتاب ثانی صد ۸۰ [2] الفخری صد ۲۶۵

وفات سلطان محمود

اس کے بعد ۵۲۵ھ میں سلطان محمود نے وفات پائی۔

سلطان مسعود اور طغرل

سلطان محمود کے مرنے کے بعد اس کے بیٹے داؤد کا نام خطبہ میں لیا گیا۔ سلطان مسعود نے نے داؤد سے دو دو ہاتھ کئے۔ مگر داؤد کو ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا۔ سلطان سنجر والیٔ رے نے مسعود کی گوشمالی کر دی اور مقام گنجہ میں اس کو مجبور کر دیا اور اس کے بھائی طغرل ثانی کو تخت نشین کیا۔

مسعود نے موقعہ پا کر ایک جماعت اپنی ہمنوا کی اور بغداد آیا۔ خلیفہ کو متفق کر کے ہمدان جا کر طغرل کو مغلوب کیا۔ اس کے بعد داؤد کے ساتھ اس کا نام خطبہ میں آنے لگا۔ بارگاہِ خلافت سے دونوں سلجوقی امراء کو خلعت نیابت سلطنت عطا ہوئے۔

چند روز بعد خلیفہ کی مسعود سے بگڑ گئی۔ وہ لڑائی کے لئے نکلا۔ خلیفہ اور اس کے فوجوں میں خوب جدال وقتال ہوا لیکن خلیفہ کے لشکر نے نمک حرامی کی جس سے خلیفہ کو شکست کا منہ دیکھنا پڑا۔

خلیفہ کی نظر بندی

خلیفہ معہ خواص کے ہمدان کے قلعہ میں نظر بند کیا گیا۔ جب اہلِ بغداد کو خلیفہ کی گرفتاری کی خبر لگی تو لوگ بازاروں میں اپنے سروں پر خاک ڈالتے، شور کرتے ہوئے نکلے۔ عورتیں سر کے بال کھولے ہوئے خلیفہ کے لئے بین کر رہی تھیں۔ بغداد میں نماز وخطبہ بند رہا[1]

ابن جوزی کا بیان ہے کہ اس روز بغداد میں زلزلہ آیا اور کئی روز تک رہا۔

سلطان سنجر کو خبر لگی اس نے اپنے برادر زادہ ملک مسعود کو خط لکھا کہ تم خلیفہ کی خدمت میں حاضر ہو کر زمین چوم کر معافی مانگو اور اپنے گناہ کا اظہار کرو۔ کیونکہ یہ جو کچھ ہو رہا ہے قہر الٰہی ہے اور مجھ کو اپنی جان کا خوف ہے جلد…

[1] تاریخ الخلفاء صفحہ ۲۲۹۔

میں نماز خطبہ بند ہے جس کا عذاب آنا یقینی ہے اس کی جلد تلافی کرو۔ خلیفہ کو بعزت بغداد پہنچاؤ جیسا کہ ہمارے آبا کی عادت تھی۔ اُن کا غاشیہ خود اُٹھا کر لاؤ۔

ملک مسعود نے سلطان سنجر کی حرف بہ حرف تعمیل کی۔ سلطان سنجر کی فوج آئی اس میں چند باطنی بھی تھے خلیفہ خیمہ میں رونق افروز تھے۔ باطنی موقعہ پاکر گھس گئے اور اُن کو معہ خواص کے شہید کر دیا۔ سلطان مسعود کو اس واقعہ کا بڑا صدمہ ہوا مثل عزاداروں کے سوگ منایا۔ بغداد میں اس خبر نے حشر بپا کر دیا۔ لوگ سر و پا برہنہ کپڑے پھاڑتے گھروں سے نکل آئے۔ خلیفہ سے اہلِ بغداد کو دلی ہمدردی تھی۔ خلیفہ کی شجاعت و عدل وانصاف نے ہر شخص کو گرویدہ بنا رکھا تھا۔

واقعہ قتل مسترشد ۱۶ ذی قعدہ ۵۲۹ھ کو مسترشد کا قتل کا واقعہ ہوا[1] سترہ سال آٹھ ماہ فرائض خلافت انجام دیئے۔

اوصاف مسترشد عابد وزاہد صوف کے کپڑے پہنتا۔ اپنے مکان میں عبادت کے لئے ایک جگہ بنا رکھی تھی[2]

وہ ایک عالی ہمت، بہادر، جری، صائب الرائے اور ہیبت وجبروت کا خلیفہ تھا۔ اُس نے خلافت کے پراگندہ نظام کو ازسرِ نو منظم و مرتب کیا اور ارکانِ شریعت کو استوار کیا۔ یہ خلیفہ خود جنگوں میں شریک ہوتا تھا۔

نظمِ سلطنت مسترشد ملک اور رعایا کی حالت کے سدھارنے میں لگا رہتا تھا اور رعایا پر بے حد شفقت کا برتاؤ کرتا تھا۔ ظلم وجور کا انسداد کیا۔ ۵۱۳ھ میں اپنی خاص جاگیر کے علاقہ میں یک قلم ظلم وزیادتی موقوف کرادی اور حکم جاری کیا کہ کسی کاشت کار و اجارہ دار سے مقررہ محاصل کے علاوہ کوئی شئے نہ لی جائے۔

اہلِ حرفہ پر بھاری بھاری ٹیکس لگے ہوئے تھے ان کو بند کیا۔

---

[1] تاریخ الخلفاء صفحہ ۳۰۱ [2] ایضاً صہ ۳۰۲ [3] ابن اثیر جلد ۱۱ صہ ۱۰

بڑھیا قسم کے کارخانے تھے۔ اُن پر جو ٹیکس تھا اس کو سرے سے موقوف کر دیا۔ لڑائیوں میں بہ نفس نفیس نکلتا تھا۔

حافظ ذہبیؔ کا بیان ہے :-

"مسترشد نے بنی عباس کے وقار و عظمت کو زندہ اور امورِ مملکت کو منظم کیا۔"[1]

مصرف اوقات اس کا زیادہ وقت عبادت اور تلاوتِ قرآن پاک میں گزرتا تھا۔ جس روز شہید ہُوا اُس دن بھی روزہ سے تھا اور تلاوتِ کلام پاک میں مشغول تھا۔[2]

شہر پناہ کی درستی اس کے آثار میں سے بغداد کی شہر پناہ کی نئے طور سے تعمیر ہے جو انقلاب و حوادث سے شکستہ حالت میں تھی۔ اہلِ شہر کی مالی معاونت سے درست کرائی۔ مگر پھر خود حکومت کی طرف سے سب کی رقم واپس کر دی۔

علمی ذوق مسترشد کے عہد میں اس کے علمی ذوق کا بغداد پر بڑا اثر پڑا۔ کیونکہ وہ خود علماء کی جماعت میں ممتاز درجہ رکھتا تھا۔ اس کے ارد گرد اس عہد کے فضلاء و علماء رہتے تھے۔

ابن اثیر کا بیان ہے :-

"وہ بڑا فصیح و بلیغ تھا۔ خط اس کا بڑا پاکیزہ، فصاحت و بلاغت کے ساتھ وہ زبان آور خطیب تھا۔ شعر و شاعری میں ستھرا مذاق رکھتا تھا۔ وہ شاعر بھی تھا۔"

کہتا ہے ؎

انا الاشقر المدعو نی الملاحم	ومن یملك الدنیا بغیر مزاحم
ستبلغ ارض الروم خیلی وینقضی	باقصی بلاد الصین بیض خواطفی

---

[1] دول الاسلام جلد ۲ صفحہ ۵   [2] طبقات الشافعیہ جلد ۴ صفحہ ۲۹۱ -

ترجمہ :۔ "میں ایسا گھوڑا ہوں کہ جنگوں میں بلایا جاتا ہوں اور جو دنیا کو بغیر مزاحمت قبضہ میں لے آتا ہے۔ میرا لشکر بہت جلد ارضِ روم پر قابض ہو جائے گا۔ قریب ہے کہ میری تلوار کی چمک اہلِ چین دیکھیں۔"

قید کی حالت میں یہ اشعار ورد تھے۔

وما عجبا للاسد ان ظفرت بھا	کلاب الاعادی من فصیح واعجم
فحربته وحشی سقت حمزة الردی	وموت علی من حسام ابن ملجم

ترجمہ :۔ "اگر شیر پر گویا گونگے کتے نے فتح پائی تو کچھ عجب نہیں ہے وحشی کے ہتھیار نے حمزہ کو شربت شہادت چکھایا اور ابن ملجم نے علی کو۔"[1]

ابو علی حسن بن علی

سید الوزراء کو مسترشد باللہ نے ۵۱۳ھ میں وزارتِ عظمٰی کے منصب پر مامور کیا تھا اور بڑے بڑے خطاب دیئے۔ سلطان سلجوقی کے وزیر کو ابو علی کی غیر معمولی قابلیت نے اس کا حاسد بنا دیا تھا۔ اس نے خلیفہ کو بھڑکا کر اس کو معزول کرا دیا۔ کچھ عرصہ بعد مسترشد نے دوبارہ اُسے منصب پر مامور کیا اور خلعت سے نوازا اور ارکانِ دولت کو حکم تھا کہ جب وہ دیوانِ وزارت کو روانہ ہو تو احترام میں اُس کے آگے آگے چلیں۔ یہ پہلا وزیر اعظم تھا جسے یہ اعزاز بخشا گیا تھا۔ یہ اہلِ قلم ہی صرف نہ تھا صاحبِ سیف بھی تھا۔ شجاع تھا۔ اس کی شجاعت کا اندازہ اس سے کیا جاتا ہے کہ جب سلطان سنجر نے بغداد پہنچ کر خلیفہ کے خلاف ہنگامہ بپا کرنے کا قصد کیا تھا تو ابو علی۔ نے کہلا بھیجا تھا۔

"اگر تم نے اپنی جگہ سے ایک انچ بھی حرکت کی تو یاد رکھنا اپنی مملکت کے ایک ایک چپہ سے ہاتھ دھو بیٹھو گے۔ اگر تم ایک فرسنگ بڑھو گے تو میں دو فرسنگ پیش قدمی کروں گا۔"

مسترشد کے دل میں ابو علی کی بڑی قدر تھی جب یہ بیمار پڑا تو خلیفہ خود عیادت کو گیا۔

---

[1] تاریخ الخلفاء صفحہ ۳۰۱۔

سیاسی حالت مسترشد باللہ نے مقتدی باللہ کی پالیسی، احیائے دولتِ عباسیہ کی نئے سرے سے اختیار کی۔ مسترشد شجاع اور بہادر تھا۔ وہ سلجوقی سلاطین کو نظر میں نہ لاتا تھا کھل کر میدان میں اُترتا۔ اُس کی تمنا تھی کہ پھر یہ دولت عروج حاصل کرے۔ مگر وہ ارادہ میں زیادہ کامیاب نہ ہو سکا۔ ۵۲۰ھ میں مسترشد نے سلطان محمود بن محمد بن ملک شاہ پر چڑھائی کر دی اور اُس کو شکست دی۔ ممکن تھا کہ اس وقت وہ سلجوقیوں کو صفحۂ ہستی سے مٹا دیتا۔ لیکن محمود کو حاکمِ بصرہ زنگی کی کمک پہنچ گئی وہ سنبھل گیا۔ پھر اُس نے امرائے سلجوق کو آپس میں بھڑا دیا۔ پھر زنگی کی بری طرح خبر لی اور موصل تک بھگا دیا۔ مسعود کے مقابلہ میں امیر سلجوق جو خلیفہ کا ہمرکاب تھا اُس کی دغابازی کی وجہ سے خلیفہ کو شکست کا منہ دیکھنا پڑا۔ غرضیکہ مسترشد نے آخری دم تک خلافتِ عباسیہ کو باوقار اور پُرعظمت بنانے میں سعی کی۔ مگر قضا و قدر میں کس کو چارہ ہے کہ باطنیوں کے ہاتھ سے جان بحق تسلیم ہوا۔ دل کی تمنا دل ہی میں لے گیا۔

علمائے عصر محمد بن ہبیۃ اللہ حلبی قاضی حلب فقیہ و زاہد تھے ۵۲۲ھ میں انتقال ہوا۔

ابراہیم بن اسماعیل بن احمد بن اسحاق بن شیث المعروف بزاہد صفار رکن الاسلام ابوالحق فقیہ و متورع۔ سلطان سنجر بن ملک شاہ سلجوقی نے شہر مرو میں آپ کو بسایا۔ کتاب تخلیص الزہد و کتاب السنہ و اعمار تصنیف ہے ۵۳۴ھ میں انتقال ہوا۔

عبدالغافر فقیہ محدث اپنے عہد کے علمائے کبار سے تھے۔ مجمع الغرائب فی غریب الحدیث یادگار سے ہے۔ ۵۳۰ھ میں انتقال ہوا۔

خلیفہ الراشد باللہ

پیدائش راشد باللہ ابوجعفر منصور بن مسترشد ۵۰۰ھ میں پیدا ہوا۔ اس کے باپ نے ذی قعدہ ۵۲۹ھ میں اپنا ولی عہد مقرر کیا تھا۔ باپ کے مرنے کے بعد تختِ خلافت پر بیٹھا۔

وقائع خلافت مآب کے عہد کا واقعہ دبیس کا قتل ہے کیونکہ یہ امیر اس قسم کا واقع ہوا تھا جس نے خلفاء اور سلاطین سلاجقہ کو بے حد پریشان کر رکھا تھا۔ گو سلطان مسعود سے اور دبیس سے صلح و آشتی تھی۔ مگر مسعود باطنی طریق پر اس کو ٹھکانے لگانا چاہتا تھا۔ چنانچہ موقع پاتے ہی دبیس کا کام تمام کرا دیا۔ صدقہ بن دبیس اپنے باپ کے انتقام کے لئے اٹھا۔ مگر مسعود نے رام کر لیا۔

راشد اور سلطان مسعود سریر خلافت پر راشد کے متمکن ہونے کے بعد پرتقش ز کوئی سلطان مسعود کے پاس سے اس سے زرِ نقد کے وصول کرنے کو بغداد آیا جس کا اقرار اس کے باپ خلیفہ مسترشد نے کیا تھا اور جس کی تعداد چار لاکھ تھی[1] خلیفہ راشد نے جواب دیا۔

"پدر بزرگوار ایک حبہ خزانہ میں نہیں چھوڑ گئے۔ جو کچھ مال و اسباب اور زرِ نقد تھا وہ اُن کے ہمراہ تھا وہ سب کا سب لُٹ گیا"۔

پرتقش یہ سُن کے خاموش ہو رہا۔ لوگوں نے خلیفہ سے کہا۔ پرتقش محل پر قابض ہونا چاہتا ہے۔ خلیفہ یہ سُن کر آگ بگولہ ہو گیا۔ فوجیں فراہم کر لیں شہر پناہ کی مرمت کی گئی۔ موقع موقع سے دھس اور دمدمے بندھوائے۔ پرتقش نے رنگ

---

[1] ابن خلدون جلد ۹ صفحہ ۱۲۳۔

دیکھ کر معہ اُمرائے بلخ محل سرائے خلافت کے لُوٹنے کو نکلا۔ عوام اور لشکرِ خلیفہ نے مقابلہ کیا۔ گھمسان کی لڑائی ہوئی آخر کار خلافت مآب کے لشکر نے پرتقش کی فوج کو میدانِ جنگ سے مار بھگایا۔ پرتقش نے ناکامی کے بعد خراسان کا راستہ لیا۔ امیر بک شحنہ بغداد بھی چلتا ہُوا۔ عوام اور لشکریوں نے سلطان کا مکان لُوٹ لیا[1]۔ ملک داؤد بن سلطان محمود معہ لشکرِ آذر بائیجان سے ۵۳۰ھ میں آیا۔ محلسرائے سلطانی میں مقیم ہُوا۔ عماد الدین زنگی موصل سے پرتقش بازدار والی قزوین نفس بکبیر والی اصفہان، صدقہ بن دبیس والی حلہ، ابن برسق اور احمد بیلی وغیرہم بھی حضورئ خلیفہ میں آپہنچے۔ ملک داؤد نے برتقش بازدار کو بغداد کا شحنہ بنایا۔ خلیفہ راشد نے ناصح الدولہ ابو عبد اللہ حسن بن جہیر اُستاد دار اور جمال الدین اقبال کو گرفتار کر کے جیل میں ڈال دیا[2]۔

وزارت وزیر السلطنت جلال الدین ابوالرضا ابن صدقہ کو زنگی کی سفارش سے خلافت مآب نے پھر عہدۂ وزارت پر سرفراز کیا۔

قاضی القضاۃ قاضی القضاۃ زینبی بھی آگیا تھا۔ مگر زنگی کے ساتھ موصل چلا گیا۔ سلطان مسعود نے پہلے راشد کی خوشامد کی۔ پھر بغداد پر حملہ کے ارادے سے چل کھڑا ہُوا۔ جن امراء نے خلیفہ کا ساتھ دیا تھا وہ یہ رنگ دیکھ کر یکے بعد دیگرے کھسکنے لگے۔ یہاں تک کہ عماد الدین زنگی والی موصل بھی جو امراء میں خلیفہ کا سب سے بڑا معاون تھا وہ بھی بغداد سے نکلنے لگا۔ راشد نے یہ اُمراء کا رنگ دیکھا تو خود بھی عماد الدین زنگی کے ساتھ موصل چلے گئے[3]۔

راشد کی معزولی سلطان مسعود کے لئے میدان بالکل صاف تھا۔ اُس نے بغداد میں داخل ہو کر تمام فقہاء و قضاۃ کو جمع کیا اور اُن کے سامنے راشد کا وہ دستخطی عہدنامہ پیش کیا جس میں لکھا تھا :-

---

[1] ابن خلدون جلد ۹ صفحہ ۱۲۳ [2] ایضاً صہ ۱۲۴ [3] ایضاً صہ ۱۲۵

"میں اگر فوج جمع کروں یا بغاوت کروں یا سلطان مسعود کے کسی ساتھی کے
ساتھ مقابلہ کروں تو میں خود بخود معزول ہو جاؤں گا۔"

اس عہد نامہ کو پڑھنے کے بعد ابن الکرخی قاضی بلدہ نے تمام فقہاء و قضاۃ کی تائید سے اُس کی معزولی کا فتویٰ صادر کر دیا[1] اور گیارہ ماہ اٹھارہ دن کے بعد راشد کے عہدِ خلافت کا خاتمہ ہو گیا۔ موصل کے قاضی کمال الدین محمد بن شہرزوری راشد کی خلافت کے سلسلے سے بغداد آئے مقتفی نے اُن کو گانٹھ لیا۔ اس نے بھی ابن الکرخی کی تائید کی[2]

راشد کا قتل

راشد کو اپنی علیحدگی خلافت کی خبر لگی تو وہ موصل سے ایک بڑی فوج کے ساتھ آذر بائیجان کی طرف گیا۔ فوج کو بہت کچھ مال و دولت سے نوازا۔ وہ کٹ مرنے کو تیار ہو گئی اور آذر بائیجان کے اطراف میں لوٹ مار کا بازار گرم کر دیا۔ پھر اُن کا رُخ ہمدان کی طرف ہوا۔ وہاں بھی یہی فساد مچایا۔ بہت سے باشندے قتل ہوئے اور سُولی پر چڑھائے گئے۔ علماء کی تذلیل فوجیوں نے کی۔ راشد نے اصفہان پہنچ کر اس کا محاصرہ کر لیا۔ اس اثنا میں راشد بیمار پڑا۔ ۱۹ رمضان المبارک ۵۳۲ھ کو اس کے عجمی غلاموں نے آگھیرا اور چھریوں سے چھید ڈالا۔ بغداد میں خبر پہنچی۔ صفِ ماتم بچھی۔[3] شہرستان میں اصفہان کے باہر دفن کیا گیا[4]

اوصاف

راشد فصیح، ادیب، شاعر، شجاع، عقیل، سخی، نیک سیرت عادل تھا۔ عماد کاتب کا بیان ہے کہ راشد حسن یوسفی اور سخا حاتمی رکھتا تھا۔[5]

سلطان عماد الدین

ملک شاہ سلجوقی کا غلام آق سنقر سپہ سالار نامور تھا وہ برکیارق کے زمانے میں تتش ارسلان کے مقابل

---

[1] تاریخ الخلفاء صفحہ ۳۰۲ [2] مقدمہ الفخری [3] تاریخ الخلفاء صفحہ ۲۳۱
[4] ابن خلدون جلد ۹ صہ ۱۳ [5] تاریخ الخلفاء صہ ۲۳۱۔

حلب کے متصل مارا گیا۔ اس کے بیٹے عماد الدین[1] کو بر کیاروق نے مثل اولاد اپنے پاس رکھا اور شاہانہ طور سے تعلیم و تربیت اُس کو دلوائی۔ عماد الدین اپنے باپ سے زیادہ نامور اور صاحبِ عزت ہُوا۔ سلطان محمود نے ۵۲۱ھ میں اُس کو موصل کی ولایت پر بھیجا۔ یہاں حکمرانی قائم کر کے حما کا قصد کیا اور حمس پر قبضہ کر لیا۔

---

[1] عماد الدین نے موصل میں ۵۲۱ھ میں حکومت قائم کی۔ اس کے بعد سیف الدین غازی بن عماد، پھر قطب الدین داؤد بن عماد الدین زنگی (۵۷۶ھ) سیف الدین غازی بن مودود (۵۸۹ھ) عز الدین مسعود بن مودود (۵۸۹ھ) نور الدین ارسلان شاہ بن مسعود (۶۱۶ھ) نصیر الدین بن محمود بن مسعود (۶۳۱ھ) بدر الدین لولو غلام (۶۵۷ھ) اسماعیل بن لولو (۶۶۰ھ) اس کے عہد میں تاتاری اس پر قابض ہُوئے۔ حلب کے حکمران نور الدین محمود بن عماد (۵۴۱ھ) اسماعیل اس سے سلطان صلاح الدین نے حلب لے لیا۔

سنجار کے حکمران :۔ قطب الدین مودود کا بیٹا سیف الدین موصل کا حکمران تھا۔ اس کے بھائی عماد الدولہ بن قطب الدین مودود نے سنجار پر قبضہ جمایا۔ اس کے بعد اس کا بیٹا قطب الدین ثانی (۶۱۶ھ) میں ہوا۔ پھر عماد الدین شہنشاہ (۶۱۲ھ) میں حکمران ہُوا۔ اس کے بعد عمر (۶۱۷ھ) میں ہوا جس سے سلطان صلاح الدین نے حکومت لے لی۔

جزیرہ میں عزیز الدین کے بھائی سنجر (۵۷۶ھ) نے حکمرانی قائم کی معز الدین محمود بن سنجر شاہ (۶۲۸ھ) مسعود بن محمود (۶۴۸ھ) یہ حکومت بنی ایوبی ممالک میں منسلک ہو گئی۔

عماد الدین کے تین بیٹے تھے۔ نور الدین، سیف الدین، قطب الدین، عماد الدین کے قتل کے وقت نور الدین محمود موجود نہ تھا۔ اس نے اپنے باپ کی انگوٹھی لے لی اور حلب پر جا کر قابض ہو گیا۔ اس کے بھائی سیف الدین نے شہرزور پر پہلے ہی سے قبضہ کر لیا تھا۔ باپ کے بعد اس نے موصل پر بھی قبضہ کر لیا۔ ۵۴۴ھ میں وفات پائی۔ اس کا بھائی قطب الدین جانشین ہُوا۔ نور الدین اور قطب الدین میں یہ طے ہو گیا کہ بلاد روم پر نور الدین کا اور جزیرہ پر قطب الدین کا اقتدار رہے۔

اس نے دمشق پر کئی بار فوج کشی کی مگر ناکامیاب رہا۔
۵۳۳ھ میں بعلبک پر قبضہ کیا۔ ۵۳۴ھ میں اس نے شہرزور کو فتح کیا جس کا حاکم قبجق بن الپ ارسلان تھا۔ ۵۴۱ھ میں اس نے قلعہ جعبر کا محاصرہ کیا جس کا حاکم علی بن مالک عقیلی تھا۔ اثنائِ محاصرہ ہی میں ممالیک کی ایک جماعت نے اس کو قتل کر دیا۔ ۶۰ سال کی عمر پائی۔[1]
عماد الدین نے ہی نجم الدین ایوب جس کا سلسلہ نسب رادودی کردوں سے ملتا ہے۔ بعلبک کا عامل مقرر کیا۔ نجم الدین کا بھائی شیرکوہ وزیر مصر تھا اور نجم الدین کا بیٹا سلطان صلاح الدین ایوبی ہے۔ شیرکوہ کو نورالدین نے اپنی طرف سے حمص و رحبہ کا گورنر کیا تھا۔



---

[1] دائرۃ المعارف بستانی جلد ۱۱ صفحہ ۴۰۴ و اعلام النبلا تاریخ حلب الشہباء از ہاشم طباخ حلبی ۱۲۰ صفحہ ۴۸۲۔

خلیفہ المقتضی لامراللہ

پیدائش المقتفی لامراللہ ابو عبداللہ محمد بن متظہر باللہ ربیع الاول ۴۷۹ھ میں پیدا ہوا۔

تعلیم و تربیت شاہی گھرانہ میں تعلیم پائی۔ دیگر علوم کی تحصیل کے بعد مقتفی نے ابوالبرکات ابن ابوالفرج بن سنی سے حدیث سنی تھی۔ اور کچھ ابوالقاسم بن بیان (استاد مسترشد) سے۔ اس سے ابو منصور الجوالیقی لغوی اور وزیر ابن ہبیرہ نے روایت کی۔

خلافت راشد کی معزولی کے بعد سلطان مسعود دربارِ خلافت میں حاضر ہوا وزیر السلطنت شرف الدین زینبی اور صاحب مخزن ابن عسقلان بھی آگئے تو ابو عبداللہ محمد بن مستظہر باللہ کو محل سرائے شاہی سے طلب کر کے سریر خلافت پر متمکن کیا۔[1] سلطان مسعود اور جدید خلیفہ نے مراسم اتحاد قائم رکھنے کی قسم کھائی۔ سلطان مسعود نے ہاتھ بڑھا کر بیعت کی۔ بعد ازاں اراکین دولت، ارباب مناصب فقہاء اور قضاۃ نے بیعت کی۔ ۱۲ ذی الحجہ ۵۳۰ھ کا یہ واقعہ ہے المقتفی لامراللہ کے لقب سے ملقب کیا گیا۔

وزارت عہدۂ وزارت پر شرف الدین علی بن طراد زینبی کو ممتاز کیا۔[2] اس کے بعد ابن ہبیرہ وزارت عظمٰی کے عہدہ پر سرفراز ہوا۔ سلجوقیوں کا زور توڑنے میں اس وزیر اعظم کا بڑا دخل تھا۔ اس نے ہدایت کی تھی کہ مجھے صرف وزیر کہا جائے۔ کیونکہ[3] خدا نے حضرت ہارون کو وزیر کے لقب سے خطاب

---

[1] تاریخ الخلفاء صفحہ ۳۰۴ [2] ایضاً صہ ۳۰۵ [3] ابن خلدون جلد ۹ صہ ۱۲۷ ۔

کیا ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کو وزیر کے خطاب سے یاد فرمایا تھا۔ لہٰذا اس لفظ سے مجھے یاد کیا جائے۔ بلند پایہ فاضل، زبردست سیاستدان تھا۔ اہلِ قلم اور شاعر تھا۔[1]

قاضی القضاۃ ابوالقاسم علی بن حسین کو موصل سے بلا کر قاضی القضاۃ مقرر کیا۔

نائب سلطنت سلطان سنجر والی خراسان اور سلطان نورالدین والی شام ہر دو نائب سلطنت تھے۔

وقائع مقتفی عنانِ خلافت ہاتھ میں لیتے ہی عدل و انصاف سے کام لینے لگے اور تمام موانعات کو دُور کر کے پورے طور پر بغداد پر قابض ہو گیا۔

سلطان مسعود نے یہ خبث باطنی کی کہ جملہ سامان محل سرائے خلافت سے معہ گھوڑے وغیرہ قبضہ میں لے کر اپنے مستقر کو چلتا ہُوا۔ مگر سلطان سنجر اور سلطان مسعود کے مابین جنگیں ہونے لگیں۔ اُن کے ساتھی اُمراء اُن سے کٹ گئے۔ حکومت سلجوقیہ نرغے میں پھنس گئی۔ خلیفہ نے موقع سے فائدہ اُٹھا کر اپنے اثر کو کام میں لایا۔ جس سے خلافت کی حرمت بڑھ گئی اور دولتِ عباسیہ نے پھر نئے طور سے اقتدار حاصل کیا۔

۵۴۱ھ میں سلطان مسعود بغداد آیا اور ایک دارالضرب بنائی۔ خلیفہ نے سکہ بنانے والے کو گرفتار کرا لیا۔ سلطان نے حاجب کو قید کر لیا۔ اس پر خلیفہ بگڑ گیا۔ مساجد تین دن تک بند رہیں۔ تمام رعایا سلطان سے بگڑ بیٹھی اس پر سلطان گھبرا گیا اور اُس نے حاجب کو رہا کیا۔

حملہ اہلِ فرنگ ۵۴۳ھ میں فرنگیوں نے دمشق کا محاصرہ کیا۔ نورالدین محمود زنگی والیٔ حلب نے اُن کا مقابلہ کیا اور مسلمانوں

---

[1] الفخری صفحہ ۲۷۹

کی فتح ہوئی ۔

وقائع ۵۴۴ھ میں والیٔ مصر الظافر لدین اللہ مر گیا[1] ۔ ۵۴۷ھ میں سلطان مسعود مر گیا تو باتفاق لشکر ملک شاہ سلطان بنا۔ خاص بیگ نے اوس پر خروج کیا اور اُس کو گرفتار کر لیا۔ اس کے بھائی محمد کو خوزستان سے بلا بھیجا اور سلطنت سپرد کر دی۔ سلجوقیوں کی خانہ جنگی سے خلافت مآب کو آزادی کا موقعہ ہاتھ لگا۔ چنانچہ اب خلیفہ مطلق العنان حکمران تھا۔

فتوحات مقتفی بہادر، عالی دماغ اور سیاستِ ملکی سے باخبر تھا۔ نواحِ بغداد میں کچھ افسروں نے سرکشی کی۔ خود خلیفہ لشکر لے کر اُن کی سرکوبی کو پہنچ گیا اور حلہ اور کوفہ کو بزورِ شمشیر فتح کر لیا اور بعد کامیابی بغداد آیا۔ اُس دن بغداد میں بڑی خوشی منائی گئی۔

۵۴۸ھ میں سلطان سنجر غزو کے ہاتھوں میں گرفتار ہو گیا اور اُس کو سائیس کے برابر تنخواہ ملا کرتی تھی۔

محاصرۂ تکریت ۵۴۹ھ میں ہی خلیفہ نے تکریت کے محاصرہ کے لئے پسر وزیر پرغون الدولہ اور ترشک کو مع لشکر کے بھیجا۔ یہ ناکام لوٹے تو ۵۴۹ھ میں خود خلیفہ تکریت پہنچا اور مسعود جلال شحنہ نے ارسلان بن طغرل بن سلطان محمد کو ساتھ لے کر مقابلہ کیا۔ خلیفہ کو فتح ہوئی۔

علاقہ مصر پر حملہ غرضیکہ مقتفی نے قرب و جوار کے تمام ممالک پر اپنا اقتدار تھوڑے سے عرصہ میں قائم کر لیا تو خلیفہ نے اپنی طرف سے نور الدین بن محمود بن زنگی کو حکم دیا کہ فوراً خلفائے فاطمی کے علاقہ شام و مصر پر جا کر قابض ہو جاؤ۔ نور الدین فرنگیوں سے برسرِ پیکار تھا۔ دمشق کے متصل علاقے فتح کر لئے تھے۔ مگر خلیفہ کے حکم پر وہ معہ فوج گراں کے علاقہ مصر پر پہنچا اور قبضہ

---

[1] تاریخ الخلفاء صفحہ ۳۰۵ ۔

کیا۔ جس سے بارگاہِ خلافت سے اس کو خطاب ملک العادل عطا ہُوا۔ اس کے بعد سے دولتِ فاطمیہ کی حکومت محدود ہو کر رہ گئی۔ اس واقعہ سے مقتفی کی شوکت اور بھی بڑھ گئی۔ مخالف امراء خوف کھانے لگے [1]

صلیبیوں کا حملہ صلیبیوں نے پھر ہاتھ پیر نکالے۔ بیت المقدس لے چکے تھے۔ اب نگاہ دمشق پر تھی چنانچہ صلیبیوں نے حملہ کر دیا۔ وہاں کا والی فخر الدین آبق تھا [2] اس کی فوج اور اس کے ساتھ رعایا جہاد کے ذوق و شوق میں شریک ہو کر نصرانیوں کے مدافعت میں مقابل آئے۔ اس اثنا میں آبق کی استدعا پر سیف الدین زنگی اور سلطان نورالدین زنگی فوجیں لئے ہوئے حمص پہنچے۔ فرنگی یہ رنگ دیکھ کر خوفزدہ ہو گئے اور محاصرہ اٹھا کر چلتے ہوئے۔ ۵۴۹ھ میں سلطان نورالدین نے دمشق پر خود قبضہ کر لیا اور اپنے علاقے میں اس کو بھی شامل کر لیا۔

سلطان ملک شاہ ثانی و سلطان محمد آل سلجوق میں سے سلطان مسعود کے بعد اُس کا بھائی محمد بن محمود تخت نشین ہُوا۔ اس نے خلیفہ پر فوج کشی کی اور جا کر بغداد کا محاصرہ کر لیا۔ امراء نے اُس کا ساتھ چھوڑ دیا۔ اِدھر یہ خبر لگی ملک شاہ ایلدگز کی مدد سے ہمدان پر قابض ہو گیا۔ ناچار محاصرہ اُٹھا کر چلتا بنا۔ ملک شاہ اس کی آمد کی خبر سُن کر ہمدان سے نکل گیا۔ یہ اپنے مستقر اصفہان میں آیا۔ وہیں ۵۵۵ھ میں انتقال کر گیا [3]

سلطان محمد کی وفات کے بعد بعض امراء نے اس کے بیٹے سلیمان شاہ کو سلطنت کے لئے بلایا اور بعضوں نے ارسلان بن طغرل کو بڑے قضیوں کے بعد ایلدگز نے ارسلان کو جو اس کا ربیب تھا تخت نشین کیا۔

---

[1] تاریخ الخلفاء صفحہ ۳۰۶ [2] مجیر الدین آبق بن محمود بن بوری بن طغتکین تابک والی دمشق

[3] ابن خلدون جلد ۹ صفحہ ۲۳۸۔

وفات مقتفی چالیس سال کی عمر میں تختِ خلافت پر بیٹھا تھا۔ ۲۴ سال دو ماہ کامیابی کے ساتھ فرائض خدمت انجام دے کر روز یک شنبہ ۲۔ ربیع الاول ۵۵۵ھ میں انتقال کیا۔

اوصاف ابن سمعانی کا بیان ہے کہ مقتفی پسندیدہ سیرت اور حکومت میں کامیاب تھا۔ اس میں عقل و دانش، علم و فضل، تدبیر و سیاست تمام باتیں جمع تھیں۔

مقتفی زاہد متورع تھا۔ تختِ خلافت پر متمکن ہونے سے پہلے اس کا سارا وقت عبادت و ریاضت، تلاوتِ کلام پاک اور علمی مشاغل میں گزرتا تھا۔[1] طبعاً بڑا نرم خو، حلیم الطبع اور نیک سیرت تھا۔[2] اس کا دور عدل و انصاف اور نیکیوں سے سرسبز و شاداب تھا۔

حافظ ذہبی کا بیان ہے:-

"مقتفی سرتاج الخلفاء، عالم، ادیب، شجاع، حلیم، خوش اخلاق، خلافت کی تمام قابلیتیں اس میں تھیں۔ ایماندار شخص تھا حتیٰ کہ اس کی نظیر ائمہ مجتہدین میں بھی کم ملتی ہے۔ اس کے عہدِ خلافت میں کوئی بات خلافِ دیانت و امانت ظاہر نہیں ہوئی۔"

علامہ سیوطیؒ لکھتے ہیں:-

"یہ نیک سیرت مشکور الدولت خلیفہ تھا۔ دیندار، عقیل، فاضل، صاحب الرائے والسیاست، اس نے معاملات امامت کو درست کیا اور رسومِ خلافت کو قائم کیا۔ بغداد اور عراق پر اس کا کامل تسلط تھا۔ احکام فرامین اپنے دستخط سے صادر کرتا تھا۔ ایک فوج مستقل مرتب کی۔ آخر دم تک اس کی فوجوں کو کبھی ناکامی کا منہ نہیں دیکھنا پڑا۔"[3]

---

[1] تاریخ الخلفاء صـ ۲۳۳ [2] ابن اثیر جلد ۱۱ صـ ۹۶ [3] تاریخ الخلفاء صـ ۲۳۳۔

سیاسی حالت

مقتفی جامع کمالات خلیفہ تھا۔ اس میں تدبیر وسیاست، شجاعت شہامت، جرأت وحوصلہ مندی بہت تھی۔ اُس نے سلاجقہ کی خانہ جنگی سے فائدہ اٹھا کر خلافتِ بغداد کو اُن کے اثر سے پاک وصاف کیا۔ اور سلطان مسعود کو اس کی حد سے آگے نہ بڑھنے دیا۔ اُس کے کسی حکم کو بغداد میں چلنے نہ دیتا تھا۔ بہ نفس نفیس مخالفین کی سرکوبی کے لئے تیار ہو جاتا اور اس کو مغلوب کر لیتا۔[1] اپنے کھوئے ہوئے علاقے بقوت واپس لے لئے۔ عراق قبضہ میں آیا۔ خبر رسانی کا سلسلہ نئے سرے سے قائم کیا۔ بے دریغ روپیہ صرف کرتا۔ ملک کے ہر گوشہ سے منصور کی طرح اُس کے مخبر خبریں بھیجا کرتے۔[2]

مؤرخین نے خلیفہ مقتفی کے اتقاء، جرأت وعظمت اور خلافت کے احیاء کے لئے جو کچھ لکھا ہے الفخری میں اس کی تفصیل ہے جس کا خلاصہ یہ ہے :-

مقتفی نہایت بلند پایہ خلیفہ تھا۔ اُس نے عباسیہ کے دورِ عروج کی تجدید میں سعی وعمل کا کوئی دقیقہ اُٹھا نہیں رکھا۔ سلطان مسعود نے اُسے تختِ خلافت پر تمکن کرنے کے بعد خلافت کا تمام سیم وزر اور مال واسباب سمیٹنے اور عراق کے تمام نظم ونسق کے تمام اختیارات اپنے نائبین کے تصرف میں دینے کے بعد خلیفہ مقتفی کی خدمت میں اپنا قاصد بھیج کر دریافت کیا کہ آپ اور آپ کے متعلقین کے مصارف کے لئے کتنی رقم درکار ہوگی تاکہ میں جاگیر مقرر کر دوں تو مقتفی نے جواب میں لکھا۔

میرے اور میرے متعلقین کے روزانہ پینے کے لئے اَسّی خچر دجلہ سے پانی لاد کر لاتے ہیں۔ اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ مصارف کے لئے کیا درکار ہوگا ؟

مسعود نے یہ جواب سن کر کہا :-

---

[1] تاریخ الخلفاء صفحہ ۴۴۹ [2] ابن اثیر جلد ۱۱ صفحہ ۹۶ ۔

"خدا خیر کرے بڑے بے ڈھب آدمی کا میں نے انتخاب کیا ہے"[1]

علمی ترقی مقتفی نے اپنے قلمرو میں دینی تعلیم کی اشاعت کا خاص اہتمام کیا۔ خود سخی، کریم، حدیث شریف کا عاشق اور خود عالم اور علماء کا قدردان تھا۔ اُس کے عہد میں بہت کچھ شورشیں اُٹھیں مگر دب گئیں۔ بغداد اُن کے عہد میں علوم وفنون کا مرکز بن گیا تھا۔ بڑے بڑے اکابر علماء بغداد میں اپنی درس گاہیں قائم کئے ہوئے تھے۔ اس کے زمانہ میں ابن الابرش نحوی، یونس بن مغیث، جمال الاسلام بن مسلم الشافعی ابوالقاسم الاصفہانی، صاحب الترغیب، ابن برجان مازری المالکی صاحب المعلم، اشاطی صاحب الانساب، جوالیقی امام حنفیہ ابن عطیہ صاحب تفسیر، ابوالسعادات بن شجری، امام ابوبکر بن عربی، ناصح الدین الارجانی شاعر، قاضی عیاض، حافظ ابوالولید بن الدباغ، ابوالاسعد ہبۃ الرحمان القشیری، ابن علام الفرس المقری، رفاء شاعر، قیسرانی شاعر، محمد بن یحییٰ شاگرد امام غزالی، ابوالفضل بن ناصر، ابوالکرم الشہرزوری المقری، ابوداؤد شاعر[2] یہ عالم اسلامی کے مشہور علماء سے تھے۔

محدث حسن بن علی بن عبدالعزیز مرغینانی فقیہ محدث شاگرد برہان الدین کبیر۔ سنہ ۵۴۲ھ میں انتقال کیا۔

محمد بن عثمان بن محمد علیاباوی سمرقندی لقب حسام الدین تھا۔ عالم فاضل شاگرد محمد محمود اشروشنی واستاد شیخ عبدالرحیم بن عماد الدین صاحب فصول عمادیہ ہیں۔ آپ نے فتویٰ کامل اور تفسیر مطلع المعانی وغیرہ تصنیف کی ہیں۔

ابوالفتح محمد بن احمد بن محمد بن معاویہ الازجاحی خطیب امام جامع ازجاہ کان فقیہا صالحا عفیفا مکثرا۔

حدیث اور فقہ مرو میں ابن الفتح الموفق بن عبدالکریم لہروی اور اباالفرج عبدالرحمٰن بن احمد الرازی السرخسی سے حاصل کی سنہ ۵۴۳ھ میں وفات پائی[3]۔

---

[1] الفخری صد ۲۷۲ [2] تاریخ الخلفاء صد ۳۳۴ [3] معجم البلدان جلد ۱ صد ۲۱۵

دولتِ ارتقیہ ملک شاہ کا غلام ارتق ترکمانی تھا۔ یہ تہور اور شجاعت میں نامور تھا۔ ترقی کرتے کرتے فوج کا سپہ سالار ہو گیا۔ اس کا لڑکا معین الدین سقمان شجاعت اور مردانگی میں اپنے باپ سے بھی فائق تھا اس نے سلطان برکیاروق کے عہد ۴۹۵ھ میں قلعہ کیفا پر ایک جماعت کو ہمراہ لیکر حملہ بول دیا۔ یہاں کا حاکم موسیٰ ترکمانی تھا، اُس نے جان توڑ کر مقابلہ کیا مگر سقمان کی قوت کے آگے اُسکی ایک نہ چلی، جان بچا کر بھاگا۔ سقمان نے قلعہ کیفا پر قبضہ کیا اور حکمرانی شروع کر دی۔ کچھ عرصہ بعد علاقہ اردین پر بھی ہاتھ صاف کیا جس سے اسکے حدودِ حکمرانی وسیع ہو گئے۔ ۵۰۲ھ میں اس حکومت کے دو حصے ہو گئے۔ ایک کا مرکز قلعہ کیفا تھا دوسرے کا ماردین' امرائے حصن کیفا' معین الدولہ سقمانی (۹۵ ہ تا ۹۹) ابراہیم بن سقمان، رکن الدین داؤد بن سقمان، قمر الدین قرہ ارسلان بن داؤد نور الدین محمد بن ارسلان، قطب الدین سقمان بن محمد، ناصر الدین محمود بن محمد، رکن الدین مودود بن محمد، ۶۲۰ھ میں ایوبیوں نے اس سے حکومت چھین لی۔

ماردین کے امراء :۔ نجم الدین غازی بن ارتق (۵۰۲ھ) حسام الدین تیمور تاش بن غازی، نجم الدین ایبی بن تیمور تاش، قطب الدین غازی بن حسام الدین بوبق ارسلان غازی، ناصر الدین ارتق بن ارسلان غازی، نجم الدین غازی بن ارتق ارسلان قرہ ارسلان بن غازی، شمس الدین بن داؤد بن قرہ، نجم الدین بن قرہ، شمس الدین صالح بن نجم الدین غازی، منصور احمد بن صالح، صالح محمود بن احمد، مظفر داؤد بن صالح، طاہر مجد الدین عیسیٰ بن داؤد، صالح بن داؤد سے ۸۱۱ھ میں ان سے آل عثمان نے حکومت اپنے ہاتھ میں لے لی۔

اتابکیہ دمشق تتش الپ ارسلان سلجوقی کا غلام ظہیر الدین طغتگین تھا۔ شام کے قبضہ پر یہ شریک جنگ رہا اور بڑے کارہائے نمایاں دکھائے۔ اس پر سیف الاسلام کا خطاب تتش نے اس کو دیا اور اپنے بیٹے دقاق سلجوقی کا اتالیق مقرر کیا۔ دقاق باپ کا جانشین ہوا تو سیف الدین نے اُس کی بے حد خدمت کی۔ جب وہ مرا تو اُس کے چھوٹے لڑکے کو تخت نشین کیا۔ مگر تتش کا بڑا لڑکا بکتاش مقابلہ کے لئے آیا اور اُس کے ساتھ اُس نے بیت المقدس کے

نصرانیوں سے مدد لی مگر ناکام واپس گیا۔ دقاق کے بعد طغتگین نے اپنی حکومت قائم کرلی۔ سیف الاسلام (۵۲۲ھ) تاج الملوک بوری شمس الملوک اسمٰعیل، شہاب الدین محمود، جمال الدین، مجیر الدین ابق ۵۴۹ھ سے زنگیوں نے یہ حکمرانی چھین لی۔ صرف سیف الدولہ کے خاندان میں ۵۲ برس حکمرانی رہی۔

اتابکیہ اربل عماد الدین زنگی کے غلام زین الدین علی کوچک جو سپہ سالار تھا اُس نے سنجار، حران، قلعہ عفر حمیدیہ نیز قلعہ ہائے ہکاریہ، تکریت اور شہرزور وغیرہ سب اس کے قبضہ میں تھے مگر اس نے اپنے آقا کے بیٹے قطب الدین مودود کے سپرد کردیا۔ صرف اربل اپنے پاس رکھا۔

اس کے بعد زین العابدین ابو المظفر جانشین ہوا۔ اس کا بڑا بھائی مجاہد الدین قائماز سیف الدین والئ موصل سے امداد کا طالب ہوا۔ اُس نے حران عطا کیا۔ پھر سلطان صلاح الدین ایوبی کے پاس آیا۔ اس نے رہا جاگیر میں دیا اور اپنی بہن کی شادی اس سے کردی۔ صلیبی جنگوں میں سلطان کے ساتھ ۶۳۰ھ میں اربل میں وفات پائی۔

اتابکیہ آذربائیجان سلطان محمود سلجوقی کے وزیر اعظم کمال سمیدی کا ایک غلام ایلذکر نامی تھا جس کو سلطان مسعود نے ارمینیہ کا والی مقرر کیا تھا۔ اُس نے آذربائیجان پر قبضہ کیا اور پچاس ہزار فوج کا سردار بن کر بکران اور تفلیس تک قبضہ و تصرف کیا۔ ۵۳۱ھ سے ۶۲۲ھ تک اُس کے خاندان میں حکومت رہی۔

شمس الدین ایلذکر (۵۳۱ - ۵۷۱ھ) محمد پہلوان جہاں ابن شمس الدین (۵۸۱ھ) قزل ارسلان عثمان بن شمس الدین (۵۸۷ھ) ابو بکر بن محمد (۶۰۷ھ) مظفر الدین ازبک بن محمد (۶۲۲ھ)۔

آخر میں یہ دولت شاہان خوارزم کے مقبوضات میں شامل ہوگئی۔



اتابکیہ فارس سلغرہ مشہور سپہ سالار افواج سلاطین سلاجقہ کے پوتے سنقر نے یہ حکومت قائم کی ۵۴۳ھ سے ۶۸۶ھ تک اس خاندان میں حکومت رہی۔ تاتاریوں کے ہاتھ یہ حکومت ختم ہوئی۔ نو بادشاہ ہوئے جس میں مشہور زنگی بن سنقر، سعد بن زنگی، ابوبکر بن سعد جن کے عہد میں شیخ مصلح الدین سعدی شیرازی تھے۔ محمد بن شاہ بن محمد۔ سلجوق شاہ بن سلغر۔ آخری بادشاہ ابیش بن سعد تھا۔

اتابکیہ لورستان: ۔ (ہزار اسپیہ) اتابکیہ فارس کی شاخ ہے۔ سنقر کے فوجی افسر ابوطاہر نے یہ حکومت قائم کی۔ یہ ۵۴۳ھ سے ۸۲۷ھ تک رہی۔ پہلا بادشاہ ابوطاہر بن محمد تھا۔ آخری بادشاہ غیاث الدین تھا۔

شاہان ارمن امیر سقمان قطبی نے جو قطب الدین اسماعیل سلجوقی کا غلام تھا۔ شہر غلاط میں حکمرانی قائم کی (۴۹۳ھ سے ۶۰۴ھ) تک امیر سقمان کی اولاد میں حکمرانی رہی۔ آخری حکمران عزالدین بلبان تھا۔ اس حکومت کے وارث سلاطین ایوبی ہوئے۔

دولتِ غوریہ ہرات اور غزنی کے درمیان کا علاقہ غوریہ کہلاتا ہے ۵۴۳ھ میں آل سام یہاں آئے۔ اُن کے سردار قطب الدین محمد بن حسین غور نے اس علاقہ پر مالکانہ قبضہ کیا۔ قطب الدین نے اس طرف اپنا اقتدار جماکہ بہرام شاہ مسعود بن ابراہیم والیٔ غزنی سے رشتہ قائم کیا۔ مگر بہرام شاہ اس کی عظمت سے گھبرا گیا اور اس کو قتل کرا دیا۔

آل سام نے اُس کے بھائی سیف الدین کو اپنا سردار منتخب کر لیا اور قصاص میں بہرام شاہ پر چڑھائی کر دی۔ تاب مقابلہ نہ لاکر بہرام ہندوستان چلتا ہوا۔ سیف الدین نے میدان خالی پاکر غزنی پر قبضہ و تصرف کیا۔ بہرام ہندوستان سے ایک لشکر کثیر کے ساتھ غزنی لوٹا اور سیف الدین کو معرکہ میں گرفتار کر کے سُولی دے دی اور پھر غزنی پر حکمرانی کرنے لگا۔

قبیلۂ غور نے علاء الدین حسین کو اپنا سردار بنایا اور اس کا لقب جہاں سوز رکھا۔

۵۵۰ھ میں اس نے غزنین پر چڑھائی کر دی اور بہرام شاہ کو بے دخل کر کے اپنے بھائی سیف الدین محمد کو غزنین کا والی مقرر کیا۔ علاء الدین کا ۵۵۶ھ میں انتقال ہوا تو اس کا بھائی غیاث الدین محمد بن بہاء الدین، سام بن حسن غزنی کے تخت پر بیٹھا۔ غیاث الدین کا بھائی شہاب الدین غوری تھا۔ اس نے غزنین سے لے کر ہندوستان تک آلِ سبکتگین کے تمام مقبوضات پر تسلط کر لیا۔ شہاب الدین کے ہاتھوں ۲۱۴ سال کے بعد ۵۸۲ھ میں غزنوی حکومت کا خاتمہ ہوا۔

شہاب الدین نے مہاراجہ پرتھی راج کو شکست دے کر دہلی کو فتح کیا اور ۵۸۷ھ میں تخت پر جلوہ فرما ہوا۔ اس کے بعد اپنے غلام قطب الدین ایبک کو اپنا جانشین کر کے غور واپس ہوا۔ راہ میں انتقال کر گیا۔

قطب الدین ایبک کے خاندان میں دہلی کی سلطنت ۶۰۲ھ سے ۶۸۹ھ تک رہی شمس الدین التمش، ناصر الدین محمود جلیل القدر شاہانِ دہلی تھے۔ معز الدین کیقباد پر اس حکومت کا خاتمہ ہو گیا۔



خلیفہ مستنجد باللہ

نام ونسب ابوالمظفر مستنجد باللہ بن مقتفی طاؤس نامی ام ولد کے بطن سے ۵۱۰ھ میں پیدا ہوا۔

تعلیم وتربیت شاہانہ طور طریق سے تعلیم وتربیت ہوئی۔ علمی فضیلت حاصل کی۔ ادب میں ید طولیٰ تھا۔ علم ہیئت سے دلی لگاؤ تھا۔

خلافت مقتفی لامر اللہ کی وفات کے دن ۲ ربیع الاول ۵۵۵ھ کو سریر آرائے خلافت ہوا۔

مستنجد نے بیعتِ خلافت لینے کے لئے دربار عام منعقد کیا اور اولاً خاندان کے ممبران نے بیعت کی سب سے پہلے اس کے چچا ابو طالب نے بیعت کی۔ بعد ازاں وزیر سلطنت عون الدین بن ہبیرہ اور قاضی القضاۃ نے بیعت کی۔ بعدہ ارکینِ دولت اور علماء بیعت کرنے کی غرض سے پیش کئے گئے۔ جامع مسجد میں اُس کے نام کا خطبہ پڑھا گیا۔

وزارت عون الدین ابن ہبیرہ کو بدستور عہدۂ وزارت پر سرفراز رکھا۔ گورنران صوبہ جات اپنے اپنے صوبہ پر بحال رکھے گئے۔

معافیٔ ٹیکس تخت نشینی کے خوشی میں ٹیکس اور محصول معاف کیا گیا۔ رئیس الرؤسا اور استاذ دار کو خلعتیں عنایت ہوئیں [1]

قاضی القضاۃ ابوالحسن علی بن احمد دامغانی قاضی القضاۃ کو معزول کر کے ابو جعفر عبداللہ ثقفی کو عہدۂ قضا پر مامور کیا۔

---

[1] ابن خلدون جلد ۹ صفحہ ۱۵۵۔

زمامِ حکومت علامہ ابن خلدون لکھتے ہیں :-

"خلیفہ مستنجد خلفائے بنی عباس کا پہلا خلیفہ ہے جس نے استقلال اور استحکام کے ساتھ زمامِ حکومت اپنے قبضۂ اقتدار میں لی۔ شیرازۂ حکومت وخلافت ما بین موصل، واسط، بصرہ، حلوان میں منتشر ہو گیا تھا اور حکمرانی کے مشین کے پُرزے ڈھیلے ہو گئے تھے[1] ان پر اپنی حسنِ تدبیر سے غلبہ حاصل کیا اور آزادانہ خلافت کے فرائض انجام دینے لگا۔"

وقائع ۵۵۲ھ میں سلطان سنجر بن ملک شاہ بن الپ ارسلان نے ۷۳ سال کی عمر میں وفات پائی۔ ۵۵۶ھ میں ترکمانوں نے سر اُٹھایا۔ خلافت مآب نے امیر ترشک کو بلاد نجف سے طلب کیا۔ اس نے عدمِ حاضری کی معافی چاہی۔ خلیفہ نے فوج بھیج کر اُس کا سر اُتروا لیا۔

۵۵۷ھ میں خلافت مآب نے قلعہ مالی کو سنقر ہمدانی کے مملوک کے قبضہ سے نکال لیا۔

عربوں کی سرکشی ۵۵۶ھ میں خفاجہ، حلہ، اور کوفہ میں عرب بغاوت کر بیٹھے۔ وزیرِ سلطنت نے خود جا کر ان کی سرکوبی کر دی۔ پھر انہوں نے معذرت نامہ لکھ کر دربارِ خلافت میں روانہ کیا۔ خلافت مآب نے منظور فرمایا۔ اور اُن کے قصور معاف کئے۔

بنی اسد ساکنان حلہ اکثر شورش کیا کرتے اور انہوں نے سلطان محمد کا ساتھ بھی دیا تھا۔ چنانچہ خلیفہ نے ۵۵۸ھ میں امیر یزداں بن قماج کو اُن کی جلاوطنی اور سرکوبی کے لئے بھیجا اُس نے جا کر اُن کو عراق سے مار کوٹ کر بھگا دیا اور حلہ اور کل بلاد اسد بن معروف کو دے دیئے گئے[2]

---

[1] ابن خلدون جلد ۹ صفحہ ۱۵۴ [2] ایضاً صـ ۱۵۷

واسط میں بغاوت بصرہ امیر منکبرس کی جاگیر میں تھا جو خلیفہ کا آزاد کردہ غلام تھا۔ ۵۵۹ھ میں وہ قتل ہُوا یکشتبکین مامور کیا گیا۔ ابن سنکا برادر زادہ شملہ والیٔ خراسان نے بصرہ پر چڑھائی کی اور کامیاب ہو گیا۔ پھر اُس نے واسط کی طرف رخ کیا۔ مگر خطلوبرس سے مقابلہ ہوا اور خطلو گرفتار ہو گیا جو ۵۶۱ھ میں قتل کر دیا گیا۔ اس واقعہ سے ابن سنکا کی ہمت پست ہو گئی، اپنے مستقر کو لوٹ گیا۔

۵۶۲ھ میں شملہ والیٔ خوزستان نے بقصد عراق کوچ کیا۔ سفر و قیام کرتا ہُوا قلعہ ماہکی تک پہنچا۔ خلافت مآب سے صوبہ جات اسلامیہ کی گورنری کی درخواست کی جو نامنظور کی گئی تو اپنے ملک لوٹ آیا۔[۱] خلیفہ کی ہیبت طاری تھی آگے قدم بڑھانے کی ہمت نہ کر سکا۔

وزارت پر نیا تقرر جمادی الاوّل ۵۶۰ھ میں ابن ہبیرہ نے انتقال کیا۔ اس کا نائب وزیر کام کرتا رہا۔ ۵۶۳ھ میں شرف الدین ابو جعفر احمد بن محمد سعید معروف بہ ابن بلدی ناظر واسط کو قلمدانِ وزارت سپرد فرمایا۔ اور حکم دیا کہ عضد الدین ابو الفرج بن دبیس رئیس الرؤسا امورِ سلطنت میں حد سے دخیل اور پیش پیش ہے۔ اُن کی اور اُن کے آوردوں کی دیکھ بھال رکھی جائے اور اگر اپنی حرکت سے باز نہ آوے تو کل اختیارات سلب کئے جائیں۔ وزیر نے حکم پر عمل کیا جس سے تمام عمال کے کان کھڑے ہو گئے۔ دیانت سے کام انجام دینے لگے۔ بدنظمی اور خود سری جاتی رہی۔

واقعات سلطان نور الدین سلطان نور الدین کو مقتفی کے زمانہ سے مصر لینے کی تمنا تھی۔ چنانچہ ۵۶۲ھ میں شاور[۲] وزیر عاضد

---

[۱] ابن خلدون جلد ۹ صفحہ ۱۵۹۔ [۲] شاور وزیر عاضد معزول کر دیا گیا تھا۔ مصر سے نور الدین کے پاس آیا اور کہا پھر مجھ کو وزارت دلوا دو تو میں تیسرا حصہ مصر کا دینے کو تیار ہوں۔

کی استدعا پر امیر اسدالدین شیرکوہ کو دو ہزار سوار ہمراہ کر کے مصر کی طرف روانہ کیا۔ شیرکوہ جزیرہ میں اُترا۔ پھر مصر کا دو ماہ محاصرہ رکھا۔ والیٔ مصر بنو فاطمی نے فرنگیوں سے امداد طلب کی۔ وہ خود ہی مصر لینے کے درپے تھے۔ چنانچہ عاضد الدین اللہ کی معاونت کے لئے دمیاط سے فرنگی آئے۔ مگر امیر اسدالدین نے صعید کا رُخ کیا اور وہاں مصریوں سے مقابلہ کیا۔ دشمن پر فتح پائی۔ ہزاروں فرنگی مارے گئے۔ امیر اسدالدین نے صعید پر قبضہ کر کے اہلِ شہر کا خراج معاف کر دیا۔

فرنگیوں نے اسکندریہ کا قصد کیا۔ اس پر امیر اسدالدین کا برادر زادہ امیر صلاح الدین یوسف بن ایوب قابض ہو چکا تھا۔ فرنگیوں نے چار ماہ برابر اسکندریہ کو محصور رکھا۔ آخر امیر اسدالدین اس طرف بڑھا۔ فرنگیوں سے مقابلہ ہُوا وہ شکست کھا کر راہِ فرار پر مجبور ہوئے۔ یہاں سے فراغت پا کر امیر اسدالدین شام لوٹ آیا۔

۵۶۴ھ میں فرنگیوں نے ایک فوج گراں لے کر جس میں ہزارہا ممالک مغرب کے صلیبی جنگ جُو تھے۔ دیارِ مصر پر حملہ کیا اور رابلیس پر قابض ہو گئے۔ اس کے بعد قاہرہ کو محصور کر لیا۔

شاور وزیر مصر نے صلیبیوں کے خوف سے خود قسطاس میں آگ لگا دی اور مجبوری درجہ عاضد فاطمی نے سلطان نورالدین سے استدعا کی کہ وہ معاونت کرے۔ اسدالدین اپنی فوجیں لے کر پہنچ گیا۔ فرنگیوں کو اس کی آمد کی خبر لگی تو بھاگ گئے۔ وزیر شاور نے جو وعدے اسدالدین سے کئے تھے اُس سے منحرف ہو گیا تو عاضد نے اُس کو قتل کرا دیا۔ عاضد لدین اللہ نے اسدالدین کو وزارت پر سرفراز کیا اور خلعت عطا کیا۔

اسدالدین شیرکوہ مرتے وقت ۵۶۵ھ تک وزیر مصر رہا۔ اس کے بعد عاضد لدین اللہ نے اس کے برادر زادہ صلاح الدین یوسف کو وزارت کے عہدہ پر سرفراز کیا اور ملک ناصر کا خطاب عطا کیا۔ صلاح الدین اس کے آخر وقت تک وزارت کے عہدے پر قائم رہا۔ صلاح الدین کے حسنِ اخلاق اور خوبیٔ انتظام نے مصریوں

کو بالکل گرویدہ بنا لیا تھا[1]

وفاتِ مستنجد رئیس الرؤسا کا ہمنوا قطب الدین قائماز مظفری تھا۔ عضد الدین کو خلیفہ سے کچھ مخاصمت سی ہو گئی۔ اتفاقاً ۵۶۶ھ میں خلافتِ مآب بیمار پڑے۔ رفتہ رفتہ مرض میں اشتداد پیدا ہوا۔ عضد الدین اور قطب الدین خلافتِ مآب کی بیدار مغزی سے تنگ آ گئے تھے۔ شاہی طبیب سے ساز باز کر لی۔ اُس نے ان لوگوں کی سازش سے خلافت مآب کی موت کی یہ تدبیر نکالی کہ خلافت مآب کو حمام میں داخل کر کے دروازہ بند کر دیا۔ خلیفہ کا دم گھٹ گیا۔ تھوڑی دیر میں جان بحق ہو گئے۔ یہ واقعہ ۹ ربیع الآخر ۵۶۶ھ کا ہے[2]۔

جس وقت خلیفہ کی موت کی ہولناک خبر مشہور ہوئی وزیر السلطنت امراء لشکر کل فوجیں مسلح کر کے محل سرائے خلافت کے دروازے پر جمع ہو گئیں۔ عضد الدین نے یہ رنگ دیکھ کر بلند آواز سے کہا امیر المؤمنین کو غش آ گیا تھا اب افاقہ ہے اور خلیفہ کے بیٹے ابو محمد حسن کو بلا کر بیعتِ خلافت کر لی[3] مستنجد نے دس سال خلافت کی ۵۶ برس کی عمر پائی۔

اوصاف مستنجد، مقتفی سے بھی زیادہ عادل اور فیاض تھا اور مفسدوں اور فتنہ پردازوں کے لئے نہایت سخت۔

ایک بار کسی باغی کو گرفتار کیا۔ ایک امیر نے اس کی سفارش کی اور دس درہم اس کی طرف سے بطور جرمانہ پیش کئے۔

مستنجد نے کہا۔

"میں تم کو دس ہزار درہم دیتا ہوں کہ اس قسم کا کوئی دوسرا مفسد پکڑ لاؤ تاکہ میں اُس کو قید کروں اور لوگ اس کے شر سے محفوظ ہو جائیں۔"

---

[1] تاریخ الخلفاء صفحہ ۴۳۵ [2] ابن اثیر جلد ۱۱ صفحہ ۱۳۵

[3] ابن خلدون جلد ۹ صفحہ ۱۶۱۔

ابن جوزی کا بیان ہے :-

"مستنجد رائے صائب رکھتا تھا۔ ذکا غالب اور فضیلت ماہرہ رکھتا تھا نظم بدیع اور نثر بلیغ لکھتا تھا۔ علم ہیئت میں دستگاہ کامل تھی۔ اسطرلاب کا استعمال بہت صحیح کرتا تھا۔" [1]

علمی ترقی مستنجد نے اکابر علماء کو اپنے دربار میں جگہ دی۔ نظام الملک کے مدرسہ کو ترقی دی۔ اس مدرسہ کے صدر المدرس حضرت عبدالقاہر سہروردی تھے۔ مستنجد نے دس سال حکمرانی کی۔ اس کے عہد میں اکابر صوفیہ کا بغداد میں قیام تھا۔ ان کے علمی فیض سے ان دنوں بغداد فضل و کمال کا مرکز بن گیا تھا۔ خانقاہیں تشنگانِ علم سے بھری ہوئی تھیں۔ اس کے زمانے میں اشاعتِ اسلام خوب ہوئی۔

ہمعصر علماء دیلمی صاحبِ مسند الفردوس۔ عمرانی صاحب البیان ابن بزری شافعی۔ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی۔ امام ابوسعید سمعانی۔ ابوالنجیب عبدالقاہر سہروردی۔ ابوالحسن بن ہزیل المقری۔ [2] ان جلیل القدر علماء و صوفیاء نے مستنجد کے عہد میں وصال فرمایا۔



---

[1] تاریخ الخلفاء صفحہ ۴۴۳ [2] ایضاً

خلیفہ مستضئ بامر اللہ

نام و لقب ابو محمد حسن بن مستنجد باللہ ارمن کنیز مسماۃ غضّہ کے بطن سے ۵۳۶ھ میں پیدا ہوا[1]

خلافت مستنجد کے انتقال کے بعد جیسا کہ اوپر ذکر کیا ہے کہ امیر عضد الدین و قطب الدین نے اپنی وزارت اور اپنے بیٹے کے لئے استاد دار اور قطب الدین کے لئے سپہ سالاری کا عہدہ طے کر کے ابو محمد حسن کو تختِ خلافت پر بٹھایا۔ المستضئ بامر اللہ کے لقب سے ملقب کیا۔ بعد ازاں خاندانِ خلافت سے بیعتِ خاصہ لی گئی۔ اگلے دن دربارِ عام میں بیعت عامہ ہوئی۔

وزارت قلمدانِ وزارت عضد الدین کے سپرد ہوا۔ اس کا بیٹا کمال الدین اُستاد دار مقرر ہوا۔

امیر العسکر اور عساکرِ اسلامیہ کی سرداری قطب الدین قائماز کو دی گئی۔

وزیر خزانہ ابوبکر بن نصر بن عطار کو وزیر خزانہ مقرر کیا اور اُس کو خطاب ظہیر الدین عطا فرمایا۔[2]

عتاب شاہی وزیر سلطنت قدیم ابو جعفر جو خود سر تھا[3] اُس کو بلا کر قتل کرا دیا اور قاضی ابن مزاحم کو گرفتار کر کے جیل خانہ بھیج دیا۔ یہ بڑا ظالم، خود سر اور غاصب تھا۔ اس واقعہ سے تمام عمال کی آنکھیں کھل گئیں اور تمام عراق پر کامل سکون ہو گیا۔ تھوڑے عرصہ میں تمام قلمرو میں خوشحالی کے اثرات پھیلنے

---

[1] تاریخ الخلفاء صفحہ ۴۳۵ [2] ابن خلدون جلد ۹ صد ۱۲۳ [3] ایضاً صد ۲۶۱۔

لگے۔ باشندے امن وامان سے زندگی کے دن گزارنے لگے۔ اہلِ بغداد کو زمانہ دراز کے بعد امن وچین نصیب ہوا۔

ابن جوزی کا بیان ہے :-

"مستضی نے تختِ خلافت پر بیٹھتے ہی منادی کرادی کہ آج سے تمام ٹیکس معاف کئے گئے۔ پھر دہ مظالم کی طرف توجہ کی اور رہ ایسا عدل وکرم پھیلایا جس کی مثال کم ملتی ہے۔ ہاشمیوں اور علویوں کو دولت سے مالامال کر دیا۔ علمائے مدارس کو پیش قرار وظائف عطا کئے۔ سرائیں بنوائیں"۔ [1]

سخاوت مستضی کی طبیعت میں فطری طور سے سخاوت تھی۔ وہ ہمیشہ ہر شخص پر احسان کرتا۔ حتیٰ کہ اربابِ دولت واراکینِ سلطنت کو بھی انعام عطا کئے۔ چنانچہ مخزن وزری کا بیان ہے کہ ایک ہزار تین سو قباء ابریشمی لوگوں کو عطا کیں۔

جب اُس کے نام کا خطبہ بغداد کے ممبروں پر پڑھا گیا تو حسبِ رسمِ قدیم دینار تصدق کئے گئے۔

قاضی ادوم بن عدیثی کو قاضی کے عہدہ پر سرفراز کیا۔ سترہ غلام قاضی صاحب کو عطا کئے کہ محکمۂ قضا تک آنے کے لئے جلو میں رہیں اور اردلی کا کام دیں۔

ابن جوزی نے لکھا ہے :-

"مستضی نے یہ انتظام کیا تھا کہ وہ حجاب میں رہے۔ اس کے پاس سوائے خدم کے کوئی جا نہیں سکتا تھا جب کہیں تشریف لے جاتا تو خدم و حشم ساتھ ہوتا۔ لوگ اس کی زیارت کے مشتاق رہا کرتے۔

---

[1] تاریخ الخلفاء صفحہ ۳۰۸۔

وقائعِ مصر مصر میں امیر صلاح الدین یوسف نے جامع مسجد مصر عباد و زہاد کے واسطے کھول دی ۔ ورنہ عہد بنو فاطمی میں بند پڑی تھی ۔ سب سے پہلے یہ کام کیا کہ مستضئی بامر اللہ کے نام کا خطبہ مصر کی جامع مسجد میں پڑھوایا اور سلطان نور الدین کو اس کی اطلاع کی ۔ سلطان نے شہاب الدین المنظفر بن العلّامہ شرف الدین کو یہ خوشخبری لے کر خلیفہ کے پاس بھیجا اور عماد کاتب کو حکم دیا کہ ایک تہنیت نامہ لکھو کہ تمام ممالکِ اسلامیہ میں پڑھا جائے ۔ کاتب کا بیان ہے کہ میں نے اس تہنیت نامہ کو اس طرح شروع کیا :-

"خدا واحد حق کے بلند کرنے والے اور باطل کو نابود کرنے والے کا احسان ہے ۔ ۔ ۔ اور آگے بڑھ کر لکھا کہ ان شہروں میں کوئی منبر ایسا نہیں رہا جس پر مولانا امام مستضئی بامر اللہ امیر المؤمنین کا خطبہ نہ پڑھا یا گیا ہو "۔

جب یہ تہنیت نامہ خلافت مآب کے حضور میں پیش کیا گیا تو خلیفہ معظم نے سلطان نور الدین کو خلعت و تشریفات ، امیر صلاح الدین یوسف کو علم عباسیہ اور حکومت کا فرمان اور خطیبوں کو انعام اور عماد کاتب کو ایک سو دینار اور خلعت عطا فرمایا ۔[1]

چراغاں بغداد میں اس خبر سے خوشی کی عام لہر دوڑ گئی ۔ بازار سجائے گئے اور چراغاں کیا گیا ۔[2]

سندِ حکومت نور الدین محمود نے دربارِ خلافت میں قاضی کمال الدین ابوالفضل محمد بن عبداللہ شہروری کو بھیجا اور خلیفہ سے یہ استدعا کی کہ مصر ، شام ، جزیرہ موصل جو اس کے قبضہ و تصرف میں تھے اور دیار بکر غلاظ ، بلادِ روم قلیج ، ارسلان جو اس کے مطیع تھے اُن کی سند حکومت عطا ہو اور داب ہارون اور بلاد سوادِ عراق کو بطور جاگیر طلب کیا جیسا کہ اُس کے باپ کو شاہی عطیہ تھا ۔ خلافت مآب نے سلطان نور الدین کے سفیر کو ہم کلامی سے عزت بخشی اور بطیب خاطر

---

[1] تاریخ الخلفاء صفحہ ۳۲۶   [2] ابن خلدون جلد ۹ صفحہ ۱۶۴ ، ۱۶۵ ۔

نورالدین کی درخواستیں منظوری سے شرف اندوز ہوئیں [۱]

دولت فاطمیہ کا خاتمہ اور دولتِ ایوبیہ کا ظہور

مستضئی کے عہد میں بڑا حادثہ دولت فاطمیہ کا خاتمہ ہے۔ آخری فاطمی خلیفہ عاضد باللہ کے سارے نظم و نسق کی باگ امیر صلاح الدین کے ہاتھ میں آچکی تھی۔ عاضد بالکل بے دست وپا ہو گیا تھا۔ اُس نے ۵۶۷ھ میں انتقال کیا۔ ۲۷۲ سال کی باعظمت سلطنت کا اس کے دم کے ساتھ خاتمہ ہو گیا اور دولتِ ایوبیہ کی بنا قائم ہوئی۔ مصر کے جملہ انتظام کے بعد اس کو خدشہ یہ دامن گیر ہوا کہ سلطان نورالدین مصر سے شاید مجھے ہٹا دے۔ چنانچہ یمن پر اس کی نگاہ گئی۔ اپنے بھائی توران شاہ کو فوج کے ساتھ حبش کی طرف روانہ کیا لیکن یہ سرزمین پسند نہ آئی۔ اس لئے یمن کی طرف رُخ کیا اور اس کو بقوت زیرنگین کر لیا۔ وہاں مادی اقتدار تو صلاح الدین کا قائم ہو گیا۔ لیکن مستضئی اور نورالدین کی حکمرانی کے اثرات غالب تھے۔

وقائع

۵۶۹ھ میں نورالدین محمود زنگی بعمرہ ۵۸ سال فوت ہوا۔ اس کا بیٹا اسمٰعیل ملک الصالح گیارہ سال کی عمر میں تخت نشین ہوا۔ شام کے لوگوں نے اور صلاح الدین نے تخت نشینی کو قبول کیا۔ مگر سیف الدین زنگی نے بھائی کے مرنے کی خبر سُنی۔ نصیبین، خابور، حران، رہا پر قبضہ کر لیا۔ ملک صالح معہ فوج کے حلب روانہ ہوا کہ چچا کو آگے نہ بڑھنے دے۔ اسی اثناء میں صلاح الدین نے شام پر حملہ کر دیا اور اُس کو ۵۷۰ھ میں زیرنگین کر لیا۔ اس کے بعد حمص، حما، بعلبک کو فتح کیا اور حلب ملک صالح کو دے دیا۔

اوصاف

مستضئی نیک سیرت، عادل، حلیم اور سخی تھا۔ اس نے نو سال چھ ماہ فرائض خلافت انجام دیئے۔ اس میں کسی فرد کو شکایت کا موقعہ نہ دیا وہ صالح اور کامیاب خلیفہ تھا۔ وسط ایشیا سے لے کر مصر و مغرب تک میں اس کے

---

[۱] ابن خلدون جلد ۹ صفحہ ۱۶۴-۱۶۵

نام کا خطبہ پڑھا گیا۔ رعایا کا خیر خواہ تھا۔ اس کے عہد میں امیر و غریب سب خوش تھے۔ اس کے حسنِ سلوک سے اکثر بادشاہ مطیع ہو گئے [1]

مستضئ کی وفات

مستضئ نے ۲ر ذی قعدہ ۵۷۵ھ کو نو سال چھ ماہ فرائض خلافت انجام دے کر وفات پائی۔

ہمعصر علماء

ابن الخشاب نحوی۔ ملک النحات ابو نزار الحسن بن صافی حافظ ابو العلا الہمدانی۔ ناصح الدین ابن الدیان نحوی۔ حافظ الکبیر ابو القاسم بن عساکر۔ حیص بیص شاعر۔ حافظ ابو بکر بن خیر [2]

محدثین و فقہاء

عثمان بن علی بن محمد سکیندی بخاری۔ ابو عمرو فقیہ، محدث، عابد، زاہد، شاگرد امام ابو بکر۔ محمد بن ابی سہل سرخسی و استاد صاحب ہدایہ ۵۵۲ھ میں انتقال ہوا۔ محمد بن مسعود بن الحسین کاشانی، شیخ ابو الفتح فقیہ، شاگرد تھے، ایک عرصہ تک عہدۂ قضا پر ممتاز رہے۔ ۵۵۲ھ میں انتقال کیا۔

احمد بن علی بن عبد العزیز بلخی صاحب شرح جامع صغیر ۵۵۳ھ میں فوت ہوئے۔

محمد بن یوسف حسینی ابو القاسم ناصر الدین سمرقندی، امام جلیل القدر مفسر محدث فقیہ، مؤلف کتاب نافع و خلاصۃ المفتی کے تھے۔ ۵۵۶ھ میں انتقال کیا۔

محمد بن ابی بکر المعروف بہ امام زادہ جوغی مفتی بخارا شاگرد مجد الائمہ سرکتی و شمس الائمہ بکر زرنجری و رضی الدین نیشاپوری، تصوف میں مرید خواجہ یوسف ہمدانی کے تھے۔ شرعۃ الاسلام، آداب الصوفیہ یادگار ہے۔

محمد بن ابی القاسم خوارزمی ابن المشائخ بقالی فقیہ و محدث علامہ جار اللہ زمخشری کے شاگرد ۵۶۲ھ میں انتقال کیا۔

سلطان نور الدین زنگی

مجاہد اعظم سلطان نور الدین زنگی صرف حلب کا حکمران تھا۔ لیکن جنگ صلیبی میں اس کی شہامت

---

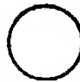
[1] ابن اثیر جلد ۱۱ ص ۱۶۳ [2] تاریخ الخلفاء صفحہ ۳۱۱۔

اور شجاعت نے فرنگیوں کو مرعوب کر دیا تھا۔ آخر میں اس کی سلطنت اس قدر وسیع ہو گئی تھی کہ شام، مصر، یمن اور حرمین شریفین میں بھی اس کے نام کا خُطبہ پڑھا جاتا تھا۔ یہ سلطان صلاح الدین کا آقا تھا۔ خلفائے اربعہ اور عمر بن عبدالعزیز کے بعد اس سے بہتر کوئی حکمران مسلمانوں میں نہیں ہوا۔ نور الدین بڑا عادل، عابد و زاہد اور متقی تھا۔ شریعت مطہرہ کے احکام کے نفاذ و قیام میں بڑا انہماک رکھتا تھا۔

ابن اثیر کا بیان ہے :-

"وہ زمرۂ سلاطین میں عدل و انصاف کے قیام، محرماتِ شرعیہ کے اجتناب اور اتباعِ سُنت کا مجدد تھا"۔ سارے ممالک محروسہ میں شراب نوشی اور شراب کی تجارت قانوناً بند کر دی تھی۔ بہت سے مذہبی اور رفاہِ عام کے کام انجام دیئے۔ دمشق میں دار الحدیث قائم کیا۔ محدثین اور حدیث کے طلباء کے لئے بڑی جائداد وقف کی۔ موصل اور حماۃ میں ایک عظیم الشان جامع مسجد تعمیر کرائی۔ مکاتب قائم کئے۔ شفاخانے بنوائے۔ وہ صاحب علم، متقی و متورع تھا۔ اُس کا سارا وقت جہاد کی تیاری میں گزرتا۔ علماء و صوفیہ کی قدر و منزلت کرتا۔ خراسان کے مشہور عالم شیخ قطب الدین نیشاپوری کو دمشق بُلایا اور اُس کے ساتھ تعظیم و توقیر سے پیش آیا۔"

سیاست ملکی میں بھی اُس کا پایہ بہت بلند تھا۔ اس نے شوال ۵۵۹ھ میں انتقال کیا۔[1]



[1] دولتِ اتابکیہ صفحہ ۱۳۶ -

خلیفہ ناصرلدین اللہ

نام ولقب ابوالعباس احمد ناصرلدین اللہ بن مستغنی باللہ۔ اس کی ماں کا نام زمرد تھا[1]

تعلیم وتربیت علمائے عصر سے علوم کی تحصیل کی۔ شاہانہ طور طریق سے تعلیم و تربیت ہوئی۔

خلافت ۲ ذی قعدہ ۵۷۵ھ مطابق ۳۰ مارچ ۱۱۸۰ء کو سربرائے تخت خلافت ہوا۔ اس کی عمر ۲۲ سال کی تھی۔

وقائع ۵۷۶ھ میں سیف الدین فرمانروائے موصل فوت ہوا اس کا برادر عم زاد عزالدین مسعود بن مودود زنگی جانشین ہوا۔

۵۷۷ھ میں ملک الصالح اسمٰعیل بن نورالدین زنگی فرماں روائے حلب ۱۹ سال کی عمر میں انتقال کر گیا۔ عزالدین جانشین ہوا۔ اس نے اپنے بھائی عمادالدین کو حلب کی حکمرانی دے دی۔

اسی سال یعنی ۵۷۷ھ میں سلطان صلاح الدین ایوبی نے بلاد جزیرہ کو مفتوح کر کے موصل پر لشکر کشی کی۔ مگر کسی مصلحت سے سنجارہ جا کر اس کو فتح کر لیا۔ ۵۷۹ھ میں حلب پہنچا۔ عمادالدین زنگی نے بغیر جنگ کے حلب سلطان صلاح الدین کے سپرد کر دیا۔ سلطان صلاح الدین نے عمادالدین کو سنجار، نصیبین، خابور، رقہ، مسروج کے علاقہ کا حکمران بنا دیا۔ اس زمانہ میں شاہ ارمن فرمانروائے خلاط فوت ہوا۔ صلاح الدین میافارقین پہنچا۔ وہاں پتہ چلا کہ اس کا غلام بکتر اس اس کے تخت و تاج کا مالک بن

---

[1] تاریخ الخلفاء صفحہ ۳۱۱ ۔

بیٹھا ہے۔ اس نے صرف میافارقین پر قبضہ کر لیا۔

طغرل کی فتوحات | ۵۸۳ھ سلطان طغرل بن ارسلان شاہ نے بہت سے ملک زیر نگیں کر لئے۔ قزل ارسلان ابن الذکر فرمانروائے آذربیجان ہمدان، اصفہان نے طغرل کی فتوحات کے سیلاب کو بڑھتے دیکھا۔ خلیفہ سے مدد چاہی یہاں سے لشکر گیا، طغرل سے معرکہ رہا، شاہی لشکر شکست کھا گیا۔

واقعات سلطان صلاح الدین | عزیز الدین مسعود اور عماد الدین مل کر صلاح الدین کے خلاف ہو گئے بلکہ صلاح الدین کو زیر کرنے کے لئے عیسائیوں اور باطنیوں سے باضابطہ عہد نامہ کر لیا۔ باطنیوں سے یہ طے کیا کہ حلب میں اُن کا تبلیغی مرکز قائم کر دیا جائے گا۔ اس کی اطلاع صلاح الدین کو ہو گئی۔ مگر عماد الدین سے صلح ہو چکی تھی، اُس نے سکوت اختیار کیا۔

صلاح الدین مصر سے شام آیا۔ فرنگیوں نے روکا۔ یہ دوسری طرف سے نکل کر طبریہ و بیان وغیرہ فرنگی علاقہ پر حملہ کرتا ہوا عکہ تک پہنچا اور فرنگیوں سے دو دو ہاتھ کر کے دمشق آ گیا۔ اس کے نائب عز الدین فرخ شاہ نے دیوریہ و شقیف کے فرنگی قلعے پر جو اسلامی سرحد پر واقع تھے صلاح الدین کے آنے سے پہلے فتح کر لئے تھے اور چوکیاں قائم کر دی تھیں۔ دمشق سے صلاح الدین بیروت کی تسخیر کے لئے روانہ ہوا۔ بحری و بری حملہ کیا۔ اس دوران میں خبر ملی کہ بیت المقدس کے فرنگی زائرین کا ایک جہاز دمیاط آ رہا ہے۔ چنانچہ سلطان نے بیروت چھوڑ کر جہازوں کو آ لیا اور حملہ کر کے ایک ہزار چھ سو فرنگی گرفتار کر لئے [1]

اس کے بعد زنگی خاندان کی چھوٹی چھوٹی سرداریاں جو باہم لڑتی رہتیں یا دشمنوں سے ساز باز کرتیں۔ پہلے اُن کے ختم کرنے کا ارادہ کر لیا۔ چنانچہ امیر مظفر الدین کو کبری والی حران، عز الدین مسعود سے مخالف تھا اُس نے سلطان کو دعوت دی چنانچہ

---

[1] کتاب الروضتین جلد ۲ صفحہ ۲۳۔ [2] ابن اثیر جلد ۱۱ صفحہ ۱۸۲۔

بیروت سے واپس ہو کر فرات کو عبور کر کے جزیرہ کی طرف بڑھا اور چھوٹے چھوٹے حکمرانوں کو اعلانِ عام دیا کہ جو اطاعت کرے گا اُس کا علاقہ اُس کے لئے ہے ورنہ بزورِ شمشیر قبضہ کیا جائے گا۔

سلطان کی قوت و سطوت کے آگے سب نے سر جھکا دیا۔ جس نے سرتابی کی بزورِ شمشیر مطیع کیا۔ اس طرح جزیرہ کا بڑا حصہ سلطان کا زیرنگیں ہو گیا۔ سنجار لیا جا چکا تھا۔ آمد پر بہاء الدین قابض تھا۔ سلطان نے حملہ بول دیا۔ ابن نیساں نے وزیر قاضی فاضل کے ذریعے چند شرائط پر شہر حوالے کر دیا۔ محرم ۵۷۹ھ میں سلطان کا قبضہ ہو گیا۔ یہاں عظیم الشان کتب خانہ تھا جس میں دس لاکھ چالیس ہزار کتابیں تھیں۔ سلطان نے قاضی فاضل کو دے دیں۔

سلطان نے محمد بن قراد کے لڑکے نور الدین کو آمد کا حاکم مقرر کر دیا۔ اس زمانے میں حلب لیا جا چکا تھا۔ اب شام میں سلطان کی قوت بہت بڑھی ہوئی تھی۔ مکہ معظمہ سے بغداد کی مسجدوں تک اُس کے نام کا خطبہ پڑھا جانے لگا۔[1]

اس کے بعد حارم عماد الدین سے لیا۔ حارم کے قبضہ کے بعد سلطان دمشق لوٹا۔ تمام ممالکِ محروسہ کی فوجیں جمع کرنے کا حکم دیا۔ جب افواج جمع ہو گئیں ۵۷۹ھ میں بیسان جو فرنگی علاقہ تھا اس طرف رُخ کیا۔ وہ ساز و سامان چھوڑ کر نکل بھاگے اور سلطان کا قبضہ بلا مزاحمت بیسان پر ہو گیا۔ پھر جالوت میں جا کر منزل کی۔ فرنگیوں نے سلطان کی پیش قدمی کی اطلاع پا کر الفوکہ میں ایک عظیم الشان فوج جمع کی۔ اس میں ایک ہزار تین سو مسیحی نائٹ اور پندرہ ہزار اچھے اسلحہ رکھنے والی پیدل فوج اور یورپ کے اُمراء زادے ہنری، لودین کا ڈیوک، یمنی کا رالف، اس کے علاوہ شام کے بڑے بڑے رئیس، بالڈون، علین کا بالیان، صیدا کا ریجی نالڈ جو مسلمانوں کا دشمن تھا۔ قیساریہ کا والٹر، کورنتی جوسلن وغیرہ تھے۔

---

[1] ابن اثیر جلد ۱۱ صفحہ ۸۳۔

سلطان عین جالوت سے الفوکہ پہنچا۔ دونوں میں خونریز معرکہ ہوا۔ فرنگی الفوکہ سے ہٹ کر عین جالوت گئے۔ سلطان بھی اُن کے عقب میں پہنچا اور چاروں طرف سے گھیر کر خوب قتلِ عام کیا۔ فرنگی پٹ کر بھاگے اُن کا تعاقب کیا۔ کغز بلا، بلیسان اور زرعلین کو ویران کر ڈالا۔

اس مہم سے فراغت پا کر ۵۷۹ھ میں اسلام کے بڑے دشمن ریجی نالڈ کے علاقے کرک پر فوج کشی کی مگر ناکام دمشق لوٹا۔ وہاں جا کر مصر و شام و جزیرہ کی فوجیں جمع کر کے ۵۸۰ھ میں دوبارہ کرک پر حملہ کر کے فتح کر لیا۔ مگر فرنگیوں کی تازہ دم فوج آگئی سلطان کو ہٹنا پڑا۔ نابلس اور سبطینہ کو تاخت و تاراج کرتا ہوا دمشق لوٹ گیا [1]

یروشلم کا فرمانروا امال رک مر گیا۔ اُس نے اپنے کمسن بھانجہ بالڈون کو جانشین کیا اور اُس کا نگران لوسگنان کے گائی اور طرابلس کے فرمانروا ریمنڈ کو مقرر کیا گیا۔ انہوں نے سلطان سے چار سال کے لئے صلح کر لی۔ مگر اس زمانہ میں بطریق ہیریکلیوں مسیحی مجاہدوں کی بھرتی یورپ میں کر رہا تھا۔ اِدھر ریمنڈ اور گائی میں یروشلم پر حکمرانی کی وجہ سے چپقلش ہو گئی۔ ریمنڈ سلطان سے میل کر گیا۔ سلطان نے یروشلم کا اس کو حکمران بنانے کا وعدہ کر لیا۔ ریمنڈ کا اثر صلیبیوں پر بہت تھا۔ چنانچہ فرنگی بہت سے سلطان کی طرف ہو گئے [2]

موصل پر قبضہ

سلطان نے موصل کی طرف توجہ کی معمولی جنگ کے بعد عزالدین سے صلح ہو گئی اور سلطان کا اُس پر قبضہ ہو گیا۔ اب اتابکی حکومت ایوبی حکومت کے ماتحت ہو گئی۔

ریجی نالڈ نے بدعہدی کی۔ ایک مسلمان حجاج کا قافلہ اُس نے اپنے علاقے سے گزرتے ہوئے لوٹ لیا اور اہلِ قافلہ کو گرفتار کر لیا۔ سلطان نے اس کو تنبیہ کی۔ اہلِ قافلہ سے ریجی نالڈ نے کہا:-

---

[1] ابن اثیر جلد ۱۱ صفحہ ۱۹۸ [2] ایضاً

"تم محمدؐ پر ایمان رکھتے ہو۔ اُس سے کیوں نہیں کہتے کہ وہ آکر تمہیں چھڑائے۔"
ریجی نالڈ نے سلطان کی تنبیہ کی پرواہ نہیں کی۔ سلطان کو اُس کے کلمہ ناسزا کی بھی خبر ہوگئی۔ اُس نے قسم کھا کر عہد کیا کہ اس صلح شکن کافر کو خدا نے چاہا تو اپنے ہاتھ سے قتل کروں گا۔"

فرنگیوں سے فیصلہ کُن جنگ

سلطان نے ممالکِ محروسہ میں جہاد کی عام منادی کرادی۔ تمام زیرِ اثر عُلما اور فرمانروا دمشق آگئے۔ ۵۸۳ھ میں سلطان دمشق سے فلسطین روانہ ہوا۔ سلطان نے الملک الفاضل کو راس الماء چھوڑا۔ خود کرک روانہ ہوگیا۔ ریجی نالڈ کو ہمت نہ پڑی کہ مقابلہ کرتا۔ سلطان نے کرک اور اشوبک کے علاقہ کو تاخت و تاراج کر ڈالا۔

الملک الفاضل راس الماء سے عکہ کی طرف بڑھا۔ صفوریہ میں فرنگی پچاس ہزار جمع تھے جس میں ایک ہزار دو سو نائٹ تھے۔ گائی اور ریمنڈ ہر دو ملے اور صلیبیوں میں شریک ہوگئے۔

الملک الفاضل نے اسدویہ اور استباریہ صلیبی مجاہدین کو صفوریہ کے قریب آلیا اور اُس کے ممتاز افسر قتل کیے اور صلیبیوں کو تہ تیغ کیا۔ سلطان کو اطلاع ملی تو وہ کرک سے الفاضل سے آکر مل گیا۔ اب اسلامی فوجیں طبریہ کی طرف بڑھیں۔

۵۸۳ھ میں سلطان نے صفوریہ کا رُخ کیا اور فرنگیوں کے قریب طبریہ کی پہاڑی پر فوجیں اُتاریں۔ مگر طبریہ سے کوئی مقابل نہ آیا۔ سلطان نے شہر پر قبضہ کیا۔ پھر نوبیا کے میدان میں صلیبیوں سے جنگ چھیڑ دی۔ ہزارہا نصرانی تہ تیغ ہوئے اُن کی قوت کمزور ہونے لگی۔ حطین کی آڑ لے کر بھاگنا چاہا مگر وہاں بھی شجاعانِ عرب نے آکر روک لیا۔

اُن کی مقدس صلیب جو حضرت مسیح کی سُولی کی بنی ہوئی تھی چھین لی۔ اب صلیبی پیچھے ہٹتے ہوئے گائی بادشاہ یروشلم کے خیمہ تک پہنچ گئے۔ آخر شکست ہتھیار ڈال دیئے۔ فوجِ سلطانی نے بڑے بڑے امراء و حکمرانوں کو

کو گرفتار کر لیا۔[1]

اختتامِ جنگ کے بعد تمام معزز قیدی سلطان کی خدمت میں پیش ہوئے۔ یروشلم کے بادشاہ گائی کو پہلو میں جگہ دی۔ باقی اُمراء اُن کے رتبہ کے مطابق بٹھلائے گئے۔ ریجی نالد بھی پیش ہوا۔ سلطان نے اُس کا اپنے ہاتھ سے سر قلم کر دیا۔ اس کے بعد ان قیدیوں کو ساتھ لے کر شہر حطین کی طرف بڑھا۔ اس کے بعد طبریہ بھی قبضہ میں لیا۔ پھر عکا پر فوج کشی کی اور اس کو فتح کر کے جامع مسجد جس کو صلیبیوں نے کنیسہ بنا لیا تھا ایک صدی بعد سلطان نے پھر اُس کو مسجد بنا کر جمعہ کی نماز پڑھی۔[2]

دوسری سمت سلطان کے بھائی ملک العادل نے مجدل یابا، ناصرہ، قیساریہ، حیفا، صفوریہ، شقیف، فولہ وغیرہ عکہ کے ملحقہ علاقے زیرنگین کر کے یافہ کی بندرگاہ فتح کر لی۔

سلطان نے اتنے میں صیدا لے لیا۔ اس کے بعد بیروت پر فوج کشی کر دی۔ اہلِ شہر نے مقابلہ میں نقصان اُٹھا کر سپرد کر دیا۔ اس کے بعد صور اور عسقلان بزورِ شمشیر سلطان نے لے لئے۔

بیتُ المقدس کی فتح

۵۸۳ھ میں عسقلان سے سلطان بیت المقدس روانہ ہوا۔ سلطان کے عزم وجہاد کی خبر سُن کر مصر و شام کے تمام بڑے بڑے علماء کے المقدس کی فتح کی شرکت کی سعادت حاصل کرنے کے لئے پہنچ گئے۔ سلطان نے صلیبیوں سے کہلا بھیجا کہ میں یہاں خونریزی نہیں چاہتا۔ اس کو میرے حوالہ کر دو اور معقول معاوضہ لے لو مگر وہ تیار نہیں ہوئے۔ آخر سلطان کو بدرجہ مجبوری تلوار نکالنا پڑی۔ ایک ہفتہ خوب خوب ہر دو طرف سے تلواریں چلیں۔ آخر صلیبیوں نے فدیہ دے کر نکلنا چاہا۔ فدیہ دس دینار مرد، ۵ دینار عورت، ۲ دینار بچہ، دیا اور ۲۷ رجب ۵۸۳ھ بروز جمعہ صلیبیوں نے ہمت ہار کر بیت المقدس

---

[1] ابن اثیر جلد ۱۱ صفحہ ۲۰۱ [2] ایضاً ص ۲۰۳ [3] ایضاً ص ۲۰۷ جلد ۱۲

مسلمانوں کے حوالے کر دیا۔[۱]

صلیبیوں نے ۴۹۲ھ میں بیت المقدس پر قبضہ کرتے وقت ستر ہزار مسلمان مسجد اقصیٰ میں شہید کئے تھے جس میں ہزار ہا علماء و زہاد عبادت گذار رہتے تھے مگر مسلمانوں نے پُرامن طور پر عیسائیوں سے خالی کرایا۔ امیر مظفر الدین کوکری نے صدہا عیسائیوں کا فدیہ اپنی جیب سے ادا کیا۔ پھر سلطان نے معافیٔ عام دی۔

ابن اثیر کا بیان ہے کہ سلطان نے عیسائیوں کو اپنی فوج کی حفاظت میں صور تک پہنچا دیا۔ ملک العادل نے ایک ہزار نصرانیوں کو بطور غلام لے کر اپنی طرف سے آزاد کر دیا۔ سلطان نے قبۃ الصخرہ اور مسجد اقصیٰ جس کو عیسائیوں نے بت خانہ تصاویر کے ذریعہ بنا رکھا تھا اس کو مٹایا اور درست کرا کر امام و قاری مقرر کئے۔ شعبان ۵۸۳ھ کو اکانوے سال کے بعد مسجد اقصیٰ میں جمعہ کی نماز پڑھی گئی۔ نور الدین زنگی کا بنوایا ہوا ممبر حلب سے طلب کر کے مسجد اقصیٰ میں نصب کیا گیا۔

تطہیر بیت المقدس کے بعد سلطان نے مدرسہ رباطین تعمیر کئے۔ رقم فدیہ کی جو وصول ہوئی تھی وہ علماء اور مستحقین میں تقسیم کر دی گئی۔ اس کے بعد صور پر فوج کشی کی مگر ناکامی ہوئی مگر حصن کوکب لے لیا۔ اس کے بعد سلطان ۵۸۳ھ میں دمشق چلا گیا۔ کچھ دن بعد انطرطوس لے لیا۔ پھر لاذقیہ پر قبضہ جمایا۔

غرضیکہ فلسطین کی نصرانی حکومت کا خاتمہ سلطان کے ہاتھوں ہوا۔ اب شام میں صرف مسیحی حکومت انطاکیہ تھی ابو ہمنڈ نے سلطان سے صلح کر کے جان بچائی۔ یروشلم کے زوال سے یورپ میں تہلکہ مچ گیا۔ شام کا اسقفِ اعظم ولیم صوری قسیسوں اور راہبوں کو لے کر روم آپہنچا۔ پاپائے روم نے مقدس جنگ کے لئے فتویٰ دے دیا۔

انگلستان میں کنٹربری کے بلڈون نے جنگِ صلیبی کا وعظ کہا۔ اس کی کوششوں

---

[۱] ابن اثیر جلد ۱۲ صفحہ ۲۰۷۔

سے فرانس، انگلستان کے بادشاہ اُٹھ کھڑے ہوئے۔ ہنری دوم بادشاہ انگلستان، فلپ آگسٹس بادشاہ فرانس اور فریڈرک باربروسہ بادشاہ جرمنی، ولیم بادشاہ صقلیہ اور یورپ کے نائٹس سب یکجا ہو کر صلیبیوں کو ساتھ لے کر فلسطین روانہ ہوئے۔ ہنری دوم مر گیا اُس کا لڑکا رچرڈ جانشین ہوا وہ اس جماعت کا ہیرو بن گیا۔ غرضیکہ رچرڈ اور فلپ عکہ پہنچے۔ سلطان بھی فوج لے کر پہنچا۔ خوب خوب مقابلہ ہوا۔ آخر میں عکہ پر عیسائیوں کا قبضہ ہو گیا اور پھر صلح ہو گئی۔ عسقلان تباہ کر دیا گیا۔ رچرڈ وغیرہ سب اپنے ملک چلے گئے۔ سلطان کامرانی کے ساتھ بیت المقدس آیا۔ عیسائیوں کو زیارت کی اجازت مل گئی۔ امیر عزیزالدین حرویک کے سپرد بیت المقدس کر کے شوال ۵۸۸ھ میں حج کے ارادہ سے دمشق گیا۔

وفات سلطان صلاح الدین ایوبی نے مصر، شام، فلسطین، جزیرہ و موصل کو زیرنگین کرنے کے بعد ۵۷ سال کی عمر میں ۲۷ صفر ۵۸۹ھ میں وفات پائی۔ صلیبی جنگوں میں اُس نے بڑے کارہائے نمایاں کئے۔ عالمگیر اقتدار کا مالک تھا۔ مگر ہمیشہ خلافت عباسیہ کے دامن سے وابستہ رہا اور بارگاہِ خلافت کے حلقۂ اطاعت سے کبھی الگ نہیں ہوا۔ سلطان صلاح الدین کے مفصل حالات "تاریخ ملت" کی جلد ہفتم میں ہم نے بیان کئے ہیں۔

وزرائے ناصر عنانِ خلافت ہاتھ میں لیتے ہی ظہیرالدین بن عطار کو جیل میں ڈال دیا۔ مجدالدین ابوالفضل بن صاحب وزیر استاد کو عہدۂ وزارت پر سرفراز کیا۔ مگر ناصر نے مجدالدین سے نظام حکومت ہاتھ میں لے کر کچھ عرصہ میں اُن کو معطل کر دیا تو خلیفہ نے ۵۸۳ھ میں اس کو گرفتار کر کے قتل کرا دیا اور زمام حکومت ہاتھ میں لے لی۔

مجدالدین کے عہد میں خلافت آب کی کچھ نہ چلتی تھی۔ علاوہ بریں اس کی ثروت اور مالداری اس درجہ بڑھ گئی تھی کہ خلافت مآب کے خزانہ کی اس کے مقابلہ

ہاں ذرا بھی وقعت نہ تھی۔ مجدالدین کے قتل کے بعد عبید اللہ بن یونس کنیت ابوالمظفر کو عہدۂ وزارت عطا ہوا اور لقب جلال الدین اس کو دیا گیا۔ یہ وزیر صاحب جلال اور باعظمت تھا۔ اس کے دربار میں تمام امراء حتیٰ کہ قاضی القضات بھی دربار داری کرتے [۱]

ممالک محروسہ اسلامیہ میں بیعت کے لئے قاصد روانہ کئے۔ صدرالدین شیخ الشیوخ کو بہلوان [۲] والی ہمدان، اصفہان، رے کے پاس روانہ کیا۔ سب نے آخر بیعت کی۔ بہلوان کے مرنے کے بعد اس کا بھائی کزل ارسلان موسوم بہ عثمان حکمران ہوا۔ طغرل اس کی نگرانی سے نکل بھاگا اور امراء و اراکین کو بلا لیا اور عثمان پر حملہ آور ہوا۔ عثمان نے اپنا سفیر دربارِ خلافت میں بھیجا۔ طغرل نے بھی چند شہر قبضہ میں کر کے سفیر خلافت مآب کی خدمت میں روانہ کیا اور دارالسلطنت کی تعمیر کی مرمت کی اجازت چاہی۔

اس سے پیشتر سلاطینِ سلجوقیہ کی حکومت کا سکہ بغداد و عراق میں چل رہا تھا۔ مگر مقتفی نے اس تعلق کو منقطع کر دیا تھا اس لئے دارالسلطنت بے مرمت ہو گیا تھا۔ مگر خلافت مآب نے کزل عثمان کے سفیر کی عزت و توقیر کی اور معاونت کا وعدہ کیا اور طغرل کے سفیر کو بلا جواب کے واپس کیا۔ ان سفراء کی واپسی کے بعد خلیفہ نے سلاطینِ سلجوقیہ کے دارالسلطنت کے انہدام کا حکم دے دیا جس پر نہایت

---

[۱] ابن خلدون جلد ۹ صفحہ ۱۷۰۔

[۲] محمد بہلوان ابن ایلدکز اتابک ۵۲۴ھ میں ایلدکز والی رے کو قتل کر کے خود حکمران بن گیا وہ ۵۶۸ھ میں ہمدان میں فوت ہوا۔ محمد بہلوان جانشین ہوا۔ اس کا بھائی سلطان ارسلان بن طغرل بدستور اس کی کفالت میں رہا۔ ۵۸۲ھ میں جب وہ مر گیا تو اس کے بیٹے طغرل کو اس کا جانشین کیا۔ ۵۸۲ھ میں بہلوان نے وفات پائی۔ ہمدان، رے، اصفہان، آذربائیجان اور آرانیہ وغیرہ اس کے زیرِ حکومت تھے اور طغرل مذکور نگرانی میں تھا۔

تیزی سے عملدر آمد کیا گیا۔ ماہ صفر ۵۸۴ھ میں دربارِ خلافت سے وزیر السلطنت جلال الدین ابو المظفر عبید اللہ بن یونس سرافسری ایک لشکرِ عظیم لے کر کزل کی کمک کو روانہ ہوا۔ ہمدان میں کزل کے اجتماع سے پیشتر طغرل سے مقابلہ ہوا۔ میدان طغرل کے ہاتھ رہا۔ لشکر بھاگ کھڑا ہوا۔ وزیر سلطنت گرفتار ہوا۔ اس کے بعد ہی کزل نے طغرل کو آلیا فتح اس کو نصیب ہوئی۔ کزل نے طغرل کو گرفتار کر کے قلعہ میں نظر بند کر دیا۔ کزل استحکام و استقلال کے ساتھ کل صوبہ جات پر حکمرانی کرنے لگا۔ اپنے نام کا منبروں پر خطبہ پڑھوایا۔ دروازہ پر پنج وقتہ نوبت بجوائی۔ ۵۸۵ھ میں طغرل اپنی خوابگاہ میں قتل کیا ہوا پایا گیا۔ اس کے بعد دولتِ سلجوقیہ کا چراغ ہمیشہ کے لئے گل ہوگیا۔[1]

نیا وزیر

خلافت مآب نے وزیر کی گرفتاری پر مؤید الدین ابو عبداللہ محمد بن علی معروف بہ ابن قصاب کو عہدۂ وزارت پر سرفراز کیا اور صوبہ جوزستان وغیرہ کی سندِ حکومت عطا کی۔ چنانچہ ۵۹۱ھ میں شملہ والی خوزستان مرا تو وزیر دار السلطنت جا پہنچا۔ تستر پر قبضہ کر کے خوزستان بھی قبضہ میں لایا۔ ملوک بنی شملہ کو گرفتار کر کے بغداد روانہ کیا اور انتظاماً وزیر نے خوزستان کا حاکم طاش تکین کو کیا۔ یہاں سے وزیر سلطنت رے کی طرف بڑھا۔ پہلے ہمدان پر قابض ہوا۔ بعد اس کے خوارزم شاہ کی طرف توجہ کی۔ وہ مقابلہ سے جی چراتا رہا۔ یہ اس کے پیچھے رے تک پہنچے وہ جرجان چلا گیا۔ وزیر نے رے پر تسلط کیا۔

شعبان ۵۹۲ھ میں وزیر نے انتقال کیا۔ خوارزم شاہ نے ہمدان پر فوج کشی کر کے وزیر کی بے سری فوج کو شکست دے کر قبضہ کیا۔ پھر اصفہان کی طرف خوارزم شاہ متوجہ ہوا۔ وہاں کے امیر صدر الدین خجندی رئیس شافعیہ نے خلافت مآب کو لکھا ہم آپ کے زیر حمایت آنا چاہتے ہیں۔ خلافت پناہ نے سیف الدین طغرل جاگیر دار

---

[1] ابن خلدون جلد ۹ صفحہ ۱۶۲۔

"بلا دبحبت" کو اصفہان روانہ کیا۔ سیف الدین نے اصفہان پر قبضہ کیا اور خاطر خواہ انتظام کر دیا۔ اس کے بعد ذنجان اور قزدین بھی خلیفہ کے زیرنگین آ گئے۔ جس کا نتیجہ یہ ہُوا کہ دولت بنی عباس کے قوائے حکمرانی مضبوط ہو گئے اور حکومت وشوکت کو استحکام و استقلال ہُوا۔[1]

رفاہِ عام

خلیفہ ناصر نے جن شہروں پر اپنا اقتدار قائم کیا وہاں جو عمال تھے اُن کو ہدایت عدل وانصاف کی کی۔ جگہ جگہ مدرسے کھولے گئے۔ شفاخانہ، مہمان سرائے، باغات لگوائے گئے۔ تجارت میں بڑی سہولت دے دی گئی جس کا نتیجہ یہ ہُوا کہ امن وامان قلمرو بنی عباس میں نظر آنے لگا۔

سنہ ۶۰۲ھ میں طاشش تکین امیر خوزستان مرا۔ خلیفہ نے اُس کے داماد سنجر کو اس کا جانشین کر دیا۔ سنہ ۶۰۳ھ میں سنجر نے جبال ترکستان کا قصد کیا۔ یہ جبال عظیم الشان فارس، عمان، اصفہان اور خوزستان کے درمیان واقع ہیں۔ اس کا والی ابوطاہر تھا۔ اُس نے اپنے داماد قشتمر کو اپنا جانشین کر دیا تھا۔ ان دنوں قشتمر حکمرانی کر رہا تھا چنانچہ سنجر نے حملہ کیا اور ناکام لوٹا۔

وزیر کی معزولی

نصیر الدین ناصر مہدی علوی رَے کا امیر تھا۔ وہ بغداد میں مقیم تھا۔ خلافت پناہ نے اس کو وزیر سلطنت کی نیابت عطا کی۔ بعد چندے اُس کو وزارت عطا کی اور اُس کے بیٹے کو وزیر خزانہ کیا۔

نصیر الدین نے عہدۂ وزارت پا کر بحکمت عملی کل ارکانِ دولت کو دبا لیا۔ ان حالات کے پیشِ نظر خلیفہ نے اس کو معزول کر دیا اور خانہ نشین رہنے کا حکم دیا۔ اُس نے اس پر عمل کیا۔ فخر الدین ابوالبدر محمد بن احمد بن اسمینا واسطی بطور نائب وزیر وزارت کا کام انجام دینے لگا۔ اس زمانہ میں ابوفرس نصیر بن ناصر بن مکی مدائنی وزیر خزانہ نے بغداد میں انتقال کیا تو اُس کے بجائے ابوالفتوح مبارک بن عضد الدین

---

[1] ابن خلدون جلد ۱ صفحہ ۱۰۶۔

ابوالفرج بن رئیس الرؤسا ۶۰۶ھ میں متعین کیا گیا۔ لیکن خزانہ کا کام وہ سنبھال نہ سکا تو اُس کو معزول کر دیا۔ اس کے بجائے مکین الدین محمد بن محمد بن بدر القمر کاتب انشا نائب وزیر کو مقرر کیا اور اس کو مؤیدالدین کا لقب عطا کیا۔

سنجر سنجر خادم خلیفہ ناصر نے بغاوت کر دی تو مؤیدالدین سرکوبی کو خوزستان پہنچا اور اُس کو گرفتار کر کے بغداد لے آیا۔ خلافت مآب نے دوسرے خادم یاقوت کو خوزستان پر مامور کیا۔ پھر سنجر کو آزاد کر کے خلعت عطا کیا۔

ولیعہد کا انتقال خلیفہ ناصر نے اپنے چھوٹے لڑکے ابوالحسن علی کو ولی عہد کیا تھا۔ وہ ۶۱۲ھ میں انتقال کر گیا۔ دو لڑکے اُس نے چھوڑے۔ مؤید۔ موفق۔

ان دونوں کو ۶۱۳ھ میں سندِ امارت خوزستان کی عطا کی۔ مع لشکر کے خوزستان بھیجا۔ مؤیدالدین نائب وزیر اور عزالدین شرابی کو اتالیقی اور نگرانی کی غرض سے ساتھ کر دیا۔ ہر دو نے خوزستان جا کر حکمرانی شروع کر دی۔ کچھ عرصہ بعد نائب وزیر اور شرابی بغداد واپس آ گئے۔

خوارزم شاہ خوارزم شاہ کے تغلب سے پہلے اغلمش نے بزور تیغ و حکمت عملی بلادِ جبل پر قبضہ کر لیا تھا۔ خوارزم شاہ علاء الدین محمد بن تکش جانشین سلاطینِ سلجوقیہ کو جو صوبۂ خراسان و ماوراء النہر پر مستولی ہو رہا تھا۔ ان بلاد پر قبضہ کرنے کا شوق چرایا۔ لشکر آراستہ کر کے اِدھر اُس نے فوج کشی کر دی اُدھر اتابک سعد بن وکلاء والی فارس بلادِ جبل کے لئے بڑھا۔ پہلے اتابک نے اصفہان پر قبضہ جمایا۔ پھر "رے" کی طرف بڑھا۔ یہاں خوارزم شاہ کی فوج سے مڈبھیڑ ہوئی سخت خونریزی کے بعد اتابک کو ہزیمت ہوئی۔ خوارزم شاہ نے اُس کو گرفتار کر لیا اور آگے بڑھ کر قزوین، زنجان اور ابہر پر قابض ہُوا۔ اہلِ ہمدان نے گردنِ اطاعت

۱؎ ابن خلدون جلد ۹ صفحہ ۱۲۸ ۲؎ ایضاً صفحہ ۱۸۲۔

چھکادی ۔ اس کے بعد اصفہان پر متصرف ہو گیا۔ قم اور قاشان بھی خوارزم شاہ نے لے لئے ۔ والیٔ آذر بائیجان اور آرمینیہ نے بغیر تحریک کے اطاعت قبول کی۔ اب اُس کے حوصلے بڑھ گئے۔ دارالخلافت میں اپنے نام کا خُطبہ پڑھے جانے کا نامہ و پیام خلیفہ سے کیا۔ مگر دربارِ خلافت نے اس کی تمروی دیکھ کر انکار کر دیا تو خوارزم شاہ نے طلیش میں آکر دربارِ خلافت پر حملہ کرنا چاہا۔ امیر حلوان کو سندِ امارت عطا کر کے پندرہ ہزار سواروں کی جمعیت سے بغداد بڑھنے کا حکم دیا۔[1]

خلافت مآب کو خبر لگی تو خلیفہ نے شیخ الشیوخ شہاب الدین عمر سہروردی کو سفیر بنا کر بھیجا کہ خوارزم شاہ کو سمجھا دیں کہ غلط قدم نہ اُٹھاوے۔ شیخ الشیوخ خوارزم شاہ کے پاس تشریف لے گئے۔ وہ بہت تعظیم و تکریم سے پیش آیا۔ مگر اُس نے کہا: میں تو بغداد کی اینٹ سے اینٹ بجا کر چین لوں گا۔ آپ اس کو بددعا دے کر چلے آئے۔ جو فوج اُس نے بغداد کے لئے روانہ کی جب وہ راستہ میں ہمدان سے آگے پہنچی تھی کہ اس قدر برف باری ہوئی کہ ساری فوج ہلاک ہو گئی جو باقی رہی بنو برجم ترک نے آلیا اور تلوار کے گھاٹ اُتار دیا۔ خوارزم نے ۶۱۵ھ میں خراسان میں خلیفہ کے نام کا خُطبہ ممنوع قرار دیدیا۔

تاتاریوں کا خروج

چینی تاتار کے ان بلند اور وسیع میدان میں جو منگولیا کہلاتی ہیں۔ بہت سی خانہ بدوش اقوام آباد تھیں۔ نہایت خونخوار سخت دل، جنگ جو یہ وہ لوگ تھے جن کی لوٹ کھسوٹ سے بچنے کے لئے قدیم چینیوں نے دیوار چین بنائی ۔

زمانہ قدیم میں ایک بادشاہ (یعنی قبائل کا سردار) لنجہ تھا اس کے دو بیٹے توام پیدا ہوئے ۔ ایک کا نام مغول رکھا، دوسرے کا نام تاتار، ان کی اولاد اُن کے ہی نام سے مشہور ہوئی۔ مغلوں میں ایل خان مشہور سردار تھا اور تاتاریوں میں مشہور

---

[1] ابن خلدون جلد ۹ صفحہ ۱۹۳ ۔

شخصیت سونج خاں کی تھی۔ ایل خان کی اولاد میں بہادر خاں تھا جس کا لڑکا چنگیز خاں تھا جس کی پیدائش ۵۴۹ھ میں ہوئی۔ چنگیز نے تمام مغلوں اور تاتاریوں کو متحد کر کے ارد گرد کے علاقے لے کر حکومت قائم کر لی اور بیس سال کے ترک تازہ میں بڑی سلطنت کا مالک بن بیٹھا۔ ۶۱۲ھ میں چنگیز نے اپنے ملک کے معزز مسلمانوں کا ایک وفد خوارزم شاہ کے پاس بھیجا کہ دونوں ممالک میں تجارت کا سلسلہ قائم کیا جائے۔ خوارزم شاہ نے منظور کر لیا۔

ایک عرصہ تک دونوں طرف کاروان تجارت آتے جاتے رہے۔ ۶۱۵ھ میں چار سو تاتاری تاجروں کا ایک قافلہ دریائے سیحوں کے ساحل پر مقام سرواریا میں اترا۔ وہاں کے والی نے خوارزم شاہ کو لکھا کہ چنگیز خاں کے جاسوس تاجروں کے بھیس میں یہاں آئے ہیں۔ خوارزم شاہ نے حکم دیا کہ ان کو قتل کر دو۔ والی نے اس حکم کی تعمیل کی اور وہ کل سامانِ تجارت خوارزم شاہ کے پاس بھیج دیا۔ اس نے سمرقند اور بخارا کے تاجروں کے ہاتھ فروخت کر ڈالا[۱]

چنگیز خاں کو خبر لگی اس نے لکھا کہ یہ معاہدہ کی خلاف ورزی ہے لہٰذا تمام سامان واپس کر دیا جائے اور رغایر خاں والیٔ سروار یا کو ہمارے حوالے کر دو تاکہ ہم اس سے اس کا بدلہ لیں۔ مگر خوارزم شاہ نے اس سفیر کو بھی قتل کرا دیا۔ اس پر چنگیز خاں نے غضب ناک ہو کر چڑھائی کی تیاری شروع کر دی۔ خوارزم شاہ نے پہلے ہی حدودِ ترکستان پر حملہ کر دیا مگر ناکام رہ کر لوٹ آیا۔ راہ میں جس قدر شہر آباد تھے ان کے باشندوں کو جلا وطنی کا حکم دے دیا جس سے وہ حصّہ ملک جو دنیا کی جنت نظار تھا، ویران ہو گیا۔

خوارزم شاہ کی یہ حرکت چنگیز کے لئے زیادہ سود مند ہوئی کہ وہ بخارا تک بغیر مزاحمت ۲۰ ہزار فوج کے ساتھ آ کودا۔ اہلِ شہر نے علامہ بدرالدین قاضی شہر کو امان

---

[۱] ابن اثیر جلد ۱۲ صفحہ ۱۴۰۔

طلب کرنے کے لئے چنگیز کے پاس بھیجا۔ اُس نے نامنظور کیا۔ ۶۱۶ھ میں چنگیز بخارا میں داخل ہو گیا اور باشندوں کو نکل جانے کا حکم دیا جو بچ رہے قتل کئے گئے۔ کچھ غلام بنائے گئے۔ بخارا سا عظیم الشان شہر جلا دیا گیا جو صرف کھنڈر کی صورت میں رہ گیا۔[1] چنگیز پھر سمرقند گیا اُس کا بھی یہی حال کیا۔ چنگیز نے ۲۰ ہزار فوج کو حکم دیا کہ خوارزم شاہ کو جہاں ہو پکڑ لایا جائے۔ یہ غزنیہ میں تھا وہاں سے نیشاپور گیا۔ تاتاری بلائے بے درماں کے مثل اُس کے ملکوں کو غارت کرتے ہوئے چلے۔ اُس نے نیشاپور بھی چھوڑا۔ مگر اس حالت میں کہ دشمن عقب میں تھے۔ اس پر بھی خوارزم شاہ عیش و عشرت میں تھا۔ باوجودیکہ لاکھوں فوج اس کے پاس تھی ڈٹ کر مقابلہ کر سکتا تھا مگر تاتاریوں کی ہیبت اس کے قلب پر مستولی ہو چکی تھی جس نے اُس کو ڈرپوک بنا دیا تھا۔

بحرۂ طبرستان کے اندر اس کا ایک قلعہ تھا۔ بندرگاہ پر پہنچ کر جہاز میں سوار ہوا۔ جب روانہ ہو گیا اُس وقت تاتاری ساحل پر پہنچے اب مجبوراً اُس کا پیچھا چھوڑ کر تاتاری مازندران آئے اور "رے" کو تاخت و تاراج کر ڈالا۔ پھر ہمدان کو لیا اور قزوین کو فتح کر کے چالیس ہزار باشندے تہ تیغ کر دیئے گئے۔ وہاں سے تاتاری آذربائیجان کی طرف بڑھے۔ تبریز کا محاصرہ کیا۔ اس کا امیر ازبک بن بہلوان تھا جو ہر وقت شراب کے نشے میں رہتا تھا۔ وہ مدافعت کے لئے آمادہ نہ ہوا۔ وزراء نے تاتاریوں کو کچھ رقم دے کر صلح کر لی۔

خوارزم شاہ جزیرہ السکون میں تھا۔ یہاں بھی تاتاری آ گئے تو جزیرہ میں جانے کے چند روز بعد ۶۱۷ھ میں انتقال کر گیا۔ اس غربت میں کفن تک میسر نہ آیا۔[2] خوارزم شاہ تاتاری سیلاب لانے کا سبب ہوا۔ ابن اثیر کی روایت ہے کہ اُس نے چنگیز خاں کو خود مقابلہ کی دعوت دی اور سرحدِ تاتاری پر فوج کشی کی۔ ہر دو میں خونریز جنگ ہوئی یہ لوٹ آیا۔[3]

---

[1] ابن اثیر جلد ۱۲ صفحہ ۱۴۱ [2] ابوالفدا جلد ۳ صہ ۱۲۹ [3] جہانکشا جلد ۲ صفحہ ۱۰۴۔

علاء الدین محمد خوارزم کے چار بیٹے قطب الدین ازلاق۔ غیاث الدین تیر شاہ۔ رکن الدین غور شاہ اور جلال الدین منکبر تھے۔ علاء الدین نے ان چاروں میں ملک تقسیم کر دیا اور جلال الدینؒ کو ولی عہد کیا۔ چنانچہ علاء الدین کے بعد اُس نے عنانِ حکومت ہاتھ میں لی۔ مگر بھائیوں میں چل گئی۔ یہ خوارزم چھوڑ کر نساء چلا گیا۔ راہ میں تاتاریوں سے سامنا ہوا مگر لڑ بھڑ کر غزنیں نکل گیا۔ تاتاریوں کو جو خبر لگی وہ خوارزم کی طرف متوجہ ہوئے۔ قطب الدین ازلاق میں اُن کے مقابلہ کی تاب نہ تھی اس لئے وہ تاتاریوں کی آمد کی خبر سُن کر خوارزم سے نکل بھاگا۔ مگر راہ میں تاتاری مل گئے۔ انہوں نے اس بُزدل اور نامرد کو مع خدم وحشم کے گھیر لیا اور تلوار کے گھاٹ اُتارا۔ ان تاتاریوں کی کمان چغتائی اور اکتائی کے ہاتھ میں تھی۔ یہ لوگ خوارزم پہنچے۔ خوارزم پر خمار ترکی حاکم تھا۔ چنانچہ اس سے مقابلہ ہوا تو ہمتِ مردانہ سے لڑتا رہا۔

جب تاتاری مجبور ہوئے تو فصیلِ شہر توڑ کر اندر گھس گئے اور شہر کو لوٹ لیا۔ اور ویران کر ڈالا۔ شہر کو فتح کرنے کے بعد دریا کے بند کو جس کے ذریعہ شہر میں پانی آتا تھا کھول دیا جس سے سارا شہر معہ آبادی کے تہ آب آ گیا [۱]

چنگیز نے خود ترمذ پر فوج کشی کی اس پر قبضہ کر کے باشندوں کو قتل کرا دیا۔ یہاں کے بعد بدخشاں کی ولایت فتح کی پھر بلخ پہنچا۔ یہاں سے تولی خان کو خراسان بھیجا

---

۱ ؎ شاہانِ خوارزم کے اسلاف میں محمد بن انوشتکین تھا۔ امیر بلباک سلجوقی نے گرجستان سے نوشتکین کو خرید کیا تھا اور مثل اولاد کے اس کو تعلیم و تربیت دی۔ انوشتکین نے اپنے بیٹے کو بھی اعلیٰ تعلیم دلوائی۔ یہ خوارزم کا والی ہوا۔ سلطان برکیاروق نے اس کو خوارزم شاہ کا لقب بخشا۔ اس نے اپنی لیاقت اور انصاف پسندی سے ہر دلعزیزی حاصل کر لی۔ سلطان سنجر نے بھی خوارزم کی حکومت پر اس کو بحال رکھا۔ وہیں ۵۲۱ھ میں فوت ہوا۔ اس کے بعد اس کا بیٹا اقسز مقرر ہوا۔ یہ نہایت مدبر اور شجاع تھا۔ سلطان مسعود کی جگہ پر یہ خوارزم کا مختار حکمران ہو گیا۔ اس کے بعد ارسلان ہوا۔

۲ ؎ ابن اثیر جلد ۱۲ صفحہ ۱۵۲۔

اور خود طالقان گیا۔ چنگیز خاں نے ترمذ اور بلخ کی طرح طالقان بامیاں کی آبادی کو بھی ختم کرا دیا۔ بامیاں کے بعد چنگیز جلال الدین کے مقابلہ کے لئے غزنین پہنچا۔ جلال الدین ہندوستان چلے جانے کے لئے دریائے سندھ پہنچا۔ چنگیز نے وہاں اُس کو گھیر لیا۔ جلال الدین نے اپنی مختصر سپاہ کے ساتھ اس شجاعت سے مقابلہ کیا کہ تاتاریوں کی صفیں اُلٹ دیں لیکن تاتاریوں نے تین طرف سے جلال الدین کو گھیر لیا۔ آخر کش جلال الدین نے لڑتے لڑتے گھوڑے کو دریا میں ڈال دیا اور تیزی سے تیرتا ہُوا نکل گیا۔ اہل وعیال کو چنگیز نے گرفتار کر لیا اور اولاد ذکور کو قتل کر دیا۔

چنگیز نے غزنہ اور غور پر قبضہ کر کے پوری آبادی کو قتل کر دیا اور لُوٹ مار کر کے ویران کر دیا۔ جلال الدین کے تعاقب میں چنگیز نے ہندوستان فوج بھیجی۔ اُس نے پنجاب تک پیچھا کیا لیکن جلال الدین ہاتھ نہ آیا۔ تاتاری پنجاب اور ملتان کو تاخت و تاراج کرتے ہُوئے واپس گئے۔ تاتاری خراسان، فارس، آذربائیجان، ارمنستان، اران، کوج اور قفجان کے سارے علاقے زیروزبر کر کے ہوئے روس کے علاقے تک پہنچ گئے اور تاتاری اس طرف متوجہ تھے۔ اب اقصائے چین سے عراق، بحر خضر اور حدودِ روس تک اور بحر شمالی سے سرحد کا عریض وطویل رقبہ چنگیز کے قبضہ میں تھا۔[1]

جلال الدین ۶۲۱ھ میں کرمان ہو کر واپس آیا[2] عراق اور فارس غیاث الدین سے لے کر اتابک سعد کا علاقہ اُس کے حوالے کیا اور غیاث الدین کو اپنے ماتحت کر کے عراق کی حکومت پر بحال رکھا۔ یہاں سے فارغ ہو کر خوزستان (علاقہ خلافت مآب) پر فوج کشی کر دی۔ خلیفہ ناصر نے امیر قشتمر کو حکم دیا کہ اُس سے نبٹ لے چنانچہ قشتمر نے

---

[1] چنگیز نے اپنے چار بیٹوں جوجی خاں، چغتائی، طولی خاں اور کدائی کو یہ تمام مقبوضہ علاقے تقسیم کر دیئے۔

[2] تاریخ ابن خلدون جلد ۹ صفحہ ۱۸۴۔

تستر کو بچا لیا۔ باقی خوزستان جلال الدین کے ہاتھوں پائمال ہُوا۔ اُس نے چنگیز سے بڑھ کر مسلمانوں پر ظلم توڑے[1]

پھر بغداد کی طرف جلال الدین نے رُخ کیا۔ مظفرالدین کو کبری والی موصل کو ناصر نے مقابلہ کے لئے بھیجا وہ اس سے ساز باز کر گیا۔ جلال الدین نے آذربائیجان لے کر تبریز پر قبضہ کیا۔ پھر گرجستان پر متصرف ہُوا۔ پھر گنجہ پر بھی قبضہ جمایا۔ اس سے جلال الدین کی حکومت کا دائرہ وسیع ہو گیا۔

علاء الدین خوارزم شاہ | علاء الدین بن تکش بن ارسلان بن سلطان شاہ محمود بن ارسلان بن اتسز بن محمد بن انوشتکین علاءالدین باعظمت فرمانروا تھا۔ اس کی سلطنت کا رقبہ نہایت وسیع تھا۔ عراق سے لے کر ایک طرف چین کی سرحد تک اور دوسری طرف کابل اور مغربی ہندوستان تک اس کی سلطنت کا دائرہ پھیلا ہُوا تھا۔ سجستان، کرمان، طبرستان، جرجان، عراق، عجم خراسان اور فارس کے کچھ حصہ اس کے زیرنگین تھا۔ خطا کے علاقے بھی تصرف میں تھے۔ علاءالدین، فاضل، فقیہ، مذہبی علوم کا ماہر، علم دوست اور علماء نواز تھا۔ اس کی ذات میں خوبیاں جمع تھیں۔ اکیس سال اس نے حکمرانی کی۔

اُس کے آستانے پر بڑے بڑے سلاطین و اُمراء جمع رہتے تھے[2] مگر خلافت بنی عباس کے ٹکر لینے کے ارادے نے اُس کی عظمت کو خاک میں ملا دیا۔ خلیفہ ناصر کی سیاسی چال نے چنگیز کے ہاتھوں اس کی حکومت کے ٹکڑے اُڑوا دیئے اور اُس کی بدولت لاکھوں مسلمان تاتاریوں کے ہاتھوں قتل ہُوئے اور جو شہر صدہا برس میں علم وفن اور تہذیب و تمدن کے مرکز بنے تھے تباہ و برباد ہُوئے۔

خلیفہ ناصر باللہ اور علاء الدین کی کش مکش کا نتیجہ ایک بڑے اسلامی علاقے کو بھگتنا پڑا۔

---

[1] ابن اثیر جلد ۱۲ صفحہ ۱۶۳ [2] ابوالفدا جلد ۳ صفحہ ۱۴۸۔

وفات ناصرلدین اللہ خلیفہ ناصر ۶۱۹ھ میں فالج میں مبتلا ہوا۔ نقل و حرکت جاتی رہی۔ ایک آنکھ بھی نہ رہی۔ آخر رمضان ۶۲۲ھ میں ۴۷ برس حکمرانی کر کے دُنیا سے رخصت ہو گیا۔

اوصاف علامہ ابن خلدون کا بیان ہے کہ ناصر ذی علم اور صاحب فنون مختلفہ تھا۔ متعدد فنون میں اُس کی تالیفات ہیں[1]

ذہبی کہتے ہیں کہ کسی عباسی خلیفہ نے الناصر لدین اللہ کے برابر خلافت نہیں کی۔ وہ ۴۷ سال خلیفہ رہا اور مدت العمر عزت و جلالت کی حالت میں رہا۔ تمام دشمنوں کو تباہ کیا۔ بادشاہوں سے اظہار اطاعت کرایا۔ کسی شخص کو اس سے سرکشی کی جرأت نہ ہوئی۔ اور جس نے کی، اُس کی سرکوبی کر دی گئی۔ جس نے اس سے گستاخی کا ارادہ کیا، خدا نے اُسے تباہ کیا۔

عجب اقبال مند شخص تھے اور اپنے دادا کی تمام خوبیاں اس میں جمع تھیں[2]

ابن طقطقی لکھتا ہے کہ:-

"وہ بڑا فاضل اور ممتاز خلیفہ تھا۔ جملہ اُمور میں بصیرت رکھتا تھا۔ سیاستدان باہیبت، جری، بہادر، تیز طبع، حاضر دماغ، ذہین طبع، فصیح و بلیغ کسی سے علم و فن میں کم نہ تھا"

نظام مملکت واثق باللہ کے بعد سے دولتِ بنی عباس کا نظام سلطنت بگڑنا شروع ہُوا۔ مگر ناصر کے دادا نے سنبھالا لیا اور ناصر نے اپنے قلمرو کا بے حد انتظام کیا۔

ذہبی کا بیان ہے:-

"مصالح ملک میں سخت اہتمام کرتا تھا۔ چھوٹے بڑے غرض تمام رعایا کا حال اس سے پوشیدہ نہ تھا راتوں کو گلیوں میں پاپیادہ گشت لگاتا تھا۔ اس سے رعایا اور عمال سب ڈرتے تھے"[3]

---

[1] ابن خلدون جلد ۹ صفحہ ۱۸۴ [2] تاریخ الخلفاء صفحہ ۳۱۳ [3] الفخری ص ۲۸۶

محکمۂ مخبر و پرچہ نگار ناصر نے مخبر اور پرچہ نگار کا ایک محکمہ قائم کیا۔ ہر شہر میں اس محکمہ کی طرف سے مخبر و پرچہ نگار مقرر تھے۔

علامہ سیوطی لکھتے ہیں :-

"روزانہ تمام بادشاہوں کی خبریں اُس کو پہنچ جاتی تھیں۔ شاہ مازندران کا ایلچی بغداد آیا۔ اُس کا پرچہ نگار اُس کے شبینہ افعال و اعمال کا پرچہ ہر صبح خلیفہ کو پہنچا دیتا تھا۔ ایلچی کو پتہ لگ گیا۔ اُس نے یہ حالات دیکھ کر اپنے تمام کام نہایت احتیاط سے پوشیدہ طور پر کرنے شروع کئے۔ مگر جتنا کام وہ پوشیدہ کرتا تھا اتنا ہی الناصر اُس کے واقعات پیشی پر اظہار کر دیتا۔ ایک دن ایلچی نے ایک بیسوا چور دروازہ سے بلوائی۔ رات بھر وہ پاس رہی۔ صبح اُس کا پرچہ لگ گیا جو لحاف اوڑھے ہوئے تھے اُس پر ہاتھی کی تصویر بنی تھی۔ خلیفہ کی خدمت میں جب ایلچی حاضر ہُوا تو خلیفہ نے اُس سے رات کی کیفیت بیان کر دی۔ ایلچی گھبرا گیا اور اُس کو کامل یہ یقین ہو گیا کہ خلیفہ کو علم غیب حاصل ہے[1]"

خوارزم شاہ کا ایلچی اپنے بادشاہ کا مخفی سربمہر خط لے کر آیا۔ ناصر لدین اللہ نے اُسے دیکھتے ہی کہہ دیا۔

"مجھے اس خط کا مضمون معلوم ہے تم واپس جاؤ اس کا جواب پہنچ جائے گا۔"[2]

سخاوت ایک شخص ہندوستان سے خلیفہ کے واسطے ایک طوطا لے کر چلا جو قل ھو اللہ احد پڑھتا تھا۔ راستہ میں ایک رات کو وہ مر گیا۔ اُس شخص کو بہت رنج ہُوا۔ اتنے میں اس کی قیام گاہ پر خلیفہ کا خادم آیا اور طوطا طلب کیا۔ وہ رو پڑا اور کہنے لگا وہ مر گیا۔ خادم نے کہا وہ مجھ کو دو اور اُس سے کہا

---

[1] تاریخ الخلفاء صفحہ ۳۱۴ [2] ایضاً۔

کہ تجھ کو کتنے انعام کی توقع تھی۔ اُس نے کہا۔ پانچ سو دینار کی۔
خادم نے وہیں پانچ سو دینار کمر سے کھول کر اُس کو دیئے اور کہا جس روز تُو ہندوستان سے چلا ہے۔ خلیفہ کو تیری آمد کی اطلاع ہوگئی تھی [1]

ذہبی کا بیان ہے کہ ناصر جب کھلتا تھا یعنی لیتا دیتا تو آسودہ حال کر دیتا تھا جب سزا دیتا تھا تو سخت سزا دیتا۔ [2]

ہیبت و جلال الناصر ہیبت و جلال کا خلیفہ تھا۔ اراکینِ سلطنت اور عمالِ حکومت ناصر سے لرزہ براندام رہا کرتے تھے۔ بغداد سے دُور ہند، مصریوں کے حکمران بھی ناصر سے خوف زدہ رہتے تھے۔
اعیانِ سلطنت ناصر کا ذکر خلوتوں میں بھی دھیمی آواز سے کرتے تھے۔

خُطبہ بنی عباس کے قلمرو کے علاوہ چین اور اسپین میں بھی اس کے نام کا خطبہ پڑھا گیا۔

خوش خلق، خوب صورت، فصیح اللسان، بلیغ البیان شخص تھا اس کے فرامین علم و ادب کے اچھے نمونے ہیں۔

ابن واصل کہتے ہیں :-

"ناصر نہایت شجاع، صاحبِ فکر اور عقل رسا تھا۔ پولٹیکل چالیں خوب چلتا"

ابن بخار کا بیان ہے :-

"ناصر کے پاس سلاطین آتے تھے اُس کی اطاعت قبول کرتے مخالف اس کے ہاتھوں ذلیل ہوتے اور اُس کی تلوار نے تمام سرکشوں کو سرنگوں کر دیا تھا۔ اس کا ملک اس قدر وسیع ہوگیا تھا کہ آخری خلفائے بنو عباس میں سے کسی کا نہ تھا" [3]

---

[1] تاریخ الخلفاء صفحہ ۳۱۲ [2] ایضاً [3] ایضاً ص ۳۱۳

درشتی مزاج وحرص دولت

ناصر میں خوبیاں زیادہ تھیں۔ مگر ایک درشت مزاجی اور حرص دولت نے اس کے اوصاف کو نمایاں نہ ہونے دیا۔ مؤرخین کہتے ہیں کہ حصولِ زر کے لئے اُس نے رعایا پر بعض اوقات بڑی زیادتی کی۔ نئے ٹیکس جاری کئے۔ مال وجائداد کے لئے سینکڑوں آدمیوں کو جیل میں بھر دیا۔ خراج کی مقدار غیر معمولی حد تک بڑھا دی۔ ابن اثیر نے لکھا ہے کہ ناصر کے ظلم سے عراق ویران ہو گیا۔ مگر اور کسی تاریخ سے اُس کا ثبوت نہیں ملا۔

مگر ناصر کے واقعاتِ زندگی بتاتے ہیں کہ ٹیکس رعایا سے لیتا اور رفاہِ عام میں خرچ کرتا تھا۔ خود اپنی ذات پر صرف نہ کرتا۔ لہو ولعب میں مُبتلا نہ تھا[1]

علمی ترقی

الناصر کے عہد میں بغداد علم وفضل کا مرکز بنا ہوا تھا۔ اُس کے عہد میں بڑے بڑے ائمہ کبار علوم وفنون کے تھے۔ شیخ الشیوخ شہاب الدین سہروردی، علامہ مرغینانی صاحب الہدایہ، قاضی خان صاحب الفتوٰی۔ ابوالفرج بن جوزی، عماد کاتب، امام فخر الدین رازی، نجم الدین کبریٰ، فخر الدین بن عساکر، ابوالقاسم البخاری العثمانی صاحب الجامع الکبیر جیسے علماء تھے۔ خود ناصر فاضل یگانہ تھا۔ الموفق عبداللطیف کا بیان ہے کہ وسط ایام خلافت میں ناصر کو تحصیل علم حدیث کا شوق ہوا۔ دور دور سے محدثین بلائے گئے۔ اُن سے حدیث پڑھی اور سُنی اور اجازت حاصل کی۔ پھر خود بہت سے بادشاہوں اور علماء کو اپنی طرف سے اجازت روایت حدیث دی۔ ایک کتاب میں ستر حدیثیں جمع کر کے حلب بھیج دیں۔

ذہبی نے ابن سکینہ، ابن الاحضر، ابن النجار، ابن دامغانی وغیرہ کو ان لوگوں میں بتلایا ہے جنہوں نے الناصر سے اجازت روایت حدیث حاصل کی ہے[2]

ناصر کے عہد میں مسلمان اقطاع عالم علمی چہل پہل میں لگے ہوئے تھے۔ نئی نئی گو حکمرانیاں

---

[1] تاریخ الخلفاء صفحہ ۳۱۳ [2] ایضاً صفحہ ۳۱۳۔

بن گئی تھیں مگر حکمران خود علم سے دلچسپی لیتے تھے۔ چنانچہ سارٹن لکھتا ہے :-

"اس دور میں دنیا کے اہم کاروبار مسلمان ہی چاروں طرف انجام دیتے تھے سب سے بڑا فیلسوف الفارابی مسلمان تھا سب سے بڑا ریاضی داں ابو کامل شجاع بن اسلم اور ابراہیم بن سنان مسلمان تھا سب سے بڑا جغرافیہ نویس اور عالم متبحر المسعودی مسلمان تھا۔ سب سے جیّد مؤرخ الطبری مسلمان تھا۔ یہ سچ ہے کہ سب سے بڑا فاضل طبیب اسحاق اسرائیلی مسلمان نہ تھا لیکن عربی بولنے والا اور حکمائے اسلام کا شاگرد ضرور تھا"

رفاہِ عام ناصر نے رعایا کے لئے فلاح و بہبود کے بھی بہت سے کام انجام دیئے۔

ابن طقطقی کا بیان ہے :-

"اس کے کارِ خیر اور اوقاف حدِ شمار سے باہر ہیں اس نے بکثرت مسجدیں، خانقاہیں اور مسافر خانہ بنوائے" [1]

علمائے عہدِ ناصر حافظ ابو طاہر سلفی۔ ابوالحسن بن القصار اللغوی، کمال الدین ابوالبرکات بن الانباری۔ شیخ احمد بن رفاعی زاہد، ابن بشکول یونس، وہبی، یونس شافعی، ابوبکر بن طاہر الاحدب النحوی، ابوالفضل درافعی، ابن ملکون نحوی، عبدالحق الیشلی صاحب الاحکام، ابو زید السہیلی صاحب الروض الانف، حافظ ابوموسیٰ المدینی، ابن بری اللغوی، حافظ ابوبکر الحازمی، شرف بن ابی عصرون، ابوالقاسم البخاری عثمانی صاحب جامع الکبیر، نجم الحیولی المشہور بالصلاح، ابوالقاسم بن خیرۃ الشاطبی صاحب العقیدہ، فخرالدین ابوشجاع، محمد بن علی بن شعیب بن الامام الفرضی (واضع جدول فرائض) عبدالرحیم بن حجون الزاہد، ابوالولید بن رشید صاحب العلوم الفلسفیہ جمال بن فضلان شافعی، قاضی صاحب

---

[1] الفخری صفحہ ۲۸۰۔

الانشاء والترسل، شہاب طوسی ابوالفرج بن الجوزی، عماد الکاتب، ابن عظیمۃ المقری، حافظ عبدالغنی المقدسی صاحب العمدہ، رکن الطاؤس صاحب الخلاف شمیمی الحلی ابوذر الخشنی النحوی، امام فخر الدین رازی، ابوالسعادات ابن اثیر صاحب جامع الاصول ونہایت الغرب، عماد بن یوسف صاحب الشرح الوجیز، شرف صاحب التنبیہ، حافظ ابوالحسن بن المفضل، وجیہ الامان النحوی، ابوالیمین الکندی النحوی، معین الحاجری صاحب کفایہ شافعی، ابوالبقا العکبری صاحب الاعراب، عبدالرحیم بن سمعانی، نجم الدین کبریٰ، موفق الدین قدامۃ الحنبلی، فخر الدین بن عساکر۔

فقہاء ومحدثین علی بن ابراہیم ناصر الدین ابوعلی غزنوی، اصولی وفقیہ ومفسر مؤلف شارع مع شرح منابع ۵۸۲ھ میں فوت ہوئے۔

احمد بن محمد بن عمر ابوالنصر زاہد الدین عتابی بخاری عالم زاہد مؤلف بسیط شرح زیادات عتابی فتاویٰ عتابیہ ۵۸۶ھ میں انتقال ہوا۔

عماد الدین بن شمس الائمہ بکر زرنجری فقیہ ۵۸۴ھ میں فوت ہوئے۔

احمد بن محمد بن عمر ابوالنصر زاہد الدین عتابی علاء الدین شاگرد علاء الدین محمد سمرقندی مؤلف تحفۃ الفقہا، سلطان المبین فی اصول الدین۔ ۵۸۶ھ میں وفات ہوئی۔

احمد بن محمود بن ابوبکر صالونی فقیہ فاضل ہدایہ وکفایہ ومختصر ہدایہ تالیف کیں۔ شمس الائمہ کردری آپ کے شاگرد تھے۔ ۵۹۰ھ میں انتقال کیا۔

مطہر بن الحسین بن سعد قاضی القضاۃ جمال الدین یزدی کے خاندان سے تھے جامع صغیر زعفرانی کی شرح تہذیب نام لکھی اور مشکل الآثار طحاوی اور نوادر ابوللیث کو ملخص کیا۔ علامہ سیوطی نے حسن المحاضرہ میں لکھا ہے کہ آپ کے تحت میں بارہ ۱۲ مدارس تھے۔ ۵۹۱ھ میں فوت ہوئے۔

محمد بن عمر بن عبداللہ نیشاپوری شیخ ابوبکر رشید الدین امام فقیہ مؤلف فتاوےٰ رشید الدین ۵۹۷ھ میں انتقال ہوا۔

احمد بن محمد بن محمد خطیب خوارزم موفق الدین شاگرد نجم الدین نسفی و جار اللہ زمخشری ۵۹۸ھ میں وفات پائی۔

علی بن احمد بن مکی حسام الدین رازی مؤلف شرح قدوری (خلاصۃ الدلائل و تنقیح المسائل ۵۹۸ھ میں فوت ہوئے۔

محمود بن عبید اللہ بزدوی کتاب عون یادگار ہے ۶۰۶ھ میں فوت ہوئے۔

سعید بن سلمان کندی علمائے اعلام سے تھے۔ تالیف ارجوزۃ الحدیث مسمی شمس المعارف و انس العارف ہے۔ ۶۱۶ھ میں فوت ہوئے۔

محمد بن احمد بن عمر بخاری ظہیر الدین شاگرد شیخ حسن بن علی ظہیر الدین مرغینانی فتاویٰ ظہیریہ یادگار سے ہے ۶۱۹ھ میں وفات پائی۔

بدیع بن منصور قرینی، مفسر، فقیہ شاگرد نجم الدین نجم الائمہ بخاری مؤلف مشیختہ الفقہاء ۶۲۰ھ میں انتقال ہوا۔ سیواس میں دفن ہوئے۔

علامہ عیسیٰ بن ملک عادل سیف الدین ابوبکر فنون فقہ اور حدیث بلاغت وغیرہ کے ماہر تھے۔ آٹھ برس مصر تک بادشاہ رہے شاگرد جلال الدین محمود حصدی اپنے وقت میں علماء کے بڑے قدر دان بہت سی کتابیں جمع کیں۔

ان کے عہد میں لغت جامع کبیر، مجموعہ صحاح و جمہرہ ابن درید لکھی گئی۔ ترتیب مسند احمد بالواب فقہ والسہم المصیب فی الرد علی الخطیب وغیرہ لکھی گئیں خود جامع کبیر امام محمد کی شرح ضخیم لکھی۔ علاوہ اس کے کتاب عروض یادگار سے ہے ۶۲۴ھ میں انتقال کیا۔

ابوالحسن علی بن اسعد بن رمضانی الاستانی المقری الخیاط حدیث کی سماعت ابی الفتح محمد بن عبد الباقی بن احمد بن احمد بن سلمان سے کی۔ ماہ ربیع الاول ۶۰۲ھ میں وفات پائی [1]

---

[1] معجم البلدان جلد ا صفحہ ۲۲۳۔

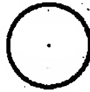
الحسن بن احمد الہمدانی یمن کا رہنے والا تھا۔ جغرافیہ سے دلی لگاؤ رکھتا تھا۔ اُس نے آثارِ قدیمہ کی بڑی تحقیق کی۔ الاکلیل اور صفت جزیرۃ العرب مشہور و معروف اس کی یادگار ہیں۔ حکومت نے اُن کو کسی وجہ سے قید کر دیا۔ چنانچہ صنعا کے محلس میں ۳۳۴ھ ۹۴۵ء میں انتقال کیا۔

حسن بن منصور بن محمود اوزجندی فخر الدین قاضی خان شاگرد محمود بن عبدالعزیز تالیفات میں فتاویٰ قاضی خان و شرح زیادات معروف ہیں۔ ۵۹۲ھ میں فوت ہوئے۔

یوسف بن حسین بن عبداللہ بدر ابیعض شاگرد برہان بلخی دمشق میں ۵۹۲ھ میں فوت ہوئے۔

علی بن احمد بن مکی حسام الدین رازی مفتی مذہب حنفیہ مؤلف شرح قدوری ۵۹۸ھ میں انتقال ہوا۔[1]

مظفر بن یوسف الارموی ادیب زمانہ سے تھے۔ اس کا لڑکا یونس فاضل اور کاتب تھا جو ناصر کے دربار سے متعلق تھا۔[2]



۱؎ مقدمہ فتاویٰ ہندیہ (عالمگیری)

۲؎ معجم البلدان صفحہ ۲۰۳۔

خلیفہ ظاہر بامر اللہ

نام و لقب ابونصر محمد بن ناصر الملقب بہ ظاہر بامر اللہ ۵۷۱ھ میں پیدا ہوا۔

تعلیم و تربیت فاضل باپ کے خلف ارشد تھے۔ تعلیم و تربیت شاہانہ طور سے ہوئی۔ اپنے والد سے روایت حدیث کی اجازت پائی اور اُن سے ابوصالح بن نصر بن عبدالرحمٰن بن حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی نے روایت کی[1]

خلافت ناصر کی وفات کے بعد پہلی شوال ۶۲۲ھ کو ابونصر محمد تختِ خلافت پر رونق افروز ہوئے۔ عمر اس وقت ۵۲ سال کی تھی۔ لوگوں نے کہا۔ آپ فتوحات کی طرف توجہ کیوں نہیں دیتے۔ آپ نے فرمایا۔ میرا کھیت تو سوکھ چکا ہے۔ بیکار طمع سے کیا فائدہ ہے؟ لوگوں نے کہا کہ خدا آپ کی عمر میں برکت دے گا۔ جواب دیا کہ جس شخص نے شام کو دکان کھولی وہ خاک کمائے گا۔[2]

عدل و انصاف ابن کثیر کا بیان ہے کہ الظاہر تختِ خلافت پر بیٹھے تو اتنا عدل و احسان کیا کہ پچھلے دو خلفاء نے بھی نہ کیا تھا۔ اگر یہ کہا جائے کہ بعد حضرت عمر بن عبدالعزیز کے بعد ان جیسا کوئی خلیفہ نہیں ہوا تو بالکل صحیح ہے۔ جتنے اموال و املاک اُن کے باپ دادا نے ضبط کئے تھے یا کام میں لائے تھے، مستحقین کو واپس کر دیئے۔ نئے ٹیکس تمام معاف کر دیئے اور حکم دیا کہ جو قدیم میں خراج تھا وہی قائم رہے۔ ایک دفتر کا افسر واسط سے آیا۔ اُس کے

---

[1] تاریخ الخلفاء صفحہ ۳۱۸ [2] ایضاً۔

پاس ایک لاکھ دینار سے زیادہ تھے جو ظلم سے اُس نے پیدا کئے تھے۔ خلیفہ نے کہا۔ یہ تمام مال مستحقین کو واپس کر دو۔ جو لوگ قرضہ کی علّت میں تھے اُن کو رہا کر دیا اور قاضی کو دس ہزار دینار بھیج دیئے کہ اُن کا قرضہ اُتار دیا جائے۔

سخاوت عید الاضحیٰ کے روز علماء و صلحاء کو ایک لاکھ دینار تقسیم کر دیئے۔ اس تمام روپے میں ایک حبہ ایسا نہ تھا کہ کسی سے زبردستی یا خلافِ رضامندی وصول کیا گیا ہو۔

سبط ابن جوزی کا بیان ہے کہ:۔

"ایک روز الظاہر خزانہ کی طرف آ نکلے۔ اُن کے غلام نے کہا کہ یہ خزانہ آپ کے والد کے وقت کا ہے اور بھرپور ہے۔ آپ نے فرمایا کہ آخر میں کیا تدبیر کروں کہ یہ خزانہ پھر بھر جائے۔ مجھے تو اس کو خدا کی راہ میں خرچ کر کے خالی کرنا آتا ہے۔ جمع کرنا سوداگر کا کام ہے"[1]

وفات ظاہر نے نو مہینے فرائضِ خلافت انجام دے کر ۱۵ رجب ۶۲۳ھ کو وفات پائی[2]

علامہ ابن خلدون لکھتے ہیں کہ اس نے قبل وفات بخط خاص ایک فرمانِ وزیر کو لکھا تھا جو ارکینِ دولت کے روبرو پڑھا گیا۔

وزیر نے تمام اراکینِ سلطنت کو جمع کیا تو خلافت مآب کے قاصد نے کھڑے ہو کر کہا۔

"امیر المؤمنین فرماتے ہیں کہ ہماری غرض یہ نہیں ہے کہ صرف اس قدر کہنے پر اکتفا کیا جائے کہ دربارِ خلافت سے یہ فرمان آیا ہے یا یہ حکم صادر ہوا ہے بعد اس کے اس کا کوئی اثر کہیں محسوس نہ ہو بلکہ اس زبانی گپ شپ کو چھوڑ دو اور اس پر عملدرآمد کرو"

---

[1] تاریخ ابن خلدون جلد ۹ صفحہ ۱۸۵ [2] تاریخ الخلفاء صفحہ ۳۱۹۔

قاصد اس قدر کہہ کے خاموش ہو گیا۔ فرمان کھولا گیا تو اس میں بعد بسم اللہ کے لکھا ہوا تھا :-

توقیع عام

آگاہ ہو جاؤ کہ ہماری یہ تاخیر مہمل اور بے کار نہیں ہے اور نہ ہماری یہ چشم پوشی غفلت پر مبنی ہے بلکہ ہم لوگوں کو جانچتے ہیں کہ تم لوگوں میں سے کوئی شخص اچھا کار گزار ہے۔ اس سے پیشتر ویرانی ملک، بربادی رعایا، تخریب شریعت کی کارروائیاں جو ظہور پذیر ہو چکی ہیں اور نیز براہِ مکر و فریب جو جھوٹی باتوں کو سچائی کے لباس میں ظاہر کیا کرتے تھے اور بیخ کنی و ہلاکتِ رعایا کو حق رسی و دادرسی سے تعبیر کرتے تھے ہم نے ان سب تمہارے افعال ذمیمہ و حرکاتِ قبیحہ سے درگزر کیا۔ افسوس ہے کہ تم نے اس فرصت کے وقت کو مغتنمات سے شمار کر کے خوفناک اور مہیب شیر کے پنجوں اور دانتوں کی طرح سے خلق اللہ کو چیر پھاڑ ڈالا تم لوگ ایک ہی بات کو بالفاظ مختلفہ کہا کرتے ہو۔ حالانکہ تم علمِ خلافت کے امین اور معتمد علیہ ہو۔ تم لوگ اپنی خواہشات کی طرف خلافتِ مآب کی رائے کو مائل کر لیتے ہو اور حق و باطل کو ملا جلا دیتے ہو۔ اس سے بہ مجبوری تمہاری رائے سے موافقت کی جاتی ہے۔ بظاہر مطیع اور فرمانبردار ہو لیکن حقیقت میں تم حد درجہ کے نافرمان اور متمرد ہو۔ صورۃً موافقت کا پیرایہ اختیار کرتے ہو اور حقیقتاً پورے پورے مخالف اور سرکش ہو۔

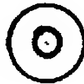
الحمد للہ کہ اب اللہ سبحانہٗ نے تمہارے خوف کو امن سے، محتاجی کو غنا سے اور باطل کو حق سے تبدیل کر دیا اور ایک ایسا فرمانبردار خلیفہ تم کو عنایت کیا ہے جو تمہارے عذرات کو قبول کرے گا اور اس شخص سے مواخذہ اور انتقام لے گا جو اپنی خطاؤں پر مصر ہو گا اور اپنی

حرکات نامعقول سے باز نہ آتا ہو گا۔

امیر المومنین تم کو عدل و انصاف کرنے کا حکم دیتے ہیں اُس کا یہی مقصد ہے کہ تم لوگ ہمیشہ عدل و انصاف سے رہو اور بے جا ظلم کارسوائی سے احتراز کرتے رہا کرو۔ امیر المومنین کو ظلم و ستم بے حد ناگوار اور ناپسند ہے کیونکہ اللہ تعالےٰ اُس سے ناراض ہوتا ہے اور اس کی ناراضی سے امیر المومنین خائف و ترساں ہیں۔

اُمید کی جاتی ہے کہ اللہ تعالےٰ تم لوگوں کو اپنی اطاعت کی ترغیب و توفیق دے گا۔

پس اگر تم نے وہ راستہ اختیار کیا جو ملک میں اللہ تعالےٰ میں اس کے نائبوں اور امینوں کا ہے تو نورٌ علیٰ نور ورنہ یاد رکھو کہ ہلاک و تباہ ہو جاؤ گے" [1]



---

[1] ابن خلدون جلد ۹ صفحہ ۱۸۷۔

خلیفہ مستنصر باللہ

ابوجعفر منصور مستنصر باللہ بن ظاہر بامراللہ ایک ترکیہ ام ولد کے بطن سے ۵۸۸ھ میں پیدا ہوا۔

خلافت مستنصر ۱۴ رجب ۶۳۲ھ / ۱۲۲۶ کو سریر آرائے تخت خلافت ہوا۔ یہ بھی باپ کے نقشِ قدم پر چلا۔ رعایا میں عدل پھیلایا اور مقدمات میں انصاف کیا۔ اہلِ علم و دین کو اپنا مقرب بنایا۔ دین کو مضبوط کیا۔ متمردین کا قلع قمع کیا۔ سُنّت کو رواج دیا۔ فتنوں کو مٹایا۔ لوگوں کو سُنّت کی طرف مائل کیا اور جہاد میں تندہی کی۔ نصرتِ اسلام کے لئے لشکروں کو جمع کیا۔ سرحد کی حفاظت کی اور بہت قلعے فتح کئے۔ آگے جا کر نظام بگڑ گیا۔ کیونکہ خلافت سنبھل نہ سکی۔ اس کے سامنے امرائے دولتِ عباسیہ خودسری کرنے لگے۔

علامہ ابن خلدون لکھتے ہیں :-

> "اس نے بھی اپنے مرحوم باپ کا رویہ اختیار کیا مگر یہ کہ اس کے عہدِ خلافت میں شیرازۂ حکومت درہم برہم ہو گیا۔ خراج کم ہو گیا۔ صوبجات بٹ گئے۔ ان وجوہات سے لشکریوں کی تنخواہیں ادا نہیں ہو سکتی تھیں اور نہ اُن کے وظائف دیئے جا سکے۔ مجبوراً لشکر کا حصۂ کثیر موقوف اور تخفیف کر دیا جس سے بے حد تغیرات وقوع میں آئے۔"[۲]

تاتاری تغلب و استیلا بڑھتا آرہا تھا۔ انہوں نے بلادِ روم کو غیاث الدین کیخسرو آخری بادشاہ بنی قلج ارسلان کے قبضہ سے نکال لیا اور اس کے بعد انہوں

---

[۱] تاریخ الخلفاء صفحہ ۳۲۰ [۲] ابن خلدون جلد ۹ صفحہ ۱۹۷ ۔

نے بلادِ ارمینہ کو تاخت و تاراج کر دیا۔ غیاث الدین نے تاتاریوں سے امن طلب کی انہوں نے اپنی طرف سے بلادِ روم پر اس کو مقرر کیا۔[1]

خلیفہ مستنصر باللہ دارالخلافت بغداد میں انہی بلاد پر حکمرانی کر رہا تھا۔ جو گورنران صوبجات اور اطراف و جوانب کے والیان ملک کے دستبرد اور قبضہ و تصرف سے بچ رہے تھے۔ مگر زیادہ دن نہ گزرنے پائے کہ ان صوبوں پر تاتاریوں کا قبضہ ہو گیا اور انہوں نے والیان ملک کو زیر کر کے ان کی دولتوں اور حکومتوں کا نام صفحۂ ہستی سے محو کر کے دارالخلافت بغداد کو تاخت و تاراج کرنے کی غرض سے آگے بڑھے۔[2]

جلال الدین شاہ خوارزمی جلال الدین کا اقتدار عراق، فارس، گرجستان، آذربائیجان اور خلاط وغیرہ پر قائم ہو گیا۔

اکتائی خان نے اس کے انسداد کی طرف توجہ کی ۶۲۴ھ میں چنگیز خاں مر چکا تھا اس کے بیٹے اپنے اپنے علاقے کی توسیع میں لگ گئے۔ چنانچہ اکتائی نے امیر جرماغون کو اسی ہزار فوج کے ساتھ جلال الدین کے مقابلہ کے لئے روانہ کیا۔[3]

جلال الدین خلاط تھا اسے خبر لگی اس نے خلافت مآب اور شام کے امراء کو مدد کے لئے لکھا مگر کسی نے معاونت نہ کی۔ تاتاری خلاط پہنچے۔ یہ آمد گیا۔ یہاں بھی فوج تاتاری آ گئی۔ یہ کوہستانی علاقہ میں روپوش ہوا۔ ایک کرد نے اس کا تلوار سے کام تمام کر دیا۔ اس کے مرتے ہی خوارزمی حکومت ختم ہو گئی۔ تاتاری جلال الدین کے علاقہ پر قابض ہو گئے تو عباسی سرحد پر یورش کی مگر مستنصر کی فوجوں نے پسپا کر دیا۔[4]

علمی ذوق مستنصر خانوادہ بنی عباس کا چشم و چراغ تھا۔ اسلاف سے ورثہ میں علومِ دینی پائے تھے۔ خود عالم اور علماء کا قدر دان تھا۔

---

[1] ابن خلدون جلد ۹ صفحہ ۱۸۷ (تاریخ دعاۃ) [2] ایضاً [3] تجربۃ الامصار و تجزیۃ الاعصار [4] ابن خلدون جلد ۳ صہ ۵۳۲۔

مدرسہ مستنصر باللہ ابن واصل نے لکھا ہے کہ مستنصر نے دجلہ کے کنارے شرقیہ پر ایک مدرسہ بنایا کہ اس سے بہتر دنیا میں نہ ہوگا۔ اس میں چاروں مذہبوں کے واسطے چار مدرس مقرر ہوئے۔ مدرسہ سے متعلق شفاخانہ اور فقراء کے لئے باورچی خانہ بنوایا اور اُن کے استعمال کے لئے مکان، چارپائی بستر، چراغ، تیل وغیرہ اور ٹھنڈے پانی کا انتظام کیا۔ نیز حمام اور خدمت گار بھی اُن کے لئے مقرر تھے۔ ایسا مدرسہ دنیا میں نہ تھا۔

ذہبی کہتے ہیں کہ اس مدرسہ کی عمارت کی تعمیر ۶۲۵ھ میں شروع ہو کر ۶۳۰ھ میں ختم ہوئی۔ اس مدرسہ سے متعلق ایک عظیم الشان کتب خانہ بھی تھا جس میں ایک سو ساٹھ اونٹوں پر لاد کر نہایت نفیس نایاب کتابیں آئیں اور کتب خانہ میں رکھی گئیں۔ دو سو اڑتالیس فقیہ طالب علم روزانہ کتب کا مطالعہ کرتے تھے۔

مدرسہ میں چار مدرس حدیث، نحو، طب و فرائض کے علیحدہ علیحدہ تھے۔ ان کے کھانے پینے کا اہتمام بھی تھا۔ یہاں یتیموں کے لئے بھی انتظام تھا۔ مستنصر نے مالِ کثیر اس کے لئے وقف کیا تھا جس میں کثیر التعداد گاؤں تھے۔

مدرسہ کا بروز پنجشنبہ ماہ رجب ۶۳۱ھ میں افتتاح ہوا۔ عمائد ملک شریک تھے[1] ۶۲۸ھ میں ملک اشرف نے دار الحدیث اشرفیہ قائم کیا جس کی تکمیل ۶۳۰ھ میں ہوئی۔

سکہ مستنصر نے سونے کے درہم مسکوک کرائے تاکہ سونے کے چھوٹے ٹکڑوں کا چلن موقوف کر دیا جائے۔

قضاۃ ۶۳۵ھ میں قاضی شمس الدین احمد الخونی قاضی دمشق کئے گئے۔ ۶۳۷ھ میں شیخ علیٰ الدین بن عبد السلام کو عہدۂ خطابت دمشق کا ملا۔

---

[1] تاریخ الخلفاء صفحہ ۳۲۱ [2] ایضاً صفحہ ۳۲۲۔

آثارِ خیر | مستنصر نے مساجد، سرائیں، مدارس شفاخانہ کثرت سے اپنے قلمرو میں بنوائے[1]

وفات | مستنصر نے ۱۰؍ جمادی الآخر بروز جمعۃ المبارک ۶۴۰ھ کو انتقال کیا۔

ہمعصر علماء | ابوالقاسم الرافعی جمال المصری، سکاکی صاحب المفتاح، حافظ ابوالحسن بن القطان یحییٰ بن معطی صاحب الفیہ، موفق عبداللطیف بغدادی، حافظ ابوبکر بن نقطہ، حافظ عزیز الدین علی بن اثیر صاحب التاریخ والانساب و اسدالغابہ سیف الامدی۔ ابن فضلان، عمر بن الفارض شیخ الشیوخ شہاب الدین سہروردی ابوعمرو حافظ زکی الدین برزانی، شمس الجونی حافظ ابوعبداللہ دیلینی ابن عربی صاحب فصوص وغیرہ[2]

یاقوت حموی | یاقوت بن عبداللہ الحموی ۵۷۴ھ/۱۱۷۹ء میں پیدا ہوا۔ کم سنی میں اس کو حماء کے ایک تاجر نے خرید کر تعلیم و تربیت دلائی۔ بعد کو اپنا سفری منشی بنا کر آزاد کر دیا۔ یاقوت جابجا پھر کر مخطوطات کی نقل کرتا اور اس کو فروخت کر کے ضروریات پوری کرتا۔ ۱۲۱۹ء میں تاتاری فوجوں نے خوارزم کو تاراج کیا تو یہ وہاں سے جان بچا کر بھاگا۔ ۱۲۲۴ء میں حلب آیا اور یہیں معجم البلدان لکھی۔ اس کی دوسری تصنیف معجم الادباء ہے۔ حلب میں ۱۲۲۹ء ۶۲۶ھ میں فوت ہوا۔

ایوبی خاندان

سلطان صلاح الدین کے بعد اس کے لڑکوں نے جہاں تھے وہیں حکومت

---

[1] تاریخ الخلفاء صفحہ ۳۲۲ [2] ایضاً۔

قائم کر لی۔ عزیز نے مصر میں افضل نے دمشق میں اور ظاہر غازی نے حلب میں مستقل حکومتیں قائم کر لیں۔ ۵۹۲ھ میں ملک العادل نے مصر و دمشق پر قبضہ کر لیا۔ ۶۱۵ھ میں عادل فوت ہوا۔ تو اس نے مصر پر اپنے لڑکے الملک الکامل کو حاکم کیا۔ دمشق، قدس طبریہ اردن اور کرک کا علاقہ معظم عیسیٰ کو دیا۔ خلاط و جزیرہ اشرف موسیٰ کو رہا، شہاب الدین غازی کو جوبر کا قلعہ ارسلان شاہ کو عطا کیا۔ معظم کے بعد اس کا لڑکا داؤد جانشین ہوا۔

مصر کے حاکم الملک کامل کے بعد عادل بن کامل ہوا۔ اس کے بعد اس کا بھائی الملک صالح مصر کا حکمران بنا۔ ۶۴۷ھ میں اس کا انتقال ہو گیا۔ اس کا لڑکا توران الملقب بہ الملک المعظم ۶۴۸ھ میں قتل ہوا تو اس کی ماں شجرۃ الدر حکمران رہی جس نے امیر معز الدین ایبک جاشنیگر ترکمانی سپہ سالار سے عقد کر لیا اور اس کو مصر کا حاکم بنا دیا۔ مگر بحری امراء موسیٰ بن یوسف ایوبی الملقب بہ الملک الاشرف فرمانروائے یمن کو لا کر مصر کا تخت نشین کیا اور امیر معز الدین کارپرداز سلطنت رہا۔ شجرۃ الدر نے اس کو قتل کرا دیا۔ اس کا لڑکا نور الدین علی تخت نشین ہوا۔ اس کے بعد سیف الدین قطر اور اس کے بعد ملک الظاہر بیبرس بندقنداری تختِ مصر پر بیٹھا۔

دولت قرختائیہ

قرختائیوں کی قوم کرمان میں زور پکڑ گئی تھی۔ جلال الدین کے وقت میں براق صاحب امرائے دولت میں تھا۔ جلال الدین کی سلطنت زائل ہوئی تو اس نے کرمان میں ایک چھوٹی سی سلطنت کی بنیاد ڈالی جس میں مندرجہ ذیل سلاطین حکمران ہوئے:

"رکن الدین خواجہ حق ابن براق حاجب۔ قطب الدین محمد سلطان۔
عصمۃ الدین۔ قتلق ترکان۔ جلال الدین سیورغتمش صفوت الدین بادشاہ

خاتون۔ سلطان مظفرالدین محمد شاہ۔ قطب الدین شاہ جہاں۔ عصمۃ الدین اور صفوۃ الدین، یہ دو عورتیں تھیں۔ صفوۃ الدین بڑی حسینہ، شاعر اور عاقلہ تھی۔ اس کی ایک رباعی نقل کی جاتی ہے [1]

آں روز کہ از ازل نشانش کردند — آسائش جاں بیدرانش کردند
دعویٰ لب نگار میکرد نبات — زاں روسیہ چوب ور دہانش کردند

جلال سیورغتمش نیکنام بادشاہ تھا، مظفرالدین کے وقت میں مولانا فخرالدین کو لوگوں نے قتل کیا۔ قطب الدین کے عہد سلاطین مغل کے کسی گورنر نے قطب الدین سے کرمان نکال لیا اور اس طرح قرختائیوں کا ۷۰۳ھ میں خاتمہ ہو گیا۔ اس کے بعد ملک السلام ناصر کو کرمان کی حکومت ملی اور کچھ روز تک مختلف حکام کی آمدورفت سے کرمان خراب ہو کر امیر مبارز الدین محمد بن مظفر کو جو ماں کی طرف سے قرختائی تھا، حکومت کرمان کی ۷۴۱ھ میں ہاتھ آئی۔

مبارز الدین محمد کے عہد میں شیخ ابواسحاق اور شیخ شجاع دو بڑے شخص تھے مبارزالدین ان دونوں سے برابر لڑتا رہا۔

مبارزالدین کی حکومت سندھ سے شام تک قائم ہو گئی تھی۔ یہ بڑا زبردست بادشاہ تھا۔ پھر اس کے بعد شیخ جلال الدین شاہ، شجاع کے لقب سے تخت پر بیٹھا۔ اس کے بعد مجاہد بن زین العابدین، عمادالدین احمد، نصرت الدین یحییٰ، ایک ساتھ مختلف مقامات پر حکمران ہوئے اور اسی زمانہ میں تیمور کا عہد شروع ہوا۔ چنگیز خاں نے تو لوٹ مار کر اپنا راستہ لیا تھا لیکن تیمور کے بعد اسلامی سلطنت ایک نئے طور سے قائم ہوئی۔



---

[1] تاریخ اسلام علامہ ابوالفضل عباسی صفحہ ۲۹۷۔

خلیفہ مستعصم باللہ

نام ونسب مستعصم باللہ ابواحمد عبداللہ بن المستنصر باللہ سنہ ۶۰۹ھ میں ہاجر کے بطن سے پیدا ہوا۔

تعلیم و تربیت ابن نجار، موید طوسی، ابدروح ہروی، النجم البادرای، شرف الدیاملی سے اجازت روایت حدیث حاصل کی[۱]۔ علمی استعداد معقول تھی۔

خلافت امیر دیودار اور امیر شرابی اراکین سلطنت نے ابواحمد عبداللہ کو خلیفہ بنایا۔ باوجودیکہ اس کا بھائی خفاجی عباسی قابلیت اور اہلیت بھی اس سے فائق تھا اور وہی زیادہ خلافت کا مستحق تھا۔ ان امراء نے اپنے مفاد کو زیادہ ملحوظ رکھا۔

ابواحمد جمادالثانی سنہ ۶۴۰ھ میں تخت نشینِ خلافت ہوا اور مستعصم باللہ لقب اختیار کیا۔

اس کے زمانے میں تولی خاں کی سلطنت کو وسعت ہوتی جارہی تھی جس کا ذکر آگے آتا ہے۔

خلیفہ نہایت مطمئن تھا اسے تاتاریوں سے تشویش نہ تھی۔ وہ سمجھتا تھا کہ تاتاری بغداد پر حملہ نہ کریں گے۔ اس غفلت سے دشمن نے فائدہ اٹھایا اور اُس کی قوت مجتمع ہوتی رہی جس نے مستقبل میں کوہ آتش فشاں بن کر بغداد کو لپیٹ میں لے لیا۔

---

[۱] تاریخ الخلفاء ذکر مستعصم باللہ۔

وزارت مؤیدالدین محمد بن علقمی شیعی سرپرست ابی حدید معتزلی شارح نہج البلاغہ کو وزارت پر سرفراز کیا۔ بڑا عاقل اور فرزانہ لیکن اس کی طینت خراب تھی۔ بڑا بےفیض و ناقابلِ اعتبار تھا[1] تھوڑے ہی عرصہ میں مستعصم پر علقمی حاوی ہوگیا۔ جس کا نتیجہ عباسی حکومت کی تباہی و بربادی کی صورت میں ظاہر ہوا[2]

تاتاری حکمراں چنگیز کا دوسرا لڑکا تولی خاں جو سب بھائیوں میں چھوٹا تھا۔ چنگیز کے بعد دو سال ۶۲۴ھ سے ۶۲۶ھ تک حکومت کرتا رہا۔ اس کے بعد اوکتا قان تین سال حکمران رہا۔ اس کا لڑکا کھوک خاں نابالغ تھا تو اس کی ماں ملکہ تورا کنیا خاتون چودہ سال ۶۲۹ھ سے ۶۴۳ھ تک تخت چنگیزی پر بیٹھی۔ اس کے بعد منگو خاں پسر تولی خاں نے تختِ حکومت سنبھالا۔ قوبلا خاں کو ملک ختا پر قبضہ کرنے کو بھیجا۔ ۶۵۵ھ میں منگو خان مر گیا تو سلطنت چنگیزی چند حصص میں بٹ گئی۔

۱۔ اریغ بوکا پسر تولی پسر چنگیز خاں نے دارالخلافہ قراقورم پر قبضہ کیا۔

۲۔ آلغو پسر بائیداد خاں پسر چغتا پسر چنگیز خاں نے المالیغ میں اپنی علیحدہ سلطنت قائم کی۔

۳۔ قوبلا خاں پسر تولی خاں پسر چنگیز نے بالیع (پیکن) کو دارالسلطنت قرار دے کر علیحدہ حکومت کرنی شروع کر دی۔

۴۔ قیدو پسر قاشی پسر اوکتا قان پسر چنگیز نے یاسائے چنگیزی کے مطابق خود کو جائز وارث خیال کر کے علیحدہ حکومت کرنے لگا۔ بخارا کو اس نے دارالسلطنت اپنا بنایا۔

۵۔ صائن خاں پسر توشی پسر چنگیز اس وقت روس، جرمنی، پولینڈ اور آسٹریا کی

---

[1] الفخری ص ۲۹۰ [2] ابوالفداء جلد ۳ صفحہ ۱۷۱۔

فتح میں مشغول تھا۔ اس نے اس طرف اپنی حکومت قائم کر لی۔ اس کا دار الخلافہ مرقیق تھا۔

ہلاکو خاں ہلاکو خان بن تولی خاں بن چنگیز کا بھائی منگو خاں ۱۲۵۱ء میں تخت نشین ہوا جس کا ذکر مختصر آچکا ہے۔ اُس نے خاقان کا لقب اختیار کیا۔ جلوس کے چند سال بعد بعض بدنظمیوں کی بنا پر باطنیوں نے ایران میں بغاوت کر دی تھی۔ منگو خاں نے ایک لشکرِ جرّار اپنے بھائی ہلاکو خان کی سرکردگی میں روانہ کیا۔ ہلاکو خان نے سمرقند سے گزر کر دریائے اکیس کو عبور کیا اور براہ بلخ کوہستان پر حملہ کر دیا۔ باطنیوں کا حاکم رکن الدین گرشاہ ثانی ہلاکو کا مقابلہ نہ کر سکا اور اُس نے اطاعت قبول کر لی اور ہلاکو کے کہنے سے اپنے تمام کوہستانی علاقہ کے پچاس قلعے منہدم کرا دیئے جس سے حسن بن صباح کی یادگار حکومت ختم ہو گئی۔

یہاں جس قدر باطنی آباد تھے عورت و مرد سب کو ہلاکو نے تہ تیغ کر دیا۔ آخر میں رکن الدین کو بھی قتل کرا دیا۔ یہاں سے فارغ ہو کر خود منگو خاں کے مرنے کے بعد حکومت ہاتھ میں لی۔

مراغہ کو دار الخلافہ قرار دے کر ایران و عراق پر اقتدار قائم کیا۔ اس کا وزیر مشہور فلسفی خواجہ نصیر الدین طوسی تھا۔ اس کے علاوہ اور بھی ارکانِ سلطنت تھے جن میں سے علاء الدین اور شمس الدین محمد جوینی کو عراق، خراسان اور مازندران کا حاکم بنایا تھا۔

علقمی کی تمنّا علقمی کو حکومت بنی فاطمہ مصر کے خاتمہ کا بڑا صدمہ تھا۔ وہ یہ چاہتا تھا کہ دولتِ بنی عباس کو مٹا کر پھر کسی بنی فاطمہ کو برسرِ اقتدار لایا جائے۔ تاتاریوں سے خط و کتابت کی [1] چنانچہ وہ اپنے آقا مستعصم کو تباہی کی راہ پر لگا رہا تھا۔

---

[1] دول الاسلام جلد ۲ صفحہ ۱۱۶۔

شیعی سُنّی جھگڑا بغداد میں شیعہ اور سُنیوں میں باہمی فساد ہو گیا اور ابوبکر بن مستعصم نے مستعصم کے حکم پر شیعوں کے محلہ کرخ کو تباہ و برباد کرا دیا علقمی کو اس واقعہ سے سخت غصہ آیا اور اُس نے خواجہ نصیرالدین طوسی کو یہاں کا سب حال اور یہ لکھا کہ ہلاکو کو ہر صورت سے بغداد پر حملہ کرنے کے لئے آمادہ کرے اور خود نے بھی ہلاکو کو اپنے بھائی کی معرفت بغداد آنے کی دعوت دی[1]

مگر ہلاکو بغداد پر حملہ کرتے ہوئے ڈرتا تھا۔ کیونکہ جانتا تھا کہ خلیفہ ناصر کے زمانے میں جوا ماغوں جس کو اوکتا قآن نے بغداد پر حملہ کرنے کے لئے بھیجا تھا، دو مرتبہ فوج عباسیہ سے شکست کھا چکا تھا۔ مگر وزیر علقمی برابر ابن صلایا والیٔ اربل کے ذریعے تاتاریوں کو بغداد پر حملہ کے لئے اُکساتا رہا۔[2]

محقق طوسی نے یہ چال چلی کہ علم نجوم کا حوالہ دے کر ہلاکو خاں کو فتح بغداد کی بشارت دی۔ ہلاکوں خاں نے خلیفہ کو لکھا کہ دویدار کوچک سلیمان شاہ شرابی یا وزیر علقمی کو میرے پاس بھیج دو۔ لیکن ان کے بجائے خلیفہ نے محی الدین ابن الجوزی کو بھیج دیا۔ ہلاکو کو ناگوار گزرا۔

بغداد پر ہلاکو کا حملہ ہلاکو خاں نے ہمداں سے خلیفہ کو لکھ کر بھیجا کہ تم اپنے کو اور دارالسلطنت کو مغلوں کے حوالے کر دو ورنہ طاقت سے کام لیا جائے گا۔ اس کے جواب میں شرف الدین بن عبداللہ کو قاصد کی حیثیت سے ہلاکو کے دربار میں خلیفہ نے بھیجا۔ جب اُن سے تبادلۂ خیالات کیا اور خلیفہ کا جواب سُنا تو وہ سمجھ گیا کہ یہ دفع الوقتی کی چال ہے۔ چنانچہ اس نے تاتاری لشکر سوغو سنجاق اور باجو خان کی قیادت میں اربل کے راستہ سے بغداد روانہ کیا۔ بکریت پہنچا۔ جہاں دجلہ کی مغربی سرحد

---

[1] ابوالفدا جلد ۳ صفحہ ۱۹۳ [2] ابن خلدون جلد ۳ صفحہ ۵۳۷۔

عبور کر کے شہر انبار پر فرات کے مغربی جانب بڑھا اور فوج کے میسرہ نے باب کلواذی کے قریب ڈیرے ڈال دیئے۔

ہلاکو خاں ذوالحجہ ۶۵۵ھ کو خود روانہ ہوا اور آ کر اس فوج کی کمان ہاتھ میں لے لی۔ باب کلواذی بغداد کا مشرقی پھاٹک تھا۔

ہلاکو تاتاریوں کے قلب لشکر کی کمان خود کر رہا تھا اس نے وسط محرم ۶۵۶ھ ۱۲۵۸ء میں بغداد کی مشرقی سمت اپنی فوجیں اُتار دیں۔ اُس وقت تاتاریوں کے لئے شیعوں کی ریشہ دوانیوں سے آسان صورت پیدا ہو گئی۔ کرخ اور محلہ حی لکاظمیہ جو شیعوں کے مرکز تھے وہ کُھلم کُھلا اس سے میل کر گئے تھے۔

ہلاکو کا تیس ہزار سواروں کا لشکر دجیل پہنچا۔ اس وقت خلیفہ کی فوج کا ایک ہراول دستہ مجاہد الدین ایبک دویدار کی قیادت میں نکلا جو قلیل تعداد میں تھا۔ ان دونوں کا بغداد کی مغربی جانب شہر سے قریب تصادم ہوا۔ خلیفہ کا لشکر غالب رہا اور ہلاکو کا لشکر سخت ہزیمت کھا گیا۔ کثرت سے اس کے سپاہی ہلاک اور اسیر ہُوئے۔ اس وقت غنیم کے لئے وہ دوبارہ ایک مصیبت بنی تھی جسے اُس نے شب میں فتح کر لیا تھا۔ کیچڑ کی زیادتی نے بھاگنے والوں کے راستے مسدود کر دیئے۔ صرف وہی لوگ جانبر ہو سکے جنھوں نے اپنے آپ کو پانی میں ڈال دیا تھا۔ وہ لوگ بچ گئے جو خشکی کے راستہ شام کی طرف بھاگ کھڑے ہُوئے لیکن دویدار صحیح سالم اپنے دستہ کے ساتھ بغداد پہنچا۔

اس کے بعد باجو ایک عظیم الشان فوج لے کر مغربی جانب سے بغداد میں داخل ہُوا اور چند روز تاج کے سامنے فروکش رہا اور اپنے جاسوسوں کے ذریعے حالات کا جائزہ لیا اور اپنے موافق فضا پیدا کی[1]

امیر فتح الدین، مجاہد الدین اور دویدار کوچک نے قلعہ بغداد کا انتظام کیا۔

---

[1] مسلمانوں کا نظم مملکت صفحہ ۱۱۱۔

ہلاکو خان کا لشکر ۱۲ محرم ۶۵۶ھ میں سیلاب کی طرح بغداد کی مشرقی طرف یعقوبی دروازے سے اُمنڈ پڑا اور پورے شہر پر چھا گیا۔ اس وقت لوگ گھبرا کر چھتوں اور میناروں پر چڑھ گئے۔ ہلاکو کے لشکر نے بغداد کا چاروں طرف سے محاصرہ کر لیا۔ سامانِ رسد بند کر دیا۔ مگر اندرونِ بغداد جانے کی ہمت نہ پڑتی تھی۔ آخر کار مغلوں کی فوج نے اینٹوں کا پشتہ بنا کر منجنیق کے ذریعے پتھر اور تیر پھینکنے لگے۔ جب حالت نازک ہونے لگی۔ مجاہد الدین، سدید الدین وغیرہ چھوڑ کو چھوڑ کر ہلاکو خاں سے سانٹھ گانٹھ کر گئے اور اُس کو اطاعت کا پیغام بھیجا اور کہلا بھیجا کہ :-

"حضرت علی سے ہم کو روایت پہنچی ہے کہ تم اس شہر کے مالک ہو گے"

ابن عمران شیعی جو حاکم یعقوبیہ کا خادم تھا وہ ہلاکو خاں سے جا ملا اور اُس نے اُس کی فوج کے لئے رسد کا انتظام کیا۔[1]

ہلاکو خاں نے نکلہ اور علاء الدین عجمی کو بغداد میں بھیجا اور اہلِ حلہ کو پناہ دی۔[2]

ادھر علقمی نے ہلاکو خاں سے جان بخشی کرائی۔ خلیفہ گھر چکا تھا اُس کے ساتھی دغا کر چکے تھے۔ صرف اس کے لئے ایک سہارا علقمی کا رہ گیا تھا۔ اُس نے موقعہ دیکھ کر خلیفہ سے کہا کہ مقابلہ کرنا تاتاریوں سے بے کار ہے آپ خود ہلاکو کے پاس میرے ساتھ چلئے مال و جواہر اس کی نذر فرمائیے اور اس کی لڑکی سے اپنے شہزادہ ابوبکر کو بیاہ دیجئے۔

خلیفہ کا قتل

خلیفہ علقمی کے جھانسے میں آ گیا اُس نے اپنے دونوں بیٹوں ابوبکر اور عبدالرحمٰن اور چند ارکینِ سلطنت کو لے کر ہلاکو کے پاس پہنچا۔ ہلاکو نے تمام زر و جواہر لے کر اپنی فوج میں تقسیم کر دیا اور امیر دواتی اور امیر شرابی، سلیمان شاہ و دیگر خلیفہ کے ساتھیوں کو فوراً قتل کرا دیا۔

لوگوں نے ہلاکو کو رائے دی کہ خلیفہ کے خون سے ہاتھ کو نہ رنگا جائے

---

[1] تجربۃ الامصار و تجزیۃ الاعصار [2] ابوالفدا جلد ۳ صفحہ ۱۹۴۔

بلکہ نمدے میں لپیٹ کر اُس کی جان نکالی جائے[1]

چنانچہ خلیفہ کو نمدے میں لپیٹ کر ڈنڈے سے کُچلا کہ خلیفہ کا دم نکل گیا[2]۔ پھر ہاتھی کے پیر سے ٹھوکریں لگوائیں۔ اس کے بعد علقمی نے اس کی لاش کو پاؤں سے کچلا اور کہا :-

"میں اہلِ بیعت رسالت کا بدلہ لے رہا ہوں[3]"

غرضیکہ ان میں سے کسی کو گور و کفن تک میسّر نہ ہوا۔ یہ واقعہ محرم ۶۵۶ھ میں پیش آیا۔

پہلا شخص ہلاکو خان کی طرف سے فوج لے کر بغداد میں داخل ہوا۔ وہ علی بہادر تھا[4]

"تاتاری بغداد میں گھس پڑے اور کئی دن تک قتلِ عام کرتے رہے عورتوں اور بچوں نے نکل جانا چاہا۔ لیکن ان مغلوں نے ان کو بھی زندہ نہ چھوڑا[5] آبادی کو ختم کر کے چالیس دن تک نہایت بے دردی سے بغداد کو لوٹتے رہے۔

علامہ ابن خلدون کا بیان ہے :-

"صرف شاہی محلات سے انہوں نے جتنی دولت اور جس قدر ساز و سامان لوٹا اُس کا اندازہ نہیں کیا جا سکتا۔ عباسی کتب خانہ کی تمام کتابیں جو صدیوں کا سرمایہ تھیں دجلہ میں ڈبو دی گئیں۔ مقتولین کی تعداد کا اندازہ سولہ لاکھ تھا"

لیبان فرانسیسی لکھتا ہے :-

"مغلوں نے ۶۵۶ھ، ۱۲۵۸ء میں بغداد پر قبضہ کیا۔ شہر میں قتلِ عام ہوا اور مستعصم باللہ آخری خلیفہ عباسی، ہلاکو خاں بادشاہ مغل کے ہاتھ سے

---

[1] تجربۃ الامصار و تجزیۃ الاعصار [2] ابوالفدا جلد ۳ صفحہ ۱۹۴ [3] تاریخ ابن خلدون ج ۹ ص ۱۸۹
[4] تجربۃ الامصار و تجزیۃ الاعصار [5] ابن خلدون جلد ۳ صفحہ ۵۲۷۔

مارا گیا۔ ساری دولت لُٹ گئی۔ کتابیں کچھ جلادی گئیں اور کچھ دجلہ میں پھینک دی گئیں۔

قطب الدین الحنفی لکھتا ہے :۔

ان شائقینِ علوم وفنون نے اس واقعہ سے پہلے اس قدر علمی ذخیرہ جمع کیا تھا کہ جس وقت مغلوں نے مدارس کی کتابوں کو دجلہ میں ڈال دیا تو اس سے ایک پُل تیار ہوگیا جس پر سے سوار پیدل بخوبی گزر سکتے تھے اور دریا کا پانی بالکل سیاہ ہوگیا[1]

مسلمانوں کا یہ عظیم الشان شہر جو صدیوں خلافت کا صدر مقام تھا، علم وفن کا مرکز، علماء اور فقہاء کا مرجع، دولت وثروت کا مخزن تھا وہ تاتاریوں کے ہاتھوں تباہ ہوا۔ بیس لاکھ کی آبادی میں سے صرف چار لاکھ بچ رہے جس میں زیادہ تعداد شیعہ کی تھی۔ سوا پانچ صدی کے بعد دولتِ بنی عباس کا خاتمہ مستعصم کی ذات پر ہوا۔ ۱۹ محرم ۶۵۶ھ کو باب کلواذی کی جانب برج عظمی پر مغلوں کا پرچم لہرایا گیا۔

عباسی خلافت کے خاتمہ کے بعد ابن علقمی نے تاتاریوں کو علوی خلافت قائم کرنے پر آمادہ کرنا چاہا مگر ہلاکو نے ٹھکرا دیا[2]

ابن علقمی کا حشر

ابن عمران کو بغداد کا حاکم بنایا اور علقمی کو اُس کا چپراسی کیا۔ اور علی بہادر کو شحنہ بغداد کیا۔ صنعی الدین بن عبدالمومن شیعی نے بھنڈی اور گانا سُنا کر ہلاکو کے ہاتھوں جان بچائی بلکہ انعام واکرام حاصل کئے۔ محقق طوسی کی فرمائش پر شیعوں کی جان بخشی ہوئی اور ان کے محلے لوٹ سے بچ رہے[1]

ہلاکو خان قصر مامونیہ میں جو مشرقی بغداد میں تھا خود ٹھہرا۔ تمام شاہی خاندان

---

[1] تمدن عرب صفحہ ۱۷۵ [2] ایضاً صفحہ ۳۲۸

کے افراد گرفتار کر لئے گئے اور سب کو تہ تیغ کر دیا گیا۔ پھر شہر میں آگ لگا دی گئی۔ اس آگ نے خلیفہ کی مسجد، امام موسیٰ کاظم کا مشہد، رصافہ کا شاہی قبرستان اور بڑی بڑی عمارتوں کو خاکستر کر دیا اور چند روز میں یہ بہشت الدنیٰ (بغداد) کھنڈرات نظر آنے لگا ؂

وکان ما کان مما لست اذکرہ
فظن خیرا ولا تسال عن الخبر[1]

ترجمہ:۔ اس دن جو کچھ ہوا میں اس کا ذکر کرنا نہیں چاہتا۔ تم گمان اچھا ہی رکھو اور حالات کو نہ پوچھو"

دیگر بلاد کا حشر ہلاکو نے انتظام بغداد کے بعد محقق طوسی سے فرمان لکھوا کر مختلف ممالک میں بھیجے۔ ملک کامل ناظم حلب نے جس نے خلیفہ کی مدد کے لئے فوج بھیجی تھی مگر خلیفہ کی شکست کی خبر سن کر واپس ہو گئی تھی لڑائی کا سامان تیار کیا۔ ہلاکو نے ملک کامل کے مقابلہ کے لئے یشمت کو فوج دے کر بھیجا۔ ملک کامل گھبرا گیا اور خزانہ وغیرہ چھوڑ کر قلعہ انکلیک ویانیہ میں جا کر پناہ لی۔ یشمت حلب پہنچا۔ اہل شہر نے مقابلہ کیا مگر شکست کھائی۔ یشمت شہر پر قابض ہو گیا۔ حلب کا بڑا خزانہ اس کے ہاتھ آیا۔

دوسری طرف ہلاکو نے کیدلوقا کو فوج دے کر شام بھیجا۔ اہل شام خوفزدہ ہو گئے ملک ناصر الدین کی دمشق کی رائے سے کچھ امراء وادی رمل چلے گئے۔ جب دمشق والوں نے مقابلہ کی تاب نہ پائی تو اطاعت قبول کی۔ کیدلوقا سات مہینے یہاں رہا۔ ناصر الدین نے قاہرہ کے حاکم ملک ظفر کو مدد کے لئے لکھا۔ ادھر علامہ تقی الدین حرانی نے تاتاریوں کے مظالم دیکھ کر مسلمان عوام میں وعظ کہہ کر جہاد کے لئے جذبہ پیدا کر دیا۔ حاکم قاہرہ نے فوج بھیجی۔ علامہ معہ مجاہدین کے فوج میں شامل تھے آکر فوج تاتاری سے

---

[1] الفخری صفحہ ۲۹۷۔

مقابل ہوئے اور کید لوقا کو تلوار پر رکھ لیا۔ ہزارہا تاتاری کھیت رہے اور اُس کو شکست فاش اٹھانا پڑی۔ ہلاکو دربند پر حملہ آور ہُوا اور ہر کہ انمول کی فوج کو تہ تیغ کیا۔ پھر موصل، دیار بکر وغیرہ بھی فتح کر لئے۔ مراغہ جاکر اُس نے محقق طوسی سے ۶۵۷ھ میں شمالی رخ رصد تیار کرائی۔ اس کی تیاری کے لئے نجم الدین کاتب کو قزوین سے مویدالدین عرضی کو، دمشق سے فخرالدین مراحی کو موصل سے اور فخرالدین اعلاطی کو تغلیس سے بلوایا۔ یہ رصدگاہ تعمیر ہوگئی تو ہلاکو نے سب کو انعامات عطا کئے۔ ۶۶۳ھ میں ہلاکو فوت ہُوا بہت سی حسین لڑکیوں کے ساتھ دفن کیا گیا تاکہ اُس کی رُوح کو تسکین ہو۔[1]

ارکانِ سلطنت ہلاکو سوغونجاق نوئیں وزیر ہلاکو تاجُو کے ساتھ بغداد پر حملہ آور ہُوا تھا۔ تاجُو امیرالعسکر، قیغبتائی، تنقور، سلوک سفرائے ہلاکو خاں۔ کید لوقا وزیر جنگ، علماء میں علاءالدین شمس الدین کرت نصیرالدین، طوسی اس کے مشیر کار تھے۔[2]

اوصافِ مستعصم مستعصم میں بہت زیادہ اخلاقی خوبیاں تھیں مگر علقمی نے اُس کو عیش وعشرت پر لگا دیا تھا۔

مستعصم احسان فراموش نہ تھا۔ نیک سیرت، متدین، نرم خو، نیک طبیعت، گفتگو میں محتاط، خوش اخلاق اور مرنجاں مرنج انسان تھا۔ مگر اس سے بھی انکار نہیں کیا جاسکتا کہ وہ فہم و فراست سے بڑی حد تک بے بہرہ، فوجی صلاحیتوں سے

---

[1] ہلاکو کے بارہ[12] لڑکے تھے۔ اباقاخان۔ یشمت۔ تبتش۔ منگو لتمور۔ یزدار۔ اوجائے۔ تکشیں۔ سلطان تکودار۔ جوشکب۔ قنغراتائی۔ سیودار۔ چومغار۔

[2] نصیرالدین محمد بن الحسن طوسی فیلسوف ۵۹۷ھ میں پیدا ہُوا۔ ہیئت وریاضی کا بڑا ماہر، تجرید، شرح مجسطی وغیرہ یادگار ہے ہیں۔ مرض عیلاس میں مبتلا ہوکر ۶۷۲ھ میں بغداد میں مرا (دائرہ المعارف البستانی جلد ۱۱ صفحہ ۲۵۹۔ ماخوذ از تجربۃ الامصار وتجزیۃ الاعصار۔

عاری، امورِ سلطنت سے بے خبر، لالچیوں کی اُمید گاہ اور بے رُعب و دبدبہ کا خلیفہ تھا اور معاملات کی تہہ تک پہنچنے کی صلاحیت نہ رکھتا تھا۔ اس کا زیادہ وقت نغمہ و سرود اور مسخروں کی صحبت میں گزرتا تھا۔

علامہ طقطقی مویدالدین بن علقمی کی بہت تعریف فرماتے ہیں کہ وہ خلیفہ کو فوجی استحکامات، بیدار مغزی اور احتیاط کا مشورہ دیتا تھا۔[1]

دوسری طرف بقول علامہ ابنِ خلدون شاہ اربل کی معرفت علقمی ہلاکو کو بغداد آنے کی دعوت دیتا تھا۔[2]

علامہ طقطقی اُس کے اوصاف یہ لکھتے ہیں :۔

"مستعصم میں خوبیاں بہت تھیں۔ نیک فطرت، نرم خو، شیریں زبان، پاک باز و خوش خلق۔ مگر اوصافِ جہاں بانی سے کورا تھا۔ طبیعت کا کمزور، رائے کا کچا اور مملکت سے نابلد، رعب داب نہ تھا۔ اس کا مشغلہ ہنسی، مذاق اور تفریح تھا۔ اُس کے مصاحب و حاشیہ نشین ادنیٰ درجہ کے جاہل عوام تھے"۔[3]

شکار خلیفہ مستعصم باللہ کو شکار کا بڑا شوق تھا۔ اس نے وادیٔ دجلہ میں کئی میل لمبا احاطہ بنا رکھا تھا۔ لوگ حلقہ باندھ کر جانوروں کو اس حصار میں داخل کر دیتے۔ پھر خلیفہ اور اس کے رفقاء جہاں تک شکار کر سکتے تھے شکار کرتے اور بقیہ کو چھوڑ دیتے۔[4]

علامہ طقطقی لکھتے ہیں :۔

"مستعصم لہو و لعب اور رقص و سرود کا بڑا دلدادہ تھا۔ اُس نے بدرالدین لولو والی موصل کو آلاتِ سرود اور مطرب بھیجنے کے لئے لکھا اور ہلاکو خاں

---

[1] الفخری صفحہ ۲۶۴ [2] ابن خلدون جلد ۹ صفحہ ۸۸۸ [3] مقدمہ الفخری ص

[4] مقدمہ الفخری۔

نے اُس سے منجنیق اور دیگر آلات قلعہ شکن طلب کئے تو بدرالدین نے سر پیٹ لیا اور کہا رونے کا مقام ہے کہ ہمارے خلیفہ کو کن چیزوں کی ضرورت ہے اور ہلاکو کیا طلب کر رہا ہے"۔[1]

مستعصم کا واقعہ ایک شخص عبدالغنی خلیفہ مستنصر کے زمانہ میں قلعہ کے پہرہ داروں میں تھا۔ جب خلیفہ نے اپنے بیٹے مستعصم کو خفا ہو کر اس قلعہ میں نظر بند کر دیا تو عبدالغنی نے شہزادے کی خلوص و گرمجوشی سے خدمت کی۔ جب مستعصم باپ کے بجائے خلیفہ ہوا تو اُس نے عبدالغنی کو قلعہ کی پہرہ داری سے نکال کر اپنے پاس رکھا اور اُس کو کچھ عرصہ میں اپنا خاص الخاص ملازم قرار دیا۔[2]

علمائے عہد مستعصم حافظ تقی الدین صریفنی، حافظ ابوالقاسم بن الطیلسان شمس الائمہ کردی حنفی، تقی الدین بن الصلاح، علم السخاوی، حافظ محب الدین بن النجار مورخ بغداد، منتخب الدین شارح المفصل، ابن القیس النحوی، ابوالحجاج الاقصری زاہد، ابوعلی الشلوبینی النحوی ابن بیطار صاحب المفردات، امام علامہ جمال الدین بن حاجب امام مالکیہ، ابوالحسن بن دباح نحوی، قفطی صاحب تاریخ النحاۃ، افضل الدین الخونجی صاحب المنطق، بہاد بن بنت الحمیری، جمال عمرون نحوی الرضی لصنعانی اللغوی، کمال عبدالواحد الزملکانی صاحب المعانی والبیان و اعجاز القرآن، شمس خسرو شاہی، مجد بن تیمیہ، یوسف سبط بن الجوزی صاحب مراۃ الزمان، ابن بالیش شافعی، ابن ابوالفضل المرسی صاحب التفسیر، عبدالعظیم المنذری، شیخ ابوالحسن شاذلی، شعلۃ المقری فارسی شارح الشاطبیہ، سعدالدین بن الفری شاعر، صرصری شاعر، ابن الابار مورخ اسپین۔[3]

---

[1] الفخری صفحہ ۲۹۰ [2] مقدمہ الفخری [3] تاریخ الخلفاء صفحہ ۲۵۳ ۔

محدثین و فقہاء

عبیداللہ بن ابراہیم جمال محبوبی شاگرد امام زادہ محمد ابن ابی بکر و شمس الائمہ عمر بن بکر زرنجری و قاضی خاں اور آپ کے تلامذہ پسر خود و الاتاج الشریعہ مؤلف وقاء و حافظ الدین کبیر بخاری وغیرہ ۶۳۰ھ میں انتقال ہوا۔

محمد بن عبدالستار شمس الائمہ کردری شاگرد امام زادہ مؤلف شرعۃ الاسلام آپ نے امام غزالی کی کتاب منخول کی رد میں رسالہ لکھا۔ وجیز کردی آپ کی تالیف ہے۔

بکر ترکی ناصری نجم الدین فقیہ عارف سعید شاگرد عبدالرحمٰن بن شجاع مؤلف حاوی (فقہ) ۶۵۲ھ میں انتقال کیا۔

علی بن محمد نجیم العلماء حمیدالدین العزیز، فقیہ معروف مستند شاگرد شمس الائمہ کردری و استاد حافظ الدین عبداللہ بن احمد نسفی صاحب کنز الدقائق و مؤلف شرح جامع الکبیر و نافع وغیرہ۔

محمد بن سلیمان بن الحسن القدس معروف بن النقیب، فقیہ، زاہد عالم مفسر جامع فنون مختلفہ مؤلف تفسیر ضخیم۔ اس میں پچاس تفسیریں جمع ہیں اس کا نام تحریر و تجزیہ اقوال ائمہ التفسیر ہے۔ ۶۶۸ھ میں فوت ہوئے۔

عبداللہ بن محمود بن مودود موصلی ابوالفضل مجدالدین شاگرد شیخ جمال الدین حصیری مؤلف مختار و شرح آں اختیار۔ ۶۸۳ھ میں فوت ہوئے۔



خلفائے عباسیہ

سنہ ۱۳۲ھ، سنہ ۷۵۰ء سے سنہ ۶۵۶ھ، سنہ ۱۲۵۸ء

نام	سنہ ہجری	سنہ عیسوی
سفاح	سنہ ۱۳۲ھ،	سنہ ۷۵۰ء
منصور	سنہ ۱۳۶ھ	سنہ ۷۵۴ء
مہدی	سنہ ۱۵۸ھ	سنہ ۷۷۵ء
ہادی	سنہ ۱۶۹ھ	سنہ ۷۸۵ء
ہارون	سنہ ۱۷۰ھ	سنہ ۷۸۶ء
امین	سنہ ۱۹۳ھ	سنہ ۸۰۹ء
مامون	سنہ ۱۹۸ھ	سنہ ۸۱۳ء
معتصم	سنہ ۲۱۸ھ	سنہ ۸۳۳ء
واثق	سنہ ۲۲۷ھ	سنہ ۸۴۲ء
متوکل	سنہ ۲۳۲ھ	سنہ ۸۴۶ء
مستنصر	سنہ ۲۴۷ھ	سنہ ۸۶۱ھ
مستعین	سنہ ۲۴۸ھ	سنہ ۸۶۲ھ
معتز	سنہ ۲۵۲ھ	سنہ ۸۶۶ء
مہتدی	سنہ ۲۵۵ھ	سنہ ۸۶۹ء
معتمد	سنہ ۲۷۹ھ	سنہ ۸۹۲ء
معتضد	سنہ ۲۷۹ھ	سنہ ۸۹۲ء
مکتفی	سنہ ۲۸۹ھ	سنہ ۹۰۲ء
مقتدر	سنہ ۳۲۰ھ	سنہ ۹۰۸ء
قاہر	سنہ ۳۲۲ھ	۹۳۲ھ

نام	آغاز	اختتام
راضی	سنہ ۳۲۲ھ ۹۳۴ء	سنہ ۳۲۹ھ
متقی	سنہ ۳۲۹ھ ۹۴۰ء	سنہ ۳۳۳ھ
مستکفی	سنہ ۳۳۳ھ ۹۴۴ء	سنہ ۳۳۴ھ
مطیع	سنہ ۳۳۴ھ ۹۴۶ء	سنہ ۳۶۳ھ
طائع	سنہ ۳۶۳ھ ۹۷۴ء	سنہ ۳۸۱ھ
قادر	سنہ ۳۸۱ھ ۹۸۱ء	سنہ ۴۲۲ھ
قائم	سنہ ۴۲۲ھ ۱۰۳۱ء	سنہ ۴۶۷ھ
مقتدی	سنہ ۴۶۷ھ ۱۰۷۵ء	سنہ ۴۸۷ھ
مستظہر	سنہ ۴۸۷ھ ۱۰۹۴ء	سنہ ۵۱۲ھ
مسترشد	سنہ ۵۱۲ھ ۱۱۱۸ء	سنہ ۵۲۹ھ
راشد	سنہ ۵۲۹ھ ۱۱۳۵ء	سنہ ۵۳۰ھ
مقتفی	سنہ ۵۳۰ھ ۱۱۳۶ء	سنہ ۵۵۵ھ
مستنجد	سنہ ۵۵۵ھ ۱۱۶۵ء	سنہ ۵۶۶ھ
مستضی	سنہ ۵۶۶ھ ۱۱۷۰ء	سنہ ۵۷۵ھ
ناصر	سنہ ۵۷۵ھ ۱۱۸۰ء	سنہ ۶۲۲ھ
ظاہر	سنہ ۶۲۲ھ ۱۲۵۰ء	سنہ ۶۲۲ھ
مستنصر	سنہ ۶۲۳ھ ۱۲۳۶ء	سنہ ۶۴۰ھ
مستعصم	سنہ ۶۴۰ھ ۱۲۴۳ء	سنہ ۶۵۶ھ ۱۲۵۸ء

شجرۂ خلفاء

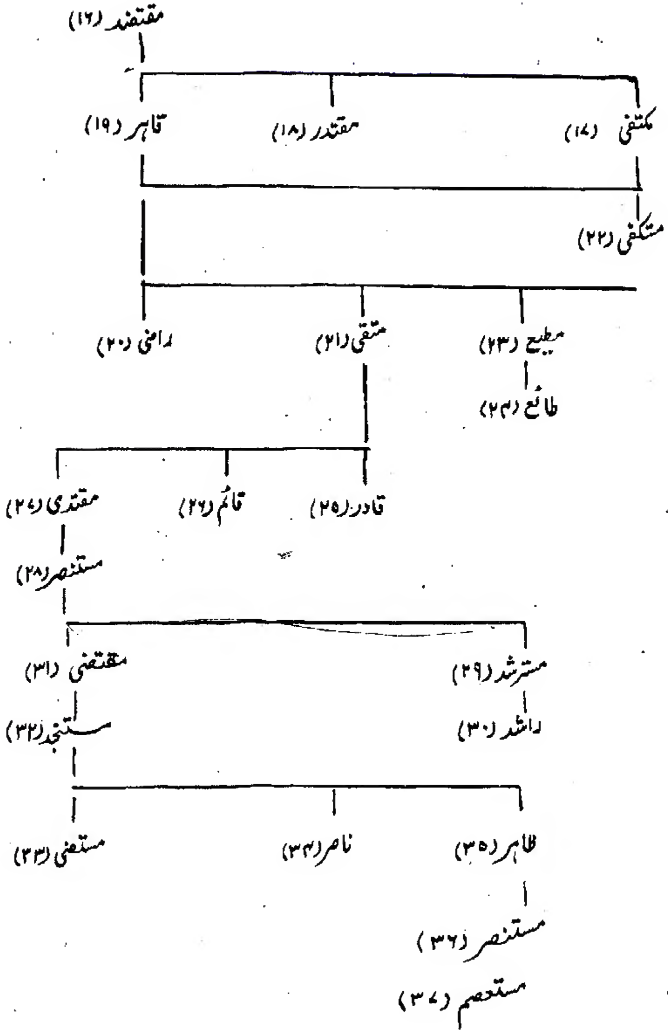
حضرت عباس رضی اللہ عنہ

حضرت عبداللہ

امام علی

- امام محمد
  - ابراہیم
  - سفاح (۱)
  - منصور (۲)
    - مہدی (۳)
      - ابراہیم
      - منصور
      - ہارون (۵)
        - امین (۶)
        - مامون (۷)
        - معتصم (۸)
          - محمد
          - واثق (۹)
          - متوکل (۱۰)
            - مستعین (۱۳)
            - منتصر (۱۱)
            - معتز (۱۲)
            - معتمد (۱۵)
            - موفق (۱۴)
              - ابن المعتز
              - مفوض
              - مقتفد (۱۶)
        - قاسم
      - ہادی (۴)
- عبداللہ
- موسیٰ
- سلیمان





معتضد (۱۶)
قاہر (۱۹)
مقتدر (۱۸)
مکتفی (۱۷)
مستکفی (۲۲)
راضی (۲۰)
متقی (۲۱)
مطیع (۲۳)
طائع (۲۴)
مقتدی (۲۷)
قائم (۲۶)
قادر (۲۵)
مستنصر (۲۸)
مقتفی (۳۱)
مسترشد (۲۹)
مستنجد (۳۲)
راشد (۳۰)
مستضی (۳۳)
ناصر (۳۴)
ظاہر (۳۵)
مستنصر (۳۶)
مستعصم (۳۷)

بغداد کا حشر

بغداد پر تاتاری سیلاب ۶۵۶ھ کے بعد مسلمانوں کا دارالسلطنت پھر نہ بن سکا۔ ایک عرصہ تک جلائری خاندان کے سردار شیخ حسن بورزگ بغداد پر قابض ہو گیا۔ پچاس برس بعد ۱۳۹۳ء میں تیمور کا تسلط بغداد پر ہو گیا۔ جس وقت جانے لگا اپنی طرف سے گورنر مرزا ابوبکر کو کرتا گیا۔ تھوڑے عرصہ بعد سلطان احمد جلائری پھر بغداد پر قابض ہو گیا۔ اس کی حکومت ۱۴۱۲ء تک رہی۔ پھر ترکمان شاہ سودا نے قبضہ کیا ۱۴۶۹ء تک اس کے خاندان حکمران رہے۔ ترکمان شاہ بیضہ کے قبضہ میں آ گیا۔ ۱۵۰۸ء میں اسماعیل صفوی شاہِ ایران کی افواج بغداد میں داخل ہوئیں۔ ۱۵۳۴ء میں سلمان قانونی کے دورِ حکومت میں ایک ترکی جنرل نے اس پر قبضہ کر لیا۔ عثمانیوں کی حکومت بغداد پر قائم ہو گئی۔ لیکن شاہ عباس کے زمانے میں ترکوں سے صفویوں نے پھر اُسے چھین لیا۔ یہ بکیر آغا انکشاری کی غداری کا نتیجہ تھا۔ ۱۶۳۸ء میں ترکوں نے ایرانیوں سے اُسے دوبارہ لے لیا [1]

سیاسی حالت

۶۵۶ھ میں خلافتِ عباسیہ ختم ہوئی۔ نظامِ خلافت کا بھی خاتمہ ہو گیا۔ اب ہر طاقت ور حاکم خود مدعی خلافت تھا اس کو اب سندِ حکومت کی بھی ضرورت نہ تھی۔

فارس میں غازان مسلمان ہونے کے بعد سلطان اعظم، سلطان الاسلام والمسلمین بن گیا۔ شاہ رخ اور تونس کا حاکم ابوعبداللہ محمد حفصی نے خلیفہ کا لقب اختیار کیا۔ ابوعنان فارس مراکش کے خانوادہ مرینہ کے ایک فرد نے اپنے لئے خلیفہ امیرالمومنین اور امام کا لقب اختیار کیا۔ سلطان علاؤالدین خلجی اور اوزن حسن ترکمانی بھی خلافت

---

[1] مسلمانوں کا نظم مملکت صفحہ ۱۱۲۔

کے مدعی تھے۔ بلاد ماوراء النہر میں دولت ازبک نے بانی محمد شیبانی اور مصر کے ملوک سلاطین قائتبائی اور قالفوہ غوری نے بھی اپنے لئے امامت کا دعویٰ کیا تھا۔

سقوط بغداد کے بعد عالم اسلامی میں ہر طاقت ور اور ہر فرماں روا خلافت کا مدعی تھا [1]

سلطنت ایران

حضرت عمرؓ خلیفہ دوم کے وقت میں یہ ملک مسلمانوں نے فتح کیا۔ اس کے بعد مدینہ، دمشق اور بغداد کے خلفاء اس پر حکمران رہے۔ خلافتِ بغداد کے ضعیف ہونے پر سلاطین صفاریہ، سامانیہ، دیالمہ، غزنویہ، سلجوقیہ اور خوارزم شاہی اس پر حکمران ہوئے۔ اس کے بعد چنگیز کا زمانہ آیا۔ چنگیز خاں کے پوتے ہلاکو خاں کی آٹھویں پشت میں ابوسعید کے زمانے میں چھوٹی چھوٹی ریاستیں قائم ہوئیں جس کو مٹا کر امیر تیمور نے ایران کو ایک صوبہ قرار دیا۔ تیمور کے بعد اس کے خاندان میں دسویں صدی ہجری کے آغاز تک ایران کی حکومت تھی۔ یہ سب حالات اوپر مفصل بیان ہو چکے ہیں۔

خاندانِ تیموری کا زور وسط ایشیا میں دسویں صدی ہجری کے شروع میں گھٹا۔ اس کے بعد کے حالات مختصر طور پر بیان کئے جاتے ہیں۔ ایک سید بزرگ شاہ صفی نے پیشوائے مذہب کی حیثیت سے ایران میں عروج پکڑا۔ تمام رعایا شاہ صفی کی معتقد تھی اس لئے شاہ صفی نے ایک رنگ حکومت کا پیدا کیا۔ پھر اس کی نسل میں شاہ اسمٰعیل بڑا زبردست بادشاہ ہوا اور دو صدی تک صفوی خاندان ایران پر قابض رہا۔

شیعوں، سنیوں کو بالکل الگ قائم کرنا، اسمٰعیل صفوی اور اس کے مابعد جانشینوں کی حکمتِ عملی تھی۔ شاہانِ صفوی نے بہت زیادہ کوشش اس امر میں کی کہ شیعوں کا گروہ سنیوں سے بالکل الگ ہو جائے۔ اپنی پالیسی میں سلاطین صفوی پورے طور

---

[1] النظم الاسلامیہ۔

پر کامیاب ہوئے اور ایران کی فوج اور ایران کی رعایا اس نئے جوش میں عرصہ تک کارنمایاں کرتی رہیں اور شاہی خاندان استقلال کے ساتھ حکمران رہا۔

اسماعیل ۹۰۸ھ۔ خاندان صفوی کا پہلا خودمختار بادشاہ ہے۔ سلطان ترکی سے اُس نے خوب لڑائی کی اور ازبکوں کو بھی اس نے زیر کیا۔

شاہ طہماسپ ابن اسمٰعیل: ۹۳۱ھ۔ ہمایوں بادشاہ ہند نے اسی سے مدد چاہی تھی۔ یہ بھی بڑا نامی بادشاہ ہوا ہے۔

شاہ اسمٰعیل ثانی بن طہماسپ: ۹۸۹ھ مدت سلطنت ۹ سال رہی۔

محمد خدابندہ بن طہماسپ: ۹۸۷ھ۔ یہ اپنے بھائی اسمٰعیل ثانی کے مرنے پر تخت پر بیٹھا۔ تھوڑے دنوں کے بعد راہی ملکِ عدم ہوا۔

حمزہ بن محمد خدابندہ: ۹۹۴ھ۔ اس نے برائے نام سلطنت کی۔

شاہ اسمٰعیل ثالث: ۹۹۴ھ۔ اس نے بھی برائے نام سلطنت کی۔

شاہ عباس: ۹۹۴ھ۔ اسماعیل اول اور شاہ طہماسپ کی طرح یہ بھی زبردست بادشاہوں میں شمار کیا جاتا ہے۔

شاہ صفی: ۹۹۴ھ۔ اس کے وقت میں خاندانِ صفوی نے کوئی نمایاں کام نہیں کیا۔

شاہ عباس ثانی: ۱۰۵۲ھ۔ اسمٰعیل، طہماسپ، عباس اول کی طرح یہ بھی بڑا زبردست بادشاہ ہوا ہے۔ غیر مذہب والوں سے لڑنے کی وجہ سے غازی اس کو لقب ملا۔

سلیمان ۱۰۷۷ھ
شاہ حسین ۱۱۰۶ھ
شاہ طہماسپ ۱۱۲۵ھ

سلیمان تک خیریت تھی۔ اس کے بعد غلجیوں اور ابدالیوں نے اس خاندان کو کمزور کر دیا۔

خاندان صفوی کے انحطاط کے زمانہ میں ابدالیوں اور غلجیوں کو کچھ زور ہوا۔ ابدالی اور درانی ایک ہی قوم ہے اور غور کے پہاڑوں پر اس کا ٹھکانہ تھا۔ لیکن اس وقت ہرات کے آس پاس آباد ہو گئے تھے۔

غلجیوں کی قوم اس زمانے میں قندھار کے گردونواح میں بستی تھی۔ غلجی اور ابدالی آپس میں بھی لڑتے تھے۔ لیکن تھوڑے دنوں کے لئے غلجیوں اور ابدالیوں نے مل کر ایرانیوں کی سلطنت کو کمزور کر دیا اور پھر اس کے بعد غلجیوں نے جا کر ایران پر قبضہ کر لیا۔ غلجیوں کا سردار محمود قندھار سے روانہ ہو کر ایران میں داخل ہوا اور ۱۷۲۲ء کو تخت نشین ہوا۔ غلجیوں اور ایرانیوں کی جنگ کی ابتدا شاہ حسنین کے وقت میں ہوئی اور اس کے بیٹے شاہ طہماسپ ثانی نے محاصرے کی تکلیف سے گھبرا کر تاجِ شاہی محمود غلجی کے حوالے کر دیا۔

اپنے چچا محمود کے مرنے پر اشرف خاں تخت پر بیٹھا۔ سلطان ترکی نے سلطان روس سے مل کر اشرف خان کو دبانا چاہا۔ شمالی ملک کا روس خواہاں تھا اور مغربی حصہ کو سلطان ترکی دبانا چاہتا تھا۔ اشرف خاں نے لڑائیوں میں بڑی بہادری دکھائی۔ ان دونوں سلطنتوں نے اس کی سلطنت تسلیم کی۔ لیکن اشرف خاں اُن حصوں کو واپس نہ لے سکا جو دشمنوں کے قبضے میں آ گئے تھے۔

مرزا طہماسپ جب تاج سلطنت محمود شاہ کے حوالہ کر کے علیحدہ ہوا کسی طرح نادر قلی درانی کے قبضہ میں آ گیا اور نادر شاہ نے اپنے کو اس کا سپہ سالار بنا کر ملکی فتوحات شروع کر دی۔ نادر قلی پہلے قزاقوں کی طرح لوٹ مار کرتا تھا۔ اب طہماسپ کی سپہ سالاری نے اس کی حالت میں بہت کچھ تغیر پیدا کر دیا۔ نادر شاہ کے عہد میں (۱۷۲۹ء) اشرف خاں قتل کیا گیا۔ جو ملک اشرف خاں کے عہد نامہ سے سلطنت ترکی میں داخل ہو گئے تھے اسے نادر شاہ نے بزور شمشیر لے لیا۔

نادر شاہ کا عروج

نادر شاہ نے طہماسپ شاہ شطرنج کو تخت سے اتار کر اس کے شیر خوار بچے کو تخت پر بٹھایا اور ۱۷۳۶ء میں تمام لوگوں کی صلاح سے تاج شاہی اپنے سر پر رکھا۔ نادر شاہ نے اپنا مذہب بدل ڈالا پہلے شیعہ تھا اب سُنی ہوا اور چاہا کہ خاندان صفویہ کی محبت لوگوں کے دل سے نکل جائے۔ اور اس کے وقت سے ایک نیا رنگ پیدا ہوا لیکن نتیجہ اچھا نہ ہوا۔ لوگ اس سے بددل ہونے لگے۔ فوج کے خوش کرنے

کے لئے اُس نے قندھار پر چڑھائی کی اور خلجیوں کو وہاں سے نکالا۔ پھر کابل غزنی ہوتے ہوئے ہندوستان پر اُس نے چڑھائی کی اور یہاں کی دولت سے اپنی فوج کو مالا مال کرانا چاہا۔ دلّی نادر شاہ کے وقت میں تباہ ہوئی۔ تیمور کے حملوں کی طرح اب بھی دلی میں قتلِ عام ہُوا۔ ہند سے واپس جاکر نادر شاہ نے اور بھی فتوحات کیں۔ ہند میں جو کچھ خونریزی نادر شاہ سے ہوئی زیادہ تر دلی والوں کا قصور تھا۔ لیکن اس کے بعد نادر شاہ میں سفاکی اور خونریزی کی عادت ہوگئی اور کچھ مالیخولیا کا دخل بھی اس میں شروع ہوا۔ ایرانیوں نے سنہ ۱۱۶۰ھ ۱۷۴۷ء میں اُسے قتل کیا۔

نادر شاہ کے بعد افغانستان میں احمد شاہ درانی (ابدالی) حکمران ہُوا اور ایران میں نادر شاہ کے مخالف اعلیٰ کا بھتیجا عادل شاہ تخت نشین ہُوا۔ عادل شاہ دو برس کے بعد مَر گیا اور پھر پچاس برس کے اندر ہی اندر کوئی آٹھ بادشاہ ابراہیم، شاہ رخ مرزا، اسمٰعیل محمد کریم خاں، ذکی خاں، صادق خاں، جعفر خاں، لطف علی یکے بعد دیگرے تخت پر بیٹھے اور سلطنت روز بروز کمزور ہوتی گئی۔ ان بادشاہوں میں کریم خاں زند نے ۲۰ برس تک سلطنت کی اور باقی نے برائے نام سلطنت کی۔

آغا شاہ قاچار نے ۱۲۱۲ھ میں کئی لڑائیاں فتح کر کے سلطنت ایران پر قبضہ کر لیا۔ شاہ روس سے بھی اس نے کئی لڑائیاں لڑیں۔ اس کے بعد اس کا بیٹا فتح علی قاچار تخت ایران پر بیٹھا اور شاہ روس سے برابر لڑتا رہا۔ ۱۸۵۰ء میں محمد شاہ قاچار تخت پر بیٹھا۔ بادشاہ اور رعایا کا مذہب شیعہ تھا۔ افغانوں نے ان پر جہاد کی نیت سے حملہ کیا تھا۔ ۱۲۶۰ھ میں ترکی کے گورنر نجیب بادشاہ حاکم بغداد نے کربلا پر چڑھائی کی اور ۹ ہزار آدمیوں کو مذہبی تعصب سے ہلاک کیا۔ محمد شاہ قاچار یہ سُن کر غضب ناک ہُوا۔

۱۲۶۴ھ میں سلطان محمد شاہ قاچار نے وفات پائی۔

تاریخ ایران ہمارے موضوع سے خارج ہے۔ یہاں صرف مختصر حالات لکھ دیئے گئے ہیں تاکہ عہد بنی عباس میں ایران کے مسلم حکمرانوں کا جو ذکر گذر چکا ہے اس کا سلسلہ قائم رہے۔

خلافتِ عباسیہ پر ایک سیاسی و تاریخی نظر

خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کے بعد بنی امیہ اپنے جبروت اور سیاسی ڈپلومیسی سے خلفائے راشدین کے جانشین بن کر عظیم الشان حکومت کے بانی ہوئے اور خلفائے راشدین کی فتوحات پر اپنی دولت قائم کی۔ امیر معاویہ اُس کے موسس اوّل تھے۔

"یہ دولت بنی امیہ سنہ ۴۰ھ میں قائم ہوئی اور سنہ ۱۳۲ھ میں ختم ہو گئی۔ خلافت راشدہ جمہوری نظام پر قائم تھی مگر امیر معاویہؓ نے خلافتِ راشدہ کا نظام سیاسی ختم کر دیا جس کی بنیاد شوریٰ پر قائم تھی۔ اس کی جگہ انہوں نے موروثی نظام کی داغ بیل ڈالی۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ خلافتِ عظمیٰ حکومت کی شکل میں تبدیل ہو گئی۔ خلفاء خلافت راشدۂ عظمیٰ کی سی سادگی کی بجائے امیرانہ کروفر اختیار کر گئے۔ وہ حضراتِ قدسی جنہوں نے خلفائے راشدین کا عہد مبارک پایا تھا ان کو گراں خاطر ہوا مگر امیر معاویہؓ کی تدبیر سیاسی سے کچھ عرصہ کے لئے بے دلی کے ساتھ ساکت رہے لیکن یزید کی ولی عہدی پر اجلۂ قریش (ابن زبیرؓ وغیرہ) بگڑ بیٹھے مگر تلوار اُن کے سروں پر رکھ دی گئی۔ انہوں نے پھر بھی بیعت نہیں کی لیکن جان کے خطرہ سے خاموش رہے [1] ان کے سکوت سے یزید کی کچھ نے بیعت کی اور اہل مدینہ یزید سے بیزار ہی رہے۔

امیر معاویہؓ کی وفات کے بعد ہی سنہ ۶۰ھ میں یزید تختِ حکومت پر متمکن ہوا۔ سب سے پہلے اُس نے یہ کیا کہ امیر معاویہ کے عہد میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ، حضرت عبداللہ بن

---

[1] طبری جلد ۳ صفحہ ۲۱۴۔

زبیرؓ، حضرت حسین بن علیؓ، عبدالرحمٰن بن ابوبکرؓ، حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے بیعت سے انکار کیا تھا۔ ان سے اپنی بیعت کے لئے مدینہ کہلا بھیجا تو عبداللہ بن عمرؓ اور عبداللہ بن عباس نے باجبر و اکراہ بیعت کر لی۔ مگر امام حسینؓ اور عبداللہ بن زبیر نے صاف طور سے بیعت سے انکار کر دیا اور مدینہ سے نکل آئے۔ اس اثناء میں امام حسینؓ کے پاس اہلِ کوفہ کے خط آئے جس میں انہیں عراق آنے کی دعوت دی گئی اور ان سے بیعت کرنے کی خواہش کا اظہار کیا گیا۔ آپ نے ان کی دعوت کو قبول کر لیا۔ باوجودیکہ عبداللہ بن عباس نے کوفہ جانے سے روکا اور یمن جانے کا مشورہ دیا مگر آپ کوفیوں کی طلبی پر تشریف لے گئے جہاں کربلا کا روح گداز واقعہ پیش آیا۔

اس واقعہ نے بنی اُمیہ کے خلاف بنی ہاشم میں سرگرمی عمل پیدا کر دی اور حصولِ خلافت کے لئے "دعوتِ آلِ محمد" کی بنیاد پڑی۔ اس دعوت کی بدولت تباہی اور بربادی کے ساتھ دولت بنی امیہ کا خاتمہ ہوا۔ گو علوئین نے اس سلسلہ میں بڑی بڑی جان کی قربانیاں دیں۔ اس تحریک کو ہاتھ میں لے کر بنی عباس کامرانی کے درجہ کو پہنچے مگر جب انہوں نے علوئین کو نظرانداز کر دیا۔ انہوں نے اس دعوت کی بدولت قلمرو دولت بنی عباس سے علاقہ لے کر دولت ادریسیہ۔ دولت زیدیہ و دولت بنی فاطمہ کے نام سے حکمرانیاں قائم کر لیں۔ یہ بھی ایک سبب دولت بنی عباس کے زوال کا ہے۔

لطف یہ ہے کہ اس دعوت کی آڑ لے کر خلافت بنی عباس قائم ہوئی اور اس دعوت کی مخالفت کر کے دولت بنی عباس نے زوال کی راہ اختیار کی۔ اس سے بڑھ کر دوسرا سبب زوال کا تاریخ یہ بتاتی ہے کہ بنی عباس نے عربوں کو نظرانداز کیا۔ عجمیوں اور ترکوں کو نوازا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ عربوں کی عصبیت پامال ہو کے رہ گئی اور وہی باتیں عربوں میں عود کر آئیں جن کو اسلام نے ختم کیا تھا۔ اسلام نے عرب کے متفرق اور متخاصم قبائل میں وحدت اور اخوت پیدا کر دی تھی جس کی بدولت تمام قبائل بھائی بھائی اور شیر و شکر ہو گئے تھے۔ ان کے پیش نظر

صرف ایک چیز تھی۔ رضائے الٰہی اور اعلائے کلمتہ الحق۔ اس متحدہ عربی عصبیت اور قومیت سے خلفاءِ راشدین کے عہد میں اسلام کی شوکت وعظمت قائم ہوئی اور اسی کی بدولت شام، ایران، مصر وغیرہ زیرنگین اسلام آئے۔ گو بنی اُمیہ میں سے آلِ مروان نے قبائلی عصبیت کو بھڑکا دیا۔ مگر عربی عصبیت اس قدر کمزور نہیں پڑی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ عہدِ دولتِ بنی امیہ میں فتوحات کا دائرہ بہت وسیع ہو گیا تھا مگر قبائلی عصبیت کی آگ جو روشن کر چکے تھے اس کے شعلوں میں آپ جل اُٹھے۔

داعیانِ دعوتِ آلِ محمد نے عربی عصبیت پر اعتماد نہیں کیا بلکہ انہوں نے قرابتِ رسول کا واسطہ دے کر عرب ہو یا عجم اس کو اپنایا اور ہمنوا بنایا اور جب عجمیوں اور عرب سے کام نکل گیا تو صاحبِ اقتدار عجمیوں سے عربوں کو کچلوا دیا۔ گو انہوں نے ہاتھ پیر اپنے اقتدار کے لئے چلائے مگر حکومت کا باغی قرار دے کر ان کی طاقت کو اُبھرنے نہ دیا۔ آخرش عربی عصبیت پائمال ہو کے رہ گئی۔

خلافتِ عباسیہ

خلفائے بنی عباس اپنی شان وشکوہ اور عظمت ووقار اور شجاعت و سیاست دانی میں ایک امتیازی شان کے حامل نظر آتے ہیں۔

"تہذیب وتمدن علوم وفنون کی ترقی وایجاد، مردہ علوم کے زندہ رکھنے میں خلفاء کی کارفرمائی کو زیادہ دخل ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مؤرخین اس عہدِ زرّیں کا ذکر کرتے ہوئے رطب اللسان ہیں۔ عباسی خلافت کا پہلا خلیفہ سفاح اعظم تھا۔"

ثعالبی نے لطائف المعارف میں لکھا ہے کہ:

"اگرچہ ابوالعباس السفاح بنی عباس کا پہلا خلیفہ تھا۔ اس کا بھائی ابوجعفر المنصور اس خاندان کا حقیقی آغاز کرنے والا تھا۔ المامون اس کے

وسطی دور کا قائد تھا۔ المعتضد ۸۹۲ھ، ۹۰۲ھ اس کو ختم کرنے والا تھا۔ اگرچہ یہ خاندان المستعصم پر جو ۳۷واں خلیفہ تھا ۱۲۵۸ء میں تاتاریوں کے ظلم وستم سے ہمیشہ ہمیش کے لئے مٹ جاتا ہے۔"

لاریب دنیائے اسلام میں بنوعباس کی حکومت عربوں کی سب سے بڑی سلطنت تھی اور اس خلافتِ شرقی کے عہد زریں کا جواب بنوامیہ اور بنو فاطمہ کے یہاں بھی نہ تھا بنی امیہ دمشق اور بنو فاطمہ مصر کے تزک واحتشام اس کے مقابلے میں گرد تھے۔ بنوامیہ کی فتوحات کی یاد المہدی کے عہد نے کچھ تازہ کر دی تھی جبکہ عرب فوجیں ۷۸۲ھ میں قسطنطنیہ کے دروازہ پر پہنچ گئیں اور اس جنگ میں ہارون الرشید نے دادِ شجاعت دی اور اپنے خلافت کے عہد میں "روما" کے غرور کو نیچا دکھایا، نیسی فورس اول کو کامل شکست دی۔ علاوہ ہرقلہ اور الطواز پر قبضہ کر لینے کے ۸۰۶ء میں نہ صرف روما سے سابقہ مقررہ خراج وصول کیا۔ بلکہ نیسی فورس کی ذات پر محصول عائد کیا۔ غرضیکہ ہارون کے دورِ اقبال میں مطلع سیاست صاف تھا تو علم کی ترویج اور اشاعت کی طرف مبذول کی۔

دارالخلافہ بغداد کی شان وشوکت اس کی علمی وسعت، تجارت اور ترقی صنعت وحرفت کا الاغانی، عقد الفرید الفہرست کی ورق گردانی سے پتہ چلتا ہے۔

بنی عباس کے سیاسی افکار

حقیقتاً دولت بنی عباس دعوتِ آلِ محمد کی وجہ سے قائم ہوئی۔ آل ہاشم میں بنی عباس سیاسی دماغ رکھتے تھے۔ ان کی حصولِ خلافت میں اس قدر قربانی نہیں ہے جس قدر علوئین کی ہے بلکہ علوئین نے جو حصول خلافت کے لئے میدان تیار کیا تھا۔ اس سے بنی عباس نے بڑا فائدہ اٹھایا۔ علوئین میں سے ہی ایک بزرگ نے امام محمد بن علی عباسی کو اپنا جانشین کیا اور ان کی معاونت کے لئے اپنے انصار ومعاونین

کو وصیت کر گئے۔ چنانچہ ان حضرات نے اپنے امام کے حکم کی پوری پوری اطاعت کی۔ مگر اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ امام محمد کی اعلیٰ قابلیت اور سیاسی دور بینی نے دولت بنی عباس کے قیام کے لئے راہیں کھولیں۔

دعوتِ بنی عباس

آل ہاشم میں محمد بن علی بن عبداللہ بن عباس بڑا سیاست دان اور قوموں کی نفسیات کا واقف کار تھا۔ اس بزرگوار نے حمیمہ سے بیٹھ کر حصولِ خلافت کے لئے جو طریقہ کار اختیار کیا وہ کامیاب رہا۔ چنانچہ ابن قتیبہ لکھتا ہے :-

"محمد بن علی بن عبداللہ بن عباس نے مبلغین کو اپنی دعوت کے لئے منتخب کیا تو اُن کے سامنے مختلف مقامات اور مختلف خصوصیات وضاحت سے بیان کیں۔ انہوں نے اپنے سلسلۂ بیان میں کہا کہ کوفہ اور اُس کے مضافات میں شیعہ آباد ہیں، بصرے میں عثمانؓ کی طبیعت کے لوگ ہیں جو جنگ و جدل کو پسند نہیں کرتے اور کہتے ہیں کہ عبداللہ مقتول بنو۔ عبداللہ قاتل مت بنو۔ جزیرے کے لوگ یا تو خارجی ہیں یا بیوقوف بدو، یا ایسے مسلمان جن کے اخلاق عیسائیوں کے سے ہیں۔ اہلِ شام سوائے ابوسفیان کی اولاد اور بنی مروان کی اطاعت کے اور کچھ نہیں جانتے۔ ہمارے پورے دشمن اور پورے جاہل ہیں۔ مکے اور مدینہ والوں پر ابوبکرؓ اور عمرؓ کا اثر ہے۔ لیکن خراسان کو نہ بھولنا۔ یہاں کے رہنے والوں کی تعداد بے شمار ہے۔ ان کی بہادری مشہور ہے۔ ان کے سینے پاک وصاف ہیں۔ ان کے دل بُرائیوں سے خالی ہیں۔ خواہشات فرقہ بندی اور مذہبیت نے انہیں تقسیم نہیں کیا ہے اور نہ اُن میں فساد نے راہ پائی ہے۔ ان میں نہ تو عرب کی طرح نام و نمود کی خواہش ہے اور نہ

ان میں متبعین سادات کی طرح ایک دوسرے کی طرفداری کا جذبہ ہے یا جیسا کہ قبیلوں میں باہم عہدو پیمان ہوتا ہے یا ہر قبیلے میں اپنے قبیلے کی عصبیت ہوتی ہے۔ ان میں یہ بات بھی نہیں کہ ان پر برابر ظلم کیا جاتا ہے اور انہیں ذلیل وخوار کیا جاتا ہے اور وہ خون کے گھونٹ پی کر رہ جاتے ہیں۔

وہ ایک ایسا لشکر ہیں جن کے بھاری بھرکم جسم ہیں، شاندار کندھے اور شانے ہیں بڑے بڑے سر ہیں ڈاڑھیاں ہیں اور مونچھیں ہیں اونچی آواز ہے شاندار زبان ہے جو ڈراؤنے منہ سے نکلتی ہے۔" [۱]

دعاۃ نے خراسان جاکر دولت بنی امیہ کے خلاف میدان تیار کیا۔ ابومسلم خراسانی کو امام محمد نے بھیجا جس نے تھوڑے عرصہ میں دور دور تک یہ تحریک پھیلادی۔ امام محمد کے بعد ابراہیم امام ہوئے۔ انہوں نے ابومسلم کو یہ خط لکھا :-

"اگر تم ایسا کر سکتے ہو کہ خراسان میں کسی کو بھی جو عربی زبان بولتا ہو نہ چھوڑو اور قتل کردو تو ایسا ضرور کرو اور ہر عربی لڑکا جو قد میں پانچ بالشت تک پہنچ گیا ہو اُسے قتل کردو۔ مضر کا خاص طور پر خیال رکھنا چاہئیے یہ ایسے دشمن ہیں کہ تمہارے گھر سے قریب ہیں ان کی ہری بھری کھیتی تباہ کردو، ان میں سے کوئی زندہ نہ چھوڑو" [۲] عربوں کا قتل عام ابومسلم کے ہاتھوں ہوا۔ ۶ لاکھ عرب قتل ہوئے [۳]

جن عرب دعاۃ نے ابومسلم کا ساتھ دیا تھا قحطبہ الطائی سے حضرات کو اس نے قتل کرادیا [۴] منصور کی ہمدردیاں خراسانیوں کے ساتھ بہت تھیں۔ عجمی حکومت پر چھاگئے۔ دولت بنی عباس کی شان وشوکت مثل ساسانی شہنشاہی کے مانند بن گئی۔

---

[۱] عیون الاخبار صفحہ ۲۰۴ [۲] شرح نہج البلاغۃ جلد ا صفحہ ۳۰۹ [۳] ابن اثیر جلد ۵ صفحہ ۲۲۷
[۴] طبری جلد ۹ صفحہ ۹۷ -

جاحظ نے اسی وجہ سے لکھا ہے :-

"عباسی حکومت عجمی خراسانی ہے اور اموی حکومت عربی بدوی"[1]

گو بنی عباس کی حکومت شاندار قائم ہوگئی مگر کمزور خلفاء کے عہد میں یہی خراسانی و عجمی وبال جان بن گئے ۔

خلافتِ عباسیہ کے امتیازاتِ خصوصی

بنی اُمیہ کا آفتابِ حکومت ۱۳۲ھ میں زاب کے معرکہ میں غروب ہو گیا اور عباسی اقتدار کا آفتاب طلوع ہوا۔ تاریخ گواہ ہے کہ پانچ صدی تک نہایت شان و شکوہ سے دولتِ عباسیہ قائم رہی ۔

باوجودیکہ ان کے ہی زمانہ میں دولتِ بنی بویہ، سلاجقہ اور خوارزم شاہی زبردست سلطنتیں تھیں۔ لیکن ان کی نہ بنی عباس کی سی مملکت وسیع تھی اور نہ ان کی حکومت عام ہوئی[2]

دولتِ عباسیہ عظیم الشان حکومت تھی۔ اس کی عالمگیر حکومت کی سیاست کا امتزاج مذہب و ملوکیت دونوں سے تھا۔ نیک اور اچھے افراد اس کی اطاعت اس کی دین پرستی و مذہب نوازی کی وجہ سے کرتے تھے اور باقی لوگ اس کے ہیبت و جلال یا اپنے حرص و طمع کی وجہ سے اس کے سامنے سر جھکاتے تھے[3]

چند خلفاء خلافت بنی عباس میں ایسے عالی مرتبت تھے جن کی مثال حضرت عمر بن عبدالعزیز کے بعد بنی امیہ میں نہیں ملتی اور بنی فاطمی تو پیش ہی نہیں کر سکتے۔ ان کے عدل و انصاف زہد و ورع کا جواب نہیں۔ البتہ چند خلفاء ایسے تھے جن کی اخلاقی کمزوری سے امراء نے فائدہ اٹھایا اور ان کے ہاتھوں بازیچۂ اطفال بن گئے ۔

سفاح سے واثق تک تمام خلفاء اپنے کردار اور اولوالعزمانہ روش کے اعتبار سے یگانۂ روزگار تھے۔ ان میں کچھ کمزوریاں ضرور تھیں مگر اسی کے ساتھ ان

---

[1] کتاب ابو زرا الجحش صہ ۱۳۵ [2] مقدمہ الفخری [3] الفخری صفحہ ۱۲۵ -

کے کارنامے بہت ہی روشن ہیں۔ البتہ منصور سے جو کوتاہی عربوں کے حق میں ہوئی یا ہارون سے ولی عہد مقرر کر کے حکومت کو تین حصوں میں تقسیم کیا اس نے خاندانِ شاہی میں رقیبانہ کشمکش اور باہمی بغض و عداوت پیدا کر دی جس سے خاندان کا شیرازہ بکھر گیا اور یہی دولتِ عباسیہ کے زوال کا پیش خیمہ تھا۔

متوکل اپنے بیٹے کے ہاتھوں کام آئے جو امرائے ترک شریک سازش تھے ان کی بن آئی اور وہ اس قدر حاوی تھے کہ جس کو چاہتے خلیفہ کرتے۔ جس کو چاہتے معزول کر دیتے۔ غرضیکہ خلیفہ ترکوں کے ہاتھ میں کھلونہ تھے۔ زندگی موت اور خلافت ترکوں کے ہاتھ میں تھی انہوں نے معتز کو تڑپا تڑپا کر مارا[۱] مہدی کو خلیفہ بنایا یہ پاکیزہ سیرت، زہد و تقویٰ اور عبادت گذاری کے لحاظ سے نہایت ممتاز خلیفہ تھا۔ عمر بن عبدالعزیز اموی سے اس کی سیرت بہت ملتی جلتی تھی۔ مگر جاہل ترکوں نے اس مقدس خلیفہ کو معطل کر دیا[۲] اور آخر میں اسے ترکوں نے مار ڈالا[۳] اس کے بعد معتمد خلیفہ ہوا اس کو اپنی دلچسپیوں سے فرصت[۴] نہ تھی مگر اس کا بھائی موفق عباسی نائب سلطنت ہوا۔ اس نے حکومت کو سنبھالا۔ جب اس کا بیٹا ابوالعباس خلیفہ ہوا نہایت جاہ و جلال اور ہیبت و دبدبہ کا خلیفہ تھا۔ معتضد باللہ لقب تھا اس نے خلافت عباسیہ کے بے روح جسم میں جان ڈال دی۔ سفاح ثانی کے نام سے یاد کیا جاتا تھا۔ مکتفی نا اہل ثابت ہوا۔ مقتدر کے زمانہ میں پھر فتنے اور شورشیں اٹھ کھڑی ہوئیں۔ ایک خادم سپہ سالار مونس نے ۳۱۷ھ میں بغداد پر چڑھائی کر دی۔ خلیفہ بھاگنے پر مجبور ہوئے۔ آخر کار قاہر خلیفہ بنائے گئے مگر پھر دوبارہ مقتدر کو خلافت ملی۔

یہ ضرور ہے کہ اس کے عہد میں اندرونی شورشوں اور بیرونی فتنوں کے ہوتے ہوئے شان و شکوہ اور عظمت و جلال کا دور تھا۔ اس کے زمانہ میں شہنشاہِ روم کا سفیر مصالحت کی غرض سے بغداد آیا اور یہاں وہ نقشہ دیکھا جو شہنشاہِ روم کے

---

[۱] ابن اثیر جلد ۷ صفحہ ۶۰ [۲] الفخری صفحہ ۲۲۶ [۳] تاریخ الخلفاء صفحہ ۲۴۳ [۴] الفخری صفحہ ۲۲۶۔

یہاں خواب خیال تھا۔ مگر اس کی زندگی کا خاتمہ فوجیوں کے ہاتھوں ہوا۔ اس کے بعد قاہر خلیفہ ہوا۔ عنانِ خلافت سپہ سالار مونس اور وزیر اعظم ابن مقلہ کے ہاتھوں تھی۔ ان کے ہاتھوں خلیفہ اندھا کیا گیا۔ ایک دن جامع منصور میں قاہر نے صدقہ کا سوال کیا۔ ایک ہاشمی کو غیرت آئی۔ پانچ سو درہم دیئے اور سوال کرنے سے منع کیا[1]

مستکفی کے بعد راضی تختِ خلافت پر بیٹھا مگر اقتدار کا خاتمہ ہو گیا تھا۔ مرکزِ خلافت میں ترک جنرلوں کا اثر و نفوذ بہت بڑھ گیا۔ دوسری طرف خود مختار حکمرانیاں خلافت کے لئے مستقل خطرہ تھیں۔ فارس میں علی بن بویہ کا اقتدار تھا۔ رے، اصفہان و بلاد الجبل پر اس کا بھائی حسن مستولی تھا۔ موصل دیار بکر، دیار ربیعہ بنو حمدان کے قبضہ میں تھا۔ مصر و شام میں اخشید کی آزاد حکمرانی تھی۔ خراسان میں سامانی خود مختار سلطنت قائم تھی[2] اندلس میں عبدالرحمان ثالث خلیفہ تھا۔ اس سے بڑھ کر اس وقت عالم اسلامی میں تین خلافتیں تھیں۔ بغداد، اندلس، تیسری خلافت بلاد مغرب میں خلافت فاطمیہ کی تھی۔

راضی نے ایک عہدہ امیر الامراء کا نیا قائم کیا۔ بصرہ اور واسط کا گورنر ابن رائق کو مقرر کیا مگر نظم و نسق سلطنت سدھرنے کے بجائے اور بگڑ گیا۔ ابن رائق کی آمرانہ حیثیت تھی[3] خلیفہ نے جس غرض کے لئے ابن رائق کو یہ منصب دیا تھا وہ تو پورا ہوا نہیں بلکہ خود عضو معطل ہو کے رہ گئے تو اس کے طاقت ور حریف کو کھڑا کر دیا۔ وہ دونوں آپس میں کٹ مرے مگر رائق پھر برسر اقتدار آیا اس نے خلیفہ سے انتقام لیا۔ متقی سریر آرائے خلافت ہوئے۔ ابو عبداللہ بریدی والیٔ اہواز کو امیر الامراء بننے کی تمنا ہوئی۔ وہ رائق سے بھڑا مگر ابن رائق کامیاب ہوا۔ پھر اس نے بجکم کے خلاف صف آرائی کی بجکم قتل ہوا۔ اور ابن رائق دوبارہ عہدہ پر متمکن ہوا اب بریدی دوبارہ حریف بن کر بغداد پر حملہ آور ہوا۔ ابن رائق اور خلیفہ ناصر الدولہ حمدانی

---

[1] الفخری صفحہ ۲۴۹ [2] تجارب الامم جلد ۱ صفحہ ۳۵۱۔

کے یہاں موصل میں پناہ گیر ہوئے۔ ناصر نے ابن رائق کو قتل کرا دیا۔ یہ غلام تھا جو آگے چل کر آقا بن گیا تھا۔ ناصر خلیفہ کو لے کر بغداد پہنچا اور بریدی کو نکال کر خود امیر الامراء بن گیا۔ مگر پولیس افسر توزون ترکی نے اس کو بے دخل کر دیا اور خود امیر الامرا بن بیٹھا مگر متقی کو توزون گراں خاطر تھا اس کے خلاف کچھ کرنا چاہا اُس نے خلیفہ کو حراست میں لے کر عبداللہ بن مکتفی کو خلیفہ کر دیا اور متقی کی آنکھوں میں گرم سلائی پھیر دی۔ مستکفی عبداللہ بن مکتفی سریر آرائے خلافت ہُوا۔ گو مستکفی خلیفہ تھا مگر بالکل بے بس اور کچھ دن بعد توزون مر گیا تو ابو جعفر بن شیرزاد اس عہدے پر متمکن ہُوا۔ وہ توزون سے بھی زیادہ آمر تھا۔ علی بن بویہ نے بریدی کی مدد ابن رائق کے مقابلہ میں کی تھی۔ اب شیرزاد پر احمد بن بویہ چڑھ دوڑا اور وہ روپوش ہو گیا۔ خلیفہ نے احمد کو امیر الامراء کر دیا[1] مطیع اور طائع کے زمانہ میں احمد معز الدولہ نے خلافت کے نظم ونسق پر پورا اقتدار جمایا۔ صرف پانچ ہزار درہم روزانہ خلیفہ کو ملتے۔ ابن بویہ نے خلیفہ کے ساتھ ناروا سلوک جائز رکھے۔

عضد الدولہ دیلمی نے طائع کو اس قدر مجبور ولاچار کر دیا تھا کہ جب وہ سفر سے آتا خلیفہ استقبال کو نکلتے۔ جب ہر دو کے تعلقات بگڑ گئے تو دو ماہ تک طائع کا نام خطبہ سے خارج کر دیا اور خلیفہ کو مجبور کرا کہ اپنی ڈیوڑھی پر تین وقت نوبت بجنے کا حکم صادر کرایا مگر عام مجلسوں میں یا دربار میں عضد الدولہ نیازمندانہ حیثیت سے پیش آتا تھا[2] عضد کے مرنے پر اس کا بیٹا صمصام الدولہ جانشین ہُوا۔ پھر شرف الدولہ اُٹھ کھڑا ہُوا۔ اس نے صمصام کی آنکھوں میں سلائی پھیر دی اور وہ اندھا ہو گیا تو خلیفہ نے شرف الدولہ کو نوازا[3] اس کے مرنے پر ابو نصر جانشین ہُوا۔ طائع نے سات خلعتیں مرحمت کیں۔ تلوار کے سایہ میں خلیفہ کے حضور میں لایا گیا۔ زمین بوس ہو کر

---

[1] تاریخ الخلفاء صفحہ ۳۶۳ [2] ابن اثیر جلد ۸ صفحہ ۲۷۴ [3] تاریخ الخلفاء صفحہ ۲۷۱-۲۷۰

[4] تاریخ الخلفاء صفحہ ۲۷۱ - ۲۷۰ ۔

کرسی پر بیٹھا۔ اُس نے ہی طائع کو معزول کیا اور قادر کو خلیفہ مقرر کیا۔ قادر حکومت کی صلاحیت رکھتا تھا تہجد گزار تھا خیرات وصدقات کا خوگر تھا حسنِ سیرت اور حسنِ اطوار میں ممتاز تھا۔ سب سے بڑی بات یہ ہے کہ مذہبی عقائد نہایت اچھے تھے[1]

مگر ابو نصر بہاء الدولہ نے اپنا اقتدار بڑھا لیا۔ خلیفہ معطل سے تھے قادر کے بعد قائم خلیفہ ہوا مگر سیاسی حیثیت ان کی کچھ نہ تھی۔ وہ عالمِ اسلامی پر حکومت ضرور کرتے تھے مگر نظم ونسق میں کوئی دخل نہ تھا۔ بہاء الدولہ کا غلام ابوالحارث ارسلان بن عبداللہ ساکن بسا (فارس) جو بساسیری کے نام سے مشہور ہے ۴۵۰ھ میں بغداد پر چڑھائی کر دی اور آلِ بویہ کا اقتدار بھی ختم ہو گیا۔ بساسیری نے خلیفہ کو نظر بند کر دیا اور ظلم وستم ایسے توڑے کہ تنگ آکر خلیفہ نے طغرل بک سلجوقی سے امداد چاہی۔ اُس نے آکر بساسیری کو نکال باہر کیا اور آلِ بویہ کی سلطنت کا جنازہ بھی عراق میں دفن کر دیا۔

سلاجقہ کے دورِ اقتدار میں خلفاء کی بے چارگی آلِ بویہ کے دَور سے کچھ کم نہ تھی۔ انھوں نے بھی خلفاء کی معیشت اور گزر اوقات کے لئے جاگیریں مقرر کر دی تھیں۔ حکومت کے نظم ونسق میں دخل نہ دے سکتے تھے۔ خطبہ میں نام ضرور پڑھا جاتا البتہ یہ اپنے اوقات محلات کی تعمیر اور مرمت میں صرف کرتے تھے[2] سلاجقہ تحفہ و ہدایہ خلیفہ کی خدمت میں بہت بھیجتے تھے۔ اس کے علاوہ طغرل نے قائم کی لڑکی سے شادی کی۔ مقتدی نے اسپ ارسلان کی بیٹی سے مستظہر نے ملک شاہ کی بیٹی سے اور مقتفی نے سلطان محمود کی بہن سے شادی کی اس قدر تعلقات قائم ہو گئے مگر ملک شاہ کے دل میں خلیفہ کا یہ احترام تھا کہ مقتدی کو دارالخلافہ سے نکل جانے کا حکم دیا اور صرف دس دن کی مہلت دی۔ بنائے مخاصمت یہ تھی کہ خلیفہ کے دو لڑکے تھے،

---

[1] تاریخ بغداد جلد ۴ صفحہ ۳۷ [2] بغدادی زبدۃ الفکر صفحہ ۱۹۴۔

مستظہر اور ابوالفضل جعفر ابن بنت ملک شاہ خلیفہ نے مستظہر کو ولی عہد کیا۔ ملک شاہ اپنے نواسے کو ولی عہد کرانا چاہتا تھا۔ اس پر ملک شاہ نے کہا کہ مستظہر کو ولی عہدی سے خارج کر دو اور بغداد جعفر کو سونپ کر خود بصرے چلے جاؤ[1]
مقتدی نے اپنے عہد میں نئے سرے سے اقتدار قائم کرنے کی پہل کی۔ ولی عہدی کے مسئلہ میں ملک شاہ کے کہنے کو ٹھکرا دیا۔ مستظہر نے کچھ اور ہاتھ پیر نکالے۔ مسترشد کھل کے سلاجقہ کے سامنے آ گیا۔

سیلوطی کا بیان ہے :-

"وہ بلند ہمت نہایت بہادر، جری، مدبر اور بڑا باہیبت خلیفہ تھا۔ اس نے خلافت کے نظم و نسق کو درست کیا اور اس میں صحیح اور بہتر تنظیم و تربیت قائم کی۔ خلافت کے امتیازات کو زندہ کیا اور اس کی عظمت کو بڑھایا۔ ارکانِ شریعت کو مستحکم کیا۔ یہ خلیفہ بذاتِ خود جنگوں میں شریک ہوتا تھا"[2]

مسترشد نے سلطان محمود بن محمد بن ملک شاہ سلجوقی پر چڑھائی کر دی اور اسے شکست دی۔ ممکن تھا کہ اس وقت وہ سلجوقیوں کا خاتمہ کر دیتا۔ مگر حاکم بصرہ زنگی کی کمک آ گئی جس سے وہ سنبھل گیا۔ سلطان محمود مرا تو خلیفہ نے سلجوقی امراء کو باہم لڑوا دیا کہ وہ دست و گریباں ہو گئے۔ ادھر زنگی کی خبر لی موصل تک اسے بھگا دیا۔ مسعود سے مقابلہ ہوا۔ ایک امیر سلجوقی نے خلیفہ سے دغا کی جس کی وجہ سے شکست کا منہ دیکھنا پڑا اور اسیر ہو کر خیمہ میں محبوس ہوئے جہاں باطنی گروہ کے ہاتھوں شہید ہوئے۔ خلیفہ راشد نے بھی باپ کے قدم پر قدم رکھا۔ اس کے بعد مقتفی خلیفہ ہوا۔

ذہبی کا بیان ہے :-

---

[1] ابن خلکان جلد ۲ صفحہ ۱۶۴ [2] تاریخ الخلفاء صفحہ ۲۸۶۔

"مقتفی اعظم خلفاء میں سے تھا، شجاع و بردبار تھا۔ اس نے خلافت کے امتیازات کے اُبھرنے کی راہ کو ہموار کیا۔ وہ حکومت کا تمام نظم ونسق اپنے ہاتھ میں رکھتا تھا اور ایک سے زائد بار فوج کی کامیاب قیادت کر چکا تھا۔ مستعصم کے عہد کے بعد اب تک کوئی ایسا خلیفہ نہیں ہوا تھا جو باوجود چشم پوشی نرم خوئی اور رحمت ورافت کے اس قدر صاحب جاہ وجلال طبیعت کا صاف اور شجاع ہو۔ یہ نہایت عابد زاہد اور پرہیزگار خلیفہ تھا۔ آخر دم تک اس کی فوجوں کو کبھی ناکامی کا منہ نہیں دیکھنا پڑا"۔[1]

علامہ طقطقی بھی یہی کہتا ہے کہ

"مقتفی نہایت بلند مرتبہ خلیفہ تھا۔ اس نے عباسیہ کے دورِ عروج کی تجدید میں سعی عمل کا کوئی دقیقہ اُٹھا نہیں رکھا"۔[2]

مستنجد اور مستضئی خلیفہ ہوئے۔

اس کے بعد ناصر خلیفہ ہوا اس نے خوارزم شاہ کو مُنہ نہ لگایا۔ اُس نے بغداد پر حملہ کرنا چاہا تو چنگیز خاں کو خفیہ خط لکھ کر اس نے بھڑا دیا۔ ظاہر اور مستنصر کے عہد کا قابلِ ذکر تذکرہ نہیں ہے۔ مستعصم آخری خلیفہ ہے جو تاتاریوں کے ہاتھوں ختم ہوا۔ اس پر آگے اظہارِ خیال کرتے ہیں۔ یہ تھی پانچ سو سالہ مختصر تاریخ دولت بنی عباس کی۔

اب اس بحث پر آتے ہیں کہ عجمیوں اور ترکوں کو نوازنے نے خلفاء کی کیا حالت کر دی تھی؟ یہ تمام باتیں عربوں کو نظر انداز کرنے سے پیش آئیں کیونکہ دعوتِ بنی عباس کے آغاز سے ہی عرب پائمال کئے جا رہے تھے۔ بہت کچھ پہلے لکھ چکے ہیں اب کچھ باتیں تائید میں پیش کرتے ہیں۔

---

[1] تاریخ الخلفاء صفحہ ۲۹۲ [2] الفخری صفحہ ۲۰۴ [3] ابن خلدون جلد ۹ صفحہ ۱۸۵۔

عربوں کی ریاست و قیادت کا خاتمہ

علامہ سیوطی کا بیان ہے :-

"خلیفہ منصور پہلا شخص ہے جس نے موالی کو بہت سے کاموں پر مامور کیا اور انہیں عربوں پر ترجیح دی۔ بعد میں تو یہ چیز اتنی عام ہو گئی کہ عربوں کی ریاست اور قیادت ہی سرے سے فنا ہو گئی"۔ [1]

علامہ مسعودی منصور کے بارے میں لکھتا ہے :-

"وہ پہلا خلیفہ ہے جس نے اپنے موالی اور غلاموں کو عامل بنایا اور بڑی بڑی مہمات ان کو تفویض کیں۔ اس چیز کو بعد کے خلفا نے جو اس کی اولاد تھے بطور آبائی سنت کے اختیار کر لیا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ عرب تباہ ہو گئے ان کی شان و شوکت اور عزت و مرتبہ سب ختم ہو گیا" [2] بادی النظر میں یہ کہا جائے گا کہ اشک شوئی اور عام مخالفت کی وجہ سے منصور عربوں کو سلسلہ سے لگا دیا کرتا تھا جس طرح مسلم بن قتیبہ الباہلی کو بصرہ کا والی بنایا مگر اس کے ساتھ ایک مولی کو بصرہ اور انبہ کے علاقے کی ولایت پر بھی مامور کیا"۔ [2]

طبری کا بیان ہے :-

"خلیفہ منصور کا ایک غلام گندمی رنگ کا تھا۔ اپنے کام میں خوب ماہر تھا اور اس میں کوئی عیب نہیں تھا۔ ایک دن خلیفہ منصور نے اس سے پوچھا تم کس نسل سے ہو؟ اس نے جواب دیا۔ عربوں سے ہوں بمن میں قید کیا گیا۔ دشمنوں نے قید کر کے مجھے غلام بنا دیا پہلے آپ ہی [illegible]

---

[1] تاریخ الخلفاء صفحہ ۱۵۰ [2] مسعودی جزء ۲ صفحہ ۱۰۱ [3] [illegible] جزء ا صفحہ ۲۹۰ -

خاندان میں آیا اور وہاں سے آپ کی خدمت میں منصور نے کہا۔ اس میں
تو شک نہیں کہ تم بہت اچھے غلام ہو لیکن میرے محل میں میری حرم کی خدمت
کرنے کے لئے کوئی عربی داخل نہیں ہو سکتا اس لئے تم یہاں سے نکل جاؤ۔
اور جہاں جی چاہے چلے جاؤ۔ خدا تمہیں معاف کرے"۔
منصور کا ہی صرف یہ عمل نہ تھا منصور کے بعد کے خلفاء کا بھی یہی طریقہ رہا۔
مجبوری درجہ عربوں سے تعلق رکھتے تھے۔

زوال کا سبب اصلی

دوسرے اسباب کے علاوہ دولتِ بنی عباس کے زوال کا سبب عربوں کو نظر انداز
کر دینا تھا۔ عرب عہدوں وغیرہ سے الگ ہو کر زاویہ خاموش میں چھپ گئے اس پر
طرہ یہ اور تھا کہ منصور سے لے کر مامون تک تو عجمی سراہے جاتے تھے، معتصم نے
جاہل ترکوں کو بھرنا شروع کر دیا۔ پھر تو ان کے ہاتھ میں حکومت کی باگ آ گئی۔ حتیٰ کہ
خلفاء کے عزل و نصب کے ان کو حقوق تھے۔ جب بنی بویہ نے حکومتِ بغداد ہاتھ
میں لی پھر تو اور بھی گئی گزری حالت ہو گئی حتیٰ کہ آخری خلفائے بنی عباس اس
قدر کمزور ہو گئے تھے کہ ان کی حکومت صرف مملکتِ عراق پر رہ گئی تھی۔ یہاں تک کہ
قلعہ اربل جو قریب ہی تھا ان کی حکومت سے نکل گیا تھا۔ جب مستنصر کے زمانے
میں والی اربل کا انتقال ہو گیا تو خلیفہ نے اسے فتح کرنے کا ارادہ کیا اور جب
وہ بمشکل تمام فتح ہوا تو بغداد میں خوشیاں منائی گئیں۔ خلیفہ کے دروازہ پر نقارے
بجے اور شہر آراستہ کیا گیا۔

یہ ضرور ہے کہ احترام خلفاء کا قائم تھا۔ علامہ طقطقی لکھتے ہیں :-
ملوک اطراف پر ان خلفاء کا دینی احترام و اقتدار آخر تک باقی رہا اور
شام و مصر کے بادشاہ ہر سال ان کو بڑے بڑے تحفے بھیجتے اور اُن سے

اپنی اپنی ولایتوں پر حکومت کرنے کی اجازت حاصل کرتے۔ خلفاء نے صرف خطبہ و سکہ پر اکتفا کر لیا تھا۔"[1]

خلفاء عباسیہ کا مذہبی اقتدار

اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ خلفائے بنی عباس کا مذہبی اقتدار ہر زمانے میں قائم رہا۔ پہلے خلیفہ بنی عباس سفاح نے بیعت کے وقت خطبہ میں کہا تھا:۔

"اب اللہ رسول اُن کے عم محترم عباس کا ذمہ ہے کہ ہم تمہارے ساتھ کتاب و سنت کے مطابق برتاؤ کریں گے اور وہی طریقہ رکھیں گے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا تھا۔"

تاریخ گواہ ہے کہ کہاں تک خلفاء کا اس پر عمل ہوا۔ یہ ضرور ہے کہ بنی امیہ کے مقابلہ میں وہ کچھ امتیازی درجہ رکھتے تھے۔ خیرات و مبرات میں شاہانِ عالم سے سبقت لے گئے تھے۔ شعائر دین کا احترام ملحوظ رکھتے۔ ان کے عہد میں اکثر ممالک میں اسلام پھیلا۔ تمدنی اور معاشرتی ترقی ہوئی۔ پست قومیں بلند درجہ پر پہنچیں۔ مگر یہ حقیقت ہے کہ اسلامی روح اُن میں وہ نہ تھی جس کا دعویٰ کیا گیا تھا۔ جمہوریت کے بجائے اس میں استبداد تھا۔ استبداد کے جو لازمی نقائص ہیں اُن سے وہ بچ نہ سکے عجمیوں اور ترکوں کو بڑھا کر اُن کے ہاتھوں مثل کٹ پتلی کے بنے تاہم اُن کا مذہبی اقتدار اور حیثیت ہر زمانے میں قائم رہی۔

پروفیسر علی ابراہیم حسن ایم اے نے النظم اسلامیہ میں لکھا ہے:۔

"یہ ذہنوں میں جاگزین تھا کہ خلافت ایک ایسا نظام ہے جو اصلاح عالم اور دُنیا کے نظام کو صحیح حالت میں رکھنے کے لئے ناگزیر ہے اور خلیفہ اس

---

[1] مقدمہ الفخری

نظامِ خلافت اور اس اقتدار کا مرکز اور سرچشمہ ہے۔ جب خلیفہ عباسی سے دُنیاوی اقتدار سلب ہو چکا تھا اور طاقت ور امراء ترک اور بنی بویہ وسلاجقہ نے جب جی چاہا معزول کر دیا اور جی میں آیا تو قتل کر دیا۔ اس وقت بھی یہ عالمگیر ذہنیت فنا نہیں ہوئی تھی اور خلیفہ کا مذہبی اقتدار اپنی جگہ پر تھا۔"

ایک زمانہ خلفاء پر وہ بھی گزرا تھا جب صدقات پر ان کی زندگی قائم تھی۔ اس وقت بھی ان کی مذہبی فرمانروائی پر کوئی اثر نہ پڑا تھا۔ مسلمانوں کے بہت سے حکمران اس زبوں حالی میں بھی اس کے اقتدار کے معترف اور اس سے تفویض (نیابت) کی التجا کرتے تھے کہ ان کے عقیدہ میں وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا جانشین اور مسلمانوں کی قوت کا سرچشمہ تھا۔ ان امراء کی حکمتِ عملی اس تفویض سے یہ ہوتی تھی کہ وہ اپنی بزورِ شمشیر حکومت کو مذہبی حیثیت دے دیں۔ اسی پالیسی کے ماتحت سلطان محمود غزنوی نے خلیفہ مقتدی باللہ کی خلافت کے سامنے سر جھکایا تھا۔ اور یوسف بن تاشفین شاہ "مرابطین" نے اس کی خلافت کو تسلیم کیا تھا اور اس سے شرعی تفویض کی التجا کی تھی۔ خلیفہ مقتدی نے اسے "تفویض" عنایت کی اور اس کے اختیار کردہ لقب امیر المسلمین کو برقرار رکھا۔

غرضیکہ عباسی خلیفہ عالمگیر مذہبی احترام کا مرکز تھا۔ حتیٰ کہ سلطان صلاح الدین ایوبی کے ہاتھوں دولت فاطمیہ کا خاتمہ ہوا۔ مگر اس جلیل القدر سلطان نے بھی عباسی خلیفہ مستضئ کے نام کا خطبہ مصر بلاد مغرب یمن اور سوریہ (شام) کے منبروں پر پڑھوایا۔ خلیفہ نے بطور اظہارِ خوشنودی اسے ان ممالک کی نیابت کا شرف بخشا تھا۔ خلیفہ مستنصر نے نور الدین عمر کو بلاد یمن کی نیابت عنایت کی۔ اس خلیفہ نے شمس الدین التمش کو ہندوستان کی نیابت اور سلطان کا خطاب عطا فرمایا تھا۔ التمش نے بھی اپنی سلطنت میں سکہ خلیفہ کے نام سے جاری کیا تھا۔

اس بحث و نظر کے بعد عباسی خلفاء کے عالمگیر مذہبی اقتدار کا اندازہ

دشوار نہیں تھا [1]

خطبہ و سکہ | آخر میں خطبہ و سکہ ہی خلفاء کا طغرائے امتیاز رہ گئے تھے۔

خطاب و القاب | خلفاء کے دربار سے القاب و خطابات حاصل کرنا شانِ ریاست کی تکمیل کے لئے بالعموم منصور ہوتا تھا۔ پھر تو دربارِ خلافت سے خطابات اس دریا دلی سے عطا ہوئے کہ دوست دشمن سب ہی خطاب یافتہ نظر آتے۔

علامہ البیرونی نے الآثار الباقیہ میں لکھا ہے :-

"خطابات کی اتنی کثرت تھی کہ اس کی وجہ سے ان کی توقیر بالکل جاتی رہی تھی" [2]

علوئین اور بنی عباس

علوئین اور بنی عباس بنی ہاشم کے چشم و چراغ تھے۔ بنی امیہ نے جو کچھ علوئین پر ظلم توڑے اس کا انتقام بھی عباس نے دل کھول کر لیا۔ مگر بنی عباس نے بھی ان اپنے اہلِ خاندان سے جو سلوک روا رکھے دعوتِ آل محمد میں اس پر روشنی ڈال چکے ہیں۔ نتیجہ یہ ہوا کہ علوئین نے اپنی جان فروشی سے ان کے مدمقابل دولتِ فاطمی قائم کی۔

علامہ طقطقی مقدمہ الفخری میں لکھتے ہیں :-

"علویوں کے پے در پے خروج سے دولتِ عباسیہ کی چولیں ڈھیلی ہوگئی تھیں۔ یہاں تک حالت ہوچکی تھی کہ آخری خلفاء کے عہد میں رعایا اپنے گھروں میں امن امان کی نیند نہیں سوتی تھی۔
قزوین کا یہ حال تھا کہ جب رات آتی تو ملاحدہ (قرمطی و اسمٰعیلی) کے خوف کے مارے لوگ اپنا اپنا اثاثہ اور متاع تہ خانہ زمین دوز میں چھپا دیتے تھے" [3]

---

[1] مسلمانوں کا نظم مملکت مطبوعہ ندوۃ المصنفین صفحہ ۱۰۳ [2] الآثار الباقیہ صفحہ ۲۲۲ [3] مقدمہ الفخری۔

قرمطہ کے بعد باطنیہ اسمعیلہ نے جو کچھ مسلمانوں پر ظلم توڑے وہ بھی اس سلسلہ کی کڑی ہے۔ تاریخ میں تفصیلی حالات ہم لکھ آئے ہیں ۔

خلفاء کا غلط اقدام

بنی عباس نے اپنی دولت کے تحفظ کے لئے عربوں کے مقابلہ میں عجمیوں، ترکوں سے امداد لی۔ پھر بویہ اور سلاجقہ سے معاونت چاہی۔ خوارزمی مقابل آئے تو اُن کے مقابلہ میں چنگیز کو دعوت دی[1] آخرش خلیفہ ناصر کے اس کارنامہ سے اس کے پوتے ہلاکو کے ہاتھوں ان کے پوتے مستعصم کا خاتمہ ہُوا۔

اگر عرب پامال نہ کئے جاتے، علوئین نظر انداز نہ ہوتے تو سیلاب تاتار کو عرب ہی روک سکتے تھے ۔

بغداد کی تباہی تاتاریوں اور مسلمان امراء کے ہاتھوں

حکومت بغداد کے ختم کرانے میں علقمی و خواجہ نصیر الدین طوسی کا ہاتھ تھا ہی مگر اور مسلمان امراء بھی شریک تھے۔

چنانچہ پروفیسر براؤن لٹریری ہسٹری آف پرشیا میں لکھتا ہے :-

"نومبر ۱۲۵۶ء، ۶۵۵ھ میں ہلاکو خاں بغداد پر حملہ کے ارادہ سے روانہ ہُوا اس کے ہمراہ بہت سے مسلمان امراء بھی تھے۔ ابوسعد زنگی اتابک شیراز بدرالدین ٹوٹو اتابک موصل۔ عطا ملک جوینی مصنف تاریخ "گوہاں گوشا" مشہور فلسفی اور ماہر فلکیات نصیر الدین طوسی کے نام قابلِ ذکر ہیں"[2]

غرضیکہ دولت عباسیہ کے خاتمہ کے ذمہ دار جس قدر خود خلفائے عباسیہ تھے اتنے ہی امرائے اسلام اور سب سے بڑھ کر شیعہ سنی قضیہ کی کارفرمائی ۔

فاعتبروا یا اولی الابصار ۔

---

[1] الآثار الباقیہ صفحہ ۲۲۲ [2] ابن خلدون کتاب ثانی جلد نہم صفحہ ۱۸۴ ۔

سقوط بغداد کے وقت اسلامی حکمرانیاں

اسپین سے سمٹ کر غرناطہ مرکز تھا۔ یوسف بن نصر خلیفہ تھا

شمالی افریقہ میں عمر مرتضیٰ اپنی حکمرانی کا ڈنکا بجا رہا تھا۔ الجزائر میں دولت زیانیہ کا دور دورہ تھا۔ تونس میں ابو عبداللہ محمد مستنصر باللہ آمر تھا۔ مراقش میں ابو یوسف یعقوب بن عبدالحق حکمران تھا۔ مصر میں نور الدین علی فرمانروا تھا۔

یمن میں مظفر بن یوسف برسر حکومت تھا۔

صنعاء میں متوکل شمس الدین احمد تھا۔

روم میں سلاجقہ میں سے رکن الدین قزل ارسلان چہارم کا عہد تھا۔ فارس میں ابوبکر بن سعد زنگی حکمران تھا۔ کرمان پر قتلغ خاتون حکومت کر رہی تھی۔ ہند میں نصیر الدین محمود شاہ دہلی تھا۔

دولت بنی عباس کے خاتمہ پر یہ حکمرانیاں موجود تھیں۔ ہر جگہ علم کے چرچے تھے۔ علماء کی چہل پہل تھی۔ یہ تھے عباسیوں کے عروج اور زوال کے اسباب۔ مگر باعتبار شہنشاہ کے کیسے تھے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ حکماء نے جو بادشاہوں کے لئے رموز مملکت مقرر کئے ہیں۔ اگر ان کو سامنے رکھا جائے سوائے چند کے باقی خلفاء پورے اُترتے ہیں۔ اس کے لئے الفخری کا مقدمہ دیکھنا کافی ہے[1]۔

سلطنتِ عباسیہ کا اقبال غروب ہوا مگر علم و حکمت کا مہر درخشاں طلوع ہوا۔ گو اس وقت حکومت مختلف ٹکڑوں میں تقسیم تھی مگر علمی ترقی کو فروغ تھا۔ پہلے بغداد مرکز تھا اس کے بعد علم و فن کے سرپرستی کے متعدد مرکز ہو گئے تھے۔

خلفائے عباسیہ کے عہد کی علمی ترقی

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ورود مسعود کے کچھ عرصہ بعد ہی جزیرہ نمائے عرب

---

[1] مقدمہ الفخری از علامہ طقطقی متوفی سنہ ۷۰۳ھ۔

سے حق پرستی کا نور مشرق سے مغرب تک برق لامعہ کی طرح پھیلا اور حضورؐ کے وصال سے ایک سو برس تک کے اندر ہی اندر تہذیب و تمدن و عدل و انصاف کے ساتھ علم و ہنر کی ترویج، اشاعت میں عرب ملل عالم سے گوئے سبقت لے گئے۔ خلفائے راشدین کے بعد بنی امیہ کے تقریباً صد سالہ دور کے اختتام تک یہ تاریخی حقیقت ہے کہ عرب چین سے لے کر بحر اٹلینٹک تک حکمران ہو گئے تھے حتیٰ کہ بحر و بر پر ان کا کوئی مدمقابل نہ رہا۔ اگر عرب خانہ جنگی میں مبتلا نہ ہوتے تو کیا عجب ربع مسکون پر ان کا ہی تسلط نظر آتا۔ بنی امیہ کے ابن عم بنی عباس نے عنان فرمانروائی ان سے بقوت حاصل کی۔ یہ دینی علم و فضل کا گھرانہ تھا۔ دنیائے علم و حکمت پر بھی انہوں نے فاتحانہ قبضہ جمایا۔

قاضی صاعدین احمد اندلسی کا بیان ہے:۔

"صدر اسلام میں اہلِ عرب نے علوم و فنون کی طرف توجہ زیادہ نہیں کی ان کی دلچسپی کا مرکز نہ ان کی زبان تھی یا احکام شریعت۔ ہاں طب و سیر اس سے مستثنیٰ تھے۔"

خلیفہ سفاح کے بعد منصور سریر آرائے خلافت ہوا اس نے بغداد کی بنا ڈالی اور دارالحکومت قرار دیا جو نصف صدی کے اندر عظیم الشان تہذیب و تمدن کا شہر بن گیا۔ اس کی شان و شکوہ وسعت تجارت اور ترقی صنعت و حرفت اور علم و فن کا مرقع دیکھنا ہے تو "الآغانی، عقد الفرید الفہرست[1]" کا مطالعہ کافی ہے۔

خلفائے بنی عباس میں بیشتر حضرات کشور کشائی اور جہانبانی عدل و انصاف کے پیکرِ مجسم تھے اس کے ساتھ ہی وہ فضل و کمال کے بھی یگانہ روزگار تھے۔ ان کے

---

[1] الاغانی ابوالفرج علی بن الحسین القریشی الاصفہانی متوفی ۹۶۷ء، ۳۵۶ھ عقد الفرید ابن عبدربہ قرطبی متوفی ۹۳۰ء۔
الفہرست العلوم۔ ابن ابی یعقوب الندیم الوراق متوفی ۹۹۵ء۔

دربار میں دینی علوم کی ترویج و اشاعت کے ساتھ قدیم یونانی، ایرانی، ہندی علوم و فنون کا جو ایک عرصہ سے مُردہ حالت میں پڑے ہُوئے تھے احیا ہُوا۔ چنانچہ جملہ علوم و فنون عربی میں ترجمہ کے ذریعے منتقل کر لئے گئے۔ عرب دماغ نے اپنے تحقیق و کاوش سے ان کو ترقی کی راہ پر لگا کر زندۂ جاوید بنایا۔ خلیفہ منصور خود دینی علوم کا فاضل جلیل تھا۔ اس کے عہد میں حدیث و فقہ کے تمام اجزاء یکجا کئے گئے۔ چنانچہ امام مالک سے منصور نے ہی مؤطا کی تالیف کرائی۔ اس زمانے میں اور بھی مجموعہ حدیث کے مرتب ہوئے۔ امام ابو حنیفہؒ نے فقہ کی ترتیب و تصنیف کے لئے قلم اٹھایا۔ محمد ابن اسحاق نے مغازی کی طرف توجہ کی۔ شیخ التفسیر ابن جریج، شیخ الحدیث اوزاعی، حضرت سفیان ثوری، حماد بن سلمہ وغیرہ نے مختلف علوم و فنون میں بیش بہا اور نادر تصنیفات و تالیفات تیار کیں۔

ان کے علاوہ لغت، نحو، معانی بیان کے تمام ذخیرے جن کا دار و مدار اب تک زیادہ تر روایت اور حافظہ پر تھا۔ کتابی صورت میں محفوظ ہونے لگا۔ منصور کی توجہ علوم حکمت کی طرف بھی ہوئی۔ اس نے روم سے کتابیں منگائیں[1]۔ پھر تو یونانی زبان سے سریانی (سامی) میں اور سریانی سے عربی میں قدیم یونانی علوم و حکمت کی کتابیں منتقل ہوئیں۔

ابتدا یہ ترجمے کسی قدر ناقص ضرور تھے لیکن علم کے پیاسے عربوں نے ان ہی کو پڑھا اور سمجھا۔ حسن اتفاق سے ۱۵۷ھ میں ایک ہندی سیاح بغداد پہنچا۔ اس کے پاس ہیئت کے متعلق کتاب "سند ہند" تھی، منصور کے نذر گزاری۔ منصور نے محمد بن ابراہیم بن حبیب فرازی سے اس کا عربی میں ترجمہ کرایا۔ ابن ابراہیم عربوں میں پہلا منجم اور محقق ہیئت تھا۔ اس کی تحقیقات پر موسیٰ خوارزمی نے اپنی شہرہ آفاق زیج تیار کی اور یونانی ہندی متون کو باہم دیگر منطبق کیا۔ فارسی ہیئت

---

[1] کشف الظنون جلد ا صفحہ ۴۴۶۔

کی کتابوں کا عربی میں الفضل بن نوبخت متوفی ۸۱۵ء / ۲۰۰ھ نے جو الرشید کا مہتمم کتب خانہ تھا ترجمہ کیا۔

مذکور الذکر ہندوستانی سیاح کے ساتھ ریاضی کی کتاب بھی تھی اس میں اعداد کی کتابت ہندی طریقہ پر سمجھائی گئی تھی۔ عربوں کا مروجہ طریقہ اگرچہ رومن طریقہ سے بہتر تھا لیکن صفر کی ایجاد سے محروم ہونے سے ہندی طریقہ کے برابر سود مند نہ تھا۔ عربوں نے اس کو اپنا لیا۔ پھر نویں صدی میں جب ہندو حساب دانوں نے اعشاریہ کا طریقہ رائج کیا تو عربوں نے اس کے فوائد کے مدنظر اس کو بھی اختیار کر لیا۔ ہندی فنون کے علاوہ بغداد میں ایرانی علوم سے بھی استفادہ کیا۔ وہ ادب اور فنونِ لطیفہ تک محدود تھے۔ حکیم بیدپائے کا افسانہ کلیلہ و دمنہ کو ابن المقفع نے عربی جامہ پہنایا۔ اس کے علاوہ اس نے آئین نامہ۔ مزدک۔ التاج فی سیرت نوشیروان الادب الکبیر ادب الصغیر فارسی کتب عربی میں زیادہ ترجمہ ہوئیں۔ البتہ یونانی ادب مثلاً تصانیف ہومر و سوفوکلیس وغیرہ کو عربوں نے زیادہ توجہ سے نہیں دیکھا۔

عربوں کو یونان کی حکمت، طب، ریاضیات اور ہیئت، منطق بہت زیادہ پسند آئی۔ چنانچہ چند ہی سال کے اندر حکمائے یونان کے ان مضامین کے شاہکار معہ شرح و تقاریظ کے عربی میں منتقل کر لئے گئے۔ ابو یحییٰ ابن البطریق نے جالینوس (۲۰۰ء) بقراط (۴۳۶ ق م) کی اکثر تصانیف بطلیموس کی المجسطی اور اقلیدس کے عناصر کا ترجمہ کیا۔ ایک دوسرے مترجم شامی عیسائی یوحنا بن ماسویہ متوفی ۸۵۷ء / ۲۴۳ھ ... بن بخت یشوع کے شاگرد اور حنین بن اسحاق کے استاد نے چند طبی مخطوطات کو عربی کا جامہ پہنایا۔

موسیو سیدیو فرانسیسی لکھتا ہے کہ منصور فخر عرب خلفاء کے زمرہ میں ہے۔ اس نے سب سے پہلے عربوں کو دماغی اور ذہنی مشاغل میں مشغول کیا[1]

---

[1] تاریخ عرب صفحہ ۲۶۶۔

"گو" عربوں میں اکتساب علوم اور علمی ترقیوں کا میلان طبعاً موجود تھا، علمی مشاغل ان کے مرغوب ترین شغل تھے۔ ان میں اس بات کی طبعی استعداد تھی"۔ [1]

منصور کے جانشین خلفاء بھی علوم و معارف کی سرپرستی اور سعی ترقی میں منصور ہی کے نقشِ قدم پر چلتے رہے اور اپنے مفتوحہ ملکوں سے جلیل القدر علماء کو بلوا کر دربار میں رکھا۔ ان سے یونانی کتابوں کے ترجمے عربی زبان میں کرائے۔ کتب خانے قائم کئے۔ درس گاہیں بنوائیں تعلیم کو عام کیا۔ شاہی مدارس میں اور نیز دیگر تعلیم گاہوں میں عام و خاص ہر طبقے اور درجے کے ادیبوں کو تعلیم حاصل کرنے کی اجازت تھی اور ان مدارس میں ارسطو، بقراط، جالینوس و اسقوریدوس اقلیدس، ارشمیدس، بطلیموس اور ایولونیوس وغیرہ حکماء کی کتابیں برابر پڑھائی جاتی تھیں جن کے ساتھ ساتھ متن قرآن شریف اور اس کی تفسیر کا درس بھی دیا جاتا تھا۔

علماء و حکماء کی خاص خاص محفلیں اور مجالسِ مذاکرہ علمیہ قائم کیں۔ ان مجالس میں مشکل مسائل علمیہ پر غور اور بحث ہوا کرتی تھی۔

خلیفہ مہدی اور ہارون الرشید نے چیدہ چیدہ نصرانی علماء کو اپنے درباروں میں بلایا۔ یہ علماء ممالک ایشیا میں جا بجا پھیلے پڑے تھے ان پر شاہانہ انعام و اکرام کا مینہ برسایا اور ان سے یونانی اور فارسی زبانوں کی کتابیں عربی اور سریانی زبانوں میں ترجمہ کرائیں۔ [2]

اور ان علماء میں مشاہیر یہ تھے:۔

ماشاء اللہ فلکی جس نے اصطرلاب اور اس کے دائرہ نحاسیہ پر کتاب لکھی۔

احمد بن محمد نہاوندی فلکی۔ یہ بھی مشاہدات و رصد افلاک میں مثل ماشاء اللہ

---

[1] تاریخ عرب [2] تاریخ عرب صفحہ ۲،۴۔

معدوف رہا عربوں میں یہ علوم فلکیہ کے سب سے بڑے ماہر اور قدیم عالم تھے۔
ہارون الرشید نے بطلیموس کی المجسطی کا ترجمہ یحییٰ بن خالد برمکی کی زیر نگرانی حجاج بن یوسف وغیرہ سے کرایا۔ ابن یوسف مطہر نے اقلیدس کا بھی ترجمہ کیا۔
اس زمانہ میں صالح بن بہلہ ہندی عراق آیا۔ اس کا معاصر شناق (چناک) جس کی کتاب سنسکرت کا منکہ ہندی نے فارسی میں ترجمہ کیا[1] پھر یحییٰ بن خالد کے حکم سے ابو حاتم بلخی نے عربی جامہ پہنایا۔
مذکور الذکر منکہ ہندی نے اسماء عقاقیر الہند، کتاب سیر و فی الطب کا ترجمہ کیا[2]
کلیلہ و دمنہ کے مترجم نے ارسطو کی بعض منطقی کتابوں کا بھی ترجمہ کیا۔ ان کے معاصر فاضل مترجم یہ تھے:۔
یوحنا بن ماسویہ۔ سلام الابرش۔ سہل المطران۔ عہد ہارون میں عربوں کی دماغی، ذہنی ترقیات اور ان کے علوم و فنون کی مہارت کا جو درجہ تھا اُس کے اظہار کے لئے یہ کافی ہے کہ ان کے علمی عروج و کمال کی شہادت میں وہ بجنے والی گھڑی پیش کر دیں جو خلیفہ رشید نے شارلمین شاہ فرانس کو ہدیتہً ارسال کی تھی۔ یہ گھڑی نادرہ روزگار صنعت تھی اور پانی کے ذریعہ سے چلتی تھی۔[3]
"گھڑی کا موجد یونس کاتبی متوفی ۲۶۵ھ[4] تھا۔ جب سریر آرائے خلافت مامون اعظم ہوا تو اس نے اپنے باپ اور دادا کے قائم کردہ علمی ادارہ کو بہت زیادہ ترقی دی۔ یہ بیت الحکمۃ مامون کے ہاتھوں کچھ سے کچھ ہو گیا۔ ہارون نے اور وزرائے برامکہ نے جس قدر بیت الحکمۃ میں علمی ذخیرہ جمع کیا تھا اس سے بھی اور زیادہ مامون نے اس کو وسعت

---

[1] کشف الظنون جلد ا صفحہ ۴۴۸ [2] الفہرست ابن ندیم [3] تاریخ عرب سیدیو صفحہ ۲۷۶
[4] علوم عرب جرجی زیدان جلد ۳ صفحہ ۱۷۱۔

دی۔ سہل بن ہارون اس کا مہتمم تھا۔"

موسیو سیدیو لکھتا ہے :-

"وہ یہ خلیفہ آفتاب فضل تھا اور بے شمار بڑے بڑے باکمال علمائے نجوم و فلک کی طرح اس آفتاب علم کو اپنے حلقے میں لئے رہتے تھے۔ مامون نے قیصر روم سے دوستی اس بنا پر کی کہ علوم و معارف کا خزانہ اس سے حاصل کرے۔ مامون نے قسطنطنیہ اور اسکندریہ، انتیخ صقلیہ سے کتابیں علوم حکمت کی منگائیں اور ان کے تراجم پر بے شمار مال و زر خرچ کیا[1]

منصور سے ہارون تک کا پہلا دور تھا دوسرا دور علمی مامون سے واثق تک کا تھا۔ اس عہد کے مترجمین کی نمایاں شخصیتیں یہ تھیں :-

یوحنا بن بطریق۔ حجاج بن مطر۔ قسطا بن لوقا بعلبکی۔ عبد المسیح بن نائمہ۔ نائمہ قمص۔ حنین بن اسحاق۔ اسحاق بن حنین۔ ثابت بن قرہ صابی۔ جیش بن الحسن ابن البطریق۔ سلما۔

الحجاج بن مطر و ابن البطریق و سلما صاحب بیت الحکمۃ[2]

ثابت بن قرہ شیخ المترجمین تھا۔ حران کے صابیوں میں سے تھا جو زمانہ قدیم سے ستارہ پرست چلے آرہے تھے اور ہیئت اور ریاضی کے بالطبع دلدادہ تھے۔ ثابت اور اس کے ساتھیوں نے آشمیکس متوفی ۲۱۲ قم اور ابولونیس پر کائی (۲۱۲ قم) کے ریاضی کے شاہکاروں کا ترجمہ کر ڈالا اور پہلے ترجموں کی تصحیح کی۔

حنین بن اسحاق جو غریب عبادی (نصطوری) عیسائی کا لڑکا تھا۔ بنو موسیٰ بن شاکر نے[3] اپنے علمی ذوق سے دار الترجمہ قائم کر رکھا تھا۔ اس میں حنین معہ ساتھیوں کے ملازم ہو گیا تو ماہانہ ۵۰۰ دینار مشاہرہ پاتا تھا۔ ابن خلکان نے اس کی خوشحالی کا وفیات الاعیان میں ذکر کیا ہے۔ پھر حنین بیت الحکمۃ سے متعلق ہو گیا۔ مامونی دربار شاہی

---

[1] تاریخ عرب صفحہ ۲۷۶ [2] کشف الظنون جلد ا صفحہ ۴۴۷۔

سے کتاب کے برابر وزن کا سونا انعام میں اس کو ملا کرتا۔

بقراط، جالینوس اور ارسطو کی کتابیں اور کچھ افلاطون کی کتب کے ترجمے اس عہد میں ہوئے۔

کتب بقراط :۔ کتاب فصول (ترجمہ حنین) الکسر (حنین) تقدمۃ المعرفۃ (حنین وعیسیٰ بن یحییٰ) قاطیطون (حنین) الماء والهوا (حنین وجیش) کتاب طبیعۃ الانسان (حنین وعیسیٰ) کتاب عہد بقراط (جیش وعیسیٰ)

کتب جالینوس :۔ کتاب الفرق۔ النصاعہ النبض شفاء الامراض۔ المزاج الطبیہ العلل والامراض۔ تصرف علل، الاعضاء الباطنہ، الحمایات، البحران (مترجم حنین) جیش نے ۱۸ جالینوس کی کتب کا ترجمہ کیا۔ اصطفان نے ۵ کا اور حنین نے مذکورہ کتب کے علاوہ ۱۶ کتب کا اردو ترجمہ کیا۔ بقیہ کتب کا عیسیٰ ابن صلت، ثابت ابن البطریق نے ترجمہ کیا۔

کتب ارسطو :۔ قاطیفوریاس (حنین) کتاب العبارۃ سریانی میں حنین نے متی نے عربی کا جامہ پہنایا۔

البرہان (اسحاق نے سریانی میں متی نے عربی میں کیا۔ کتاب الجدل (یحییٰ) تحلیل القیاس (تیادورس)۔

کتاب المغالطات :۔ اوالحکمۃ الموہمۃ (ابن ناعمہ اور ابوبشیر نے سریانی میں، عربی میں یحییٰ نے ترجمہ کیا۔

الخطابۃ۔ کتاب العشر۔ اسماع طبعی۔ اسماء والعالم۔ الکون والفساد الاثار العلویہ النفس۔ الحیوان الاخلاق المراۃ اثولوجیا (اسحاق ابراہیم۔ ابوروح۔ حنین۔ قسطا۔ ابن ناعمہ ابن بطریق حجاج بن مطر نے مل جل کر ترجمہ کیا۔

کتب افلاطون :۔ کتاب السیاسیہ (حنین) مناسبات (یحییٰ بن عدی) النوامیس (حنین ویحییٰ) طیماوس (ابن بطریق) مکتوب افلاطون بنام افرطن وکتاب التوحید الحس واللذات (یحییٰ بن عدی) اصول ہندسہ (قسطا بن لوقا) ان کے علاوہ

دیگر فلاسفہ یونانی کی کتب عہد مامون میں کثرت سے ترجمہ ہوئیں [۱]

ان ترجموں نے عربوں کے عقل و دماغ پر اثر کیا۔ پھر عربی فصاحت و تمدن پر اپنے نقوش قائم کئے۔ ہارون، مامون نے علماء و اطباء و حکماء کی جیسی قدر و منزلت کی اس کی مثال کم تاریخ میں ملتی ہے۔ جبریل بن بخت یشوع ہارون و مامون کا درباری طبیب تھا۔ وزرائے برامکہ کا بھی معالج تھا۔ جب یہ مرا ہے بقول علامہ جلال الدین قفطی آٹھ لاکھ درہم اپنے پسماندوں کے لئے چھوڑے تھے [۲]

ہیئت مامون کے عہد میں یحییٰ بن ابی منصور نے ایک فلکی زائچہ مرتب کیا جس کی تیاری میں سند بن علی کی شرکت تھی اور سند بن علی نے ۲۱۸ھ و ۲۱۹ھ میں خالد بن عبدالملک مروزی کے ساتھ ہی کام کیا تھا۔ اس نے رصدین بھی تالیف کیں اور ان دونوں علماء نے علی بن عیسیٰ اور علی بن البحتری کو اپنے ساتھ لے کر فلکی مشاہدات کئے اور شہر رقہ اور شہر تدمر کے مابین خط نصف النہار کا قیاس و انداز کیا۔ احمد بن عبداللہ بن حبش نے تین زائچ کواکب کی حرکات کے بارے میں تالیف کئے اور مامونی عہد کے انہی عرب علماء فلک نے سورج گہن اور چاند گہن کے وقوع اور مدار ستاروں کے طلوع و غروب وغیرہ کا حساب لگایا اور ان سیاہ دھبوں کو دریافت کیا جو قرص آفتاب میں ہیں۔ اعتدال ربیعی، اعتدال خریفی کو رصد کے ذریعے درست طور پر جانچا اور فلک البروج کے منطقہ کا میل انداز لگا کر دریافت کیا [۳]

مذکورہ بالا عرب علماء میں درجہ اجتہاد اور رتبۂ امامت محمد بن ابراہیم بن جبیب الفزاری کا تھا۔ صاحب کشف الظنون لکھتا ہے :-

" واول من علمه فی الاسلام ابراهم بن جبیب الفزاری و من الکتب المصنفہ

---

[۱] ماخوذ از کشف الظنون جلد ا صفحہ ۲۲۷، ۲۲۸، ۴۴۸ [۲] اخبار الحکماء قفطی ذکر بختیشو

[۳] تاریخ عرب موسیو صفحہ ۳۷۵۔

فیہ تحفۃ الناظر و بہجۃ الاذکار و ضیاء الغین[1]۔"

احمد بن محمد نہاوندی نے شہر جندی سابور میں اجرام سماویہ کو رصد کیا اور ۸۰۳ء تا ۸۱۰ء میں کئی جدید زائچ تالیف کئے جن کا نام "المستمل" رکھا۔ یہ فلکی تحقیقات میں عہدِ ہارون سے لگا ہوا تھا۔ موسیٰ خوارزمی جس کا ذکر آ چکا ہے اس کا ہی معاصر فیلسوف عرب کندی تھا جس نے مدارس اسکندریہ و رشینیہ کی کتابوں کی مدد سے حساب، ہندسہ، حکمت، نجوم، حوادث۔ جو تیہ اور طب وغیرہ علوم و فنون میں دو سو کتابیں ترجمہ و تصنیف و تالیف کیں۔ کندی کا شاگرد ابو معشر فلکی تھا جس کی زیچ ابو معشر مشہور ہے[2]۔

فلکیات میں موسیٰ بن شاکر کے بیٹے محمد احمد حسن جو امرائے عہد سے تھے انہوں نے خود اس فن میں اپنی تمام مساعی صرف کر دیں اور عرب علماء کی زیچوں کو صحیح کیا اور اس کا تکملہ کیا۔ نہایت تحقیق و تدقیق کے ساتھ فارسی سنہ شمس میں حرکت آفتاب کا صحیح اوسط دریافت کیا۔ شہر بغداد کے مشہور دروازہ طاق کے متصل دریائے دجلہ کے ایک پل پر جو رصد خانہ تھا اس رصد خانہ میں یہ برابر فلکی مشاہدات کرتے رہتے اور منطقۃ البروج کے وسط کا میل انہوں نے دریافت کیا اور اس کی حد بھی مقرر کر دی کہ یہ میل (جھکاؤ) اتنا ہوتا ہے۔ اسی طرح عروض قمر سے عرض اکبر کے حسابوں کا فرق بھی معلوم کر لیا۔ ان بھائیوں میں بڑا محمد تھا جس نے کواکب سیارہ کی تقویمیں تیار کیں۔ ثابت بن قرہ علم الفلک میں اس کا ہی شاگرد تھا۔ ۹۰۰ء میں فوت ہوا۔ اس کے علاوہ اور بھی ماہرینِ علم ہیئت تھے جنہوں نے علم الفلک میں گراں قدر سرمایہ چھوڑا۔

اس فن میں عربوں کی مہارتِ فن اور کمال کا اندازہ اس سے کیا جا سکتا ہے کہ بعض فلکی علماء نے ایسے مکانات بنائے تھے جن میں آسمان تھا، آسمان پر تارے

---

[1] کشف الظنون جلد ا [2] تاریخ عرب صفحہ ۳۰۶ [3] المقری نفح الطیب جلد ۲ صد ۲۳۱۔

تھے۔ بادل تھے۔ بجلیاں تھیں، سب ہی کچھ تھا۔ دیکھنے والے کو ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے وہ سچ مچ آسمان کے نیچے کھڑا ہے۔[1]

غرضیکہ عربوں نے علم ہئیت کو بھی دیگر فنون کی طرح کمال پر پہنچا دیا۔ اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ آفتاب زمین سے کتنا بلند ہے اس کا حساب بھی عربوں ہی کا کارنامہ ہے[2] آلات رصد میں اسطرلاب بھی عربوں کا ایجاد کردہ ہے۔ الفزاری کے متعلق ابن ندیم کا بیان ہے۔

"وہو اول من عمل فی الاسلام اسطرلاباً وعمل مبطحاً ومسطحاً"[3]

ابو عبداللہ محمد بن موسیٰ خوارزمی کی جتنی توصیف کی جائے وہ کم ہے جہاں اس نے الجبر مقابلہ ایجاد کیا ہئیت کا بھی بڑا ماہر تھا۔

وہو من اصحاب علوم الہیئۃ۔[4]

متوکل باللہ کے زمانہ میں ممتاز سربر آوردہ ہئیت دان ماوراء النہر کا ابو العباس احمد الفرغانی تھا جس نے متوکل کے لئے فسطاط مصر میں ایک نیل پیما تیار کیا تھا۔ اس کی بے نظیر کتاب المدخل الی ہیئۃ الافلاک ہے۔

موجد آلات رصد

مامون کے رصد خانہ کے بعد رصد خانہ بنو شاکر کا تھا بغداد میں ۸۵۰ء/۲۳۶ھ - ۸۷۰ء/۲۵۷ھ موسیٰ بن شاکر کے بیٹوں نے اپنے مکان میں بنایا تھا۔ بغداد میں ہی نائب سلطنت سلطان شرف الدولہ بویہ نے ۹۸۲ء/۳۷۲ھ میں اپنے قصر میں رصد گاہ قائم کی تھی۔ جہاں عبدالرحمٰن الصوفی، احمد الصاغانی اور ابوالوفا برسر عمل تھے۔ الصوفی کی کتاب الکواکب الثابتۃ المنصور اس کی یادگار سے ہے۔ اس زمانہ میں علی بن یونس متوفی ۱۰۰۹ء/۳۹۹ھ اور دوسرا الغ بیگ سمرقندی ۱۴۳۹ء ایک دوسرے بویہ رکن الدولہ (۹۳۳ء/۳۲۱ھ) کے دربار میں ابو جعفر الخازن الخراسانی نے

---

[1] المقری نفح الطیب جلد ۲ صفحہ ۲۳۱ [2] تاریخ فلک العربی صفحہ ۴۵ [3] الفہرست صفحہ ۳۸۱، صفحہ ۳۸۳

[4] کشف الظنون جلد ۱ صفحہ ۳۷۹۔

میل طریق الشمس کی از سرِ نو تعین کی اور ارشمیدس کے ایک پرانے سوال کا بھی مساوات کے ذریعے حل شائع کیا۔

علامہ ابو ریحان محمد بن احمد البیرونی (۹۷۳ء - ۱۰۴۸ء / ۳۶۲ھ - ۴۴۰ھ) کی عمر کا بڑا حصہ ہئیت ونجوم کے مطالعہ میں گزرا۔ اس کی کتاب القانون المسعودی فی الهیئة والنجوم اس وقت کی ہئیت کے سارے شعبوں پر حاوی ہے۔ البیرونی حساب میں بھی اتنا ہی ماہر تھا۔ التفہیم لاوائل صناعة النجوم ہندسہ وہئیت میں اس کی ایک دوسری کتاب الآثار الباقیہ ریڈورڈ نا اخاو پروفیسر جامعہ برلن نے اس کتاب کی بڑی تعریف کی ہے اور اس زمانہ کے عرب اور دیگر مسلمان محققین کے کارناموں کو پیشِ نظر رکھ کر لکھا ہے کہ "اگر چوتھی صدی ہجری میں امام ابوالحسن اشعری اور امام ابو حامد غزالی کا مذہبی اور صوفیانہ رنگ مسلمانوں پر نہ چھا جاتا تو عرب قوم گلیلو، کیپلر اور نیوٹن جیسے بلند پایہ محقق پیدا کرنے والی قوم ہوتی۔"

سلجوق سلطان، جلال الدین ملک شاہ کی رصدگاہ واقع رے یا نیشاپور میں عمر بن ابراہیم الخیامی (۴۳۰ھ، ۵۲۳ھ) کے کارنامے آب زر سے لکھنے سے قابل ہیں۔ اس کی تاریخ الجلالی کی خوبیاں جس سے پانچ ہزار سال میں صرف ایک دن کی غلطی پیدا ہوتی ہے اور جبر و مقابلہ[۱] کی کتاب جس میں ثنائی مساواتوں کا جبری و ترسیمی حل مع ترتیب تحلیل مساوات بھی سمجھایا گیا ہے۔

تیسرا علمی دَور المتوکل سے مستعصم تک کا ہے۔ آخری خلیفہ بنی عباس کو ہلاکو کے ہاتھوں پامال کرانے والا محقق طوسی جس نے ۱۲۵۹ء / ۶۵۷ھ میں مقام مراغہ اپنی زیر نگرانی بحکم ہلاکو رصدگاہ بنوائی۔ یہی "زیج ایلخانی" کا مصنف ہے۔ اس نے اقلیدس کی تعریفات واصول موضوعہ پر تنقید کی، علم المثلثات، کتاب المتوسطات بین الهندسہ والهیئة نزہت الناظر التذکرہ فی علم الهیئة اس کے علمی کارنامے ہیں اس کے شریک کار رصدخانہ

۱؎ کشف الظنون

میں علامہ قطب الدین شیرازی اور کمال الدین فارسی مؤلف تنقیح المناظر جس نے قوس قزح جو ہندسی توجیہہ کی ہے وہی ہے جو سولھویں صدی عیسوی سے ڈیکارٹس نے شائع کی[1]

ریاضی فن ریاضی پر عرب حکماء نے جو علمی نظریہ ہندسہ میں قائم کئے جس کا تذکرہ اُوپر کیا جا چکا ہے جبر و مقابلہ کا موجد خوارزمی تھا اس کے بعد اس علم کا بڑا ماہر ابو کامل شجاع بن اسلم ہے جس کی مشہور کتاب الشامل ہے۔

"ابو کامل شجاع بن اسلم کتابہ الشامل وہو من احسن الکتب فیہ و من احسن شروحہ شرح القرشی"[2]

فن ریاضی کے سلسلہ میں علم مثلث میں بھی عربوں نے بہت کچھ کام کیا۔ نسبت مثلثہ کے عداد میں عربوں ہی نے سب سے پہلے مماس (ٹنجینٹ) کو داخل کیا۔ تناسب جیوب کا قانون بھی عربوں ہی کے انکشاف کا نتیجہ ہے اور ان کے فخر کو یہ کافی ہے کہ کروی مثلثات کے حل کا عام قاعدہ انہی نے بنایا۔ نظیر مماس اور قاطع اور اس کی نظیر ان چیزوں کے لئے جدولیں بھی سب سے پہلے عربوں نے تیار کیں اور واقعہ تو یہ ہے کہ علم المثلثات میں عربوں نے کوئی ایسی چیز نہیں چھوڑی کہ اس پر اضافہ ہو سکے"۔

کیمیا

فن کیمیا کے ایجاد کا سہرا شہزادۂ خالد بن یزید اموی کے سر ہے۔ ہوس کے ذوق میں یہ کام اس نے شروع کیا مگر نئی راہیں سامنے آئیں جس سے جدید کیمیاوی انکشافات ہوئے تو اس نے ایک معمل قائم کیا اور علماء کو بلوا کر کتب طب کے بھی ترجمہ کرائے۔

ابن ندیم کا بیان ہے:-

"خالد نے چند مصری علماء طلب کئے جنہوں نے دمشق میں رہ کر علمی کتابوں کے ترجمے کئے۔ ان علماء میں ایک پادری مرنا یونس تھا جس نے خالد کو علم کیمیا

---

[1] قرون وسطیٰ میں عرب و عجم کے حکماء کی علمی تحقیقات ص۱۶ از علامہ محمد عبدالرحمٰن صدر حیدر آباد اکادمی۔

کی تعلیم دی اور اصطفان نے اس فن کی کتابیں عربی میں خالد کے لئے نقل کیں "۔[۱]

البیرونی خالد کو اسلام کا سب سے پہلا حکیم لکھتا ہے[۲]۔

" خالد کے شاگرد حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ تھے جن کے فنِ کیمیا پر چند رسائل تھے۔ جابر بن حیان جو فنِ کیمیا کا امام کہا جاتا ہے وہ اِن کا ہی شاگرد تھا۔ عہدِ بنی عباس میں جابر کے شاگردوں نے اس فن کو ترقی دی۔ یہی لوگ بنیادی اصول کے قائم کرنے والے تھے۔ ان عرب کیمیاگروں نے اپنے تجربی تحقیقات اور ان کے مختلف ذرائع مثلاً تحلیل، کشید، قلماؤ کلنا و تبخیر تخلیص و ترسیب وغیرہ کی کامل توضیح کی اور متعدد نئے مرکبات خالص حالت میں تیار کئے اور اُن کے صحیح خواص بھی دریافت کئے ۔

معدنی تیزاب اور نباتاتی قلویات انہوں نے معلوم کئے۔ ان تمام پر وہ مجتہدانہ نظر رکھتے تھے اور ان عربوں نے بہت سے قدیم کیمیاوی نظریات کو باطل کر دیا تھا۔ بارود کو مرکب کی صورت میں دنیا کے سامنے عربوں نے پیش کیا۔ ابن اثیر کا قول ہے کہ عربوں نے بعض ایسی دوائیں ایجاد کی تھیں کہ اگر وہ لکڑی پر مل دی جائیں تو آگ ان پر اثر نہیں کرتی تھی ۔

مؤرخ موسیو سیدیو اپنی تاریخ میں لکھتا ہے :-

دواسازی

" کیمیاوی طریقہ پر دواسازی کرنے والے دواخانے عرب ہی نے قائم کئے اور فنِ دواسازی جسے آجکل قواعد تخضیر الادویہ کے نام سے شہرت دی جاتی ہے یہ عرب کے کیمیاوی دواسازوں ہی کا متروکہ ہے "۔

---

[۱] ابن خلکان جلد ۱ صفحہ ۱۶۸ [۲] آثار الباقیہ صفحہ ۳۰۲ [۳] الفہرست ابن ندیم

بہت سے نادر معدنی استکشافات عربوں کے ذریعے ظہور میں آئے۔ کیرتیک، ماء معشر اور ماء ملکی کی ترکیب اور پارہ نکال لینے اور ان کوہل کے جوہروں کا خمیر اٹھانے اور ایسی ہی دیگر کیمیاوی باتوں کا پتہ ابوموسیٰ جعفر کوفی کی تالیفات سے ملا جو آٹھویں صدی عیسوی میں مشہور عالم ہوا ہے۔ ابن وحشیہ کی بھی فن کیمیا پر تصنیف، کتاب الاصول الکبیر فی الصنعۃ مشہور ہے[1] عثمان بن سوید ابو تری الاخمیمی جس کی کتاب الکبریت الاحمر ہے[2]

معدنیات، حیوانیات و نباتیات

سے بھی عربوں کو لگاؤ تھا عطار دبن محمد الحاسب کی کتاب منافع الاحجار اس کے سوا شہاب الدین التفاشی کی ازہار الافکار فن جواہر ہے۔ اس میں ۲۴ قیمتی پتھروں کا محل وقوع جغرافی حالات صفائی حقیقی وخیالی اثرات بیان کئے ہیں۔ بلینوس اور ارسطو کے نام نہاد رسالوں کے سوا صرف عرب مصنفین ہی کے حوالے درج ہیں۔ البیرونی کی بھی اس بحث پر ایک کتاب ہے۔ علم نباتات میں عربوں نے ایک استاد کی حیثیت اختیار کر لی تھی۔ اس علم میں ابوعثمان ابن بیطار اور رشید الدین ابن صدری غیرفانی شہرت کے مالک ہیں۔ رشید کے ساتھ مصور رہتا تھا جو جڑی بوٹیوں کی تصویر کھینچتا تھا[3] ماہرین علم نباتات میں ابن الصوری کا جواب نہیں ملتا۔[4]

طبعیات

عربوں نے اولاً طبعیات میں تجربہ اور مشاہدہ اور آلات کے ذریعہ سے کسی چیز کے ثبوت کرنے کے بجائے باریک اور دقیق منطقی استدلال سے کام لیا غلطیاں

---

[1] الفہرست ابن ندیم صفحہ ۵۰۴ [2] ایضاً

[3] ابن ابی اصیبعہ طبقات الاطبا جلد ۲ صفحہ ۲۱۹

[4] عیون الانبا فی طبقات الاطبا جلد ۲ صد ۲۱۹ شیخ موافق الدین بن قاسم بن ابی اصیبعہ متوفی ۶۵۲ھ۔

اس سے درست نہ ہو سکیں۔ اس واسطے ہیولیٰ اور جزء لایتجزیٰ اور صورت نوعیہ وجسمیہ اور حرطبعی اور خلاء کی نازک بحثوں کو اور بھی دقیق کر دیا اور کائنات الجو اور اجرام فلکی اور عناصر اربعہ کی ماہیت کی تحقیق کرنے سے قاصر رہے۔ بایں ہمہ انھوں نے اس علم میں بعض نہایت کارآمد چیزوں کی تحقیق کی ہے۔ جیسا کہ محمد بن ذکریا نے اسباب قوتِ جاذبہ مقناطیسی پر نہایت عمدہ رسالہ لکھا ہے۔ پھر تو عربوں نے حکمائے یونان کی تحقیقات نظرانداز کر کے حسب عادت اس میں بہت کچھ اضافہ کیا۔ آلات بنائے جن کے ذریعہ ثقل نوعی تک کا حساب رکھتے۔ ایسے ایسے پیمانہ تیار کئے کہ ایک گرام ۴۰۰۰ حصے سے کم وزن کا فرق تک معلوم کر لیتے تھے۔ نظریہ جذب کے متعلق بھی ... کے بہت سے اقوال ملتے ہیں[1]

روشنی کے متعلق بھی ان کے مستقل نظریات ہیں کہ اس سے پہلے کسی کی رسائی ذہن وہاں تک نہ ہوتی تھی۔ اس کی بدولت دوربین کی ایجاد ہوئی[2]

امراض چشم اور اُن کی تشریح کے متعلق بھی عربوں کا بہت سا تحریری سرمایہ موجود ...

طیارہ کا اوّلین تصوّر

فضاء آسمانی میں پرواز کا خیال بھی سب سے پہلے عرب کا آیا۔ سب سے پیشتر اس معاملہ کی طرف ... ذہن منتقل ہوا وہ عباس ابن فرناس تھا۔ نفح الطیب میں تحریر ہے کہ:

"عباس نے اپنے جسم کو فضا میں اڑانے کی کوشش کی۔ پہلے تو اس نے اپنے بدن پر پَر جڑے۔ پھر دو بازو تیار کئے جیسے چڑیوں کے ہوتے ہیں۔ اس کے بعد اس نے فضا میں کافی عرصہ تک پرواز کی۔ لیکن یہ پہلا تجربہ اس کے لئے ایک حد تک تکلیف دہ ثابت ہوا۔ اُترتے وقت اس کے جسم کے پچھلے حصہ میں کچھ چوٹ آئی۔ اسے یہ نہیں خیال رہا کہ پرندہ اُترتے وقت اپنے پچھلے حصہ سے زیادہ مدد لیتا ہے۔ عباس نے یہ غلطی کی کہ دُم نہیں بنائی"[3]

---

[1] بسائط علم الفلاء صفحہ ۲۲ [2] انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا [3] تاریخ الفزیکس صفحہ ۲۳ [4] ایضاً

قانون قانون باجہ بھی عربوں کی ایجاد ہے اور زریاب بغدادی نے موسیقی میں وزن خاص ایجاد کیا۔ قانون کی ابتدائی شکل معلم الثانی ابونصر فارابی کی دی ہوئی ہے۔ فارابی نے دو لکڑیوں سے ایک باجہ ایجاد کیا تھا۔ ان لکڑی کی ترتیب میں جب ذرا سا تغیر کر دیا جاتا تھا تو مختلف قسم کے راگ نکلتے تھے۔ فارابی امیر سیف الدولہ حمدانی والیٔ موصل کے دربار سے متعلق تھا۔ حمدانی نے اس سے سوال کیا کہ تم کو گانے بجانے کا بھی شوق ہے۔ فارابی نے اثبات میں جواب دیا۔ پھر اپنی جیب سے ایک خریطہ نکالا اُسے کھولا اور اس میں سے دو لکڑیاں نکالیں انہیں ایک خاص انداز میں ترتیب دیا اور بجانا شروع کیا۔ اہلِ محفل پر یہ اثر ہوا کہ تمام لوگ ہنستے ہنستے لوٹ لوٹ گئے۔ اس کے بعد لکڑیوں میں خفیف سا تغیر کر دیا اور بجانے لگا۔ نتیجہ یہ ہُوا کہ حضارِ مجلس پر غنودگی طاری ہوگئی اور سب سو گئے۔ فارابی نے لکڑیاں جیب میں رکھیں اور چلتا ہُوا۔ جب سیف الدولہ کو ہوش آیا تو معلم الثانی کو ڈھنڈوا کر بلایا اور انعام و اکرام سے نوازا [۱]

طب طب میں عہدِ بنی عباس میں بہت سی تصانیف ہوئیں۔ ہارون کے طبیب یحییٰ بن ماسویہ نے تیس کتب طب کی شرحیں لکھیں جنہیں نے مامون کے عہد میں بقراط جالینوس کی کتب کا ترجمہ کیا۔ جیسا کہ ذکر آچکا ہے۔ محمد بن زکریا رازی علی بن عباس مشہور طبیب تھے۔ آخر الذکر نے دس جلدوں میں قواعد طب کے لکھے۔ ابن سینا مشہور و معروف ہے ابن سینا اور زکریا کی تالیفات کثیر التعداد ہیں سینا نے ۱۰۳۷ء میں وفات پائی [۲]۔

علمِ جراحی ناصر باللہ کے زمانہ میں علم جراحی نے خاص ترقی کی اس سے پہلے عہد معتصم میں یوحنا بن ماسویہ نے ۸۳۶ء / ۲۲۱ھ میں نوبیہ سے ایک بندر تحفہ میں آیا تھا۔ اس کی نعش پر عمل جراحی کر کے چند ابتدائی باتیں معلوم کیں۔ مگر ناصر کے عہد میں بغداد میں حکیم عبد اللطیف المصری نے بارھویں صدی میں اس علم کی طرف توجہ

---

[۱] ابن خلکان جلد ۲ صـ ۷۷ [۲] تاریخ الطبا صـ ۱۹۵ [۳] تاریخ عرب میو صـ ۲۲۷

کی حسنِ اتفاق کہ اس کو ایک جگہ انسانی ہڈیوں کا ایک بڑا انبار مل گیا۔ اُس نے ہر ہڈی کی تحقیق کی اور اُن کی ساخت ترتیب وغیرہ سے متعلق متعدد نئی معلومات فراہم کیں۔ وہی علم تشریح کے بنیادی اصول قرار پائے۔ اس نے مفصل ایک رسالہ اس فن پر لکھا۔

سب سے زیادہ علم جراحت سے متعلق انکشاف زکریا رازی نے کیا۔ عمل بالید، سرجری اور آلات وغیرہ کے استعمال میں ید طولیٰ تھا۔ ابوالقاسم بن عباس الزاہروی کو خاص امتیازی درجہ حاصل ہے۔[1]

جڑی بوٹی

جڑی بوٹی کی تحقیق و تفتیش میں عربوں نے اپنی توجہ مبذول کی اور اس کو بھی کمال پر پہنچایا۔ غرضیکہ فنِ دوا سازی کے بانی ہونے کا فخر عربوں ہی کو حاصل ہے۔[2]

جغرافیہ

فنِ جغرافیہ میں بھی عربوں کو تقدم کا شرف حاصل ہے۔ یونانی وغیرہ کتابوں کے ترجمے کئے مگر وہ ناکافی تھے خود اس فن پر توجہ کی۔ اپنے مشاہدات و تجربات سے اس کو وسیع معلومات کیا۔ بطلیموس کی اغلاط کی تصحیح کی۔[3]

یعقوب کندی نے بلینیوس کے جغرافیہ کا ترجمہ کیا۔ اس کے بعد سے خود انہوں نے اپنی تحقیق سے کتابیں لکھنا شروع کیں۔ کیونکہ عرب حج بیت اللہ کے سوق سمت کعبہ کی صحیح تعین کی ضرورت اور سیر و سیاحت و تجارت کے شغلوں سے ان کی جغرافی معلومات بہت وسیع ہو گئی تھیں۔ متعدد شہروں کے عرض بلد اور طول بلد انہوں نے دریافت کئے۔

ساتویں اور نویں صدی میں مسلمان تجار ایک طرف مشرق میں بری اور بحری راہوں سے چین پہنچے۔ دوسری طرف جنوب میں انجبار اور افریقہ کے بعید ترین سواحل کا پتہ چلایا۔ مغرب میں بحر ظلمات کے کناروں تک جا پہنچے اور شمال میں روس کے اندر تک

---

[1] آلات الطب والجراحت عند العرب صفحہ ۴ [2] تاریخ تمدن الاسلامی زیدان جلد ۳ صفحہ ۱۸۱

[3] تاریخ التمدن الاسلامی جلد ۳ صفحہ ۱۸۱۔

سرایت کر گئے۔ سیراف کے سلمان التاجر نے مشرق بعید کی سیاحتوں کا حال ۸۵۱ء / ۲۳۶ھ میں لکھا۔ یہ پہلی کتاب ہے جس سے ہند کے ساحل کی نسبت عربوں کی معلومات کا پتہ چلتا ہے۔ ابن واضح یعقوبی نے اپنی کتاب البلدان میں معمولی جغرافیہ معلومات کے ساتھ معاشی معلومات کا اضافہ کیا۔ قدامہ جو عیسائی پیدا ہوا اور مشرف باسلام ہو کر بغداد میں ۹۲۸ء / ۳۱۶ھ کے بعد مالگذاری کا محاسب تھا اور اپنی کتاب الخراج میں خلافت بنی عباس کے صوبجات کی تقسیم سالانہ آمدنی اور نظام رسل و رسائل پر بحث کی ہے۔ اس نوع کی جغرافی کتابوں میں ابن رستا کی الاعلاق النفیسہ ۹۰۳ء / ۲۹۰ھ اور ابن الفقیہ الہمدانی کی کتاب البلدان بھی قابلِ ذکر ہیں۔

الاصطخری ۹۵۰ء / ۳۳۹ھ کی المسالک والممالک کے جغرافیہ میں مختلف ملکوں کے نقشے مختلف رنگوں میں دیئے گئے ہیں۔ مسعودی کے بعد وہ دوسرا مصنف ہے جو سجستان کی ہوا چکیوں کا ذکر کرتا ہے۔ اس کے کہنے پر ابن حوقل ۹۴۳ء / ۳۳۲ھ نے جو اسپین تک سفر کیا تھا اس کی کتاب اور نقشوں کی نظر ثانی کی۔ المقدسی کی کتاب احسن التقاسیم فی معرفت الاقالیم بڑی دلچسپ بیان کی جاتی ہے۔ اس دور کا یمن کا جغرافیہ دان اور آثار قدیمہ کا تذکرہ نویس الحسن بن احمد الہمدانی جو صفا کے محبس میں ۹۴۷ء / ۳۳۶ھ فوت ہوا اپنی تصنیفات الاکلیل اور صنعت جزیرۃ العرب کی وجہ سے قابلِ ذکر ہے۔ اس دور میں سیاح الارض المسعودی نے بھی نشوونما پائی جس کا ذکر مؤرخین میں آئے گا۔

بنی عباسیہ کی خلافت کے آخری زمانہ یاقوت بن عبداللہ الحموی ۱۱۷۹ء / ۱۲۲۹ مطابق ۵۷۵ھ / ۶۲۶ھ مشرقی مسلمانوں میں سب سے بڑا جغرافیہ نویس تھا۔ اس کی کتاب معجم البلدان حلب میں مکمل ہوئی۔

یہ انسائیکلو پیڈیا نہ صرف اس زمانے کی جغرافی معلومات کا معدن ہے بلکہ تاریخ اقوام و بنی نوع انسان اور حیوانیات و نباتات کی گراں قدر معلومات سے مملو ہے۔ یاقوت کی دوسری تصنیف معجم الادبا بھی اس پایہ کی کتاب ہے۔ ابو معشر بغدادی متوفی ۸۸۶ء / ۲۷۲ھ کا ہیئتی جغرافیہ جس میں سمندروں کے مدوجزر کا تقریباً صحیح نظریہ

یعنی شمس و قمر کا سمندر کے پانی پر اثر تفصیل کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔[1]

تاریخ عربی تاریخ کا سرچشمہ صرف عرب کے اشعار دوں کی ضرب المثلوں کے مجموعے اور آغانی ہی نہیں ہیں بلکہ ان میں بے شمار مؤرخ بھی گزرے ہیں جنہوں نے مختصر و مفصل تاریخیں قابلیت کے ساتھ تالیف و تصنیف کی ہیں اور ان سے عربوں کے حالات کا پتہ چلتا ہے۔ چنانچہ حاجی خلیفہ نے عرب مؤرخین کی ایک ہزار تین سو تاریخی تصانیف کا شمار کرایا ہے اور یحییٰ آفندی نے اپنی کتاب التاریخ میں لکھا ہے کہ عرب مؤرخین کی تصانیف تاریخیہ نہایت خوش ترتیب ہیں۔[2]

تاریخ و سیر سے مسلمانوں کو دلی شغف تھا۔ دولت بنی امیہ کے عہد میں اس پر خاص توجہ ہوئی۔

محمد بن اسحاق (۷۶۷ء / ۱۴۹ھ) نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبات لکھی جو ابن ہشام کی صورت میں (۸۳۴ء / ۲۰۹ھ میں) شہرت پذیر ہوئی۔ ابن قیرہ صابی نے ۱۹۰ھ میں تاریخ لکھی اور موسیٰ ابن عقبہ (۷۵۸ء / ۱۴۱ھ) الواقدی (۸۲۳ء / ۲۰۸ھ) کی کتاب المغازی۔ ابن سعد (۸۴۵ء / ۲۳۰ھ) کی طبقات عبدالحکم (۸۷۰ء / ۲۵۷ھ) کی فتوح مصر اخبار ہا احمد بن یحییٰ البلاذری (۸۹۳ء / ۲۵۷ھ) مصنف فتوح البلدان و انساب الاشراف ابی عمر بن محمد بن یوسف الکندی ۳۲۶ھ تاریخ قضاۃ و مصر ابن قتیبہ (محمد بن مسلم الدینوری (۸۸۹ء / ۲۷۶ھ) کی کتاب المعارف احمد بن داود الدینوری (۸۹۵ء / ۲۸۲ھ) کے اخبار الطوال حمزہ الاصفہانی متوفی ۹۶۱ء اور ابن واضح الیعقوبی ابن مسکویہ صاحب تجارب الامم ابوجعفر محمد بن جریر الطبری متوفی ۹۲۳ء / ۳۱۰ھ کی اخبار الرسل والملوک۔ ابوالحسن عزالدین ابن الاثیر موصلی مصنف الکامل فی التاریخ ۱۲ جلد (۱۲۳۴ء / ۶۳۰ھ) ابوالبغداد (۱۳۳۱ء) البدایہ والنہایہ علامہ شمس الدین بن محمد بن احمد مصری الذہبی ۱۳۴۸ء / ۷۴۸ھ۔ مصنف دول الاسلام۔[3]

---

[1] قرون وسطیٰ میں عرب اور عجم کے حکماء کی تحقیقات صفحہ ۱۹ [2] تاریخ عرب مطبوعہ ۲۵۳

[3] کشف الظنون جلد ا صفحہ ۲۲۶۔

الطبری نے اپنی معلومات فراہم کرانے کے لئے ایران، عراق، شام اور مصر کا سفر کیا بقول یاقوت حموی الطبری نے ۴۰ سال تک روزانہ ۴۰ ورق لکھے۔ ابوالحسن علی المسعودی نے تاریخ نویسی کے قدیم طریقہ سند داری اور واقعہ نگاری کو چھوڑ کر تنقیدی و سلسلہ واری طریقہ کو رواج دیا۔ ابن خلدون نے بھی اس طریقہ کی تقلید کی ۹۵۶ء، ۳۵۰ھ مسعودی کی تیس جلدوں والی تصنیف کا ایک خلاصہ موسوم بہ مروج الذہب و معادن الجواہر جو تاریخی واقعات کو ۳۳۹ء، ۹۴۷ء ۳۳۵ھ تک پہنچاتا ہے۔

بنی عباسیہ کے آخری دور میں شمس الدین احمد بن محمد بن خلکان (۱۲۸۲ء ۶۸۰ھ) شام کے صدر قاضی مصنف وفیات الاعیان و انباء انباء الزمان تھا۔ اس کتاب میں ۸۶۶ سربرآوردہ تاریخی مسلمانوں کے سوانح حیات نہایت صحت کے ساتھ لکھے ہیں۔

علامہ احمد نویری شافعی کی نہایت العرب فی فنون الادب ۱۰ جلدوں میں ہے۔ تفسیر و حدیث، فقہ و ادب وغیرہ ذکر کیا جائے تو مضمون بہت بڑھ جائے گا بہتر اور جامع تفسیر اور حدیث کے مجموعہ عہد بنی عباس ہی میں مرتب ہوئے۔ ان کی تفصیل معلوم کرنے کے لئے الفہرست ابن ندیم اور کشف الظنون کا مطالعہ ضروری ہے۔

> "علوم و فنون کی ترقی کا یہ مختصر تذکرہ عہد بنی عباس کا ہے جو اس جگہ پیش کیا گیا۔ اس نے ہی عربوں کے نظریات و خیالات کی ندرت کا دیوں سے ایک عالم کو محو حیرت بنا رکھا تھا۔"

جب عرب عیش و عشرت کے میدان میں اُترے تو اس میں بھی وہ سب سے بازی لے گئے اور اُن کی بزم آرائیاں آج تک لوگوں کی زبانوں پر اور کتابوں کے اوراق پر محفوظ ہیں۔ انہوں نے جب شعر و شاعری کی طرف توجہ کی تو اس میں ایسا کمال پیدا کیا کہ میدان میں کوئی حریف نہیں رہ گیا۔

فنونِ لطیفہ میں بھی ان کے کارنامے مشہور و معروف ہیں۔ جب انہوں نے تعمیر پر نظر عنایت کی تو ایسے قصور و محلات تیار کئے کہ دُنیا میں جنت کا نمونہ قائم کر دیا۔ ان کی عمارتوں کی خوبی و خوشنمائی، سنگینی و استحکام اور تناسب و تناسق پر جب نظر پڑتی

ہے تو عقل حیران رہ جاتی ہے۔ بغداد و سامرہ بصرہ موصل رقہ سمرقند[1] کے محلات سے شعراء اور ادباء کے لئے اچھا خاصا میدان ہاتھ آگیا تھا۔ مختلف شعراء نے اپنے اشعار میں اور ادباء نے اپنی نثر میں ان عمارتوں کے کمالات اور خصوصیات حُسن و جمال تشریح و تعبیر اور اصلی تصویر کھینچنے میں اپنا پورا زورِ قلم صرف کر دیا تھا۔

غرضیکہ ممالک اسلامیہ میں حضارت و تمدن کے جو نمونہ قائم کئے وہ ایسے ہیں کہ عصر حاضر کے بڑے بڑے علماء بھی ان کا اعتراف کرتے ہیں۔

خلفائے عباسیہ کی شان و شوکت

خلفائے عباسیہ کے پاس بے شمار دولت تھی لشکر و فوج ان کے یہاں ہمیشہ نہیں رہتے تھے۔ جس پر وہ روپیہ خرچ کرتے۔ اس سے وہ زیبائش و آرائش کی طرف متوجہ ہوگئے۔ زیب و زینت کی انھوں نے عجیب و غریب چیزیں پیدا کر دیں۔ لوگوں کو انعام و اکرام بے انتہا دیئے۔

منصور حج کو سریر خلافت پر متمکن ہونے کے بعد گیا تو لاکھ روپیہ اہلِ مکہ و مدینہ میں تقسیم کیا۔ مہدی نے حج کے موقعہ پر ساٹھ لاکھ دینار خرچ کر ڈالے۔ سیدہ زبیدہ عباسی ہارون کی ملکہ نے مکے تک پانی لانے کے لئے نہر کھدوائی جس میں ۲۵ لاکھ سے زیادہ دینار صرف ہوئے۔ زبیدہ عموماً لباس دیبا کا پہنتی جس کے استر میں سمور یا قماش زربفت لگایا جاتا تھا۔ اس کے کفش پا میں قیمتی موتی جڑے ہوئے تھے خلیفہ مامون نے ایک ہی دن میں چار لاکھ دینار خرچ کر دیئے۔ جب یونان کا سفیر آیا تو اپنی مجلس میں ایک درخت طلائی کھڑا کیا جس میں موتیوں کے پھل لگے ہوئے تھے۔ دو سو آدمیوں سے زیادہ کے لئے چٹھیاں لکھی تھیں جس کسی نے اس چٹھی کو پایا اسکی چٹھی کی تحریر کے مطابق قطعۂ زمین اور اُس کی زراعت کے لئے غلام وغیرہ مایحتاج مل گئے۔

---

[1] تاریخ عرب علیو صفحہ ۱۹۲۔

کہتے ہیں کہ اُس کے قصر میں اڑتالیس ہزار بساط تھے جن میں ساڑھے بارہ ہزار زربفتی اور طلائی تھے۔ نیز اس قصر میں سات ہزار خواجہ سرا تھے جن میں سے تین ہزار زنگی تھے۔ سات سو چوکیدار سپاہی تھے جو قصر کے باہر قصر کی حراست کرتے تھے۔

خلیفہ معتصم نے بغداد کے قریب شہر سامرہ کو ایک اُونچی زمین پر آباد کیا تھا اس کی آبادی میں بے انتہا روپیہ صرف کیا اور اس میں گھوڑوں وغیرہ کے لئے اصطبل بنائے تھے جن میں لوگ کہتے ہیں کہ ایک لاکھ گھوڑے باندھے جا سکتے تھے۔

خلفائے عباسیہ کی تمامت و شوکت حاصل ہو گئی تو شارلیمین بادشاہ فرانس نے ہارون الرشید کو تحفہ و ہدایہ بھیجے۔ خلیفہ نے بھی اس کے مقابلہ میں اقمشہ نفیسہ، عطر آگ نکالنے والی لکڑی ایک ہاتھی اور ایک عظیم الشان خیمہ بھیجا اور ایک آواز دینے والی گھڑی بھیجی جس کا ذکر اُوپر آچکا ہے[1]

عہد بنی عباس میں برقی صنعت و حرفت و تجارت منصور سے لے کر متوکل تک مسلمانوں کی معاشرت انتہائے کمال پر پہنچ گئی تھی۔ یہ مسلمات سے ہے کہ راستوں میں پوری سہولتیں حاصل، تاجر محفوظ، بری و بحری باربرداری کا انتظام معقول لازمی طور پر تجارت میں ترقی ہونا چاہیئے۔ برکات خلافت نے رعایا ملک کو تحفہ امن و امان دیگر اپنی شان و شوکت کو انتہائی عروج پر پہنچا دیا تھا۔ دارالخلفا بغداد اعلیٰ شہریت میں ڈھلا ہُوا تھا۔ بغداد سے شام و مصر موصل، فارس حدود کابل تک راستے محفوظ تھے جس کا نتیجہ یہ ہُوا کہ بغداد تجارت کا مرکز بن گیا جس سے دولت و تمول میں بے حد ترقی ہوئی۔ بغداد کے بعد بصرہ تجارتی منڈی تھا۔ کیونکہ بصرہ سے دجلہ کے راستے آمد تھی اور بصرہ سے دوسری جگہ مال بھی جاتا تھا۔ کھجوریں سفید کچی شکر فولاد روئی، شیشہ آلات، کپڑا وغیرہ دوسرے ممالک جاتے اور دوسرے ملکوں ہندوستان اور چین تک سے مسلمان تجار مال لاکر بغداد کے بازار میں فروخت کرتے۔ تجارتی گرم بازاری نے ملکی مصنوعات کی مانگ کو

---

[1] تاریخ عرب موسیو صد ۱۹۵۔

بڑھا دیا۔ جگہ جگہ صنعتی کارخانے کھل گئے اور تھوڑے عرصہ میں عربوں نے معمولی صنعتوں کو اعلیٰ درجہ پر پہنچا دیا اور بہت سی اشیاء ایجاد کیں۔ گو بعض صنعتیں عہد بنی امیہ میں ترقی کی راہ پر لگ گئی تھیں۔ مگر عہد بنی عباس میں ان کو کمال تک پہنچا دیا۔

صنعتِ پارچہ بافی کو سلیمان بن عبدالملک کے زمانہ میں ترقی ہوئی۔ چنانچہ مسعودی نے لکھا ہے :-

"اور اس کے زمانہ میں یمن کوفہ، اسکندریہ میں رنگین اور عمدہ کپڑے بنے گئے اور لوگوں نے ان کپڑوں کے جبّے، چادریں، پاجامے، عمامے اور ٹوپیاں پہنیں"۔[1]

پارچہ بافی

چنانچہ عباسیوں کے زمانے میں پارچہ بافی کی صنعت عروج پر تھی۔ خلافت کے ہر بڑے صوبے میں کپڑا اتنا تیار ہوتا تھا کہ مقامی طور ضروریات پوری کر کے بڑی مقدار میں منڈیوں کو بھیجا جاتا تھا اور ہر صوبہ کا خاص کپڑا ہوتا تھا جس کو بڑی شہرت ہوتی تھی۔ جنوبی عرب کے چادریں بہت مشہور تھیں۔ یہی چادریں بعد کے زمانے میں رداء عدنی کہلانے لگیں۔ کیونکہ یہ عدن میں بنائی جاتی تھیں اور وہیں سے دساور کی جاتی[2]

عراق، ایران، یزد ابزقویہ میں بھی کپڑے بُنے جاتے اور دساور ہوتے۔[3] ہرات کے بنے ہوئے کپڑوں کی بڑی شہرت تھی[4] کوفہ اور اسکندریہ میں ریشمی کپڑے بنے جاتے[5] شہر تینس میں بیش قیمت کپڑے وشی۔ کتان کا کپڑا، دیبقی زربفت اطلس مخمل۔ خراسانی وغیرہ تیار ہوتے تھے[6] تینس اور دمیاط (مصر) میں باریک تن زیب تیار کی جاتی اور سفید کپڑے کا تھان جس پر زردوزی کا کام ہوتا تھا جس کی قیمت تین سو دینار تھی، مسندیں اور شوخ رنگ فرش بھی دمیاط میں تیار ہوتے[7] مسند

---

[1] مروج الذہب ص۲۱۱ [2] ابن حمدون ص۷۶ [3] ابن حوقل ص۲۱۴ [4] کامل ص۲۵۶

[5] مسعودی جلد ۵ ص۲۰ [6] مقریزی جلد ۱ ص۱۷۷ [7] معجم البلدان۔

کی بناوٹ میں زری کا تار استعمال ہوتا۔ خالص ریشم کا نہایت بیش قیمت کپڑا دیباج بھی تیار ہوتا۔ طالقان میں اونی کپڑے تیار ہوتے۔ نمدا طالقان کا بہت مشہور تھا۔ اونی فرش قالین یہاں بنتے۔ یہاں کے بُنے ہوئے گرم کپڑوں کی بہت شہرت تھی جو جبُوں میں استعمال ہوتے۔ ریشم اور کلابتوں تیار کرنے کی صنعت کو بڑا فروغ ہوا۔ بغداد میں حکومت کی طرف سے ایک محکمہ صاحب الطراز قائم ہوا جو پارچہ بافی کے کارخانوں کا نگران تھا شاہی لباس بھی وہیں تیار ہوتے۔

زیور زیور بنانے کی صنعت کو بھی بڑا فروغ تھا۔ سادہ کار اپنے کمالات زیوروں تک محدود نہ رکھتے تھے بلکہ بعض جانوروں کے مجسمہ بنا کر خلیفہ کے حضور پیش کئے جاتے۔ مقریزی نے لکھا ہے کہ :-

"مہرجان کے موقعہ پر ایک مرتبہ دربارِ خلافت کے ایک امیر کو سونے کا بنا ہوا ہاتھی عطا کیا گیا تھا جس کی آنکھیں لعل کی تھیں[1]۔ فاطمی خلیفہ جو عہدِ بنی عباس میں مصر کے حکمراں عرصہ تک رہے۔ اُن کے خزانہ میں اس قسم کی صناعی کے نوادر بڑی تعداد میں موجود تھے۔ مثلاً سونے کا ایک مور جس کی آنکھیں لعل یمنی کی تھیں مینا کاری شیشے (الزجاج المیتا) کے پر تھے اور اُن پر سونے کا ملمع کیا ہوا تھا ایک مرغ تھا جس کی کلغی لعل مروارید اور دیگر جواہرات سے مرصع تھی ایک ہرن تھا جس کے پیٹ کو سفید رنگ دینے کے لئے موتیوں سے بنایا گیا تھا ان سے زیادہ قیمتی کھجور کا ایک درخت اور طلائی باغ تھا جو صناعی کے شاہکار سمجھے جاتے تھے۔ تمام باغ سونے اور چاندی سے بنایا گیا تھا اور جواہرات کی مینا کاری سے مرصع تھا[2]۔ مقریزی نے ایک سنگ یشب کی چنیر کا ذکر کیا ہے جو مایدہ کہلاتی تھی۔

---

[1] مقریزی جلد ا ورق ۸۰، صہ ۲ [2] مقریزی جلد ۶ صفحہ ۲۱۶ ۔

خلیفہ ہارون الرشید کے نبیذ پینے کے جام "باذ زہر" کے تھے۔ چھریوں اور چمچوں کے دستے یشب اور عقیق کے تھے۔ بلور صافی کے برتن پلچی آفتاب لے بھی بنائے جاتے تھے۔

خلیفہ کے آئینہ کا پورا دستہ زمرد کا تھا۔

ہاتھی دانت اور آبنوس کی شطرنج کے مہرے اور نرد سے کھیلنے والے کھیلوں کی نردیں اور بساط بہت بنتی تھیں۔

ذہب بشک (جالی دار) کام بھی چاندی سے کیا جاتا تھا۔

ہتھیاروں، تلواروں، بھالوں، خودوں ڈھالوں وغیرہ پر سونے چاندی کا کام ہوتا تھا[1]۔ محلات شاہی و امراء کے دولت کدوں کی دیواروں کو مزین کرنے کے لئے مطلا و مذہب کرنے اور تصویریں بنانے کا رواج تھا اس سے اس صنعت نے بھی خوب ترقی پائی۔

مصوری گو عام رواج مصوری کا نہ تھا مگر اس فن میں بھی ترقی ہوئی۔ سامرہ میں جو محلات تھے اس کی دیواروں پر تصاویر بنائی گئی تھیں۔ مقریزی نے بصرہ میں تصویر کشی کے فن کا ذکر کیا ہے مصوروں کا خاندان تھا جو بنو معلم کہلاتا تھا۔ اس عہد کے مشہور مصور قصیر اور ابن عزیز تھے۔ یہ دونوں وزیر بازوری کے زمانہ میں تھے[2]۔

مصوری کے ساتھ ساتھ فن سنگ سازی اور لکڑی پر مینا کاری کو بھی فروغ ہوا۔ مطلا و مذہب عمارت کے ساتھ مخصوص نہ تھا بلکہ قلمی کتابوں میں بھی نقش و نگار کے کمالات دکھائے جاتے تھے۔ مامون کے عہد میں اس فن کے بڑے بڑے صناع تھے۔

کاغذ سازی گو عہد بنی امیہ میں کاغذ سازی کے کارخانے قائم ہو گئے تھے مگر عہد بنی عباس میں اس کو بڑا فروغ ہوا۔ اس صنعت کا مرکز دریائے نیل کے ڈیلٹا اور علاقہ دمیاط کے چھوٹے ساحلی شہر مبرا میں تھا۔ کیونکہ کاغذ کے لئے

---

[1] مقریزی جلد ۱ صفحہ ۱۴ [2] مقریزی جلد ۲ صفحہ ۳۱۸ [3] ...

پپے پرس درخت کی ضرورت رہتی تھی وہ اس علاقہ میں بہت پیدا ہوتا تھا۔ پیپرس کو قافیر عرب کہتے تھے اس سے جو کاغذ بنتا اس کو قرطاس کہتے [۱]

معتصم کے زمانے میں سامرا میں کاغذ سازی کا کارخانہ قائم ہوا۔ یہی وجہ تھی کہ کاغذ اس قدر بازار میں رہتا تھا کہ مصنف کو فراہم کرنے کی دقت نہ تھی۔ عہدِ بنی عباس میں لاکھوں کتابیں تھیں۔ خلفائے بنی عباس کا کتب خانہ مشہور ہے۔ آمد میں صلاح الدین کو کتب خانہ ملا جس میں دس لاکھ کتابیں تھیں۔ بنی فاطمہ کے کتب خانہ میں دو اڑھائی لاکھ کتابیں تھیں اور اسپین کا کتب خانہ جدا تھا۔ غرضیکہ کاغذ سازی کی صنعت کو بہت ہی فروغ ہوا۔

تاریخ و تمدن کے نقطۂ نظر سے کاغذ کی صنعت اس کی تجارت اور اس کے ساتھ ہی ساتھ لکھنے کے سامان کی ارزانی ایک نہایت اہم واقعہ ہے۔

جلد سازی

صنعت جلد بندی کا فروغ عہدِ مامون ہے۔ ابتدا میں جلدیں بدنما بنتی تھیں۔ ان میں ایسا چمڑا لگایا جاتا تھا جو چونے سے کمایا جاتا مگر کوفہ میں کھجوروں سے دباغت کا نیا طریقہ ایجاد ہوا جس سے نرم اور اچھا چمڑا بننے لگا [۲] جلدیں تیار کرنے اور اُن کو مزین کرنے میں بڑی صنعت دکھائی جانے لگی اور اس فن کو بڑی سرعت سے ترقی ہوئی۔ قرآن مجید کی ایسی جلدیں بننے لگیں کہ وہ سنہرے نقش و نگار سے دیدہ زیب اور سونے کا ڈلا معلوم ہوتی تھیں [۳]

کتب فروش

عہد بنی عباس میں بڑے بڑے کتب فروش تھے جن کے یہاں بڑے بڑے خطاط کام کرتے تھے۔ یاقوت حموی جو معجم البلدان اور ارشاد الاریب کا مصنف ہے ایک کتب فروش کے یہاں کتابیں نقل کرنے پر مامور تھا۔ بغداد کے ایک کتب فروش کے یہاں تین سو رطل قلمی کتابیں بکری کے

---

[۱] ابن بیطار صفحہ ۱۲۷ [۲] الفہرست صفحہ ۲۱ [۳] اصفہانی جلد ۲ صفحہ ۷۔

لئے تھیں۔ ابن ندیم نے اس کے متعلق لکھا ہے :-

"ابتدائے عہدِ اسلام کے بہت سے مشہور تاریخی اشخاص کی تحریریں اس کے پاس محفوظ تھیں۔" [۱]

کتابت عہدِ بنی عباس میں کثرت سے کتابیں تصنیف و تالیف ہوئیں۔ ان کی نقول کے لئے ہزارہا کاتب پیدا ہو گئے جس کی وجہ سے خوشنویسی کو بڑا فروغ ہوا۔

مامون کے عہدِ خلافت میں جب علم و ادب کی کتابوں کی تالیف و تصنیف و تجارت کا زور ہوا تو اس کے ساتھ ساتھ طرزِ تحریر کے خوش نما بنانے پر بھی توجہ ہوئی۔ مشہور عالم و مدبر وزیر ابن مقلہ متوفی ۳۲۸ھ نے عربی رسم الخط کو مدور اور خوب صورت بنانے پر خاص توجہ کی۔ اس کے بعد ابن بواب متوفی ۴۲۳ھ مشہور خوش نویس تھا جس نے حرفوں کو مدور اور جیّد بنانے کے عمل کو مکمل کر کے رسم الخط کی خوشنمائی کو کمال پر پہنچایا۔ مشہور خطاط یاقوت متوفی ۶۱۶ھ نے اور بھی اس میں کمال دکھایا۔ [۲]

عطر سازی عربوں کی نفاستِ طبع نے عطر سازی کو ترقی دی۔ ایران کے علاقہ فارس اور خاص کر خورستان عطریات بنانے کے لئے مشہور تھا۔ اس کے علاوہ سر میں خوشبودار تیل ڈالنے کا کارخانہ ایران کے شہر گور میں تھا اور سہرے بور میں بھی عمدہ خوشبودار تیل ڈالنے کا کارخانہ ایران کے شہر گور میں تھا۔ خوشبودار تیلوں اور عطروں کے بنانے کی صنعت بہت جلد ان تمام ملکوں میں جو خلافتِ بنی عباس کے محروسہ میں شامل تھے وہاں عام ہو گئی۔

زراعت و فلاحت بعض خلفائے بنی عباس کو زراعت سے دلچسپی تھی چنانچہ حکومت کی طرف سے زراعت پیشہ لوگوں کو بڑی سہولت بہم پہنچائی جاتی۔ دریائے فرات کے کنارے زرعی خطے کچھ عرصہ میں بن گئے

---

[۱] الفہرست صفحہ ۱۰ [۲] مسلمانوں کی صنعت و حرفت زراعت تجارت صہ ۸۴ [۳] ابن حوقل صہ ۲۱۳

مصر سے چاول لاکر ان علاقوں میں بویا گیا۔ ماش یمن میں ہوتی تھی وہ دوسرے ملکوں میں بھی بوئی جانے لگی۔ گنے کی کاشت کو بھی ترقی ہوئی قطن عموماً بابلونیہ میں زیادہ ہوتی تھی وہاں سے دوسری جگہ پہنچائی گئی مختلف درختوں اور نباتات کی داشت و پرداخت اور انہیں دُور دراز ملکوں میں عربوں نے رواج دیا۔

آب باش عہد بنی عباس میں آب باش کو بھی بڑی ترقی ہوئی۔ نہریں جگہ جگہ جاری کیں۔ بغداد کی نہر صراط میں ایک پن چکی تھی جو تیز چلتی تھی اسے رحا البطریق کہتے تھے [۱]

رنگ زعفران کو اہلِ عرب نے اپنے ممالک میں خود کاشت کی۔ حنا کا پودا عربوں کی کوشش سے دنیا میں پھیلا۔

شیشہ شیشہ بنانے کی صنعت کو عہدِ عباسیہ میں بڑا فروغ ہوا [۲] ملک شام کا شیشہ مشہور تھا۔ خاص بغداد میں بھی اس صنعت نے فروغ حاصل کیا [۳]

صنعت شیشہ سازی کو جلد ہی فنِ لطیف کا درجہ حاصل ہو گیا۔ بہت سا بیش قیمت سامانِ تعیش و تکلف شیشے سے بننے لگا۔ شیشہ پر مینا کاری کا رواج بھی ہو گیا۔ بغداد میں اس کے کارخانے تھے۔ مقریزی نے لکھا ہے:-

> "فاطمینِ مصر کے خزانہ میں ایک بلوری جام تھا جو تین سو ساٹھ دینار کا فروخت ہوا تھا" [۴]

عراق میں سفید شیشہ کی قندیل بنتی تھی جو مساجد میں ٹانگی جاتیں۔ امرا بنی عباس کے یہاں شیشہ آلات کا رواج بہت بڑھا ہوا تھا۔ چنانچہ فاطمین مصر کے یہاں کے شیشہ کے برتن وغیرہ اٹھارہ ہزار میں فروخت کئے گئے۔

کانیں عہدِ بنی عباس میں لوہے وغیرہ کی کانیں بھی کھدوائیں۔ چنانچہ موسیو سیدیو لکھتا ہے:-

---

[۱] یعقوبی [۲] مسعودی جلد ۸ ص ... [۳] کامل ص ۶۹۲ [۴] مقریزی خطط جلد ۱ ص ۱۴۱۔

"خلفائے عباسیہ نے کانیں بھی نکلوائیں، خراسان میں لوہے کی کان تھی، کرمان میں سیسہ کی کان تھی"۔ انہوں نے قار اور (بلفظ) مٹی کا تیل نکلوایا۔ چینی کے برتنوں کی مٹی پیدا کی۔ طورس کا سنگِ مرمر، اندارانی نمک اور گندھک عربوں نے ہی برآمد کئے تھے"[1]

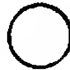
کارخانہ آہن لوہے کے بالعموم برتن بنانے کے کارخانے قائم ہوئے۔ فرغانہ اس کے لئے مشہور تھا۔ یہیں سے لوہے کی اشیاء بن کر بغداد آتیں اور بکتیں[2]

بحرین، عمان، یمن اور خاص کر عراق میں ہتھیار اور زرہیں تیار ہوتی تھیں۔ یمن کی سیف مشہور تھی۔ دمشق میں اس کے بڑے بڑے کارخانے تھے یہیں بنتی اور ایران میں برچھیوں کا کارخانہ تھا۔

معلا و مذہب جوشن بنتے تھے۔ اس کے علاوہ فولاد سے بھی اسلحہ بنائے جاتے تھے[3]

غرضیکہ عہدِ بنی عباس کے عربوں نے بالعموم دھاتوں کے کام میں اتنی ترقی کی تھی کہ اسے انتہائی کمال تک پہنچا دیا تھا۔

مسلمانوں کی صنعت وحرفت پہ ایک ضخیم جلد لکھی جا سکتی ہے۔ مگر اس جگہ صرف مختصراً عہدِ عباسیہ کا ذکر کیا گیا ہے۔



---

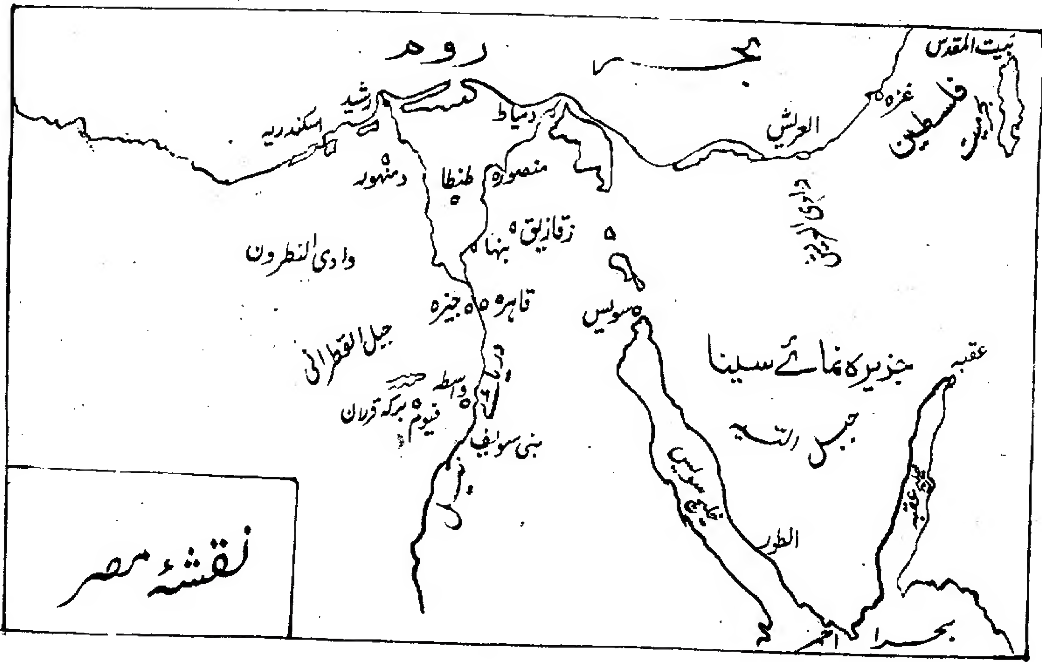
[1] تاریخ عرب صفحہ ۱۹۲ [2] ابن حوقل صفحہ ۳۸۴۔

[3] مقریزی جلد ۱ صفحہ ۴۱۵۔

(۷)

تاریخِ مصر و مغربِ اقصیٰ

جس میں فراعنہ، بطالسہ، دول اسلامیہ اغلبیہ، ادریسیہ طولونیہ، اخشیدیہ، دولتِ بنو فاطمہ، ایوبیہ، دولت ممالیک بحریہ، خلفاءِ عباسیہ مصر (ممالک چرکسیہ) کے تفصیلی حالات درج ہیں



نقشہ مصر
بحر روم
بیت المقدس
فلسطین
غزہ
العریش
وادی العریش
دمیاط
رشید
اسکندریہ
دمنہور
طنطا
منصورہ
زقازیق
بنہا
وادی النطرون
قاہرہ
جیزہ
جبل القطرانی
واسطہ
فیوم
بنی سویف
سویس
جزیرہ نمائے سینا
جبل التیہ
عقبہ
الطور
بحر احمر

نقشہ بلاد اسلامیہ

نقشہ جزیرہ صقلیہ



مصر قدیم

قدیم زمانہ میں تاریخی معلومات کا انحصار زبانی روایات اور لکھی ہوئی تحریروں پہ تھا۔ آثارِ عتیقہ سے معلومات میں بہت کچھ اضافہ ہوا۔ اثری تحقیق نے مصر کی قدامت کو دوسرے ممالک پہ فائق قرار دیا۔ کیونکہ سب سے پہلے شہنشاہی مصر ہی میں قائم ہوئی۔

اہلِ مصر علامہ ابن خلدون نے قدیم اہلِ مصر کو حام بن نوحؑ کے بیٹے مصرایم کی اولاد سے لکھا ہے۔ اثری محققین لکھتے ہیں کہ حجری عہد میں پہاڑوں کے باشندے نیچے آکر بسے۔

مصرایم کی اولاد شام سے جاکر وادئ نیل میں آباد ہوئی۔ ایک عرصہ بعد اُن کے پانچ طبقے ہو گئے۔ کاہن، جنگی جماعت، تاجر، کاشت کار اور گلہ بان کاہن دینی پیشوا تھے۔ ان کے حکم کو مثل معبود کے حکم کے سمجھا جاتا تھا۔ جنگی جماعت دشمنوں سے مقابلہ کے لئے، کاہنوں اور جنگی جماعت کے سوا دوسرا زمین کی ملکیت کا حق دار نہ تھا۔ تینوں طبقے تاجر وغیرہ یا ٹھیکہ یا کرایہ پر اُن سے زمین لیتے تھے۔

غرضیکہ باشندوں کا بڑا مشغلہ کھیتی باڑی تھا۔ پھر ان میں عرصہ دراز بعد چھوٹی چھوٹی سرداریاں بن گئیں تو آپس میں برسرِ پیکار ہوتے رہے۔ آخر میں دو بڑی سرداریاں بن گئیں۔ چھوٹی سرداریاں ان میں ختم ہو گئیں۔ ان کی تشکیل حکومت کی صورت میں تھی۔ بالائی مصر کا دارالحکومت تھبس اور حکومت کے نشان کا رنگ سفید تھا۔ دوسرا وسط مصر جس کا مستقر منفس اور اس کے نشان کا رنگ سرخ تھا۔ قدامت کے اعتبار سے تو بالائی مصر کا شہر تھبس پہلا شہر کہا جاتا ہے۔

مقامی حکمرانوں نے بڑے بڑے محل، مندر اونچے اونچے بُت اور وسیع تہ خانے

بنائے۔ مگر وسط مصر کے شہر منفس کو آگے چل کر مرکزیت کا موقع ملا تو وہ تھیبس سے ترقی میں سبقت لے گیا۔ سنہ ق م یہ منفس[1] شہنشاہ منیس کا دارالحکومت تھا جو مصر قدیم کا سب سے پہلا شہنشاہ کہلاتا ہے۔ اس نے مصریوں کے لئے آداب و رسوم مذہبی مرتب کئے۔ اکسٹھ سال تک حکومت کر کے ایک دریائی گھوڑے کے حملے سے ہلاک ہوا۔

وجۂ تسمیہ مصر | زبان قبطی میں مصر کو خم کہتے تھے۔ عبرانی میں مصریم کہا جاتا تھا۔ جہاں حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ٹوکرے میں بہتے ہوئے دریائے نیل سے نکالا تھا۔ اس جگہ کو مصریم کہتے تھے۔ آگے چل کر مصر کہا جانے لگا۔

ازمنہ قدیم میں ملک مصر کے مستقر تھیب، ممفس اور اسکندریہ تھے۔ بطالمہ یونانی الاصل تھے جو اسکندر یہ کے بعد ملک کے والی ہوئے۔ انہوں نے اسکندریہ کو مستقر بنا لیا جو فتح اسلام تک راج دھانی بنا رہا۔

رقبہ | ملک مصر کا مجموعہ رقبہ تین لاکھ تراسی ہزار مربع میل ہے۔

حدود اربعہ | شمال میں بحر ابیض، مشرق میں بلاد شام و عرب اور بحر احمر جنوب میں بلاد نوبیہ، غرب میں طرابلس الغرب وصحراء۔

---

[1] شہر منفس کو نیل کے سیلابوں سے بچانے کے لئے اس زمانے میں ایک مضبوط بند باندھا گیا تھا وہ شہر تو بعد میں سنہ میں برباد ہو گیا اور اس کے ملبہ سے ہی شہر قاہرہ تعمیر ہوا۔ البتہ یہ بند تعمیر سے سات ہزار سال بعد اب تک موجود ہے۔

منفس فراعنہ مصر کا عظیم الشان شہر تھا جس کے ایک شرقی دروازے سے غربی دروازے تک پہنچنے میں کامل نصف دن صرف ہو جاتا تھا۔

یہاں ایک بارہ دری موسوم قصر الابیض ایک سالم چٹان کاٹ کر بنائی گئی تھی۔ یہاں بانی کا مجسمہ اکتیس فٹ اونچا ہے۔ اس شہر میں مقوقس والئ مصر بابلوں سے فرار ہو کر پناہ گزین ہوا تھا اور یہیں حضرت عمرو بن عاص سے صلح کی تھی۔ ۱۲

قدیم شاہانِ مصر

شاہ منیس نے جس سلطنت کی بنا ڈالی اس پر تیس شاہی خاندانوں نے حکومت کی۔ جن کے بادشاہوں کی تعداد دو سو ستر ہوئی۔ ان کی حکومت ۵۲۵ قم تک (جبکہ مصر کو ایرانیوں نے فتح کر لیا) رہی۔ البتہ درمیان میں غیر ملکیوں کے ایک خاندان نامی ہائیکسوس (شاہان بادیہ) نے دو سو سال تک مصر میں حکومت کی تھی جس کا تذکرہ آئندہ آئے گا۔ مگر انہوں نے بھی جو حکومت کی وہ مصریوں کے طریقے اور رسوم اختیار کر کے اور مصری شہنشاہ بن کر کی، نہ کہ اجنبی رہ کر۔

مگر باوجود اعلیٰ مرتبہ کے وسیع شاہی حکومت ہو جانے کے اس میں زمانہ قدیم کی آبائی معاشرت کی خصوصیات قائم رہیں۔ یعنی یہ کہ خود مختار شہنشاہ کے فرائض میں یہ داخل رہا کہ وہ رعایا کی غذا کی، ان کے جان و مال کی حفاظت کا، ان میں انصاف قائم رکھنے اور مذہب کی حفاظت کرنے کا ذمہ دار ہے۔

حکومت کے کام مصر میں بارش کا نام نہ تھا تاہم وہ دنیا کا سب سے زیادہ زرخیز اور شاداب ملک تھا۔ یہ سب کچھ دریائے نیل[1] کے سیلابوں کی بدولت تھا۔ جو جون سے ستمبر تک آتے رہتے تھے۔ مگر ان سیلابوں میں بالعموم پانی دریا کے کناروں سے زیادہ باہر نہ نکلتا تھا اس لئے نہروں کے ذریعہ آب پاشی کی

---

[1] دریائے نیل ۳،۴۷۰ میل لمبا ہے۔ ملک حبش کے قریب اس میں دو دریا گرتے ہیں۔ بحرالزرافۃ اور بحرالغزال۔ اور گرد اس کے آبادی زراعت ہے۔ دریائے نیل نہ ہوتا تو مصر کی فرعونیت بھی نہ ہوتی۔

قریہ قلیوب کے آگے دریائے نیل کی دو شاخیں ہو گئی ہیں۔ اس قریہ کے آگے ایک عظیم الشان بند دریائے نیل کا ہر دو شاخوں پر باندھا ہے۔ اس وجہ سے یہاں زرخیزی بہت ہے۔ ۱۲ منہ

جاتی تھی۔ ان نہروں کی تیاری کا اور پانی کا انتظام بڑے پیمانہ پر حکومت کرتی تھی اور اس کی بدولت تمام ملک میں زراعت و فلاحت کی ترقی سے عام خوشحالی اور رونق تھی۔ کہا جاتا ہے کہ انہی نہروں کی تیاری میں علم مساحت و ہندسہ کی بنیاد پڑی۔

کاشت کاری کا انحصار چونکہ موسموں پر ہوتا ہے اس لئے چاند کے مہینوں کی جگہ مصر میں سورج کے مہینوں سے حساب لگایا جانے لگا۔ اس سے قبل گلہ بانی کے زمانہ میں چاند کے مہینوں کی جنتری کا رواج تھا۔ اس زمانے میں بادشاہوں کا محلات اور مندروں سے کہیں زیادہ اہرام بنوانے کا شوق تھا۔ یہ بادشاہوں کے مقبرے تھے جو ہزاروں سال سے آج تک بعینہٖ کھڑے ہیں اور یہ ثابت کرتے ہیں کہ زندہ انسان کے لئے محلات بنانے سے قبل انسان نے اپنے مرحوم اجداد کے لئے کیسا عظیم الشان شہر خموشاں آباد کیا تھا۔ یہ اہرام چاروں طرف سے مثلث نظر آتے ہیں یہ معلوم ہوتا ہے کہ مصریوں کو دریائے نیل کے مثلث اس قدر محبوب تھے کہ انہوں نے سب سے زیادہ قیمتی یادگاریں بھی اسی صورت کی بنائی تھیں۔

ان[1] اہرام کی تعداد ۳۸ کے قریب ہے اور ان میں سب سے بڑا ہرم خیوپس کا ہے جو ۳۷۵۳ ق م میں چوتھے خاندان کا بادشاہ تھا۔ یہ ہرم ۴۸۰ فٹ اونچا ہے اور اس میں ستر ستر من وزن کے ۲۳ لاکھ پتھر لگے ہوئے ہیں۔ اندازہ یہ ہے کہ اگر اس ہرم کے ملبہ سے ایک دیوار چار فٹ اونچی اور ایک فٹ موٹی بنائی جائے تو اس کی لمبائی ۴ میل ہوگی۔ تخمینہ یہ ہے کہ اس ہرم کے بنانے میں ایک لاکھ آدمی بیس سال تک لگائے گئے ہوں گے۔[2]

---

[1] اڑتیس اہرام میں سے جیزہ میں تین سر بفلک اہرام ہیں۔ بڑے کا نام ہرم خیفو۔ ہرم خیفرم اور ہرم منکورہے۔ چھ چھوٹے اہرام ہیں۔

[2] مورخ ہیروڈوٹس نے اپنے سفرنامے میں لکھا ہے کہ ان ہرم کے بنانے میں ایک لاکھ بیگاری عمال کی سخت گیری سے پابجولاں گرفتار ہوکر آتے تھے اور تین ماہ تک محض ایک عدد پیاز، ایک گاجر ایک لہسن روزانہ اجرت کا پاتے تھے۔

غالباً اس وجہ سے کہ اس کام میں محنت زیادہ تھی اس کے مزدور ہر تین مہینے بعد سب کے سب بدل دیئے جاتے تھے۔ ہزاروں سال تک یہ کوہسار عمارتیں بالکل لایعنی سمجھی جاتی رہیں۔ مگر سائنس دانوں نے جب مختلف طریقوں سے ان کی جانچ کی تو معلوم ہوا کہ ان کا ایک ایک پتھر علم ریاضی کے حساب سے لگایا گیا ہے۔ ان سے پتہ چلتا ہے کہ وہ لوگ زمین کے گول ہونے سے، اس کی جسامت سے اور اس امر سے کہ قطر کے دائرہ سے کیا نسبت ہے واقف تھے۔

سائنس کے بعض اصول جو سولھویں صدی میں جاکر دریافت ہوئے انہی اصولوں کے مطابق پانچ ہزار سال قبل یہ ہرم تعمیر کیا گیا تھا۔ اس سے سورج کا فاصلہ مختلف موسموں کی تبدیلیوں کی کیفیتیں اور دوسرے عملی حسابات معلوم ہوتے ہیں۔ تمام تعمیر سنگین ہے جس کے باعث اسے پتھر کی کرامات کہا جاتا ہے۔ نویں صدی عیسوی تک تو وہ پتھروں کا محض ایک انبار معلوم ہوتا تھا۔ اتفاق سے خلیفہ مامون عباسی کے زمانے میں ایک انجنیئر کو بڑی کوشش سے ایک کھڑکی مل گئی جس میں داخل ہونے پر پتہ چلا کہ اس کے اندر کے تنگ راستوں اور زمینوں سے گزر کر مختلف رقبوں کے کمرے بنے ہیں۔ ان میں سے ایک خندق جہنم کے نام سے ہے۔ دو وسیع کمرے بادشاہ اور ملکہ کے نام کے ہیں۔ اندر پتھر کا ایک خالی صندوق رکھا ہے۔ اس میں ۶۸ درجہ کی حرارت اور ۳۰ انچ ہوا کے دباؤ میں پورا ایک ٹن پانی آسکتا ہے۔

غرضیکہ وہاں جو کچھ بھی ہے وہ سب حسابات کی رو سے بنا ہے جس سے ریاضی دان اپنی اپنی ذہانت کے مطابق عملی نتیجے نکال کر اس زمانہ کی معلومات پر حیرت کرتے ہیں۔ یہ تو سب سے بڑے اہرام کی کیفیت ہوئی۔ اس کے علاوہ جو اہرام ہیں ان میں اور نیز دیگر عمارات میں بادشاہوں امراء اور عوام کے اجسام کی روغن شدہ ممیاں بکثرت رکھی ہیں جو ہزاروں سال سے اپنی اصلی حالت میں چلی آتی ہیں۔

مذہب تخلیق کائنات مصریوں کے عقیدہ کے مطابق دنیا کی ابتدا پانی سے ہوئی اسی میں سے خشک زمین نکلی۔ اسی سے سورج

دیوتا نکلا۔ چنانچہ سورج دیوتا کا نوروز دریائے نیل کے سیلاب سے پہلے دن منایا جاتا ہے۔ وہاں کے مندروں کے متصل تالاب اور بیچ میں ٹیلہ ہوتا تھا جو اس بات کی یادگار بھی کہ ابتداء میں پانی سے خشک زمین نکلی تھی۔ ہندوستان میں بھی تالاب کے وسط میں ٹیلہ پر کوئی مندر بنا ہوتا ہے تو وہ زیادہ مقدس سمجھا جاتا ہے۔ مصریوں کی روایات کے مطابق قدیم زمانہ میں ایک طوفان آیا تھا جس سے تمام خشک زمین ڈوب گئی تھی۔

مصری عقائد کی خصوصیات

مصریوں کا ابتدائی مذہب کثرت پرستی تھا اور ان کے عقائد کی چند خصوصیات تھیں جن میں سے پہلی خصوصیت یہ تھی کہ اُن کے مقامی دیوتا بالعموم جانوروں کے اجسام میں رہتے تھے۔ مثلاً شہر منفس کے دیوتا، پتاہ یا فتاہ کی شکل بَیل کی سی تھی۔ بعض دیوتا شکرہ اور بعض بھوتڑہ کی شکل میں تھے۔ بالعموم بڑے دیوتا اپنی بیوی اور بچہ کے ساتھ مل کر مانے جاتے تھے۔ مثلاً سب دیوتاؤں کا جدامجد ٹم تھا۔ اس کے بعد اس کا لڑکا شو اور ایک لڑکی ٹیفنٹ پیدا ہوئے۔ یہ تینوں مل کر ایک سمجھے جاتے تھے۔ غالباً اسی سے تثلیث کے عقیدہ کی ابتدا ہوئی اور وہاں سے وہ بابل، فلسطین اور ایران سے گزرتا ہوا ہندوستان اور چین تک پہنچا۔ سب سے زیادہ اس کی نشوونما فلسطین میں ہوا۔ جہاں کہ مذہب عیسوی کے پیروؤں نے اس عام پسند عقیدۂ تثلیث کو اپنا کر اپنی تعداد خوب بڑھائی۔

موجودہ رسم و رواج کے اعتبار سے مصری عقائد میں ایک تکلیف دہ بات یہ تھی کہ دیوتا شو اور ٹیفنٹ جو حقیقی بھائی اور بہن تھے ان کا باہمی تعلق زن و شوہر کا سمجھا جاتا ہے۔ ان کے ملنے سے ایک لڑکا جیب اور ایک لڑکی نٹ پیدا ہوئے اور پھر ان دونوں بھائی بہن کے میل سے مشہور دیوتا آسیرس پیدا ہوا اور آسیرس کی بہن کے بطن سے جو اس کی بیوی بھی تھی آئی سین دیبی پیدا ہوئی۔ آسیرس مذکور مردوں کی دُنیا کا سب سے بڑا دیوتا سمجھا جاتا تھا۔ مصریوں کے مندرجہ بالا عقیدہ کی وجہ سے بالخصوص شاہی

خاندان میں حقیقی بھائی بہن کی شادی نہ صرف جائز بلکہ ضروری سمجھی جاتی تھی اور یہ رسم اس ملک میں عرصہ تک جاری رہی۔ بالآخر چھٹے خاندان سے وزیر اعظم شاہی خاندان سے باہر کا آدمی مقرر ہونے لگا اور اس کی لڑکی سے بادشاہ شادی کرتا تھا۔ تب سے خاندان سے باہر بھی شادی کرنے کا رواج ہوا۔

مصری عقائد کی دوسری خصوصیت تسلسل اور تجدید حیات تھی۔ یہ عقیدہ نہایت قدیم زمانوں سے ان میں چلا آتا تھا۔ پرانی قوموں نے مرے ہوئے انسان کی نسبت کبھی نہیں سمجھا کہ وہ ہمیشہ کے لئے مر گیا ہے اس لئے وہ لاش کے پاس کھانا رکھتے تھے اور سمجھتے تھے کہ اس کی روح کھانا کھاتی ہے اور کھا کر وہ زندہ رہتی ہے۔ وہ ہر سال یا دوسرے مقررہ اوقات پر اپنے بزرگ یا بادشاہ کی لاش پر یا اس کی قبر پر ناچتے اور گاتے اور خوب کھانے کھلاتے تھے اور سمجھتے تھے کہ اس سے مردہ میں ایک نئی زندگی پیدا ہوتی ہے۔ مصر میں اس پرانے عقیدے کی خوب جلا ہوئی۔ مصری اپنے مردہ بادشاہوں اور بزرگوں کی ممیاں بنا کر رکھتے تھے ان کی تجدید حیات کے لئے ان کے سامنے گاتے اور ناچتے تھے۔ ان کی تاج پوشی اور شادی کی رسوم ادا کرتے تھے۔ یہی قدیم زمانے کے عرس تھے۔

اوپر عرض کیا گیا ہے کہ شہر منفس کا دیوتا پتاہ بیل کی صورت میں تھا اور وہ اپیس بھی کہلاتا تھا اور گائے کی دیبی ہیتھر کہلاتی تھی۔ اپیس دیوتا کی تجدید حیات کی سالانہ رسم بڑے اہتمام سے اس طرح ادا کی جاتی تھی کہ سالِ رواں کے دیوتا بیل یا بچھڑے کو اس کی میعاد پوری ہونے پر قتل کر کے اس کی جگہ ایک نیا بیل پوجا کے لئے قائم کیا جاتا تھا اور مقتول بیل کا ہر سال ایک مقبرہ بنایا جاتا تھا۔ ان مقبروں کی تعداد تین ہزار بیان کی گئی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ تین ہزار سال تک دیوتا اپیس کی اسی طرح پر تجدید حیات کی جاتی رہی۔ بوجہ اس کے کہ مصر کے لوگ گائے کا دودھ پینے میں اور بیل کو ہل چلانے کے کام میں لاتے تھے اس جانور کی نہایت قدر تھی۔ گائے کے دودھ سے چھوٹے بچوں کی پرورش ہوتی تھی اس لئے وہ گئو ماتا

کہلاتی تھی اور بیل جس کا نام پتاہ تھا باپ سمجھا جاتا تھا۔ مصر کے لوگوں کا عقیدہ تھا کہ چاند کے اثر سے عورت کے پیٹ میں جان پڑتی ہے اور چونکہ بچہ گائے کے دودھ سے پرورش پاتا تھا اس لئے چاند کا تعلق گائے سے اس درجہ مانا گیا کہ گائے کی مورتی کے سینگوں کے درمیان چاند بنایا جاتا تھا۔

مصری عقائد کی تیسری خصوصیت یہ تھی کہ ان کے نزدیک مرنے کے بعد دوسری زندگی کی بڑی اہمیت تھی۔ اُس زندگی کے لئے ایک جداگانہ نظام مانا جاتا تھا جس کا چلانے والا دیوتا اسیرس تھا۔ اس کے ماتحت بے شمار دیوتا تھے اور ان کی پوجا کی جاتی تھی۔ ابتدائی انسان میں حیات بعد الممات (دوسری زندگی) کا عقیدہ مدتوں سے چلا آتا تھا۔ مگر مصریوں نے اسے پوری طرح متعین کر کے مادی شکل دے دی۔ اسی طرح زندگی کے لئے مردوں کے جسموں پر روغن کر کے انہیں ہزاروں برس تک درست حالت میں رہنے کے قابل بنایا جاتا تھا۔ ان کے رہنے کے لئے ایسے مکانات بنائے جاتے تھے جو زندگی میں رہنے کے مکانوں سے بہتر تھے۔ ان مکانات میں ان کی تصویریں بنائی جاتی تھیں جو اب ہزاروں سال سے قائم ہیں اور ان کے ساتھ ان کی آسائش اور آرائش اور کھانے پینے کا سامان رکھا جاتا تھا۔ ہر مُردہ کے ساتھ کتاب الموتیٰ رکھی جاتی تھی جس میں دوسری زندگی کے حالات درج ہوتے تھے اور مُردہ کے لئے آسمان پر جانے کا مکمل نقشہ بنا ہوتا تھا تاکہ اسے اس سفر میں دقت نہ ہو۔ یہ سفر گائے کی پیٹھ پر بیٹھ کر کیا جاتا تھا۔ چنانچہ گائے کی پرانی مورتیوں پر مُردہ انسان کی تصویر بنی ہے۔ اس کے پیچھے پرندہ کی شکل میں مردہ کی رُوح ہے اور دونوں گائے کی پیٹھ پر سوار چلے جا رہے ہیں۔

مصریوں کا عقیدہ تھا کہ مرنے کے بعد انسان کا دل ایک پر سے تولا جاتا ہے۔ ان کے پرانے قبرستانوں میں ایک تصویر بنی ہوتی ہے جس میں دیوتا "طوطا" ایک بڑی ترازو میں انسان کا دل تول رہا ہے اور پاس ایک جانور رہا ہے جو گنہگار کو کھا جانے کے لئے تیار بیٹھا ہے۔ اس کا منہ مگرمچھ کا، دھڑ شیر کا اور

پچھلا حصہ قدیم زمانہ کے ہاتھی کا سا ہے۔ ایک تصویر میں بجتے ہوئے آدمی غلہ کاٹ رہے ہیں۔ اناج کے پودے بارہ بارہ فٹ لمبے بنے ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ وہاں غلہ کی بڑی افراط ہے۔ دوسری تصویر میں کچھ آدمی ناؤ میں بیٹھے ہوئے دریا میں سیر کر رہے ہیں۔

مصری عقائد کی چوتھی خصوصیت یہ تھی کہ جس نسبت سے کثیر التعداد چھوٹے سرداروں کے ختم ہونے پر قلیل التعداد بڑے سردار یا بادشاہ بنتے گئے اسی نسبت سے بےشمار دیوتاؤں کی جگہ چند طاقتور دیوتا قائم ہوتے گئے۔ مثلاً جب مصر میں صرف دو حکومتیں رہ گئیں تو بالائی مصر کی حکومت کے دارالحکومت طب کا دیوتا محمون یعنی سورج مقرر ہوا اور زیریں حکومت کے دارالحکومت منفس کا دیوتا پتاہ قرار پایا جو اُن کے عقیدہ کے مطابق ہوا اور پانی کو پیدا کرنے والا تھا۔

ان کے علاوہ طوط یعنی چاند قانون اور علم کا دیوتا تھا اور دوسرے دیوتاؤں کا کاتب ہونے اور مقدس کتابوں کا مصنف ہونے کی وجہ سے اس کا بڑا رتبہ تھا۔ اس زمانہ میں کاتبوں اور محرروں کی بڑی عزت و وقعت تھی۔ ان لوگوں کا سرپرست طوط دیوتا سمجھا جاتا تھا۔ قدیم تمدنوں میں لکھنے پڑھنے کے فن نے سب سے اوّل ترقی کی تھی۔ کاتبوں اور منشیوں کو امورِ سلطنت میں بہت دخل تھا۔ وہ لوگ درخت یا پیپرس کی چھال یا پتوں پر لکھتے تھے جو بیلن کی شکل میں لپیٹ کر رکھے جاتے تھے۔ اسی سے پیپر کا لفظ نکلا جو کاغذ کا ہم معنی ہے۔

آخرکار تمام مصر میں ایک فرعون کی حکومت قائم ہونے پر ملک کا ایک ہی بڑا دیوتا سورج قرار پایا جسے رع یا عموں رع کہتے تھے۔ یہ اگرچہ شاہی دیوتا تھا مگر لوگوں کو اس بات کی ممانعت نہ تھی کہ وہ اپنے اپنے دیوتا کی پوجا کریں اور اس کی حمد و ثنا اور تعریف کریں۔ تعریف بالعموم ایسے الفاظ میں ہوتی تھی کہ اگر اس میں سے دیوتا کا نام نکال دیا جائے تو وہ بالکل خدائے واحد کے لئے معلوم ہوتی ہے۔ مصر کے اس قسم کے عقیدہ کو "ہینو تھیزم" یا ناقص توحید قرار دیا گیا ہے۔ دراصل

کامل توحید وہ ہے جس میں ایک معبود کے سوا دوسرے معبودوں کے وجود سے قطعی انکار کیا جائے۔ اور ناقص توحید وہ ہے جس میں صرف ایک معبود کی حمد یا پرستش مدِنظر ہو اور دُوسرے دیوتاؤں کے وجود سے انکار نہ ہو۔

مصر کی توحید ثانی الذکر قسم کی تھی۔ تاہم آبائی معاشرت کے زمانہ کی کثرت پرستی اور بُت پرستی کے مقابلہ میں بہت ترقی یافتہ تھی اور بظاہر تمام ملک کا ایک بادشاہ ہو جانے کا نتیجہ تھی۔ مگر چودھویں صدی قبل مسیح میں شاہ عمون ہو تب چہارم نے اپنے دارالحکومت طب میں دیوتا آتون کا مندر بنا کر اس کی پرستش شروع کی اور "رع" کی پوجا سے جو اس شہر میں چلی آتی تھی منع کر دیا۔ اگرچہ عمون اور آتون دونوں کے معنی سورج کے تھے۔ مگر چونکہ آتون نام کا دیوتا ملک مصر سے باہر شہر متانی واقع عراق عرب سے لایا گیا تھا جو شاہ عمون ہوتب کی والدہ کا وطن تھا۔ اس لئے مصر والوں میں اس نئے دیوتا کا مندر قائم ہونے سے سخت ناراضی ہوئی اور بادشاہ اور رعایا میں سخت کشاکش ہوئی۔

بادشاہ کو اپنے عقیدے میں اس قدر غلو تھا کہ اُس نے بجز آتون کے سب دیوتاؤں کے مندر بند کرا دیئے۔ ان کی مورتی بنانے کی ممانعت کر دی جتیٰ کہ آتون کی مورتی بھی نہیں بنائی جا سکتی تھی بلکہ محض سورج اور اس کی کرنیں بنائی جاتی تھیں۔ بادشاہ نے اپنا نام بجائے عمون ہوتب کے اخن آتون یا فخر آتون رکھ لیا تھا۔

بالآخر پروہتوں اور رعایا کی سخت مخالفت کی وجہ سے اسے شہر طب چھوڑ کر طل الامارہ میں منتقل ہونا پڑا۔ چونکہ شاہ اخن آتون یا اخناتون کو دیوتا آتون کی تنہا پرستش پر اصرار تھا اس لئے اس کی مناجاتوں میں توحید کامل کی جھلک پائی جاتی تھی جیسا کہ حسب ذیل مناجات سے جو دیوتا آتون رع کے لئے تھی معلوم ہوگا۔

"تجھ ہی نے سب کچھ پیدا کیا ہے۔ انسان تیری آنکھ سے اور دیوتا تیرے منہ سے نکلے ہیں۔ تجھ ہی نے مویشیوں کے لئے نباتات اور آدمیوں کے لئے پھلوں کے درخت پیدا کئے ہیں، تو ہی دریا میں مچھلیوں کو اور آسمانوں

ہیں پرندوں کو غذا پہنچاتا ہے۔ تو ہی انڈوں کے اندر جانوروں کو ہوا پہنچاتا ہے اور کیڑوں کے بچوں کی پرورش کرتا ہے مکھیوں اور سپوؤں کو زندگی عطا کرتا ہے"۔

ان کی بعض مناجاتوں کا مضمون بالکل زبور سے مشابہ ہے جو تین صدی بعد حضرت داؤد پر نازل ہوئی اس لئے اخن آتون کو بعض لوگ پیغمبر کہتے ہیں اور حضرت اخناتون مصری کے لقب سے موسوم کرتے ہیں۔

آپ نے فرمایا کہ آتون کو قربانیوں کے دھوئیں میں مت تلاش کرو۔ انہوں نے سحر اور افسوں سازی کو بند کر دیا جن کا مصر میں بڑا زور تھا۔ باوجود شاہ وقت ہونے کے حضرت اخناتون مثل عوام الناس کے بازاروں میں گھومتے پھرتے تھے۔ غرباء سے ملتے تھے اور ان میں توحید کی تبلیغ کرتے تھے۔ وہ جنگ سے نفور تھے اور اس قدر نرم دل تھے کہ انہوں نے سرکش شام پر چڑھائی کرنے کے مقابلہ میں اس کا اپنی حکومت سے نکل جانا گوارا کیا۔

مختصر یہ کہ مصر قدیم میں کثرت پرستی سے تثلیث کا عقیدہ ہوا۔ پھر دو حکومتوں کے زمانہ میں دو دیوتاؤں کی پرستش ہوئی جو بمنزلہ تنویت کے تھی۔ اس کے بعد کل ملک میں ایک حکومت ہو جانے پر ہینوتھزم یا توحید ناقص ہوئی اور سب سے آخر میں حضرت اخناتونؑ کے عہد میں توحیدِ کامل کا عقیدہ سب عقیدوں پر غالب آگیا۔ آپؑ نے سترہؔ سال حکومت کرکے ۱۳۵۸ ق م میں صرف تیس سال کی عمر میں انتقال کیا۔ آپ کا جانشین آپ کا نواسہ ہوا۔ جس کا نام آپ نے اپنے معبود آتون کے نام پر توتنخ آتون رکھا تھا۔ مگر تخت نشین ہونے پر پجاریوں نے اس کا نام بدل کر توتنخ امین رکھ دیا۔

حضرت اخناتون کی ممی (مومیائی شدہ جسم) کو برباد اور مقبرہ کو مسمار کر دیا اور دین آتون کو ختم کر دیا۔ تب سے اہلِ مصر اپنے پرانے عقائد کی طرف واپس آ گئے۔

اخلاقی حالت

اس سلسلہ میں مصریوں کی اخلاقی حالت کا کچھ مختصر حال لکھنا بھی ضروری معلوم ہوتا ہے۔ عام خیال یہ ہے کہ مصر کی ملوکیت اور جاگیرداری کے زمانے میں عوام پر سخت مظالم ڈھائے جاتے تھے۔ مگر کتاب الموتیٰ کے اقتباسات سے جو مُردوں کے ساتھ قبر میں رکھی جاتی تھی مصریوں کے اعلیٰ اخلاقی محسوسات کا پتہ چلتا ہے۔ جیسا کہ حسب ذیل عبارت سے معلوم ہوگا۔

"مَیں نے اپنے خاندان والوں پر ظلم نہیں کیا۔ مَیں نے صداقت کی جگہ برائی نہیں کی۔ مَیں نے یہ کسی دن اصول قرار نہیں دیا کہ میرے لئے حد درجہ محنت کی جائے۔ مَیں نے اپنے نوکروں کے ساتھ خراب برتاؤ نہیں کیا۔ مَیں نے تکلیف نہیں دی۔ مَیں نے کسی شخص کو بھوکا نہیں رکھا۔ مَیں نے کسی شخص کو رُلایا نہیں۔ مَیں پاک ہوں۔ مَیں پاک ہوں۔ مَیں پاک ہوں۔"

اس زمانے کے گورنروں کی قبروں پر حسب ذیل مضمون کی عبارتیں لکھی ہیں۔

"وہ بھوکے کو روٹی دیتا تھا، پیاسے کو پانی پلاتا تھا اور ننگے کو کپڑا دیتا تھا۔"

یہ کتبے اس امر کی شہادت دیتے ہیں کہ مصریوں کا اخلاقی معیار کس قدر بلند تھا بے شک اس وقت ملوکیت کا دَور دورہ تھا مگر بادشاہ اور جاگیردار دونوں اپنے اپنے حدود میں اپنے کو عوام کی عافیت وصحت وخوشحالی اور فارغ البالی کے ذمّہ دار سمجھتے تھے۔ عام تہذیب کی یہ کیفیت تھی کہ بچپن سے یہ تعلیم دی جاتی تھی کہ :-

"اگر کوئی شخص جو تم سے عمر میں یا مرتبہ میں بڑا ہو اور وہ کھڑا ہُوا ہو تو اس کے سامنے بیٹھے مت رہو۔ تمہارے مکان میں جو آدمی آئے اس سے اخلاق کے ساتھ پیش آؤ اور اُسے کھانا کھلاؤ۔ اپنے سے کمتر لوگوں کے ساتھ بُری طرح پیش نہ آؤ۔ اگر تم دولت مند یا بڑے آدمی ہو گئے ہو تو غریبوں کی طرف سے اپنا دل سخت نہ کرو۔ کیونکہ خدا کی نعمتوں کے تم امانت دار ہو مالک نہیں ہو۔ حرص سے بچو جو بھائی بھائی اور باپ

کسی سے سختی سے بات کرکے اس کے
بیٹے کے دلوں میں نفاق ڈالتی ہے۔
دل میں خوف نہ پیدا کرو۔ عورتوں کے پیچھے مت پھرو۔ اجنبی عورت
کے پاس مت پھٹکو۔ جس عورت کا شوہر دور ہوگیا ہو اس کے
دام میں نہ پھنسو"
ماں کے تین سال دودھ پلانے اور اس کے تمام احسانات کو گنا کر کہا ہے کہ
جبکہ تم بیوی کے اور گھر کے مالک ہو گئے ہو تو ماں کو مت بھولو اور اُسے شکایت کا
موقعہ نہ دو۔ ایسا نہ ہو کہ دیوتا اس کی شکایت سُن کر تم سے ناراض ہو جائیں۔
اگرچہ پرانے مصریوں کے نزدیک شراب اچھی چیز سمجھی جاتی تھی تاہم دیوتا کی
طرف سے کہا گیا ہے کہ :-
"شراب کی دوکان کے قریب نہ جاؤ۔ اپنے لئے قبرستان میں ایک قبر بنی
ہوئی رکھو۔ نیک آدمیوں کو بھی موت نہیں چھوڑتی۔ وہ تمہارے لئے
اب بھی تیار کھڑی ہے۔ تمہیں نہیں معلوم کس طرح سے مروگے۔ ان باتوں پر
غور کرکے عمل کرو تو تمہیں خوشی حاصل ہوگی اور برائی تم سے دور رہے گی"
مندرجہ بالا نصائح سے معلوم ہوتا ہے کہ دنیا کی سب سے پرانی شہنشاہیت
میں اس وقت سے چار ہزار سال قبل لوگوں کی اخلاقی حالت کیسی تھی؟[1]

ادوار تاریخی

مصری تمدن کا آغاز ۴۰۰۰ قبل مسیح سے شروع ہوتا ہے۔[2] مصری بادشاہوں کے
پہلے دس خاندان شہر منفس میں ایک ہزار سال تک حکمران رہے۔
۳۰۰۰ ق م میں شہر طب کو حکومت منتقل ہونے پر دوبارہ ترقی شروع ہوئی۔

---

[1] مصر قدیم کی پہلی شہنشاہی از مولانا طفیل احمد بی اے منگلوری صفحہ ۲-۱۴-
[2] دائرہ المعارف جلد ۱۷ صفحہ ۱۸-

اس وقت تمام دُنیا میں تاریخی حکومتوں کی تعداد آٹھ تھی۔ ان میں سے تنہا مصری حکومت کا رقبہ ۴۵ فیصدی تھا۔ باقی ۵۵ فیصدی رقبہ سات حکومتوں کریٹ، ہیتیا، بابل، ایران، ہند، ہنس اور چین میں تقسیم تھا۔ جس سے اس زمانے کی مصری حکومت کی وسعت اور عظمت کا پتہ چلتا ہے۔

۴۴۰۰ق م سے ۳۳۲ق م عہد سکندر یونانی تک ۳۱ مختلف خاندان مصر پر فرماں روا رہے ہے۔

پہلا۱ خاندان ۴۴۰۰ سے ۱۳۳۳ تک رہا۔ پہلا بادشاہ مینس تھا اس کی قبر زمانۂ حال میں دریافت ہوئی ہے۔ دوسرا تتا جس نے منفت میں شاہی قصر تعمیر کرایا۔ چوتھا ونفس اول جس نے کوکمہ ہرم تعمیر کرایا۔ ساتواں بادشاہ اس خاندان کا تسوع تھا۔ آخر میں فواحش کی گرم بازاری اور فتنے برپا ہوئے۔ طینی حکومت جاتی رہی منیفی دَور دورا ہوا بصاد بوثوس) اس کا پہلا حکمران تھا۔

دوسرا۲ خاندان ۴۱۳۳ق م سے ۳۹۰۰ تک بصاد، کاکاود، بتوترس وینس استنس خائرس، نفرخرس، نفرکاسکر، خزرس حکمران ہوئے۔ کاکاوو (ذوسر) کے عہد میں گاو پرستی ہوئی۔ بتوترس دیوتا اپنے کو سمجھتا تھا۔

تیسرا۳ خاندان ۳۹۰۰ سے ۳۷۶۶ تک اساکا خاندان کا نامور بادشاہ ترسکم تھا اس نے سقارہ میں ایک ہرم تیار کرایا جو موجودہ اہرام میں سب سے پرانا ہے۔ اس کے عہد میں فن نقاشی اور جرالاثقال کو ترقی ہوئی[۱] تحروفس ماہر طب سفوخرس، نفرکارع، آخری اسنفرد تھا جس کے ہاتھ سے حکومت گئی۔ ابوالہول کا عظیم الشان بُت اس کے عہد کی یادگار ہے۔

---

[۱] خونو یانی ہرم کی ایک اور عمارت موسوم بہ بیخوت خوفو ہے جو خوفو کی خواب گاہ ہے۔ بیس سال میں ایک لاکھ مزدور کی شبانہ روز محنت شاقہ کے بعد دو لاکھ اشرفی کی لاگت پر چھبیس بیگھہ اراضی کے رقبہ پر تئیس لاکھ سنگی اینٹوں سے بنی۔

چوتھا[۴] خاندان ۳۷۶۶ء سے ۳۵۶۶ء تک ۔ پہلا بادشاہ اسنی فیرو تھا۔ ریگستان کے غارت گروں سے جنگ کی جزیرہ نما سینا پر قبضہ کیا۔ اس کے جانشین خوفو[۱] نے بمقام قسط ایک ہرم تیار کرایا۔ اس کے بعد ۳۶۶۶ء میں خافرا (خافرع) نے ایک بڑا ہرم بنوایا۔ اس کے وارث منکورا (من کا ورع) نے دو اہرام بنوائے اور ان میں سے ایک میں خود مدفون ہُوا۔ یہ عادل اور رعیّت پرور بادشاہ تھا۔ ایک ہرم جیزہ میں تعمیر کرایا تھا جو ۲۰۳ قدم بلند اور ۲۵۲ قدم عریض تھا بلکہ نیتوکرس نے جو خاندان ششم کی آخری فرمانروا تھی اس کی تکمیل کرائی ۔ اسکاف اس خاندان کا آخری بادشاہ تھا۔ وہ ہندسہ اور آلات رصد کا شائق تھا۔ نوسال حکمراں رہا۔

پانچواں[۵] خاندان ۳۵۶۶ء قم سے ۳۳۰۰ء قم تک اس خاندان نے جزیرہ نما سینا کو زیرنگین رکھا اور متعدد اہرام تیار کرائے۔ اسکاف، سحور، ککا، نفروس، خبس کارع، زعنوسر منکاحور، ددکارع، اناس حکمراں رہے۔ علمی ترقی کے لئے یہ عہد مشہور ہے ۔

چھٹا[۶] خاندان ۳۳۰۰ء قم سے ۳۱۰۰ء قم تک ۔ اس خاندان کا سب سے زیادہ نامور بادشاہ (مریرع) پیپی[۲] اوّل تھا ۔ اس نے سقارہ میں اہرام بنوایا ملکہ منکاارع نیتوکریس اس کی جانشین ہوئی ۔ اتی، مریرع، مرترع اول، فیولیس، مرترع ثانی، شام تک اس کا اقتدار رہا جنگی کشتیاں تیار کی گئیں ۔

مرترع ثانی اپنے امراء کے ہاتھوں قتل ہُوا۔ اس کی بہن نیتوکریس جو اس کی بیوی بھی تھی تخت نشین ہوئی۔ اس کے امراء کو مروا ڈالا اور خود بھی آگ میں جل کر مری ۔

ساتواں[۷] ۔ آٹھواں[۸] ۔ نواں[۹] اور دسواں[۱۰] خاندان ۳۱۰۰ء قم سے ۲۸۰۰ء قم تک

---

[۱] دائرۃ المعارف جلد ۲ صفحہ ۱۹

[۲] مریرع (پیپی اوّل) شام اور نوبیا کو محکوم کیا۔ پیپی ثانی (فیولیس) کے زمانہ میں فیروزہ، توتیا تانبے کی کانیں اور کوہ طور سے قیمتی پتھر لعل وزمرد نکالے گئے ۔

چار خاندان حکمران رہے۔ مگر ان کے حالات سے تاریخ خاموش ہے۔

گیارہواں[۱۱] خاندان ۲۷۰۰ ق م سے ۲۲۶۶ ق م تک۔ اس خاندان کا سب سے زیادہ با عظمت بادشاہ (منتو حتب) متھوٹیپ سوم تھا۔ اس نے ہرم بنوایا اور متعدد یادگاریں چھوڑیں۔ مدت تک اس کی پرستش ہوتی رہی۔ مصر و عرب کے راستے درست کرائے۔ منزلیں بنوائیں۔

بارھواں خاندان ۲۲۶۶ ق م سے ۲۲۰۰ ق م تک اس عہد میں مصر نے تعمیرات اور علوم و فنون میں ترقی کی۔ قبروں پر تاریخی یادداشتیں کندہ کرائیں۔ اس خاندان کے نامور بادشاہ اُسرتیں (اترس) سوم نے حبش فتح کیا۔ وادی حلفا میں قلعے بنوائے جو قمنہ وسمنہ کے نام سے مشہور ہیں۔ اس کے جانشین اینم ہاٹ سوم نے ایک بھول بھلیاں محل بنوایا۔ اوسرس نے طیبہ کا ہیکل تعمیر کرایا اور فیوم میں ایک تالاب کھدوایا جس کا نام مواس تھا۔

تیرھویں[۱۳] خاندان سے سترھویں خاندان تک۔ طیبی، سخاوی، دارسی (عمالقہ) صافی (عمالقہ) اس دور کی مدت بعض مورخ چار سو برس اور بعض ایک ہزار برس تک بتاتے ہیں لیکن بقول بستانی اس کا زمانہ ۲۲۰۰ ق م سے ۱۶۳۵ ق م تک ہے۔

عرب کے حدود سے ایک سامی قوم (مجموعہ قبائل عاد و ثمود و مفین) عمالقہ حتیین[۱] نے شاہ اینم ہت بادشاہ مصر پر حملہ کیا اور مصر پر قابض ہو گئے۔ یہ لوگ شاشو یا ہک شاش (شاہانِ بادیہ) کہلاتے تھے۔ پہلا بادشاہ سلاطیس تھا جس کا صدر مقام منفس تھا۔ پھر اس نے ادارس قلعہ بنایا۔ اس کے پاس دو لاکھ فوج تھی۔ اس کے بعد کے بادشاہ ابوصاس (ریانی اول) ابوقلیس یا ناآخری شاہ اسیس تھا۔

مصر زیریں کا سامی بادشاہ ابوملک (راقیون) تھا جس کے پاس ۲۲۰۰ ق م میں حضرت ابراہیم خلیل اللہ آ گئے تھے اور آپ کے پرپوتے سالی بادشاہ اباپی اول ریان بن

---

[۱] توریت مقدس

ولید (رع کا نن) کے عہد میں مصر آئے[1] اس کا وزیر قطفیر (دوفر ہدیۃ الشمس) جس نے حضرت یوسف علیہ السلام کو خریدا تھا آگے چل کر حضرت یوسف ریان کے وزیر مال مقرر ہوئے۔

حضرت یعقوبؑ معہ ۹۳ نفوس کے کنعان سے مصر آئے، وادی غسان (مقام عین شمس) میں آباد ہوئے۔ عمالقہ کا دور ظالمانہ رہا، مصریوں نے قوت پیدا کر کے اپنا سردار تا عا کو بنایا اور وطنی حکومت قائم کر دی۔

اٹھارہواں (۱۸) خاندان ۱۶۳۵ قم سے ۱۳۶۵ قم تک۔ اس خاندان کے ایک بادشاہ (امنوفس اول) تھیوٹی میس اول نے ایشیا پر حملہ کیا اور دریائے فرات تک فتوحات حاصل کر لیں۔ تھیوٹی میس سوم مشہور فاتح تھا۔ اس نے پندرہ بار شام پر حملہ کیا۔ احمس کے عہد میں عمالقہ بہت کمزور ہو گئے۔ امنوفس، تحوتمس اول، تحوتمس ثانی، ملکہ حتی بسو، تحوتمس ثالث امیوفس ثانی، تحوتمس رابع، امینوفس ثالث[2] امینوفس رابع (توت عنخ آمن) حور محب بادشاہ ہوئے۔

انیسواں (۱۹) خاندان ۱۳۶۵ قم سے ۱۳۳۹ قم تک۔ اس خاندان کا پہلا بادشاہ رامسیس اول تھا۔ تیسرا بادشاہ رامسیس دوم ۱۳۴۰ قم میں تخت نشین ہوا۔ یہی وہ فرعون تھا جس نے بنی اسرائیل پر مظالم کئے۔ چوتھا بادشاہ منفتاح اول (رٹیا) نام ۱۲۸۵ قم میں سریر آرائے سلطنت ہوا۔ اس فرعون کے عہد میں حضرت موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کو مصر سے نکال لے گئے[3] اس کے بعد سٹی دوم ۱۲۳۵ قم

---

[1] دائرۃ المعارف جلد ۱، صفحہ ۲۴۔

[2] امیوفس ثالث نے رود نیل کے بائیں جانب ایک بُت خانہ بنوایا تھا اس میں ایک بُت ایسے پتھر سے تراش کے بنایا گیا تھا جس کی طبعی خاصیت یہ تھی کہ شبنم کے بعد اس پر آفتاب کی شعاع پڑتی تو اس میں سے آواز پیدا ہوتی تھی۔

[3] دائرۃ المعارف جلد ۱۰، ۱۸، صفحہ ۳۰۔ رعمسیس ثانی کو یونانی میزوسٹریس کہتے ہیں اس کا لقب

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ ۷۳۷ پر)

میں تخت نشین ہُوا مگر حکومت پر زوال آگیا۔ اس کے بعد امن مس، منفتاح ثانی بادشاہ تھے۔ رعمسیس اول حورمحت کا سپہ سالار تھا۔ اس نے لیاقت سے حکومت پر قبضہ کیا اور برقہ فتح کیا۔

بیسواں خاندان (رعمسیسی) ۱۲۳۵ قم سے ۱۰۷۵ قم تک۔ اس خاندان کے دوسرے بادشاہ رامسیس سوم نے سلطنت کو دوبارہ مستحکم کیا اور بحری و بری فتوحات حاصل کیں۔ ایشیائے کوچک اور لیبیا قبضے میں کئے۔ آلو کی عظیم الشان سرائے اس کی تعمیر کردہ ہے جس کی دیواروں پر اس کی فتوحات کی تصاویر بنی ہوئی ہیں۔ لقصر کی ہیکل کی مرمت کرائی۔ آخری بادشاہ رعمسیس سیزدہم کے عہد میں امون کے معبد کے کاہنوں کا سرغنہ حرحور قابض ہوگیا۔

اکیسواں (۲۱) خاندان (کہنہ) ۱۰۷۵ قم سے ۹۴۵ قم تک۔ پہلا بادشاہ حرحور تھا۔ اس کے بعد بینوزم بادشاہ ہُوا۔ ہنجینردع کے زمانہ میں سمندیس نے جدا حکمرانی قائم کی اس خاندان کے ایک بادشاہ پسپخانو دوم کی لڑکی سے حضرت سلیمان نے شادی کی تھی۔ غرضیکہ نمرود نے یہیں وفات پائی۔ عرابہ میں مدفون ہُوا۔ اس کے بیٹے نے شہر بسطہ میں سکونت اختیار کی اور ان سے بھی مصر میں بابل و اشور کی تہذیب آئی۔

بائیسواں خاندان (بسطی، نمرودی) ۹۵۰ قم سے ۷۸۰ قم تک۔ اس

(بقیہ حاشیہ ص ۷۳۶ سے آگے) رعمسیس اکبر تھا۔ پُرشکوہ بادشاہ تھا مصری اسکی عظمت اس قدر کرتے تھے کہ معبود بنا رکھا تھا۔ شام، برقہ فتح کیا۔ کنعانیوں پر ایک لاکھ فوج سے حملہ کیا۔ بھرصلح ہوگئی۔ چاندی کے پتروں پر صلحنامہ لکھا گیا۔ لندن کے میوزیم میں محفوظ ہے۔ ہیکل اور عبادت خانہ تعمیر کیا۔ پایۂ تخت صان تھا۔ اسکی ممی لقصر سے نکلی ہے مصری عجائب خانہ میں موجود ہے۔ منفتاح اول نے باپ سے زیادہ خودسری دکھائی۔ اس کی اصلاح کے لئے حضرت موسیٰ سرگرم سعی ہُوئے۔ اس نے بنی اسرائیل (آل یعقوب) پر بڑے ظلم توڑے۔ یہ سمندر میں غرق ہوا۔ نعش ۱۹۰۴ء میں برآمد ہوئی۔ جیزہ کے عجائب خانہ میں موجود ہے۔ ۱۲

خاندان کے پہلے بادشاہ شیشنق اوّل نے حضرت سلیمانؑ کے وصال کے بعد کنعان پر حملہ کیا اور یروشلم پر عارضی فتح پائی خزانے وغیرہ لوٹ لئے اور مصر آکر کرنک کی ہیکل کی چار دیواری پر اپنی مورت بنوائی شیشنق رابع کے زمانے میں باستیس رئیس نے قبضہ کیا۔

تئیسواں[۲۳] اور چوبیسواں[۲۴] خاندان (تانیسی) صادی ۸۵۰ ق م سے ۷۲۸ ق م تک۔ اس کی اولاد میں چار بادشاہ ہوئے آخری ذت تھا۔ اسکی کمزوری سے فائدہ اٹھا کہ تفنخت بادشاہ ہوا۔ یہ صاوی حکومت کا بانی تھا۔

پچیسواں[۲۵] خاندان[۱] (رتیوبی) ۷۲۸ ق م سے ۶۵۵ ق م تک پہلا بادشاہ بسامتیک اوّل تھا اور اس خاندان کا نامور بادشاہ ترہاقا تھا جو ۶۹۰ ق م میں تخت نشین

(بقیہ نوٹ صفحہ ۷۳۷ سے آگے) رامیسس دوم نے ہی تھیب کو ایک صد پھاٹک کا شہر بنا کر مرکز عالم بنایا۔ اس نے ہی اپنے قومی وملکی دیوتا آمون کے نام پر قرناق کا کوہ پیکر ہیکل تعمیر کرایا اسی ہزار غلام اس پر نثار کر دیئے۔ اس کا عظیم الشان ۲۵ فٹ کا مجسمہ قریہ مت راہنہ میں موجود ہے۔

جزیرہ روضہ :۔ حضرت موسیٰ کو فرعون کی بیوی نے یہیں نیل کے کنارے پر ٹوکرے سے نکالا تھا۔ ایک کھجور کا درخت اس جگہ آج بھی موجود ہے۔ یہاں مقیاس النیل بھی ہے۔

[۱] پچیسویں خاندان میں سباقون، سبلیغون، طہراق اور وامین، نوات، میامون بادشاہ تھے۔ سباقون نے مصر پر قبضہ کر کے نہروں کے پل بنوائے۔ ہیکلوں کی مرمت کرائی اور اشور پر فوج کشی کرنی چاہی۔ فلسطین کے حکمران حانون اسرائیلی سردار ہوشیع اور یہوذا کے امیر حزقیا کو ملا لیا۔ بادشاہ اشور سلامنصر کو اطلاع ہوگئی۔ اس نے حانون کو قید کر دیا جس سے اشور کا حملہ رک گیا۔ جب سرجون اشور کا بادشاہ ہوا تو سباقون نے حملہ کر دیا مگر شکست کھائی۔ اہل مصر منحرف ہوگئے اور استیفنا تش کو تخت پر بٹھا لیا۔ مگر سبلیغون نے اس سے مصر چھین لیا۔ وامین آخری اس خاندان کا بادشاہ تھا جس کی بدانتظامی سے ملک والے پریشان تھے۔ بسامیتک نے یونانی بحری غارت گروں کو ملا کر مصر پر قبضہ کیا اور شہر صاء کو دارالحکومت بنایا۔ یہ صاوی خاندان کا بانی ہے۔

ہوا۔ اسی عہد میں سخاریب بادشاہ نینوا نے فلسطین پر حملہ کیا اور سخاریب کے جانشین نے مصر پر فوج کشی کی۔ بسامتیک اول نے یونانیوں کو آباد کیا اور تعلیم پھیلائی نزمانہ مابعد سولن، فیثاغورس، افلاطون، اودوکس انہی مصری درس گاہوں سے نکلے۔ بسامتیک کے بعد نکاؤ، بسامتیک ثانی، ابریس، امازیس، آخری بسامتیک ثالث تھا۔

چھبیسواں[26] خاندان (صادی) ۶۵۵ قم سے ۵۲۷ قم تک۔ پہلے بادشاہ شامتک اول نے شام پر حملہ کیا۔ اس کے جانشین نیکو دوم نے دریائے نیل اور بحر احمر کے درمیان نہر بنوانے کی کوشش کی۔ شام پر حملہ کیا۔ بادشاہ اسرائیل کو میدان جنگ میں قتل کیا۔ دریائے فرات تک دھاوے کئے۔ قارقیمش کی مشہور لڑائی میں بخت نصر سے شکست پائی۔ اس خاندان کے پانچویں بادشاہ رہامیس دوم کے عہد میں بخت نصر کے وارثوں نے مصر پر حملہ کیا۔ سامتک سوم کے دار السلطنت میں مصر کی خود مختاری ختم ہوئی اور یہ قدیم ایران کا ایک صوبہ ہو گیا[۵]۔

ستائیسواں[27] خاندان ۵۲۵ قم سے ۴۰۵ قم تک ایران کی ماتحتی۔

اٹھائیسواں[28] خاندان ۴۰۵ سے ۳۹۹ قم تک۔ ایک شہزادہ ایران سے باغی ہو کر مصر کا خود مختار بادشاہ بنا مگر چھ سال کے بعد مر گیا۔

انتیسواں[29] خاندان ۳۹۹ سے ۳۷۸ قم تک۔ ایران سے جنگ رہی۔

۵؎ بسامتیک سوم (سامتیک سوم) کے عہد میں ایرانی بادشاہ قمبیز نے مصر پر حملہ کر کے قبضہ کر لیا۔ قمبیز کو ایرانی بہمن پسر اسفندیار کہتے ہیں جس نے ہفت اقلیم کو مسخر کیا تھا۔ مگر یہ رائے صحیح نہیں ہے قمبیز نے مصر کا انتظام بہترین کیا اور اس نے بقول مورخ یہود ہیرودوت تین مختلف اقوام سے ایک ساتھ جنگ کی۔ قرطاجنہ فتح کیا اور ہیکل مشتری منہدم کی[۲]۔ اس کے بعد قرب وجوار کے ملک قبضہ میں لایا۔ اس کے بعد دارا اوّل ہوا۔ اس کے بعد شارش اول، ارتخشارشا اوّل، سیارش ثانی سوغدیانوس۔ آخر میں دارا ثانی۔ اس کے عہد میں سکندر مقدونی نے ایران فتح کیا۔

۳؎ دائرۃ المعارف جلد ۱۷، ۱۸، صفحہ ۴۰

تیسواں[۳۰] خاندان ۳۷۸ء سے ۳۴۰ء ق م تک۔ ایران سے بغاوت اور لڑائی کا سلسلہ جاری رہا۔

اکتیسواں[۳۱] خاندان ۳۴۰ء سے ۳۳۲ء ق م تک۔ سکندر[۱] نے مصر فتح کیا اور مصریوں کی بادشاہی ختم ہوئی۔ سکندر کی وفات کے بعد اس کی وسیع سلطنت جنرلوں میں تقسیم ہوئی۔ مصر ٹالمی (بطلیموس) کے قبضہ میں آیا اور تقریباً تین سو برس تک اس کے وارثوں کے قبضہ میں رہا۔ اس عہد کے بادشاہوں کی فہرست حسب ذیل ہے:-

بطلیموس (ٹالمی اول) لیگس ۳۲۳ ق م سے ۲۸۵ ق م تک
فیلاڈلفوس (فلیڈلفس) ۲۸۵ 〃 〃 ۲۴۷ 〃 〃
فرجیت اول (یرگیٹس) ۲۴۷ 〃 〃 ۲۲۲ 〃 〃
قیلوپاطورا (فلوپیٹر) ۲۲۲ 〃 〃 ۲۰۴ 〃 〃
ابیفان (ایپی فینس) ۲۰۴ 〃 〃 ۱۸۱ 〃 〃
قیلومیٹرا (فلومیٹر) ۱۸۱ 〃 〃 ۱۴۶ 〃 〃
فرجیت ثانی (اگیٹس دوم) ۱۴۶ 〃 〃 ۱۱۷ 〃 〃

سوٹر دوس سکندر اول (۱۰۷) سوٹر دوم۔ بزنیس سکندر دوم۔ اولیٹس ٹالمی کلاں ٹالمی خورد۔ ملکہ کلوپیٹرا ۴۴ سے ۳۰ ق م تک۔

(نوٹ) بطلیموس نے اسکندریہ کو پایۂ تخت بنایا۔ پھر لوبیا اور مصری سرحد

---

[۱] سکندر مقدونیہ کے فرماں روا اقلیبس کا بیٹا تھا اور حکیم ارسطاطالیس کا شاگرد۔ تیس سال کی عمر میں تخت نشین ہوا۔ ایرانیوں کے مقابلہ کے لئے دردانیال سے اتر کر اناطولیہ میں دریائے غرانیکوس پر مقابلہ ہوا۔ سخت جنگ کے بعد ایرانی شکست کھا گئے۔ سکندر وہاں سے کامیابی کے بعد مصر آیا اور قبضہ کیا۔ اپنے ایک مہندس قراطیس سے ساحل بحر پر اپنے نام سے شہر تعمیر کرایا۔ اور مصر میں اقلیومینس کو اپنا نائب مقرر کیا۔ بطلیموس سکندر کی طرف سے بابل کا حاکم تھا۔ سکندر کے مرنے کے بعد مصر آگیا اور حکومت مصر قبضہ میں لی۔ ۱۲

کے متصل بلادِ عربیہ پر قبضہ کیا۔ اسکندریہ میں عظیم الشان منارۂ نور تعمیر کیا۔ ایک مدرسہ اور ایک کتب خانہ قائم کیا۔ یہ شہر علوم و معارف کا مرکز بن گیا جس کی تفصیل اسکندریہ کے بیان میں کی ہے۔ اس کا بیٹا بطلیموس ثانی نے توریت کا ترجمہ عبرانی سے یونانی میں کرایا۔ اس کے عہد میں مانیتھو کاہن نے مصر کی تاریخ لکھی۔ آخری فرمانروا ملکہ قلوپطرہ تھی۔ اسے اس کے بھائی بطلیموس (تالمی خورد) سے حکومت کی وجہ سے جھگڑا ہو گیا۔ وہ شام گئی۔ جولیس قیصر نے اس کی مدد کی اس کے بھائی کو غرق نیل کرا دیا اور اس کو حکمران مصر کا کیا۔

قیصر نے ہی کتب خانہ اسکندریہ جلایا۔ پھر اس نے اپنے بھائی بطلیموس سیزدہم سے شادی کی مگر اس کو چھوڑ کر قیصر کے پاس چلی گئی۔ دو سال بعد وہاں سے آ کر زہر سے بطلیموس کا کام تمام کر کے قلوپطرہ خود حکمران بن گئی۔ ان دنوں دو رومی امیر انٹونیوس اور اکتافیوس، بروٹس سے برسرِ پیکار تھے۔ ملکہ نے بروٹس کی اپنے بحری بیڑے سے مدد کی۔ پھر انتونیوس سے شادی کر لی اور وہ مصر آ گیا۔ رومی مجلس نے واقعات سے اطلاع پا کر ۳۲ ق م میں مصر پر زیر سرکردگی اوکتافیوس فوج بحری بھیجی تو ملکہ نے اوکتافیوس سے تعلقات قائم کرنے چاہے مگر وہ دام میں نہ پھنسا۔

اس نے اس کو موت کا فرمان سنا دیا۔ اس نے زہر پی کر جان دے دی۔

۳۰ ق م میں مصر میں یونانی حکومت کا خاتمہ ہو گیا۔

اس کے بعد سے مصر سلطنت روم کے قبضہ میں آئی۔ رومی حکومت سنہ ۳۰ ق م سے سنہ ۶۴۰ء تک رہی۔ رومن فاتح اوکتافیوس جو قیصر اگسٹس کے لقب سے مشہور ہوا مصر پر قبضہ کر کے امورِ حکومت میں کسی قسم کا تغیر نہیں کیا۔ اس کے عہد سے مصر رومی سلطنت کا صوبہ بن گیا۔ دربار روما سے یہاں کے حسبِ ذیل والی مقرر ہوئے۔

فورنیلوس غالوس بطرینوس، اس نے اگسٹس کے حکم سے بلادِ عرب پر فوج کشی کی۔ قیصر اگسٹس کے عہدِ حکومت کے تیسویں سال حضرت عیسیٰ علیہ السلام پیدا ہوئے۔ بطرینوس کے بعد طیباریوس ہوا جس کے نام سے شام میں شہر طیباریہ ہے۔ اس کے بعد قلیودیوس ہوا۔ اس کے عہد میں شمعون پطرس قید ہوئے۔ پھر قادرون حکمران ہوا۔ پولس اور پطرس داعیانِ مسیحیت کو قتل کرا دیا۔ اس کے بعد طیطوس آیا جس نے بیت المقدس پر حملہ کیا اور یہودیوں کو گرفتار کر کے فروخت کر دیا۔ اس کے بعد دومطیانوس تھا وہ بھی بڑا ظالم تھا اور یانوس حکمران ہوا۔ اس کے عہد میں حکیم بطلیموس تھا جس نے کتاب مجسطی لکھی۔ اس کے بعد قوموروس ہوا۔ اس کا معاصر جالینوس حکیم یونانی تھا۔ اس کے عہد میں نصرانیت پھیلی۔ قیطیانوس نے اپنے عہد میں مصری باشندوں کو قتل کیا۔ اس کے بعد سے مسیحی دور مصر میں شروع ہوا۔

رومی عہد میں مصری ٹیکسوں میں دب گئے تھے۔ ان میں جہالت پھیل گئی تھی۔ قسطنطینِ اعظم نے سنہ ۳۱۳ء میں عیسویت اختیار کی تو اہلِ مصر کے دن پھرے۔ سنہ ۳۷۸ء میں قیصر تھیودوسس تختِ روما پر بیٹھا۔ اس نے فرمان جاری کیا کہ تمام سلطنت کے باشندے عیسائی بنائے جائیں۔ نتیجہ یہ ہوا کہ مصری بت پرستوں کے معبد ڈھا دیئے گئے۔ اور ان پر بڑے بڑے مظالم کئے گئے۔ اسی زمانہ میں ہپاتیا زہرہ جبیں کو جو علوم و فنون کی ماہر تھی حضرت مریمؑ کے بت کے سامنے عیسائیوں نے لاٹھیوں سے مار ڈالا۔ اس کے بعد نصاریٰ میں تفرقہ پڑ گیا۔ یعقوبی اور ملکی فرقوں میں جھگڑا ہوا۔ آخر ش رومی سلطنت سنہ ۳۹۵ء میں دو حصّوں میں تقسیم ہو گئی[1] مغربی حصّہ کا پایۂ تخت رومۃ الکبریٰ رہا

---

[1] دائرۃ المعارف جلد ۱۷، ۱۸ صفحہ ۵۳۔

اور مشرق کا قسطنطنیہ قرار پایا۔ جس کے تحت شام کے ساتھ مصر آیا۔ ۶۱۰ء میں ہرقل، قسطنطنیہ کے تخت پر بیٹھا۔ اس کے زمانہ میں ایرانیوں کا پھر اقتدار مصر پر ہو گیا۔ ۶۱۶ء میں خسرو دوم نے دمشق، یروشلم، مصر سب فتح کر لئے مگر تھوڑے سے عرصہ کے بعد ہرقل نے اپنا ملک ۶۲۷ء میں ایرانیوں سے نینوا میں مقابلہ کر کے چھین لیا۔

اس شکست سے ایرانی شہنشاہیت ختم ہو گئی۔ ہرقل نے ایک قبطی نژاد رئیس مقوقس کو اپنے پاس رکھ کر تعلیم و تربیت دی اور مصر کا والی مقرر کیا۔ ۶۲۹ء میں نامہ نبوی اسی عظیم القبط کے نام گیا۔ اسلام تو لایا نہیں مگر تحفے میں دُلدل سواری کے لئے اور دو عورتیں قبطیہ تھیں۔ ان میں ایک حضرت ماریہ قبطیہ رضؓ ہیں جن کے بطن مبارک سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بیٹے ابراہیم پیدا ہوئے۔

مصریوں کی علمی ترقی

اہلِ مصر کو جہاں پہلی شہنشاہی قائم کرنے کا فخر حاصل ہے اسی طرح علوم و فنون کے ایجاد اور ترقی کا بھی ان کو افتخار حاصل ہے۔ مسٹر اولن اپنی تاریخ مصر میں لکھتا ہے :-

"مصر فنون اور آدابِ سلطنت کا ایک عمدہ مدرسہ سمجھا جاتا تھا۔ چنانچہ یونان کے بڑے بڑے لوگ مثل ہومر، فیثاغورث، افلاطون اور وہاں کے اچھے اچھے مقنن مثل لائیکرگس، سولن جیسے حضرات نے بہ نظر تکمیل علوم مصر کا سفر اختیار کیا۔"

حضرت موسیٰ علیہ السلام جن کے متعلق کتاب مقدس میں ہے کہ وہ مصریوں کے ہر طرح کے کام میں نئی نئی ایجادیں کرتے تھے۔ ان کی طبیعت میں ایجاد کا مادہ تھا اور مفید کاموں کی طرف زیادہ توجہ کیا کرتے تھے۔ علمائے مصر جو کہ مرکزی کہلاتے تھے، مصر کو عجیب عجیب ایجادوں سے

معمور کر دیا تھا۔ ان کی سب سے بڑی سعی یہ تھی کہ طبیعت انسانی کی تکمیل جس سے آرام وخوشی حاصل ہو اس سے مصری محروم نہ رہیں۔"

علمِ ہیئت مصری سیاروں کی حرکات پر سب سے پہلے مطلع ہوئے اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ پہلے انھوں نے ہی علم ہندسہ ایجاد کیا۔ موجوداتِ عالم کے حالات اور خواص دریافت کرنے میں یہ لوگ بہت کوشش کرتے تھے۔

فنِ عمارت مصریوں نے فنِ عمارت اور رنگ آمیزی اور سنگ تراشی اور تمام متعلقہ فنون کو کمال پر پہنچایا تھا۔

حکمت وحکومت جن لوگوں نے قواعد حکمت وحکومت کو خوب سمجھا اُن میں سب سے اول مصری تھے۔

اس قوم نے یہ بات سب سے پہلے دریافت کی کہ فنون قواعد کا اصلی مطلب یہ ہے کہ اپنی زندگی مزے کے ساتھ کٹے اور رعیت آباد رہے جس کی مختصر تفصیل پہلے لکھ چکے ہیں۔

غرضیکہ علوم وفنون کی ایجادات میں مصریوں کی کارفرمائی کو بڑا دخل ہے۔ تفصیلات مصر کی تاریخوں میں موجود ہیں۔

مصر کی حالت

اسلام سے پہلے مصر میں یہودیوں اور بدعتی عیسائیوں کا غلبہ تھا۔ بجائے اس کے کہ ان سے مصری عقیدوں کی اصلاح ہوتی یہ خود گمراہی کی نذر ہو گئے اور مصریوں کی بت پرستی سے اُن کے قدم آگے ہی تھے۔ قدرت نے انتقاماً رومی ظالموں کو مسلط کر دیا تھا۔ جن کے ظلم وجفا کی داستان سر ولیم میور کی زبانی پڑھیئے "عروج و زوال خلافت" میں لکھتا ہے:۔

"۶۳۰ء میں ہرقل نے کیروس کو ملکی اور مذہبی حاکم کیا۔ اس نے اپنے

دس سالہ دورِ حکومت میں سخت جور و ظلم کئے اور قبطیوں کو ترک عقیدہ یعقوبی پر مجبور کیا اور طرح طرح ان غریبوں پر ظلم کئے۔

اس سے بڑھ کر ظلم رومیوں کا یہ تھا کہ مصر میں آب پاشی سے سیراب و شاداب کھیتوں کی پیٹ بھرنے والی پیداوار صرف سلطنتِ روم کے بڑے بڑے شہروں کا پیٹ بھرنے کے کام آتی تھی۔

رومی جو مصر میں آباد تھے وہ خود دو ٹکڑوں میں تھے۔ ایک ازارقہ (کبود) اور اخاضرہ (سبز) کہلاتے تھے۔ جو خود آپس میں آئے دن لڑتے رہتے تھے۔ یہ تمام اسباب ایسے تھے کہ ملک میں بغاوت کی آگ سُلگتی رہی۔ چنانچہ قبطی مبغوض رومیوں سے نجات پانے کے منتظر ہر موقع کا خیر مقدم کرنے کو تیار تھے۔" [1]

غرضیکہ مصر کے یہودیوں اور بدعتی عیسائی فرقوں پر رومیوں کا جو ظلم و ستم، جور و تشدد ہوتا تھا اس کی داستان شام کے رومی جبر و تعدی سے کہیں بڑھ کر ہولناک و دردناک ہے۔ اسی جور و جفا کا نتیجہ تھا کہ اہالی شام نے بہ جبر و اکراہ اہل اسلام سے تعاون حاصل کیا۔ ایسے ہی مصر کے عیسائی اور یہودی مسلمانوں کے غائبانہ ہمدرد تھے۔ علامہ بلاذری فرماتے ہیں:۔

"المقوقس نے جو ہرقل شہنشاہ روم کا گورنر اور اسکندریہ کا بطریق تھا اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نامہ مبارک جو بغرض دعوتِ اسلام اس کے نام آیا تو با احترام اس کو لیا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں تحفے روانہ کئے۔"

خلیفۂ اوّل کے بعد خلیفۂ دوم سریر آرائے خلافت ہوئے تو عمرو بن عاص نے مصر کی طرف توجّہ کی۔

---

[1] عروج و زوال خلافت از سر ولیم میور مطبوعہ ایڈنبرگ ۱۹۱۵ء۔

مصر کی فتح

مصر بھی جیسا کہ اوپر تحریر کیا جاچکا ہے رومی حکومت کے ماتحت تھا۔ حضرت عمرؓو بن العاص شام کی فتوحات میں حضرت خالدؓ بن ولید اور حضرت ابو عبیدہؓ کے ساتھ برابر کے شریک تھے۔ مگر مصر کی فتح میں تنہا اپنی تلوار کے جوہر دکھانا چاہتے تھے۔ اس کے علاوہ شام کی حفاظت کے لئے اس پر قبضہ کرنا ضروری تھا۔ مصر کے حالات سے وہ واقف بھی تھے۔ اس کی شادابی کا علم تھا۔ اس وجہ سے خلیفہ اعظم حضرت عمرؓ سے مصر کی طرف پیش قدمی کی اجازت چاہی۔ چنانچہ پس و پیش کے بعد اجازت مرحمت کی اور چار ہزار فوج دے کر انہیں مصر کی طرف روانہ کیا۔ پوری تفصیل فتح مصر کی تاریخ ملت کے دوسرے حصہ میں آچکی ہے۔

غرضیکہ رومیوں سے مقابلہ عمرؓو بن عاص کا شہر "فرما" میں ہوا۔ ایک ماہ جنگ ہوتی رہی۔ آخر رومیوں کو شکست کا منہ دیکھنا پڑا۔ مسلمان آگے بڑھ کر کامرانی وکامیابی کے ساتھ مصر تک پہنچ گئے۔ المقوقس نے خبریں سن کر مقابلہ کی تیاری کرلی۔ جب مسلمان قریب آگئے تو قلعہ میں جم کر بیٹھ گیا۔ حضرت عمرو بن عاصؓ نے بہت کوشش کی مگر کامیاب نہ ہوئے۔ جب زیادہ دن لگ گئے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت زبیرؓ بن العوام اور حضرات مقدادؓ کو معہ دس ہزار فوج کے بھیجا۔ سات مہینے تک اسلامی فوجیں قلعہ کو گھیرے پڑی رہیں لیکن کوئی صورت نہ نکلی۔ آخر ایک دن حضرت زبیرؓ زینہ لگا کر قلعہ کی فصیل پر چڑھ گئے اور اندر اتر کر قلعہ کا دروازہ کھول دیا۔ اب کیا تھا مسلمان شہر میں داخل ہوگئے۔ مقوقس مسلمانوں کے آگے جھک گیا اور طالب امان ہوا۔ عمرو بن عاص نے امان منظور کرلی۔

مقوقس نے عمرؓو بن عاص سے ان شرائط پر صلح کی کہ وہ (عمرو بن عاص) ان یونانیوں کو جو جانا چاہیں جانے سے نہ روکیں اور قبطیوں پر دو دینار فی کس سے

زیادہ ٹیکس نہ لگائیں۔ شہنشاہ روم ہرقل کو اس کی خبر ہوئی تو بہت جھلایا اور فوجیں روانہ کیں جنھوں نے اسکندریہ کے دروازے بند کر کے آمادگیٔ جنگ کا اعلان کر دیا۔ المقوقس حضرت عمروؓ بن عاص کے پاس حاضر ہوا اور کہا کہ میں تین التجائیں لیکر حاضر ہوا ہوں :-

۱۔ یہ کہ ان یونانیوں سے انہی شرائط پر صلح نہ کریں جن پر مجھ سے کی گئی تھی۔ کیونکہ ان لوگوں نے بے اعتباری کا اظہار کیا اور نقض کیا ہے۔

۲۔ یہ کہ قبطیوں کے ساتھ شرائط صلح نہ توڑیئے۔ کیونکہ نقض عہد ان کی جانب سے شروع نہیں ہوا۔

۳۔ یہ کہ جب میں مروں تو حکم دیجئے کہ اسکندریہ کے فلاں گرجے میں دفن کیا جاؤں۔

حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ آخر الذکر میرے لئے سب سے سہل ہے۔[1]

حضرت عمرو بن عاص کے صاحبزادے صلح نامہ مقوقس کی دوسری شرط کا ذکر کر کے فرماتے ہیں :-

"لہٰذا میرے والد نے غریبوں کو مستثنیٰ کر کے ہر بالغ پر دو دینار جزیہ مقرر کیا۔"

علاوہ ازیں ان زمینداروں کو جن کے حقوق مالکانہ باقی رکھے گئے تھے ایک دینار اور تین اردب گیہوں فی جریب ادا کرنے پڑتے تھے[2]

قحط سالی کے زمانے میں یہ بھی قابل کمی و واگذاشت تھا۔ علامہ مقریزی فرماتے ہیں :-

"جبایت یعنی تحصیل لگان کا کام حضرت عمروؓ بن العاص نے قبطیوں ہی کے سپرد کر رکھا تھا اور وہ ہر ضلع اور گاؤں کی شرح لگان وہاں کے بڑے

---

[1] بلاذری بیان فتح اسکندریہ   [2] فتوح البلدان فتح مصر

بڑے زمینداروں، پدھانوں اور مکھیوں کے مشورہ سے مقرر کیا کرتے تھے
اور ان زمینوں کو جو حماموں اور گرجاؤں کی پرداخت کے لئے وقف ہوتیں
لگان سے معاف رکھتے تھے۔"

حضرت عمروؓ بن العاص نے تھوڑے عرصہ میں مصر کو گہوارۂ امن و امان بنا دیا تھا۔ اتفاقیہ عمروؓ بن عاص کے صاحب زادے نے کسی قبطی کو مار دیا۔ اس واقعہ کو علامہ بلاذری نے لکھا ہے کہ وہ قبطی مدینہ پہنچا اور اس نے حضرت عمر رضی اللہ تعالے عنہ کے سامنے حضرت عمروؓ بن عاص کے صاحب زادہ کے خلاف مار پیٹ کا استغاثہ پیش کیا۔ بارگاہِ خلافت سے مجرم اور مجرم کے باپ دونوں کے حاضر ہونے کا حکم صادر ہوا۔ حاضر ہونے پر مجرم کو تو مدعی کے ہاتھ سے زدوکوب کرائی گئی اور باپ کو یوں اعلانیہ سرزنش کی گئی :-

منذ کم تعبد تم الناس وقد	"تم نے لوگوں کو غلام کب سے بنایا حالانکہ ان
ولدتھم امھاتھم احرار -	کی ماؤں نے تو اُن کو آزاد جنا تھا۔"

حضرت عمروؓ بن عاص نے مصر کا انتظام اسلامی عدل و انصاف کے اصول پر قائم کیا۔ ہر قسم کے ظلم و ستم جو حکمران طبقہ کے رعایا پر ہوتے تھے یک قلم موقوف کر دیئے گئے۔ رومی قبطیوں کو مثل غلام سمجھتے تھے۔ اُن کو اپنا بھائی سمجھا اور اُن کے آرام و آسائش کا پورا لحاظ رکھا۔ دینی امور میں وہ پورے آزاد تھے۔ جزیہ کے بعد جان و مال جائداد، اولاد، عزت و حرمت ہر چیز کی حفاظت کا ذمہ لیا اور ان کے پیشوا "بنیامن" کو جو تیرہ سال سے رومیوں کے ڈر سے مخفی تھا اس کو امان دے کر اسکندریہ کا بطریق کر دیا اور اس نے گرجا کے متعلق جو درخواست دی اُسے منظور کیا۔

نظم و نسق — ملکی نظم و نسق کے لئے لائق افراد مقرر کئے۔ جگہ جگہ قضاۃ مقرر کئے جیسا کہ اوپر لکھا جا چکا ہے۔ خراج کی تحصیل خود قبطیوں کے سپرد کی، دفاتر

لہ الخطط جزء اوّل صفحہ ۱۲۳۔

ان کی زبان میں قائم رہے۔

مصر میں یعقوبی، ملکی، یہودی، نصرانی، ستارہ پرست وغیرہ رہتے تھے۔ ان کے ساتھ یکساں سلوک تھا اور ان سے ہمدردی اور شفقت اس طرح کی جو اُن کے خواب میں بھی نہ تھی۔ مسلمانوں کی سادہ زندگی اور ان کے حسنِ اخلاق نے تھوڑے ہی عرصہ میں ان مصریوں کو ایسا گرویدہ کر لیا کہ جوق در جوق برضا و رغبت داخلِ اسلام ہونے لگے۔ رفتہ رفتہ عربی اخلاق، لباس، زبان تک مصریوں نے اختیار کر لی۔ باہم جھگڑا کرتے رہتے تھے۔ اسلام میں داخل ہونے کے بعد بھائی بھائی بن گئے۔ ان کو اس حکومت میں وہ آرام ملا جو رومیوں کے عہد میں خواب و خیال تھا۔ عروج و زوال خلافت میں سر ولیم میور سا متعصب انگریز لکھنے پر مجبور ہوا کہ :-

”مصر میں اس زمانہ میں بدوی قبیلے نہ تھے جو عربوں اور مسلم فاتحوں کے ساتھ ہمدردی رکھتے ہوں۔ مگر ان سے بھی کہیں بڑھ کر ترپخطر عناصر مصروفِ کار تھے جنہوں نے تبادلۂ حکومت کو بادی النظر میں خوش آئند بنا دیا تھا۔“ [1]

لیبان لکھتا ہے :-

”مذہبی مناقشوں سے مجروح حکام کے مظالم اور مطالبوں سے تباہ مصر کو اپنے حکمرانوں سے ایک نفرتِ کلی ہو گئی تھی اور اس نے عربوں کو جنہوں نے اسے سلطنت مشرقی کے پنجے سے چھڑایا اپنا محسن اور نجات دینے والا سمجھا۔ حقیقت میں یہ تعریف عربوں پر بالکل صادق تھی۔“ [2]

فسطاط عمرو بن عاص نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے حکم سے شہر فسطاط کو آباد کیا۔ اور اپنا دار الامارۃ وہاں قائم کیا [3] ایک جامع مسجد تعمیر کی۔ اس کی

---

[1] عروج و زوال خلافت صفحہ ۱۵۹، ۱۶۰ [2] تمدن عرب

[3] حضرت عمرو بن عاصؓ فتح بابلون کے بعد جب اسکندریہ پر فوج کشی کے لئے روانہ ہونے لگے اور ڈیرے خیمے اکھاڑے جانے لگے تو ایک خیمہ میں دیکھا گیا کہ کبوتر نے انڈے دیدیئے ہیں فراش

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر)

وسعت ۲، ۳ میل سے زائد تھی۔ بنی امیہ نے اور ترقی دی۔ عہدِ بنی عباس میں زوال آیا۔ خلیفہ فائز کے عہد میں شاور نے شہر کو پھونک دیا۔

نہر امیر المومنین ایک نہر دریائے نیل سے ۲۱ھ میں نکال کر قلزم سے ملادی۔ یہ نہر سیتی اول فرعون کی بنائی ہوئی تھی۔ اس کو حضرت عمرو بن عاص نے صاف کرایا۔ فسطاط کے کنارے سے عین شمس اور وادی ملیلات ہو کر شہر قلزم ہو کے بحیرہ میں یہ نہر گری ہے۔ اسّی میل اس کا طول ہے۔ چھ ماہ درست کرنے میں لگے [۱]

اس نہر کے ذریعے ایک ہی سال میں ساٹھ ہزار اردب غلہ عرب بھیجا گیا۔ عمرو بن عاص نے سرزمینِ مصر کی کیفیت دربارِ خلافت کو لکھ کر بھیجی۔ جو آب تک علم وادب میں مشہور ہے۔ یہ خط النجوم الزاہرہ فی اخبار المصر والقاہرہ میں ثبت ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ خط دیکھ کر بے حد مسرت کا اظہار فرمایا اور کہا۔ ابن عاص نے تو گویا مصر کی زمین میری آنکھوں تلے رکھ دی۔

نامہ حضرت عمرو بن عاص مصر کی زمین سیر حاصل اور بار آور درختوں سے ڈھکی ہوئی ہے۔ اس کا طول ایک ماہ عرض دس روز کی مسافت ہے۔ اس کے وسط میں سے وہ دریا گزرتا ہے جس کی خرام سحری

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۷۴۹ سے آگے) نے عرض کیا۔ فاتح مصر نے فرمایا۔ خیمے کو رہنے دو، اسکندریہ کے بعد دیکھا جائے گا۔ جب اسکندریہ فتح کر کے لوٹے، فاروقِ اعظم کے حکم سے وہیں شہر آباد کیا اور مستقر بنایا اور جہاں خیمہ تھا وہاں مسجد بنی جو جامع عمرو کہلائی۔

[۱] پھر نہر کے بند ہونے کا یہ واقعہ عجیب و غریب تاریخوں میں ہے۔ ۱۴۵ھ میں نفس زکیہ نے دعوائے خلافت کیا۔ خلیفہ منصور عباسی نے یہ نہر بند کرا دی تاکہ ملک فراعنہ سے ان کو کسی کی امداد نہ پہنچ سکے۔ اڑھائی سو برس بعد فاطمی خلیفہ حاکم بامراللہ ادھر متوجہ ہوا اور شہر طوسوم تک کا حصہ صاف کرایا۔

فرخ فرجام اور روانی شام مبارک انجام ہے۔ اس کے فیضان میں مہر و ماہ کی طرح کبھی زیادتی ہو جاتی ہے اور کبھی کمی۔ جب وقت چڑھتا ہے اور اس کی موجیں سر اٹھاتی ہیں اس وقت تمام نہریں اور چشمے لبالب بھر جاتے ہیں اور باشندوں کے لئے ایک جگہ سے دوسری جگہ تک بجز کشتیوں کے گزرنے کی کوئی سبیل نہیں رہتی۔ پھر جب اس کا جوش پورا ہو جاتا ہے تو پلٹا کھاتا ہے اور تیزی کے ساتھ اتر کر اپنی حد پر آجاتا ہے۔ اس وقت کاشتکار اس کے ساحلوں کے فراز اور دامنوں کے نشیب میں نکل پڑتے ہیں، دانے بوتے ہیں اور خرمن کے آرزومند ہوتے ہیں۔

جب دانے جمے اور کھیتیاں اگیں اور نیچے زمین کی نمی اور اوپر بارش کی تری سے پرورش پاکر ان میں نشو و نما اور بالیدگی ہوئی تو ہرے ہرے کھیت لہلہانے لگتے ہیں اور زمین کی دولت اس کے شکم سے اس کی پشت پر آجاتی ہے۔ امیرالمومنین! میں ایسی زمین کا کیا حال لکھوں جو ابھی گوہر سفید ہے ابھی عنبر سیاہ اور ابھی زمرد سبز، یہ قدرت الٰہی کے کرشمے ہیں جس نے اس میں یہ صلاحیت رکھ دی ہے اور باشندوں کی معیشت کے لئے اس کو ایسا بنا دیا ہے۔

یہاں کا خراج پیداوار سے قبل وصول نہیں ہو سکتا اور یہ بھی ضروری ہے کہ محاصل کا کم سے کم ایک ثلث یہاں کی نہروں اور پلوں کی تعمیر و ترمیم میں صرف کیا جائے کیونکہ اس سے آبادی بڑھے گی اور ملک کی آمدنی میں اضافہ ہوگا۔

بندوبست آراضی فراعنہ کے عہد میں مصر میں چہار سالہ بندوبست کا دستور تھا۔ تشخیص لگان کے لئے وہ چند سالوں کی پیداوار کا اوسط نکال لیتے تھے اور خراج نقد و جنس دونوں میں وصول کرتے تھے بلکہ ان محاصل کے علاوہ فوج کے اخراجات کے لئے کثیر تعداد میں غلہ بھی لیتے تھے۔ لیکن مصر ایک ایسا ملک ہے جس کی زراعت کا مدار نیل کے فیضان پر ہے اور اس میں اکثر تفاوت رہتا ہے جس سے پیداوار میں بڑا فرق پڑ جاتا ہے۔ اسی لئے وہاں ہر سال آب نیل کی کمی زیادتی کے مطابق خراج کی تعیین قرین انصاف تھی۔ اسی

بناء پر انہوں نے خلیفہ سے استصواب کر کے ان کے حکم کے مطابق حلوان مقیاس نیل بنوایا جو ابھی تک باقی ہے۔ اسی پیمانہ سے پیداوار کا اندازہ پوچھ کر اسی سے لگان کا تخمینہ لیتے۔ اسی حساب سے ہر جگہ کی تحصیل ہوتی۔ جہاں جہاں کلیسے اور حمام ہوتے ان کے اخراجات نیز مسلمانوں کی ضیافت کے صرفے منہا کر دیئے جاتے۔ کاشتکار ان ہی کی شرح لگان کی مقدار سے پیشہ وروں سے بھی خراج لیا جاتا۔ رُومیوں کے عہد میں دوسرے محاصل جو رعایا سے وصول کئے جاتے تھے یک قلم موقوف کر دیئے گئے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ہاجرہ کے قدیم رشتہ سے جو حضرت اسمٰعیل اور عدنانی عربوں کی ماں تھیں مصریوں کے ساتھ بھلائی کرنے کی وصیت فرمائی تھی۔ اس وجہ سے بندوبست اراضی میں خصوصیت کے ساتھ نرمی برتی گئی اور شرح لگان کم سے کم رکھی۔ یعنی زیادہ سے زیادہ فی جریب ایک دینار یا تین اردب غلّہ۔

مسلمانوں نے آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کے جدید رشتہ کا بھی لحاظ رکھا اور قریہ حفن کو جو توابع الفنا میں ہے اور جہاں کی رہنے والی حضرت ماریہ قبطیہ سریّہ رسول تھیں خراج سے بری کر دیا۔ اس سالانہ بندوبست کی وجہ سے ہر سال کی وصولی کی

جامع عمرو :۔ متعدد صحابہ و تابعین کے ہاتھوں بنیاد مسجد عمرو بن عاص کی رکھی گئی۔ تیس گز لمبی اور انیس گز چوڑی مسجد تھی۔ نہ محراب تھی نہ منارہ، معمولی چھت اور احاطہ کے سوا کچھ نہ تھا۔ حتیٰ کہ ایک منبر فاتح مصر نے اپنے لئے رکھوایا تھا۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی اس تہدید پر نکال دیا کہ جب مصلی بیٹھے ہوتے ہیں تو تم کو بلند منبر پر کھڑے ہونے سے کیا فائدہ ؟

یہ مسجد ۲۲ھ میں تعمیر ہوئی۔ اس کی توسیع ۵۳ھ میں مسلمہ والی مصر نے کرائی۔ دونوں طرف برج بنوائے ۷۹ھ میں عبدالعزیز ابن مروان نے تمام مسجد شہید کر کے از سرِ نو بنوائی۔ پھر امیر عبداللہ بن طاہر نے بہت وسعت دی۔ ۵۶۴ھ میں شاہ وزیر عاضد فاطمی نے فسطاط میں آگ لگوائی۔ مسجد کو بھی نقصان پہنچا۔ سلطان صلاح الدین نے اس مسجد کی مرمت کرادی۔ اس مسجد کے ۲۳۰ ستون ہیں۔

کوئی رقم متعین نہیں ہوسکتی تھی۔ کیونکہ عدم پیداوار کی وجہ سے کبھی کبھی بہت سے پرگنوں اور دیہاتوں کا خراج معاف کر دینا پڑتا تھا۔ اس لئے رومیوں کے مقابلہ میں مسلمانوں کی وصولی میں کمی ناگزیر تھی۔ چنانچہ سال اوّل میں تمام ملک مصر سے ایک کروڑ بیس لاکھ دینار وصول ہوئے۔ بحالیکہ سال ماسبق میں مقوقس نے دو کروڑ دینار وصول کئے تھے لیکن باوجود اس نرمی کے زمانہ مابعد میں کبھی اس قدر وصول نہیں ہوئے۔ صرف حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانے میں ایک سال عبداللہ بن سعد نے دو کروڑ دینار وصول کئے۔ امیر معاویہؓ کے زمانے میں بھی تحصیل ۹۰ لاکھ سے زیادہ نہیں بڑھی۔ ان کے بعد بنی امیہ اور بنی عباس تو چالیس بلکہ تیس لاکھ ہی وصول کرتے رہے۔ خلفاء بنی فاطمہ نے اپنے عہد میں شرح لگان بھی بہ نسبت سابق کے دُگنی کر دی تھی۔ مگر پھر بھی ۳۴ لاکھ سے زائد نہ وصول کر سکے۔

عہدِ خلافت حضرت عثمان غنیؓ

حضرت عثمانؓ سریر آرائے خلافت ہوئے تو اپنے رضاعی بھائی عبداللہ بن سعد کو افریقہ کا امیر حرب مقرر کیا۔ عمروؓ بن عاص بدستور والیٔ مصر رہے۔ پھر حضرت عثمانؓ نے تبدیلی چاہی یہ رضامند نہ ہوئے اس بنا پر معزول کر دیئے گئے اور ابن سعد والیٔ مصر کر دیئے گئے۔ ابن سعد نے چالیس ہزار فوج لے کر شمالی افریقہ کے علاقہ کو فتح کرنا شروع کیا۔ تیونس، الجزائر، مراکش طنجہ فتح کر لئے۔

۳۱ھ میں اہلِ نوبیہ نے عہد شکنی کی۔ ان سے معرکہ رہا۔ ان کے سردار اقلیدروس نے زچ ہو کر صُلح کر لی۔ ۳۳ھ میں ابن سعد قضیۂ حضرت عثمانؓ میں مدینہ گئے۔ عقبہ بن عامر کو جانشین کر گئے۔ پھر لوٹ کر آئے۔ مصریوں نے آنے نہ دیا۔ حضرت عثمانؓ کے شہید ہو جانے کے بعد حضرت علی کرم اللہ وجہہ خلیفہ ہوئے۔ اُنہوں نے حضرت سعد بن عبادہ رئیس انصار کے بیٹے قیس کو مصر کا والی مقرر کیا۔ پھر

ان کو معزول کر کے محمد بن ابوبکر صدیق کو والیٔ مصر مقرر کیا۔ وہاں اختلاف شروع ہو گیا۔ ادھر امیر معاویہؓ برسراقتدار ہو گئے۔ انہوں نے عمرو بن عاص کو بھیجا۔ یہ مصر کی خاطر حضرت علیؓ کو کھو بیٹھے۔

مصر بارہ سال بعد ۳۸ھ میں آئے۔ انہوں نے محمد بن ابوبکرؓ کو مقابلہ پر شکست دی اور ان کو مروا ڈالا۔ ۳۸ھ سے ۴۳ھ تک حکمرانی کی اور فسطاط میں فوت ہوئے۔ ان کے بعد ان کے بیٹے عبداللہ کو والیٔ مصر کیا۔ کچھ مصالح کی بنا پر امیر معاویہؓ نے اپنے بھائی عتبہ بن ابوسفیان کو والیٔ مصر بنایا۔ ۴۴ھ میں وہ فوت ہوئے تو مسلم بن مخلد مقرر ہوئے۔ ۶۰ھ میں امیر معاویہؓ فوت ہو گئے۔ یزید جانشین ہوا۔

۶۴ھ میں مکہ میں عبداللہ بن زبیرؓ خلیفہ منتخب ہوئے۔ انہوں نے عبدالرحمان بن عتبہؓ کو والی مقرر کیا۔ مروان بن الحکم کا دور آیا۔ اس نے اپنے بیٹے عبدالعزیز کو والیٔ مصر کیا۔ ۶۵ھ میں عبدالملکؒ بن مروان خلیفہ ہوا۔ عبدالعزیز نے مصر کا معقول انتظام کیا۔ بیس سال مصر کے والی رہے۔

والیانِ مصر دولتِ بنی امیہ

عبدالعزیز بن مروان متوفی ۸۶ھ۔ عہد مروان و عبدالملک بن مروان اموی۔
عبداللہ بن عبدالملک اموی (۸۶ھ) عہد عبدالملک و ولید

عبدالرحمٰن عمر	؍؍	ولید
مرہ بن شریک	۹۰ھ ؍؍	؍؍
عبدالملک بن رفاعہ	۹۶ھ ؍؍	ولید و سلیمان بن عبدالملک
و اسامہ بن یزید (محصل خراج)		
ایوب بن شمر	۹۹ھ ؍؍	حضرت عمر بن عبدالعزیز۔
بشر بن صفوان	(۱۰۱ھ) ؍؍	یزید بن عبدالملک
حنظلہ بن صفوان	(۱۰۳ھ) ؍؍	؍؍ ؍؍

محمد بن عبدالملک	(سنہ ۱۰۴ھ)	عہد	یزید بن عبدالملک
حر بن یوسف	(سنہ ۱۰۵ھ)	//	ہشام
حفص بن ولید	(سنہ ۱۰۷ھ)	//	//
ولید بن رفاعہ	(سنہ ۱۱۷ھ)	//	//
عبدالرحمٰن بن خالد فہمی	(سنہ ۱۱۸ھ)	//	//
عیسٰی بن عطاء	(سنہ ۱۲۵ھ)	//	ولید بن یزید
عتاہیہ تجیبی	(سنہ ۱۲۷ھ)	//	مروان الحمار
حوثرہ بن سہل	'	//	//
مغیرہ بن عبداللہ	(سنہ ۱۳۱ھ)	//	//
عبدالملک بن موسیٰ		//	//

یہ آخری والی بنی امیہ کی طرف سے تھا۔

والیانِ مصر عہد دولتِ عباسیہ

خلیفہ سفاح نے اپنے چچا صالح بن علی کو والئ مصر کیا۔ کچھ عرصہ بعد اُس نے اپنی جگہ ابوعون بن عبدالملک بن یزید جرجانی کو مقرر کیا۔
منصور نے سات والی سنہ ۱۳۶ھ کے بعد سے سنہ ۱۴۴ھ تک مقرر کئے۔ پھر اس نے یزید بن حاتم مہلبی کو بھیجا۔ یہ آٹھ سال امیر رہا اور سنہ ۱۵۲ھ میں فوت ہوا۔ پھر والی غیر مستقل ہوتے رہے۔ سنہ ۱۵۸ھ میں مہدی خلیفہ ہُوا تو اس کے عہد میں یہی صورت رہی جس سے ملکی نظام درہم برہم ہو گیا تو سنہ ۱۹۲ھ میں ابوصالح یحییٰ بن داؤد والئ مصر ہُوا۔ اس نے انتظام درست کیا۔ مگر اس کو بھی معزول کر دیا تو سوادہ تمیمی کا تقرر ہُوا۔ پھر ابراہیم بن صالح بن علی امیر ہُوا۔ اس کے زمانے میں وحیہ بن مصعب اموی نے اپنی خلافت کا اعلان کیا اور سارے سواحلی علاقہ پر قابض ہو گیا تو صالح

کو معزول کرکے موسیٰ بن مصعب کو مقرر کیا۔ یہ دحیہ کے مقابلہ کی تاب نہ لا سکا تو ۱۶۹ھ میں فضل بن صالح نے آکر دحیہ کو شکست دی اور اس کا سر کاٹ کر مہدی کے پاس بھیجا۔ ہادی خلیفہ ہُوا۔ فضل معزول کیا گیا۔ علی بن سلیمان کو امارت پر بھیجا۔ اس نے ملک کا انتظام کیا۔ پھر خوش حالی کا دور دورہ ہو گیا۔ ہارون الرشید کے عہد تک برقرار رہا۔ مگر اہلِ مصر نے اس کو مصر کا خلیفہ بنانا چاہا۔ ہارون کو خبر لگی اُس نے معزول کر دیا۔

۱۷۱ھ میں موسیٰ بن عیسیٰ علوی کو امارت کا فرمان دے کر بھیجا۔ پانچ سال بعد ہارون نے جعفر بن یحییٰ برمکی کو امارت مصر تفویض کی۔ جعفر نے اپنی طرف سے عمران بن مہران کو جو نہایت حقیر صورت تھا والیٔ مصر کیا۔ اس نے مصر کی حالت کو بہت درست کیا۔ اس کے بعد محمد بن زہیر پھر داؤد بن یزید۔

جب ان سے انتظام نہ چل سکا دوبارہ موسیٰ بن عیسیٰ کو بھیجا گیا مگر چند ماہ بعد ابراہیم بن صالح امیر کر دیا گیا۔ پھر ولایت عبداللہ بن مسیب کے سپرد کی گئی۔ اس نے محصول میں اس قدر اضافہ کیا کہ رعایا بگڑ بیٹھی تو خلیفہ نے ہرثمہ بن اعین کو فوج کے ساتھ روانہ کیا۔ اُس نے یہ بغاوت فرو کی۔ ہارون کے آخری زمانے میں خصیب بن عبدالحمید امیر خراج تھا۔

امین اور مامون کے زمانہ میں سری بن الحکم تھا جس نے اہلِ مصر سے مامون کی بیعت لی۔ جب پر مامون نے اس کو ہی امارت پر قائم رکھا۔ ۲۰۵ھ میں سری نے فسطاط میں وفات پائی۔ اس کا لڑکا محمد خود والی بن بیٹھا۔ عبداللہ بن طاہر معہ فوج کے مصر آیا اور محمد کو شکست دی۔ ۲۱۳ھ میں مامون نے مصر و شام کی ولایت پر اپنے بھائی معتصم کو مقرر کیا۔ معتصم نے عمیر بن ولید کو اپنا نائب بنا کر مصر بھیج دیا۔ اہلِ حوف نے مقابلہ کیا اور وہ اس میں کام آیا۔ عیسیٰ جلودی مقرر ہُوا وہ بھی شکست کھا گیا۔

معتصم خود چار ہزار لڑکوں کی فوج لے کر آیا۔ اہلِ حوف کی سرکوبی کر دی اور

عیسٰی بن منصور کو مقرر کیا۔ اس کے پاس ترکی فوج چھوڑ کر جس کا امیر افشین حیدر بن کاؤس تھا۔ خود شام کی طرف چلا گیا۔ مگر اہل حوف اس کے مقابل آٹے ملک کا سارا انتظام ابتر ہو گیا۔ اس وجہ سے ۲۱۷ھ میں مامون رومیوں کی جنگ سے واپس ہوتے ہوئے خود مصر آیا۔ عیسٰی بن منصور کو معزول کر کے کیدر صفدری کو معتصم کے نائب کی حیثیت سے والی مقرر کیا۔ مامون نے مقیاس روضہ کی مرمت کرائی اور ایک جامع کی تعمیر کرائی۔

والی		عہد	خلیفہ	
والی	ابو جعفر اشناس	عہد	خلیفہ	معتصم
"	علی بن یحییٰ ارمنی	"	"	واثق
"	عیسٰی بن منصور	"	"	"
"	حاتم بن ہرثمہ	"	"	متوکل۔ اہلِ نوبیہ کی بغاوت فرو کی اور
"	عنبہ ابن اسحاق	"		دمیاط، فرما، تانیس کے قلعے تعمیر کئے۔
"	یزید بن عبداللہ	"	"	منتصر اور مستعین
"	مزاحم بن خاقان	"	"	معتز
"	احمد بن مزاحم	"	"	"
"	امیر بایکباک	"	"	مہتدی۔ اس نے احمد بن طولون کو امیر الجیش مقرر کیا اور احمد بن مدبر کو امیر خراج مقرر کر کے بھیجا۔

ملوک اغلبیہ

افریقہ کی شمالی ریاستوں میں بربری قوم رہتی تھی جو ابتدائے زمانۂ اسلام میں مسلمان ہو گئی۔ ان کی طبیعتوں میں آزادی تھی اور خود مختارانہ زندگی گزار رہے تھے۔ عہدِ عباسیہ میں ان کا تعلق خلفاء سے ہو گیا اور یہاں عرب آ کر آباد ہوئے تو اُن

سے قرابتیں قائم ہوگئیں۔

عبدالرحمٰن بن حبیب نے عرب اور بربریوں کو اپنی طرف مائل کر لیا۔ یہ وہ زمانہ تھا کہ اموی حکومت رخصت ہو رہی تھی اور بنی عباس کی حکمرانی کا آغاز تھا۔ ۷۵۳ء میں یہ لوگ بھی بنی عباس کے مطیع ہو گئے۔ کچھ دنوں بعد خلیفہ منصور عباسی نے ۷۵۵ء میں عبدالرحمٰن سے بہت زیادہ محاصل طلب کئے تو اس نے اپنی خود مختاری کا اعلان کر دیا اور شہر قیروان کی مسجد میں اپنے نام کا خطبہ پڑھوایا۔

عبدالرحمٰن کے بھائی الیاس کو حکومت کی طمع دامن گیر ہوئی تو اس نے عرب اور بربریوں میں فساد پیدا کر دیا۔ سخت کشت وخون کے بعد آخر کار یہ جنگ عربوں کی فتح پر ۷۷۲ء میں ختم ہوئی۔

اس کے بعد اُن کے امیر اغلب نے کوشش کی اور تمام بربریوں کو منصور کی اطاعت و انقیاد کے لئے مجبور کیا۔ پھر مہدی اور ہارون الرشید کے زمانہ میں بربریوں نے بغاوت کی اور عباسی حکومت سے مقابلہ کرتے رہے۔ آخرش ۸۰۰ء ۱۸۴ھ میں رشید نے ابراہیم بن الاغلب کی ریاست ہائے مغربی میں حکومت مستقل طور پر مان لی۔

چنانچہ اغلبیہ خاندان ۸۰۰ء ۱۸۴ھ سے ۹۱۱ء ۲۹۶ھ تک وہاں کا خود مختار حاکم رہا۔ اس خاندان نے ازدواج و مناکحت کے ذریعہ سے عرب اور بربر دونوں کے خون کو باہم مخلوط و ممزوج کر دیا۔ اب ان کا اخلاق اور ان کا دین بھی متحد ہو گیا اور غیریت کی وجہ سے ان میں جو تباغض و تحاسد تھا وہ سب جاتا رہا۔

ابراہیم بن اغلب کے زیر حکومت وہ تمام ملک تھا جو سواحل بحر اوقیانوس سے لے کر حدود ریاستِ مصریہ غربیہ تک چلا گیا ہے اور اس وسیع مملکت کے خطبوں میں خلیفہ عباسی کے نام کے ساتھ اس کا بھی نام لیا جاتا تھا اور ان کا دارالخلافہ تونس تھا۔

امرائے حکومت اغلبیہ

ابراہیم بن اغلب	۱۸۴ - ۱۹۶ھ
ابوالعباس بن ابراہیم	۱۹۶ - ۲۰۱ھ
زیادۃ اللہ بن ابراہیم	۲۰۱ - ۲۲۳ھ
ابوعقال اغلب بن ابراہیم	۲۲۳ - ۲۲۶ھ
ابوالعباس محمد بن اغلب	۲۲۶ - ۲۴۲ھ
ابوابراہیم احمد بن ابی العباس	۲۴۲ - ۲۴۹ھ
زیادۃ اللہ بن ابی ابراہیم احمد	۲۴۹ - ۲۵۰ھ
ابوالغرانیق بن ابراہیم احمد	۲۵۰ - ۲۶۱ھ
ابراہیم بن احمد بن ابوالعباس	۲۶۱ - ۲۸۹
ابوالعباس عبداللہ بن ابراہیم	۲۸۹ - ۲۹۰
ابومضر زیادۃ اللہ بن ابی العباس	۲۹۰ - ۲۹۶

بنی اغلب کے غزواتِ بحری

بنی اغلب سواحل بحر متوسط پر غزوات کرتے رہے۔ جنگی جہازوں پر فوجیں بھیجتے رہے جو مملکت اٹلی، اور فرانس اور نیز جزائر کارسیکا، سارڈینیا اور سسلی پر تاخت کرتی تھیں۔

حاکم سسلی کے افسر اوفیمیوس نے زیادۃ اللہ بن ابراہیم کے پاس جاکر معاونت چاہی کہ سسلی کو فتح کر لو۔ اس نے قاضی اسد بن فرات جو اسدیہ کا مؤلف ہے اور جو قاضی القضاۃ کے عہدہ پر ممتاز تھا لشکر دے کر اوفیمیوس کی مدد کو بھیجا۔

قاضی اسد بن فرات جہازوں میں بندرگاہ سوس روانہ ہو کر ۸۲۷ء میں بندرگاہ مزارہ میں پہنچا اور حاکم سسلی سے مقابلہ ہوا۔ کچھ حصہ صقلیہ (سسلی) کا فتح کر لیا اور وہیں مقیم ہو گئے۔ پالرمہ، سراغوسہ اور قصریانی یہ فتح نہ کر سکے۔ قاضی ایک معرکہ میں زخمی ہوئے اور اسی میں انتقال ہو گیا تو امیر العسکر نے اپنے جہاز جلوا دیئے اور کہا یا تو سسلی کو فتح کر دو یا سمندر میں ڈوب مرو۔ چنانچہ سب مسلمانوں نے قسم کھائی کہ اب سسلی کو جیتے جی بغیر لئے نہ چھوڑیں گے۔

حاکم سسلی کی طاقت زیادہ تھی۔ یہ لوگ بھی مقابلہ کرتے رہے۔ محمد بن الاغلب تین سو کشتیاں لے کر سسلی میں مدد کو آموجود ہوا۔ پھر تو مسلمانوں نے جرغبتی اور مزارہ فتح کر لئے۔ پھر ۸۳۱ء میں پالرمہ پر بھی قبضہ کیا۔ اہل سسلی کو یقین ہو گیا کہ یہ عرب تمام جزیرے فتح کر لیں گے۔ ان جزائر کی امداد کے لئے قسطنطنیہ کے یونانی امیر اطور نے فوج بھیجی۔ مگر عربوں نے ۸۳۶ء میں قصریانی کے قریب شکست دی۔ اس کے بعد پرنوتو، طارومینہ، قطانہ، سراقط ۸۶۸ء تک اغلبیوں نے لے لئے اور باشندوں سے وہ سلوک اور رواداری برتی کہ وہ اپنی نصرانیت کو خیرباد کہہ گئے۔

باوجودیکہ مسلمانوں کے قبضہ میں کنیسہ و دیر آگئے تھے عیسائیوں کو عبادت کی عام اجازت تھی البتہ وہ راہب جو نوں کی زندگی کو اپنی ہوس رانی کا شکار بنائے ہوئے تھے ان کو کنیسوں میں رہنے کی اجازت نہ تھی۔ عیسائی مسلمانوں کی صحبت سے ان کے اخلاق و عادات کے گرویدہ ہو گئے اور خود جوق در جوق داخل اسلام ہو گئے۔

عربوں نے خراج اور دیگر محاصل کی تحصیل وصول کا عمدہ انتظام کیا اور اب سلاطین یونانی کے وزراء جو محاصل کہ اپنی ذات خاص کے لئے زیادہ لیا کرتے تھے ان کا بار بھی رعایا پر سے اٹھ گیا۔[1]

---

[1] تاریخ عرب موسیو سدیو صفحہ ۴۴۴۔

انتظامِ سلطنت

عربوں نے ان ملکوں کو دو صوبوں میں تقسیم کیا۔ ایک کا نام سراغوسی اور دوسرے کا نام پانرتبانی رکھا۔

مزارہ، نوتو، موسنہ تین شہروں میں تین والی مقرر کئے۔ ہر والی کے ماتحت ایک ایک حاکم تھا۔ اس حاکم کے ماتحت اور سپہ سالار تھے جو ان ولایتوں کے اطراف کی نگرانی کا کام کرتے تھے۔ غرض عربوں نے ان ملکوں کی جو ترتیب دی اور ان کو تقسیم کیا وہ بہت ہی اچھی طرح کیا۔

فلاحت وزراعت، صنعت وحرفت کو بڑی ترقی دی۔ شام سے کپاس کے درخت لے گئے۔ طرابلس الغرب سے نیشکر لائے۔ وہاں دونوں کی کاشت کرادی۔ درہ دار اور پستہ کے درخت لگائے۔ چاندی، لوہے، تانبے، گندھک اور رنگ کی کانیں نکالیں۔ انواع انواع کے سنگ رخام فرفری، صوان، لیشب کو عمارتوں میں استعمال کیا۔ چنانچہ پالرمہ میں عظیم الشان قلعہ تعمیر کیا جس سے ان کے فن عمارت کی اعلیٰ واقفیت پائی جاتی ہے۔[۱]

غرضیکہ عربوں نے سسلی کے علاقہ کو اونچے درجہ پر پہنچا دیا اور علمی درس گاہیں قائم کیں۔

اغلبیوں نے جزیرہ سسلی کو لے کر جزائر پونز اور ایشیا کی طرف توجہ کی۔ سواحل اقلیم فلیرہ کو قبضہ میں کیا۔ یہاں کے لوگ عیسائی مذہب رکھتے تھے۔ تمدنی اور معاشرتی حالت بہت خراب تھی۔ تھوڑے عرصہ میں ان کی حالت سدھر گئی۔ زیادہ باشندے بخوشی دلی دائرۂ اسلام میں آگئے۔ ان کی دیکھا دیکھی دریائے تبر کے گردونواح کے

---

[۱] تاریخ عرب موسیو سدیو صفحہ ۴۴۴۔

لوگ خود دعوت دینے لگے۔ ۸۳۲ھ میں شہر پالرمہ پر عرب اغالبہ قابض ہو گئے۔ اب ان کی توجہ اٹلی کی طرف تھی۔ یونانیوں سے اپولیاس اور امرائے لمبردنہ نے جو بلنوان کے مالک تھے جنگ کی تھی۔

موسیو سدیو کی روایت یہ ہے کہ "اس زمانے میں اٹلی میں بدنظمی اور اختلافِ باہمی کا زور تھا۔ اس وجہ سے عربوں نے ۸۴۲ھ میں شہر ترنتہ پر جا کر قبضہ کر لیا اور بلنوان کے وچی کو غارت کیا اور ایک بڑے گرجے کو جس کا نام دیر کوہ قیفق تھا اور جہاں بہت کچھ مال و متاع تھا جا کر خراب کیا[1]

مگر عربی مؤرخین کہتے ہیں کہ مذکورالذکر گرجے کو مورچہ بنایا تھا جو زد میں آکر تباہ و برباد ہوا۔

عرب یہاں سے فارغ ہو کر اسی طرح بادشاہ فرانس سے جو شارلمین کے بعد بادشاہ تھا اس سے دُو دُو ہاتھ کئے اور اس سے شہر مرندیس کو لے لیا۔ پھر ۸۳۹ھ میں شہر پادی کے مالک ہو گئے۔ اب عربوں کی فتوحات بحر اڈریاٹک کی بندرگاہ تک پھیل گئیں تو اُن کا ارادہ یہ ہوا کہ سواحل ڈلماسیا اور اٹلی کے سواحل مشرقی کو بھی اپنے قلمرو میں داخل کر کے باشندوں کے معیارِ زندگی کو اُونچا بنائیں۔ چنانچہ بلاد بیلو، نونلیسہ اور جزائر یونان پر بھی قابض ہونے کا ارادہ کر لیا۔ غائتہ اور املقی شہروں پر بھی حملہ کیا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ سالرنہ اور نیپلس خطرے میں پڑ گئے۔ پہلے سے عربوں نے گاریلیا نوندی کے دہانہ پر ایک قلعہ تعمیر کیا تھا۔ پھر اُنہوں نے چاہا کہ دریائے تبر کے ذریعہ سے سفر کریں اور ملک کے اندرونی حصے میں داخل ہو جائیں۔

روم کا پوپ عربوں کی فاتحانہ سرگرمی سے گھبرا گیا اور اس نے شہر استیہ کے لوگوں کو حکم دیا کہ اپنی حفاظت کا پورا بندوبست کریں۔ مگر اغلبی عرب نواحی شہر روم

---

[1] تاریخ عرب صفحہ ۲۴۵۔

پر فاتحانہ قدم بڑھا رہے تھے۔ سینٹ پطرس اور سینٹ پولوس کے گرجوں کو اپنی توجہ کا مرکز بنا دیا۔ اس کی آڑ لے کر نصرانی عربوں سے مقابلہ کر رہے تھے۔ مجبوری درجہ وہ کیا جو نہ کرنا تھا۔ مالِ غنیمت ہاتھ لگا جو غرباء پر تقسیم کر دیا گیا۔ ۸۴۶ء میں عرب بڑے غنائم کے ساتھ واپس ہوئے۔ پھر سویطا اور ریکیٹیا کے مستحکم مقامات کو گرا کر آئندہ کے لئے راہیں فتح کرنے کی کھول دیں۔

۸۴۷ء میں عربوں کی تگ و تاز اٹلی کے صوبوں پر تھی۔ لوئی ثانی بادشاہ اٹلی عظیم الشان لشکر لے کر عربوں سے مقابل ہوا۔ ۸۶۸ء تک جنگ کا سلسلہ رہا۔ نواحی شہر لوسیرہ سے عرب ہٹ گئے۔ ۸۷۱ء میں مدینہ باری بھی قبضہ سے نکال لیا۔ عرب صرف اٹلی کے ملک میں بجز شہر ترنتہ کے اور کوئی مقام نہ رکھ سکے۔ وجہ یہ ہوئی کہ خانہ جنگی اغلبیوں میں شروع ہوگئی۔ عربوں نے نیپلس، املفی اور سالرنہ کے لوگوں سے صلح کر لی اور اُن کے ساتھ مراعات برتیں۔ یہاں سے فارغ ہو کر روم کے کنیسہ کری کی جانب متوجہ ہوئے۔ پوپ حنا مقابلہ پر ڈٹ نہ سکا۔ دبتا چلا گیا حتیٰ کہ شہر رومہ اور ادینہ ان کے قدموں میں تھے مگر ان کی عظمت کا خیال کر کے عرب اپنے مراحم خسروانہ سے جزیہ پر صلح کر بیٹھے جس کی مقدار پچیس ہزار رطل[1] چاندی تھی۔

پوپ نے ۸۸۰ء میں بادشاہ فرانس و جرمنی کے پاس جا کر فریاد کی اور مدد مانگی مگر عربوں نے خود جزیہ کی شرط کے بعد اٹلی کے ملک پر تاخت و تاراج کرنے سے ہاتھ کھینچ لیا۔[2]

موسیو سدیو کا بیان ہے:-

"اغلبیوں نے بحر متوسط کے کنارے جو اپنے مسکن اور اقامت گاہیں بنالی تھیں وہ بہت اہمیت رکھتی تھیں۔ مقاصد حکمرانی و سیاست

---

[1] رطل آٹھ اوقیہ کا ہوتا ہے۔

کے لحاظ سے بھی مفید تھیں اور ضرورتِ تجارتی کے لئے بھی بہت نافع تھیں۔ کیونکہ ان قلعوں کے پاس تجارتی مکاتب ہوتے تھے۔ عرب اور لمبارڈ دونوں ان سے فائدہ اٹھاتے تھے۔ املفی کے باشندوں نے عربوں سے کچھ شرطیں ٹھہرالی تھیں جن کے بموجب انہوں نے شہر پالرمو کے اطراف میں ایک جگہ اپنے استعمال کے لئے لے لی تھی۔" [1]

جزیرہ سسلی کے علاوہ عربوں نے جزیرہ مالٹا، غزو، کامنیوا اور پنٹلاریہ کو بھی لے لیا۔ پالرمو کے بعد جزیرہ سارڈینا بھی ان کے ہاتھ آگیا۔

مرکینیٹ بھی لے لیا۔ اس سے عربوں کے لئے کوہستان الپہ کو جانا آسان ہوگیا تھا۔ اس کے سوا جزائر کارسیکا اور بلیارہ بھی عربوں کے قبضہ میں آگئے تھے۔

جو فتوحات بحر متوسط پر اغلبیوں کو حاصل ہوئی تھیں وہ افریقہ اور ہسپانیہ کے عربوں کی فتوحات سے کہیں بڑھ کر تھیں [2]

اغلبی لوگ معاملہ کے اچھے تھے۔ مخلوق خدا سے بہ نرمی و رفق پیش آتے تھے۔ اس سے ان کی حکمرانی کا زمانہ بہت ہی اچھا رہا۔

۲۸۰ھ سے ۲۹۰ھ تک ابو اسحاق بادشاہ ہوا۔ اس نے ایسے ایسے ظلم و ستم کئے کہ لوگ اس خاندان سے برگشتہ ہو گئے۔ یہ دیکھ کر علویوں نے اپنے داعی بھیج کر وہاں کے لوگوں کو برانگیختہ کیا۔ ابوالنصر زیادۃ اللہ اغلبی کے عہد میں عبیداللہ فاطمی نے ان کی حکومت کا خاتمہ کر دیا۔

---

[1] تاریخ عرب صفحہ ۲۴۷ [2] ایضاً ص ۲۴۸۔

ترقی علوم وفنون اور صنعت وحرفت میں بنی اغلب کا حصّہ

اغلبیوں کے قبضہ میں جس قدر افریقہ وغیرہ کا ملک تھا وہاں اسلامی تہذیب و تمدن کو پھیلایا۔ چنانچہ موسیو سدیو کا بیان ہے :-

"اغلبیوں نے اقالیم افریقہ کو مہذب بنایا۔ جو اسلامی تمدن شام اور عراق میں جاری تھا وہی انہوں نے وہاں بھی جاری کیا۔ "قصر قدیم" اور "اصادہ" دو شہر نئے آباد کئے۔ وہ کبھی تونس کبھی قیروان اور کبھی طرابلس میں رہتے جس سے یہ سب شہر ایسی عمارتوں سے معمور ہو گئے جن میں حادہ قوسین بنائی جاتیں اور بڑے بڑے آراستہ و پیراستہ ستون قائم کئے جاتے تھے جو عمارات رومانی کے طرز پر ہوتے تھے۔ ایسی ندیوں پر جہاں بارش کی وجہ سے دفعتًہ تیز رو سیلاب جاری ہو جاتے تھے، انہوں نے پل بنوائے۔

غرض ان لوگوں کے سبب سے تمام ملک میں تہذیب پھیلی۔ انہوں نے علوم وفنون، صنعت وحرفت اور تجارت وفلاحت کی ترقی میں بڑی کوشش کی۔ جگہ جگہ تجارت کی منڈیاں قائم کیں جس سے صحرائی قوموں اور سواحل کے باشندوں کے مابین آمد و رفت کی سہولتیں ہو گئیں۔ نئی نئی سڑکیں نکالیں، ان میں امن و امان کا بڑا بندوبست کیا۔ ڈاک کے راستوں اور مقاموں کی نگرانی شہروں کے عمائد اور اعیان کو سپرد کی نیز ان مقامات میں خاص نگران مقرر کئے۔ ان میں پیدل ہرکارے اور سوار قاصد ڈاک لے جایا کرتے تھے اور یہ ڈاک حدود مغرب کی ابتداء سے مملکت مصر کے حدود تک برابر آجاتی تھی۔ علاوہ بریں اغلبیوں نے بڑی کشتیوں کا

بیڑہ بھی تیار کیا جس کے ذریعہ سے بحر متوسط پر حکومت کرتے تھے[1]۔"

فاتح صقلیہ قاضی اسد ابنِ فرات

قاضی ابو عبداللہ اسد بن فرات بن سنان کا وطن نیشاپور تھا۔ فرات حران (دیار بکر) آرہے تھے ۱۴۲ھ میں اسد پیدا ہوئے۔ فرات کا آبائی پیشہ سپہ گری تھا۔ محمد بن اشعث کی فوج کے ہمراہ فرات افریقہ آگئے اور قیروان میں قیام کیا۔ یہاں سے تیونس چلے گئے۔ اسد نے تیونس میں دینی علوم کی تکمیل کی۔ ان دنوں تیونس میں علی بن زیاد کی مسندِ درس بچھی ہوئی تھی۔ یہ بھی درس میں شامل ہوئے۔ علم حدیث و فقہ کی تحصیل کی ۱۷۲ھ میں مدینہ آکر امام مالک کے درس میں شریک ہوئے۔ مؤطا سبقاً سبقاً پڑھی۔

پھر مدینہ سے عراق آئے۔ یہاں امام اعظمؒ کے ارشد تلامذہ کی مجلسِ درس قائم تھی۔ امام ابو یوسف و امام محمد بن حسن اور اسد بن عمرو کے حلقۂ درس میں شریک ہوئے۔ تحصیل علوم سے فارغ ہو کر وطن کے لئے رخصت ہو کر بغداد آئے۔ ولی عہد امین الرشید نے امام محمدؒ کی سفارش سے زادِ راہ عطا کیا۔ یہاں سے مصر روانہ ہو گئے۔ مصر میں عبداللہ بن وہب اشہب اور عبدالرحمٰن بن قاسم کی بساطِ علمی بچھی ہوئی تھی۔ یہ امام مالک کے ارشد تلامذہ میں سے تھے۔ ان کے درس میں اسد شریک ہوئے مگر ان سے نبھی نہیں۔ یہیں مصر میں فقہ مالکی کی پہلی کتاب "الاسدیہ" کے نام سے مرتب کی۔

۱۸۱ھ میں مصر سے قیروان آگئے۔ یہیں قاضی القضاۃ کے عہدے پر سرفراز ہوئے۔ اعیان افریقہ سب آپ کا احترام کرتے تھے۔ ۲۱۲ھ میں

---

[1] تاریخ موسیو سدیو فرانسیسی صفحہ ۲۴۱۔

قاضی اسد کی رائے کے مطابق صقلیہ کو دارالاسلام بنانے کا فیصلہ کیا گیا[1]۔ اغلبی فرماں روا زیادۃ اللہ نے قاضی صاحب کو امیر صقلیہ بنانا چاہا تو آپ نے کہا۔

"مجھے منصب قضاۃ سے علیحدہ کر کے امارت عسکر سپرد کی جاتی ہے؟"

زیادۃ اللہ نے کہا۔ آپ بحیثیت قاضی کے امیر بھی رہیں گے اور عہدۂ امارت فوج و منصب قضاء کی سند لکھ کر قاضی صاحب کے حوالے کی۔

آپ دس ہزار فوج کو لے کر سوسہ پہنچے اور سوسہ سے جہازوں پر سوار ہوتے اور صقلیہ کو دارالاسلام بنانے کے لئے روانہ ہوئے۔ یہ بیڑا تقریباً سَو جنگی جہازوں پر مشتمل تھا۔ یہ جنگی بیڑا ۸۲۷ء کو ساحلی شہر مازر پر لنگر انداز ہوا۔ لشکر مجاہدانہ سرگرمی سے اُترا کہ اہلِ مازر گھبرا گئے اور شہر چھوڑ گئے۔ قاضی صاحب نے قبضہ کیا اور قلعہ پر پرچم اسلام لہرایا۔ ابوذر کنانی کو "مازر" کا حاکم مقرر کیا۔ ادھر بازنطی حکومت نے مرج پہ ایک لاکھ فوج جمع کر لی تھی جس میں قسطنطنیہ وینس اور صقلیہ کے لوگ تھے۔

قاضی اسد کے پاس صرف دس ہزار مجاہد نفوس تھے۔ ان کو لے کر مرج پہنچے اور اسلامی لشکر کی صف بندی کی اور لوائے جنگ خود اپنے ہاتھ میں لیا۔ سخت مقابلہ ہُوا۔ قاضی صاحب نے بڑی داد شجاعت دی زخمی ہوئے مگر لوائے اسلام کو نہ چھوڑا۔ آخر شش رومی فوج شکست کھا گئی۔ صقلیہ کا پہلا میدان قاضی صاحب کے ہاتھ رہا۔

شاہ دولت اغالبہ زیادہ اللہ نے قاضی صاحب کی فتح وظفر کا مژدہ خلیفہ وقت مامون الرشید کو بھیجا۔ مرج لینے کے بعد قاضی صاحب کیلہ کی جانب بڑھے وہ بھی بلا دقت قبضہ میں آگیا تو اور آگے بڑھ کر "کنسہ مسلقین" میں مقیم ہو گئے۔

قاضی صاحب کی شجاعانہ سرگرمی نے صقلیہ کے علاقہ میں ہیبت پیدا کر دی۔

---

[1] ابن اثیر جلد ۶ صفحہ ۲۳۶۔

ادھر ہر جگہ کامرانی اور فتوحات قدموں تلے تھی۔ قاضی صاحب نے فوجوں کو اس قدر دولت سے مالامال کیا کہ اُن کے قدم آگے بڑھنے لگے۔ پھر قلعہ کراشا کوتا کا وہاں کے لوگوں کو خبر لگی وہ گھبرا گئے اور انھوں نے امان طلب کی۔ جزیہ پر فیصلہ ہوا۔ کرات کا سرقوسہ کا حفاظتی قلعہ تھا۔ چنانچہ لشکر اسلامی نے سرقوسہ کے قرب وجوار پر بھی قبضہ کیا اور قلعہ کا گھیرا ڈال دیا۔ محاصرہ میں قاضی اسد زخمی ہوئے اور ربیع الاول ۲۱۳ھ میں انتقال کیا اور فاتح صقلیہ اسی سرزمین میں تہ خاک ہُوا۔ ان کی قبر پر مسجد تعمیر کرا دی گئی اور ایک یادگار قیروان میں مسجد کی صورت میں زیادۃ اللہ نے تعمیر کرادی۔ اس پر "اسد بن فرات" کندہ ہے [1]

مراکش میں حکومت مکناسیہ صافیہ

یہ حکومت مراکش میں ۳۱۱ھ سے ۳۶۳ھ تک ترپن سال قائم رہی۔ اس حکومت میں چار بادشاہ ہوئے۔

موسیٰ بن علی العافیہ مکناسی جس نے ۳۱۱ھ سے ۳۴۱ھ تک تیس سال حکمرانی کی۔

ابراہیم بن موسیٰ ۳۴۱ھ سے ۳۵۰ھ تک نو برس حکمراں رہا۔

عبداللہ بن ابراہیم ۳۵۰ھ سے ۳۶۰ھ تک۔

محمد بن عبداللہ ۳۶۰ھ سے ۳۶۳ھ تک حکمران رہا۔

دولتِ طولونیہ

۲۵۷ھ سے ۲۹۲ھ تک

دولتِ طولونیہ کا بانی احمد بن طولون تھا۔ طولون ایک ترکی غلام تھا۔ ۲۰۰ھ میں بخارا کے عامل نوح بن اسد سامانی نے اسے مامون الرشید کی خدمت میں ہدیۃً بھیجا تھا۔ طولون نے مامون کی خدمت گزاری میں کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھا۔ مامون نے بھی مساواتِ اسلامی کا وہ نمونہ دکھایا کہ غلام کو امراء کے پہلو میں جگہ دی۔ طولون کے یہاں سامرا میں ایک لڑکا پیدا ہوا جس کا نام احمد رکھا گیا۔ طولون نے اس کی تعلیم و تربیت اعلیٰ پیمانے پر کرائی۔ احمد بن طولون شاہی خاندان کے شہزادوں میں رہا۔ وہی خوبو اس میں پیدا ہو گئی۔ علم سے اس کو دلچسپی تھی۔ علم حدیث سے اس کو بڑا شغف تھا۔[1] طرطوس کے محدثین سے سماعِ حدیث کے لئے کئی مرتبہ وہاں کا سفر کیا۔ احمد فطرۃً صالح وسعید تھا۔ صلحاء و اخیار کی صحبت نے اس میں فضل و کمال پیدا کر دیا۔ دربارِ خلافت میں اس کو رسوخ تھا۔[2]

عباسی وزیر عبید اللہ بن یحییٰ نے طرطوس کا عامل کر دیا۔ کچھ عرصہ بعد احمد بن طولون اپنی ماں سے ملنے سر من راء آ رہا تھا۔ قافلہ میں ایک ______ شاہی خادم مستعین باللہ بھی تھا۔ اس کے پاس خلیفہ کی چند فرمائشیں تھیں۔ راہ میں ڈاکوؤں نے قافلہ کو لوٹا۔ احمد نے ان کو تلوار کے گھاٹ اتار کر ان سے مال چھین لیا اور خادم مستعین کو دے دیا۔ اس نے سامرا آ کر تمام واقعہ خلیفہ کے گوش گزار کیا۔ خلیفہ

---

[1] دائرۃ المعارف جلد ۱، ص ۱۰۴ [2] خطط مقریزی جلد ۲ صفحہ ۱۰۴۔

نے احمد کو شرف باریابی بخشا۔ اب احمد پر مستعین کی نوازشات اور اکرام دن بدن بڑھنے لگیں۔ مستعین کو معزول کر کے واسط روانہ کیا گیا۔ ابن طولون رفاقت میں تھا[1]۔ کچھ عرصہ ابن طولون امیر بائنلباک کی فوج میں بھی رہا۔ امیر مذکور ۲۵۴ھ میں بحکم معتز مصر کا والی مقرر ہوا تو اس نے ابن طولون کو اپنا نائب بنا کر بھیج دیا۔ فوج بھی اس کے ساتھ کر دی۔ رمضان ۲۵۴ھ کو احمد بن طولون مصر میں داخل ہوا[2]۔ اس وقت حاکم خراج ابن مدبر کا مصر میں اقتدار تھا۔ ابن طولون نے تھوڑے ہی عرصہ میں اپنے اثرات قائم کر لئے۔

ابن خلکان کا بیان ہے کہ احمد میں عدل، بدوی فیاضی، شجاعت و بہادری، حسن سیرت، فراست تمام اوصاف جمع تھے وہ اپنے فرائض کو خود تندہی سے انجام دیتا۔ رعایا کی خبر گیری اہلِ علم سے ہر معاملہ میں مشورہ کرتا اور اس کا دستر خوان عوام و خواص ہر شخص کے لئے وسیع تھا۔ اس کے علاوہ ایک ہزار دینار یومیہ خیرات کرتا تھا[3]۔

اہل ملک اس کے گرویدہ ہو گئے۔ معتمد تک اس کے اوصاف کی خبر پہنچی تو اس نے اسکندریہ کی حکومت بھی اس سے ہی متعلق کر دی۔

معتمد نے خراج کا شعبہ بھی احمد سے ہی منسلک کر دیا اور عیسٰی بن شیخ والیٔ شام کی بغاوت فرو ہونے کے بعد شام کی ولایت بھی اُس کے سپرد کر دی گئی۔ اس سے ابن طولون کی اہمیت بہت بڑھ گئی اور اس کا آفتاب اقبال نصف النہار تک پہنچ گیا۔ ابن مدبر نے ابن طولون کے خلاف خفیہ سازش کی مگر ناکام رہا۔

ابن طولون کا عروج

ابن طولون نے اپنی حکومت کے ہر شعبہ کو سنبھالا اور اس کو بے حد ترقی دی۔ اس کے پاس کثرت سے

---

[1] مقریزی جلد ۲ صفحہ ۱۰۴ [2] تاریخ الیعقوبی تالیف ابن واضح اخباری جلد ۱ صفحہ ۲۲۵

[3] ابن خلکان جلد ۱ صفحہ ۵۵ و اعلام النبلاء بتاریخ حلب جلد ۱ صفحہ ۲۱۸۔

غلام ہو گئے۔ آلات و اسلحہ کے ذخائر جمع کر لئے۔ سپاہ کی تعداد اس قدر بڑھ گئی کہ دار الامارۃ کی وسعت ان کے لئے ناکافی ثابت ہوئی۔

نیا شہر قطائع
ابن طولون نے وقت کے تقاضے سے ایک خوب صورت شہر آباد کیا جس کا ایک سرا فسطاط سے ملتا تھا۔ اس میں ہر قوم و مذہب کے لوگ آباد کئے۔ ہر طبقہ کے محلے الگ تھے۔ پیشہ وروں کے بازار جدا جدا شہر میں وسیع سڑکیں اور ستھری گلیاں، جا بجا خوب صورت مساجد اور حمام اور رفاہ عام کے کام کئے۔

جامع مسجد
بڑے شان و شوکت کی عظیم ترین جامع مسجد تعمیر کرائی۔ یہ جبل مقطم پر تنور فرعون کے قریب یشکر نامی ٹیکری پر بنی۔ مسجد کی تعمیر کے وقت یہاں خزانہ نکلا۔ دو سال کی کوشش میں ۲۶۳ھ میں یہ جامع تیار ہوئی۔ گو یہ مسجد نہایت سادہ وضع کی ہے۔ ایک مربع صحن اور اس کے دونوں جانب دو دالان محرابوں پر، یہ محرابیں بالکل نوکدار ہیں اور ان کے نیچے کا حصہ زیادہ تر نعل کی صورت ہے۔ یہ محرابیں بعوض معمولی ستونوں پر قائم ہونے کے پایہ ستونوں پر قائم ہیں جن کے چاروں کونوں پر ایک ایک ستون ہے۔ ان ستونوں کا اوپر والا حصہ شرقی وضع کا ہے۔ محرابوں کے اوپر کی چھت مسجد عمر کی چھت کی طرح بنی ہوئی ہے۔ کوفی کتبے چھت کے نیچے ہیں۔ مسجد کی باہر کی دیوار کنگرہ دار ہے۔ آرائشیں اور نقش و نگار مسجد کا گچ ہے۔ اس کے میناروں میں سے اب ایک باقی ہے[1] صحن مسجد کے بیچ میں ایک خوبصورت فوارہ ہے۔

محل
ابن طولون نے اپنے لئے شاندار محل تعمیر کرایا۔ وسعت اور خوب صورتی کے اعتبار سے اپنا جواب آپ تھا۔ شہر سے متعلق ایک نزہت گاہ تھی[2] ان تعمیری ترقیوں کے ساتھ اس نے حکومت کے ہر شعبہ کو ترقی دیکر

---

[1] تمدن عرب صفحہ ۲۱۹ [2] مقریزی جلد ۲ صفحہ ۱۰۲۔

دولت طولونیہ کو اس عہد کی مہذب ترین حکومتوں کے پہلو بہ پہلو کر دیا۔

بیمارستان فسطاط میں ابن طولون نے بڑے پیمانہ پر بیمارستان قائم کیا۔ مصر کا یہ پہلا شفا خانہ تھا۔ بیمارستان سے متعلق اطباء کے مکانات تھے اور دوکانیں تعمیر کرائی تھیں تاکہ اُن کے کرایہ سے بیمارستان کا صرف چلتا رہے۔ بیمارستان سے متعلق نخاس کی ساری آمدنی کردی اور اس کو وقف کر دیا۔ ابن طولون اطباء اور ان کے معالجات کو ملاحظہ کرنے خود آتا مریضوں کی عیادت کرتا۔

رفاہِ عام روضہ کا مقیاس خراب ہو گیا تھا دس ہزار دینار لگا کر اس کو اچھی طرح مضبوط کرا دیا۔

متعدد پُل بنوائے۔ اسکندریہ کی نہر صاف کرائی اور اس میں جا بجا حوض اور سقاوے بنوائے اور منارہ کو از سرِ نو تعمیر کرایا۔

مدارس ابن طولون نے تعلیم پر خاص توجہ کی۔ جگہ جگہ مکاتب و مدارس کھلوائے جہاں پسماندہ اقوام کو بھی تعلیم سے بہرہ ور کیا۔

درسِ حدیث جامع مسجد میں علامہ محمد بن ربیع مقرر کئے گئے جنہوں نے درس حدیث کا آغاز کیا۔ ان کے درس میں خود ابن طولون اور اس کا بیٹا مثل طالب علم کے حاضر ہوتے تھے۔

فوجی نظام ابن طولون نے بے پناہ فوج سوڈانیوں اور رومیوں کی تیار کی۔ ان کے رہنے کے لئے مدینۃ الغطائع آباد کیا۔

ابن طولون نے اپنے محل میں ایک ایسی جگہ بنوائی تھی جہاں سے وہ اپنی فوج کا مظاہرہ بخوبی دیکھ سکتا تھا۔ جب ابن طولون باب اوسط سے باہر نکلتا اور اس کی فوج دوسرے دونوں دروازوں سے نکلتی تو اس کے نظام اور ڈسپلن کو دیکھ کر حیرت ہوتی تھی[1]

---

[1] مسلمانوں کا نظمِ مملکت صفحہ ۲۳۹۔

بحری نظام احمد بن طولون نے جہاں فوج کا نظام درست کیا۔ اُس کے ساتھ نیل میں چلنے والے جہازوں کی طرف توجہ مبذول کی۔ اس نے جنگی جہازوں کی صنعت کو زیادہ ترقی دی۔ جزیرۂ روضہ کے قریب چند کارخانے قائم کئے جو صناعۃ الجزیرہ کے نام سے معروف تھے۔ محمد بن طغج اخشید کے وقت تک باقی تھے۔[1]

ملکی اصلاحات احمد عزم وہمت اور پختہ کاری میں امتیازی حیثیت رکھتا تھا۔ اس نے آمدنی کی ایک بہت بڑی مقدار ملکی اصلاحات پر صرف کی۔ زراعت کی طرف توجہ کی، نہریں جاری کیں اور زراعت کی ترقی و اصلاح کی دوسری تدبیریں اختیار کیں۔ اس نے صنعت وحرفت کا احیاء کیا۔ ان صنعتوں کا ثمرہ یہ نکلا کہ ریاست کی آمدنی ..... ۴۳ لاکھ دینار تک پہنچ گئی۔ ابن طولون کے زمانے میں غلہ بہت سستا ہو گیا۔ گیہوں اس کے دور میں فی دینار دس اردب تک فروخت ہوئے۔[2]

ابن طولون نے ہمہ گیر اصلاح وترقی سے ایسا ماحول پیدا کر دیا کہ اُسے خراج کی وصولی میں کبھی سختی کرنے کی نوبت نہ آئی۔

وزارت احمد بن طولون نے احمد بن محمد واسطی کو اپنا کاتب مقرر کیا اور حکومت کے نظم وضبط میں اس سے مشورہ لیا کرتا۔ یہ کاتب ایک وزیرِ اعظم کے فرائض انجام دیا کرتا تھا۔[3]

احمد بن محمد کاتب جب سامرا گیا تو جعفر بن عبدالغفار مصری کو کتابت کے عہدے پر سرفراز کیا۔ ابن طولون کا ایک پرائیویٹ سیکرٹری اور ایک فارن سیکرٹری تھا۔

---

[1] مسلمانوں کا نظم مملکت صفحہ ۲۹۲ - ۲۹۷ [2] ایضاً صفحہ ۱۶۸

[3] مسلمانوں کا نظم مملکت صفحہ ۱۶۸۔

موفق اور ابن طولون خلیفہ معتمد کے بھائی موفق جس نے حکومت بنی عباس کو سنبھال رکھا تھا۔ ابن طولون سے اس کی ناچاقی ہوگئی۔ موفق کو ابن طولون کا بڑھتا ہوا اقتدار ناپسند ہوا۔ موفق نے ابن طولون کو معزولی کی دھمکی دی۔ ابن طولون نے بھی جواب سخت دیا۔ اس نے موسےٰ بن بقا کی سرکردگی میں فوج روانہ کی۔ ابن طولون نے مقابلہ کی تیاری کر دی۔ ایک قلعہ بنانا شروع کیا جس میں وہ خود معہ اراکانِ سلطنت کے مثل مزدور کے کام کرتا۔ فوج ابن بقا مقام رقہ تک پہنچی تھی۔ کمی رسد کی وجہ سے رک گئی۔ دس ماہ اس کو ٹھہرنا پڑا۔ آخر شکستہ واپس بغداد ہوئی۔ یہ خبر مصر پہنچی، قلعہ کی تعمیر بند کر دی اور خدا کی جناب میں شکریہ ادا کیا کہ اس نے جنگ سے نجات دی اور غرباء میں صدقہ وخیرات تقسیم کی۔

ولایتِ شام شام کے ساحل پر رومی حملہ کرتے رہتے تھے۔ خلیفہ میں مدافعت کی قوت نہ تھی۔ اس نے ۲۶۳ھ میں ابن طولون کو طرطوس کی ولایت کا فرمان بھیجا اور رومیوں کی سرکوبی کا حکم دیا۔ اس نے جا کر سرحد کو مضبوط کیا اور سارے شام پر قبضہ کر لیا۔ اب اس کی سلطنت برقہ سے ساحل فرات تک پہنچ گئی اور خلیفہ معتمد کا دائرۂ حکومت صرف عراق، جزیرہ اور اہواز تک رہ گیا۔ موفق حبشیوں کی جنگ میں لگا ہوا تھا۔ ابن طولون نے اپنی قوت کو اور بڑھالیا۔ اس کے ساتھ ہی خلیفہ کی خدمت میں بہت کچھ تحفے دے کر استدعا کی کہ آپ مصر تشریف لے آئیں۔ چنانچہ خلیفہ سامرا سے روانہ ہو کر پہلی منزل تک پہنچے تھے کہ موفق کو خبر لگ گئی۔ اس نے اراکینِ سلطنت کو بھیج کر خلافت مآب کو روک کر دارالخلافت واپس بلالیا۔ موفق کو ابن طولون کی یہ بات بہت ناگوار گزری۔ اس نے خلیفہ سے ائمہ مساجد کے نام حکم بھجوایا کہ اس پر لعنت بھیجی جائے۔

ابن طولون شام کے انتظام کے لئے گیا ہوا تھا کہ اس کا بیٹا عباس خزانہ

سے بیس لاکھ دینار نکال کر باغی ہو گیا اور برقہ جاکر فوجیں جمع کرنے لگا۔ اس کو سمجھایا گیا۔ جب وہ اپنی حرکت سے کنارہ کش نہ ہوا تو اس کی گوشمالی کے لئے فوج بھیج دی۔ عباس بھاگ کر افریقہ چلا گیا۔ وہاں عمال سے لڑائیاں کیں۔ آخر ہزیمتیں اٹھا کر برقہ آگیا اور گرفتار ہو گیا۔ اب طولون نے سو کوڑے اس کے لگوائے اور قید کر دیا۔[1]

قاضی بکار بن قتیبہ طولونیوں کے زمانے میں قاضی بکار کی شخصیت بہت ممتاز ہے۔ فقہ اسلامی میں غیر معمولی تبحر تھا۔ موفق اور ابن طولون میں رنجش بڑھی ہوئی تھی تو ابن طولون نے قاضی صاحب سے کہا کہ موفق پر لعنت کی جائے۔ آپ نے انکار کر دیا۔ بار بار اصرار پر بھی وہ رضامند نہ ہوئے۔ ابن طولون سخت غضب ناک ہوا تو اس نے کہا کہ میں سالانہ ہزار دینار ہدیہ بھیجتا تھا وہ عطایا کہاں ہیں؟ قاضی صاحب نے سولہ تھیلیاں جوں کی توں مُہر شدہ ابن طولون کے پاس بھیج دیں۔ ابن طولون نے رکھ لیں۔ قاضی بکار فیصلہ کرنے میں کسی کی رعایت نہیں کیا کرتے تھے[2]

وفات ۲۰ ذیقعدہ شب یک شنبہ ۲۷۰ھ میں احمد ابن طولون نے انتقال کیا۔ قلعہ کے باب مجاورت میں دفن کیا گیا۔[3]

ابوالجیش خمارویہ

خمارویہ باپ کی جگہ سریر آرائے حکومت ہوا۔ سب نے بیعت کی۔ مگر والئ دمشق نے انکار کیا۔ مصری فوجیں اس کے سر پر پہنچ گئیں۔ وہ تاب مقابلہ نہ لا کر شیراز چلتا ہوا۔ سب سے پہلے خمارویہ نے اسکندریہ کے بطریق کو قید خانہ سے رہا کیا جس کو ابن طولون نے محبوس کر دیا تھا۔ مصری عیسائی خمارویہ سے بیحد خوش ہو گئے۔

---

[1] اعلام النبلاء و تاریخ حلب الشہبا جزاول صد ۲۱۴ [2] کتاب الولاۃ و القضاۃ صد ۵۱۴ [3] اعلام النبلاء تاریخ حلب الشہبا جزاول صد ۲۱۵

خلیفہ سے تعلقات معتضد جب سریر آرائے خلافت ہوا تو اس نے خمارویہ کو نوازنا شروع کیا۔ اس نے تحفہ میں بیس خچر اشرفیوں سے لدے ہوئے دس غلام دو صندوق زیور، سترہ راس اسپ معہ طلائی ساز، سینتیس ۳۷ شتر جن کی جھولیں زربفت کی تھیں۔ خلافت مآب کی سواری کے لئے پانچ خچر اور ایک زرافہ بلینق اس کے ساتھ سوار تھے جن کی قبائیں ریشمی اور کمریں مرصع بہ جواہر تھیں ارسالِ خدمت کیا اور مزید تقرب کے لئے اپنی بیٹی قطر الندیٰ کو معتضد کے حبالۂ عقد میں پیش کیا۔ یہ شادی ۲۸۲ھ میں ہوئی[1]

قطر الندیٰ کے جہیز میں اس قدر ساز و سامان دیا گیا جس کی نظیر تاریخ میں نہیں ملتی۔ اس کے بیٹھنے کے لئے طلائی تخت بنوایا جس کے چاروں گوشوں پر مرصع ستون تھے ان پر جالی دار طلائی قبہ تھا جس کے ہر ہر حلقہ میں بڑے بڑے موتی سونے کے تار میں لٹکے ہوئے تھے۔ جوڑوں کی قیمت کا اندازہ صرف اس سے ہو سکتا ہے کہ صرف ایک ہزار ازار بند تھے جن کا صرفہ بارہ ہزار دینار تھا۔[2]

معتضد نے اس کے صلہ میں مصر کے خراج کی باقی ماندہ رقم میں سے کل دو لاکھ دینار سالانہ کے حساب سے لے کر مزید تین لاکھ سالانہ پر فرات سے برقہ تک حکومت کا قبالہ لکھ دیا اور بارہ پارچے کا خلعت۔

قطر الندیٰ کی رخصتی کے وقت مصر سے بغداد تک ہر ایک منزل پر اپنے محل کے مشابہ ایک ایک قصر تعمیر کرا کے سامان وغیرہ سے آراستہ کرا دیا تھا عروس بغداد تک اپنے محلات میں قیام کرتی ہوئی آغاز محرم ۲۸۲ھ میں بڑے شان و شکوہ سے بغداد پہنچی۔ خلافت مآب نے بھی عروس کا شایانِ شان استقبال کیا۔

نظام حکومت خمارویہ نے باپ کے قدم بقدم حکومت کا انتظام کیا تھا۔ اس کے عمال اپنے فرائض باحسن خوبی انجام دے رہے تھے۔

---

[1] دائرۃ المعارف جلد ۱۷ و ۱۸ ص ۶۵ [2] اعلام النبلاء بتاریخ حلب الشہباء جلد ۱ ص ۲۲۷۔

باغات خمارویہ کو عمارت کی تعمیر کا بڑا شوق تھا۔ اس کے ساتھ نزہت گاہوں سے بڑی دلچسپی تھی۔ سرکاری نزہت گاہ میں دُور دُور سے درخت منگوا کر لگوائے اور قسم قسم کے پھولدار درخت اور میوے کے درخت اس باغ میں نصب کرائے۔ پھولوں کی چمن بندی کرائی۔ طرح طرح کے خوشنما اور خوش رنگ پرند منگا کر اس باغ میں رکھے۔ اس نے ایسے کئی باغ اپنے قلمرو میں تیار کرائے۔

چڑیا خانہ ایک بڑے احاطہ میں چڑیا خانہ (باغ حیوانات) بنوایا۔ جہاں جنگلی جانوروں کے رکھنے کا معقول انتظام تھا[1] شیر اور چیتے ایسے سدھائے گئے تھے کہ دربار میں اس کے ساتھ آ کر اردگرد کھلے بندوں بیٹھے رہتے اور باغ میں خمارویہ چہل قدمی کو جاتا تو پیچھے پیچھے ساتھ رہتے۔

قصر خمارویہ خمارویہ نے اپنے لئے ایک محل خاص بنوایا تھا۔ محل کی دیواروں کو لاجورد محلول و طلا اور مختلف قسم کی چوبی تصویروں سے آراستہ کیا تھا اور اپنے استراحت کے لئے ایک حوض محل میں بنوایا تھا جس میں پارہ بھرا ہوا تھا۔ اس کے دونوں کناروں پر ریشم کی ڈوریاں چاندی کے کڑوں میں بندھی ہوئی تھیں جن کے اوپر چرمی گدا ہوا سے بھر کر ڈال دیا گیا تھا۔ اس گدے پر خمارویہ آرام کیا کرتا تھا۔

خمارویہ نے عنانِ حکومت ہاتھ میں لیتے ہی یہ انتظام کیا کہ احمد واسطی اور سعد الایسر کو فوجیں دے کر شام بھیج دیا۔ اس کو موفق عباسی کی طرف سے اندیشہ تھا۔ اس کے سوا ساحل کی حفاظت بھی منظور تھی۔ احمد واسطی نے موفق کو مطلع کیا کہ خمارویہ کی قوت کمزور ہے آپ شام پر قبضہ کر لیں[2]

اسحٰق بن کندہ جیق والیٔ موصل و جزیرہ اور محمد بن دیوداد ابن ابی الساج معروف بالافشین کو شام کے لینے کی تمنا ہوئی۔ انہوں نے بھی موفق سے

---

[1] دائرۃ المعارف جلد ۷، صفحہ ۶۸ [2] کتاب الولاۃ کندی صہ ۲۶۔

معاونت چاہی۔ اس نے فوراً دونوں کو پیش قدمی کا حکم دے دیا اور خود مدد کے لئے پہنچا اور ان دونوں کے ساتھ ۲۷۲ھ میں رقہ آیا۔ قنسرین اور عواصم کے لوگوں نے بلا مزاحمت شہر اُن کے حوالے کر دیا۔ دمشق البتہ مقابل ہُوا۔ لیکن موفق نے اس کی مزاج پرسی کر دی اور شہر میں داخل ہو گیا۔

خمارویہ صفر ۲۷۱ھ میں مصر سے شام آیا۔ اردن فلسطین میں لب نہر ہر دو سے مقابلہ ہو گیا۔ خمارویہ تاب مقابلہ نہ لا سکا اور فسطاط لوٹ آیا۔ سعد الاسیر خمارویہ کی فوج لے کر میدان میں آ کُودا اور موفق کو شکست دے کر دمشق پر قبضہ کر لیا اور خمارویہ کا خطبہ پڑھا گیا۔[1]

۲۷۲ھ میں خمارویہ دورے پر شام آیا اور ایک جرم پر سعد الاسیر کو قتل کرا دیا اور دمشق میں داخل ہُوا۔ اسحٰق بن کنداجیق سے دو دو ہاتھ ہوئے۔ آخر کار صلح ہو گئی۔ اس نے موفق سے بھی صلح کرا دی۔ موفق نے تیس سال کے لئے خمارویہ اور اس کے اولاد کے نام مصر و شام کی حکومت کا قبالہ لکھ دیا اور خمارویہ نے اس کے نام کا خطبہ اپنے یہاں جاری کر دیا۔[2]

وفات:۔ خمارویہ کو اس کے خدام نے سوتے میں ۲۸۲ھ میں قتل کر دیا۔[3]

جیش بن خمارویہ

خمارویہ کی وفات کے بعد اس کے بیٹے ابو العساکر جیش کے ہاتھ پر امارت کی بیعت ہوئی۔ مگر اس کی کم سنی کی وجہ سے حاکم شام طغج بن جف نے بیعت نہیں کی۔ مصری افواج بھی طغج کے ساتھ ہو گئی اور اس نے محل پر چڑھائی کر کے لوٹ لیا اور شہر میں آگ لگا دی اور جیش کو قتل کر ڈالا۔[4]

---

[1] ابن اثیر جلد ۷ صفحہ ۳۴ [2] مقریزی جلد ۲ صفحہ ۱۱۶ [3] دائرۃ المعارف جلد ۱۷ [4] مقریزی

ہارون ابن خمارویہ

فوج نے ہارون بن خمارویہ کو بادشاہ بنا لیا مگر حکومت سنبھل نہ سکی۔ اسکی نا اہلی سے صرف عباسی حکومت ہی سے تعلقات خراب نہیں ہُوئے بلکہ اس کے امراء اور اعزاء بھی خلاف ہو رہے تھے۔ خلیفہ معتضد کو معلوم ہُوا تو اس نے لشکر کشی کر دی جب شہر امیدہ میں وارد ہُوئے تو وہاں کے عامل محمد بن احمد نے اطاعت قبول کر لی۔ ہارون نے خلیفہ کی خدمت میں عرض داشت پیش کی کہ مَیں فرمانبردار ہوں۔ اور ولایت طرطوس بطور نذر پیش ہے۔ معتضد نے قبول کیا مگر کچھ عرصہ بعد ہی خلافت مآب نے قنسرین اور عواصم پر بھی قبضہ کر لیا۔ اب اس کی ولایت شام اور مصر پر محدود ہو کر رہ گئی۔ مگر شرط یہ طے پائی کہ سالانہ چار لاکھ دینار خزانۂ خلافت میں داخل کیا کرے گا۔ امرائے دولت بدر الکمالی اور امیر فائق طولونی نے جو شام کے حاکم تھے ہارون سے بددل ہو کر عباسی امیر محمد بن سلمان کو مصر پر فوج کشی کی دعوت دی اور معاونت کے لئے تیار ہو گئے[1]

مکتفی باللہ ہارون سے خوش نہ تھا وہ آمادہ ہو گیا اور ۲۹۲ھ میں محمد بن سلمان نے بری اور امیر دمیانہ والئ سرحد نے بحری سمت سے مصر پر فوج کشی کر دی اور طولونی امراء کو خلیفہ کی اطاعت کی دعوت دی۔ بدر الجمالی، امیر وصیف بن صوار تگین اور امیر صافی امرائے مصر ہارون سے علیحدہ ہو کر امیر محمد بن سلمان سے میل کر گئے۔ ہارون نے خلیفہ کی فوج کی آمد سُن کر امیر وصیف قطر منیر اور خصیب بربری کو امیر دمیانہ کو روکنے کے لئے روانہ کیا۔ تیونس میں ہر دو افواج مقابل ہوئیں۔ قطر منیر اور خصیب کو شکست کا منہ دیکھنا پڑا اور امیر دمیانہ کامرانی سے تیونس پر قابض ہو گیا۔ قطر منیر نے دمیاط جا کر پناہ لی کہ امیر دمیانہ

---

[1] ابن اثیر جلد ۷، صفحہ ۲۰۰ تا ۱۷۸۔

سر پر پہنچا اور اس نے امرائے دمیاط کو اطاعت خلیفہ کی دعوت دی وہ انکاری ہوئے اس لئے امیر دمیانہ نے دمیاط پر حملہ کر دیا۔ قطر منیر اور خصیب کو مقابلہ کی تاب نہ رہی۔ راہِ فرار اختیار کرنے کو تھے کہ گرفتار ہو گئے اور ان کا بحری بیڑہ امیر دمیانہ کے قبضہ میں آ گیا۔

ہارون بن خمارویہ فسطاط میں رنگ رلیوں میں مست تھا۔ امیر دمیانہ کی پیہم کامیابیوں کو دیکھ کر فسطاط سے عباسیہ آیا۔ یہاں امراء اس کی حرکتوں سے بیزار ہو کر کنارہ کش ہو گئے۔ مگر وہ اپنی حرکتوں سے باز نہ آیا تو اُس کے چچا شیبان اور عدی کو جو عرصہ سے اس کے خلاف تھے موقعہ مل گیا۔ انہوں نے ایک دن جب ہارون شراب پی کر غافل تھا اس کو قتل کرا دیا۔

یہ واقعہ صفر ۲۹۲ھ کا ہے اور خود شیبان نے تاج و تخت سنبھالا۔ مگر جو امراء ہارون کے ساتھی تھے شیبان کی اس حرکت سے اس کے خلاف ہو گئے۔ چنانچہ امیر طغج بن جف، امیر فائق اور بعض دوسرے ممتاز امیر محمد بن سلمان سے مل گئے۔ یہ ان کی ہمراہی میں فسطاط آیا۔ دوسری طرف سے امیر دمیانہ فسطاط کے ساحل پر لنگر انداز ہوا۔ شیبان نے یہ رنگ دیکھ کر کہ کوئی امیر اس کا ساتھی نہیں ہے امیر محمد بن سلمان کی اطاعت قبول کر لی۔ آخر ۲۹۲ھ میں فسطاط دائرۂ حکومت بنی عباس میں آ گیا اور یہاں مکتفی باللہ کا خطبہ پڑھا جانے لگا۔ محمد بن سلمان نے طولونی خاندان اور اس کے جملہ ارکان کو یہاں سے ہٹا دیا اور خود نیا انتظام کیا۔ غرضیکہ مصر و شام سے طولونی حکومت ختم ہو گئی[1]

امرائے مصر مکتفی نے عیسیٰ نوشیری کو امیر مصر مقرر کیا۔ مقتدر کے عہد میں امیر مصر ۳۰۵ھ میں تکین جزری رہا۔ اس کے بعد محمد بن تکین امیر ہوا۔ قاہر نے احمد بن کیغلغ کو امیر مصر و حلب مقرر کیا[2]۔ راضی کے عہد میں محمد بن طغج امیر مصر مقرر کیا گیا۔

---

[1] ملخص کتاب الولاۃ کندی ۲۴۴ تا ۲۴۹ [2] اعلام النبلاء بتاریخ حلب الشہباء جزو اول صفحہ ۲۳۶۔

دولت اخشیدیہ[1]

ابوبکر محمد بن طغج ملوک فرغانہ سے تھا[2]۔ عہد معتصم باللہ میں ملوک فرغانہ کی نسل سے جف ترکی رئیس ترکستان خلیفہ کی طلبی سے سامرا آکر رہا۔ جف بہادر اور شجاع تھا۔ خلیفہ اس کا احترام و اکرام کرتا تھا[3]۔ ۲۴۱ھ میں اُس کے یہاں طغج پیدا ہوا۔ ۲۴۷ھ میں جف بغداد میں انتقال کر گیا۔ اس کے بعد طغج معاش کی خاطر احمد بن طولون کے غلام لولو کے پاس جزیرہ چلا گیا۔ خمارویہ کی نظر طغج پر پڑی اور اس کے خاندانی اعزاز سے واقف ہوا تو اس کو اپنے حشم کا سرخیل کر دیا۔ پھر طبریہ کا امیر کر دیا۔ خمارویہ کے قتل کے بعد خلیفہ مکتفی باللہ نے طغج کو اپنے پاس بلا لیا اور خلعت و امارت عطا کر کے درباری امراء میں شامل کر لیا۔

عباس بن حسین وزارت پر متمکن تھا۔ طغج کے اعزاز و اکرام سے جل گیا اور اس نے موقعہ پا کر طغج اور اس کے بیٹے محمد کو قید کر دیا۔ امیر طغج کا انتقال قید خانہ میں ہوا۔ محمد بن طغج کو رہا کر دیا گیا۔ محمد نے اپنے بھائی عبید اللہ کی مدد سے ۲۹۶ھ میں عباس بن حسین کا کام تمام کرا دیا اور بغداد سے راہِ فرار اختیار کر کے بادیہ شام میں تکین خزری کے یہاں روپوش ہو گیا۔ تکین خزری کے ساتھ رہ کر اکثر معرکے سر کئے جس کی دُور دُور شہرت ہو گئی۔ ۳۰۶ھ میں قافلہ حجاج کو راہزنوں کے حملہ سے بچایا۔ خلیفہ مقتدر باللہ کو محمد بن طغج کی بہادری اور کارگزاری کی خبر ہوئی۔ خوش ہو کر خلعتِ فاخرہ عطا کیا[4]۔

محمد بن طغج ۳۱۶ھ میں تکین خزری سے بگڑ کر رملہ پہنچا۔ خلیفہ مقتدر کو معلوم

---

[1] "اخشید" کے معنی فرغانی زبان میں شہنشاہ کے ہیں [2] دائرۃ المعارف جلد ۱ صفحہ ۱۷

[3] اعلام النبلاء بتاریخ حلب الشہباء جلد ۱ صفحہ ۲۲۹ [4] دائرۃ المعارف جلد ۱۰ صفحہ ۲۰

ہُوا تو ۳۱۶ھ میں رملہ کی امارت کا فرمان ابن طغج کے نام بھیج دیا۔ ۳۲۱ھ میں قاہر باللہ نے مصر کی ولایت سپرد کرنا چاہی مگر وہ نہ جا سکا۔ آخر کار ۳۲۳ھ میں خلافت مآب راضی باللہ نے فرمان بھیجا اور حکم دیا کہ مصر کی ولایت کو سنبھالو۔

ابن طغج وہاں پہنچا اور امارت پر قبضہ کیا۔ تھوڑے عرصہ میں مصر کی حالت کو ایسا سدھارا کہ تمام اہلِ مصر اس کے حسنِ انتظام سے خوش ہو گئے۔ تمام ارکانِ سلطنت نے ابن طغج کو سراہا۔ موقعہ پاکر اپنے استقلال کا اعلان کر دیا۔ خلیفہ راضی نے بھی مجبوراً اس کے استقلال کو تسلیم کیا اور ۳۲۷ھ میں ابن طغج کو اخشید کا لقب عطا کیا۔ مگر ابن رائق کو دیارِ مصر، حران اور رہا کا والی مقرر کیا۔

مصر کے انتظام وانصرام کے بعد اخشید نے شام پر قبضہ کیا۔ صرف سرحدی مقامات براہِ راست عباسی حکومت کے قبضہ میں تھے۔

امیرالامراء محمد بن رائق نے خلافت مآب کی طرف سے ۳۲۸ھ میں شام پر فوج کشی کر دی۔ وہاں کے عامل بدر نے مقابلہ کیا مگر اس کو شکست کا منہ دیکھنا پڑا۔ پھر حمص و دمشق پر قبضہ کرنے کے بعد محمد بن رائق مصر کی طرف بڑھا۔ العریش میں ابن طغج فوج لے کر مقابل ہُوا مگر شکست کھا گیا۔ ابن رائق کی فوجیں لوٹ مار میں مشغول ہوئیں۔ ابن طغج کی فوجیں کمین گاہ سے نکل کر ان پر ٹوٹ پڑیں۔ ابن رائق کو شکست ہوگئی۔ وہ دمشق واپس گیا۔ اخشید نے اپنے بھائی ابونصر کو معہ فوج کے دمشق بھیجا وہاں ابو نصر مارا گیا۔ ابن رائق نے اس کی لاش اپنے لڑکے کے ہاتھ مصر بھیجی کہ یہ اتفاقیہ واقعہ ہُوا ہے اور بدلہ میں میرا لڑکا حاضر ہے۔ اخشید پر رائق کی تحریر کا اثر ہُوا اور مصالحت سے کام لیا اور طے ہُوا کہ اخشید مصر سے رملہ تک قابض رہے اور دمشق سے دست بردار ہو جائے جس کا سالانہ ایک لاکھ چالیس ہزار دینار خراج وہ اخشید کے پاس پہنچاتا رہیگا۔ ہر دو فریق نے منظور کر لیا اور شام کا پورا علاقہ رائق کی حکومت میں چلا گیا۔

راضی کے بعد متقی سریر آرائے خلافت ہوئے انھوں نے بھی اخشید کی امارت

کو سابقہ قرارداد پر بحال رکھا۔ ناصر الدولہ حمدانی والیٔ موصل نے امیر الامرائی حاصل کرنے کے خیال سے ابن رائق کو قتل کر ڈالا۔ اخشید کے آگے سے کانٹا ہٹا۔ اُس نے فوجیں بھیج کر دمشق پر قبضہ کر لیا۔ ناصر الدولہ کے بھائی سیف الدولہ نے ۳۳۳ھ میں اخشید کے مقبوضہ حلب پر حملہ کر دیا۔ اخشید نے اپنے غلام کافور کے ساتھ فوج بھیجی مگر سیف الدولہ اس کو شکست دے کر حلب کے بعد حمص پر بھی قابض ہو گیا۔ اب سیف الدولہ کی نظریں دمشق پر پڑ رہی تھیں۔ قنسرین میں طرفین نے صف آرائی کی مگر دونوں مقابلہ میں برابر رہے۔ آخر کار باہمی مصالحت اس صورت سے ہوئی کہ دمشق اخشید کے پاس رہے۔ حمص اور حلب سیف الدولہ حمدانی کے علاقہ میں شامل رہے۔ اخشید نے مصر کا راستہ لیا اور حمدانی اپنے مستقر پر چلا گیا۔

فوج اخشید سپاہی منش تھا۔ اس نے چار لاکھ فوج مرتب کی تھی اور ہر سپاہی کا خود خیال رکھتا تھا۔ بہادر اور شجاع ہونے کے ساتھ ملائم طبیعت بہت تھا۔

وفاداری خلیفہ متقی کو امیر الامراء توزون نے پریشان کیا وہ بغداد سے رخصت ہو کر بنی حمدان کے یہاں مقیم ہو گئے مگر بنی حمدان نے بدسلوکی کی تو متقی نے توزون سے پھر تعلقات قائم کرنے کے لئے سعی کی۔ اس کے ساتھ ہی اخشید کو بھی لکھا۔ وہ فوراً خلیفہ کے حضور میں پہنچا اور اطاعت و خدمت کا کوئی دقیقہ اُٹھا نہ رکھا اور بہت کچھ تحفے پیش کئے۔ اور کہا کہ مصر و شام میں رونق افروز ہو جئے مگر متقی رضامند نہ ہوا۔ اور توزون کے بلاوے پر بغداد چلا گیا۔

اخشید نے کہا تھا کہ توزون اس کے ساتھ دغا سے پیش آئے گا وہی ہوا جس کی تفصیل ہم خلافت عباسیہ میں لکھ چکے ہیں۔

وفات ۳۳۴ھ میں گیارہ سال تین ماہ حکومت کرنے کے بعد محمد بن طغج

نے دمشق میں وفات پائی۔ قدس شریف میں دفن کیا گیا [۱]

ابوالقاسم انوجور بن اخشید

اخشید کے انتقال کے بعد ۳۳۴ھ میں انوجور تخت نشین ہوا۔ انوجور کم سن تھا، نگران کافور مقرر ہوا۔ کافور نے زمام حکومت ہاتھ میں لے کر انتظام مملکت شروع کر دیا۔ سیف الدولہ کو اخشید کے مرنے کی خبر لگی معہ فوج کے دمشق پر حملہ آور ہو کر قابض ہو گیا۔ کافور نے جو سنا تو وہ ایک عظیم الشان لشکر جو اخشید کی تربیت پائے ہوئے تھا لیکر سیف الدولہ پر جا پڑا۔ سیف الدولہ تاب مقابلہ نہ لا سکا۔ شکست کھا کر موصل چلتا ہوا۔ کافور نے بدر اخشیدی کو دمشق کا حاکم مقرر کیا اور مصر لوٹ آیا۔

۳۴۰ھ میں شاہ نوبیا نے مصر پر چڑھائی کر دی۔ کافور نے ایسی شکست دی کہ اصوان پر جا کر دم لیا۔

انوجور نے ۸ ذیقعدہ ۳۴۹ھ میں انتقال کیا۔

علی بن اخشید

انوجور کے انتقال کے بعد علی بن اخشید جانشین ہوا۔

اس کے عہد میں مصر قحط میں مبتلا ہو گیا اور اندرونی جھگڑے کھڑے ہو گئے۔ فوجی قوت ختم ہو گئی۔

چھ برس حکمرانی کر کے علی بن اخشید ۳۵۵ھ میں فوت ہو گیا۔

---

[۱] دائرۃ المعارف جلد ۱۷ صفحہ ۸۱ و اعلام النبلاء جزء اوّل صفحہ ۲۵۱۔

کافور

اخشید نے ۳۱۲ھ میں ایک مصری رئیس سے کافور کو خریدا تھا۔ اخشید کے ساتھ اکثر معرکوں میں رہا اور اس نے اپنی شجاعت کے جوہر دکھلائے تھے اہلِ مصر اور ارکانِ سلطنت نے علی بن اخشید کے بعد اپنا امیر تسلیم کر لیا۔ اس نے انتظام سلطنت کو سنبھالا۔ اس کے علاوہ حجاز اور شام میں اس کے نام کا خطبوں میں ذکر آنے لگا۔ دو سال چار ماہ تک اس نے حکومت کی تھی کہ پیمانۂ عمر لبریز ہو گیا اور اس نے ۱۰ جمادی الاوّل ۳۵۷ھ میں انتقال کیا۔

باوجود حبشی ہونے کے نہایت بارُعب تھا اور اہلِ علم کی توقیر و منزلت کرتا تھا۔ شاعر متنبیؔ سیف الدولہ حمدانی کے یہاں سے کافور کے پاس آ گیا۔ اس نے اس کی بڑی قدر و منزلت کی جس پر متنبی نے اس کی شان میں بھی قصیدے کہے جس میں تعریف بھی ہے اور ہجو بھی۔

احمد بن علی اخشید

کافور کے بعد اخشید کا پوتا احمد امیر بنایا گیا۔ مگر اہلِ شام نے اس کی امارت تسلیم نہیں کی اور حسن اخشیدی کو امیرِ شام مان لیا۔ مگر اُس نے زمامِ حکومت ہاتھ میں لی ہی تھی کہ قرامطہ نے شام پر حملہ کر دیا۔ حسن نے مقابلہ کیا مگر شکست اٹھانا پڑی۔ مصر آیا اور احمد سے حکومت مصر لینا چاہی۔ یہ رنگ دیکھ کر ارکانِ حکومت نے فاطمی خلیفہ معز الدین کو قبضۂ مصر کی دعوت دی۔ چنانچہ معز کی طرف سے جوہر صقلی نے ۳۵۸ھ میں بلا مقابلہ مصر پر قبضہ کیا۔ اس طرح دولتِ اخشیدیہ کا خاتمہ ہُوا۔



اخشیدیوں کا نظامِ مملکت

وزارت ابوالفضل بن جعفر فرات وزارت کے عہدہ پر اخشیدی حکومت میں سرفراز تھا۔ ابوالفضل لائق وزیر تھا[1]

خراج مصر کا خراج اخشید کے زمانے میں بتیس لاکھ دینار تھا اور کافور کے عہد میں تیس لاکھ ۲۷ ہزار دینار تھا[2]

فوجی نظام اخشیدیہ کے عہد میں مصر فوجی قوت اور مال و دولت کی زیادتی کی وجہ سے ممتاز تھا۔ اس وقت فوج کی تعداد چار لاکھ نفوس تھی جو ترکی اور رومی سپاہیوں پر مشتمل تھی۔ اس میں اخشید کی خاص باڈی گارڈ فوج شامل نہ تھی۔ اس فوج کے سپاہیوں کو تنخواہ باقاعدہ دی جاتی تھی[3]

ترقی زراعت کافور نے زراعت کی ترقی میں نہایت جدوجہد سے کام لیا جس کی وجہ سے مصر کے خراج کی آمدنی چالیس لاکھ دینار ہو گی۔ مگر قحط کے پڑنے سے آخر میں بہت کم ہو گئی کہ فوج کی تنخواہیں نہ دی جا سکیں۔

---

[1] مقریزی جلد ا صفحہ ۰۷ [2] مسلمانوں کا نظم مملکت صفحہ ۲۴۰ و ۳۰۶

[3] مسلمانوں کا نظم مملکت صـ۲۴۰، صـ۳۰۶ ۔

ادارسہ ملوک مغرب اقصیٰ

حکومت ادریسیہ کا بانی مبانی ادریس بن حسن مثلث بن حسن مثنّیٰ بن حسن سبط ہے۔ عہد خلافت مہدی ۱۶۹ھ میں ادریس کے برادر زادہ حسین بن علی بن حسن مثلث نے دعوائے خلافت کیا اور مقام فخہ پر فوج مہدی سے معرکہ رہا جس میں حسین کام آئے۔ ادریس اور اس کے بھائی یحییٰ بھی معرکے میں شریک تھے۔ بعد ہزیمت یحییٰ دیلم چلے گئے وہاں سے خروج کیا۔ ادریس مصر تشریف لے گئے۔

محکمۂ ڈاک پر واضح معروف بہ مسکین صالح بن منصور کا خادم مامور تھا اُس نے ادریس کو ہاتھوں ہاتھ لیا اور ان کو ملک مغرب روانہ کر دیا۔ ادریس کے ساتھ ان کا خادم راشد تھا۔ مغرب اقصےٰ پہنچ کر ۱۷۲ھ میں مقام بولیہ میں جاکر اقامت اختیار کی۔ ان دنوں اسحاق بن محمد بن عبدالحمید امیر تھا اس نے ادریس کی عزت و توقیر بہت کی اور بربر کو ان کی خلافت و حکومت قائم کرنے کی ترغیب دی۔

کچھ عرصہ گزرا تھا کہ رواغہ، لواتہ، سدراتہ، غیاسہ، نفزہ، مکناسہ، عمارہ اور مغرب کے تقریباً کل بربریوں نے مجتمع ہو کر ادریس کی خلافت و حکومت کی بیعت کی۔ اس نے خطبہ دیا جس میں بعد حمد باری و صلوٰۃ رسول اللہ یہ بیان کیا:۔

"اے لوگو! تم اپنی گردنیں اٹھا کے ہمارے سوا غیروں کو نہ دیکھو کیونکہ جو ہدایت اور راہِ راست کی اتباع ہمارے پاس پاؤ گے اس کو تم دوسروں کے پاس ہرگز نہ پاؤ گے"

ادریس میں حکمرانی کی صلاحیت تھی۔ بہت جلد حکومت کو استحکام واستقلال حاصل ہو گیا تو فوجیں آراستہ کرنی شروع کیں۔ جب کافی فوج جمع کر لی تو فوج کو لے کر مغرب کے ان بربریوں کی طرف بڑھا جو مذہبًا مجوس یہودی نصرانی تھے۔ یہ لوگ تامسنا، شالہ اور رماولہ میں آباد تھے بزورِ تیغ مفتوح کیا۔ بہت سے بربری قندلاوہ، بہلانہ، مدیونہ نے ادریس کے ہاتھ پر اسلام قبول کیا۔ ۱۷۳ھ میں تلمسان کا رخ کیا۔ یہاں کا امیر محمد بن جرزا بن حزلان تھا اور وہ اطاعت گزاری کے ساتھ ادریس کی خدمت میں حاضر ہوا۔ فرمانبرداری قبول کی۔ کل زنانہ کو امان دی اور تلمسان کی مسجد بنوائی اور منبر بنوانے کا حکم دیا اور اپنے نام کو منبر پر کندہ کرایا۔ علامہ ابن خلدون نے اس منبر کو دیکھا ہے۔

خلیفہ ہارون الرشید کو ادریس کے عروج کی خبر لگی۔ اس نے مہدی کے غلام سلمان بن جریر مشہور بہ شماخ کو متعین کیا کہ اس کو ٹھکانے لگا دے۔ چنانچہ وہ ادریس کے پاس آیا۔ مصاحبوں میں شامل ہو گیا۔ اتفاقاً ادریس کے دانتوں میں درد اٹھا۔ شماخ نے ایک منجن دیا جس کے ملتے ہی اس کا دم گھٹ گیا جان بحق تسلیم کر دی ۱۷۵ھ میں مقام بولیلی میں دفن کیا گیا۔

ادریس کے مرنے کے بعد بربریوں نے مجتمع ہو کے اس کے بیٹے ادریس اصغر کی حکومت کی بنا ڈالی۔ یہ کم عمر تھا۔ آخر کار ۱۸۸ھ میں عنانِ حکومت ہاتھ میں لی۔ کل بربریوں نے اس کی حکومت و امارت بطیبِ خاطر قبول کی۔ ادریس اصغر عالی دماغ تھا اس نے شاہی قوانین سیاست و تمدّن کی غرض سے مرتب کئے اور رفتہ رفتہ کل بلادِ مغرب کو مفتوح کر لیا۔ قلمدانِ وزارت مصعب بن عیسیٰ الازدی موسوم بہ بلجوم کے سپرد کیا۔

وزیر مصعب بہت دانا و بینا تھا اس نے وزارت سنبھال کر ایسا حسن تدبیر کیا کہ اکثر قبائل عرب و اندلس نے ادریس کے علمِ حکومت کی اطاعت

قبول کرلی اور پانچ سو سے زائد امراءِ عرب و اندلس آ آ کے مجتمع ہو گئے۔ حکومت کی اہم ذمہ داریاں ان کے سپرد کیں۔ بولیلی مقام دارالسلطنت کے لئے چھوٹا تھا، فاس کو تجویز کیا۔ یہاں بنی بوغش اور بنی خیرو زناغہ رہتے تھے۔ اس کے موضع بیبوبہیہ میں مجوس کا آتش کدہ تھا۔ یہاں کے لوگ ادریس کے ہاتھ پر مسلمان ہو چکے تھے۔ ادریس اصغر نے اپنے کاتب ابوالحسن عبدالملک بن مالک خزاجی کو فاس بھیجا۔ پھر خود فاس آ گیا اور کزوادہ کی بنا ڈالی۔

۱۹۲ھ میں اندلس کی سرحد بندی کرائی۔ بعد اس کے ۱۹۳ھ میں قزوین کی سرحدی دیواریں اور منارے بنوائے اور قزوین ہی میں محلات کی تعمیر ہوئی۔ جب شہر آباد ہو گیا تو بولیلی سے دارالحکومت بدل کر یہاں آ گیا۔ جامع شرفاء کی تعمیر ہوئی۔ قزوین کے حدود باب سلسلہ سے نہر جوزا و جرف تک تھے۔ یہاں شاہی تزک و احتشام کا بندوبست کیا۔

۱۹۷ھ میں بقصدِ جہاد ادریس حصامدہ کے لئے فوجیں لے کر چل کھڑا ہوا اور حصامدہ لے لیا۔ پھر تلمسان پر قبضہ کیا۔ سوس الاقصٰی سے شلف تک خلافت عباسیہ کی حکومت منقطع ہو گئی۔ مگر ابراہیم بن اغلب نے ادریس کے امراء کو اپنی طرف مائل کر لیا۔ چنانچہ بہلول بن عبدالواحد مظفری ادریس سے منحرف ہو گیا اور خلیفہ ہارون الرشید کے علمِ حکومت کے آگے گردنِ اطاعت جھکا دی۔ ادریس کو بربریوں کی طرف سے خطرہ پیدا ہو گیا اس نے ابراہیم اغلب سے مصالحت کر لی جس سے پھر ادریس کا اثر مغرب اقصٰی پر ہو گیا۔

ادریس اصغر نے ۲۱۳ھ میں وفات پائی۔ اس کا بیٹا محمد تخت نشین ہوا۔ اس نے اپنے بھائیوں کو اپنی قلمرو کے حصے بانٹ دیئے۔ ۲۳۱ھ میں انتقال کر گیا اور اپنے بیٹے امیر محمد علی بن محمد کو اپنے سامنے حکومت سپرد کر گیا۔ اراکینِ دولت نے اس کی حکومت مان لی۔ اس نے کمال مستعدی سے کاروبارِ سلطنت کو انجام دیا۔ رعایا امن و چین سے رہنے لگی۔ اس نے ۲۳۴ھ میں وفات پائی۔ اس کا

بھائی یحییٰ جانشین ہُوا جس نے اپنی حکومت کو بہت وسیع کر لیا۔ فارس کی آبادی میں ترقی ہوئی۔ متعدد حمام اور منڈیاں کاروبارِ تجارت کے لئے بنائی گئیں۔ دُور دراز مُلک سے تجارت پیشہ اور ذی علم اصحاب فاس آ آ کے مجتمع ہوئے۔ ام بنین بنت محمد فہری نے سرحد قروین میں ۲۴۵ھ میں عظیم الشان مسجد تعمیر کی۔ جس کو احمد بن سعید بن ابو بکر سفیرنی نے ۳۴۵ھ میں اپنی خانقاہ بنالیا۔ جامع ادریس سے نماز جمعہ موقوف ہو کر اس جامع مسجد میں ہونے لگی۔ منصور بن ابی عامر نے اس کی تعمیر میں اور زیادتی کی۔ یحییٰ کے مرنے کے بعد اس کا بیٹا کرسئ امارت پر متمکن ہُوا۔ لیکن بدچلن تھا۔ امرائے دولت نے معزول کر دیا اور اس کے اعمام میں سے علی بن عمر (جس نے سب بھائیوں کے علاقے لے لئے تھے) کو بلا کر حکومت ادریسیہ سپرد کی۔ اس پر عبدالرزاق خارجی نے خروج کیا۔ علی اس سے شکست کھا کر اوسیہ چلا گیا۔ علی بن عمر مذکور کا برادر زادہ یحییٰ بن ادریس بن عمر نے حکومت ادریسیہ پر بقوت قبضہ کر لیا۔ تمام صوبجات مغرب کے منبروں پر اس کے نام کا خطبہ پڑھا گیا۔

یہ ملوک بنی ادریس کا ایک نامور حکمران تھا۔ باعتبار سیاست کے بھی کامیابی کے ساتھ حکمرانی کی۔ فقیہ اور محدث تھا۔ ادریسیوں میں کوئی بادشاہ اس کی بادشاہی اور دولت کی برابری نہیں کر سکا۔

۳۰۵ھ میں حسن عبداللہ شیعی نے مکناسہ اور کتامہ کی فوجیں یحییٰ بن ادریس کے مقابلہ پر روانہ کیں۔ دونوں حریف کا کھلے میدان میں مقابلہ ہُوا۔ یحییٰ شکست کھا کر فاس لوٹ آیا۔ مصالحت کے نامہ و پیام شروع ہوئے۔ آخر الامر یہ طے پایا کہ یحییٰ کچھ زرِ نقد سالانہ بطور خراج ادا کیا کرے اور نیز حسن بن عبداللہ شیعی کی اطاعت قبول کرے۔ فریقین نے ان شرائط مصالحت کو منظور و قبول کیا۔ ادریسیہ آزاد حکومت ختم ہوئی۔ دولتِ عبیدین کے تابع ہوگئی[1]

---

[1] ابن خلدون جلد نہم صفحہ ۲۲۴-۲۳۲۔

دعوتِ اسماعیلیہ

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے کچھ عرصہ بعد ہی شیعی ذہنیت پیدا ہو گئی۔ عبداللہ ابن سبا یہودی کی کارفرمائی کو اس میں زیادہ دخل ہے۔ عہدِ عثمانی میں شیعی ذہنیت اوجِ کمال کو پہنچ گئی تھی۔ لیکن اس وقت تک اس کی حیثیت ایک نظری عقیدہ کی تھی۔ اس نظریہ نے عملی شکل واقعہ کربلا کے بعد اختیار کی۔ اس الم انگیز سانحہ سے شیعوں کی سیاسی زندگی کی ابتدا ہوئی۔ اور وہ اپنے نظریہ خلافت کو عملی شکل دینے میں منہمک ہو گئے۔ اس وقت اُن میں دو طبقے پیدا ہو گئے تھے۔ ایک کیسانیہ جو محمد بن حنفیہ بن علی کی جانشینی کا حامی تھا۔

دوسرا امامیہ :- امامیہ کے اندر چند اور فرقے پیدا ہو گئے تھے ان میں دو فرقے امتیازی درجہ رکھتے تھے۔

ایک اثنا عشری جو حضرت حسینؓ کے بعد حضرت امام زین العابدین کی امامت کا قائل تھا اور ان کے بعد ان کی اولاد کو سلسلہ بہ سلسلہ حضرت امام موسیٰ کاظم تک اس منصب کا مستحق سمجھتا تھا۔ حضرت موسیٰ کاظم کے بعد ان کا عقیدہ تھا کہ یہ مرتبہ ان کے بارہویں امام کو ملنا چاہیئے اور وہ ان کے امام منتظر محمد ہیں۔

دوسرا فرقہ امامیہ اسماعیلیہ کے نام سے موسوم تھا۔ یہ فرقہ امام جعفر صادق تک اثنا عشریہ کا ہم آہنگ تھا۔ امام موسیٰ کاظم کے بارے میں اسے اختلاف تھا۔ وہ امام جعفر کے بعد ان کے صاحبزادہ حضرت اسمٰعیل کو امامت کا مستحق خیال کرتا اور ان کے بعد ان کی اولاد کو نسلاً بعد نسل اس منصب کا حقدار سمجھتا اور محمد الحبیب کی ذات پر اس سلسلہ کو ختم کر دیتا۔ فاطمی خلفاء اسی اسماعیلیہ فرقہ سے تعلق رکھتے تھے اس لئے ان کو اسماعیلیہ بھی کہا جاتا ہے[1]۔

---

[1] مسلمانوں کا نظم مملکت صفحہ ۱۱۷۔

محمد الحبیب

محمد الحبیب بن جعفر مصدق بن محمد مکتوم بن امام جعفر صادق، محمد الحبیب کے صاحبزادے عبداللہ مہدی تھے۔ اسماعیلی فرقہ کا نام آگے چل کر عبیدی کہلایا۔ اس فرقہ کے داعیوں نے یمن، حجاز، بحرین، خراسان اور عراق میں اپنے مؤیدین کثرت سے پیدا کر لئے۔ پھر مغرب کو اس تحریک کے لئے تاکا تو وہاں یہ دعوت محمد الحبیب کے ذریعہ پھیلی اور کامیاب ہوئی۔

محمد الحبیب کا قیام حمص کے ایک مقام سلمیہ میں تھا۔ وہیں ان کا ایک حلقہ تھا جہاں اس خیال کے لوگ جمع ہوا کرتے۔ اپنی امامت اور حکومت کے حاصل کرنے کے جوڑ توڑ لگاتے رہتے۔ ان کے زہد و عبادت کی دور دور تک شہرت پھیلا دی گئی تھی۔ جو لوگ شام کے مقدس مقامات کی زیارت کے لئے آتے وہ محمد الحبیب کی زیارت سے بھی مشرف ہوتے۔ محمد الحبیب نے اپنے داعی یمن اور مغرب میں بھیج رکھے تھے۔ ان میں ایک داعی رستم بن حسین بن حوشب تھا جو بڑا ہوشیار اور محبتِ اہلِ بیت میں سرشار تھا۔ اس نے اپنی سعی سے یمن میں یہ دعوت پھیلا دی اور یمنی شیعوں کے ذریعے یمن کے اکثر علاقوں پر قابض و متصرف ہو گئے۔

محمد الحبیب نے جب یمن داعی روانہ کئے تھے مغرب میں ابوسفیان اور حلوانی کو بربری قبیلہ میں بھیجا۔ یہ ہر دو داعی افریقہ پہنچ کر قبیلہ کتامہ میں ٹھہرے اور بہت تھوڑے عرصہ میں ان کو ہم خیال بنا لیا۔ بربری اجڈ قوم ان کے لاسہ پر لگ گئی۔ کچھ عرصہ بعد ہر دو کا انتقال ہو گیا تو اس کی خبر رستم بن حسین کو یمن میں لگی۔ اس نے ایک یمنی داعی (ابو عبداللہ حسن بن محمد المعروف بہ محتسب) کو مغرب کا داعی مقرر کیا۔ حج کے سلسلہ میں مغربی قبائل مکہ میں آیا کرتے تھے اس لئے ابو عبداللہ حسن افریقہ جانے سے پہلے مکہ آ گیا۔ مغربی حجاج کے قافلہ میں کتامہ کے

امراء بھی تھے ان سے مِلا جُلا اور اپنا ہمنوا بنا لیا۔ حج کے بعد کتامہ کے لوگ واپس وطن ہوئے جس نے پوچھا کہ آپ کہاں جائیں گے؟ اس نے کہا مصر۔ چنانچہ قبیلہ کتامہ نے اس کو ہمراہ لے لیا جس نے راستہ میں مغرب کے قبائل کے حالات سے پوری پوری واقفیت پیدا کر لی۔ ۲۸۰ھ میں ابو عبداللہ حسن نے مغرب میں قدم رکھا۔ امراء کتامہ اس کے اخلاق کے گرویدہ ہو گئے تھے۔ چنانچہ حسن قبیلہ کتامہ کے ایک سردار کے یہاں مہمان ہوا۔ اس نے مسجد کی امامت اور اپنے لڑکے کی تعلیم اس کے سپرد کی۔ اس نے بڑی دلسوزی سے تعلیم دی۔

سردار نے اس کے صلہ میں چالیس دینار دینا چاہے اُس نے واپس کر دیئے۔ بلکہ خود اس نے اس سردار کے سامنے پانچ سو دینار کی تھیلی ڈال دی اور اس سردار سے اپنا مدعا ظاہر کیا۔ سردار مذکور بھی فاطمی دعوت میں شامل ہو کر اس کا مبلغ بن گیا اور اس سردار کے ذریعہ بہت سے مغربی ہم خیال ہو گئے۔ اس زمانہ میں حسن بن ہارون حسن کو مل گیا۔ چنانچہ اس کو ہمراہ لے کر جبل الکیجان جا کر مقیم ہوا اور تادروت کو اپنا مرکز بنایا۔

والیٔ مغرب ان دنوں ابراہیم بن احمد اغلبی تھا۔ اس کے علم میں حسن کے واقعات آئے۔ مگر اس کی نیکی اور ظاہرا عبادت گزاری دیکھ کر اس نے توجہ نہ کی مگر حسن کو دعوت فاطمی میں یہاں اس قدر کامیابی ہوئی کہ ایک بڑی جماعت کا پیشوا بن بیٹھا۔

ابو عبداللہ حسن نے لوگوں کو یہ تعلیم دینی شروع کی کہ میرے پاس امام زماں مہدی کے یہاں پر قیام کرنے کی نص موجود ہے اور عنقریب وہ بھی ہجرت کر کے اس مقام پر چلے آئیں گے اور ان کے انصار و معاون اپنے زمانہ کے بہترین لوگوں میں سے ہوں گے اور وہ اس شہر کے رہنے والوں میں سے ہوں گے۔ جن کا نام کتمان سے مشتق ہو گا۔ تھوڑے دنوں میں اہلِ کتامہ کا ایک گروہ کثیر اس کے پاس مجتمع ہو گیا۔ بعض علماء بھی اس کے دامِ تزویر میں آ گئے۔ ائمہ اہلِ بیت کے تذکرے اعلانیہ ہونے لگے۔ ایک دوسرے کو کھلم کھلا حمایت

آلِ محمد کی تلقین و ہدایت کرنے لگا۔ لوگ اس کو ابوعبداللہ حسن شیعی مشرقی کے نام سے موسوم کرتے تھے[1]

ابراہیم ثانی اغلبی کے آخر زمانہ میں اُس نے شہر میلہ پر قبضہ کر لیا۔ ابراہیم نے فتح بن یحییٰ اور ابراہیم بن موسیٰ کی ترغیب سے حسن کی سرکوبی کے لئے اپنے بیٹے ابوخوال کو بھیجا۔ اُس نے حسن اور اس کے ساتھیوں کو مار بھگایا اور میلہ اور تارروت کو نذرِ آتش کیا[2] حسن جبل الکیجان چلا گیا اور یہاں ایک بستی آباد کر کے اس کا نام دارالہجرت رکھا۔

اغلبی ۲۸۹ھ میں فوت ہو گیا تو اس کا بیٹا عبداللہ جانشین ہوا۔ مگر اس کے لڑکے زیادۃ اللہ نے سازش کر کے اپنے باپ کو تلوار کے گھاٹ لگوا دیا اور خود جانشین ہو بیٹھا۔ یہ نااہل تھا اور دن رات لہو و لعب میں مُبتلا رہتا۔ یہ زمانہ ابوعبداللہ حسن کو دعوتِ فاطمی کے پھیلانے کے لئے سازگار ہُوا۔ چاروں طرف اپنے داعی پھیلا دیئے اور اپنے معتقدوں کو یہ سمجھایا کہ مہدی کا عنقریب ظہور ہونے والا ہے[3]

عبیدُاللہ مہدی

سلمیہ میں محمد الحبیب نے اپنے انتقال کے وقت اپنے بیٹے عبیداللہ کو اپنا ولی عہد بنایا اور یہ ارشاد کیا کہ :-

"تم ہی مہدی موعود ہو اور میرے بعد تم یہاں سے دور دراز ملک کی جانب ہجرت کرو گے اور بڑے بڑے مصائب کا تم کو سامنا کرنا پڑے گا۔"[4]

---

[1] تاریخ ابن خلدون جلد ۹ صفحہ ۲۶۱،۲۶۷ [2] ایضاً [3] ایضاً ص ۲۶۲ [4] ایضاً

چنانچہ بعد وفات محمد الحبیب کی یہ خبر مدعیانِ فاطمی نے یمن اور مغرب میں پھیلا دی۔

ابو عبداللہ حسن نے ایک وفد عبیداللہ المہدی کے پاس سلمیہ بھیجا کہ ہم یہاں ہمہ تن آپ کی تشریف آوری کا انتظار کر رہے ہیں۔ شدہ شدہ یہ خبریں دارالخلافت پہنچیں۔ اس وقت سریر خلافت پر مکتفی باللہ جلوہ افروز تھا۔ عبیداللہ مہدی کی گرفتاری اور اس کی بڑھتی ہوئی قوت کی روک تھام کا حکم صادر فرمایا۔ عبیداللہ یہ خبر پاکر ملکِ شام سے عراق کی طرف چلا گیا۔ پھر عراق سے مصر میں جاکر دم لیا۔ اس کے ہمراہ اس کا بیٹا ابو القاسم اور ایک نوعمر غلام تھا۔ مصر پہنچ کر عبیداللہ المہدی نے یمن کا قصد کیا۔ مگر یہ سن کر کہ علی بن فضل نے بعد ابن جوشب کے اپنی کج ادائی سے اہل یمن کو برانگیختہ کر دیا ابو عبداللہ حسن شیعی کے پاس مغرب چلے جانے کا عازم ہوا۔ حسن کا بھائی ابو العباس مہدی کے پاس آچکا تھا۔ اس کے ساتھ مغرب روانہ ہو گئے۔ عیسیٰ نوشیری والی مصر کے نام بھی مکتفی باللہ کا فرمان پہنچ چکا تھا۔ وہ عبیداللہ کی تلاش میں تھا اس لئے وارد مصر ہوتے ہی عبیداللہ گرفتار کر لئے گئے مگر نوشیری نے چھوڑ دیا۔ وہ تاجر کے بھیس میں چل دیئے۔ یہاں زیادۃ اللہ مغرب کے تمام حکام کے نام عبیداللہ المہدی کی گرفتاری کا حکم بھیج چکا تھا۔ عبیداللہ بچ گئے۔ ابو العباس ان کا ساتھی پکڑا گیا۔ عبیداللہ نے سجلماسہ کے حاکم یسع کے ہاں پناہ لی۔ مگر زیادۃ اللہ کو خبر لگ گئی۔ اس نے یسع کو لکھا۔ اس نے عبیداللہ و ابو القاسم کو مریم بنت مدرار کے یہاں قید کر دیا۔[1]

زیادۃ اللہ کو روز بروز فاطمی تحریک کے پھیلنے کی اطلاع مل رہی تھی۔ حسن غلبی فوج کو شکست دے کر بلزمہ، طنبہ، باغایہ، مرماجنہ، قسطیلیہ وغیرہ شمالی افریقہ کے بڑے حصہ کو قبضہ میں لا چکا تھا اور بربری قبیلے اس کے تابع ہو چکے

---

[1] ابن خلدون جلد ۳ صفحہ ۳۶۲ و ابن اثیر جلد ۸ صفحہ ۳۷۔

تھے۔ ۲۹۶ھ میں اغلبیوں سے آخری معرکہ تھا۔ اس پر حسن کا قبضہ ہو گیا۔ صرف جامع مسجد میں تیس ہزار آدمی حسن کے ساتھیوں نے قتل کئے تھے۔ زیادۃ اللہ رقادہ میں تھا وہ گھبرا گیا اور مغرب سے مصر چلا گیا۔[1]

حسن کئی لاکھ فوج لے کر قیروان پہنچا۔ اہلِ شہر نے بڑا خیر مقدم کیا۔ اس نے سب کو امان دی اور قیروان پر قابض ہو گیا۔ اس کے بعد رقادہ لے لیا۔ زیادۃ اللہ کا کل سامان قبضہ میں کیا اور یہاں شیعی رسوم و شعار جاری کئے۔ فجر کی اذان میں "حیّ علیٰ خیر العمل" داخل کیا۔ درود میں پنجتن کے نام شامل کئے گئے۔ تراویح بند کر دی گئی اور شیعیت جبریہ پھیلائی گئی۔[2]

حسن کئی لاکھ فوج لے کر سجلماسہ پہنچا اور عبید اللہ اور ابو القاسم کو چھڑا لیا۔ حسن نے پہلی بار ان باپ بیٹوں کو دیکھا تھا۔ حسن کی آنکھوں میں خوشی کے آنسو آ گئے۔ وہ انہیں جلوس کی شکل میں خیمہ تک لایا۔ عبید اللہ سواری پر تھے۔ شیعی عمائد پا پیادہ جلوس میں تھے۔ حسن باآوازِ بلند اعلان کرتا جاتا تھا کہ:-

"ہمارے آقا یہی ہیں۔ اللہ تعالےٰ نے ان کے بارے میں اپنا وعدہ پورا کیا اور ان کو حق اور غلبہ عطا فرمایا۔"[3]

خلافت عبید اللہ المہدی

عبید اللہ المہدی سجلماسہ سے ربیع الاول ۲۹۷ھ میں دو لاکھ فوج کے ساتھ رقادہ آئے۔ یہاں اُن کی عام بیعت ہوئی اور افریقہ کے تمام شہروں میں ان کے نام کا خطبہ پڑھا جانے لگا۔ عبید اللہ نے امیر المومنین مہدی

---

۲۰۳ ص ۲۲

[1] ابن خلدون جلد ۳ صفحہ ۳۶۲ و ابن اثیر جلد ۸ ص ۳ [2] البیان المغرب ص ۲۰۵ و ابن عذاری اردو

[3] ابن خلدون جلد ۴ –

لقب اختیار کیا۔

عنانِ حکومت ہاتھ میں لیتے ہی مراکش سے ادریسی (جو اہل بیت سے تھے) ان کی حکومت کو ختم کیا۔ سادات کو قتل کیا۔ ۳۰۱ھ میں ابوالقاسم بن عبیداللہ نے برقہ، اسکندریہ اور فیوم پر قبضہ کیا۔ مگر مشہور امیر مونس نے ان کو مار بھگایا اور ہر دو جگہ سے بے دخل کر دیا۔[1]

بانی دولتِ فاطمی حسن ابوعبداللہ شیعی کا انجام

حسن کی سعی کا نتیجہ تھا کہ افریقہ میں عبیداللہ مہدی کی حکومت قائم ہوئی۔ جب عبیداللہ کی حکمرانی کو ایک گونہ استقلال و استحکام حاصل ہو گیا اور اس کے رعب و داب کا سکہ لوگوں کے دلوں پر بیٹھ گیا۔ ابوعبداللہ شیعی اور اس کا بھائی ابوالعباس امورِ سلطنت و سیاست پر مستولی و متغلب تھے کیونکہ انہی نے حکومت قائم کی تھی۔ ان کے تغلب کو مہدی چیرہ دستی سمجھنے لگا اور ان دونوں کو معزول کرنا چاہا۔ یہ امر ہر دو کو ناگوار گزرا اور دونوں بھائیوں نے چاہا کہ مہدی کو نکال باہر کریں۔ مہدی کو خبر لگ گئی اس نے ان سے چالاکی برتی۔ ظاہر ملائمت کا برتاؤ باطن میں اُن کے ختم کرنے کی تدبیر حسن ابوعبداللہ شیعی نے کتامہ کو مہدی کے خلاف اُبھار دیا اور اُن کو سمجھایا کہ۔

"یہ وہ امام معصوم نہیں ہے جس کی امارت و حکومت کی ہم نے تم کو دعوت دی تھی۔ ہم اس کے ظاہری برتاؤ سے دھوکہ کھا گئے۔ یہ بڑا طماع اور دنیادار ہے دیکھو تمہارا اس قدر مال و اسباب جس کو ابتدا میں ہم نے امام معصوم کے لئے تم سے لیا تھا اس نے دبا لیا۔"[2]

---

[1] ابن خلدون جلد نہم کتاب ثانی صفحہ ۲۸۶ [2] ایضاً صفحہ ۲۸۰

تم لوگ اگر مستعد ہو جاؤ تو ہم اس کو ابھی نکال باہر کرتے ہیں۔ اہلِ کتامہ اس کے ہاتھ میں کاٹھ کی پتلی تھے فوراً ابھر اگئے۔ چنانچہ اس نے انہی میں سے ایک شخص کو جو شیخ المشائخ کے لقب سے معروف تھا عبید اللہ المہدی کے پاس روانہ کیا۔ شیخ المشائخ نے مہدی کے پاس جا کر سوال کیا "چونکہ ہم لوگوں کو آپ کی بابت شک و شبہ پیدا ہو گیا ہے کہ آپ امام معصوم نہیں ہیں اس وجہ سے آپ ہم کو اپنی امامت کی کوئی نشانی دکھلائیے۔

عبید اللہ مہدی تاڑ گیا کہ یہ گل حسن کا کھلایا ہوا ہے۔ جواب کچھ نہ دیا۔ ایک غلام کو اشارہ کیا اُس نے شیخ المشائخ کو قتل کر دیا۔

اہلِ کتامہ کو اس واقعہ کی خبر ہوئی تو ان کا شبہ قوی ہو گیا۔ سب کے سب مہدی کے قتل پر تُل گئے۔ اس کام میں ابو زاکی تمام بن مبارک وغیرہ سردارانِ قبائل کتامہ بھی شریک تھے۔ مہدی نے سردارانِ قبائل کو توڑ لیا اور ان کو بڑے بڑے عہدے دے کر دوسری جگہ بھیج دیا۔ ابن مبارک کو طرابلس روانہ کیا اور اپنے عامل ماکنون کو لکھ بھیجا کہ جس وقت ابن مبارک پہنچے قتل کر دو۔ چنانچہ ماکنون نے ابن مبارک کا قصّہ تمام کیا۔

ابن القریم بھی اس سازش میں شریک تھا وہ بھی قتل کیا گیا۔ ان تدبیروں پر بھی ان دونوں بھائیوں کا جوش فرو نہ ہوا۔ برابر اپنی کوشش کرتے رہے۔ تب مہدی نے عروبہ بن یوسف اور اس کے بھائی حباسہ کو خلوت میں بلا کر ابو عبد اللہ شیعی اور اس کے بھائی کے مار ڈالنے کا حکم دیا۔ چنانچہ یہ قصر امارت کے گوشہ میں جا چھپے۔ جس وقت ابو عبد اللہ شیعی نکلا ہر دو نے نکل کر حملہ کیا۔

ابو عبد اللہ بولا۔

"تم یہ فعل کس کے حکم سے کرتے ہو؟"

اس نے جواب دیا۔

"جس کی اطاعت کا تم نے مجھ کو حکم دیا تھا اسی نے تمہارے قتل کا حکم دیا ہے۔"

ابوعبداللہ کی زبان سے کوئی کلمہ نہ نکلنے پایا تھا کہ عروبہ اور حباسہ شیر کی طرح جھپٹے اور ابوعبداللہ کو معہ اس کے بھائی کے مار کر ڈھیر کر دیا۔ یہ واقعہ ۱۵ جمادی الثانی ۲۹۸ھ کا ہے[1]

ان دونوں کے مارے جانے کے بعد عام شورش پھیلی مگر مہدی نے بقوت اس کو دبا دیا اور ہزارہا شیعہ جو مردو بھائیوں کے ساتھی تھے تلوار کے گھاٹ اتار دیئے۔ مہدی کے لئے اب میدان صاف تھا اس نے اپنے بیٹے ابوالقاسم کی ولی عہدی کا باضابطہ اعلان کیا اور برقہ اور اس کے تعلقات کی سندِ حکومت حباسہ بن یوسف کو مرحمت کی۔

اس کے بعد شیعانِ کتامہ نے ایک نوعمر لڑکے کو مہدی کا لقب دے کر اپنا امیر بنا لیا۔ عبیداللہ مہدی نے اپنے بیٹے[2] ابوالقاسم کو شیعانِ کتامہ کو ہوش میں لانے پر مامور کیا۔ شیعانِ کتامہ اور ابوالقاسم میں خونریز جنگ ہوئی۔ اہل کتامہ ہزیمت کھا گئے۔ نوعمر مہدی قتل کر دیا گیا۔ ابوالقاسم نے اس کے بعد اہلِ کتامہ کو بالکل پائمال کر دیا۔ ۳۰۰ھ میں اہلِ طرابلس حسن کے خون کا بدلہ لینے اٹھے ان کو بھی بزورِ تیغ زیر کیا اور تین لاکھ دینار سرخ تاوانِ جنگ وصول کیا۔

توسیع سلطنت عبیداللہ مہدی کو مصر کے لینے کی تمنا تھی۔ خانہ جنگیوں کے خاتمہ کے بعد اس نے مصر اور مغرب کے ممالک کی طرف توجہ مبذول کی۔ ابوالقاسم نے فوجیں مرتب کیں اور جنگی کشتیوں کا بیڑا درست کیا۔ اپنے بزرگ باپ مہدی سے اجازت حاصل کر کے ۳۰۱ھ میں اسکندریہ اور مصر کی طرف بڑھا۔ دو سو کشتیوں کا بیڑا براہِ دریا روانہ کیا جس کا سردار حباسہ بن یوسف تھا۔ حباسہ نے برقہ، اسکندریہ اور فیوم پر کامیابی کے ساتھ قبضہ کر لیا۔ دارالخلافت بغداد میں اس کی خبر پہنچی، خلیفہ مقتدر باللہ نے امیر سبکتگین اور

---

[1] ابن خلدون جلد نہم صفحہ ۲۸۱ [2] ایضاً

مونس خادم کو ایک عظیم الشان فوج کے ساتھ اس مہم پر روانہ کیا۔
آخر کار ان دونوں نے حباسہ کا مقابلہ کر کے اس کو نکال باہر کیا۔ ۳۰۲ھ
میں حباسہ نے دوبارہ اسکندریہ پر فوج کشی کی۔ مگر مونس نے آکر پھر اس کی سرکوبی کر
دی۔ آخرش حباسہ مغرب لوٹ آیا۔ مہدی نے جھوٹا سچا الزام لگا کر اس کو قتل کرا دیا۔
عروبہ کو بھائی کے مارے جانے سے جوشِ انتقام پیدا ہوا اُس نے کتامہ اور بربریوں
کو لے کر مہدی سے مقابلہ کرنا چاہا۔ مہدی نے اپنے خادم غالب کو اس طوفان کے
فرو کرنے پر مامور کیا۔ غالب نے عروبہ کو شکست دی اور گروہِ کثیر قتل کر ڈالا[1]

صقلیہ عروبہ کے مارے جانے کے بعد صقلیہ میں بغاوت پھوٹ نکلی۔ گورنر صقلیہ علی بن عمرو کو معزول کر کے ملک سے نکال دیا اور باشیوں نے ۳۰۴ھ میں احمد بن قہرب کو اپنا امیر منتخب کیا اور مہدی سے منحرف ہو کر مقتدر عباسی کی اطاعت کی۔ مہدی نے جنگی بیڑا بسرافسری حسن بن ابی خنزیر صقلیہ کی بغاوت فرو کرنے کو بھیجا۔ احمد بن قہرب کے بیڑے سے مڈبھیڑ ہو گئی۔ فتح یابی کا سہرا احمد بن قہرب کے سر رہا۔ حسن بن ابی خنزیر کو ہزیمت ہوئی اور وہ مارا گیا۔ اہلِ صقلیہ نے مہدی کی طاقت سے خوف کھا کر احمد بن قہرب کو پابہ زنجیر مہدی کے پاس بھیج دیا۔ اس نے حسن کی قبر پر اس کو ذبح کرا دیا اور اپنی طرف سے صقلیہ کی سند امارت علی بن محمد بن ابی فواس کو عطا کی اور ایک فوج کتامہ کے ساتھ صقلیہ روانہ کی۔ مغرب کے علاقے فراتہ، مطاطہ، ہوارہ، بلاد اباضیہ، صفریہ اور اطرافِ دار الحکومت مغرب اوسط کو ابو القاسم نے ۳۱۵ھ تک فتح کر لئے۔

فاس موسیٰ بن ابی العافیہ والیٔ فاس و مغرب نے تعلقات حکومت شیعہ سے منحرف ہو کر دولتِ امویہ اندلس سے میل کر لیا۔ مہدی نے احمد بن بصلین مکناسی کو فوج لے کر اس کی سرکوبی کو بھیجا۔ دونوں میں گھسان کی لڑائی

---

[1] ابن خلدون جلد ۹ صفحہ ۲۸۳۔

ہوئی۔ آخر کار احمد نے موسیٰ کو بزور تیغ مجبور کر کے ملک مغرب سے نکال دیا۔ اور جی کھول کر قتلِ عام کیا اور فاس کو تاراج کر کے مہدی کے پاس واپس آیا [1]۔

مہدیہ مہدی نے قیروان کے قریب ایک شہر آباد کیا اس کا نام مہدیہ رکھا۔ وہیں عبیداللہ نے مرکزِ حکومت قائم کیا۔

۳۰۷ھ میں ابوالقاسم کی ماتحتی میں مصر فتح کرنے کے لئے لشکر بھیجا۔ امیرِ مصر تکین نے جان توڑ مقابلہ کیا۔ ابوالقاسم کو واپس ہونا پڑا۔

عبیداللہ نے پچیس سال حکومت کی۔ علامہ سیوطی کا بیان ہے کہ علماء و فقہاء اسلام کو غارت کیا تاکہ خلقت کو اغواء کرنا آسان ہو جائے۔ دراصل طبیعت میں خبث تھا۔ مگر بہادر و شجاع تھا۔ البتہ اہلِ بیت کرام کی خوبیاں اس سے جاتی رہی تھیں۔ جس ابوعبداللہ حسن نے اس کو اس مرتبہ پر پہنچایا۔ اس کے ساتھ سلوک اچھا نہیں کیا [2]۔

وفات:۔ عبیداللہ نے ۳۲۲ھ میں انتقال کیا۔

ابوالقاسم محمد قائم بامر اللہ

ابوالقاسم عبیداللہ کے مرنے کے بعد تختِ خلافت مہدیہ پر بیٹھا۔ اس کی بڑی تمنا مصر کے لینے کی تھی۔ خلیفہ راضی باللہ نے محمد بن طغج کو والیٔ مصر بنا کر بھیجا اس نے وہاں جا کر احمد کیغلغ کو نکال دیا۔ وہ قائم بامر اللہ کے پاس پہنچا اور فتح مصر کے لئے آمادہ کیا۔ قائم نے ایک لشکر مصر روانہ کیا۔ ابن طغج نے مقابلہ کیا مگر اسکندریہ ہاتھ سے جاتا رہا۔

علامہ سیوطی قائم کو اعتقاداً زندیق بتاتے ہیں اور ان کا بیان ہے کہ قائم نے

---

[1] ابن خلدون جلد ۹ صفحہ ۲۸۷ [2] تاریخ الخلفاء صفحہ ۲۰۸ ۔ ۲۰۲

انبیاءؑ کو گالیاں دلوائیں۔ ہزاروں علماء کو قتل کرایا[1]

وفات قائم ۳۳۴ھ میں انتقال کر گیا۔ اس کا ولی عہد منصور باللہ اسمٰعیل تھا۔

ابویزید خارجی کا خروج ابویزید مخلد کیراد کا بیٹا تھا۔ وطن قسطیلیہ مضافات توزر) تھا۔ مشغلہ اس کا تجارت تھا۔ سوڈان آیا جایا کرتا تھا، مذہبی تعلیم اوسط درجہ کی پائی۔ نکار یہ خوارج (صفریہ) سے میل جول تھا۔ خارجی عقیدہ اختیار کیا اور تاہرت چلا گیا اور وہاں معلمی اختیار کی۔ ابوعبداللہ شیعی اپنے مسلک شیعی کی اشاعت کر رہا تھا۔ ابویزید نے اس کے مقابلے میں اپنے خارجی عقیدے کی اشاعت کرنا چاہی۔ دونوں کی بنا تبرّہ پر تھی ایک صحابہ کو مورد طعن بناتا تھا دوسرا اہل بیت کو۔ بربری جاہل قوم ابوعبداللہ کے کہنے میں آگئی۔ ابویزید نے وعظ و پند شروع کیا۔ ۳۱۶ھ میں اعلانیہ منہیات شرعیہ کے روکنے اور لوگوں کی اصلاح پر کمر باندھ لی۔ رفتہ رفتہ اس کے مقلدوں کی جماعت بڑھ گئی تو مہدی کے خلاف اس نے علم بغاوت بلند کیا۔

اس کا یہ اعتقاد تھا کہ ان مذہب والوں کا مال اور خون مباح ہے۔ چنانچہ گدھے پر سوار ہو کر نکلا کہ تاریخ المومنین کے لقب سے اپنے کو ملقب کیا۔ جس طرح عبیداللہ مہدی امیرالمومنین بن گئے۔ یہ شیخ المومنین ہو گئے۔

ابویزید نے خلیفہ اموی ناصر باللہ والی اندلس کی حکومت کی بنا ڈالی۔ بربریوں کے ایک گروہ نے اس کی اتباع کر لی۔ گورنر باغیہ نے اس سے دو دو ہاتھ کئے۔ اور منہ کی کھائی۔ ابویزید نے باغیہ پر قبضہ کر کے ۳۳۳ھ میں تبلسہ، مجانہ، اربس یہ سب علاقے اپنے تصرف میں کئے۔ اربس میں آگ لگا دی۔ جن لوگوں نے جامع مسجد میں پناہ لی وہاں بھی لشکریوں نے تیز تلواروں کے گھاٹ اتار دیا۔ یہاں

---

[1] تاریخ الخلفاء صفحہ ۲۰۸ و ۲۱۲۔

سے فارغ ہو کر "شیبہ" گیا اور اس کو فتح کر لیا۔ پھر باجہ کی طرف متوجہ ہوا اس کو بھی قبضہ میں لایا اور ایک شخص کو معہ فوج کے قیروان بھیجا۔ آخر کار خود بھی قیروان گیا اور اس کو بھی تاخت و تاراج کیا۔

پھر سوجہ گیا وہاں کی بستی کو تباہ و برباد کیا۔ باشندے مہدیہ آئے۔ یہاں سے کتامہ اور بربری فوج بھیجی گئی اس کو بھی شکست دی اور باب مہدیہ تک ابویزید آ گیا۔ اس کے پاس بربر، نعوسہ، زاب مغرب کے لوگ آ گئے۔ مگر کچھ دن بعد اس سے باغی ہو گئے۔ یہ ۳۳۴ھ میں قیروان لوٹ گیا۔ قائم بامراللہ نے فوج بھیجی۔ جس نے سوسہ میں مقیم ہو کر ابویزید سے مقابلہ کیا۔ یزید نے سوسہ کا سخت محاصرہ کر لیا۔ اس زمانہ میں قائم فوت ہو گیا۔ منصور تخت نشین ہوا۔ ابویزید کے بیٹے فضل نے سر اٹھایا۔ منصور نے اس کا خاتمہ کر دیا۔

صقلیہ ۳۳۹ھ میں منصور نے خلیل بن اسحاق والی صقلیہ کو معزول کر کے حسین بن علی بن ابوالحسن کلبیہ کو صوبہ صقلیہ کا گورنر کیا۔ چنانچہ ابن حسین کلبیہ نے استقلال کے ساتھ اپنی حکومت و سلطنت کی صقلیہ میں بنیاد ڈالی۔ [1]



[1] ابن خلدون کتاب ثانی جلد نہم صفحہ ۳۰۱۔

ابوالغنائم حسن بن علی بن ابی الحسن کلبی

بانیٔ دولت کلبیہ صقلیہ

ابوالغنائم ایک معزز قبیلہ بنو کلب کا ممتاز رکن تھا۔ نہایت شجاع اور ذکی و فہیم تھا۔ ابو تریدکے معرکہ میں پیش پیش رہا جس کی وجہ سے منصور کا مقرب ہو گیا۔ صقلیہ پر قبضہ کرنے کے بعد وہاں کی جملہ شورشیں ختم کیں اور رعایا کے لئے اس نے بہتر سے بہتر کام کئے جس کی وجہ سے ہر دل عزیز ہو گیا۔ اس نے اٹلی کی طرف توجّہ کی۔ مگر اتفاقیہ قیصر روم نے جنگی بیڑہ صقلیہ پر حملہ کرنے کے لئے بھیجا۔ ابوالغنائم نے مقابلہ کے لئے انتظام کیا اور منصور کو اطلاع دی۔

اس نے فرح صقلبی کی سرکردگی میں بحری فوج بھیج دی۔ مگر قیصر کا بیڑا راہ میں تھا۔ ابوالغنائم نے خود پہل کی، ریو پہنچا۔ یہاں اسلامی آبادی تھی اس کو فوجی مرکز بنا کر قلوریہ کے مختلف شہروں پر فوجیں روانہ کیں۔ خود عظیم الشان لشکر لے کر جراجہ پہنچا۔ یہ ریو سے شمال مشرق میں چونتیس میل پر تھا۔ ابوالغنائم حسن نے محاصرہ کر لیا۔ جراجہ والے گھبرا گئے۔ متعینہ رقم پر صلح کر لی۔ رومی لشکر نے سُنا تو فرار ہو گیا۔ اس نے صوبہ قلوریہ کے مختلف شہروں کو تاخت و تاراج کیا۔ قلعہ قسانہ کے لوگوں سے معقول رقم پر صلح کر لی۔

منصور کا حکم پہنچا کہ قلوریہ پر حملہ کر دیا جائے۔ چنانچہ ۳۴۰ھ میں حسن مسینا سے روانہ ہوا۔ جراجہ پر بر نطی لشکر پہنچ چکا تھا۔ حسن نے اس طرف رُخ کیا۔ وہاں عیسائی حکمران سرو غوس کی معیت میں اور بزنطی لشکر بحری قائد ملجان کی سرکردگی میں موجود تھا۔ ہر دو مقابل ہوئے۔ معرکہ کارزار گرم ہوا۔ عیسائی شکست کھا گئے۔

مال واسباب مسلمانوں کے ہاتھ لگا۔ پھر حسن نے ترملی اور ربطروقہ پر حملہ کر کے قبضہ کیا اور امیر البحر بنرنطی کو گرفتار کیا جس کو سُولی دی گئی [1]

حسن پھر جراجہ کی طرف متوجہ ہوا۔ ۳۴۱ھ میں سخت محاصرہ کیا۔ شہنشاہ قسطنطین مفتم یا فیروجنیٹس نے اصروبلس راہب کو نمائندہ بنا کر حسن کے پاس بھیجا جس نے مشرقی روم کے فرماں روا کی طرف سے ایک عارضی صلح کی درخواست پیش کی جو منظور ہوئی۔

حسن نے ریو میں مسجد تعمیر کی۔ اس کے بعد صقلیہ لوٹ گیا۔

منصور انتقال کر گیا۔ معد المعز لدین اللہ تخت نشین ہوا تو ابوالغنائم اپنے بیٹے حسن کو جانشین کر کے افریقہ پہنچا اور المعز سے ۳۴۳ھ میں اپنے بیٹے احمد کے نام فرمان ولایت صقلیہ بھجوادیا [2] اور المعز کے پاس رہ کر بڑی فتوحات کیں۔ ۱۸ ذی قعد ۳۵۳ھ میں انتقال کر گیا۔

---

[1] ابن اثیر جلد ۸ صفحہ ۳۵۶

[2] امرائے صقلیہ :-

(نوٹ) ابوالحسن احمد بن حسن کلبی $\frac{۳۴۳}{۹۵۴}$ھ ، $\frac{۳۵۸}{۹۶۸}$ھ -

یعیش غلام ابوالغنائم حسن کلبی ۳۵۸ - ۳۵۹

ابوالحسن احمد بن حسن کلبی (دوسری مرتبہ) ۳۵۹ - طرابلس الشام میں ۳۵۹ھ میں فوت ہوا۔

ابوالقاسم بن حسن کلبی ۳۶۰ - ۳۷۲

جابر بن ابوالقاسم کلبی ۳۷۲ - ۳۷۳

جعفر بن محمد کلبی ۳۷۳ - ۳۷۵ جابر بن ابوالقاسم کا چچازاد بھائی -

عبداللہ بن محمد کلبی ۳۷۵ - ۳۷۹

ثقۃ الدولہ ابوالفتوح یوسف بن عبداللہ کلبی ۳۷۹ - ۳۸۸

تاج الدولہ سیف الملۃ جعفر بن ثقۃ الدولہ کلبی ۳۸۸ - ۴۱۰

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

ابوطاہر اسمٰعیل بن ابی القاسم المنصور بنصر اللہ فاطمی

اسمٰعیل المنصور بتیس ۳۲ برس کی عمر میں تختِ حکومت پر بیٹھا۔ اُس نے جس پُر آشوب زمانہ میں عنانِ حکومت ہاتھ میں لی اس وقت دولتِ فاطمیہ موت و زیست کی کشمکش میں مبتلا تھی۔ اس لئے سریر آرائے حکومت ہوتے وقت ابو یزید خارجی سوسہ پر محاصرہ کئے ہوئے تھا۔ منصور نے واقعات کی نزاکت دیکھ کر ابو یزید خارجی کے مقابلہ کی تیاری کر دی۔ چنانچہ اس نے چند بیڑے جہازات کے مہدیہ سے سوسہ روانہ کئے جس پر سامانِ جنگ فوجیں اور غلہ بھرا ہُوا تھا۔ بیڑہ کا سردار رشیق کاتب اور یعقوب بن اسحاق تھا۔ اس بیڑہ کی روانگی کے بعد خود بھی تھوڑی سی فوج لے کر روانہ ہُوا مگر اراکینِ سلطنت نے مشورہ دیا کہ آپ مہدیہ میں رہیں تو مناسب ہے چنانچہ منصور مہدیہ لوٹ آیا۔

جنگی بیڑہ سوسہ کے ساحل پر لنگر انداز ہُوا اور فوجیں ابو یزید کے مقابل آگئیں سخت معرکہ رہا۔ ابو یزید کو کامل شکست کا منہ دیکھنا پڑا اور اُس نے راہِ فرار اختیار کی۔ اس کا لشکر گاہ لُوٹ لیا گیا اور جلا ڈالا گیا۔ ابو یزید قیروان پہنچا۔ یہاں کے لوگوں نے اس کے گورنر کو مار کر نکال دیا۔ وہ آکر اس سے مل کر اپنی ناکامی پر روتے

(بقیہ حاشیہ صـــــ سے آگے) تائید الدولہ احمد الکحل بن ثقۃ الدولہ یوسف ۴۱۰-۴۲۷ھ

صمصام الدولہ حسین بن ثقۃ الدولہ یوسف ۴۲۷-۴۳۱ھ - دولت کلبیہ کا آخری امیر تھا۔

۳۳۶ھ سے ۴۳۱ھ تک کلبیہ امراء چھیانوے برس صقلیہ پر حکمران رہے۔ اپنے دور فرمانروائی میں کلبیین نے صقلیہ کو تمدن کی جلہ نیرنگیوں سے آراستہ کیا۔

(ابن اثیر و ابو الفداء و ابن خلدون)

رہے۔ شوال ۳۳۴ھ میں ابویزید سبیبہ چلا گیا۔

منصور قیروان آیا اور اہلِ قیروان کو امان دی اور اپنے دامنِ عاطفت سے ان کے آنسو پونچھے۔ ابویزید کے اہل وعیال قیروان میں تھے۔ منصور نے اپنی بے نظیر فیاضی و مردانگی سے ان کی حفاظت ونگرانی کی اور ان کی گزران کے لیے وظائف مقرر کئے۔ پھر ابویزید مقابل آیا مگر ناکام رہا۔ اس نے اپنے بال بچوں کو منصور سے مانگا۔ منصور نے اس کے پاس بھیج دیا۔ اس کے بعد پھر فوج لے کر آیا مگر شکست کھا گیا اور جبال کتامہ اور عجیبنہ میں قلعہ بند ہو گیا۔ منصور نے وہاں تک اس کا پیچھا نہ چھوڑا۔ آخر کار منصور نے قلعہ کو فتح کر لیا۔ ابویزید زخمی ہوا اور محرم ۳۳۶ھ میں انتقال کر گیا۔

اس مہم سے فارغ ہو کر منصور نے قیروان اور مہدیہ کی جانب مراجعت کی۔

مصر پر فوج کشی

منصور نے بھی مصر کی تسخیر کی طرف توجہ کی۔ وجہ یہ تھی کہ مصر فوجی اور سیاسی دونوں لحاظ سے نہایت اہم مقام تھا۔ مصر کے فرمانروا کا دائرۂ حکومت شام اور حجاز تک وسیع تھا اس لئے مصر پر تسلط قائم کرنے کا مفہوم شام و حجاز پر قبضہ تھا۔ چنانچہ منصور نے مصر کو فتح کرنے کے لئے فوجی مہم بھیجی مگر ناکامی ہوئی۔ منصور کا زمانہ زیادہ خوشگوار نظر نہیں آتا۔ وہ اپنے باپ کے قدم بقدم چلا۔ البتہ بقول علامہ سیوطی اس کے زمانہ میں شراب و زنا کی ترویج زیادہ ہوئی[1]

وفات

آخر کار منصور ۳۴۱ھ میں فوت ہوا۔

[1] تاریخ الخلفاء صفحہ ۲۱۲۔

ابوتمیم معد معز لدین اللہ فاطمی

ابوتمیم معد معز لدین اللہ بن منصور باللہ اسمٰعیل ۱۱ رمضان ۳۱۹ھ کو مہدیہ میں پیدا ہوا اور منصور کے مرنے کے بعد مہدیہ میں تخت نشین ہوا۔[1] معزالدین اللہ اپنا لقب اختیار کیا۔ دائرۂ حکومت برقہ سے مراقش اور مالٹہ، سارڈینیا، صقلیہ نیز اکثر جزائر بحر متوسط پر قبضہ ہو چکا تھا۔

فتوحات

معز نے عنانِ حکومت ہاتھ میں لیتے ہی فتوحات کی طرف توجہ کی ۳۴۲ھ میں معز نے کوہ پر فوج کشی کی۔ اہلِ ہوارہ، بنوکملان زیر ہو گئے اور امان مانگی۔ معز نے درخواست منظور کی اور بعزت و احترام پیش آیا۔ اور انعامات سے نوازا۔ پھر معز قیروان آ گیا اور اپنے خادم قیصر کو فوج کی سرداری دے کر باغایہ کی سندِ حکومت اس کو عطا کی۔ اس نے تمام بربریوں پر حملہ بول دیا۔ سب خوف کھا کر علمِ حکومت کے زیرِ سایہ آ گئے۔ معز نے مال و دولت سے ان کی تالیفِ قلوب کی جاگیریں دیں۔ اس زمانہ میں محمد بن خزر والیٔ مقراوہ وفد لیکر آیا۔ معز نے اس کو محل سرائے میں ٹھہرایا۔ وہ ۳۴۸ھ میں یہیں فوت ہوا۔[2]

وقائع

۳۴۳ھ میں معز نے ہری بن مناد (امیر صنہاجہ) کو بلا بھیجا۔ تھوڑے دنوں بعد وہ آیا اس کو دولت سے مالا مال کیا۔ وہ واپس چلا گیا۔

۳۴۴ھ میں حسین بن علی گورنر صقلیہ کو معز نے لکھا تم جنگی بیڑہ لے کر جاؤ اور ساحل مریہ بلاد اندلس پر حملہ کر دو۔ چنانچہ اس نے ایسا ہی کیا اور کامرانی کے ساتھ معہ مال و اسباب کے لوٹا۔ اس کے جواب میں ناصر والیٔ اندلس نے جنگی جہازات

---

1. تاریخ الکامل جلد ۸ صفحہ ۳۶۲ ۔ مطبوعہ مصر ۔
2. تاریخ ابن خلدون جلد ۹ صفحہ ۳۰۲ ۔

کا بیڑا اپنے خادم غالب کی ماتحتی میں سواحل افریقہ کی جانب روانہ کیا۔ معز کی فوج نے اندلسی فوج کو خشکی پر اترنے نہ دیا اور نہایت ناکامی کے ساتھ والیٔ اندلس کے بیڑے کو واپس کیا۔ مگر پھر ۳۴۴ھ میں جنرل غالب آیا اور اس نے نخزد کے دار الحکومت کو جلا کر خاک سیاہ کر دیا حتیٰ کہ سوسہ اور طبریہ بھی اندلسی فوج کے ہاتھوں تاخت و تاراج ہوئے۔ معز نے تازہ دم فوج بھیجی اور اندلسی افواج کا بڑھتا ہوا قدم روک دیا اور وہ واپس چلی گئیں۔ ہر دو افواج مسلمان تھیں۔

تقرری عمال

صوبہ ایفکان اور تاہرت کی گورنری پر یعلی بن محمد یفرنی کو مامور کیا۔ صوبہ اشیر کی حکومت پر زہری بن مناد صنہاجی، مسیلہ کے صوبہ پر جعفر بن علی اندلسی کو اور باغایہ کے صوبہ پر قیصر صقلی کو برقرار رکھا۔ فاس کی حکومت پر احمد بن بکر بن ابی سہل حذامی اور سجلماسہ کی گورنری پر محمد بن واسول مکناسی کو مقرر کیا۔

فاس کی فتح

فاس کی زمام حکومت احمد بن بکر ابی سہل حذامی کے قبضہ اقتدار میں تھی۔ معز نے جوہر کو فتح کرنے بھیجا اس نے محاصرہ کر لیا۔ مگر کچھ سمجھ کر سجلماسہ لوٹ آیا اور ۳۴۸ھ میں بزور تیغ فاس کو فتح کر لیا۔ ہزارہا مسلمان جوہر کی تلوار کے گھاٹ اترے اور احمد گرفتار ہوا۔ عمال بنی امیہ نکال باہر کئے گئے۔ صوبہ تاہرات کو زہری بن مناد کے صوبے سے ملحق کر دیا۔ پھر مظفر و منصور جوہر قیروان آیا اور احمد بن بکر کو آہنی پنجرے میں قید کئے ہوئے منصورہ میں داخل ہوا۔

۳۴۹ھ میں قیصر و مظفر کو جو معز کے منہ لگے تھے ان کو جوہر نے مروا ڈالا۔

کریٹ پر عیسائیوں کا حملہ

حکم بن ہشام والیٔ اندلس کی طرف سے کریٹ (اقریطش) میں ایک امیر رہتا تھا۔ یہاں عبداللہ بن طاہر کے ظلم کے شکار اسکندری مسلمان آباد ہو گئے تھے۔ ۳۵۰ھ میں عیسائیوں نے سات سو جنگی کشتیوں کا بیڑہ تیار کر کے چڑھائی کی اور

ہزار ہا مسلمانوں کو بھیڑ بکری کی طرح ذبح کر ڈالا۔ بے شمار مسلمان قید کر کے لے گئے۔[1] معز کو خبر لگی لیکن اُس کے کان پر جُوں تک نہ رینگی۔ اگر وہ چاہتا تو بحری فوج بھیج کر مسلمانوں کو بچا سکتا تھا۔

معزیہ | ۳۵۱ھ میں والی صقلیہ نے قلعہ طرمین قبضہ میں کیا اور اس کا نام معز لدین اللہ کے نام پر "معزیہ" رکھا۔

والی صقلیہ احمد بن حسن بن علی بن حسن نے رمطہ پر چڑھائی کر دی۔ شاہِ قسطنطنیہ نے والی قلعہ رمطہ کی کمک کے لئے بحری بیڑہ بھیجا۔ والی صقلیہ نے معز کو لکھا اس نے ایک عظیم الشان لشکر اپنے بیٹے حسن فاطمی کی افسری میں بھیجا جو والی صقلیہ کے پاس پہنچا۔ پھر تو اس عسکر اسلامی نے رومیوں کے لشکر کے مُنہ پھیر دیئے اور جی کھول کر ان کی مزاج پرسی کی۔ حسن بن عمار امیر عسکر تھا۔ کامرانی کے ساتھ قلعہ پر قابض ہو گیا۔ امیر احمد بن حسن نے خداداد کامیابی پر عساکر اسلامیہ کو بلاد روم میں پھیلا دیا جنھوں نے بلاد روم کی پامالی اور غارت گری میں انتقاماً کوئی دقیقہ فروگزاشت نہ کیا۔ آخر ش والی روم نے جزیہ دینا منظور کیا اور ۳۵۲ھ میں باہم مصالحت ہو گئی۔[2]

مصر کی فتح | معز لدین اللہ نے ان فتوحات اور کامرانیوں کے بعد مصر کی طرف توجّہ کی۔ اس نے جوہر کو جو عبداللہ حسن شیعی کے ساتھ بھی رہ کر فاس اور سجلماسہ وغیرہ فتوحات سے بڑی عظمت حاصل کر چکا تھا۔ خلعت شاہانہ سے سرفراز کیا۔ ایک لاکھ سوار اور بے شمار مال و متاع اور ساز و سامان دے کر ۳۵۲ھ میں مصر روانہ کیا۔ خود معز معہ شہزادوں اور امراء کے مشائعت کے لئے فوج کے ہمراہ نکلا اور جوہر کو سواری پر سوار کرا کے رخصت کیا۔

مصر میں کافور کے بعد اخشید کا پوتا احمد امیر تھا جس کا سن صرف گیارہ

---

[1] ابن خلدون جلد ۹ کتاب ثانی صفحہ ۲۰۵ [2] ایضاً صفحہ ۲۰۶

سال کا تھا۔ شامیوں نے اس کو امیر نہیں مانا اور حسن اخشیدی کے ہاتھ پر بیعت کی۔ قرامطہ نے شام پر حملہ کیا اور حسن کو شکست دی۔ حسن مصر بھاگ آیا کہ احمد سے امارت چھین لے۔

ادھر اہلِ مصر قحط میں مبتلا تھے۔ چھ لاکھ آدمی مر چکے تھے، مقابلہ کی ان میں طاقت نہ تھی۔ انہوں نے یہ مناسب سمجھا کہ دولتِ فاطمیہ سے تعلق پیدا کیا جائے۔ ارکینِ سلطنت نے خلیفہ معز لدین اللہ کو قبضۂ مصر کی دعوت دی۔ چنانچہ ۳۵۸ھ میں جوہر صقلی مصر میں داخل ہوا[1] امراء، وزراء اور علماء و قضاۃ نے فسطاط کے دروازہ پر جوہر کا استقبال کیا۔ جمعہ کے دن اس نے جامع عمرو بن عاص میں فاطمی کے نام کا خطبہ پڑھا اور عباسی شعار کے بجائے فاطمی سفید شعار مقرر کئے اور اذان میں حی علیٰ خیر العمل پکارنے کا حکم دیا۔

قاہرہ ۳۵۹ھ میں جوہر نے بغداد کے نقشہ پر قاہرہ کی داغ بیل ڈالی[2] وسط میں خلیفہ کے لئے دو عظیم الشان محل تعمیر کرائے اور جامع الازہر کی بنیاد رکھی۔

جب مصر پر کامل تسلّط ہو گیا تو جعفر بن فلاح کتامی کو فوج دے کر شام کی طرف بھیجا۔ اس نے وہاں قبضہ کر کے سب سے فاطمیوں کی بیعت لی، جس نے انکار کیا اس کی توبیخ کی گئی۔

ان کارگزاریوں کے بعد جوہر نے معز کو مصر آنے کی دعوت دی۔ وہ ۵ صفر ۳۶۲ھ کو مہدیہ سے روانہ ہُوا اور ۲۴ شعبان کو اسکندریہ میں داخل ہُوا۔ جملہ عمائدینِ شہر نے پرتپاک خیر مقدم کیا۔ مجمع کے سامنے طویل تقریر کی:-

"ہم کو مصر کے قبضہ سے زیادتی مال یا توسیع ملک مقصود نہیں بلکہ اقامت حق اور جہادِ فی سبیل اللہ مدِنظر ہے۔"

---

[1] دائرۃ المعارف جلد ۱۷ صفحہ ۸۲ [2] خطط مقریزی جلد ۱ صفحہ ۶۸

معز لدین اللہ اسکندریہ سے جیزہ آیا۔ یہاں پہلے سے جوہر صقلی معہ فوج کے موجود تھا اس نے سلامی دی۔ ۵۔ رمضان کو معز قاہرہ میں داخل ہُوا اور قصرِ کبیر میں ایک عام جشن کیا۔ تمام عمائد شہر شریک ہوئے اور معز کو مبارک باد دی گئی۔ اس کے بعد سے قاہرہ ہی دارالحکومت قرار دیا گیا۔

قرامطہ کا حملہ ۳۶۳ھ میں قرامطہ نے حسن بن احمد کی قیادت میں مصر پر حملہ بول دیا۔ معز نے لکھا کہ تم ہماری ہی دعوت کو لے کر اٹھے۔ اب جب اللہ تعالیٰ نے اس مقصد کو پورا کیا اور اہلِ بیت کو خلافت مل گئی تو بجائے حمایت کے مخالفت پر کیوں کمر باندھی ہے۔ مگر قرامطہ نے اس کو اہلبیت سے ہی نہ گردانا اور جنگ کے لئے آگے بڑھا۔ جس کا ارادہ یہ تھا کہ اس نئی حکومت کو ختم کر کے اپنی بادشاہی قائم کرے۔ معز قرامطہ کی طاقت اور قوت سے خوفزدہ ہُوا۔ وزیروں سے مشورہ کیا۔ طے یہ ہُوا کہ حسّان بن جراح عربی رئیس شام جو قرامطہ کے ساتھ تھا اس کے ساتھ جمعیت بھی کافی تھی اس کو ایک لاکھ دینار دے کر توڑ لیا جائے۔ چنانچہ جب ہر دو افواج مقابل ہوئیں حسان نے وقت پر قرامطہ سے علیحدگی اختیار کر لی حسن کو شکستِ فاش ہوئی۔ ابو محمد ابراہیم نے تعاقب میں جا کر قرامطہ کا قتلِ عام کیا اور ڈیڑھ ہزار افراد گرفتار کر لایا جن کو معز کے آگے قتل کر دیا گیا۔

خلافتِ فاطمیہ کے قیام سے عباسی خلفاء کے لئے بے حد خلفشار تھا اور عوام کی توجہ اس طرف بڑھ رہی تھی۔ انہوں نے علماء و اعیان و سادات سے ایک دستخطی محضر تیار کرایا کہ یہ لوگ فاطمی نہیں ہیں اور اس کی اس قدر شہرت کی گئی کہ معز قاہرہ میں داخل ہُوا تو سرکردہ سادات عبداللہ بن طبا طبا نے معز سے اس کے نسب کی بابت سوال کیا۔ بولا کہ مَیں مجلسِ عام میں جواب دوں گا۔ جب مجلس منعقد ہوئی جملہ سادات و اشراف جمع ہوئے۔ اس وقت معز نے اپنی تلوار کھینچ لی اور کہا کہ یہ میرا نسب ہے اور اشرفیوں کے توڑے سب کے سامنے ڈال دیئے اور

کہا کہ لو یہ میرا حسب ہے۔ اہلِ مجلس نے متفقہ کہا کہ ہم آپ کے خادم ہیں۔
عبیداللہ مہدی کے نسب میں بہت اختلاف ہے۔ بعض مورخ ابن خلدون جیسے حضرات ان کو بنی فاطمہ کہتے ہیں[1] اور علامہ سیوطی جیسے لوگ ان کو مجوسی النسل قرار دیتے ہیں[2] واللہ اعلم بالصواب۔

دمشق پر قبضہ مصر کے بعد دمشق پر بھی دولت بنو فاطمہ کا قبضہ ہو گیا۔

وزارت ابوالفضل جعفر بن فرات وزارتِ عظمیٰ پر مامور تھا۔ یہ اخشیدیوں کے زمانے میں رہا۔ نہایت پکا سُنی مسلمان تھا۔ معزالدین نے اسے ہٹانا مصلحت کے خلاف سمجھا لیکن اندرونی طور سے اختیارات سلب کر رکھے تھے۔ آخر میں صرف نام کا وزیر رہ گیا تھا[3] ادھر جوہر صقلی نے اس کی کڑی نگرانی کی۔ یہ مستعفی ہو گیا۔

دیوانِ خراج معز نے یعقوب بن کلس کو دیوانِ خراج (احتساب) مقرر کیا۔ ساحلوں کا نظم و نسق، اوقاف، انتظام، میراث، سب یعقوب کے سپرد تھے۔ ابن کلس نے اپنا معتمد علیہ ابن فرات کو بنایا۔ خراج کے افسروں کا محاسبہ اس کے سپرد تھا[4]

افسرِ پولیس علوج بن حسن کو افسرِ پولیس کیا۔

عہدۂ کتابت معزالدین نے ۳۶۱ھ میں جوہر صقلی کو اپنا کاتب مقرر کیا۔ معز نے اس عہدہ کو وزارت کے ہم پایہ بنا دیا تھا۔
جوہر جہاں صاحبِ سیف تھا وہاں اہلِ قلم بھی تھا۔ بلند پایہ ادیب، اس کے علاوہ

---

[1] تاریخ ابن خلدون جلد نہم   [2] تاریخ الخلفاء   [3] مقریزی جلد اول و ابن خلکان جلد ۱ صفحہ ۱۹۱
[4] مسلمانوں کا نظمِ مملکت۔

شجاع، بہادر اور سیرت کی پاکیزگی میں اس کی نظیر شیعوں میں ملنا دشوار تھی۔ اس کو صاحب الواسطہ سے بھی خطاب کیا جاتا تھا۔ مگر اس کو شیعیت میں غلو ضرور تھا جو جنون کی حد تک پہنچ گیا تھا۔

صاحب قلم الدقیق صاحب قلم الدقیق کا عہدہ ہم رتبہ فارن سیکرٹری کے تھا۔ ڈیڑھ سو دینار تنخواہ ہوتی تھی۔ عدالت عظمیٰ اور فوجداری کے معاملات اس کے سپرد تھے۔

صاحب قلم الجلیل صاحب قلم الدقیق کے برابر رتبہ ہوتا اور محافظ کاغذات اور خلیفہ کے سامنے کاغذات کا پیش کرنا اس کے ذمہ ہوتا تھا۔

جوہر جوہر صقلی معزالدین پر چھا گیا تھا اس نے تسخیر مصر کے بعد تھوڑے عرصہ میں بڑے بڑے عہدوں پر سُنیوں کے بجائے مغرب کے شیعوں کو مقرر کر دیا۔ اس کے سوا اس نے اپنی سیاست کو عمل میں لانے کے لئے سُنی مذہب کے تمام آثار مٹا دیئے خواہ وہ مذہبی تھے یا ان کا تعلق تمدن و تہذیب سے تھا سنیوں کو وہ دشمنانِ اسلام خیال کرتا تھا۔[1]

جوہر بلاد مصر پر خلیفہ فاطمی کے قائم مقام کی حیثیت سے حکومت کرتا تھا۔ معزالدین زیادہ عقیل اور دانا تھا جوہر کی کٹھ پتلی بنا ہوا تھا۔ کیونکہ جوہر صقلی نے ہی حکومت فاطمی کو مضبوط بنایا۔

شیعہ مذہب کی اشاعت جوہر کا بڑا کارنامہ یہ ہے کہ اس نے شیعیت کی ترویج میں سعی بلیغ کی۔ کہیں لالچ دے کر شیعہ کیا کہیں جبر سے کام لیا۔

جوہر نے حکومت کے تمام عہدے داروں پر لازمی قرار دیا تھا کہ وہ مذہب

---

[1] جوہر صقلی علی ابراہیم حسن صفحہ ۳، (مسلمانوں کا نظم مملکت ص۲۰۷)

شیعہ کے احکام پر عملدر آمد کریں جو حکومت کا مذہب ہے۔ اس حکمتِ عملی سے مصر کے سُنی عہدہ داروں میں شیعہ مذہب کی اشاعت ہوئی۔ وہ جبر و استبداد کے خطرہ یا اعلیٰ عہدوں کی امید میں شیعہ بن گئے۔ یہی حال یہودیوں اور عیسائیوں اور دوسرے غیر مسلموں کا تھا۔ [1]

نظامِ سلطنت

۳۶۳ھ میں حکومت کے نظم و نسق میں چند تبدیلیاں کیں۔ پولیس کا ایک اور محکمہ قاہرہ منتقل کر دیا گیا۔ پولیس کا افسرِ اعلیٰ جبیر کو مقرر کیا۔ قاہرہ میں عروہ بن ابراہیم اور شبل معرض مقرر کئے گئے۔

خطیب معز نے جامع عمرو بن عاص کی خطابت کا منصب بنی عبد السمیع سے لے کر جعفر بن حسن شیعی کو دیا۔ بنی عبد السمیع کا خاندان چونسٹھ سال سے اس خطابت پر مامور تھا۔ ۳۷۹ھ میں خلیفہ نے جامع الازہر کا خطیب اپنے بھائی کو مقرر کیا۔

مالیات افسر مالیات محمد بن حسین بن مہذب شیعی مقرر ہوا۔ اس دور میں شیعوں کے قبضہ میں تمام اہم محکمے تھے۔ ان میں محکمہ مال اور وزارت عدالت اور احتساب خاص طور سے قابلِ ذکر ہیں۔

فاطمیوں کے عہد میں متعدد دفاتر و دواوین تھے جو علیحدہ علیحدہ افسروں کے ماتحت تھے۔ یہ افسر بہت بڑے عہدے دار خیال کئے جاتے تھے ان میں قابلِ ذکر یہ تھے:۔

فوجی دفتر فوجی دفتر کا افسر، جس کے سامنے فوجیں اور گھوڑے وغیرہ پیش کئے جاتے تھے۔

---

[1] مسلمانوں کا نظمِ مملکت ص ۲۰۹۔

دفترِ فوجی لباس فوجوں کی وردیوں وغیرہ کا انتظام اس کا سپرد تھا افسر دیوانی، افسرِ اوقاف، افسرِ مشاہرہ، یہ محکمہ تنخواہوں کو تقسیم کرتا اور ملازموں کی تنخواہوں، کارگزاریوں کی سالانہ رپورٹ مرتب کرتا تھا۔ یہ رپورٹ خلیفہ کے سامنے پیش کی جاتی تھی[1]

پروفیسر علی ابراہیم حسن ایم اے "النظم الاسلامیہ" میں لکھتے ہیں :-

"فاطمی عہد کے بڑے بڑے عہدہ داروں میں "صاحب الباب" (شاہی دربان) "حامل مظلۃ الخلیفۃ" (چھتری بردار) "صاحب رسالہ" خلیفہ کے خطوط وزیر اور دوسرے اعلیٰ عہدے داروں کو پہنچاتا تھا۔ "افسر مالیات" عہدِ حاضر کا وزیر مالیات اور "حامل دوات خلیفہ" تھے۔

مذہبی اعلیٰ عہدے داروں میں قابلِ ذکر یہ تھے :-

قاضی القضاۃ اس کا فرض احکام شریعت کا تحفظ اور سکہ کی نگرانی بھی تھا۔ پہلے سُنّی ابوطاہر محمد بن احمد تھا مگر اس کے ساتھ ابوسعید عبداللہ بن محمد بن ابی ثوبان شیعی کو مقرر کیا۔ بعد میں ابوسعید مستقل ہو گیا۔

قضاۃ کے حالات نعمان بن محمد بن منصور بن احمد بن جیون، زمانہ حکومت معز لدین اللہ علوی میں قیروان کا قاضی تھا۔ جب معز مصر میں آیا تو نعمان بھی اس کے رکاب میں تھا۔ مصر میں پہنچ کر معز لدین اللہ نے نعمان کو عہدۂ قضا مرحمت کیا تا آنکہ اس نے اسی عہدہ پر وفات پائی۔ بجائے اس کے اس کا بیٹا علی مامور ہوا ۳۷۴ھ میں یہ بھی مر گیا تو عزیز نے اس کے بھائی ابوعبداللہ محمد کو عہدۂ قضا پر مامور کیا۔ خلعت دیا اور اپنے ہاتھ سے اس

---

[1] الخطط جلد ۲ صفحہ ۹۹ (مسلمانوں کا نظم مملکت صـ ۲۰۹)

کی کمر میں تلوار حمائل کی۔

معز نے اس کے باپ سے اسی محمد کو مصر میں عہدۂ قضا دینے کا وعدہ کیا تھا۔ ۳۸۹ھ عہد خلافتِ حاکم میں اس نے بھی وفات پائی۔

یہ شخص بہت بڑا جلیل القدر، کثیرالاحسان اور عدالت و افتاء میں بیحد محتاط تھا۔ اس کا زمانۂ قضا خلائق کے لئے رحمتِ الٰہی کا ایک نمونہ تھا۔

داعی الدعاۃ | قاضی القضاۃ کے قریب ہم رتبہ ہوتا تھا۔ اس کا منصبی فرض مساجد و مدارس میں فاطمیوں کی دعوت و تبلیغ کرنا تھا۔

محتسب | محتسب کا فرض بازاروں کی نگرانی کرنا تھا۔ اس کے علاوہ قوانین بیع و شرا کی پابندی کرانا تھا۔ پیمانوں اور وزنوں کی جانچ کرنا بھی تھا۔ محتسب قرضوں کو وصول کرتا تھا اور قیامِ امن کے لئے مناسب تدابیر اور کارروائیاں عمل میں لاتا تھا۔ محتسب کا انتخاب عموماً ممتاز مسلمانوں اور سربرآوردہ لوگوں میں سے کیا جاتا۔ اس کی تنخواہ تیس دینار ہوتی تھی۔ ۳۶۳ھ میں قاضی علی بن نعمان شبلی کو مقرر کیا۔

نائب صاحب الباب | سفراء کے استقبال اور اُن کے قیام و طعام کا انتظام بھی اس کے سپرد تھا۔

قراء الحضرۃ | ایک جماعت قاریوں کی تھی جن کو حکومت سے تنخواہ ملتی تھی جن کا کام یہ تھا کہ وہ مجلس اور جلوس کے وقت خلیفہ کے سامنے قرآن مجید کی تلاوت کریں۔

افسر خراج | علی بن یحیی اخشیدیوں کے عہد میں افسر خراج تھا۔ جوہر نے رجا بن صولاب کو مقرر کر دیا۔ پھر اس کی جگہ یعقوب بن کلس مقرر ہوا جیسا کہ اوپر ذکر کیا جا چکا ہے۔

خراج | جوہر صقلی نے پہلے سال ۳۰۴۰۰۰۰ دینار خراج ملک مصر سے وصول کیا۔

مزروعہ رقبۂ مصر معزالدین کے عہد میں مصر کا مزروعہ رقبہ ۲۸۵۷۱۴ فدان تھا۔

جدید انتظام ٹیکس معز کے زمانے میں یعقوب بن کلس نے ٹیکس کا جدید نظام مرتب کیا۔ ان دونوں نے پیداوار کی مختلف اقسام کا جائزہ لیا۔ اس کے بعد نظام ٹیکس کا ایک جدید خاکہ بنایا۔ ترتیب کے وقت مختلف دوروں کے ٹیکس بھی ان کے پیش نظر تھے۔

حکومت نے اس خاکہ پر عمل کرنے کی پوری کوشش کی۔ اس کا بہت اچھا اثر پڑا اور پیداوار میں اس وجہ سے معتدبہ اضافہ ہو گیا[۱]

افواج فاطمیہ حسن عبیداللہ شیعی نے عباسیوں کے مقابلہ میں فاطمی خلافت کی دعوت مغرب میں شروع کی۔ کتامہ صنہاجہ، ہوارہ قبائل نے ساتھ دیا اور ان کی جان بازی سے عبیداللہ مہدی خلیفہ بنے۔

۲۹۷ھ میں مہدی نے تمام امراء اور ارکین دولت انہی میں سے منتخب کئے۔ منصور اور معز کا بھی یہی رنگ رہا۔ بربریوں ہی کی بدولت جوہر صقلی نے مصر فتح کیا۔ اس نے پھر اس فوج کو نئے انداز سے آراستہ کیا۔

وفات معز معز نے ۱۲ ربیع الثانی یوم جمعہ ۳۶۵ھ ہجری میں انتقال کیا۔

القائد ابوالحسن جوہر صقلی

جوہر صارب صقلی کا غلام تھا۔ صارب بھی غلام تھا۔ صقلیہ اور اٹلی کے جہاد میں کارہائے نمایاں کئے۔ جوہر ساتھ رہا۔ اس کو عاقل اور فرزانہ سمجھ کر

---

[۱] مسلمانوں کا نظم مملکت ص ۳۹۹ [۲] دائرۃ المعارف جلد ۱۱ صفحہ ۷۲۔

اپنے خادم بخیران کے سپرد کر دیا۔ اس نے خفیف کے پاس پہنچا دیا۔ اس نے المنصور فاطمی کی خدمت میں پیش کیا۔

منصور نے اس کی تعلیم و تربیت پر خاص توجہ کی۔ چنانچہ جوہر کچھ دنوں میں سربلندی حاصل کرنے لگا اور حکومت کے معاملات میں دخیل ہوتے ہوتے معز کے عہد میں عہدۂ کتابت پر فائز ہوا[۵] اور وزیر جنگ ہو گیا۔ اس کے بہت کچھ کارنامے معز کے ساتھ بیان کئے گئے ہیں۔ جوہر نے ۳۸۱ھ میں وفات پائی۔

صقلیہ کے اسیر غلام کو اسلام کے طفیل یہ اعزاز نصیب ہوا۔ اس کے مرنے پر ابن عذاری اور ابن خلکان کے بقول اس کے عہد کا کوئی شاعر ایسا نہ تھا جس نے اس کا مرثیہ نہ کہا ہو اور اس کی خدمت کا اعتراف نہ کیا ہو۔ اپنے وقت کا بڑا جنرل تھا۔ اس کا بڑا لڑکا حسن بن جوہر جو الحکم کے عہد میں قائد القواعد اور وزیر اعظم تھا۔ دوسرے لڑکے ابو عبداللہ حسین بن جوہر کو برقہ، طرابلس الغرب کی عنان حکومت عطا ہوئی۔

نمازِ جمعہ خلیفہ معزالدین نے یہ طور اختیار کیا تھا کہ جمعہ کو جاہ و جلال کے ساتھ جس میں شان و شکوہ نمایاں ہو نماز کو جاتا۔ خلیفہ کے پیشتر قاضی القضاۃ جامع مسجد میں داخل ہوتا اور منبر اور اس قبہ کو جس کے نیچے خلیفہ خطبہ دیتے وقت کھڑا ہوتا تھا بخورات کی خوشبوؤں سے معطر کرتا تھا۔ خلیفہ اس روز سفید ریشمی لباس زیب تن کرتا تھا اور نہایت نفیس ریشمی صافہ باندھتا تھا۔ شاہی عصا ہاتھ میں ہوتا اور خاص محافظ پولیس افسروں اور ممتاز امراء کے جلو میں جامع مسجد روانہ ہوتا۔ پیچھے پیچھے عام لوگوں کا جم غفیر ساتھ ہوتا۔ شاہی جلوس کے سامنے جھانجھ اور نقارہ بجتا ہوتا اور رقت انگیز

---

[۵] خطط مقریزی جلد ۲ صفحہ ۱۴۹ و ابن خلکان جلد ۱ صفحہ ۲۰۹۔

آوازمیں کلام پاک کی تلاوت ہوتی رہتی۔ یہاں تک کہ وہ ایک خاص نشست گاہ تک پہنچ جاتا تھا جہاں امیر العسکر، حاجب اور شاہی پولیس کے افسر حفاظت کے لئے کھڑے رہتے۔

اذان کے بعد قاضی القضاۃ نکلتا اور بآواز بلند کہتا۔

السلام علی امیر المؤمنین الشریف القاضی ورحمۃ اللہ وبرکاتہ الصلوٰۃ یرحمک اللہ۔

یہ سن کر خلیفہ اپنے خاص حجرہ سے برآمد ہوتا پیچھے پیچھے وزیر اعظم اور مسلح شاہی باڈی گارڈ ہوتا تھا۔ خلیفہ ممبر کے پاس اپنی خاص نشست گاہ تک اسی ہیئت میں پہنچتا اور منبر کے قریب بیٹھ جاتا، اس وقت مسلح شاہی باڈی گارڈ اس کے آس پاس منتشر ہوجاتا اور وزیر اعظم منبر کے پاس خلیفہ کی طرف رُخ کر کے کھڑا ہوجاتا۔ جب خلیفہ اشارہ کرتا تو وہ اس کے ہاتھ پیروں کو بوسہ دینے کے بعد منبر کے سامنے دو پردے چھوڑ دیتا اور اس کی وجہ سے منبر کا قبہ ہودج کی شکل کا نظر آنے لگتا۔ اب خلیفہ خُطبہ شروع کرتا اور وزیر اعظم کھڑا رہتا۔ خلیفہ خطبہ کے خاتمہ پر وزیر اعظم اور مسلمان فوجوں کی کامیابی کے لئے دعا مانگتا اور خطبہ کے آخر میں کہتا۔ اذکروا اللہ یذکرکم (خدا کو یاد کرو وہ تم کو یاد کرے گا)۔

خطبہ کے خاتمہ پر وزیر اعظم محراب کے پردوں کو چھوڑ دیتا اور وہ قاضی القضاۃ محراب کے دروازوں پر کھڑے ہوجاتے۔ کابینہ کے ممبر، ممتاز فوجی اور سویلین افسر بھی محراب کی حفاظت کے لئے آس پاس کھڑے ہوجاتے۔ خلیفہ نماز شروع کرتا تو وزیر اعظم قاضی القضاۃ اور مؤذن حسب ترتیب تکبیر کا فرض انجام دیتے۔ نماز کے خاتمہ کے بعد جب جامع مسجد کا مجمع کم ہوجاتا تو خلیفہ اس شان سے نکلتا کہ دائیں جانب وزیر اعظم ہوتا اور بائیں جانب قاضی القضاۃ، داعی الدعاۃ اور شاہی باڈی گارڈ ساتھ چلتا۔ اس ہیئت وجلال سے جامع مسجد سے محل پہنچتا۔[1]

[1] مسلمانوں کا نظم مملکت صفحہ ۱۲۱۔

وزیر اعظم یعقوب بن کلس

یعقوب بن کلس یہودی تھا۔ بغداد میں پیدا ہوا اور وہیں نشوونما ہوئی۔ علمائے اسلام سے علم و فضل حاصل کیا۔ سنِ رُشد میں شام چلا گیا۔ ۳۳۱ھ میں مصر آیا۔ اخشید کا زمانہ تھا کافور کا جب عہد آیا۔ اس سے پہلے سے مراسم تھے اس نے اپنے محل کی تعمیر کا نگران یعقوب کو کر دیا۔ مگر اس نے اپنے طریق کار سے کافور کو بہت زیادہ مہربان کر لیا اور اس کی عنایت اس پر زیادہ ہونے لگی تو اس نے اپنے دیوانِ خاص میں اس کا تقرر کر دیا اور اس پر اس قدر اعتماد ہو گیا کہ اس نے تمام محکمہ کے افسران کے نام حکم جاری کر دیا کہ خزانے سے ایک پیسہ بھی بغیر ابن کلس کے دستخط کے نہ نکالا جائے۔

ابن کلس پر کافور کی رواداری کا اثر پڑے بغیر نہ رہا۔ اس نے اپنے قدیم مذہب سے بیزار ہو کر اسلام قبول کر لیا اور اپنے مسلمان ہونے کا اعلان کر دیا۔ پھر تو اس کا یہ عالم ہوا کہ نمازِ جمعہ کی بڑی پابندی کرتا۔ کافور کی توجہ ابن کلس پر اور بڑھ گئی۔ اس کا معمول تھا کہ نماز و تلاوت میں زیادہ مصروف رہتا۔ ایک متبحر عالم قرآن کی تفسیر کا مطالعہ کرتا اور ایک قاری اس کا ہم جلیس تھا جس کے ساتھ پنج وقتہ نماز پڑھتا۔ اس کے ساتھ کھانا کھاتا اور اس کے پاس سوتا تھا۔ کافور اپنی وفات تک (۳۵۶ھ) برابر اُسے عزت و احترام کی نظر سے دیکھتا رہا۔ کافور کے مرنے کے بعد مصر میں جی نہ لگا۔ بلادِ مغرب چلا گیا۔ خلیفہ معزالدین کی خدمت میں باریاب ہوا۔ معز نے بھی اس کی تواضع و مدارت بہت کی۔ ۳۶۲ھ میں معز کے ساتھ مصر آ گیا۔

محرم ۳۶۳ھ میں معز نے اُسے اور علوج بن حسن کو جنگی اور مدنی معاملات کا انچارج مقرر کیا اور وہ ترقی کرتا ہوا وزارت پر سرفراز ہوا۔

ابن کلس کا معمول تھا کہ اپنے قصر میں ہر ہفتہ اور پنج شنبہ کے روز ایک بہت بڑی مجلس منعقد کرتا جس میں اس کی تالیفات سنائی جاتی تھیں۔ اس مجلس میں قضاۃ فقہاء، اساتذۂ قرأت و تجوید، محدثین، شعراء اور ممتاز ارکانِ دولت کا اجتماع ہوتا تھا[1]

اس نے اپنے محل میں ایک کتب خانہ قائم کیا تھا جہاں بہت سے کاتب قرآن کے نسخوں اور حدیث، فقہ، ادب اور دوسرے علوم و فنون کی کتابوں کی نقلیں کرنے پر مامور تھے۔

اپنے قصر میں ایک کشادہ مہمان خانہ بھی بنوایا جس میں حمام اور دوسری ضروریات کا انتظام تھا۔ ابن کلس نمازِ مغرب کے بعد ہر روز یہاں کرسئ عدالت پر جلوہ فرما ہوتا تھا اور شہریوں کی شکایات اور ضروریات کے بارے میں مناسب طور کارروائیاں کرتا تھا۔

ابن کلس کے محل میں محکمہ فوج، شعبۂ مالیات، دیوانی خراج اور ریکارڈ آفس اور دوسرے محکمے قائم تھے۔ ہر شعبہ میں اس صیغہ کے ماہر افراد کی ایک معقول تعداد کام کرتی تھی۔ علماء، شعراء، ادباء، فقہاء اور متکلمین اور ماہرینِ فن کی بڑی بڑی تنخواہیں مقرر تھیں۔ ارباب فن اس کے محل میں سکونِ قلب سے علمی کاموں میں لگے رہتے تھے۔

شفاخانہ رفاہِ عام کی غرض سے ایک شفا خانہ قائم کیا تھا جس میں صدہا حاذق اطباء ملازم تھے جو مریضوں کا مفت علاج کیا کرتے تھے۔

ابن کلس نے اپنے زمانہ میں فرائضِ وزارت ایسے حسن و خوبی سے ادا کئے اور سخاوت کے وہ مظاہر دکھلائے اور صلہ گستری سے علماء و شعراء کو نوازا کہ شعرائے

---

[1] مسلمانوں کا نظم مملکت صد ۱۱۶۔

عہد کے قصائد شاندار لکھے جو اس دورِ تاریخ میں محفوظ ہیں۔

جامع ازہر جامع ازہر کو جوہر نے شیعہ تبلیغ و اشاعت کا مرکز بنا رکھا تھا۔ مگر ابن کلس نے عزیز کو مشورہ دیا کہ جامع ازہر کو دعوتِ شیعہ کے مرکز کے بجائے ایک یونیورسٹی کی شکل میں تبدیل کر دیا جائے جہاں علوم عقلیہ و نقلیہ کی تعلیم دی جائے۔ خلیفہ نے اُسے شرفِ قبولیت بخشا اور جامع ازہر کی وائس چانسلری کے فرائض ابن کلس کو تفویض کئے۔

یہ واقعہ ۳۷۸ھ کا ہے[1]

ابن کلس نے ۳۸۰ھ میں انتقال کیا۔ عزیز نے نمازِ جنازہ پڑھائی۔ تجہیز و تکفین میں شریک ہُوا۔ اس کی طرف سے اس کا قرضہ ادا کیا اور اس کی مفوضہ خدمات کو یوں تقسیم کیا کہ عدالتی و انتظامی خدمت حسن بن عمار سردار کتامہ کے تفویض ہوئی اور مالیات کا صیغہ عیسیٰ بن نسطورس کو سپرد کیا گیا[2]

عزیز بدین اللہ

عزیز بدین اللہ ۱۴ محرم ۳۴۴ھ کو بمقام مہدیہ پیدا ہُوا۔ ۳۶۵ھ میں بعمر اکیس سال خلیفہ ہُوا[3]۔ اس کا نام نزار بن معد ابو منصور تھا اور لقب عزیز بدین اللہ تھا۔

وزیر وزیر اس کا یعقوب بن کلس تھا۔ اس کے مرنے کے بعد وزارت کا کام دو حصوں میں کر دیا اور امیر العسکر جوہر صقلی مقرر ہُوا۔

عزیز کی طبیعت زیادہ تر عیش و عشرت کی طرف تھی۔ ویسے عادل اور خوبیوں کا خلیفہ تھا۔

---

[1] ابن خلدون جلد دہم صفحہ ۲ [2] ایضاً [3] دائرۃ المعارف جلد ۱۷ صفحہ ۶۲۔

عدالتی و مالی انتظام عدالتی و انتظامی خدمت حسن بن نسخماز سرداد کتامہ اور مالی خدمت علی بن نسطورس کو سپرد کی گئی۔

قضاۃ علی بن نعمان بن محمد قاضی القضاۃ مقرر کیا گیا۔ جب یہ ۳۷۴ھ میں مرا تو اس کے بھائی ابو عبداللہ محمد کو عہدۂ قضا پر مامور کیا اور اپنے ہاتھ سے عزیز نے اس کے گلے میں تلوار حمائل کی۔[1]

گورنر بلکین بن زہری کو گورنری افریقہ پر بحال و قائم رکھا اور اس کا نائب عبداللہ بن خلف کتامی کو جو طرابلس، سرت اور جرابیہ کا گورنر تھا، کیا۔

مکّہ معظمہ پر یورش اہالی مکہ و مدینہ نے گذشتہ موسمِ حج میں معز کی اطاعت قبول کر لی تھی اور اس کے نام کا خطبہ پڑھتے تھے۔ مگر عزیز کی تخت نشینی پر عزیز کے نام کا خطبہ نہ پڑھا۔ اس بنا پر عزیز نے سرزمین حجاز پر فوج کشی کر دی۔ چنانچہ فاطمی لشکر نے مکہ و مدینہ پر پہنچ کر محاصرہ کر لیا۔ رسد و غلّہ کی آمد بند ہو گئی۔ اہلِ حرمین نے مجبور ہو کر اطاعت قبول کی۔ پھر مکّہ معظمہ میں اس کا نام کا خطبہ پڑھا گیا۔ ان دنوں مکّہ معظمہ کا عامل عیسٰی بن جعفر تھا اور مدینہ منورہ پر طاہر بن مسلم عامل تھا۔[2]

افتکین کے کارنامے افتکین ایک بہادر ترک تھا۔ اس کو بھی یہ امنگ تھی کہ اپنے علاقہ کو وسعت دے اور بنو فاطمہ اور بنو عباس کی باہمی خانہ جنگی سے فائدہ اٹھائے۔ چنانچہ اس نے فوجیں فراہم کر کے علمِ مخالفت بلند کر دیا اور اس نے ان بلاد پر یلغار کر دیا جو ساحلِ شام پر واقع تھے۔ چنانچہ سب سے پہلے صیدا کا محاصرہ کیا۔

ابن الشیخ اور ظالم بن موہوب عقیلی مع سردارانِ مغاربہ اس وقت صیدا

---

[1] ابن خلدون جلد دہم کتاب ثانی صفحہ ۱۳ [2] ایضاً صفحہ ۳ ۔

میں موجود تھے فوجیں مرتب کر کے افتگین سے مقابلہ کرنے کو نکل پڑے۔ بعدہ سخت اور خونریز جنگ کا آغاز ہُوا۔ افتگین لڑتے لڑتے پیچھے ہٹا۔ مغربی فوجیں کامیابی اور کثرت کے جوش میں آگے بڑھتی چلی آئیں۔ یہاں تک کہ اپنے مورچہ سے بہت دور نکل آئیں۔ اس وقت افتگین اپنی فوج کو مجتمع کر کے مغربی فوجوں پر ٹوٹ پڑا۔ پھر کیا تھا مغربی فوجیں گھونگٹ کھا گئیں۔ چار ہزار فوج کھیت رہی۔ اس سے افتگین کے حوصلے بڑھ گئے۔ عکّہ کا قصد کیا اور اس پر محاصر ڈال کے طبریہ کی جانب بڑھا۔ یہاں کے باشندوں کے ساتھ بھی وہی معاملات کئے جو اہلِ صیدا کے ساتھ کئے تھے۔

بعدہٗ دمشق کی طرف لوٹ کھڑا ہُوا۔ عزیز نے اس کی بابت اپنے وزیر یعقوب بن کلس سے مشورہ کیا۔ یعقوب نے یہ رائے دی کہ اس کے مقابلہ پر جوہر کاتب بھیجا جائے۔ عزیز نے اس رائے کے مطابق فوجیں آراستہ کر کے جوہر کو افتگین کی روک تھام کرنے کو روانہ کیا۔

اس اثنا میں افتگین دمشق پہنچ گیا تھا اس کو اس کی خبر لگی تو اس نے اہلِ دمشق کو مجتمع کر کے کہا تم لوگ خوب جانتے ہو کہ مَیں نے تمہاری رضامندی سے تم پر حکومت کی اور تمہاری استدعا پر ایسے بڑے ذمہ داری کے کام کو اپنے ہاتھ میں لیا۔ اب چونکہ عزیز والئ مصر و افریقہ کا مقابلہ ہے مَیں نہیں چاہتا کہ میری وجہ سے تم لوگ کسی مصیبت میں مبتلا ہو۔ اس وجہ سے مَیں تم لوگوں سے علیٰحدہ ہُوا چاہتا ہوں۔ اہل دمشق یہ سن کر متحد الکلمہ ہو کر بولے۔

"ہم لوگ آپ سے جُدا نہ ہوں گے اور جان و مال کو آپ پر تصدق کر دیں گے"

افتگین نے اس عہد و اقرار پر ان لوگوں سے قسم لی اور جوہر کا مقابلہ کرنے پر تُل گیا۔ ماہ ذیقعد ۳۶۵ھ کو جوہر مع اپنی سپاہ کے دمشق پہنچ گیا اور نہایت حزم و احتیاط سے اس پر محاصرہ ڈال دیا۔ دو ماہ کامل محاصرہ کئے رہا۔ لڑائیاں

ہوتی رہیں۔ فریقین کے ہزارہا آدمی مارے گئے بالآخر افتگین نے طولِ محاصرہ سے گھبرا کر اعصم بادشاہ قرامطہ کو یہ واقعات لکھ بھیجے اور اس سے مدد طلب کی۔ چنانچہ بادشاہ قرامطہ اپنا لشکر مرتب کر کے دمشق کی طرف روانہ ہوا۔ شام و عرب کا جمِ غفیر اس کے پاس آ کے جمع ہو گیا جس کی تعداد پچاس ہزار کے قریب تھی۔ جوہر نے یہ خبر پا کر دمشق کا محاصرہ اُٹھا لیا اس خوف سے کہ مبادا دو دشمنوں کے درمیان نہ آ جاؤں چلتا پھرتا نظر آیا۔ مگر افتگین اور بادشاہ قرامطہ نے نہایت تیزی سے طئی مسافت کر کے جوہر کو رملہ میں جا کر گھیر لیا اور اس کا پانی بند کر دیا[1]

جوہر رملہ چھوڑ کر عسقلان چلا گیا۔ افتگین اور بادشاہِ قرامطہ نے عسقلان پر بھی دھاوا بول دیا اور اس پر بھی محاصرہ ڈال دیا۔ رسد و غلہ کی آمد بند ہو گئی نہایت سختی سے بسر ہونے لگی۔ جوہر نے افتگین سے مصالحت اور سازش کی بابت خط و کتابت شروع کی اور بادشاہ قرامطہ اس کو اس سے روک رہا تھا۔ آخر کار جوہر نے ملاقات کرنے کی درخواست کی افتگین نے منظور کر لی۔ دونوں ایک مقام موعود پر ملے جوہر کہنے لگا۔ یہ قتل و خون ریزی تمہاری وجہ سے ہوئی ہے تم کو برابر مصالحت کا پیام دے رہا تھا۔"

افتگین نے جواب دیا۔ میں اس معاملہ میں معذور ہوں۔ یہ سارا ساختہ پرداختہ بادشاہ قرامطہ کا ہے۔ اسی قسم کی دونوں میں گفتگو ہوتی رہی۔ آخر میں یہ طے پایا کہ افتگین محاصرہ اٹھا لے اور جوہر اپنے آقائے نامدار عزیز سے اس حسنِ سلوک کا معاوضہ دلوائے۔ اس امر کے طے ہونے پر جوہر نے ایفاء

---

[1] شہر رملہ سے تین کوس کے فاصلہ پر طواسین ندی تھی اس سے شہر میں پانی جاتا تھا۔ افتگین اور بادشاہ قرامطہ نے اسی ندی پر اپنے مورچے قائم کئے تھے اور شہر میں پانی کا جانا بند کر دیا۔ (تاریخ کامل اثیر جلد ۸ صفحہ ۲۶۱ مطبوعہ مصر)۔

عہد کی قسم کھائی۔

افتگین اپنے لشکر گاہ میں واپس آیا اور بادشاہ قرامطہ کو کل حالات بتائے۔ بادشاہ قرامطہ نے افتگین کو اس پر نصیحت و فضیحت کی۔ جوہر کی چالاکیاں و مکاریاں بیان کرتے ہوئے کہا کہ محاصرہ اُٹھا لینے کے بعد جوہر اپنے آقائے نامدار عزیز کے پاس جائے گا اور اس تیاری سے ہم لوگوں پر حملہ کرے گا کہ جس کا جواب دینا ہمارے امکان سے باہر ہوگا۔ بہتر یہ ہے کہ تم اپنے قول و اقرار سے منحرف ہو جاؤ۔ افتگین نے بادشاہ قرامطہ کی اس نصیحت پر توجہ نہ کی اور جوہر کو معہ اس کے ہمراہیوں کے مصر جانے کی اجازت دے دی۔

چنانچہ جوہر محاصرہ سے نجات پا کے مصر کی جانب روانہ ہوا۔ عزیز کے دربار میں پہنچ کر کل واقعات عرض کئے اور سمجھا بجھا کر ان لوگوں پر فوج کشی کرنے کے لئے اُبھار دیا۔ عزیز نے جوہر کے کہنے کے مطابق فوجیں آراستہ کر کے چڑھائی کر دی۔ مقدمۃ الجیش پر جوہر تھا۔ افتگین اور بادشاہ قرامطہ یہ خبر پا کر رملہ چلے آئے تھے اور فراہمی لشکر کی فکریں کرنے لگے۔ اس عرصہ میں عزیز نے محرم ۳۶۷ھ میں رملہ پہنچ کر مورچے قائم کئے اور افتگین سے کہلا بھیجا کہ تم میری اطاعت قبول کر لو میں تم کو اپنے لشکر کا سردار مقرر کر دوں گا۔ جس ملک کو پسند کرو گے اس کی حکومت عطا کروں گا اور ان امور کے طے کرنے کے لئے مجھ سے آ کر مل جاؤ۔

افتگین صفِ لشکر سے نکل کر پیادہ پا دونوں لشکروں کے درمیان میں آ کر کھڑا ہوا اور عزیز کے قاصد سے کہا تم جا کر امیر المؤمنین سے بہ ادب تمام میرا یہ پیام کہہ دو کہ اگر چند ساعت پیشتر یہ پیام مجھے مل جاتا تو اس کی تعمیل میں عذر نہ ہوتا مگر اب یہ ناممکن ہے''۔

قاصد افتگین سے رخصت ہو کر عزیز کے لشکر کی جانب روانہ ہوا اور افتگین نے عزیز کے میسرہ پر حملہ کر دیا۔ اس حملہ میں عزیز کے میسرہ کو ہزیمت ہوئی

ایک گروہ کثیر کام آیا۔ عزیز نے اس امر کا احساس کرکے اپنے میمنہ کو حملہ کرنے کا حکم دیا اور خود بھی حملہ آور ہوا۔ افتگین اور شاہ قرامطہ کو ہزیمت ہوئی۔ مغربی فوجوں نے تلواریں نیام سے کھینچ لیں۔ منہزم گروہ کی بیس ہزار فوج کھیت رہی۔ کامیابی کے بعد عزیز اپنے خیمہ میں واپس آیا۔ فتحمند گروہ نے جنگی قیدیوں کو پیش کرنا شروع کیا۔ جو شخص قیدی پیش کرتا تھا اس کو خلعت دی جاتی تھی۔ عزیز نے منادی کرادی کہ جو شخص افتگین کو گرفتار کرکے لائے گا اس کو ایک لاکھ دینار دیئے جائیں گے۔ اتفاق سے مفرج بن دغفل طائی سے اور افتگین سے ملاقات ہوگئی۔ افتگین نے پیاس کی شکایت کی۔ مفرج نے اس کو پانی پلایا۔ اپنے جائے قیام میں ٹھہرا کے عزیز کے پاس گیا اور اس کو افتگین کا پتہ بتلا کے ایک لاکھ دینار وصول کرلئے۔

پس جس وقت افتگین کو عزیز کے روبرو پیش کیا گیا۔ چونکہ عزیز کو اس کے مارے جانے کا یقین کامل ہوچکا تھا۔ اس وجہ سے بے حد مسرت ہوئی اور کمال توقیر سے افتگین کے لئے خیمہ نصب کرایا۔ جو کچھ مال و اسباب لوٹ لیا گیا تھا وہ سب کا سب واپس کرادیا اور معہ اس کے مراجعت کرکے مصر آیا۔ اپنے خاص مصاحب کا اعزاز عنایت کیا۔

بعد اس کے ایک شخص کو اعصم قرمطی بادشاہ قرامطہ کو بھی واپس لانے کی غرض سے مامور کیا۔ چنانچہ اس شخص نے اعصم قرمطی سے طبریہ میں جاکر ملاقات کی اور اس سے عزیز کے پاس مصر چلنے کو کہا۔ اعصم نے مصر جانے سے انکار کیا۔ اس شخص نے عزیز کو اس واقعہ سے مطلع کیا۔ عزیز نے بیس ہزار دینار اعصم کو بھیجے اور اسی قدر ہر سال دینے کا وعدہ کیا گیا۔ اعصم اس پر بھی مصر نہ گیا اور اس وقت طبریہ سے احساء چلا گیا۔

ان واقعات کے بعد افتگین کو وزیر یعقوب بن کلس نے اس وجہ سے کہ افتگین عزیز کی ناک کا بال ہو رہا تھا زہر دے دیا۔ عزیز کو اس کی خبر لگ گئی۔

گرفتار کرا کے چالیس روز تک قید میں رکھا اور پانچ لاکھ دینار جرمانہ لے کر رہا کر دیا اور بدستور عہدۂ وزارت پر مامور کیا۔

ماہ ذی قعدہ ۳۸۱ھ میں جوہر کاتب نے وفات پائی۔ بجائے اس کے اس کا بیٹا حسن مقرر کیا گیا۔ "قائد القواد" کا مبارک لقب مرحمت ہوا۔

افتگین نے اپنے زمانۂ حکومت میں قسام نامی ایک شخص کو دمشق میں اپنی نیابت پر مامور کیا تھا۔ افتگین کے دمشق چھوڑنے کے بعد اس کا رعب داب بڑھ گیا۔ کچھ لوگ اس کے مطیع و تابع ہو گئے۔ رفتہ رفتہ چند شہریوں پر قابض بھی ہو گیا اور جب افتگین اور قرامطہ کو ہزیمت ہوئی تو عزیز نے اپنے نامی سپہ سالار ابو محمود بن ابراہیم کو والیٔ دمشق مقرر کر کے دمشق روانہ کیا۔ اس وقت دمشق اور اس کے قرب و جوار کے شہروں پر قسام قابض و متصرف ہو رہا تھا۔ عزیز کے نام کا خطبہ پڑھ رہا تھا۔ اس کی موجودگی میں ابو محمود کی کچھ پیش نہ گئی۔ قسام بدستور کرسیٔ حکومت پر متمکن رہا۔ اسی اثنا میں ابو تغلب بن حمدان والیٔ موصل عضد الدولہ سے شکست کھا کر دمشق کی طرف آیا۔ قسام نے اس کو داخل نہ ہونے دیا۔

اس کے باعث مابین ابو تغلب اور قسام ناچاقی پیدا ہو گئی اور نوبت جدال و قتال کی پہنچ گئی۔ بالآخر ابو تغلب طبریہ چلا گیا۔ اس کے بعد عزیز کا لشکر بسرکردگی سپہ سالار افضل دمشق آ پہنچا اور قسام پر دمشق میں محاصرہ ڈال دیا۔ مگر اتفاق کچھ ایسا پیش آیا کہ یہ لشکر بے نیل و مرام عزیز کے پاس چلا گیا۔ تب عزیز نے ۳۶۵ھ میں ایک دوسری فوج بہ سرکردگی سلیمان بن جعفر بن فلاح دمشق روانہ کی۔ سلیمان نے دمشق کے باہر پڑاؤ کیا۔ قسام نے اپنے آدمیوں کو اشارہ کر دیا۔ انہوں نے لڑ کر سلیمان کو اس مقام سے جہاں کہ اس نے پڑاؤ کیا تھا ہٹا دیا۔

انہی دنوں مفرج بن جراح امیر بنی طے اور ملکی عرب سرزمینِ فلسطین میں مقیم تھے اس کی جماعت اور نیز شوکت و شان بڑھ گئی تھی۔ قرب و جوار کے

سرحدی شہروں کو قتل و غارت گری سے پامال کر رہے تھے۔ عزیز نے ایک لشکر ان کی سرکوبی کے لئے بہ افسری اپنے سپہ سالار بلتگین ترکی کے روانہ کیا۔ چنانچہ یہ لشکر کوچ و قیام کرتا ہُوا رملہ کی طرف روانہ ہُوا۔ قبیلۂ قیس کا ایک گروہ کثیر اس کے لشکر میں آملا۔ بعد ازاں مفرج بن جراح اور بلتگین سے مڈبھیڑ ہوگئی۔ بلتگین نے چند دستہ فوج کو پہلے سے کمین گاہ میں بٹھا رکھا تھا۔ مفرج کو اسی وجہ سے ہزیمت ہوئی۔ یہ بھاگ کر انطاکیہ پہنچا۔

والیٔ انطاکیہ نے اس کو پناہ دے دی۔ اسی عرصہ میں بادشاہ روم نے قسطنطنیہ سے بلاد شام کی جانب خروج کیا۔ مفرج کو اس سے خطرہ پیدا ہُوا۔ بکجور خادم سیف الدولہ والیٔ حمص کو اس واقعہ سے مطلع کر کے امداد طلب کی۔ بکجور نے مفرج کی استدعا منظور کی اور کما حقہٗ اس کی مدد کی۔ بعد اس کے بلتگین نے دمشق کی جانب رخ کیا اور قسام سے کہلا بھیجا کہ میں کسی اور غرض سے نہیں آیا۔ محض اصلاح حال شہر کی وجہ سے آیا ہوا ہوں۔ قسام کے ساتھ قیس بن صمصام ہمشیرزادہ ابومحمود بھی دمشق ہی میں موجود تھا اور ابومحمود کی سندِ حکومت دمشق اسی کو مرحمت ہوئی تھی۔

غرض قسام شہرِ دمشق سے نکل کے بلتگین کے پاس آیا۔ بلتگین نے اس کو معہ اس کے ہمراہیوں کے شہر کے باہر قیام کرنے کو کہا۔ اس سے قسام کو خطرہ پیدا ہُوا۔ فوراً شہر کی جانب لوٹ کھڑا ہُوا اور لڑائی کی تیاری کر دی۔ خم ٹھونک کر دونوں حریف میدانِ جنگ میں آ گئے۔

اتفاق یہ کہ اس معرکہ میں قسام کے ہمراہیوں کو ہزیمت ہوئی۔ بلتگین نے اطرافِ شہر میں داخل ہو کر قتل و غارت گری کا بازار گرم کر دیا۔ مکانات میں آگ لگا دی۔ اہلِ شہر نے گھبرا کر بلتگین سے امن کی درخواست کرنے کی رائے قائم کی اور اس غرض سے اس کی خدمت میں حاضر ہونے کی اجازت طلب کی۔ بلتگین نے ان کو حاضری کی اجازت دے دی۔ قسام کو اس واقعہ کی اطلاع

ہوئی۔ سنتے ہی بدحواس ہوگیا مگر چارۂ کار کچھ نہ تھا۔ اہل شہر نے بلتگین کی خدمت میں حاضر ہوکر اپنے لئے، نیز قسام کے لئے امن حاصل کر لی۔ ہنگامہ کا رزار فرد ہوگیا۔ خلاق اپنے اپنے مکانات میں آکر آباد ہوئی۔ بلتگین نے اپنی جانب سے فطلیج نامی ایک امیر کو شہر کی حکومت پر مامور کیا۔ چنانچہ فطلیج محرم ۳۷۲ھ میں امارت کا جھنڈا لئے ہوئے شہر میں داخل ہوا۔ اس کے دوسرے دن قسام کسی خیال سے روپوش ہوگیا۔ بلتگین کے ہمراہیوں نے قسام اور اس کے مصاحبوں کے مکانات لوٹ لئے۔ قسام نے یہ خیال کر کے کہ اب جانبری دشوار ہے اپنے کو بلتگین کے دربار میں حاضر کر دیا اور معذرت کی۔ بلتگین نے اس کی معذرت قبول کر لی۔ اور اس کو بعزت و احترام مصر روانہ کیا۔ عزیز نے اپنی بے نظیر فیاضی و رحمدلی سے اس کو بھی امن عنایت کی۔

بکجور جو کہ سیف الدولہ کا خادم اور اس کی جانب سے حمص کا گورنر تھا، ان دنوں جبکہ دمشق عزیز اور قسام کی فوجوں کا میدانِ کارزار بنا ہوا تھا حمص سے عزیز کے لشکر کو رسد و غلہ بھیج رہا تھا اور اپنی اس حسن خدمت کی اطلاع عزیز کو دیتا جاتا تھا۔ بعد ان واقعات کے ۳۷۳ھ میں ابوالمعالی اور بکجور میں چل گئی۔ بکجور نے عزیز سے اس کی شکایت کی۔ عزیز نے ابوالمعالی کی گوشمالی کی اور اس کو حکومتِ دمشق دینے کا وعدہ کیا۔ اسی اثناء میں یہ واقعہ پیش آیا کہ مغربیوں نے مصر میں وزیر سلطنت ابن کلس کے خلاف بغاوت کر دی اور اس کے قتل پر تُل گئے۔

اس ہنگامہ کے فرو کرنے کی غرض سے عزیز کو دمشق سے بلتگین بلانے کی ضرورت پیش آئی۔

چنانچہ عزیز نے بلتگین کو دمشق سے طلب فرمالیا اور بجائے اُس کے بکجور کو دمشق کی زمامِ حکومت سپرد کی۔ ماہِ رجب ۳۷۳ھ میں بکجور علم حکومت لئے ہوئے دمشق میں داخل ہُوا۔ چونکہ اس کو کسی ذریعہ سے یہ معلوم ہوگیا تھا کہ

ابن کلس وزیرالسلطنت عزیز کو منع کر رہا تھا کہ بکچور کو حکومت دمشق نہ دی جائے۔ اس عداوت وکینہ سے بکچور نے دمشق میں داخل ہوتے ہی ابن کلس کے آدردوں اور اس کے ہوا خواہوں کو پامال کرنا شروع کر دیا۔ تھوڑے دنوں بعد رعایائے دمشق کو بھی ایذائیں پہنچانے لگا۔

ابن کلس کو اس کی خبر لگ گئی۔ موقع پاکر عزیز نے اس کی شکایت کر دی کہ بکچور والئ دمشق بڑا متمرد و سرکش ہو گیا ہے۔ ظلم وجفا کاری اس کا شیوہ ہو رہا ہے اگر معزول نہ کیا جائے گا تو صوبہ دمشق ویران ہو جائے گا۔

پس عزیز نے ۳۷۸ھ میں ایک لشکرِ عظیم بسرافسری تیز خادم کو بکچور کے ہوش میں لانے کی غرض سے روانہ کیا اور نزال والئ طرابلس کو اس کی امداد کرنے کو لکھا۔ بکچور نے بھی اس واقع سے مطلع ہو کر گرد و نواح کے عرب کو مجتمع کر لیا اور آلاتِ حرب سے ان کو مسلح کر کے خم ٹھونک کر میدانِ جنگ میں آگیا۔ مگر پہلے ہی حملہ میں شکست کھا کر بھاگ کھڑا ہوا۔ ادھر بکچور یہ خیال کر کے کہ مبادا نزال نہ آجائے۔ اہل دمشق کے لئے امان حاصل کر کے رقہ چلا گیا اور اس پر مستولی ومتصرف ہو گیا۔ ادھر نیر نے بھی دمشق میں داخل ہو کر کامیابی کے ساتھ قبضہ حاصل کر لیا اور استقلال و استحکام سے حکمرانی کرنے لگا۔

اس واقعہ کے بعد بکچور نے دمشق سے رقہ میں پہنچ کر سعدالدولہ والئ حلب سے حمص کی حکومت کی درخواست کی۔ سعدالدولہ نے کسی مصلحت سے اس کو منظور نہ کیا۔ اس بنا پر بکچور نے عزیز سے سعدالدولہ پر فوج کشی کرنے کی اجازت طلب کی۔ عزیز نے بکچور کی درخواست منظور فرما کے فوجیں عنایت کیں اور نزال والئ طرابلس کو اس کی کمک اور امداد کرنے کو لکھ بھیجا۔ چنانچہ بکچور نے فوجوں کو مرتب کر کے سعدالدولہ پر چڑھائی کر دی۔

سعدالدولہ نے بھی مدافعت ومقابلہ کی غرض سے فوجیں فراہم کر لیں اور حلب سے نکل کر میدانِ جنگ میں آگیا۔ نزال نے اپنے دل میں یہ ٹھان لی تھی کہ

جس طرح سے ممکن ہو جنگ کے وقت بکچور کو دغا دی جائے۔ اس کو اس امر پر عیسیٰ ابن نسطورس وزیر السلطنت نے ابھارا تھا جو بعد ابن کلس کے قلمدانِ وزارت کا مالک ہوا تھا۔ انہی دنوں عامل انطاکیہ نے بادشاہ روم سے امداد کی درخواست کی تھی اور ایک فوج کثیر التعداد اس کی کمک پر بھیج دی تھی۔

الغرض نزال نے اپنے منصوبہ کے مطابق ان عربوں سے جو بکچور کی رکاب میں تھے معرکۂ جنگ کے وقت بھاگ جانے کی بابت سازش کر لی اور ان سے اس معاملہ کے انجام ہو جانے پر بڑے بڑے وعدے کئے۔

پس جس وقت دونوں فوجیں مقابل ہوئیں بکچور کو کسی ذریعہ سے اس سازش کا حال معلوم ہو گیا۔ مرنے پر کمر بستہ ہو کر سیف الدولہ پر حملہ آور ہوا اور لولوئے کبیر (سیف الدولہ کے خادم) کا ایک ہی وار سے کام تمام کر دیا۔ سیف الدولہ نے لولوئے کبیر کو خاک و خون میں تڑپتا ہوا دیکھ کر بکچور پر حملہ کیا۔ بکچور شکست کھا کر بعض قبائلِ عرب میں جا چھپا اور دو، چار روز کے بعد اپنی حالت درست کر کے سیف الدولہ پر پھر حملہ آور ہوا۔ مگر پہلے ہی حملہ میں خود بکچور کے میدانِ جنگ سے پاؤں اکھڑ گئے اور اثناء دار و گیر میں مارا گیا۔ سعد الدولہ نے اس کے مال و اسباب کو ضبط کر کے رقہ کی جانب کوچ کیا اور اس پر قابض و متصرف ہو گیا۔

بکچور کے لڑکوں نے عزیز کو اپنے باپ کے مارے جانے کا واقعہ لکھ بھیجا اور سعد الدولہ سے سفارش کرنے کی بابت تحریک کی۔ چنانچہ عزیز نے سعد الدولہ کے پاس بکچور کے لڑکوں کی سفارش کا خط بذریعہ ایک قاصد کے روانہ کیا اور یہ بھی تحریر کیا کہ بکچور کے لڑکوں کو میرے پاس مصر بھیجو۔ بصورت اس حکم کی تعمیل نہ کرنے کے دھمکی بھی دی۔

سعد الدولہ نے ایک بھی نہ سُنی۔ عزیز کی سفارت کو نہایت بری طور سے واپس کیا۔ عزیز نے طیش میں آکر ایک جرار لشکر بسر افسری منجوتگین حلب کا محاصرہ کرنے کو روانہ کیا۔ منجوتگین نے حلب پہنچ کر محاصرہ ڈال دیا۔ ان دنوں حلب میں ابوالفضائل ابن

سعدالدولہ اور لولوئے صغیر خادم سیف الدولہ تھا۔ دونوں نے سیل بادشاہ روم کی خدمت میں بغرض استمداد سفارت بھیجی۔ اگرچہ اس وقت یہ جنگ بلغار میں مصروف تھا مگر پھر بھی ابوالفضائل کی سفارت پہنچنے پر والیٔ انطاکیہ کو حلب کے محصوروں کی امداد کرنے کو لکھ بھیجا۔

والیٔ انطاکیہ اس حکم کے مطابق پچاس ہزار فوج لے کر حلب کے بچانے کو روانہ ہوا۔ رفتہ رفتہ حصین عاصی پہنچا۔ منجوتگین کو اس کی خبر لگ گئی۔ حلب سے محاصرہ اٹھا کر کوچ کر دیا۔ اثناءِ راہ میں اس کی رومیوں سے مڈبھیڑ ہو گئی۔ منجوتگین نے ان کو شکست دے دی اور قتل و قید کر کے انطاکیہ کی طرف بڑھا۔ اطرافِ انطاکیہ میں ہنگامہ نمونہ قیامت برپا ہو گیا۔

اس زمانہ غیر حاضری منجوتگین میں ابوالفضائل اطراف حلب میں بغرض فراہمی غلہ نکل کھڑا ہوا۔ جس سے بے حد گرانی پیدا ہو گئی۔ جس قدر فراہم کر سکا فراہم کر لیا باقی جو رہ گیا اس میں آگ لگا دی۔ پس جب منجوتگین حصار حلب کو پھر واپس آیا اور سر کرنے کی غرض سے فوجوں کو حلب کے ارد گرد پھیلا دیا۔ لولوئے صغیر نے ابوالحسن مغربی کی خدمت میں پیام مصالحت بھیجا۔ شرائط صلح طے ہو جانے پر باہم صلح ہو گئی۔ منجوتگین نے دمشق کی جانب مراجعت کی۔ عزیز کو اس واقعہ کی اطلاع ہوئی سخت برہم ہوا۔ اس وقت منجوتگین کو محاصرہ حلب پر واپس جانے اور وزیر ابوالحسن مغربی کے معزول کرنے کو لکھ بھیجا اور براستہ دریا رسد غلہ بھی روانہ کیا۔

چنانچہ منجوتگین نے پھر حلب کا محاصرہ کر لیا۔ اہلِ حلب نے بادشاہ روم کے پاس استمداد اور استعانت کی غرض سے سفارت بھیجی اور اس کو اس سلوک کا معاوضہ دینے کا وعدہ کیا۔ رومی بادشاہ نہایت عجلت سے فوجوں کو آراستہ کر کے حلب کی جانب روانہ ہوا۔ لولوئے صغیر نے اس خیال سے کہ مسلمانوں اور اسلام کو اس سے سخت صدمہ اور نقصان پہنچ جائے گا۔ منجوتگین کو بادشاہِ روم کے

آنے سے مطلع کر دیا۔

علاوہ بریں جاسوس نے بھی یہی خبر منجوتگین تک پہنچا دی۔ منجوتگین نے مصلحتاً محاصرہ اُٹھا لیا۔ متعدد بازار، محل سرائیں اور حمام اثناء محاصرہ میں ویران و برباد ہو گئے۔ اس کے بعد بادشاہ روم حلب پہنچا۔ ابوالفضائل اور لولوئے صغیر ملنے کو آئے۔ دو، چار روز قیام کر کے ملک شام کی طرف کوچ کیا۔ حمص اور شیرز کو مفتوح کر کے تاخت و تاراج کر دیا۔ چالیس یوم تک طرابلس کا محاصرہ کئے رہا۔ مگر کامیابی کی صورت نظر نہ آئی۔ مجبور ہو کر اپنے ملک کو واپس گیا۔

ان واقعات کی خبر عزیز تک پہنچی۔ بے حد شاق گزرا۔ جہاد کا اعلان کر کے ۳۸۱ھ میں قاہرہ سے خروج کر دیا۔ اتنے میں نیر نے دمشق میں عزیز کے خلاف علمِ بغاوت بلند کیا۔ منجوتگین نے اس سے مطلع ہو کر اس ہنگامہ کے فرو کرنے کو دمشق کی جانب قدم بڑھایا[1]

عیسیٰ بن نسطورس اور یہودی منشا نے مسلمانوں سے عناد برتنا شروع کیا اور اپنی قوم کو سراہنے لگے۔ اس پر عزیز نے ان کو معزول کر دیا اور عیسیٰ سے تین لاکھ دینار وصول کئے۔

وفات ۳۸۱ھ میں عزیز نے جہاد کا اعلان کیا اور فوجیں آراستہ کر کے کوچ کیا۔ بلبیس پہنچا کہ وہیں بیمار پڑا اور ۲۸ رمضان ۳۸۶ھ میں عزیز نے وفات پائی۔ ساڑھے گیارہ سال حکمرانی کی[2]

اوصاف کریم الطبع اور شجاع تھا۔ اس کی طبیعت داد و دہش کی طرف بہت تھی علمی ذوق کا خلیفہ تھا۔ شعر و ادب سے دل چسپی رکھتا تھا۔ جامع ازہر میں جملہ علوم و فنون کی تقریباً دو لاکھ کتابیں جمع کیں۔ اس کی تفصیل آگے بیان کی جائے گی۔

---

[1] ابن خلدون جلد چہارم صفحہ ۲   [2] ایضاً۔

کُتب خانہ خلیفہ عزیز باللہ کے عہد میں شاہی کتب خانہ مصر میں قائم ہُوا۔ یہ کتب خانہ شاہی محل کا حصّہ تھا اور چالیس جداجدا کتب خانوں پر مشتمل تھا جن میں سے ایک کتب خانہ میں صرف علوم قدیمہ یعنی فلسفہ وغیرہ کی اٹھارہ ہزار کتابیں تھیں۔ بعض مؤرخوں نے دعویٰ کیا ہے کہ کل اسلامی دُنیا میں اس کے برابر کوئی کتب خانہ نہ تھا۔ ابن الطویر نے دو لاکھ اور ابن ابی طے نے چھ لاکھ ایک ہزار کتب بیان کی ہیں۔

ایک مرتبہ عزیز کے دربار میں کتاب العین کا ذکر آیا تو اُس کے حکم سے داروغہ کتب خانہ نے کتاب مذکور کے تیس نسخے نکال کر پیش کئے۔ جن میں سے ایک خود مصنف خلیل بن احمد بصری موجد نحو کے ہاتھ کا لکھا ہُوا تھا۔ اسپین کے نامور کتب خانہ کا یہ کتب خانہ حریف اور مقابل تھا[1]

قاعۃ الذہب عزیز فاطمی کو تعمیرات سے خاصی دلچسپی تھی اور اس نے قاعۃ الذہب دیوان خانہ اس شان کا تعمیر کرایا جس کا جواب نہ تھا جو بہترین فرش وفروش، قیمتی پردوں اور ریشمی حاشیہ کے قالینوں سے سجایا گیا تھا۔ ان پردوں اور قالینوں کے رنگ اور نقش ونگار ایک طرح کے تھے۔

قاعۃ الذہب کے وسط میں گدے دار فرش پر خلیفہ کا تخت بچھا تھا جو پردوں سے مستور رہتا تھا۔

دربار شاہی دربار کے وقت جب خلیفہ تخت پر بیٹھ جاتا تھا تو یہ پردے اٹھا دیئے جاتے تھے۔

شاہی عظمت وسطوت اس وقت قابلِ دید ہوتی تھی جب وہ معتمد وزیر ان دونوں ریشمی پردوں کو رئیس القصر کے اشارہ سے جو زمام القصر کے نام

---

[1] کتاب الخطط والآثار (مقالات شبلی ج ۶ صـ ۱۶۲)۔

سے مشہور تھا الٹ دیتے تھے اور خلیفہ کی شخصیت یک بیک نمودار ہو جاتی تھی اور اس کے ارد گرد قاریوں کے ایک جماعت کلام پاک کی ترتیل کے ساتھ بلند آواز سے تلاوت کرتی ہوتی تھی۔ تلاوت کے بعد حامل دوات آتا اور گدے دار فرش کے ایک کنارے دوات لا کر رکھ دیتا جو خاص اسی کے لئے مخصوص ہوتا تھا۔ جب سب درباری اپنی اپنی نشستوں پر بیٹھ جاتے تو رئیس قصر افسر بیت المال حاجب اور معتمد امراء دروازوں کے پاس اپنی اپنی جگہوں پر چلے جاتے۔ اس وقت ایک معتمد امیر مرتبہ کے لحاظ سے ایک ایک شخص کو خلیفہ کے سامنے باریابی کے لئے پیش کرتا۔

سب سے پہلے وزیر اعظم کی باری آتی وہ خلیفہ کی طرف بڑھتا، خلیفہ کو سلام کرتا اُس کے دست و پا کو چومتا۔ پھر اپنی جگہ پر واپس آتا اور کھڑا ہو جاتا۔ پھر اس کے بعد اسے ایک گاؤ تکیہ کی طرف بیٹھنے کا اشارہ کیا جاتا جو خلیفہ کے دائیں جانب ہوتا تھا۔ اس کے بعد قاضی القضاۃ کی باری آتی اور وہ خلیفہ کے قریب جا کر اپنا دایاں ہاتھ اٹھاتا اور سلام کرتا اور انگشت شہادت سے اشارہ کرتے ہوئے کہتا۔

"السلام علیکم یا امیر المؤمنین ورحمۃ اللہ وبرکاتہ"

جب وزیر اعظم محسوس کرتا کہ خلیفہ سے کسی امر میں مشورہ کرنا چاہیئے تو وہ اس سے قریب ہو جاتا اور تلوار پر سہارا لے کر نہایت ادب و توجہ سے گفتگو کرتا۔ خلیفہ کا دربار معمولاً تین گھنٹے تک جاری رہتا۔ اس میں مہمات حکومت پر بحث و مباحثہ ہوتا اور ان کے بارے میں خلیفہ کے احکام حاصل کئے جاتے اور وزیر اعظم ان لوگوں کے لئے عطائے خلعت و مناصب کی تجویز پیش کرتا جن کے نام زیر غور ہوتے۔ جب دربار ختم ہو جاتا تو حاضرین منتشر ہو جاتے۔

وزیر اعظم خلیفہ کے دست و پا کو دوبارہ بوسہ دینے کے بعد سب سے آخر میں دربار کو چھوڑتا اور تمام اراکینِ مجلس کے جلوس میں اپنے گھر کو لوٹ جاتا۔ اب

خلیفہ اپنے تخت سے نزول فرماتا اور ایوان سے روانہ ہو جاتا۔ اس روانگی کے بعد پردے چھوڑ دیئے جاتے اور دروازہ مقفل کر دیا جاتا۔[1]

حاکم بامر اللہ

نام ولقب ابو علی منصور ابن عزیز لدین اللہ لقب حاکم بامر اللہ تھا۔

پیدائش ۲۳ ربیع الاول ۳۷۵ھ میں قاہرہ میں پیدا ہوا۔ ۳۸۶ھ میں تخت خلافت پر متمکن ہوا۔ اس وقت عمر گیارہ سال کی تھی۔ اس وجہ سے ارجون خادم مدبر دولت قرار پایا۔[2]

ارجون ارجون خادم اس کے عہد حکومت میں امور سلطنت کا کامل منصرم اور اس پر مستولی و متغلب ہو گیا۔ جیسا کہ اس کے باپ عزیز کے عہد حکومت میں تھا اور ابو محمد حسن بن عمار ہر کام میں ارجون کا ردلیف و شریک تھا۔ ارجون محل سرائے شاہی میں حاکم کے ساتھ رہتا تھا۔ ابو محمد حسن امور سلطنت کی نگرانی کرتا رہا تھا۔ اس نے آہستہ آہستہ کل انتظامی امور اور مالی صیغوں پر قبضہ کر لیا۔ "امین الدولہ" کے لقب سے اپنے کو ملقب کیا۔ کتامہ کی بن آئی۔ رعایا کے مال اور عزت کو اپنی خواہشات نفسانی کا شکار کرنے لگے۔

منجوتکین کو یہ امر اور ابو محمد کا ہر کام میں پیش پیش ہونا ناگوار گزرا۔ ارجون کو لکھ بھیجا کہ اگر تم میری موافقت کرو تو میں حکومت کے خلاف بغاوت کا علم بلند کر دوں۔ ارجون کا دل ابو محمد سے تو پک ہی گیا تھا منجوتکین سے سازش کر لی۔ چنانچہ منجوتکین نے خود سری کا اظہار کر کے ایک فوج دمشق سے مصر کو

---

[1] مسلمانوں کا نظم مملکت صفحہ ۱۲۲ [2] کامل ابن اثیر جلد ۹ صفحہ ۸۳ مطبوعہ لندن۔

روانہ کی جس کا سردار سلیمان بن جعفر بن فلاح تھا۔ ابو محمد کو اس کی اطلاع ہوئی تو اس نے بھی مصری لشکر کو اس طوفان کی روک تھام کرنے کو روانہ کیا۔ مقام عسقلان میں دونوں فوجوں کا مقابلہ ہوا۔ ایک سخت و خونریز جنگ کے بعد منجوتگین کو ہزیمت ہوئی۔ دو ہزار آدمی اس کے کھیت رہے اور خود بھی اثناء دار و گیر میں گرفتار کر لیا گیا اور پابزنجیر مصر بھیج دیا گیا۔ ابو محمد نے مصلحتاً مشرقی فوجوں کو ملانے کی غرض سے منجوتگین کو رہا کر دیا اور اپنی طرف سے ملکِ شام پر ابو تمیم سلمان بن فلاح کتامی کو مامور کیا۔ اُس نے طبریہ میں پہنچ کر اپنے بھائی علی کو سندِ حکومت عطا کر کے دمشق بھیجا۔ اہلِ دمشق نے علی کی سرداری تسلیم نہ کی لڑنے پر آمادہ ہوئے۔ ابو تمیم نے اہلِ دمشق کے پاس اپنی سفارت بھیجی اور ان کو سرکشی اور مخالفت کے عواقب امور سے ڈراتے ہوئے اپنے جاہ و جلال کی دھمکی بھی دی۔ اہلِ دمشق نے ڈر کر اطاعت قبول کر لی اور علی کی سرداری و حکومت تسلیم کر کے شہر پناہ کے دروازے کھول دیئے۔

علی نے شہر پناہ میں داخل ہوتے ہی دُند مچا دی۔ خونریزی و غارت گری کا بازار گرم کر دیا۔ کئی کو قتل کیا۔ ابو تمیم کو اس کی خبر لگی۔ فوراً دمشق آ پہنچا اور اہلِ دمشق کو علی کے پنجۂ غضب سے نجات دے کر علی کو دمشق سے طرابلس کی حکومت پر تبدیل کر دیا اور طرابلس کے سابق حکمران جیش بن صمصامہ کو معزول کر دیا۔

جیش نے معزولی کے بعد مصر کا راستہ لیا۔ تھوڑے دنوں کے سفر کے بعد مصر میں داخل ہوا۔ ارجون کے پاس آمد و رفت شروع کی۔ جیش اور ارجون نے متفق ہو کر یہ رائے قائم کی کہ ابو محمد اور کل سردارانِ کتامہ کو جو اس کے مصاحب و مشیر ہیں جس طرح سے ممکن ہو مملکتِ مصر سے نکال دینا چاہیئے۔ اس سازش میں شکر خادم عضد الدولہ بھی شریک تھا۔ شکر عضد الدولہ کا خادم خاص تھا۔ بعد وفات عضد الدولہ وادبار شرف الدولہ برادر عضد الدولہ مصر چلا آیا اور عزیز کے دربار میں پہنچ کر ایک قسم کا رسوخ پیدا کر لیا تھا۔ اسی تعلق

سے یہ ارجون اور جلیش کے ساتھ رہا کرتا تھا۔

اتفاق سے ابو محمد کو اس سازش کی اطلاع ہو گئی۔ ادھر ارجون نے اس کے زیر کرنے کی تدبیر نکالی۔ الغرض مغربی و مشرقی فوجیں ہر دو کی گتھ گئیں۔ ابو محمد روپوش ہو گیا۔ ارجون حاکم کے پاس آگیا اور تمام واقعات گوش گزار کئے اور اس کو سریر خلافت پر جلوہ افروز کر کے اس کی خلافت اور حکومت کے دوبارہ بیعت لی۔

ارجون نے دمشق کے سپہ سالاروں کو خفیہ خط لکھا کہ ابو تمیم کو گرفتار کر لو۔ چنانچہ اس کا گھر بار لوٹ لیا گیا۔ اس کے بعد ارجون نے ابو محمد کی تقصیر معاف کر دی۔ ارجون نے خودسری پر کمر باندھ رکھی تھی۔ آخر کار حاکم نے ۳۸۹ھ میں اس کا کام تمام کرا دیا۔[1]

وزارت حاکم کے ابتدائی دور میں عیسیٰ بن نسطورس وزارت پر سرفراز تھا پھر اس کو معزول کر کے حسین بن عمار کا تقرر عمل میں آیا۔ ایک عرصہ تک ارجون بھی وزیر رہا۔

قاضی القضاۃ عبداللہ حسین علی بن نعمان قاضی القضاۃ تھا۔ ۳۹۴ھ میں معزول کر کے حاکم نے قتل کرا دیا اور لاش کو جلوا دیا۔

اس کے بعد سعید الفارقی مامور ہوا۔ ۴۰۵ھ میں اس کو بھی سزائے موت دی گئی باوجودیکہ خلیفہ حاکم کی نظروں میں اس کی بہت عزت تھی امور سلطنت میں اس کو دخل تمام تھا اور خلوت و جلوت میں خلیفہ کا ہمراز و مصاحب تھا۔ اس کے بعد احمد بن عبداللہ بن ابی العوام عہدۂ قضا سے سرفراز کیا گیا۔[2]

حاکم نے ارجون کے قتل کے بعد حکومت ہاتھ میں لی اور انتظام سلطنت میں لگ گیا۔

---

[1] ابن خلدون جلد ۹ صفحہ ۲۸ [2] ایضاً جلد ۱۰ صفحہ ۲۸۔

احکام ۳۹۱ھ میں حاکم نے حکم جاری کیا کہ دن کو کاروبار نہ کیا جائے۔ رات کو دکانیں کھلیں اور خود رات کو گھوما کرتا۔ شراب مطلقاً اٹھادی۔ اس کے ظروف تڑوا دیئے۔ شہر کے تمام کتوں کو مروا ڈالا۔ کار آمد بیل اور گائے بجز قربانی کے ذبح کرنا ممنوع قرار دیا۔ امیر معاویہؓ اور متوکل جو پھل اور ترکاری پسند کرتے تھے ان کی خرید و فروخت ممنوع کر دی گئی۔ شہر میں گدھا نہیں آسکتا تھا۔

عیسائیوں کا عروج و زوال حاکم نے عیسائیوں کو بہت عزت دی وہ سر چڑھ گئے اور مسلمانوں پر ظلم کرنے لگے۔ حاکم کو اطلاع ہوئی۔ ان کے سردار قتل کرا دیئے۔ کنیسے تڑوا دیئے گئے۔ اور بیت المقدس کا کنیسہ قمامہ بھی منہدم کرا دیا۔ عیسائی یہاں کی خبریں شام و روم کے نصرانیوں کو دیا کرتے تھے اور انہوں نے مسجدیں منہدم کیں اس کا یہ انتقام تھا۔

تبرا ۳۹۵ھ میں صحابہ کرام کے نام پر گالیاں لکھوا کر مساجد، مقابر اور شوارع عام پر لگوائیں۔ عام مخالفت کی وجہ سے دو برس کے بعد یہ حکم واپس لے لیا گیا۔

جدید شریعت حاکم مراقی واقع ہوا تھا۔ ضرار نامی نے ایک جدید شریعت نکالی۔ نماز، روزہ، زکوٰۃ حج کا بدل صرف یمن کے مقام طالب کی زیارت کافی تھی۔ ماں، بہن، بیٹی کے ساتھ بھی نکاح ہو سکتا تھا۔ اس کا شاگرد حمزہ بن احمد اس کا نقیب تھا۔ حاکم بھی ضرار کا معاون ہو گیا اور غیب دانی کا دعوےٰ کر بیٹھا۔ جبل مقطم پر روزانہ جا کر مناجات پڑھتا اور جس راستہ سے گزرتا حکم دیا کہ لوگ سجدہ میں جھک جائیں، خطبہ میں نام آئے تو ہر ایک نمازی سجدہ کرے۔ پھر خدائی کا دعویٰ کر دیا۔ اہل مصر نے مذاق اڑایا۔ شہر میں آگ لگوا دی اور رعایا میں بہت سے تہ تیغ کئے گئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے جسم اطہر کو مدینہ سے منگوا کر مصر میں دفن کرانا چاہتا تھا امیر ابوالفتوح مدینہ گیا۔ سخت آندھی آئی خوف زدہ ہو کر امیر مصر بھاگ آیا۔

ابوزکوۃ اس زمانہ میں خلفائے بنی امیہ اندلس میں سے ایک شہزادہ ابوزکوۃ آگیا۔ اُس نے علمِ بغاوت بلند کیا۔ اس کے ساتھ بڑی جماعت ہوگئی حاکم کی افواج سے خوب خوب مقابلے کئے۔ آخر میں فضل بن صالح نے سخت خونریزی کے بعد اس کو گرفتار کر لیا۔ مصر لائے، سولی پر چڑھانے چلے۔ راہ میں طائر روح قفس عنصری سے پرواز کر گیا۔

قتل حاکم حاکم نے اپنی بہن شہزادی ست الملوک پر اتہام تراشا۔ اس نے ابن دواس کے ذریعہ جبل مقطم پر حاکم کو مروا ڈالا اور جب دواس انعام لینے آیا تو اُس کو بھائی کے انتقام میں ذبح کرا دیا[1] اور حاکم کے بیٹے ابوالحسن علی کو تخت پر بٹھا کر خود نے زمام حکومت ہاتھ میں لے لی۔

علمی ترقی حاکم خبطی ہونے کے ساتھ علمی ذوق رکھتا تھا۔ چنانچہ اس نے بغداد کے بیت الحکمۃ کے مقابلہ پر اپنے قصر کے متصل دارالحکمت کے نام سے ایک عمارت بنوائی جس میں ہر علم و فن کی کتابیں جمع تھیں اور یہ انتظام تھا۔ جو کسی کتاب کی نقل لینا چاہے اس کو نقل کے لئے جملہ سامان دارالحکمت سے ملتا تھا۔ رصدگاہ، انجمن، اخوان الصفا اس کی علمی سرپرستی کی شاہد ہیں۔

دارالمناظرہ اہلِ علم کا مناظرہ یہاں ہوا کرتا تھا۔ حاکم خود بھی اس میں شریک ہوتا۔

تراویح کی بندش ایک مرتبہ تراویح پڑھنے کی ممانعت کر دی۔ مگر پھر خیال آیا تو ایک فرمان جاری کیا کہ تراویح پڑھی جاسکتی ہیں۔

افواج حاکم کے دربار میں سفرائے فرنگی باریاب ہوئے۔ ان کا استقبال ان کے شایان شان کیا گیا۔

---

[1] ابن خلدون جلد ۱ صفحہ ۲۹۔

افواج عزیز کے زمانے سے فوج میں بربریوں کے علاوہ ترک بھی بھرتی کئے جانے لگے۔ حاکم کو بربریوں کے خلاف اُکسا دیا۔ اس نے ابن عمار اور بڑے بڑے بربری رئیسوں کو قتل کرا دیا جس سے بربری دب گئے اور ترک مسلط ہو گئے جس کا نتیجہ آئندہ اچھا نہ نکلا۔

جامع حاکمی جامع کی بنیاد عزیز نے ڈالی تھی مگر تکمیل حاکم کے زمانہ میں ہوئی۔ اس جامع میں ایک لاکھ روپیہ کی قیمتی جانماز اور معلّے تھے۔ بارہ سو بتیوں کا عظیم الشان جھاڑ مسجد میں لگوایا۔

اوصاف علامہ ابن خلکان کا بیان ہے کہ "حاکم متلوّن طبع غیر مستقل مزاج آدمی تھا۔ اس کے واقعات عجیب وغریب ہیں۔[1]

ترویج شیعیت حاکم کا سب سے بڑا کارنامہ دعوتِ فاطمی کے دونوں پہلوؤں سیاسی ودینی کی تبلیغ واشاعت ہے۔ اس نے اپنی حکمتِ عملی اور جابرانہ قوانین کے ذریعے شیعیت کا دائرہ بہت وسیع کر دیا اور رعایا کی بہت بڑی تعداد نے شیعہ مذہب قبول کر لیا۔ حاکم نے حکم دے رکھا تھا کہ ہفتہ میں دو بار شیعہ مجلس میں اہل مصر شریک ہوا کریں۔[2]

معاصر علماء ابو علی محمد بن حسن کا وطن بصرہ تھا۔ علمِ ریاضی وطِب کے ماہر تھے۔ حاکم بامر اللہ فاطمی نے مصر بلایا۔ دریائے نیل کی طغیانی کو مفید طریقہ سے استعمال کرنے کے لئے مقرر کیا۔ مگر یہ کام ان سے نہ چل سکا تو دربار سے علیحدہ ہو گئے اور خطاطی پر گزر اوقات کرنے لگے۔

شرح اصول اقلیدس، شرح مجسطی، الجامع فی اصول الحساب، المسائل العدیدہ بجہتہ جبر ومقابلہ، کتاب فی حساب المعاملات کتاب فی الآت الظل،

---

[1] ابن خلکان جلد ۲ ص ۱۲۰ مطبوعہ مصر [2] ص

مجموعہ مسائل ہندسیہ وعددیہ یادگار سے ہیں ۴۱۱ھ میں انتقال ہوا[1]

ابن رضوان ابوالحسن علی ابن رضوان ملک مصر کے جیزہ گاؤں میں پیدا ہوئے۔ فن طب حاصل کیا۔ حاکم بامراللہ کے افسرالاطباء تھے۔ شرح کتاب الغرق جالینوس، کتاب الصناعۃ، رسالہ فی علاج الجزام مقالہ فی الرد علیٰ افرا ئیم وابن زرعہ فی الاختلاف الملل کتاب فی الرد علی الرازی فی العلم الالٰہی واثبات الرسل ۴۵۳ھ میں انتقال کیا۔

ابوالحسن علی بن الامام الحافظ ابن سعید بن یونس صاحب تاریخ مصر، ابن اثیر کا بیان ہے کہ اعلیٰ درجہ کا منجم تھا اور رصد پر عبور کامل تھا، اس نے "زیچ حاکمی" بنائی ۔ ۳۷۷ھ میں فوت ہوا[2]

ظاہر لاعزاز دین اللہ

شہزادی ست الملوک نے امرائے سلطنت کو رقمیں چٹا کر ہمنوا بنالیا اور اپنے برادر زادے ابوالحسن علی جس کی عمر سولہ سال کی تھی شاہی لباس پہنا کر دربار میں بھیجا اور تخت نشین کیا۔ اس کے بعد حاکم کے مرنے کی خبر عام مشتہر کی گئی۔ اس کے بعد بیعت عام ہوئی اور تمام صوبوں میں اطلاع بھیج دی گئی۔

وزارت ابوالقاسم علی بن احمد جراجری کو وزارت کے عہدہ پر سرفراز کیا۔

شہزادی ست الملوک شہزادی فاطمی خاندان میں بڑی عقیل اور دانا اور تعلیم یافتہ خاتون تھی۔ اس کے جوڑ توڑ سے امرائے سلطنت بھی اس کے مطیع ومنقاد تھے۔ چار سال زمام حکومت ہاتھ میں رکھی اور بہترین انتظام مصر کیا۔[3]

---

[1] ابن ابی اصیبعہ واخبار الحکماء قفطی [2] حسن المحاضرہ سیوطی صفحہ ۲۲۲۔

[3] ابن خلدون جلد ۱۰ صفحہ ۲۹۔

صاحب النظم الاسلام لکھتے ہیں :-

"چار برس تک حکومت کا نظم و نسق اس کی پھوپھی کی زیر ہدایت چلتا رہا جس نے ریاست کا نظم و نسق نہایت قابلیت سے چلایا۔ نظامِ حکومت میں نہایت اچھی اصلاحیں کیں۔ فوجوں پر مال و دولت بے دریغ صَرف کیا۔ اس نے اپنی غیر معمولی انتظامی صلاحیت سے حکومت کے تمام شعبوں کی سطح بہت بلند کر دی تھی۔ اس بیدار مغز خاتون نے ۴۱۵ھ میں وفات پائی" [1]

ظاہر نے پھوپھی کے مرتے ہی ہاتھ پیر نکالے۔ عیش و عشرت میں لگ گئے۔ ظاہر ضعیف الرائے تھا، امراء اس پر چھا گئے۔ اس نے خلوت نشینی اختیار کر رکھی تھی۔ تمام انتظام وزراء اور عمال حکومت کے ہاتھ میں تھا۔ مخصوص ارکانِ سلطنت اس کی حکومت میں باریاب ہو سکتے تھے۔ اس کی عدم توجہی سے عمال کا استبداد بڑھ گیا۔ مخلوق پر ہر قسم کے ظلم ہونے لگے جس سے ملک میں ابتری پھیل گئی۔

ظاہر ایسا مبارک قدم اس حکومت پہ آیا کہ قحط اور وباء کا نزول ہوا۔ گرانیٔ غلّہ اور قلاشی نے راہزنی عام کر دی جس سے رعایا کا بڑا حصّہ تباہ و برباد ہو گیا۔ یہ رنگ دیکھ کر ظاہر اصلاح پر متوجّہ ہُوا۔ اُس نے زراعت کی ترقی کے لئے ۴۱۵ھ میں تمام ملک میں منشور شائع کیا کہ کوئی گائے اور بیل جو زراعت کے کام کے لائق ہوں وہ ذبح نہ کئے جائیں۔

حاکم نے عیسائیوں پر جو قیود لگائے تھے وہ اُٹھا دیئے گئے اور منہدم کنیسوں کی تعمیر کی اجازت دے دی۔ ظاہر انصاف دوست تھا۔ اس کی طبیعت میں جور و ظلم نہ تھا۔

---

[1] مسلمانوں کا نظمِ مملکت صفحہ ۱۳۳ -

وقائع ظاہر کے عہد میں ملک شام میں بغاوت پھوٹ نکلی۔ بنی کلاب سے صالح بن مرداس نے حلب پر قبضہ کر لیا۔ بنو جراح نے اس کے گرد و نواح کو تاخت و تاراج کرنا شروع کر دیا۔ ظاہر کو اس کی اطلاع ہوئی۔ فوجیں مرتب و آراستہ کر کے ۴۲۰ھ کو دزبری والی فلسطین کو شام کی جانب روانہ کیا۔ صالح بن مرداس سے اور اس سے مقابلہ ہوا۔ صالح اور اس کا چھوٹا لڑکا مارا گیا۔ دزبری نے دمشق پر قبضہ کر لیا اور حلب کو بھی شبل الدولہ نصر بن صالح کے قبضہ سے نکال کر اس کو قتل کر ڈالا۔[1]

وفات ۱۵ شعبان ۴۲۷ھ کو خلیفہ ظاہر نے وفات پائی۔ عمر ۳۲ سال کی تھی۔ دورِ خلافت سولہ سال رہا۔

مستنصر باللہ

نام و لقب ابو تمیم معد ابن ابوالحسن علی بن حاکم علوی لقب المستنصر باللہ تھا۔ اس کی والدہ حبشی کنیز تھی جس کو ظاہر نے ایک یہودی بردہ فروش سے خریدا تھا۔

خلافت ظاہر کے مرنے کے بعد مستنصر نے تختِ خلافت پر قدم رکھا۔ عمر اس وقت سات سال تھی۔ تمام اراکینِ سلطنت نے بیعت کی۔ لقب المستنصر باللہ اختیار کیا۔

وزارت ابوالقاسم بن احمد جرجرائی وزارت کے عہدہ پر بحال رہا۔

ابوسعید تستری مستنصر کی ماں نے اپنے یہودی آقا ابوسعید سہل بن ہارون تستری کو بلا کر مستشار دولت اور سیاہ و سفید

---

[1] ابن خلدون جلد ۱۰ صفحہ ۳۰۔

کا مالک بنا دیا۔

زریری کے کارنامے

زریری کا نام انوشتگین تھا۔ حکومت دمشق اس کے ہاتھ میں تھی۔ اس کے عادلانہ برتاؤ سے ملک میں امن و سکون تھا۔ مگر وزیر سلطنت ابوالقاسم کو اس بہادر سے کد تھی۔ اس نے اس کے خلاف اس کے فوجی افسروں کو بھڑکا دیا۔ اس نے یہ رنگ دیکھ کر دمشق کو خیرباد کہا۔ بعلبک گیا وہاں کے حاکم نے بھی بے رخی برتی۔ حماۃ پہنچا وہاں بھی سرد مہری دیکھی۔ یہ واقعہ ۴۳۳ھ کا ہے۔

آخر کار زریری والیٔ کفر طاب سے مدد لے کر حلب کو فتح کرنے جا رہا تھا کہ راہ میں جان بحق تسلیم ہوا۔ زریری کے مرنے سے شام کے امن عامہ میں خلل واقع ہوا۔ ابوالقاسم نے دمشق پر حسین بن حمدان[1] کو مامور کیا تھا۔ اس نے بہت چاہا کہ امن قائم رہے مگر کامیاب نہیں ہوا۔ حسان بن مفرج طائی نے فلسطین کو دبا لیا۔ معزالدولہ بن صالح کلابی نے حلب پر قبضہ کر لیا۔

معز بن بادیس

سنہ ۴۴۰ھ میں معز بن بادیس نے ملک افریقہ میں مستنصر کے خلاف علم بغاوت بلند کیا اور خلیفہ مستنصر علوی کا خطبہ و سکہ موقوف کر کے عباسی خلیفہ کے نام کا خطبہ پڑھنے لگا۔ خلیفہ مستنصر نے اس کو تہدید آمیز خط لکھے جس کا جواب معز نے ترکی بہ ترکی دیا۔

اس واقعہ کے بعد ابوالقاسم کو علیحدہ کر کے حسین بن علی تازدادی کو قلمدانِ وزارت عطا کیا۔ مگر اس کو "صلعتیہ" کہا کرتا۔ وہ خلیفہ سے بے زار ہو گیا اور اس نے اس علویہ حکومت کی بیخ کنی شروع کر دی اور معز بن بادیس سے سازباز کرنے لگا۔ قبائل زغبہ اور رباح بطون ہلال میں ایک عرصہ سے دشمنی چلی آ رہی تھی ان میں مصالحت کرا کے ان کو افریقہ روانہ کیا۔ یہ گروہ عرب برقہ

---

[1] اعلام النبلاء بتاریخ الشہباء [2] ابن خلدون جلد ۱۰ صفحہ ۳۰۔

کی سرزمین میں پہنچے۔ ملک سرسبز و شاداب تھا مگر ویران پڑا ہوا تھا۔ یہیں پر مقیم ہو گئے۔ معز کو خبر لگی اس نے غلاموں کی خریداری شروع کر دی اور بیس ہزار غلام خرید لئے۔

سنہ ۴۴۲ھ میں بنو زغبہ نے طرابلس پر قبضہ کر لیا اور چاروں طرف عربوں نے لوٹ مار شروع کر دی۔ بمجبوری معز نے صنہاجہ اور سوڈان کے بیس ہزار جنگ آوروں کو لے کر عربوں سے مقابل ہوا مگر شکست کھا گیا اور قیروان آ کر دم لیا۔[1]

سنہ ۴۴۶ھ میں عربوں نے قیروان پر حملہ کیا۔ یونس بن یحییٰ سردار عرب نے شہر باجہ پر قبضہ کیا اور تمام علاقہ کو روند ڈالا۔ مہدیہ میں معز کا بیٹا تمیم حکمران تھا اس کے پاس چلا گیا۔

ملکۂ ظاہر کا اقتدار

باوجودیکہ ملکۂ ظاہر حبشی کنیز تھی مگر تھی بڑی عاقلہ اور دانا۔ اس نے حبشیوں کو بہت سر چڑھا رکھا تھا۔ کثرت سے حبشی غلام محلات میں رکھ چھوڑے تھے اور اس نے فوج میں کثرت سے حبشی بھرتی کئے۔ ملکہ امورات ملکی میں بڑی دخیل تھی۔ اس کی مرضی پر وزراء کی معزولی و تقرری تھی جس امیر سلطنت سے خفا ہوتی بیٹے سے کہہ کر مروا دیتی۔

وزراء

ابو الفتح فلاحی وزیر بنایا گیا۔ ملکہ کسی بات پر اس سے خفا ہو گئی اس کو معزول کر کے قتل کرا دیا۔ ابو البرکات حسن بن محمد کو عہدۂ وزارت عطا ہوا۔ وہ بھی معزول کر دیا گیا۔ پھر ابو محمد تازوری ہوا وہ مار ڈالا گیا۔ پھر ابو عبد حسین بن بابلی کو قلمدان وزارت تفویض ہوا۔[2]

حبشیوں اور ترکوں میں جنگ

دولت علویہ میں ترکوں کو بھی بڑے بڑے عہدے حاصل تھے۔ فوج میں کثرت سے ترک تھے۔ حبشی ملکہ ظاہر کی وجہ سے خود سر تھے۔ ترکوں کا بڑا سردار

---

[1] تاریخ کامل ابن اثیر جلد ۱۰ صـ ۳۸۹ مطبوعہ لندن [2] ابن خلدون جلد ۱۰ صـ ۳۵۔

ناصر الدولہ بن حمدان تھا۔ ترکوں اور حبشیوں میں کسی بات پر چل گئی۔ ان کی جماعت پچاس ہزار کے قریب تھی۔ ترک چند ہزار تھے مگر ترکوں نے ان کو تلوار پہ رکھ لیا۔ ہزاروں حبشی کھیت رہے۔

اس معرکہ کے بعد ترکوں کے نظامِ حکومت میں گڑبڑ پیدا کرنے کا سبب یہ ہوا کہ شاہی لشکر اور ناصر میں چل گئی۔ ناصر کامیاب ہوا۔ ملکہ نے یہ رنگ دیکھکر پچاس ہزار دینار دے کر صُلح کر لی۔ مگر دھوکے سے ناصر کو ترکوں کے ہاتھوں مروا ڈالا۔ یہ واقعہ ۴۶۵ھ کا ہے[1]

بدر جمالی ترکوں اور حبشیوں کی چپقلش کو دیکھ کر خلیفہ نے بدر جمالی کو دمشق سے بلالیا۔ یہ ایک فوج بحری ارمنوں کی بھرتی کر کے ساتھ لایا تھا۔ مصر میں جب داخل ہوا تو بارگاہِ خلافت میں حاضر ہو کر خلافت مآب کی دست بوسی کا شرف حاصل کیا۔ خلیفہ نے محل سرائے خلافت کے سوا کل شہروں کی حکومت عنایت کی۔ خلعت فاخرہ سے سرفراز کیا اور جواہر کا گلوبند مرحمت فرمایا۔ السید الاجل امیر الجیوش کا خطاب دیا۔ قضاۃ المسلمین اور داعی دعاۃ المومنین کے عہدے تفویض کئے قلمدانِ وزارت عطا ہوا۔ غرضیکہ علم اور قلم دونوں کا مالک بنایا۔

بدر نے زمامِ حکومت ہاتھ میں لیتے ہوئے سلطنت کا نظم و نسق شروع کیا۔ بنی عقیل صور پر قابض تھے۔ ابن عمار کا قبضہ طرابلس پر تھا۔ ابن معروف عسقلان پر حکمرانی کر رہے تھے اس نے ان سب کو نکال باہر کیا۔ دمیاط پر عرب مستولی تھے انکی سرکوبی کر کے ان کے لڑکوں کو غلام بنالیا۔ پھر اہواز پر کنز الدولہ محمد قابض تھا اسکو قتل کرادیا۔ غرضیکہ اندرونی اور بیرونی دولت علویہ کی حالت درست کی اور ایک متمدن باسیاست سلطنت کچھ عرصہ میں اپنی حسن لیاقت سے بنادی تین سال کا خراج معاف کر دیا جس سے دولتِ علویہ اس عروج و شائستگی پر ہو گئی جیسا کہ اس سے پیشتر تھی[2]

---

[1] ابن خلدون جلد ۱ صفحہ ۳۵۔

[2] تاریخ ابن اثیر جلد ۱۰ صفحہ ۲۷۔ مطبوعہ لندن۔

شام پر سلاجقہ کا قبضہ

شام دولتِ علویہ کے قبضہ میں تھا۔ خراسان، عراقین بغداد پر طغرل بیگ سلجوقی کا اقتدار تھا۔ جب ملک شاہ کا زمانہ آیا اس کے افسر اتسز (افسفن) نے شام پر ۴۶۳ھ میں حملہ کر دیا۔ رملہ اور بیت المقدس بقوت لے لئے۔ پھر دمشق پر بڑھا، ناکام لوٹا۔ کچھ عرصہ بعد دمشق پر خلافتِ عباسیہ کے نامور امیر قدس نے قبضہ کر لیا اور یہاں کے والی وزیرالدولہ کو قلعہ بانیاس میں نظر بند رکھا۔ خلافت عباسیہ کے نامور امیر قدس قلعہ پر اڑایا گیا۔ جامع مسجد میں خلیفہ مقتدی کے نام کا خطبہ پڑھا گیا۔

۴۶۹ھ میں اتسز نے مصر پر فوج کشی کی۔ بدر نے زبردست مقابلہ کیا۔ آخر کار شام لوٹ گیا۔ اہلِ دمشق کو نوازا اور اہلِ قدس قتل و غارت کی لپیٹ میں آ گئے۔ سلطان ملک شاہ سلجوقی نے ۴۷۰ھ میں اپنے بھائی تتش کو بلادِ شام کی زمام حکومت سپرد کر دی تھی۔ چنانچہ اس نے حلب پر قبضہ کرنا چاہا۔ ادھر مصری فوجیں دمشق پہنچ کر اس کو گھیرے ہوئے تھیں۔ اتسز نے تتش سے معاونت چاہی اس نے دمشق کا رُخ کر دیا۔ مصری فوجوں نے راہِ فرار اختیار کی۔ اتسز تتش کی خبر سن کر اُس کے پاس آیا۔ اُس نے اس حرکت پر کہ مصری فوج موجود نہیں اس نے بلاوجہ حلب سے بلالیا۔ غصہ میں آکر تتش نے آتسز کو قتل کرا دیا[1] اور شہر دمشق پر قبضہ کر لیا۔ پھر حلب تصرف میں لایا۔ اس طرح تمام شام پر قابض و متصرف ہو گیا۔

تتش تاج الدولہ نے دمشق میں قیام کیا۔ امیر الجیوش بدر جمالی نے فوج بھیجی مگر خائب و خاسر لوٹ آئی۔

۴۷۲ھ میں مصری فوج نے ملک شام پر پھر یلغار کی اور صور کو قاضی عبیدالدولہ بن ابی عقیل کے قبضہ سے لے لیا۔ پھر صیدا اور جبیل کو فتح کر کے عمال اپنے مقرر کئے۔

---

[1] تاریخ ابن اثیر جلد ۱۰ صفحہ ۴۲۔

صقلیہ پر فرانسیسی قبضہ صقلیہ پر گورنر دولت علویہ کی طرف سے مقرر ہُوا کرتے تھے۔ ۴۸۴ھ میں فرانس نے جزیرہ صقلیہ کو دولتِ فاطمیہ کے قبضہ سے نکال لیا [1]

والئ صور کی بغاوت منیر الدولہ جیوش کو بدر نے صور کی ولایت پر مامور کیا تھا لیکن اُس نے بغاوت کی۔ اس کی سرکوبی کے لئے بدر نے فوج روانہ کی وہ تابِ مقابلہ نہ لا سکا۔ راہِ فرار اختیار کی مگر راہ میں گرفتار ہوا۔ مصر لایا گیا، خلیفہ نے اُسے قتل کرا دیا۔ ۴۸۷ھ میں امیر الجیوش بدر جمالی نے انتقال کیا۔ اسی برس کی عمر پائی۔ اس کے دو خالہ زاد تھے امین الدولہ اور نصیر الدولہ۔ خلیفہ امین الدولہ کو وزیر بنانا چاہتا تھا۔ مگر نصیر الدولہ نے ہلڑ مچا دیا۔ آخرش بدر کے لڑکے محمد ملک ابوالقاسم کو عہدۂ وزارت پر سرفراز کیا۔ اس نے بھی مثل اپنے باپ کے وزارت کے فرائض انجام دیئے۔ [2]

وفات خلیفہ مستنصر نے ۸ر ذی الحجہ کو انتقال کیا اور ساٹھ برس تک حکمرانی کی۔

اوصاف یہ خلیفہ نیک تھا اور سیدھا۔ امراء کے ہاتھوں بڑے بڑے مصائب اٹھائے۔ مال لُٹا۔ خزانہ ہاتھ سے جاتا رہا اور بے سروسامانی کا یہ عالم تھا کہ ایک فرش تھا جس پر سوتا تھا اور بیٹھتا تھا مگر ہوشمند تھا اس نے بدر جمالی کو بلا کر حکومت کی حالت درست کر لی۔

آثار خلیفہ مستنصر نے ۴۷۷ھ میں قاہرہ میں بڑی بڑی عمارتیں بنوائیں۔ جامع عمرو بن عاص کی مرمت کرائی اور اس میں جدید منبر اور منارے تعمیر کرائے۔

---

[1] ابن خلدون جلد ۱۰ صفحہ ۴۱ [2] ایضاً صفحہ ۴۲

خراج | بدر جمالی کی وزارتِ عظمیٰ کے دور میں خراج کی آمدنی تیس لاکھ اکسٹھ ہزار دینار تھی۔ مستنصر کے عہد میں مزروعہ رقبہ چھہتر ہزار پانچ سو پچیس (۷۶۵۲۵) فدان تھا۔

کاشت کاروں سے سلوک | فاطمیوں کے عہد میں مصر میں ۱۲۲۸ گاؤں اور ۳۴۰ قصبے اور شہر تھے مستنصر نے کاشت کاروں کے ساتھ نہایت رواداری کا سلوک کیا اور ان کی فلاح و بہبود اور ان کا معیارِ زندگی بلند کرنے کی کوشش کرتا تھا۔

امیر الجیوش بدر جمالی | وزرائے اسلام میں بدر جمالی بھی اعلیٰ لیاقت کا حامل تھا۔ بدر ارمنی الاصل دولت علویہ کا ساختہ پرداختہ اور خلیفہ مستنصر کا خادم تھا۔ پہلے بدر والیٔ دمشق کا حاجب مقرر کیا گیا۔ بعد چندے دارالامارت کے سوا سارے شہر کی نظامت پر مامور ہوا۔ پھر جب والیٔ دمشق نے وفات پائی تو اس نے زمامِ حکومت سنبھالی۔ ابن امیر والیٔ دمشق ہو کر آیا یہ مصر آ گیا۔ پھر عکہ کا والی مقرر ہوا۔ پھر مستنصر نے بلا کر وزارتِ عظمیٰ کے منصب پر سرفراز کیا۔ بدر حد درجہ کا کفایت شعار تھا۔ نہایت قابلیت سے حکومت کی۔ قابل حکمرانوں میں شمار کیا جاتا ہے[1]
ماہ ربیع الاول ۴۸۷ھ میں فوت ہوا۔

مستعلی باللہ

نام و لقب | ابوالقاسم احمد بن مستنصر باللہ علوی۔ لقب مستعلی باللہ۔

---

[1] ابن خلدون جلد ۱۰ صفحہ ۳۷۔

خلافت مستنصر کے مرنے کے بعد اس کے تین لڑکے احمد، نزار اور ابوالقاسم تھے۔ مستنصر نے نزار کو ولی عہد بنایا مگر محمد ملک ابوالقاسم فضل بن بدر جمالی وزیر سلطنت اور نزار سے اَن بن تھی۔ اس نے مستنصر کی بہن کو پٹی دی کہ آپ ابوالقاسم کی خلافت کی تحریک کیجئے۔ میں آپ سے وعدہ کرتا ہوں کہ امورِ سلطنت ہمیشہ آپ کی رائے اور ذمہ داری سے انجام پذیر ہُوا کریں گے۔ مستنصر کی بہن نے اس بنا پر قاضی اور داعی کے روبرو ابوالقاسم کی ولی عہدی کا اظہار کر دیا اور قسم بھی کھائی۔ پس ارکینِ دولت نے ابوالقاسم کے ہاتھ پر خلافت و امارت کی بیعت کر لی۔ المستعلی باللہ کے لقب سے مخاطب کیا۔[1]

نزار کو یہ امر ناگوار گزرا۔ مصر سے اسکندریہ چلا گیا۔ نصیر الدولہ افتگین بدر جمالی کا غلام و والی تھا۔ اس نے اس کو خلیفہ بنایا اور المصطفیٰ لدین اللہ خطاب سے مخاطب کیا۔

نزار کے خلاف مصر سے فوج روانہ کی گئی۔ سرعسکر وزیر سلطنت تھا اور اسکندریہ کا سخت محاصرہ کیا۔ آخر کار شہر وزیر کے حوالے کر دیا گیا۔ نزار اور افتگین کو لے کر مصر آیا۔ نزار کو خلیفہ نے قیدِ حیات سے سبکدوش کر دیا۔

وزارت فضل بن بدر جمالی وزیر تھا۔ حکومتِ مصر اس کے ہاتھ میں تھی۔ مستعلی برائے نام خلیفہ تھا۔

مستعلی کے زمانہ میں جنگِ صلیبی کا آغاز ہُوا اور عیسائیوں کا بیت المقدس پر قبضہ ہو گیا۔ جنگِ صلیبی کی تفصیل پیش کرتے ہیں۔

محاربات صلیبیہ

۴۸۹ھ / ۱۰۹۶ء میں صلیبی لڑائیوں کی ابتدا ہوئی۔ اس سال عیسائیوں کے

---

[1] ابن خلدون جلد ۱۰ صفحہ ۴۳۔

ٹھٹھ کے ٹھٹھ میدانِ جنگ میں پہنچے مگر کوئی مہم سر نہ کر سکے۔ اس کے ایک سال بعد ۱۰۹۷ء میں ان کی امداد کے لئے مزید عساکر یورپ کے چار بڑے نوابوں کی قیادت میں روانہ ہوئے۔ یہ چار نواب گاڈفری (امیر بولونیا) ریمان (نواب طولوس) بالڈوین (گاڈفری کا بھائی) اور بوہمانڈ (رابرٹ گارڈ مگارڈ کا بیٹا اور جنوبی اٹلی اور سسلی کا نارمن نواب) تھے) ان لوگوں کی امداد کے لئے دوسرے امراء اور شہسوار بھی موجود تھے۔

قسطنطنیہ پہنچنے پر پہلے تو شہنشاہ نے اُن سے یہ اطمینان حاصل کر لیا کہ ان کا مقصد شہنشاہ کو مسلمانوں سے اُس کے علاقے واپس دلانا ہے اور اس کے بعد انہیں اپنے ملک سے گزرنے کی اجازت عطا فرمائی۔ یہ عساکر دشوار گزار دروں کو عبور کرتے ہوئے ایشیا کے میدانوں میں پہنچے۔ ان کے پہنچنے سے پہلے مسلمان فوج کے بڑے بڑے امراء واپس ہو چکے تھے۔ فوجیوں کی بہت معمولی تعداد غیر منظم حالت میں باقی تھی۔ عیسائی سورماؤں نے ایک دم حملہ کیا اور فتح پر فتح حاصل کرتے ہوئے ملک شام تک پہنچے۔

ان معرکوں میں سب سے اہم معرکہ ایشیائے کوچک کے مغرب میں دوریلیوم کے پاس کا تھا۔ جو علاقے انہوں نے مسلمانوں سے ہتھیائے تھے ان میں چار ریاستیں قائم کیں جن کے مراکز رُوہا، انطاکیہ، طرابلس اور بیت المقدس کا حاکم گاڈفری اس نئی مملکت کا سلطان اعظم قرار پایا اور باقی تین اس کے ماتحت اور حلیف ٹھہرے۔ یورپ اپنے مقاصد میں کامیاب ہوا۔ اسلامی فتوحات کے ریلے کو دھکا لگا اور قسطنطنیہ کی فصیلوں سے یہ حملہ کافی دُور ہٹا دیا گیا اور دوبارہ اسلامی فوجیں اس فصیل پر دھاوا بولنے کی جرأت نہ کر سکیں۔ ساڑھے تین سو سال کے بعد کہیں جا کر ترکوں میں حوصلہ پیدا ہوا اور وہ قسطنطنیہ پر چڑھائی کر کے رومی شہنشاہیت کے مشرقی مرکز پر اسلامی جھنڈا گاڑنے میں کامیاب ہوئے۔

وفات مصر کا تاجدار خلیفہ مستعلی ابوالقاسم احمد بن مستنصر باللہ علوی نے ۱۵ر صفر ۴۹۵ھ کو انتقال کیا۔ سات سال خلافت کی اس کا عہد شورش نصاریٰ کا رہا۔ اس کا بیٹا ابوعلی جس کی عمر ۵ سال تھی سریر خلافت پر متمکن کیا گیا۔[1]

افضل بن بدر جمالی وزیر

مستنصر کی وفات کے بعد افضل بن بدر جمالی سیاہ سفید کا مالک تھا۔ اس وقت اُس نے ولی عہد خلافت نزار کو معزول کر دیا اور اس کی جگہ اُس کے بھائی مستعلی کو تخت خلافت پر بٹھا دیا۔ عرب مؤرخین کا بیان ہے کہ یہ اس کینہ کا عملی اظہار تھا جو نزار کی طرف سے اس کے دل میں مدت سے بیٹھا ہُوا تھا۔ واقعہ یہ تھا کہ ایک دفعہ افضل قصر مستنصر کے دروازہ کے اندر خچر پر سوار ہوکر داخل ہو گیا۔ نزار کو یہ جسارت ناگوار گزری اور اس نے نہایت حقارت سے اس سے کہا او ارمنی! نجس کہیں کے اتر آ۔

افضل اس وقت تو مصلحت وقت سے خاموش ہو گیا۔ مگر اس کے دل میں کینہ بلیٹھ گیا۔ مستنصر کی وفات کے بعد اُسے انتقام کا موقع ملا اور اس نے اسے معزول کر کے مستعلی کو خلافت کے لئے منتخب کر لیا۔ نزار نے جب دیکھا کہ خلافت اُس کے ہاتھوں سے جاتی رہی تو وہ اسکندریہ چلا گیا۔ وہاں کے گورنر نے اس کی بہت آؤ بھگت کی اور گورنر اور اہلِ اسکندریہ نے اس کے ہاتھ پر بیعت کر لی اور مصطفےٰ لدین اللہ لقب پایا۔

افضل کو اس کی اطلاع ہوئی تو ایک زبردست فوج لے کر اسکندریہ

---

[1] ابن خلدون جلد ۱۰ صفحہ ۷۴۔

پر چڑھائی کر دی۔ ابتداء میں افضل کو کامیابی نہیں ہوئی اور اُسے قاہرہ لوٹنا پڑا۔ یہاں مزید تیاریاں کی پھر دوبارہ نزار پر چڑھائی کر دی۔ اس دفعہ نزار کو شکست ہوئی اور وہ امان کی درخواست کرنے پر مجبور ہوا۔ افضل نے نزار کو دو دیواروں کے درمیان زندہ چنوا دیا۔ یہ "امان" کی التجا کا جواب تھا۔

افضل علم دوست انسان تھا۔ مرنے کے بعد اُس نے ایک کتب خانہ چھوڑا جس میں مختلف علوم و فنون کی پانچ لاکھ کتابیں موجود تھیں۔ یہ شعراء علماء اور اہلِ علم کا قدر دان تھا اور دوسری بہت سی خوبیوں کا حامل تھا۔ اس کے پاس بے شمار دولت تھی۔ ۵۰۱ھ، ۱۱۰۷ء میں صرفِ کثیر سے ایک شاندار محل تعمیر کرایا۔ اس کے لئے بیش قیمت فرنیچر اور سامانِ آرائش کے علاوہ نہایت اعلیٰ قسم کے آلات اور نادر اشیاء کا ایک بہت بڑا ذخیرہ فراہم کیا تھا۔ اس سے اس کی خوش مذاقی اور فنی ذوق کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ افضل نے حکومت کے دفاتر اپنے محل میں منتقل کرا لئے تھے۔ اس میں ہر شعبہ کے لئے ایک وسیع کمرہ تھا۔

یہاں ایک کمرہ مجلس عطا کے نام سے موسوم تھا جس میں افضل بذاتِ خود بیٹھتا تھا اور اپنے ہاتھ سے ہر مصیبت زدہ اور مفلس شخص کو ایک ایک دینار عطا کرتا تھا۔ مجلس عطا میں اس مقصد کے لئے آٹھ تھیلیاں روزانہ رکھی جاتی تھیں جس میں پینتیس ہزار دینار ہوتے تھے۔ دو تھیلیاں زنان خانہ میں رکھی رہتی تھیں۔ ایک میں دینار ہوتے تھے دوسری میں درہم۔ مقصد یہ تھا کہ کسی وقت عطاء سے ہاتھ خالی نہ رہے۔

اس وقت افضل کی حیثیت امیرانہ تھی۔ اس کے قبضہ میں خراج کا محکمہ تھا۔ اس کے قصر میں گورنمنٹ قائم تھی۔ تمام حکومت کا نظم و ضبط اسی کے زیرِ اقتدار تھا۔ مستعلی کی حیثیت اس کے سامنے ایک بے دست و پا انسان کی تھی۔ حکومت کے نظم و نسق میں اس کا مطلق اثر نہ تھا۔ وزیرِ اعظم کی جنبشِ

لب سے حکومت کی مشینری حرکت کرتی تھی۔ خلیفہ آمر ۴۹۵ھ، ۵۲۴ھ کے عہد تک اسی شان و شوکت کے ساتھ وہ ڈکٹیٹر رہا۔ آمر کے عہد میں اُسے قتل کر دیا گیا۔ یہ عید کی صبح کا واقعہ ہے۔ خلیفہ کے حکم سے اس کی دولت خزانۂ خلافت میں منتقل کر دی گئی۔ اس دولت کا اندازہ اس سے کیا جا سکتا ہے کہ منشیوں کی ایک بہت بڑی تعداد دو ماہ کی مسلسل محنت کے بعد اس کا گوشوارہ مرتب کر سکی تھی۔[1]

الآمر باحکام اللہ

نام و لقب ابو علی بن ابو القاسم مستعلی بن مستنصر باللہ علوی لقب الآمر باحکام اللہ تھا۔

خلافت ۴۹۵ھ میں سریر آرائے خلافت ہوا۔

حروب صلیبیہ اس سال صلیبیوں نے عکہ پر قبضہ کیا۔ پھر طرابلس الشام لے لیا۔ اس کے بعد سلسلہ وار سال سال تک یکے بعد دیگرے شام اور فلسطین کے بلاد پر قبضہ کرتے رہے اور رہا اور انطاکیہ اور بیت المقدس تین مستقل ریاستیں قائم کر لیں۔ خلیفہ عباسی کی طرح خلفائے فاطمی بھی خاموش بیٹھے رہے اور مسلمانوں کا قتل ہوتا رہا۔

وقائع ۵۱۱ھ میں شاہ بلڈوین قدس سے ایک جمعیت لے کر فتح مصر کے لئے نکلا اور "فرما" میں پہنچ کر وہاں کے رہنے والوں کو تہ تیغ کیا۔ ان کے مکانات لوٹ لئے۔ مسجدیں جلا دیں۔ آمر کو اپنے عشرت کدہ سے فرصت کہاں تھی جو اس طرف توجہ کرتا۔ حسنِ اتفاق سے بلڈوین خود بیمار پڑ گیا جس سے اس کو اپنے مستقر کو لوٹنا پڑا۔ راہ میں فوت ہو گیا۔

---

[1] مسلمانوں کا نظام مملکت صفحہ ۱۷۴۔

قتل امیر الجیوش افضل بدر جمالی افضل وزرائے اسلام میں اعلیٰ مرتبت وزیر تھا۔ اس کے باپ نے علوی حکومت کو مضبوط کیا۔ افضل نے اس کی حالت درست کی، مگر آمر نے یہ انعام دیا کہ اس کو رمضان ۵۱۵ھ میں قتل کرا کر اس کا مال قبضہ میں کیا اور چالیس دن تک مال و متاع خچروں پر خلیفہ کے محل میں ڈھلتا رہا۔

افضل کے بعد ابن البطائحی کو وزیر سلطنت مقرر کیا۔

قتل آمر باطنیہ جن کو علوئین کا نقیب کہنا چاہیئے۔ مستنصر نے ہی حسن بن صباح کو اپنا داعی مقرر کیا تھا جس کے حالات "تاریخ ملت" جلد ششم میں بیان کئے جا چکے ہیں۔

غرضیکہ باطنیوں کا شام پر اقتدار تھا۔ بڑے بڑے قلعہ بنائے تھے انہی میں سے ایک باطنی نے ۲؍ ذیقعدہ ۵۲۴ھ کو اپنے امام آمر کو قتل کر دیا۔

اوصاف آمر عیاش اور بدطینت تھا۔ بھائی کو مروا ڈالا۔ افضل جس نے صلیبیوں سے مقابلہ کیا ورنہ مصر پر بھی وہ قابض ہو گئے ہوتے خدام قصر کے کہنے سُننے سے محسن کو قتل کرا دیا۔ اس میں حکمرانی کی لیاقت نہ تھی مہمات سلطنت سے بے خبر رہتا تھا۔

شعر گوئی آمر کی طبیعت موزوں تھی۔ اس جگہ اس کے نتیجۂ فکر کو پیش کرتے ہیں ؎

اصبحت لا ارجو ولا اختشی	الا الٰہی و لہ الفضل
جدی نبی و امامی ابی	و مذہبی التوحید والعدل[1]

ترجمہ: مجھ کو نہ کسی سے کوئی تمنا ہے اور نہ میں کسی سے ڈرتا ہوں سوائے اپنے اللہ کے اور وہ فضل والا ہے میرا دادا نبی ہے اور میرا باپ امام ہے اور میرا مذہب توحید اور عدل ہے۔"

---

[1] ابن خلدون جلد ۱۰ صفحہ ۵۵ و ۵۶۔

حافظ لدین اللہ

نام ولقب میمون عبدالمجید بن امیر ابوالقاسم بن خلیفہ مستنصر باللہ، لقب حافظ لدین اللہ تھا۔

خلافت آمر کے کوئی اولاد ذکور نہ تھی۔ اس کے چچا کے بیٹے میمون کو سریرِ خلافت پر متمکن کیا۔ اراکینِ سلطنت نے بیعت کرلی اور حافظ لدین اللہ خطاب دیا۔

وزارت مرحوم خلیفہ کی وصیت پر ہزبر الملوک کو قلمدانِ وزارت تفویض ہوا۔ سعید یانس جو افضل کے خدام سے تھا اس کو داروغہ محلسرائے خلافت بنایا۔

کوائف وزارت ہزبر الملوک کی وزارت پر رضوان بن ولخش امیر العسکر افواجِ فاطمیہ بگڑ گیا۔ ہنگامہ بپا ہوگیا۔ ابوعلی بن افضل قصر میں تھا وہ باہر آیا اس کو فوجیوں نے ہاتھوں ہاتھ لے کر وزارت پہ سرفراز کرنا چاہا۔ مجبوری درجہ میمون نے اس کو ہی عہدۂ وزارت عطا کیا۔ اور ہزبر کو معزول کر کے قتل کرا دیا۔

ابوعلی نے انتظامِ سلطنت سنبھالا۔ کچھ عرصہ میں خلیفہ کو معطل کر دیا۔ اس کے اختیارات چھین لئے۔ خزانہ اور ذخائر شاہی اپنے مکان پر اٹھا لایا۔ غالی شیعہ تھا۔ قائم منتظر (مہدی موعود) کی دعوت قائم کی۔ اسماعیل اور خلیفہ حافظ کے ناموں کو خط سے نکال دیا اور اس کا ارادہ تھا کہ حافظ کو قتل کرا دے۔ منبروں پر اپنی تعریف و توصیف کراتا۔ آخر کار خلیفہ کو معزول کر کے قید کر دیا۔

---

[۱] ابن خلدون جلد ۱۰ صفحہ ۵۵، ۵۶ [۲] ایضاً ص ۵۰ —

اس کے ہم مسلک حضرات اس سے بگڑ بیٹھے۔

ایک دن ابو علی چوگان کھیلنے گیا۔ کچھ فوجیوں نے گھیر کر قتل کر دیا اور امرائے لشکر حافظ کو قید سے نکال لائے اور اُس کے ہاتھ پر خلافت اور امارت کی بیعت کی۔ وزیر کا تمام سامان قصرِ خلافت میں اُٹھوا لیا اور قلمدانِ وزارت ابوالفتح یانس حافظی کے سپرد ہُوا۔ مگر ۵۲۶ھ میں اس کو زہر دے کر مار ڈالا۔ پھر اپنے بیٹے سلمان کو وزیر سلطنت کیا۔ وہ مَر گیا تو دوسرے بیٹے حسن کو وزیر کیا۔

اس نے یہ گل کھلایا کہ باپ کو قید کر کے خود خلیفہ بننا چاہا۔ خلیفہ نے چالیس آدمی اُس کے قتل کرنے کو مقرر کیئے مگر سب کام آ گئے۔ آخر کار خلیفہ نے بہرام ارمنی کو رضامند کیا کہ فوج لے کر حسن کو گھیر کر مار لو۔ چنانچہ حسن گرفتار ہُوا اور حافظ نے خود بیٹے کو قتل کر دیا۔ یہ واقعہ ۵۲۹ھ کا ہے۔

پھر بہرام کو وزیر بنا لیا۔ اس سے اور رضوان بن ولخش سے کشیدگی پیدا ہو گئی۔ بہرام نے رضوان کو صوبہ غربیہ کی مسندِ حکومت دے کر قاہرہ سے ہٹانا چاہا۔ اس نے فوج جمع کر کے قاہرہ کو گھیر لیا۔ بہرام ارمنی قبرص بھاگ گیا۔ رضوان نے اپنے بھائی ابراہیم اوحد کے ذریعہ اس کو پکڑوا بلایا۔ خلیفہ نے نظربند کرا دیا وہ وہیں مَر گیا۔ رضوان نے قلمدانِ وزارت سنبھالا۔ تھوڑے ہی عرصہ میں امورِ سلطنت پر غالب ہو گیا۔ ٹیکس معاف کر دیئے۔ خلیفہ کو اس کا انتظام پسند نہ آیا۔ داعی الدعاۃ سے اس کی معزولی کا مشورہ کیا۔ انہوں نے اختلاف کیا۔ مگر خلیفہ نے پچاس سوار مقرر کئے کہ رضوان کو قتل کر دیں۔

رضوان کو پتہ لگا تو وہ شام کی طرف چلتا ہُوا۔ اس کے ہمراہیوں میں شاور نامی آدمی تھا جو اس کا معتمد تھا۔ امیر بن مضیال اس کے سمجھانے کو گیا اور لے آیا۔ خلیفہ نے قید کر دیا۔ یہ قید سے فرار ہو کر جیرہ پہنچا۔ مغربیوں کی فوج لیکر قاہرہ لے آیا۔ جامع ابن طولون کے قریب شاہی لشکر سے معرکہ ہُوا۔ شاہی لشکر کو ہزیمت ہوئی۔ کامیابی کا جھنڈا لئے ہُوئے قاہرہ میں داخل ہُوا اور حافظ کو

کہلا بھیجا۔ بیس ہزار دینار لشکریوں کے لئے بھیجے اُس نے دو مرتبہ روانہ کئے۔ رضوان کو عہدہ پر بحال کیا۔ موقع پا کر حافظ نے اس کو قتل کرا دیا۔ پھر حافظ نے خود ہی اپنی دولت و سلطنت کے کاروبار کو سنبھال لیا اور اپنا ولی عہد ابو منصور اسمٰعیل کو کیا۔

اہل صقلیہ کا حملہ روجر ثانی فرمانروائے صقلیہ نے اڑھائی سو جنگی کشتیاں لے کر افریقہ پر حملہ کر دیا۔ پہلے برقہ پر فوجیں اُتار دیں۔ وہاں مسلمان قتل کئے اور بچے عورتیں پکڑ لے گئے۔ پھر ۵۴۱ھ میں طرابلس الغرب پر قبضہ کیا۔ اس کے دو سال بعد مہدیہ لے لیا۔ اسکندریہ لینے بڑھا۔ اہل مصر خوفزدہ تھے۔ رومیوں نے سسلی پر حملہ کر دیا۔ روجر واپس لوٹ گیا۔

وفات ۵۴۴ھ میں بعمر اکیاسی سال حافظ لدین اللہ نے انتقال کیا اور ساٹھ سال کی عمر میں خلیفہ ہوا تھا۔ بجز دستخط کرنے کے کوئی لیاقت اُس میں نہ تھی۔

اس کو عارضہ دردِ قولنج تھا۔ موسیٰ طبیب نے سات دھاتوں سے ایک طبل تیار کرایا۔ اس پر سات سیاروں کے نقوش تھے جس وقت وہ طبل بجتا خلیفہ کی ریاح خارج ہوتی اور درد جاتا رہتا۔

ظافر بامر اللہ

نام و لقب ابو المنصور اسمٰعیل بن حافظ لدین اللہ ملقب ظافر بامر اللہ۔

خلافت ۵۴۴ھ میں سریر آرائے خلافتِ علویہ ہوا۔

وزارت خلیفہ نے مرتے وقت امیر بن مضیال کی وزارت کی وصیت کی تھی۔ پس خلیفہ ظافر نے چالیس روز ابن مضیال سے وزارت کا کام لیا۔ یہ وزیر سوڈان کا سلطنت پر گیا۔ عادل بن ارسلان والئ اسکندریہ

عہدۂ وزارت کی غرض سے قاہرہ آیا اور قصرِ وزارت پر قبضہ کر لیا اور قلمدانِ وزارت کا مالک ہو گیا۔

عادل نے قلمدانِ وزارت ہاتھ میں لے کر عباس بن ابوالفتوح بن یحٰی بن تمیم بن معز بن بادیس ضہاجی کو جو کہ اس کا ربیب تھا ایک لشکر کے ساتھ ابن مضیال کے استیصال کے لئے بھیجا۔ عباس نے بزور تیغ اس پر قابو حاصل کیا اور اُس کو مار ڈالا۔ ابوالفتوح کی بیوی نے شوہر کے مرنے پر عادل بن ادسلان سے نکاح کر لیا تھا۔ عباس نے اس کے پاس نشوونما پائی تھی۔

عادل نے رتبۂ وزارت حاصل کر کے امورِ سلطنت کی نگرانی کی جانب توجہ کی۔ خلافت مآب عضو معطل تھے ان کو عادل سے پرخاش پیدا ہو گئی۔ ایک مرتبہ اپنی لونڈیوں سے وزیر کو قتل کرانا چاہا مگر راز فاش ہو گیا اور وہ قتل کر دی گئیں۔

اسی زمانہ میں عسقلان پر صلیبیوں نے حملہ کر دیا۔ وزیر نے فوجیں روانہ کیں مگر عیسائی قابض ہو گئے۔ عوام نے وزیر کی غفلت پر محمول کیا۔

عباس بن ابوالفتوح کا ایک لڑکا نصیر نامی تھا۔ خلیفہ ظافر ایک علت میں مُبتلا تھے اُس کو محبت کی آنکھوں سے دیکھتے۔ اس کی شہرت عام ہو گئی۔ عادل نے اس کی دادی سے کہا۔ ظافر کو اگر نصیر ٹھکانے لگا دے تو یہ بدنامی ہٹ جائے گی۔ چنانچہ اُلٹا اثر پڑا۔ عباس نے خلیفہ ظافر سے عادل کے ارادے کو ظاہر کر دیا۔ عباس کا دوست مؤید الدولہ اسامہ بن منقذ امیر شیرز بھی دربارِ خلافت میں موجود تھا۔ اس نے بھی عادل کے قتل کر دینے کا مشورہ دیا۔

عباس کو عسقلان صلیبیوں سے جنگ کرنے عادل نے بھیجا۔ یہ بلبیس پہنچا۔ نصیر نے خلیفہ کی اجازت سے اپنی دادی کی خواب گاہ میں جا کر عادل کو ٹھکانے لگا دیا۔

عباس کو بلبیس خبر لگی لوٹ آیا اور خلیفہ ظافر کے قلمدانِ وزارت کا مالک بن گیا۔ زمامِ حکومت ہاتھ میں لے کر انتظام کرنے لگا۔

نصیر اور ظافر کے تعلقات نے نصیر کو عوام کی نگاہوں میں حقیر کر دیا۔ وزیر سلطنت پر بھی حقارت کی نظریں پڑنے لگیں۔ اسامہ نے عباس سے کہا ظافر کا خاتمہ کر دو تو اس ننگ و عار سے تم کو نجات مل جائے۔

عباس نے بیٹے کو سمجھایا کہ تم کسی حیلہ سے بلا کر خلیفہ کا کام تمام کر دو۔ اس نے دعوت کے بہانہ سے خلیفہ کو اپنے مکان پر بلا کر معہ اس کے ساتھیوں کے قتل کر کے زمین میں دفن کر دیا۔ یہ واقعہ ۵۴۹ھ میں گزرا [۱]

اولادِ ظافر کا قتل خلیفہ ظافر کے قتل کے دوسرے دن عباس قصرِ خلافت میں گیا۔ خدام سے پوچھا خلیفہ کہاں ہے؟ سب نے لاعلمی ظاہر کی۔ ظافر کے لڑکے یوسف اور جبریل نے کہا کہ تمہارے لڑکے کے یہاں دعوت میں گئے تھے۔ اُس نے کہا تم بھی تحریکِ سازش ہو اور ان کو بھی قتل کرا دیا۔ اور ظافر کے بیٹے ابوالقاسم عیسیٰ کو محل سرائے خلافت سے کندھے پر لا کر سریرِ خلافت پر بٹھایا جس کی عمر اس وقت پانچ سال تھی۔ مال و اسباب اور خزانہ قصرِ خلافت سے اپنے مکان پر اُٹھا لایا [۲]

الفائز بنصر اللہ

نام و لقب ابوالقاسم عیسیٰ بن ظافر لقب الفائز بنصر اللہ تھا۔

وزارت ابن زریک بیگمات قصرِ خلافت نے عباس کے ظلم و جور کی اطلاع طلائع بن زریک کو لکھ بھیجی۔ وہ بہنسہ کا والی تھا۔ فوج لے کر قاہرہ آیا۔ عباس اور نصیر بھاگ کھڑے ہوئے۔ ابن زریک نے ماتمی لباس پہن رکھا تھا۔ نیزوں پر ان بالوں کا گچھا تھا جو بیگمات

---

[۱] ابن خلدون جلد ۱۰ صفحہ ۶۳، ۶۴ [۲] ایضاً صفحہ ۶۵۔

نے اظہارِ ماتم کے لئے بھیجے تھے، ۵۴۹ھ میں قاہرہ میں جلوس کی صورت میں داخل ہوا۔ قصرِ عباس میں جاکر ظافر کی نعش کا پتہ لگایا اور نکال کر اس کے لیداد کے مقابر میں دفن کی۔ خلیفہ نے خوش ہو کر وزارت کا عہدہ سپرد کیا اور الملک الصالح خطاب مرحمت کیا۔

صالح شیعی بہت بڑا ادیب اور خوشنویس تھا۔ عہدۂ وزارت پر ممتاز ہو کر امورِ سلطنت کی طرف متوجہ ہوا۔ خراج کی فراہمی اور صوبجات کے گورنروں کی نگرانی کرنے لگا۔ قاہرہ میں مسجد صالح طاعیہ کے نام سے تعمیر کرائی [1]

عباس کا قتل عباس اور نصیر مال وزر کے ساتھ قاہرہ سے شام روانہ ہوئے۔ راہ میں عیسائیوں سے مڈبھیڑ ہو گئی۔ ایک دوسرے سے گتھ گئے۔ عباس مارا گیا۔ نصیر گرفتار ہوا۔ اسامہ جان بچا کر شام چلا گیا۔ صالح نے عیسائیوں سے نصیر کو زرِ معاوضہ دے کر لے لیا۔ اور بہ قاہرہ میں باب زویلہ پر اس کو صلیب دے دی اور عاشورہ کے دن اس کو جلا دیا۔

اس کے بعد تاج الملک قائماز اور ابن غالب کی خبر لی اور تمام امراء پر اپنی ہیبت کا سکّہ بٹھا دیا۔ خلیفہ کی پھوپھی اس سے بگڑ بیٹھی۔ اس کو خبر لگی تو اس سیدانی کو قتل کرا دیا اور کسی کو کانوں کان خبر نہ ہونے دی [2]

لطف یہ ہے کہ ایک طرف یہ محبان اہلِ بیت کرام خلفائے فاطمیہ کو خلیفہ سمجھتے اور اپنا امام کہتے اور جب ضرورت ہوتی قتل کرا دیتے۔

فائز اپنی چھوٹی پھوپھی کی کفالت میں پرورش پانے لگا۔ رفتہ رفتہ سنِ شباب کو پہنچا اور امورِ سلطنت کے نیک اور بد کو سمجھنے لگا۔ امراء اور ارکینِ دولت کو علیٰ قدر مراتب حکومتیں عطا کیں۔ اہلِ ادب کی ایک مجلس قائم کی جس کا کام

---

[1] ابن خلدون جلد ۱۰ صفحہ ۶۵ [2] ایضاً

محض داستان گوئی تھا۔ کبھی کبھی کچھ نظم بھی کر لیتا۔ شاور سعدی شعر گوئی کے لئے مقرر کیا گیا۔ ۵۵۵ھ میں فائز نے وفات پائی۔ چھ سال خلافت کی۔[1]

خلافتِ فاطمیہ کا زوال

مستنصر کے عہد میں وزراء کا اقتدار بہت بڑھ گیا تھا۔ وزیر اعظم اپنے لئے ملک (بادشاہ) کا لقب اختیار کرنے لگا۔ وزیر کے انتخاب میں امرائے خلافت میں رسہ کشی ہوتی۔ خود ہی وزیر بن جاتے۔ خلیفہ کا انتخاب ان کی مرضی پر تھا۔ عموماً خلیفہ کم عمر بلکہ بچے مقرر کئے جاتے جب تک خلیفہ بدو شعور تک پہنچے اس وقت تک خود آمرانہ طور سے وزارت انجام دیتے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ شدید باہمی رقیبانہ کشمکش شروع ہو گئی۔ حتیٰ کہ اپنے حصولِ اقتدار کے لئے نصرانی حکمرانوں سے مدد لینے لگے یا کسی طاقت ور مسلمان حکمران سے جیسا کہ شاور نے نور الدین زنگی سے اپنی وزارت کے لئے مدد چاہی۔ غرضیکہ دولتِ علویہ کی بربادی میں وزراء کی کشمکش کا بہت بڑا دخل تھا۔

صلیبیوں کے مقابل دول اسلامیہ

اس زمانہ (گیارھویں صدی کے اواخر اور بارھویں صدی کی ابتداء) میں عالمِ اسلام کے تین بڑے حصے تھے اور ہر ایک کے کئی ٹکڑے اور ریاستوں پر مشتمل تھی۔ مغرب میں اندلس کی سلطنت تھی جہاں مرابطین کی جماعت نے افریقہ سے پہنچ کر اندلسی عیسائیوں کو شکست دی تھی اور اموی سلطنت سے کچھ ملتی جلتی شان و شوکت والی حکومت قائم کی تھی۔ مرابطین کے بعد موحدین

---

[1] ابن خلدون جلد ۱۰ صفحہ ۶۷۔

نے بھی افریقہ سے وہاں پہنچ کر بارہویں صدی کے آخر تک اسلامی سلطنت کے جھنڈے کو سرنگوں ہونے سے بچالیا تھا۔

موحدین پر اندلس کی اسلامی حکومت ختم ہوئی۔ مسلمان سارے اندلس سے بے دخل ہوئے صرف غرناطہ کی عملداری کا ایک چھوٹا سا خطہ باقی رہا جس کی قسمت میں اندلس کے آخری حسرتناک اور افسوسناک انجام کا تماشہ دیکھنا لکھا تھا۔

شمالی افریقہ میں مغرب کی طرف وہ خاندان حکمران تھا جس کی تاریخ مرابطین اور موحدین کے خاندانوں سے وابستہ ہے اور مشرق کی طرف فاطمیوں کی حکومت تھی جسے بارہویں صدی کے اواخر میں مجاہد اعظم صلاح الدین یوسف ابن ایوب نے ختم کر دیا اور فاطمیوں کی ساری قلمرو کو خلافت عباسیہ میں شامل کر دیا۔

مشرق میں خلافت عباسیہ کا وہ وسیع خطہ تھا جو سلجوقی حکمرانوں کے مخصوص طرزِ حکومت یا آپس کی نا اتفاقی کی بدولت متعدد ریاستوں میں بٹ گیا تھا۔ یہ سلجوقی حکمران کچھ تو ملک شاہ سلجوقی کی اپنی اولاد تھی اور کچھ اس کے اراکینِ سلطنت اور فوجی سپہ سالاروں کی اولاد، خلافت کا اقتدار حکمرانوں پر برائے نام تھا یعنی صرف سکہ اور خطبہ تک محدود تھا۔

عالم اسلام کے ان تینوں حصوں میں باہم کوئی مضبوط رابطہ موجود نہ تھا۔ ان دو یعنی خلافت عباسیہ اور خلافت فاطمیہ کے درمیان تو سخت مخالفت اور رقابت تھی۔ بنی عباس سنی تھے اور فاطمی شیعہ اور ان میں ہر ایک اپنی ذات کو اس بات کا مستحق سمجھتا تھا کہ عالمِ اسلام کے سب منبروں پر اُن کا خطبہ پڑھا جائے۔ ان اختلافات کا نتیجہ یہ نکلا کہ جب گیارہویں صدی کے اخیر میں اسلام کو صلیبی محاربات سے دوچار ہونا پڑا تو اس وقت اس صدمہ کو برداشت کرنے اور دشمن کو منہ توڑ جواب دینے کے لئے مسلمانوں کے پاس کوئی متحدہ طاقت موجود نہیں تھی۔ اسلامی سلطنت کو آپس کی رقابتوں سے فرصت ہی نہ ملتی تھی اور سب سے بڑی اسلامی سلطنت یعنی خلافت عباسیہ صحیح

معنوں میں سلطنت ہی نہ تھی بلکہ کئی مستقل ریاستوں میں بٹی ہوئی تھی اور اُن میں باہمی تعلق برائے نام تھا۔

صلیبیوں کے حملہ کا مقابلہ براہِ راست سلطنتِ عباسیہ ہی کو کرنا تھا مگر یہ سلطنت اس حملہ کے زور کی تاب نہ لا سکی اور ایسا معلوم ہونے لگا کہ شکست کھاتے کھاتے ختم ہونے والی ہے۔ سلطنت کی ریاستوں کے حکمران آپس میں برسرِپیکار تھے۔ فاطمیوں کو ان کے ساتھ پہلے ہی سے عداوت تھی۔ رہے شمالی افریقہ اور اندلس کے حکمران تو اول تو وہ بہت دُور تھے اور ان کے اور عباسی سلطنت کے درمیان رسل و رسائل کا سلسلہ مسدود تھا۔ دوسرے ان کو اپنے ہی دھندوں سے سر اٹھانے کی فرصت کہاں ملتی تھی۔ الغرض دولتِ عباسیہ کو کہیں سے بھی مدد ملنی دشوار بلکہ ناممکن ہو گئی تھی۔

مگر عباسیہ کی شکست سرسری تھی۔ صلیبیوں کے ریلے سے عالمِ اسلام کے ستون ہِل تو گئے مگر ٹوٹے نہیں تھے۔ اس مصیبت کے دَور میں بھی کوئی گھڑی ایسی نہیں آئی تھی کہ مسلمانوں کے عقیدے میں تزلزل آیا ہو اور آخری نصرت و فتح حاصل کرنے کی امید ٹوٹ گئی ہو۔

عامۃ المسلمین کا یہ پختہ یقین تھا کہ سمندر پار سے آنے والی موجوں کا یہ تھپیڑا وقتی ہے۔ آخر میں اُسے کمزور ہو کر اپنے اصل مقام کی طرف لوٹنا پڑے گا اور مسلمان اس امتحان سے کامیاب ہو کر نکلیں گے اور جب چند سالوں کے بعد صلیبی حملوں کی شدت میں جب ذرا کمی واقع ہو گئی اور قوم کو ذرا سنبھلنے کا موقع مل گیا تو مسلمان زعماء اور قائدین نے اپنے اس اعتقاد کو عملی جامہ پہنانا شروع کیا اور جوابی حملے کرنے لگے۔ ان زعماء میں سب سے پہلا نمبر اتابک عماد الدین والی موصل کا تھا جس نے ۱۱۴۴ء ۔ ۵۳۹ھ میں عیسائیوں کو شکست دے کر ان کی ریاست رُہا پر قبضہ کر لیا۔ بے شک یورپ نے رُہا کے سقوط پر پھر ایک مرتبہ صلیب کے کھوئے ہوئے علاقے واپس لینے کے لئے لشکر آرائی کی۔ لیکن

اس دوسری لڑائی کے حالات پر غور کرنے والا یہ نتیجہ نکالنے پر مجبور ہے کہ اب یورپ والوں کے دلوں میں مذہبی جوش کسی قدر سرد پڑ گیا تھا۔ لڑائی میں دو بڑے شہنشاہوں (مقدس رومی سلطنت کے تاجدار شہنشاہ کراڈ اور شاہ فرانس لوئی ہفتم) کی شرکت کرنے کے باوجود عیسائی لشکر رُہا (اوڈیسہ) کو واپس لینے میں کامیاب نہ ہوا[1] اور اسلامی سلطنت نے اجنبیوں کے تسلط سے اپنے علاقوں کو نکال لانے کی جدوجہد مسلسل جاری رکھی۔

اس اثناء میں عمادالدین زنگی کا بیٹا نورالدین زنگی میدان میں آیا۔ اس مجاہد کبیر نے اپنی زندگی جہاد کے لئے وقف کر کے دُنیا کو یہ حقیقت اچھی طرح ذہن نشین کرادی کہ مسلمان اپنی کامیابی کے متعلق خدا تعالے پر پورا پورا بھروسہ رکھتے ہیں[2]

عاضدلدین اللہ

نام ولقب عبداللہ بن یوسف بن حافظ لدین اللہ، لقب عاضدلدین اللہ۔

خلافت وزیر سلطنت صالح نے خورد سال شہزادہ عبداللہ کو عاضد کا لقب دیا اور اُسے خلیفہ بنایا اور مہمات سلطنت خود بلا شرکت غیرے انجام دینے لگا۔

وزارت صالح نے خود وزارت اپنے قبضہ میں کی تھی۔ مزید اقتدار کے لئے اپنی بیٹی کو عاضد سے بیاہ دیا۔ رخصتی کے وقت بیش قیمت جہیز دیا۔ مگر وزیر نے استبداد شروع کر دیا۔ اس کی خودسری سے تمام امرائے

---

[1] صلاح الدین صفحہ ۵۸ [2] صلاح الدین از محمد فرید ابو حدید صفحہ ۵۴ تا ۵۹ –

سلطنت اور یہ خلافت نالاں تھے۔ عاضد کی پھوپھی نے اپنے غلاموں کے ہاتھوں اس کا کام تمام کرا دیا۔ یہ واقعہ ۵۵۶ھ کا ہے۔ مگر مرتے وقت اپنے بیٹے کے لئے وزارت کی ہدایت کر گیا [۱] چنانچہ رزیک کو عہدۂ وزارت عطا کیا اور العادل خطاب دیا۔

وزارت مآب نے عاضد کی پھوپھی اور اس کے شریکِ مشورہ امیر ابن قوام الدولہ اور استاد عنبر ریفی کو سزائے موت دی اور حکومت و سلطنت کا نظم و نسق کرنے لگا۔

شاور والیٔ صعید جس کو صالح نے والی بنایا تھا اس کو معزول کرنا چاہا بلکہ امیر بن رقعہ کو اس کے بجائے والیٔ صعید مقرر کیا۔ شاور کو سخت ناگوار گزرا اور فوجیں مرتب کر کے قاہرہ کی طرف بڑھا۔ رزیک معہ اسباب اور غلاموں کے نکل بھاگا۔ طفیحہ پہنچا۔ اتفاقیہ ابن نصیر بن ابو الفتوح مل گیا اس نے رزیک کو گرفتار کر کے شاور کے پاس حاضر کیا۔ شاور نے اس کو نظر بند کر دیا پھر اس کو قتل کرا دیا [۲]

وزارت شاور اور ضرغام

۵۵۸ھ میں شاور مظفر و منصور قاہرہ میں داخل ہوا۔ سعید السعداء کے مکان پر جا اترا۔ اس کے ساتھ اس کے تینوں بیٹے علی، طے اور کامل بھی تھے۔ دار الوزارت پر شاور کے قابض ہو جانے کی وجہ سے خلیفہ عاضد نے قلمدانِ وزارت شاور کے حوالے کیا۔ چنانچہ وزارت مآب نے رزیک کے مال و اسباب اور مکانات و خزانہ پر قبضہ کیا۔ بنظرِ تالیفِ قلوب وظیفہ خوارانِ دولتِ علویہ کے وظائف بڑھائے اور ارکینِ دولت کو انعامات اور صلے دیئے۔

---

[۱] تاریخ ابن خلدون جلد ۱۰ صفحہ ۶۸ [۲] ایضاً صفحہ ۶۹۔

نو ماہ بھی وزارت کو ہاتھ میں لئے نہ گزرے تھے کہ صالح نے امراء کا ایک گروہ برقیہ کے نام سے بنایا تھا۔ اس کا سرگروہ ضرغام داروغہ محل برائے خلافت تھا۔ اس نے خود وزارت پر آنا چاہا۔ اس نے اپنے گروہ سے شاور پر یلغار بول دی۔ شاور مصر سے نکل بھاگا۔ ضرغام دارالوزارت پر قابض ہو گیا اور امرائے مصر کو تہ تیغ کر ڈالا۔ اس میں ہی شاور کا بیٹا علی قتل ہوا۔ اس واقعہ سے دولتِ علویہ بہت کمزور ہو گئی [1]

شیرکوہ کی آمد مصر میں

شاور نے شام پہنچ کر الملک العادل سلطان نور الدین محمود زنگی کی شرف حضوری دمشق میں حاصل کی اور امداد کا خواستگار ہوا۔ اور شرط یہ کی کہ اگر وزارت پر بحال ہو گیا تو مصر کا تین چوتھائی حصہ دولتِ نوریہ کا مسلمہ مقبوضہ سے متعلق کر دے گا۔ نور الدین کے پاس خلیفہ عباسی کا حکم مصر پر حملہ کے آ چکا تھا۔ اس موقعہ کو مناسب سمجھا۔ اپنے سپہ سالار فوج شیرکوہ کو جمادی الآخر ۵۵۹ھ میں معہ عظیم فوج کے شاور کی کمک پر مصر روانہ کیا اور خود سلطان نور الدین فوجیں آراستہ کر کے عیسائی ملک کی طرف بڑھا تاکہ عیسائی اس سے الجھ کر مصر کی جانب رخ نہ

---

[1] اسد الدین شیرکوہ کا باپ شادی بن مردان نسلاً کرد اور آذربائیجان کے علاقہ دوین کے عمائد میں تھا۔

شادی کا دوست مجاہد الدین بہروز سلطان مسعود سلجوقی کے یہاں ملازم ہو گیا اور اپنی لیاقت سے اعلیٰ عہدہ پر ممتاز ہوا۔ جمال الدولہ لقب ہوا۔ اس نے اپنے دوست شادی کو بھی بلا لیا۔ سلطان مسعود نے جمال الدولہ کا بغداد کا شحنہ مقرر کیا۔ شادی بھی معہ اپنے خاندان کے ہمراہ تھا۔ اس کو تکریت کے قلعہ کا حاکم بنا دیا۔ کچھ عرصہ بعد شادی فوت ہو گیا۔ اس کے دو بیٹے تھے۔ اسد الدین شیرکوہ اور نجم الدین ایوب، نجم الدین بڑا تھا۔ باپ کی جگہ تکریت کا حاکم مقرر ہوا۔ اس کا لڑکا سلطان صلاح الدین ایوبی تھا۔ (ابن خلکان جلد اول صفحہ ۸۵)

کرسکیں۔ امیر اسدالدین شیرکوہ اور شاور قطع مسافت کرکے بلبیس پہنچے۔ ضرغام کے بھائی ناصرالدین ہمام اور فخرالدین ہمام مصری فوج لے کر مقابلہ پر آئے مگر شیرکوہ نے شجاعانہ سرگرمی سے ہردو کو فاش شکست دی۔ مصری فوج کو پامال اور امرائے برقیہ کو تہ تیغ کرتا ہوا شیرکوہ قاہرہ کی طرف بڑھا۔ ناصر اور فخر گرفتار کرلئے گئے تھے وہ ہمراہ تھے۔

شیرکوہ مظفر ومنصور بعزت وجلال قاہرہ میں داخل ہوا۔ ضرغام دارالوزارت چھوڑ کر بھاگ نکلا۔ پل پر قریب مشہد سیدہ نفیسہ شامی فوج نے گھیر کر مار ڈالا۔ اس کے بعد وہ دونوں بھائی بھی تہ تیغ کر دیئے گئے اور ضرغامی فتنہ ختم ہوگیا۔ شاور بدستور سابق عہدۂ وزارت پر مامور کیا گیا۔ کچھ دن بعد سلطان نورالدین زنگی سے جو وعدہ کیا تھا اس کو ٹال گیا۔ شیرکوہ کچھ مصالح کے پیش نظر شام لوٹ گیا۔

شیرکوہ اور شاور

شیرکوہ کو شاور کی یہ حرکت بے حد بار خاطر گزری ۵۶۲ھ میں نورالدین محمود سے مصر پر فوج کشی کی اجازت طلب کی۔ اس نے اجازت دے دی۔ چنانچہ شیرکوہ فوجیں مرتب و آراستہ کرکے مصر روانہ ہوا۔ عیسائی ممالک سے گزرتا ہوا اطفیح (بلادِ مصر) پہنچ کر ٹھہر گیا۔ دریائے نیل کے غربی ساحل کو عبور کرکے جیزہ میں قیام کیا۔ پچاس دن کے اندر بلاد وقت مصر کے غربی بلاد پر تصرف اور قبضہ حاصل کرلیا۔ شاور نے شام کے نصرانی حکمرانوں سے مدد طلب کی۔ ان کی دیرینہ تمنا مصر کے لینے کی تھی وہ چل کھڑے ہوئے اور مصر پہنچ گئے۔ شاور نصرانی فوج کو لے کر مقام صعیدہ پر مقابل آیا۔ شیرکوہ مصری اور عیسائیوں کی فوج سے گھبرایا مگر شرف الدین برغش کے کہنے سے ہمت مردانہ سے ہردو فوجوں پر ٹوٹ پڑا۔ شیرکوہ کی فوج صرف دو ہزار تھی اور مصری و نصرانی فوج ہزارہا تھی۔ ان کو بہادروں نے تلوار کی نوک پر رکھ لیا۔ ان ہردو طاقتوں کو ہزیمت ہوئی شیرکوہ

کامیابی کے بعد اسکندریہ پہنچا۔ اہلِ شہر نے بطیب خاطر شہر حوالے کر دیا۔ شیرکوہ اپنے بھائی نجم الدین ایوب کے بیٹے امیر صلاح الدین کو اسکندریہ کا حاکم مقرر کر کے صعیدہ لوٹا۔ مصری و عیسائیوں نے پھر نئے سرے سے فوجیں آراستہ کر کے اسکندریہ کو جالیا۔ امیر صلاح الدین محصور ہو گیا۔ شیرکوہ کو خبر لگ گئی وہ اسکندریہ پلٹا تو مصریوں نے اور عیسائیوں نے مصالحت کا پیغام بھیجا۔ شیرکوہ نے اسکندریہ کو چند شرائط پہ اُن کے حوالے کر دیا اور تاوانِ جنگ لے کر دمشق کی جانب مراجعت کر دی۔ ماہ ذیقعدہ ۵۶۲ھ کو دمشق واپس آ گیا۔

عیسائیوں نے شیرکوہ کی واپسی کے بعد پھر مصریوں کے روبرو شرائط ذیل پہ معاملات طے کر لئے۔

۱۔ عیسائی فوجیں قاہرہ میں مقیم رہیں گی۔

۲۔ ان کی طرف سے ایک سیاسی ناظم قاہرہ میں رہے گا۔

۳۔ شہر پناہ کے دروازوں پر عیسائیوں کا قبضہ رہے گا تاکہ نور الدین کا لشکر شہر میں داخل نہ ہو سکے۔

۴۔ اس انتظام اور حسن کارگزاری کے معاوضہ میں ایک لاکھ دینار سالانہ حکومت مصر عیسائی بادشاہ کو ادا کرے۔

سٹینلے لین پول اپنی کتاب صلاح الدین میں لکھتا ہے :-

"حاکم قیساریہ ہیو اور جوفری ٹمپلر شاہ املرک کی طرف سے اس شرائط نامہ کی تکمیل کے لئے سفیر مقرر ہوئے۔ وزیر شاور خود ان کو عاضد کے پاس شاہی محل میں لے گیا اور مشرقی رسوم و عادات اور شاہی محل میں داخلہ کے سارے قوانین تفصیل کے ساتھ ان سے ادا کرائے۔

دروازوں پر مضبوط حبشی دربان کھڑے تھے جو ننگی تلواروں سے سلامی دیتے تھے۔ دروازوں سے گزر کر وسیع صحن میں پہنچے جن کے ستون سنگِ مرمر کے تھے اور چھتیں زرنگار اور طرح طرح کے نقش و نگار

سے آراستہ تھیں۔ زمین پر بہترین ٹائل کا فرش تھا۔ کہیں کہیں سنگِ مرمر کے فوارے تھے جن کے اردگرد مشرق کے مخصوص پرندوں کے جھنڈ تھے بہت سے موڑوں اور پیچ در پیچ راستوں سے گزر کر وہ شاہی دیوان خاص تک پہنچے۔ حاشیہ نشین خادموں کی ایک کثیر تعداد زرنگار خلعتیں زیب تن کئے کھڑی تھی۔ ان کے پہنچنے پر انہوں نے بلند آواز سے اپنی حاضری کی اطلاع دی۔ اس کے بعد وزیر تلوار الگ کر کے آگے بڑھا اور تین دفعہ اس طرح زمین بوس ہوا گویا وہ سجدہ کر رہا ہے۔ اس کے بعد سونے اور موتیوں کے انبار سے بوجھل بڑے زرق برق والے پردے یک دم اُٹھائے گئے۔ پیچھے سے خلیفہ کا جلوہ نظر آیا۔ خلیفہ وہ لباس اور سامان (حلے) زیب تن کئے ہوئے تھا جس کے سامنے بادشاہوں کے لباس خیرہ ہو رہے تھے۔

اس کے بعد وزیر (شاور) نے نہایت تواضع کے ساتھ دونوں سفیروں کو بادشاہ کی خدمت میں پیش کیا اور پست آواز میں ملک کو گھیرنے والے خطرات اور شاہ بیت المقدس کی دوستی کا حال سنایا۔

خلیفہ گندمی رنگ کا جوان تھا اور بچپن سے نکل کر جوانی کی طرف پہلا قدم رکھ چکا تھا۔ وزیر کے جواب میں اس نے کہا کہ میں اپنے عزیز دوست شاہ بیت المقدس کے ساتھ معاہدہ کو منظور کرتا ہوں۔ سفیروں نے یہ مطالبہ کیا کہ خلیفہ اپنے وعدے کی تصدیق کے لئے دلیل کے طور پر اپنا ہاتھ بڑھائے۔ اس خلافِ ادب مکالمہ پر درباریوں کو بھی غصہ آیا اور خلیفہ بھی پس و پیش کرنے لگا۔ مگر تھوڑی دیر بعد اس نے ہیو کی طرف ہاتھ بڑھایا۔ ہیو نے دیکھا کہ خلیفہ کے ہاتھ پر دستانہ ہے۔ عرض کی کہ قبلۂ عالم حق بات کی

تصدیق میں کوئی پردہ نہیں ہونا چاہیئے۔ بادشاہوں کے وعدوں میں تو ہر ایک چیز کھلی اور برملا ہوا کرتی ہے۔
خلیفہ نے ایک زہر خند کیا اور بادل نخواستہ دست نکال کر ہیو کی طرف ہاتھ بڑھایا اور قسم اٹھائی کہ اپنے وعدہ کو سچائی اور اخلاص کے ساتھ پورا کرے گا"۔[1]
یہ تھی دولتِ علویہ کی ذہنیت کہ عیسائیوں کا عمل دخل رہے مگر مسلمان بادشاہ کا قبضہ مصر پر نہ ہو۔

وقائع شیرکوہ عیسائیوں نے شاور اور عاضد کی حماقت اور غداری اسلام سے فائدہ اٹھا کر مصر پر کامل قبضہ کر لینے کے ڈول ڈالے۔ ادھر اہلِ مصر پر سختیاں شروع کر دیں اور جا و بیجا حکمرانی کرنے لگے۔ بلبیس پر قبضہ کر لیا۔ قاہرہ پر تسلط جمانا چاہا، اب شاور کی آنکھیں کھلیں اس نے عیسائیوں کے خوف سے مصر کو ویران کر دیا۔ شہر فسطاط میں آگ لگا دی۔ بازاروں کو اہلِ شہر نے لوٹ لیا۔ اس اثنا میں عیسائی افواج قبضہ کرنے کے قصد سے قاہرہ پر اتر آئیں۔
خلیفہ عاضد نے مخصوص امراء کے مشورہ سے اور اپنا آگا پیچھا سوچ کر سلطان نورالدین کو ان واقعات کی اطلاع دی۔ شاور نے پھر عیسائیوں سے مصالحت کا نامہ و پیام شروع کر دیا۔ بالآخر دو لاکھ دینار نقد اور دس لاکھ اردب غلّہ پر معاملہ طے ہوا مگر رقم کا فراہم ہونا مشکل تھا۔
شاور اور عیسائیوں میں سفارت کا کام جلیس بن عبدالقوی اور شیخ موفق کاتب سروی کر رہا تھا۔ خلیفہ عاضد اس مصالحت کا مخالف تھا۔ شاور نے قاضی فاضل عبدالرحیم بیسانی کو خلافت مآب کو سمجھانے اور صلح پر راضی کرنے کی

---

[1] صلاح الدین سٹینلے لین پول۔ [2] ابن خلدون جلد ۱ صفحہ ۲۷۲، ۲۷۳۔

غرض سے دربارِ خلافت میں روانہ کیا اور کہلایا کہ علیسائیوں کو جزیہ و خراج دینا بہتر ہے اس سے کہ ترکوں کا تسلط اور دخل ان شہروں میں ہو[1]

خلیفہ عاضد نے کچھ جواب نہ دیا اور شاور فراہمی مال وزر میں لگا رہا۔ محمد فرید ابو حدید کتاب صلاح الدین میں لکھتے ہیں کہ شاور نے پانچ لاکھ اشرفیاں ان کو دے دیں۔ پانچ لاکھ کا اور انتظام کر رہا تھا اور علیسائی لشکر قاہرہ کے باہر رقم کا منتظر تھا[2]

خلیفہ عاضد کے قاصد کے پہنچنے پر نورالدین محمود نے لشکر کو تیاری کا حکم دیا اور امیر اسدالدین شیرکوہ کو بہت سا مال و اسبابِ جنگ مرحمت کر کے مصر کی جانب خلیفہ عاضد کی استدعا پر روانہ کیا۔ اس مہم میں صلاح الدین برادر زادہ شیرکوہ کو بھی نورالدین نے ساتھ کر دیا۔ اس کے علاوہ ایک جماعت امرائے نوریہ کی شیرکوہ کے ہمراہ مصر آئی۔ جس وقت عیسائیوں کو خبر لگی سر پر پیر رکھ کر قاہرہ کو چھوڑ کر اپنے ملک کی طرف راہی ہوئے۔

ابن طویل مورخ دولت عبیدیہ میں لکھتا ہے:۔

"شیرکوہ نے قاہرہ میں عیسائیوں کے لشکر سے مقابلہ کر کے شکست دی اور اس کے کیمپ کو لوٹ لیا"

غرضیکہ جمادی الاول ۵۶۵ھ میں مظفر و منصور شیرکوہ قاہرہ میں داخل ہوا۔ خلیفہ عاضد کی خدمت میں باریاب ہوا۔ خلیفہ نے خلعت خوشنودی عطا کیا۔

قتلِ شاور

شاور بدستور اپنے عہدہ پر تھا۔ خلیفہ عاضد اس کی حرکتوں سے بیزار تھا، اس نے شیرکوہ کو شاور کے قتل کا اشارہ کیا اور یہ ارشاد فرمایا کہ

"شاور ہمارا خانہ زاد ہے اس کے باقی رکھنے میں نہ ما دولت و

---

[1] ابن خلدون جلد ۱۰ صفحہ ۲۷۲، [2] ایضاً [3] ایضاً

اقبال کا فائدہ ہے اور نہ آپ کا "[1]

ادھر شاور شیرکوہ کو قتل کرنا چاہتا تھا۔ شیرکوہ نے حسب الحکم خلیفہ عاضد غدارِ اسلام شاور کے قتل کرنے کو صلاح الدین اور عزیز الدین جردیک مقرر کئے۔
ایک روز شاور حسبِ دستور شیرکوہ سے ملنے آیا۔ شیرکوہ امام شافعیؒ کے مزار پر فاتحہ پڑھنے گیا ہوا تھا۔ شاور بھی مقبرۂ امام کی طرف گیا۔ راہ میں صلاح الدین اور عزیز الدین جردیک سے ملاقات ہوگئی۔ ان دونوں نے غدارِ ملک و ملت کا سر اُتار لیا اور خلیفہ عاضد کی خدمت میں پیش کر دیا۔ عوام الناس اس سے بے حد ناخوش تھے۔ انھوں نے اس کے مکانات لُوٹ لئے۔ اس کے دونوں بیٹے کامل اور طے معہ دیگر اہلِ خاندان کے گرفتار کرکے جیل میں ڈال دیئے گئے[2]

وزارت پر سرفرازی

خلیفہ عاضد شیرکوہ سے بہت خوش تھا اور شاور کی تباہی اس کی دلی مسرت کا باعث تھی۔ چنانچہ شیرکوہ کو وزارت کے عہدے پر سرفراز کیا۔ المنصور امیر الجیوش کا خطاب مرحمت کیا۔[3]

علامہ ابن خلدون لکھتے ہیں :-

"شیرکوہ نے عہدۂ وزارت سے ممتاز ہوکر قصرِ وزارت میں اجلاس کیا۔ ملک کے نظم و نسق کی جانب توجہ کی۔ دولت و حکومت علویہ پر متغلب و متصرف ہوا۔ لشکریوں کو جاگیریں دیں۔ اپنے مصاحبوں اور امرائے لشکر کو حکومتیں عطا کیں۔"

شیرکوہ خلیفہ عاضد سے ملنے حاضر ہوا۔ ایک روز جوہر استاد نے عاضد کی طرف سے شیرکوہ سے کہا۔

---

[1] ابن خلدون جلد ۱۰ صفحہ ۷۳ [2] ابن خلدون جلد ۱۰ صفحہ ۷۳،

[3] حسن المحاضرہ فی الاخبار مصر والقاہرہ جلد ۲ صفحہ ۲۰ ۔

"مولانا امیر المومنین فرماتے ہیں کہ ہم کو یقین کامل ہے کہ اللہ جل شانہٗ نے بقا بدشمنانِ خلافت ہماری مدد کا سہرا تمہارے سر پر باندھا ہے ہم کو امید ہے کہ تم ہمیشہ اپنی خیر خواہی کا دولتِ علویہ کو عمدہ ثبوت دیتے رہو گے"

شیر کوہ نے اس قدر افزائی کا شکریہ ادا کرتے ہوئے عرض کیا :-

"انشاء اللہ تعالیٰ جیسی توقع ہے اس سے زیادہ میں اپنے کو ثابت کرتا رہوں گا"

خلیفہ عاضد نے خلعت فاخرہ سے سرفراز کیا اور جلیس بن عبدالقوی کے برابر بیٹھنے کی جگہ مقرر کی۔

جلیس بن عبدالقوی داعی الدعاۃ اور قاضی القضاۃ بھی تھا، شیر کوہ نے اس کو اس کے عہدہ پر بحال و قائم رکھا۔[1]

شیر کوہ کی وفات

شیر کوہ دو مہینے وزارت پر سرفراز رہ کر راہیٔ ملک بقا ہوا۔ بوقت وصال اپنے مصاحبوں اور امرائے لشکر کو وصیت کر گیا کہ کسی وقت میں تم لوگ قاہرہ چھوڑنے کا قصد نہ کرنا۔

صلاح الدین کی وزارت

شیر کوہ کے مرتے ہی امراء نوریہ سے عین الدولہ یاروقی، قطب الدین نیال، سیف الدین مشطوب ہکاری اور شہاب الدین محمود حارمی ہر ایک متمنی وزارت ہوا مگر عاضد نے اس خیال سے کہ صلاح الدین بوجہ کم سنی امور سلطنت کو بغیر مشورۂ اراکینِ دولت انجام نہیں دے سکے گا، صلاح الدین کی وزارت کی طرف مائل ہوا۔ اکثر اراکینِ سلطنت نے عاضد کی تائید کی بعض کی رائے یہ ہوئی کہ ترکوں کا لشکر بلادِ شرقیہ کی طرف واپس کر دیا جائے اور ان پر قراقوش

---

[1] ابن خلدون جلد ۱۰ صفحہ ۲۸۰۔

کو حکومت دی جائے۔ مگر خلیفہ نے کثرت رائے پر صلاح الدین کو محل سرائے خلافت میں طلب کر کے قلمدانِ وزارت مرحمت کیا۔ امرائے نوریہ بگڑ بیٹھے مگر فقیہ عیسیٰ ہکاری نے تمام امراء کو صلاح الدین کا ہمنوا بنا دیا۔ البتہ عین الدولہ ترکِ رفاقت کر کے شام چلا گیا۔

نیابت سلطنت

صلاح الدین نے عنانِ وزارت ہاتھ میں لے کر نورالدین کو تمام واقعات کی اطلاع دیدی اور اس کے نائب کے بطور مصر میں متمکن رہا۔ نورالدین اس کو "امیر سپہ سالار جمیع امرائے نوریہ مقیم دیار مصر" خط میں تحریر کرنے پر اکتفا کیا کرتا تھا۔ رفتہ رفتہ صلاح الدین کل امورِ سلطنت کے سیاہ سفید کرنے کے اختیارات اپنے قبضۂ اقتدار میں لیتا گیا اور خلیفہ عاضد کے قوائے حکمرانی کمزور و مضمحل ہوتے گئے۔

مصر کے دار المعونہ کو جو کوتوال مصر کے رہنے کا مکان اور نیز جیل تھا منہدم کرا دیا۔ شافعیہ کا مدرسہ تعمیر کرایا۔ اس طرح دار العزل کو بھی مسمار کرا کے مالکیہ کا مدرسہ بنوایا۔ شیعی قاضیوں کو معزول کر کے شافعی قضاۃ مقرر کئے اور اپنی طرف سے کل بلادِ مصر میں ایک ایک نائب مامور کیا۔

عیسائیوں کا محاصرۂ دمیاط

عیسائی شیرکوہ کے مقابلہ میں مصر سے جو بھاگے تو شام جا کر دم لیا اور بیت المقدس پر قبضہ رکھنے میں خطرہ نظر آنے لگا تو انہوں نے صقلیہ اور اندلس واقعات لکھ بھیجے اور ان سے امداد طلب کی۔ اس پر صلیبیوں کا ایک عظیم گروہ شام کی کمک پر آ موجود ہوا۔ چنانچہ ۵۶۵ھ میں دمیاط کو گھیر لیا۔ دمیاط کا والی شمس الخواص منکورس تھا۔ اس نے صلاح الدین کو مطلع کیا۔ صلاح الدین نے بہاء الدین قراقوش کو معہ فوج کے اہلِ دمیاط کی مدد کو روانہ کیا اور سلطان نورالدین سے بھی امداد طلب کی۔ شیعوں اور سوڈانیوں کی وجہ سے مصر نہ چھوڑنے اور اس مہم پر نہ جانے کی معذرت لکھی۔ نورالدین نے بھی دمیاط فوجیں بھیجدیں

اور خود شام کے سواحل پر حملہ کر دیا۔ صلیبی پچاس یوم محاصرہ کر کے وطن کی حفاظت کے لئے محاصرہ چھوڑ کر چلتے بنے۔ لوٹ کر آئے تو اپنے شہر ویران اور خراب پائے۔
خلیفہ عاضد نے اس کامیابی پر صلاح الدین کی بے حد مدح و ثنا کی۔ اس کے بعد صلاح الدین نے اپنے باپ نجم الدین اور اپنے کل اصحاب اور احباب کو شام سے مصر بلا لیا۔ خلیفہ نے ان کی بڑی آؤ بھگت کی اور خود ملنے آیا۔

امرائے دولت علویہ کی بغاوت

صلاح الدین کے قدم استقلال حکومت مصر پر امرائے علویہ اور ان کے ہوا خواہوں کو سخت صدمہ تھا۔ چنانچہ عوہرش قاضی القضاۃ ابن کامل، امیر معروف عبدالصمد کاتب اور عمارہ یمنی زبیدی شاعر ان لوگوں نے خفیہ جلسہ کیا اور طے یہ کیا کہ مصر سے ترکوں کو نکال دیا جائے اور نصرانیوں سے امداد لی جائے۔ اور ان کو مصر کے مالیہ سے ان کا ایک حصہ مقرر کر دیا جائے۔ اس مشورہ میں سوڈانی غلام اور قصر خلافت کے خدام بھی شریک تھے۔
مؤتمن الخلافت خدام قصر کا سردار تھا اور عاضد کا پروردہ اور اس کی لڑکی کو خلیفہ عاضد نے شرفِ زوجیت بخشا تھا۔ چنانچہ مؤتمن الخلافۃ نے اپنے مکان میں عیسائی سفیر کو ایک مصنوعی خلیفہ عاضد سے ملایا۔[1]
عیسائی سفیر یہ خیال کر کے کہ خلیفہ نے میرے ساتھ عہد و پیمان کر لیا ہے خوشی خوشی اپنے مستقر کو روانہ ہوا۔

انکشافِ سازش

نجم الدین بن مضیال جو شیعوں کا نامور سرگروہ تھا اس کی بہاء الدین قراقوش سے چشمک چل گئی تھی۔
امرائے علویہ یہ خیال کر کے کہ نجم الدین کو صلاح الدین سے ہمدردی نہ ہو گی۔ صلاح الدین نے اس کو اسکندریہ کی حکومت عطا کی تھی۔ اس وجہ سے وہ

---

[1] ابن خلدون جلد ۱۰ صفحہ ۷۶۔

اس کا خیر خواہ تھا۔ چنانچہ جمال الدین سے کہا گیا کہ تم کو وزارت دی جائے گی۔ عمارہ یمنی کاتب، فاضل بن کامل قاضی القضاۃ داعی الدعات موقوف کر دیا جائے گا۔ عبدالصمد خراج پر متعین ہو گا اور عوریش اس کی نگرانی کرتا رہے گا۔ نجم الدین نے یہ سُن کر مسرت ظاہر کی اور رائے سے موافقت کا اظہار کیا اور موقعہ پا کر صلاح الدین کو تمام حالات سے مطلع کر دیا۔

صلاح الدین نے ان کو اور نیز عیسائیوں کے سفیر کو گرفتار کرا لیا اور تحقیقات کرائی معلوم ہوا عاضد نے محل سرائے سے قدم بھی باہر نہ نکالا بلکہ بحاح موتمن الدولہ نے بحلف کہا کہ یہ خبر غلط آپ تک پہنچائی گئی۔ عاضد سے صلاح الدین کا دل صاف ہو گیا[1] مگر صلاح الدین نے سب فتنہ پردازوں کو سُولی دے دی اور عبرت ناک سزائیں دیں۔ موتمن خلافت نے نصرانیوں کو جو خط لکھا تھا وہ پکڑا گیا۔ اس بنا پر وہ تہ تیغ کر دیا گیا اور قراقوش کو داروغہ محل سرائے کیا۔ اس پر سوڈانی بگڑ بیٹھے۔ ترکوں نے ان کی سرکوبی کر دی اس طرح امرائے علویہ کی قوت ختم ہو گئی۔

دولتِ علویہ کا خاتمہ

صلاح الدین کے لئے تحفّظ مصر کا مسئلہ صرف اس طرح طے ہو سکتا ہے کہ دولتِ علویہ جو دَم توڑ رہی تھی اور اس کے ہوا خواہ جو اسلام دشمنی میں نصرانیوں سے ساز باز کر رہے تھے اس کا خاتمہ کر دیا جائے۔ ادھر سلطان نور الدین یہاں کے حالات سے مطلع ہو کر تحریک کر رہا تھا کہ مصر میں اُس کے اصلی وارث خلیفہ مستضی کے نام کا خطبہ پڑھا جائے مگر صلاح الدین بلطائف الحیل اس مسئلہ کو معرض التواء میں ڈال رہا تھا۔ اس زمانہ میں علمائے عجم کی طرف سے فقیہ جبشانی بطور وفد صلاح الدین کی خدمت میں آیا ہوا تھا۔ یہ شخص الامیر العالم کے لقب سے مخاطب

---

[1] ابن خلدون جلد ۱۰ صفحہ ۷۷۔

کیا جاتا تھا۔ اُس نے صلاح الدین سے کہا۔ مَیں نور الدین کے حکم کی تعمیل کرونگا۔ چنانچہ محرم ۵۶۷ھ کے پہلے جمعہ میں خطیب سے پیشتر ممبر پر چڑھ گیا اور خلیفہ مستضی باللہ کے نام کا خطبہ پڑھا اور اس کے لئے دُعا کی۔ امرائے علویہ ختم ہو چکے تھے۔ اہلِ مصر نے بطیبِ خاطر خطبہ سُنا۔ اس کے بعد صلاح الدین نے خلیفہ عاضد کا خُطبہ حکماً بند کیا اور مصر و قاہرہ کے خطبوں میں خلیفہ مستضی کے نام کا خطبہ پڑھنے کا فرمان صادر کیا۔ چنانچہ کل خطیبوں نے اس حکم کی تعمیل کی۔

وفاتِ عاضد

اس واقعہ کی عاضد کو خبر نہیں کی گئی۔ عاضد مرض الموت میں مبتلا تھا۔ دسویں محرم ۵۶۷ھ کو انتقال کر گیا۔ صلاح الدین نے عزاداری کا دربار کیا اور قصرِ خلافت کے کل مال و اسباب کو بحق حکومت ضبطی میں لایا۔

خلفائے فاطمیہ کا مال و زر

فاطمی خلفاء تنہا دنیاوی بادشاہ نہ تھے بلکہ خلفائے بغداد کی طرح ان کو ایک طبقہ کی مذہبی سیادت و پیشوائی کا منصب بھی حاصل تھا۔ ان کے محلات زر و جواہر اور بیش قیمت ساز و سامان اور نادرۂ روزگار عجائبات سے معمور تھے۔ یہ سارا ذخیرہ صلاح الدین کے قبضہ میں آیا۔

ابن اثیر کا بیان ہے کہ فاطمیوں کا ساز و سامان حد شمار سے باہر تھا، ان کے پاس ایسے بیش بہا جواہرات اور نادرۂ روزگار چیزیں تھیں جن کی مثال دُنیا میں ناپید تھی۔ سالم زمرد کی چھڑی کی ایک موٹھ تھی۔ سترہ مثقال کا ایک یاقوت تھا۔ ایک ہار میں چار انگل لمبا اور اسی طرح چوڑا زمرد تھا۔ ایسے درِ یتیم تھے کہ دُنیا میں ان کا جوڑ نہ مل سکتا تھا۔ ایک لاکھ نادر و نایاب کتابوں کا بیش قیمت کتب خانہ تھا جو خطاطی کا بھی مرقع تھیں۔

لین پول کے بیان سے فاطمیوں کی شوکت و عظمت اور اُن کی بے اندازہ دولت کا کسی قدر اندازہ ہوتا ہے۔ وہ لکھتا ہے فاطمیوں کے قصر کبیر میں چار

ہزار کمرے اور ایک بڑا عالی شان ایوان طلا کار تھا جس میں سونے کی جالی کے پشت پر سونے کا تخت بچھا ہوا تھا جہاں خلیفہ جلوس کرتا تھا۔ خلیفہ کے ارد گرد دربار کے خادم اور اشراف حاضر رہتے تھے۔ عیدین میں جب خلیفہ جلوس کرتا تو اسی جالی سے اپنے درباریوں کو دیکھتا تھا۔ قصر زمردین جس میں سنگِ مرمر کے ستون تھے دیوانِ خاص کا کام دیتا تھا۔

قصر کے اندر جاہ و حشم کے جو سامان تھے ان کا ذکر مؤرخوں نے کم کیا ہے لیکن قیساریہ کے ہیوگ نے وہاں کے خزائن اور جواہرات کا جو عجیب و غریب حال دیکھ کر بیان کیا ہے اس سے وہاں کی دولت کا کسی قدر اندازہ ہوتا ہے۔ خلیفہ عاضد کے انتقال پر صلاح الدین نے اس کے جواہرات میں سے ایک زمرد دیکھا جو بارہ انگشت کا تھا اور ایک یاقوت نظر سے گزرا جس کا نام جبلِ تور تھا۔ اس یاقوت کا وزن انگریزی حساب سے دو ہزار چار سو کیرٹ تھا۔ اس یاقوت کا خود ابن اثیر نے وزن کیا تھا۔ فاطمیین کی دولت جو جواہرات یا زیورات کی شکل میں تھی، مدتوں ضرب المثل رہی۔

ان ہی خلفاء میں سے ایک خلیفہ کے جواہرات کی فہرست میں کثرت سے موتیوں اور زمردوں کی تعداد پڑھنے میں آتی ہے۔ اسی طرح بلور کے تراشیدہ ظروف نقشین اور مینا کاری کی طلائی چیزیں، صندوق، صندوقچے جن پر طرح طرح کی سونے کی پچیکاری تھی، کرسیاں اور کمروں کا دیگر سامان آرائش کی چیزیں جو آبنوس، ہاتھی دانت اور صندل کی تھیں درج ملتی ہیں۔ اعلیٰ ترین قسم کی چینی کے پیالے اور صراحیاں جن میں کافور اور مشک بھرا رہتا تھا، فولاد کے آئینے جن کے چوکھٹے سونے اور چاندی کے تھے اور چوکھٹوں کے حاشیوں پر زمرد اور لعل جڑے تھے۔ سنگ سماق کی میزیں بے شمار برنجی ظروف جن پر سونے چاندی کا کام تھا۔ دیوار پوش بھاری زری کے ریشمی پارچے جن پر بادشاہوں کی شبیہیں زری میں بنی ہوئی تھیں۔ یہ کل دولت جو صلاح الدین

کوٹلی اس میں ایک چیز بھی اُس نے اپنے پاس نہ رکھی۔ کچھ چیزیں سلطان نورالدین زنگی کے پاس بھیج دیں۔ کچھ اپنے ساتھیوں میں تقسیم کر دیں، کتب خانہ میں ایک لاکھ بیس ہزار قلمی نسخے تھے۔ یہ کل کتابیں اس نے اپنے وزیر قاضی فاضل کو نذر کر دیں باقی کل سامان فروخت کر کے اس کی قیمت بیت المال میں داخل کر دی جو سب کے نفع کے لئے تھا۔[1]

شوقِ جہاد ۵۶۷ھ میں فاطمی خلافت کو ختم کرنے کے بعد صلاح الدین کے دل میں فرنگیوں سے نبرد آزما ہونے کا خیال پیدا ہوا۔ فلسطین کی طرف پیش قدمی کی اور قلعہ شوبک کا محاصرہ کیا۔ یہ قلعہ کرک سے ایک دن کی مسافت پر تھا۔ نورالدین کو صلاح الدین کی پیش قدمی کا پتہ چلا تو وہ بھی فوج لے کر اس کی مدد کے لئے روانہ ہوا۔ قلعہ پر صلاح الدین کا قبضہ ہوا ہی چاہتا تھا کہ نورالدین کی آمد کی خبر لگ گئی۔ مصر لوٹ آیا اور عذر لنگ کہلا بھیجا۔ مگر نورالدین کھٹکا اور سرکش امیر کو مصر کی حکومت سے بے دخل کرنے کے خیال سے مصر پہنچنے کا ارادہ کیا، صلاح الدین کو خبر لگی اُس نے اپنے اہلِ شوریٰ سے مشورہ کیا۔ اس کے باپ نے کہا ہم نورالدین ہی کے امیر بنائے ہوئے ہیں لہٰذا تم سلطان سے کہلا بھیجو کہ :-

"اگر اس غلام کی طرف سے کدورت ہے تو گوشمالی کے لئے قدم رنجہ فرمانے کی ضرورت نہیں۔ حضور ایک نوکر بھیج کر غلام کو گردن میں رسّی ڈالے ہوئے اپنے دربار میں بلا سکتے ہیں۔"

امرائے نوریہ نے یہ روداد اپنے طور سے لکھ بھیجی۔ نورالدین خاموش ہو گیا اور یہ طے کیا کہ ۵۶۸ھ میں قلعہ کرک پر ملے جلے چڑھائی کریں۔ اگلا سال آیا، صلاح الدین نے جا کر قلعہ کا محاصرہ کیا۔ جب نورالدین کے آنے کی خبر لگی پھر

---

[1] تاریخ اسلام صفحہ ۲۶۶۔

مصر لوٹ آیا اور اظہارِ معذرت کے لئے نور الدین کے پاس اپنے دوست علیٰی الہکاری کو بھیجا اور عذر یہ کیا کہ میں اپنے باپ کو مصر کا نائب الحکومت کر کے جہاد کے لئے نکلا تھا۔ اس وقت باپ کی بیماری کی خبر سن کر اور یہ خیال کر کے کہ مصر کی مملکت کہیں نکل نہ جائے مصر لوٹ گیا اور تحفے اور ہدیئے بہت کچھ روانہ کئے۔ نور الدین کی تسلی تو کیا ہوئی مگر زبان بند ہو گئی [1]

سوڈان و یمن کی فتح

شوبک اور کرک کی مہم کے بعد صلاح الدین نے اپنے بڑے بھائی شمس الدولہ کو سوڈان فتح کرنے کو بھیجا مگر یہ مہم ناکام رہی۔ پھر ۵۶۹ھ میں نور الدین کی اجازت سے یمن کو فتح کرنے کے لئے شمس الدولہ توران شاہ کو بھیجا جس نے جاتے ہی یمن فتح کر لیا اور مضبوط حکومت قائم کر لی جو ایوبی خاندان میں پچاس برس رہی اس کا مقصد یہ تھا کہ اگر نور الدین نے لے لیا تو یہ پناہ گاہ کا کام دے گی [2]

دولتِ علویہ کا حشر

خلیفہ عاضد کے مرنے پر مصر میں خلافت عباسیہ کی حکومت کا پھریرہ کامیابی کی ہوا میں اڑنے لگا۔ اہلِ کتامہ کی قوت منتشر تھی۔ البتہ مصر میں کچھ ہوا خواہانِ علویین نے داؤد بن عاضد کے ہاتھ پر خلافت و امارت کی بیعت کی مگر صلاح الدین نے سرغنوں کو پکڑ کر ٹھکانے لگوا دیا اور داؤد کو بلا کر تنبیہ کی اور اس کو ۵۶۹ھ میں قصرِ خلافت میں آنے سے منع کر دیا۔

داؤد کے بیٹے سلیمان نے صعید میں جا کر جہاں حبشی فوج کے لوگ مصر سے نکال کر آباد کر دیئے گئے تھے وہاں ادعائے حکومت کیا عمالِ حکومت نے گرفتار کر لیا۔ وہیں اپنی طبعی موت سے مر گیا۔ فارس کے اطراف میں محمد بن عبداللہ بن عاضد نے خلافت و امارت کا دعویٰ کیا اور اپنا لقب مہدی رکھا مگر

---

[1] صلاح الدین صفحہ ۱۱۴ [2] ایضاً صفحہ ۱۱۵۔

کوئی مہدویت کے پھندے میں پھنسا نہیں اور اٹھتی کونپل تراشں دی گئی۔ اس کے بعد عبیدئین میں سے کوئی باقی نہ رہا۔ البتہ علویہ کے نقباء حسن بن صباح کے لوگ قلعہ الموت میں باقی رہ گئے تھے جن کو ہلاکو خان نے ۶۵۵ھ میں تہ تیغ کر دیا[1]

اب صلاح الدین نے مصر کی فلاح و بہبود کی طرف توجہ کی اور عاضد کی زندگی میں امورِ سلطنت کا انتظام مکمل کر چکا تھا۔ باوجودیکہ صلاح الدین کٹر سنی تھا اور عاضد کٹر شیعہ، مگر اس نے آخر تک کسی شکایت کا موقعہ نہ دیا اور عاضد اس سے خوش رہا اور مرتے دم تک اس کے ساتھ اخلاص اور قدردانی کا سلوک کرتا رہا۔ مرض الموت میں صلاح الدین کو بلایا مگر قصر کی سازش کے خیال سے ملاقات نہ کر سکا جس کا افسوس صلاح الدین کو رہا۔

اس جگہ یہ اعتراف کرنا پڑتا ہے کہ اس نے ایک طرف عاضد کو اپنی لیاقت کا گرویدہ کر لیا تو دوسری طرف اپنے آقا نورالدین کی مرضی کا تابع رہا۔ دونوں اس سے اپنی جگہ مطمئن رہے۔ اس سے بڑھ کر یہ کہ وہ مصر کا مستقل حکمران بن چکا تھا، مگر اپنے کو نورالدین کا نائب ہی تصور کرتا تھا۔

شامی امراء کی رقابت مصر کے شامی امراء صلاح الدین کی نیک نیتی اور خوبیوں کو دیکھتے ہوئے اس کے ہمنوا ہو گئے تھے۔ مگر بعض امراء نورالدین کے پاس رہ کر اس کے خلاف زہر اُگلا کرتے تھے جس میں امیر عین الدولہ یاروقی تھا مگر نورالدین کو صلاح الدین پر پورا بھروسہ تھا۔

صلاح الدین نے اپنی سیاسی حکمتِ عملی سے ایسا میدان تیار کیا تھا کہ اہلِ مصر اس کے گرویدہ ہو گئے تھے اس لئے اس کی حکومت مصر میں قائم ہو گئی نام

[1] ابن خلدون جلد ۱۰ صفحہ ۸۱۔

کو وہ خلافتِ عباسیہ کے ماتحت تھا۔

خلافتِ فاطمیہ کا جائزہ

خلافتِ فاطمیہ بھی دعوتِ آلِ محمد کی آڑ لے کر بنی مگر خلافتِ بنی عباس کی حریف بن کر عالم وجود میں آئی۔ اپنی شوکت و عظمت میں ایک امتیازی درجہ رکھتی تھی۔ اس کا دائرۂ عمل مغرب میں بحرِ اخضر، مشرق میں دریائے فرات، شمال میں ایشیائے کوچک اور جنوب میں بلادِ نوبیہ تک وسیع تھا۔ دوسری طرف صقلیہ اور بلادِ حجاز اس کی قلمرو میں داخل تھے۔ یمن، موصل اور بلاد ماوراء النہر میں فاطمی خلیفہ کے نام کا خطبہ پڑھا جاتا تھا۔

قاہرہ بغداد کے بعد شان و شوکت کے اعتبار سے بہت بڑھا ہوا تھا فاطمی خلفاء نے وسیع سلطنت قائم کی۔ مصر ان کے زمانہ میں گہوارۂ تہذیب و تمدن اور علم و فن تھا۔ فاطمیوں کا کتب خانہ قرطبہ، بغداد وغیرہ کے کتب خانوں کی نظیر تھا[1] دولت و ثروت میں آخری خلفاء بنی عباس سے بڑھے ہوئے تھے۔

سُلطان صلاح الدین ایوبی

صلاح الدین بن نجم الدین ایوب تکریت میں ۵۳۲ھ میں پیدا ہوا۔ نجم الدین جب دمشق آیا تو صلاح الدین کی عمر سولہ سال کی تھی۔ تعلیم و تربیت امیرانہ طور طریق سے ہوئی۔ نورالدین زنگی کی توجہ صلاح الدین کی طرف زیادہ تھی۔ چنانچہ اس کا بڑا وقت نورالدین کی خدمت میں گزرتا تھا۔

نورالدین کی بہادری، شجاعت اور عبادت گزاری کا اثر صلاح الدین پر

---

[1] کتاب الروضتین فی اخبار الدولتین جلد ۱ صفحہ ۱۰۰

پڑے بغیر نہ رہا۔ نورالدین کے فیضِ صحبت و تربیت سے صلاح الدین میں وہ کمال پیدا ہُوا جس نے آگے چل کر صلاح الدین اعظم بنا دیا۔[1]

نورالدین ۵۶۹ھ میں فوت ہُوا۔ اتابکی امراء نے اس کے گیارہ سالہ بچے اسمٰعیل الملقب بہ الملک الصالح کو تخت نشین کیا اور شمس الدین محمد المعروف بہ ابن مقدم کارپرداز سلطنت قرار پایا۔ مگر اور امرائے نوریہ بگڑ بیٹھے جس کا نتیجہ یہ ہُوا کہ اتابکیہ حکومت کا شیرازہ بکھر گیا۔

سیف الدین غازی والیٔ موصل جو نورالدین کا بھتیجا تھا اُس نے جزیرہ پر قبضہ کر لیا۔ صلاح الدین نے الملک الصالح کو لکھا کہ اس واقعہ کی خبر مجھ کو کیوں نہ دی۔ اس دوران میں امیر سعدالدین بن کفتگین الملک الصالح کو لے کر حلب گیا اور امیر الامراء شمس الدین ابن دایہ اور حلب کے دوسرے اتابکی امراء کو گرفتار کر کے حکومت کی باگ ڈور اپنے ہاتھ میں لے لی۔ ابن مقدم دمشق میں رہ گیا تھا اس نے جوشِ انتقام میں سیف الدین کو دمشق کے حوالے کرنے کے لئے بلایا مگر وہ گیا نہیں۔ دمشق کے تمام امراء نے سعدالدین کے اقتدار اور استبداد کی وجہ سے صلاح الدین کو دمشق آنے کی دعوت دی۔ فتوحات کی غرض سے نہیں، مصالحت کی بنا پر صلاح الدین سات سو سواروں کا دستہ لے کر دمشق پہنچا۔ یہ رنگ دیکھ کر سیف الدین نے فرنگیوں سے میل کر لیا۔[2]

صلاح الدین کو دمشق میں ہاتھوں ہاتھ لیا گیا۔ اس نے دمشق پر قابض ہو کر حمص و حماۃ کی طرف توجہ کی۔ ان کو بقوت لینا پڑا۔ پھر حلب روانہ ہُوا۔ مگر الملک الصالح نے اہلِ حلب کو درد انگیز فریاد سے متاثر کیا تھا وہ پوری قوت سے مقابل ہُوئے۔ ادھر صلیبیوں نے امرائے اتابکی کے اشارے سے حمص پر دھاوا بول دیا۔ صلاح الدین انہیں روکنے بڑھا وہ پیٹھ دکھا گئے۔ اس

---

[1] صلاح الدین لین پول صفحہ ۱۱۹ [2] ایضاً

کے بعد بعلبک پر قابض ہو گیا۔ صالح نے سیف الدین سے میل کر لیا سیف الدین خود مقابل تو نہ آیا مگر اپنے بھائی عز الدین مسعود کو بھیجا، اس کو شکست اٹھانا پڑی۔ یہاں سے فارغ ہو کر سلطان نے حلب کا محاصرہ کر لیا۔ آخر کار اس شرط پر صلح ہو گئی کہ جس قدر حصہ ممالک شام کا صلاح الدین کے قبضہ میں ہے اس پر وہ متصرف رہے باقی اتابکی علاقہ کی طرف قدم نہ بڑھائے۔

اس مصالحت سے صلاح الدین تابکی حکومت سے آزاد ہو گیا۔ اس نے اپنے نام کا خطبہ و سکہ جاری کر دیا۔

پروانۂ حکومت مصر و شام خلیفہ مستکفی باللہ نے صلاح الدین کو خلعت عطا کیا اور پروانۂ حکومت مصر و شام مرحمت فرمایا۔ سنہ ۵۷۱ھ میں سیف الدین پھر اٹھ کھڑا ہوا۔ صلاح الدین نے اس کو شکست دے کر بزاعہ، بیج اور قلعہ عزاز پر قبضہ کر لیا اور سنہ ۵۷۲ھ میں حلب پر پھر فوج کشی کر دی۔ آخر کار صلح ہو گئی۔ سلطان نور الدین کی بچی کو صلاح الدین کے پاس بھیجا۔ اپنی آقازادی کے ساتھ لطف و محبت سے پیش آیا۔ تحائف دیئے اس نے قلعہ عزاز مانگا وہ بھی دے دیا۔

باطنیوں کا قاتلانہ حملہ عزاز کے محاصرہ کے دوران میں اسمٰعیلی باطنیوں نے دو مرتبہ قاتلانہ حملہ سلطان پر کیا۔ خدا نے چشم زخم نہ پہنچنے دیا۔ وہ قتل کر دیئے گئے۔

عسقلان پر قبضہ سنہ ۵۶۶ھ میں سلطان نے عسقلان پر حملہ کیا تھا۔ اموری فرمانروائے یروشلم مقابلہ پر آیا اور شکست پا گیا۔ پھر رملہ پر فرنگی جمع ہوئے بری اور بحری فوج سے اس کو بھی فتح کر لیا۔

حملہ اسکندریہ نور الدین کی وفات کی خبر سے نصرانیوں میں نئی امنگیں پیدا ہوئیں اور اس کے مفتوحہ ممالک پر دوبارہ قبضہ کرنے کی جدوجہد شروع کر دی۔ شام اور صقلیہ سے ۲۸۲ جنگی جہازوں کا

بیڑہ اسکندریہ پہنچا۔ شہر سے باہر منجنیق اور دبابے نصب کئے۔ اسکندریہ کے محصور باشندوں نے کمال بہادری کے جوہر دکھائے۔ صلاح الدینؒ نے خبر لگتے ہی ایک لشکر بھیجا فرنگی منہ کی کھا کر چلتے ہوئے اُن کے بہت سے جہاز ڈوب گئے۔ غرضیکہ یہ حملہ ہر طرح سے ناکام رہا۔

ان تمام علاقوں کے قبضہ کے بعد شام میں صلاح الدین کی قوت بڑھ گئی تو فرنگیوں نے ۵۷۱ھ میں صُلح کر لی۔[1]

صلاح الدین مصر واپس گیا۔ دمشق پر اپنے بھائی توران شاہ کو حکمران کر گیا۔ فرنگی موقع پا کر دمشق پر حملہ آور ہوئے۔ توران شاہ کو شکست ہوئی اور امراء گرفتار ہو گئے۔ صلاح الدین مدد نہ بھیج سکا۔ مگر عسقلان پر حملہ کر دیا۔ دوسری سمت سے فوجیں آگئیں۔ اس کے برادرزادہ محمد اور فقیہ عیسیٰ نے مقابلہ کیا جس میں محمد شہید ہُوا اور عیسیٰ گرفتار ہو گئے۔ ساٹھ ہزار اشرفی دے کر صلاح الدین نے عیسیٰ کو چھڑایا۔

۵۷۶ھ میں سیف الدین والیٔ موصل مر گیا اور ۵۷۷ھ میں الملک الصالح والیٔ حلب بھی فوت ہو گیا۔ سیف الدین عزیز الدین مسعود کو جانشین کر مرا تھا۔ صالح نے بھی اس کو ہی اپنا جانشین کیا۔ کچھ دن بعد عماد الدین والیٔ سنجار نے حلب کا تبادلہ کر لیا۔

ادھر عزیز الدین نے باطنیوں سے میل کر کے حلب میں ان کا تبلیغی مرکز بنانے کا وعدہ کر لیا اور ایک طرف صلاح الدین سے مقابلہ کے لئے ہر دو بھائیوں نے فرنگیوں سے بھی باضابطہ عہد نامہ کیا۔ مگر صلاح الدین نے جو معاہدہ کیا تھا اس سے ان حرکتوں پر بھی انحراف نہ کیا۔

مصر سے شام صلاح الدین روانہ ہُوا۔ فرنگیوں نے کرک پر مدد کا۔ مگر وہ

---

[1] ابن اثیر جلد ۱۱ صفحہ ۱۶۴۔

دوسری سمت سے نکل گیا۔ طبریہ وبیسان وغیرہ فرنگی علاقوں پر حملہ کرتا ہوا عکہ تک بڑھتا چلا گیا اور فرنگیوں کو دمشق سے مار بھگایا۔ سلطان بیروت لینے کے ارادہ سے بڑھا معلوم ہوا کہ جنگی جہاز فرنگیوں کے سمندر میں منڈلا رہے ہیں۔ ان پر حملہ کر کے ایک ہزار چھ سو فرنگی گرفتار کر لئے [1]

بیروت سے امیر مظفر الدین کوکبری والی حران جو عزیز الدین مسعود کے خلاف ہو گیا تھا اس کے بلاوے پر پہنچا اور جزیرہ کے بڑے حصے کو بقوت لے لیا۔ یہ صورت دیکھ کر عماد الدین نے اپنا علاقہ عزیز الدین کے سپرد کر دیا۔

سلطان نے ۵۷۸ھ میں موصل پر فوج کشی کی مگر ناکامی ہوئی۔ اس کے بعد سنجار پر حملہ کر دیا اور عزیز الدین مسعود کے بھائی شریف الدین پر فتح پائی اور اپنے سالے سعد الدین مسعود کو یہاں کا حاکم بنایا۔ اس کے بعد آمد لے لیا اور یہاں کا کتب خانہ عظیم الشان تھا۔ اس میں دس لاکھ چالیس ہزار کتابیں تھیں۔ یہ سب سلطان نے قاضی فاضل کے سپرد کر دیں۔ اس کے بعد ہی حلب پر قبضہ کر لیا۔ شام میں سلطان کی قوت بہت بڑھ گئی۔ دریائے دجلہ سے رودنیل تک اور افریقہ کے ساحل پر طرابلس تک بڑے بڑے شہر سلطان کے زیر نگین تھے۔ مکہ معظمہ سے بغداد کی مسجدوں تک اس کے نام کا خطبہ پڑھا جانے لگا۔

حروبِ صلیبیہ

سلطان نے حارم پر قبضہ کرنے کے بعد فرنگیوں سے معرکہ آرائی شروع کر دی۔ ۵۷۹ھ میں فوجیں جمع کر کے فرنگی علاقہ پر حملہ کر دیا۔ متواتر چودہ سال تک نصاریٰ سے جہاد کیا۔ شام کے تمام علاقے نصاریٰ سے بقوت لے لئے۔ بیت المقدس فتح کیا۔ اسلام کے دشمن ریجی نالڈ کو قتل کیا۔ دوسرے عیسائی حکمران

---

[1] ابن اثیر جلد ۱۱ صفحہ ۱۸۱۔

گائی، بالڈون، بالیان، والڈ، کورنتی، جوسکن وغیرہ جو گرفتار تھے ان کی جان بخشی کی۔ اس معرکہ کے حالات "تاریخ ملت" کی جلد ششم میں بیان کئے جا چکے ہیں۔
اس زمانہ میں موصل پر حملہ کیا۔ عزیز الدین نے اطاعت قبول کر لی اور شہر زور اور دریائے زاب کے آس پاس کے علاقے قرایلی اور بنی قفچاق کے اضلاع سلطان کو دیدیئے اور اپنے ملک میں سلطان کے نام کا خطبہ وسکہ جاری کیا۔

لین پول نے لکھا ہے :-

"جنگ مقدس خاتمہ کو پہنچی، پانچ برس کی مسلسل لڑائیاں ختم ہوئیں جولائی ۱۱۸۷ء میں طبریہ پر مسلمانوں کی فتح سے قبل دریائے اُردن کے مغرب میں مسلمانوں کے پاس ایک انچ زمین نہ تھی ستمبر ۱۱۹۲ء میں جب رملہ پر صلح ہوئی تو صور سے لے کر یافہ کے ساحل تک بجز ایک پتلی سی پٹی کے سارا ملک مسلمانوں کے قبضہ میں تھا۔"

رواداری

صلیبیوں نے اپنی فتوحات کے موقعہ پر مسلمانوں کے ساتھ ظالمانہ سلوک کئے تھے۔ بیت المقدس جب نصرانیوں نے لیا ہے تو صرف مسجد صخرا میں ستر ہزار مسلمان قتل کئے تھے۔ مگر جب بیت المقدس کو صلاح الدینؒ نے فتح کیا تو عیسائیوں کو معمولی فدیہ لے کر بعزت واحترام نکلنے کا حکم دیا اور ان کے لئے زیارت کی عام اجازت مرحمت کی۔ غرضیکہ سلطان نے اپنی افواج کو آرام کرنے کے لئے ان کے وطن واپس کر دیا۔ چند ماہ بیت المقدس میں قیام کیا۔ شہر پناہ کی مرمت کرائی، خندق کھدوائی، شفاخانہ تعمیر کرایا۔ انتظام شہر امیر عزیز الدین جردیک کے سپرد کر کے شوال ۵۸۸ھ میں حج کے ارادہ سے دمشق چلا گیا۔

سلطان کے اہل وعیال دمشق میں موجود تھے وہیں اس کے بھائی ملک عادل کرک سے آ گئے تھے۔ سارا خاندان نہایت امن وآرام کے ساتھ رہنے سہنے لگا۔ سلطان کو دمشق اس قدر پسند تھا کہ مصر جانے کا خیال بھی نہ کیا۔

وفات کئی سال سے سلطان کی صحت بگڑ گئی تھی جہاد کی مساعی میں اُس نے کچھ خیال نہ کیا۔ رمضان کے روزے قضا ہو گئے تھے ان کو پورا کرنے لگا جو مزاج کے موافق نہ پڑے۔ طبیب نے روکا کہ صحت کے لئے اس وقت ملتوی کر دیجئے۔ سلطان نے کہا معلوم نہیں آئندہ کیا پیش آئے اور کل روزے پورے کئے۔ جس سے صحت جواب دے گئی۔ وسط صفر ۵۸۹ھ میں حالت بگڑنے لگی مرض بڑھ گیا غشی طاری ہو گئی۔ شیخ ابوجعفر نے قرآن مجید کی تلاوت کی۔ ۲۷ تاریخ دوشنبہ کے دن فجر کے وقت مجاہد اعظم نے جان بحق تسلیم کی۔

اوصاف سلطان صلاح الدین جہاں مجاہد اعظم تھا اس کے ساتھ اسلامی سلطنت کا خود مختار بادشاہ ہوتے ہوئے امیر تو امیر غریب کے ساتھ یکساں سلوک کرتا تھا۔ اگر کوئی خادم بیمار ہو جاتا تو خود عیادت کو جاتا۔ ایک خادم نے ایک تحریر پہ دستخط کرانے چاہے۔ سلطان نے کہا پھر کسی موقعہ پہ یہ کاغذ پیش کرنا۔ اُس نے کہا ابھی کر دیجئے اور دوات سامنے اس طرف رکھی ہے۔ چنانچہ سلطان نے دور سے جُھک کر دوات اٹھائی اور دستخط کئے۔

ایک مرتبہ ایک غلام نے دوسرے غلام کے جوتا مارا وہ سلطان کی طرف آیا۔ سلطان نے غلام کو پریشانی سے بچانے کے لئے اس طرف سے رُخ پھیر لیا۔

مشہور ہے کہ جب عکہ پر فرنگیوں کا قبضہ ہونے کے بعد سلطان ساحل کے قلعے مسمار کرنے کے لئے گیا تو قلعہ گرانے والوں کے ساتھ مثل ایک پیادہ کے خود بھی مزدور کا سا کام کرتا تھا اور لکڑیاں کندھوں پر اُٹھا کر لے چلتا۔

اسی طرح بیت المقدس کی قلعہ بندی کرتے وقت وہ گھوڑے پر سوار ہو کر دور دور سے خود پتھر لاد کر لاتا۔ فوج بھی اپنے سپہ سالار کی اعلیٰ مثال کی پیروی کرتی اور مزدوروں اور فوجیوں کی یہ جماعت مہینوں کا کام دنوں میں پورا کر لیتی۔[1]

---

[1] صلاح الدین محمد فرید ابو حدید صفحہ ۲۸۷۔

ایک معاملہ میں سلطان کو ایک فریق مقدمہ کی حیثیت سے عدالت میں طلب کیا گیا۔ سلطان آیا اور معمولی طریقہ سے قاضی کی مجلسِ قضاء میں بیٹھ گیا۔ اگرچہ اس مقدمہ میں حق بجانب، وہی تھا۔

علمی ذوق صلاح الدین کو اصلاحی عالموں کی صف میں جگہ نہیں دی جا سکتی مگر اس کو علومِ دینی میں استعداد معقول تھی۔ علمِ حدیث کے متعلق اس کی واقفیت وسیع تھی۔ علمِ فقہ، علمِ ادب، عربوں کے انساب، ان کے واقعات اور ان کی لڑائیوں کے متعلق بھی کافی معلومات رکھتا تھا۔ اسکی پڑھی ہوئی کتابوں میں رازی کی تصانیف میں سے فقہ کی ایک کتاب شامل تھی۔ قاضی بہاء الدین ابن شداد سے علمی استفادہ بہت کیا۔[1]

علمی مجلس صلاح الدین کی علمی مجالس میں بڑے بڑے اکابر علماء شریک ہوا کرتے تھے اور اس کی تنقید و مکنہائے بحث و نظر سے اس کے فہم اور قابلیت کی داد دیتے۔

علمی مباحث کے ساتھ شغف رکھنے کے باوجود سلطان سیاست اور جہاد کا مردِ میدان تھا۔ اس لئے اس کی ذکاوت کا ظہور زیادہ تر امورِ سلطنت اور میدانِ جنگ میں ہوا کرتا تھا۔[2]

نماز، روزہ کی پابندی صلاح الدین فرض نماز کو پابندی سے ادا کیا کرتا۔ اس کے علاوہ نوافل بھی کافی ادا کیا کرتا اور روزہ کا بڑا پابند تھا۔

سخاوت بنی فاطمہ خلفاء کا عظیم الشان خزانہ اس کے قبضہ و تصرف میں آیا۔ سلطان نورالدین کے پاس بھیجا اور امراء میں تقسیم کیا اپنے لئے کچھ نہ رکھا جو روپیہ اس کے پاس آتا خیر کے کاموں میں صرف

---

[1] صلاح الدین محمد فرید ابو حدید صـ ۲۸۷ [2] ایضاً صـ ۲۹۱

کر دیا کرتا۔ اس کا کھلم کھلا ثبوت یہ ہے کہ وفات کے وقت اس کے خزانوں میں کل سینتالیس درہم (چاندی) کے تھے اور ایک ٹکڑا سونے کا تھا۔ قاضی ابن شداد نے اپنے پاک کمائی کا پیسہ سلطان کی تجہیز و تکفین میں لگایا۔

مہمان نوازی بنی فاطمہ کا مہمان نوازی بہت تھی۔ مسلمان ہو یا غیر مسلم ہر ایک کی کھلے دل سے تواضع و مدارت کرتا تھا۔ صلح کے بعد برنس والئ انطاکیہ سلطان کا مہمان ہوا۔ سلطان اس کے خیمہ میں جا کر خود ملا۔ اس نے عمق کے علاقہ کو مانگا۔ باوجودیکہ ۵۸۴ھ میں برنس سے چھینا تھا خوشی سے والئ انطاکیہ کو عطا کر دیا۔

ایک مرتبہ صیدا کا فرنگی والی، سلطان کے پاس آیا، اس کی عزت و توقیر میں کوئی کمی اٹھا نہ رکھی۔ اپنے ساتھ کھانا کھلایا اور اسلام کے محاسن بیان کیے۔

علماء و مشائخ کی بڑی تعظیم و توقیر کرتا۔ ان ذاتی محاسن و فضائل کے علاوہ سلطان نے بکثرت علمی و تمدنی کام انجام دیئے۔

علمی ترقی صلاح کا دور علمی ترقی و ترویج میں خلفاء فاطمی سے بہت بڑھا ہوا ہے۔ سلطان نے مصر، شام، فلسطین اور جزیرہ میں صدہا مدارس قائم کیے، بعض ایسے عظیم الشان دار العلوم تھے کہ ساری دنیائے اسلام میں ان کی شہرت تھی۔

مصر میں مدرسہ صلاحیہ، مدرسہ سیوفیہ، مدرسہ سرضیہ، مدرسہ محبیہ، مدرسہ عالیہ، مدرسہ فائزیہ، مدرسہ فاضلیہ، مدرسہ ارشکیہ، مدرسہ معزیہ وغیرہ کثرت سے تھے۔ امرائے دولت نے اپنی طرف سے بھی مدارس قائم کیے۔ مقریزی اور علامہ سیوطی نے تفصیلی طور سے حالات لکھے ہیں۔ بڑے بڑے وقف ان مدرسوں کے متعلق تھے۔

علامہ ابن خلکان کا بیان ہے:-

"فاطمی خلفاء کو مدارس سے کوئی دلچسپی نہ تھی اس لئے اُن کے زمانہ

میں مصر کا ملک مدارس سے تقریباً خالی تھا۔ سب سے پہلے سلطان صلاح الدین نے یہاں مدرسے قائم کئے۔" [۱]

مکاتب یتیموں اور غرباء کے بچوں کی قرآنی تعلیم کے لئے علیحدہ مکاتب تھے جن کے مصارف کا بار سلطان کے ذمہ تھا۔

وظائف سلطان کی جانب سے علماء کی جو تنخواہیں اور وظائف مقرر تھے ان کی مجموعی رقم تین لاکھ دینار سالانہ تھی۔

خانقاہ صوفیا اور مشائخ کے لئے خانقاہیں بنوائیں۔ قاہرہ کی خانقاہ کا منتظم شیخ الشیوخ کہلاتا تھا۔

شفاخانہ قاہرہ میں سلطان نے جو شفاخانہ بنوایا تھا وہ عظیم الشان تھا۔

مسافرخانے سلطان نے جگہ جگہ مسافرخانے بنوائے۔ اسکندریہ میں عظیم الشان سلطانی مسافرخانہ تھا۔

غرضیکہ سلطان نے امورِ خیر میں اس قدر اوقاف کئے کہ سلف میں اس کی مثالیں کم ملتی ہیں۔

ہم یہ بحث علامہ ابن خلکان کے بیان پر ختم کرتے ہیں:-

"سلطان دین و دنیا دونوں میں سعید تھا۔ دنیا میں اس نے کیسے کیسے کارنامے انجام دیئے اور کیسی کیسی فتوحات حاصل کیں اور کتنے بڑے بڑے وقف کئے۔" [۲]

وقف حرمین صلاح الدین کا وہ وقف جو آج تک قائم ہے وہ حرمین کا ہے۔ دولت علویہ مصر اپنے زمانے میں فی حاجی ساڑھے سات (۷½) اشرفی ٹیکس وصول کرتے تھے۔ سلطان نے اس ٹیکس کو بند کیا۔

---

[۱] ابن خلکان جلد ۲ صـ ۴۰۲ [۲] ایضاً صـ ۴۰۳

امیر مکہ کے لئے جاگیر عطا کی اور خدامِ حرم کے وظائف مقرر کئے۔ اہلِ حرم کے لئے آٹھ ہزار اردب غلّہ سالانہ مقرر کیا جو اب تک مصر سے جاتا ہے۔

نظمِ مملکت

وزارت سلطان صلاح الدین نے مشہور کاتب قاضی فاضل عبدالرحیم بیسیا کو منصبِ وزارتِ مصر پہ فائز کیا۔ پھر اس کے بیٹے ہی وزارت کے عہدوں پر سرفراز ہوتے رہے۔

منظم فوج سلطان نے کرد کی ایک عظیم الشان فوج بنائی تھی۔ یہ فوج بھی دولتِ ایوبی کے لئے وجہ استحکام ثابت ہوئی۔ یہ فوج وہی ہے جس نے صلیبی جنگ جوؤں سے مقابلہ کر کے ان کی قوت کو پاش پاش کر دیا تھا۔

قلعہ جنگی سلطان صلاح الدین ایوبی نے جبل منتظم پر قلعہ جنگی تعمیر کیا تھا۔

بحری بیڑا جو کارخانے جہاز سازی کے بنی فاطمہ کے عہد کے تھے۔ سلطان نے ان کو قائم رکھا اور اُن کو ترقی دی۔ ۵۶۷ھ میں سلطان نے بحری بیڑے کی طرف انتہائی توجہ مرکوز کی تاکہ صلیبیوں کو ممالک اسلامیہ کے حدود پر یورش کرنے سے روک سکے۔ سلطان نے اس بیڑے کے نظم ونسق اور دوسری ضروریات کے لئے ایک مستقل دفتر قائم کیا تھا جسے دیوان اسطول کے نام سے موسوم کیا جاتا تھا۔ اس محکمہ کا افسر سلطان صلاح الدین ایوبیؒ کا بھائی ملک عادل تھا۔

زراعت جہاں سلطان نے علمی ترقی کی طرف توجہ دی تھی ملک کی صنعت و حرفت کی طرف بھی توجہ دی۔ اس کے ساتھ ہی زراعت کا خاص لحاظ رکھا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ملک بہت جلد سدھر گیا۔ کاروبار چلنے

لگے۔ نہروں کی صفائی کی گئی۔

خراج صلاح الدین کے زمانے میں دولت علویہ کے زمانہ سے زیادہ خراج وصول ہوا۔ ۴۶۵۳۰۲۹ دینار خراج کی مقدار تھی۔

قضاۃ قاضی القضاۃ صدر الدین عبدالملک بن داماس تھے۔ ۵۶۴ھ میں فقہ کی تعلیم کے دو مدرسے سلطان نے قائم کئے۔ ایک مدرسہ شافعی اور دوسرا مالکی تھا۔ قاضی القضاۃ کے مشورہ سے تمام شیعہ قاضی معزول کئے گئے اور ان کی جگہ سُنّی قاضیوں کو دے دی گئی جو شافعی مذہب کے پیرو کار تھے[1]

معاصر علماء القاضی الفاضل ابوعلی عبدالرحیم جو اپنی اصابت رائے، سیاستدانی فصاحت، بلاغت، ذکاوت اور ہیبت سے ممتاز خصائص میں مشہور نام ہے، سلطان صلاح الدین کا وزیر تھا۔ ولادت ۵۲۹ھ میں بمقام عسقلان میں ہوئی اور وفات ۵۹۶ھ میں بمقام قاہرہ ہوئی۔

ابوالحسن احمد بن ابی الحسن الرشید اسوانی فضلائے عصر سے تھا۔ ہندسہ و منطق علوم اوائل میں تبحر کا درجہ رکھتا تھا اسکندریہ کا عامل مقرر ہوا۔ محرم ۵۶۳ھ میں قتل ہوا[2]

بہاء الدین ۵۳۹ھ میں موصل میں پیدا ہوا۔ حدیث و فقہ میں اجتہاد کا درجہ رکھتا تھا۔ مدرسہ نظامیہ بغداد کا صدر مدرس ہو گیا۔ پھر شہر موصل میں قاضی کمال الدین محمد شہرزوری کے مدرسہ کا مدرس اعلیٰ ہو گیا۔ اس نے سلطان یوسف صلاح الدین ایوبی کی تاریخ تالیف کی اور اُسے خود سلطان کی نذر کیا۔ سلطان نے بطور صلہ و قدردانی کے اس کو لشکر کا قاضی مقرر کیا۔ پھر قاضی القضاۃ حلب مقرر ہوا۔ اس نے حلب میں دو عظیم الشان مدرسے بنوائے۔ ۱۳۳۱ھ میں منصب

---

[1] کتاب الروضتین فی اخبار الدولتین جلد ۱ صفحہ ۱۶۱ [2] حسن المحاضرہ سیوطی ص ۲۳۲ ۔

قضاء کو ترک کر کے خود درس و تدریس میں لگ گیا ۱۲۳۵ھ میں فوت ہوا۔

ابن عساکر ابو القاسم علی بن حسن دمشق میں ۴۹۹ھ میں پیدا ہوئے۔ علم تاریخ کے علاوہ فقہ و حدیث میں بھی آپ کامل تھے۔ دمشق کی تاریخ اسی جلدوں میں لکھی۔ ۵۷۱ھ میں انتقال کیا۔ سلطان صلاح الدین خود آپ کے جنازہ میں شریک تھا۔

ملک عثمان عماد الدین معروف بہ ملک عزیز ایوبی

سلطان صلاح الدین نے امرائے دولت کے مشورے سے اپنی زندگی میں اپنے بیٹے ملک عزیز کو مصر کی ولایت عنایت کی اور دمشق دوسرے بیٹے نور الدین ملک افضل کو دیا اور تیسرے بیٹے غیاث الدین ابو الفتح غازی ملک ظاہر کو عراق، عجم کا خود مختار بادشاہ بنایا۔ بقیہ بیٹوں کو چھوٹے علاقہ کا امیر کر دیا۔

سلطان کے بعد ملک عزیز نے عنانِ حکومتِ مصر سنبھالی۔ باپ کے عہد میں جو انتظام تھا اس کو سنبھالے رکھا۔ عمر نے زیادہ وفا نہ کی۔ ۲۰ محرم ۵۹۵ھ میں فوت ہو گیا۔

ملک منصور ایوبی

منصور کی عمر آٹھ سال کی تھی۔ امرائے سلطنت نے تختِ مصر پر بٹھایا۔ مگر ملک عادل سیف الدین ابو بکر بن ایوب کرک سے فوج لئے ہوئے آیا اور

دعویٰ یہ تھا کہ منصور میرا پوتا ہے اور خورد سال ہے۔ مصر کا انتظام اپنے ہاتھ میں لے لیا اور ۵۹۶ھ میں اس کو معزول کر کے خود تختِ مصر پر بیٹھا اور حکمرانی کرنے لگا۔

ملک عادل ایوبی

عادل نے دورِ صلاح الدین کی یاد تازہ کر دی۔ اُس نے مصر کی توسیع کے لئے افضل سے شام لے لیا اور حلب کو بھی مطیع کیا۔

صلیبیوں کا حملہ ۶۱۳ھ میں صلیبیوں نے پھر ہاتھ پیر نکالے۔ شام کے اکثر شہر لیلئے حتیٰ کہ دمیاط پر قابض ہو گئے۔ ۶۱۵ھ میں مصر پر بڑھے۔ اس درمیان میں ملک عادل فوت ہو گیا۔

سلطان کامل بن عادل

ملک کامل ابوالمعالی ناصرالدین محمد خلیل فرنگیوں سے مقابلہ پر دمیاط گیا ہُوا تھا وہیں تخت نشین ہُوا۔ اس نے ۹ رجب ۶۱۵ھ میں دمیاط سے فرنگیوں کو نکالا۔ بعد فتح قاہرہ آیا اور جشنِ عام منایا گیا۔ ۶۳۵ھ میں دورانِ قیامِ دمشق ۲۳ رجب کو جاں بحق تسلیم ہُوا۔[1]

سلطان سیف الدین ابوبکر عادل

کامل کا بیٹا سیف الدین ابوبکر عادل دو سال سے زیادہ حکمرانی نہ کر سکا۔

---

[1] حسن المحاضرہ جلد ۲ صفحہ ۲۳۔

اس کا بھائی ملک صالح نجم الدین جزیرہ کا فرمانروا تھا اور امیر مونس شام کا، ہر دو نے امارت کا تبادلہ کیا تھا۔ شام پر ملک صالح تھا اُس نے موقع سے فائدہ اُٹھا کر مصر پر قبضہ کر لیا۔ سیف الدین گرفتار ہوا۔

ذی الحجہ ۶۳۷ھ میں امرائے سلطنت نے بیعت کر لی۔ عنانِ حکومت ہاتھ میں لیتے ہی امیر مونس کو جزیرہ سے معزول کر کے مصر طلب کر لیا اور وہ صلیبیوں سے جا ملا۔ والیٔ دمشق اسمٰعیل، امیر حمص ابراہیم اور حاکم کرک اس کے ساتھی ہو گئے۔ سب نے متفقہ طور سے لشکر کشی کی۔ لوئس نہم فرانسیسی بھی ان کا ہم نوا ہو گیا۔

۶۴۷ھ میں سب نے مل کر دمیاط لے لیا۔ ملک صالح بیمار تھا۔ چودہ ماہ مقابلہ کرتا رہا۔ ۱۴ شعبان ۶۴۷ھ کو انتقال کر گیا[1] اس کی اہلیہ ملکہ شجرۃ الدر نے موت کو مخفی رکھ کر اس کے بیٹے ملک معظم توران کو حصن کیفا سے بُلا کر تخت نشین کیا۔

سُلطان ملک معظّم

سلطان توران شاہ ملک معظم عنانِ حکومت ہاتھ میں لے کر صلیبیوں اور غدار امرائے دولت کے مقابلہ میں فوج لے کر پہنچ گیا۔ صلیبی شکست کھا گئے۔ اس کے بعد جملہ امرائے سلطنت کو نکال باہر کیا۔ ان کی غداری دیکھ چکا تھا۔ حصن کیفا سے جو لوگ آئے تھے ان کو امیر مقرر کیا۔ اس وجہ سے ممالیک اس سے ناراض ہو گئے اور ۷ محرم ۶۴۸ھ کو اس کو قتل کر دیا۔ اس کی حکومت کُل چند ماہ رہی[2]

[1] حسن المحاضرہ جلد ۲ صفحہ ۲۴ [2] ابی الفدا جلد ۳ صفحہ ۱۸۱۔

ملکہ شجرۃ الدّر

یہ بڑی عاقلہ خاتون تھی معظم کے کوئی بیٹا نہ تھا۔ اس نے ممالیک کے سرغنہ عزیز الدین کو اپنا متفق کر لیا اور خود ۱۰ صفر ۶۴۸ھ کو تختِ سلطنت پر بیٹھ گئی اور عزیز الدین کو وزارت عطا کی۔ ملکہ شجرۃ الدر کے زمانہ میں فرانس کی پچاس ہزار فوج مقام منصورہ تک پہنچ گئی۔ یہ ملکہ فوج لے کر مقابل ہوئی اور اس کو شکست دی اور بادشاہ و ملکہ گرفتار ہو گئے تو ان ہر دو سے ۲۰ لاکھ زرِ تاوان کے معاوضہ میں جان بخشی کر کے فرانس واپس بھیج دیا۔

خلیفۂ بغداد مستعصم کی خدمت میں پروانۂ حکومت کی درخواست بھیجی گئی مگر عورت کی سلطنت کو خلیفہ نے جائز نہیں رکھا اس بنا پر تین ماہ بعد تختِ حکومت چھوڑنا پڑا۔ شام کے ایوبی امراء نے الناصر صلاح الدین یوسف والئ حلب کو اپنا بادشاہ بنا لیا۔ اس نے دمشق پر جو مصری حکومت کا علاقہ تھا قبضہ کر لیا۔ یہ حالت دیکھ کر عزیز الدین ایبک سے ملکہ شجرۃ الدر نے عقد کر لیا اور اس کے حق میں حکومت سے دستبردار ہو گئی۔ چنانچہ عزیز الدین تخت نشین ہو گیا۔ اس کے بعد سے ایوبی حکومت کا خاتمہ ہو گیا۔

شجرۃ الدر نے ہی محمل شریف کا سلسلہ شروع کیا تھا اور اس میں خانہ کعبہ کے لئے غلاف مصر سے بھیجا جاتا جو آج تک بفضلہ قائم ہے۔ قاہرہ میں اس کے نام سے ایک مسجد بنی ہے۔

عزیز الدّین ایبک معز جاشنگیر

عزیز الدین ممالیک بحریہ سے تھا۔ اس کے اسلاف ممالک دشت قیچاق کے

رہنے والے تھے تاتاری سیلاب میں اس طرف کے علاقہ کے لوگ بھی بہہ گئے۔ قزوین اور کوہ قاف تک کے اپنے وطنوں کو خیر باد کہہ گئے۔ جہاں گئے اُن کو پکڑ کر فروخت کر دیا۔ ملک صالح نجم الدین ایوبی نے بہت سوں کو خود خرید لیا۔ اور ان کو جزیرہ روضہ میں آباد کیا اور ان کو اپنے درباری امراء سے منسلک کر دیا۔ ان لوگوں نے بڑے بڑے محلّات اور قلعے تعمیر کئے۔ یہ جگہ وہ ہے جہاں نیل کی دو شاخیں ملتی ہیں۔ اس وجہ سے یہاں کے لوگ ممالیک بحری کہے جاتے تھے۔ یہ لوگ بڑے بہادر تھے اور ان کی قرابتیں مصر کے ان ترکی ملوک کے یہاں ہوتی رہتیں جو خلیفہ معتصم اور احمد بن طولون کے زمانہ میں مصر میں آباد تھے۔

معز الدین ایبک جمادی الاول ۶۴۸ھ میں تخت نشین ہوا اور لقب معز جاشنگیر رکھا۔ ہوشمند ترک تھا۔ عنانِ حکومت ہاتھ میں لے کر مصر کا انتظام بہت اچھا کیا۔ فوج کو دولت سے مالا مال کر کے ان کو قابو میں رکھا۔ مگر کچھ بحری ممالیک میں کے امراء معز الدین کے حریف تھے۔ ان کو اس کا بادشاہ بننا ناگوارہ گزرا۔ انھوں نے مونس بن یوسف ایوبی ملقب الملک الاشرف حاکمِ یمن کو لا کر تخت نشین کیا۔ معز کو نائب کیا۔ ۶۵۲ھ میں معز نے اس کو قید کر دیا اور خود مصر کا مستقل حکمران بن گیا۔

وقائع ناصر الدین یوسف ایوبی دمشق پر قابض ہو کر ملک معظم کے انتقام میں مصر پر لشکر کشی کرنا چاہی مگر صلیبیوں سے امداد چاہی اور عزیز الدین ایبک نے کچھ رقم دے کر فرنگیوں کو توڑ لیا۔ مگر ناصر نے بیس ہزار فوج مصر روانہ کی جس کو غزہ میں عزیز الدین کی فوج نے شکست دی۔ اس کے بعد خود ناصر ایک عظیم فوج لے کر مصر کو چلا۔ راہ میں عزیز اور اس کے سپہ سالار فارس الدین اقطائی نے دو دو ہاتھ کئے اور دمشق لوٹنے پر مجبور کر دیا۔ مگر اس نے واپس ہوتے ہوئے عزیز الدین سے صلح کر لی اور باہم

بہ شرط قرار پائی کہ صلیبیوں کے مقابلہ پر ہر دو فریق شامل رہیں گے۔ جب عزیز کامیابی کے ساتھ قاہرہ آیا۔ اُس نے والئ موصل بدرالدین لؤلؤ سے تعلقات قائم کرنے کے لئے اس کی بیٹی سے اپنا پیغام بھیجا۔ ملکہ شجرۃ الدر کو علم ہو گیا اُس نے اپنی لونڈیوں کے ذریعے حمام میں اس کو قتل کرا دیا[1]

یہ واقعہ ۶۵۷ھ کا ہے۔ مگر عزیز کے غلام محلسرائے میں گھس گئے اور اُنہوں نے شجرۃ الدر کو قتل کر ڈالا اور اس کی نعش کو فصیل کے نیچے کی خندق میں پھینک دیا۔ پھر لونڈیوں کی خبر لی۔ چند خدا ترس مسلمان ملکہ کی نعش کو سمیٹ کر لے گئے اور اس کی تعمیر کردہ مسجد میں دفن کر دیا۔

اوصاف عزیز الدین شجاع اور بہادر نامور امیر تھا۔ خلیق متواضع مذہب کا بڑا پابند علمی ذوق رکھتا تھا۔ اس نے شاطی نیل پر ایک عظیم الشان مدرسہ تعمیر کیا اور بڑی جائداد اس کے لئے وقف کی۔ اس کا عہد امن و امان سے گذرا۔

ملک منصور نور الدین

عزیز الدین ایبک کا ایک لڑکا تھا جس کا نام نور الدین علی ایبک تھا۔ اس کی عمر پندرہ سال کی تھی۔ امرائے دولت نے باہمی مشورہ کے بعد نور الدین کو تخت نشین کیا اور لقب ملک منصور دیا اور اس کا اتالیق سیف الدین محمود قطوزی کو مقرر کیا۔

سیف الدین محمود قطوزی بن مودود، جلال الدین شاہ خوارزم کا بھانجہ تھا۔ تاتاریوں کے خوف سے خوارزم سے مصر چلا آیا۔ ذی لیاقت تھا اور شاہی

---

[1] ابوالفدا جلد ۳ صفحہ ۱۹۲۔

خاندان کے ایک رکن عزیز الدین نے اپنا معتمد بنا لیا۔ اس نے مصر کی سلطنت کو سنبھال لیا۔ ایک سال نہ گزرا تھا کہ ۶۵۶ھ میں ہلاکو خاں نے بغداد کو تاراج کیا اور خلیفہ مستعصم کو ہاتھی کے پیر سے کچلوا دیا۔ عالم اسلامی میں اس کا بڑا اثر پڑا۔ اہلِ مصر بھی گھبرا گئے۔

قطوزی نے امرائے سلطنت اور علمائے عہد کو جمع کر کے تاتاری سیلاب کا ذکر کیا اور کہا شام تک ان کا غلبہ ہو چکا۔ بہت جلد مصر ان کی فوج کا آماجگاہ بن جائے گا۔ اس وقت مصر میں پختہ کار سلطان کی ضرورت ہے۔ سب نے اس کی رائے سے اتفاق کیا اور کہا تم ہی اب زمام حکومت سنبھالو۔ چنانچہ منصور کو معزول کر کے ۴ ذی قعدہ ۶۵۷ھ میں قطوزی کو تخت نشین کیا اور ملک مظفر سیف الدین کہلایا۔

ملک مظفر سیف الدین خوارزمی

ملک مظفر نے فوجوں کی تنظیم شروع کی اور اُن کو مال و دولت سے بہت کچھ نوازا۔

ہلاکو خان نے دمشق اور سواحل شام فتح کر کے مصر کا ارادہ کیا اور ملک مظفر کو لکھا کہ ملک مصر کو بلا جنگ سپرد کر دو، ورنہ مصر کا بھی وہی حشر ہو گا جیسا کہ بغداد کا ہوا۔ مظفر کو کچھ ہراس ہوا مگر فوجی امراء جو صلیبیوں سے معرکہ جیت چکے تھے۔ وہ تاتاریوں سے لڑنے مرنے کو تیار ہو گئے۔ چنانچہ مظفر فوجِ گراں کے ساتھ قاہرہ سے نکل کھڑا ہوا۔ ہلاکو کا باپ مر گیا۔ یہ خبر سن کر وہ وطن لوٹ گیا اور اپنے نائب امیر کتبغا کو چھوڑ گیا۔ شوال ۶۵۸ھ میں عین جالوت پر فریقین میں معرکہ ہوا جس میں مصریوں نے بڑی دادِ شجاعت دی۔ تاتاری سخت ہزیمت کھا گئے۔ کتبغا مارا گیا۔ اس کا بیٹا قید ہوا۔ مصریوں کے ہاتھ

بے شمار ساز و سامان آیا۔ اور ہزاروں تاتاری تہ تیغ ہوئے۔

تاتاریوں پر یہ پہلی فتح تھی۔ مصریوں کی ہمتیں بڑھ گئیں۔ مظفر نے بیبرس بندقدار کو تاتاریوں کے تعاقب میں بھیجا اور وعدہ کیا کہ اگر تم تاتاریوں کو شام کے علاقے سے نکال دو گے تو حکومتِ حلب تمہارے لئے ہے۔ اس بہادر ترک نے تاتاریوں کا اس قدر قتلِ عام کیا کہ شام چھوڑ کر بھاگ گئے اور ان پر بندقدار کی دھاک بیٹھ گئی۔

مظفر و منصور بیبرس قاہرہ لوٹا مگر مظفر نے حلب والیٔ موصل کے بیٹے علاءُ الدین کو دے دیا۔ یہ امر بیبرس کو ناگوار گزرا۔ اُس نے امرائے مملوک سے مشورہ کیا۔ مملوکوں میں حکمرانی کے لائق افراد ہوتے ہوئے بلا وجہ خوارزمی کو حکومت دے رکھی ہے۔ لہٰذا اگر اس کو ٹھکانے نہ لگایا گیا تو یہ ممالیک کا اقتدار ختم کر دے گا۔ چنانچہ قاہرہ کے متصل موقعہ پا کر مظفر کو قیدِ ہستی سے آزاد کرا دیا۔ اس کے بعد جماعت امرائے مملوک قصرِ سلطانی میں داخل ہوئے۔ وہاں فارس الدین اقطائی جو منصور کا اتالیق اور ممالیک کا سرغنہ تھا موجود تھا۔ اس نے پوچھا کہ مظفر پر پہلا وار کس نے کیا تھا؟ بیبرس نے کہا، میں نے! اقطائی بولا کہ تم ہی تاج و تخت کے حقدار ہوئے اور اس کو فوراً تختِ مصر پر بٹھا دیا اور مسند نشینی کا اعلانِ عام کیا گیا۔

بیبرس اپنی امارت کے زمانہ میں اہلِ مصر کی خدمت کر چکا تھا عوام اس سے مانوس تھے سب نے بخوش دلی اس کو اپنا امیر تسلیم کر لیا۔

سلطان الملک الظاہر رکن الدین بیبرس بندقدار الصالحی

رکن الدین کو علی ابن الورقہ نے منجملہ چھیتر مملوک کے ملک شام میں بقیمت بلیس ہزار سرخ خریدا تھا۔ اصل نام محمود تھا۔ باپ کا نام شاہ حق حق والی خوارزم

خوارزم تھا جسے قسمت نے تختِ حکومت سے اتار کر پابہ زنجیر کرا دیا تھا۔

ابن الورقہ، محمود کو مصر نہیں لے گیا بلکہ ایک مسلمان مہاجن کو نذر کر دیا کہ جس کا وہ بہت مقروض تھا۔ اس مہاجن نے اس کو اپنے لڑکے کے کھلانے پر مامور کر دیا۔ ایک روز سیٹھانی نے ایک غلطی پر محمود کو مارتے مارتے اَلو کر دیا۔ اتفاق سے سیٹھ کی ہمشیرہ فاطمہ خاتون اور ماں موجود تھی جسے کچھ رحم آ گیا۔ وہ بولی کہ بہن اس کو اتنا کیوں مارتی ہو؟ اگر اس سے کام نہیں ہوتا تو لاؤ مجھے دیدو۔ سیٹھانی نے کہا خوشی سے لے جاؤ۔ چنانچہ اس دن سے محمود فاطمہ کے یہاں چلا گیا۔ اتفاق سے فاطمہ کے ایک متوفی لڑکے بیبرس نامی سے اس کی شباہت ملتی تھی اس لئے اس کو بھی بیبرس کہہ کر پکارتی اور مثل اولاد کے رکھتی۔

فاطمہ کا بھائی نجم الدین نامی سلطان مصر کا وزیر اعظم تھا اپنی بہن سے ملنے دمشق آیا۔ بیبرس کو دیکھا، اس کے حالات سُنے اور بہن کی سفارش پر اس کو اپنے ساتھ مصر لیتا گیا۔ وہاں اُس نے ترقی کرتے ہوئے اعلیٰ عہدوں پر سرفرازی پائی۔ جنگوں میں شریک ہُوا۔

شجاعت میں موسےٰ بن نصیر تھا، سخاوت میں جعفر، نظم ونسق میں منصور سے کم نہ تھا۔

نام ولقب محمود رکن الدین بیبرس بندقدار لقب ملک ظاہر تھا۔ یہ دنیائے اسلام میں دوسرا صلاح الدین ایوبی تھا۔ بڑا بہادر اور دین دار اور سیاست ملکی سے باخبر۔

جلوس ۱۷ ذیقعدہ ۶۵۸ھ کو تختِ سلطنت پر رونق افروز ہُوا۔

وزارت بہاء الدین کو عہدۂ وزارت تفویض کیا۔

حاکم خزانہ بیلی ملک کو حاکم خزانہ کیا۔ عنانِ حکومت ہاتھ میں لے کر ملک مظفر کے جتنے ساتھی تھے

ان کو ان کے مناصب پر بحال رکھا اور دل جوئی میں ان کی کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کیا سب امرائے دولت اُس کے ہوا خواہ بن گئے۔

خلافتِ عباسیہ کا احیاء

سقوط بغداد کے بعد ظاہر باللہ عباسی کا لڑکا ابوالقاسم احمد المقلب بہ مستنصر تاتاریوں کے قید سے نکل کر عرب سرداروں کی ایک جماعت کے ساتھ ۶۵۹ھ میں مصر آیا۔ الملک الظاہر بیبرس کو خبر لگی وہ رجب ۶۵۹ھ کو ابوالقاسم کو بڑے تزک واحتشام سے قاہرہ میں لے کر آیا۔ سارے ارکانِ سلطنت و عمائد مصر، علماء وقضاۃ بلکہ یہود اور نصاریٰ تک انجیلیں لئے ہوئے جلوس کے ساتھ تھے[1]

قلعۃ الجبل میں ابوالقاسم کو ٹھہرایا۔ دوسرے دن دربارِ خاص منعقد کیا۔ مصر کے قاضی القضاۃ تاج الدین نے ارکان وعمائد سلطنت کے روبرو ابوالقاسم کے نسب کے متعلق عربوں سے شہادت لی۔ جب تصدیق ہوگئی تو شیخ الاسلام عزالدین عبدالسلام، قاضی تاج الدین سلطان ظاہر بیبرس و دیگر ارکانِ سلطنت نے ابوالقاسم کے ہاتھ پر بیعتِ خلافت کی۔ مصر میں اُس کے نام کا خطبہ و سکہ جاری کر دیا اور اعلان عام احیاء خلافت کا کیا۔ ابوالقاسم کا لقب خلیفہ مستنصر قرار پایا۔

ملک الظاہر نے لاکھوں روپیہ کے صرف سے لوازم شاہی مہیا کئے۔ اور دربارِ عام کر کے عمائد سلطنت کے سامنے ملک الظاہر نے اپنے ہاتھوں سے سیاہ عباسی خلعت، عمامہ اور طوق نذر میں پہنایا اور اپنی طرف سے مصر کی حکومت کی سند عطا کی اور خلافت کی ذمہ داریوں کا مختار مجاز بنا دیا[2]

---

[1] حسن المحاضرہ جلد ۲ صفحہ ۴۴ [2] ایضاً صفحہ ۲۲ ۔

اس کے بعد ظاہر نے مختلف طبقوں سے خلیفہ کے لئے بیعت لی۔ یہ دربار جمعہ کے دن منعقد ہُوا تھا۔ دربار کے خاتمہ پر خلیفہ پہلے جامع قلعہ میں آیا۔ وہاں اس سے خطبہ اور نماز پڑھانے کی درخواست کی گئی۔

خلیفہ نے اس وقت ایک بلند پایہ فصیح و بلیغ خطبہ دیا جس میں خلافت عباسیہ کے دوبارہ احیاء پر بیبرس کی بے حد مدح و ستائش کی۔

۴ شعبان ۶۵۹ھ میں ایک دوسرا اعظیم الشان دربار ملک الظاہر کو خلیفہ کی طرف سے شرعی نیابت عطا کرنے کے لئے منعقد ہُوا۔ دربار میں خلیفہ کی طرف سے شرعی نیابت کی سند پڑھ کر سنائی گئی۔ حمد و ثناء کے بعد ملک ظاہر کی خدمت کا اعتراف اور اس کے استحقاقِ خلافت اور صلاحیتوں کا ذکر کیا گیا۔

آخر میں طرزِ حکومت و انصاف، رعایا کی فلاح و بہبود اور نظم و نسق کے بارے میں دوسری ہدایات درج تھیں۔

سر ولیم میور کا بیان ہے:۔

"خلیفہ نے سندِ نیابت پڑھنے کے بعد سلطان ظاہر بیبرس کو خلعت حکومت عطا فرمایا۔ یہ بنفشی رنگ کا ایک جبہ، ایک سیاہ عمامہ ایک سونے کا طوق اور ایک تلوار پر مشتمل تھا۔ بیبرس نے اس خلعت کو زیب تن کیا اور جلوس روانہ ہُوا۔ راہ میں باب النصر سے قلعہ تک لمبے لمبے قالین بچھے ہوئے تھے۔ سلطان ظاہر جلوس کے آگے آگے تھا اس کے پیچھے خلیفہ تھا۔ خلیفہ کے پیچھے بہاء الدین بن ضیاء اپنے سر پہ سندِ حکومت لئے چل رہا تھا اور ان سب کے پیچھے عام مجمع تھا[1]"

الظاہر نے بطیب خاطر اس جدید خلیفہ کے حکم سے زمام حکومت اپنے قبضہ میں لی۔ حسبِ مراتب لوگوں کے وظائف مقرر کئے۔ خلیفہ کے لئے اسباب

---

[1] مسلمانوں کا نظم مملکت صفحہ ۱۲۹۔

مناصب اتابک، استاد دار، شہر دار، حاجب اور کاتب متعین کئے۔ اس میں ایک کروڑ سرخ صرف کئے۔

عباسی خلافت کے قیام کے بعد مستنصر نے بغداد کو تاتاریوں سے چھڑانے کا ارادہ کیا۔ صالح بن لولؤ والی موصل تاتاریوں کے استیلا و تغلب سے مصر آگیا۔ وہ بھی خلیفہ کے ہمراہ چلنے کو تیار ہو گیا اور ظاہر نے دس لاکھ روپیہ کے صرف سے فوج فراہم کی۔ دمشق تک تو ظاہر خلیفہ کے ساتھ گیا مگر کچھ سوچ کر قاہرہ لوٹ آیا۔

ذی الحجہ ۶۵۹ھ میں مستنصر شام سے عراق روانہ ہوا اور موصل، سنجار اور جزیرہ کے فرمانرواؤں کی معاونت سے حدیثہ اور ہیت پر قبضہ کر کے بغداد کا رخ کیا۔ راستہ میں تاتاریوں کا مقابلہ ہو گیا۔ مصری فوج بھاگ کھڑی ہوئی۔ مستنصر لاپتہ ہو گیا۔[1]

خلیفہ مستنصر کی شہادت کے بعد ملک الظاہر کو عباسی خاندان کے کسی اور فرد کی تلاش ہوئی۔ رحبہ (شام) میں پتہ لگا۔

ابو العباس احمد بن ابو علی حسن الملقب بہ حاکم بامر اللہ

ابو العباس احمد بن حسن بن ابو بکر بن ابو علی بن حسن بن راشد عباسی کے ہاتھ پر ظاہر نے رحبہ جا کر ۶۶۱ھ میں خلافت کی بیعت کی اور الحکم بامر اللہ کا لقب دیا۔ خلیفہ نے اپنی طرف سے امور خاصہ اور عامہ کی سفید و سیاہ کرنے کا ظاہر کو اختیار عنایت کیا۔ منبروں پر اس کے نام کا خطبہ پڑھا جانے لگا اور سکہ پر نام مسکوک کیا گیا۔[2]

---

[1] ابو الفدا جلد ۳ صفحہ ۲۱۲ [2] ابن خلدون جلد ۹ صفحہ ۱۹۴۔

فتوحات ملک ظاہر نے مصر کے انتظام و انصرام کے بعد صلیبیوں کے مقابلہ کی تیاری کی سنہ ۶۶۲ھ سے سنہ ۶۶۴ھ تک شام کے علاقہ میں لڑ کر ایک ایک شہر اُن سے خالی کرا لیا۔ پھر ارمینیہ کو فتح کرتے ہوئے اناطولیہ تک پہنچ گیا۔ ہلاکو کے بیٹے ادبگا خاں سے مقابلہ کر کے اس کو شکست فاش دی۔ سنہ ۶۶۵ھ میں مصر آیا اور سنہ ۶۶۶ھ میں فلسطین کے صلیبیوں پر حملہ کیا۔ وہاں سے انطاکیہ سے آگے بڑھ کر مرقیہ تک فتح کر لیا۔ پھر بغداد آیا۔ سنہ ۶۷۰ھ میں باطنیوں کے قلعے جو ہلاکو سے بچ رہے تھے وہ فتح کر لئے اور سب باطنیوں کو تہ تیغ کر ڈالا۔ جس کے بعد یہ گروہ بالکل ختم ہو گیا۔

تاتاریوں سے مقابلہ تاتاریوں نے شام پر یورش کی۔ ظاہر نے امیر قلاؤن کو اس کے مقابلہ کے لئے بھیجا اس نے ان کو مار بھگایا اور مصر لوٹا۔ ظاہر نے اس کی بیٹی سے اپنے لڑکے کی شادی کر دی۔

سنہ ۶۷۴ھ میں امیر آق سنقر کو نوبیا بھیجا اس نے جا کر فتح کر لیا۔ سنہ ۶۷۵ھ میں پھر تاتاریوں نے آباقا خان لپسر ہلاکو خان کی سرکردگی میں عراق عجم پر چڑھائی کی۔ مجاہد کبیر ملک الظاہر بیبرس مقابلہ کے لئے پہنچا۔ ہر دو طرف سے ایک لاکھ آدمی کام آئے۔ معرکہ بیبرس نے جیتا اور تاتاری ہزیمت کھا کر فرار پر مجبور ہوئے۔ یہاں سے بعد فتح و فیروزی ملک الظاہر قیساریہ کی طرف متوجہ ہوا۔ یہ صلیبیوں کے قبضہ و تصرف میں تھا ان کو مغلوب کر کے شہر میں نہایت شان و شکوہ سے داخل ہوا۔ یہاں کے انتظام و انصرام سے فارغ ہو کر ملک الظاہر دمشق میں رونق افروز ہوا۔ ان جنگوں میں اس قدر تھک گیا تھا کہ علیل ہو گیا۔

وفات بیماری دن بدن بڑھتی رہی۔ آخرش ۲۷ محرم سنہ ۶۷۶ھ کو ملک الظاہر نے وفات پائی۔ دمشق میں سپردِ خاک ہوا۔

اوصاف دنیائے اسلام میں ملک الظاہر صلاح الدین ثانی تھا۔ شجاعت اور بہادری اور شوکت وسعت سلطنت ہر بات میں سلطان

صلاح الدین سے لگا رکھتا تھا۔ ہارون الرشید کی طرح بھیس بدل کر شہر میں رعایا کی خبر گیری کے لئے پھرتا۔ دفتری کام خود کرتا۔

فتوحات عکہ اور طرابلس الشام کے سوا تمام مقبوضات جو صلیبیوں کے قبضہ میں تھے بقوت چھین لئے اور دوسری طرف تاتاریوں سے مسلمانانِ بغداد کا بدلہ اچھی طرح دل کھول کے لیا۔ ان سے بغداد چھینا۔ شام و مصر سے اُن کے رُخ کو پھیر دیا اور باطنیہ ہمیشہ کے لئے ختم کر دیئے گئے۔

مذہبیت اسلامی جذبہ رکھتا تھا۔ جہاد سے اُس کو عشق تھا۔ شرع شریف کا بڑا پابند، شعائر دینی کا احترام کرنے والا۔ اس نے تمام ناجائز محاصل موقوف کر دیئے۔ فواحش کا انسداد کیا۔ ۶۶۷ھ میں حج بیت اللہ کے لئے گیا۔ خانہ کعبہ کو عرق گلاب سے اپنے ہاتھوں سے غسل دیا اور دیبا کا غلاف چڑھایا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مزار شریف پر محجر لگوایا۔ مسجدِ نبویؐ کی درستی کرائی۔

قضاۃ مصر میں چاروں مذاہبؒ کے قاضی مقرر کئے۔ قاضی تاج الدین شافعی قاضی صدر الدین سلیمان حنفی، قاضی شرف الدین عمر مالکی اور قاضی شمس الدین محمد حنبلی۔ علماء کا بڑا قدر دان تھا۔ علامہ عزالدین عبدالسلام کا بڑا احترام کرتا۔

حُلیہ کشیدہ قامت، خوش رو اور خوش وضع تھا۔ چہرہ سے جاہ و جلال ظاہر ہوتا تھا۔

ظاہر کے چند واقعاتِ زندگی ایک مرتبہ ملک شام میں بھیس بدل کر پہنچا۔ نان بائی کے یہاں کھانا کھایا۔ دام موجود نہ تھے انگوٹھی گروی رکھی۔ مصر پہنچ کر فرمان روائے شام کو خط لکھا جس نے انگوٹھی واگذاشت کرا کر واپس بھجوائی۔

ایک مرتبہ ایک نصرانی قلعہ کی جاسوسی مقصود ہوئی تو خود سفیر بن کر اندر

داخل ہوا اور چپہ چپہ کا پتہ لگا کر واپس آیا۔ بارہا ایسا ہوا کہ شام و بیت المقدس میں بلا اطلاع و خبر دفعتاً پہنچ گیا۔ لوگوں کو جب یہ خیال ہوتا کہ بیبرس قاہرہ میں محوِ خواب ہوگا تو یہ اُس کے پیچھے سایہ کی طرح موجود پایا جاتا۔

الملک الظاہر حضرت سید احمد رفاعی کا مرید تھا۔ حضرت احمد مغرب اقصیٰ کے شہر فاس کے رہنے والے تھے۔ مکہ معظمہ گئے کلام مجید فقہ تفسیر حاصل کی۔ اس کے بعد نفس کشی اور ریاضت میں اس قدر شغف کیا کہ بات چیت بند کردی۔ مکہ سے بغداد گئے غوثِ اعظمؒ کے مزار پر رہے۔ پھر آپ نے طنطہ آکر ریاضت شروع کی۔ دوپہر کے وقت سورج کو ٹکٹکی باندھ کر دیکھا کرتے تھے جس سے آنکھیں سُرخ ہوگئی تھیں۔ آپ کے مرید اصحاب السطح کہلاتے تھے۔

نظمِ مملکت

نظامِ عدالت سلطان بیبرس نے دولتِ علویہ سے بڑھ کر عدالت کا انتظام کیا۔ سب سے پہلے بیبرس نے مرافعہ یا اپیل کے لئے عدالتِ عظمیٰ قائم کی اور اس کے اختیارات خود اپنے ہاتھ میں رکھے۔ ہفتہ، دو ہفتہ، پنج شنبہ کو اس کا اجلاس کرتا تھا۔ اس وقت اس کے پاس مذاہب اربعہ کے قاضی صاحب، دیوان انشاء اور مالیات اور محصول کے محکموں کے بڑے بڑے افسر موجود رہتے تھے[1]

نظامِ مالیات سلطان نے زراعت کی طرف خصوصیت سے توجہ کی اور اس کی اصلاح و ترقی میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی تھی۔

چنانچہ خراج کی آمدنی ۱۲،۰۰۰۰۰ تھی۔

نظامِ حکومت بیبرس نے حکومت کے نظم و نسق میں مقربین بارگاہِ امراء

---

[1] الخطط جلد ۲ صفحہ ۲۰۸ –

سے امداد لی اور ان کا بڑے بڑے مناصب پر تقرر کیا۔

نائب سلطان بیبرس نے بھی نائب سلطنت کا عہدہ نائب سلطان کے نام سے قائم رکھا۔ اس لئے کہ وہ جب جہاد پر جاتا تو نائب، سلطان ملک کا انتظام کرتا۔ البتہ ایک وزیر جس کو وزیر الصحبۃ کہتے تھے وہ سلطان کے ساتھ رہا کرتا تھا۔ ورنہ خاص طور سے یہ منصب اڑا دیا تھا۔ اس کی ذمہ داری ناظر حکومت یا ناظر خاص کے سپرد تھی۔ بیبرس نے اپنے دربار میں بہت سے عہدہ داروں کا اضافہ کیا تھا۔ استادار، دوادار، امیر جاندار۔ پہلے کا کام سلطانی محلات کا انتظام۔ دوسرے کا فرض خطوط کو سلطان کی خدمت میں پیش کرنا اور کاغذات پر دستخط کرانا۔ تیسرا سلطان کے دروازہ پر متعین رہتا جو ارکان دولت و امرائے سلطنت کا استقبال کراتا تھا۔[1]

راس نوبۃ الامراء :۔ دولت کا افسر تھا۔

امیر مجلس :۔ سلطان کا محافظ

امیر السلاح :۔ اسلحہ جات کی فراہمی، میگزین اور سامانِ جنگ کا انتظام و نگرانی کرتا تھا۔

گورنران سلطان کی طرف سے مصر کے مختلف صوبوں پر گورنر مامور تھے ان کا منصبی فرض سلطانی احکام کا نفاذ اور خراج اور چونگی وصول کرنا تھا۔ اسکندریہ اس وقت نہایت اہم تجارتی بندرگاہ تھی مشرق کی تجارت کا محور اس وقت عیذاب کی سرحد تھی جو بحر احمر کی ایک مصری سرحد تھی۔ سمندر کے محاذ کا علاقہ چند صوبوں میں منقسم تھا۔ ان میں اہم صوبے بلبیس، منوف، قوص، اشمونین، بہنسا البحیرہ، محلہ الکبریٰ، دمنہور، قلیوب، دمیاط تھے[2]

صاحب عسس کوتوال۔ اس کے انتظام میں آگ بجھانے کا عملہ بھی تھا۔

---

[1] الخطط جلد ۲ صـ ۲۲۲ [2] مسلمانوں کا نظم مملکت صـ ۲۱۱

نظامِ فوج سلطان بیبرس نے ایک عظیم الشان فوج آراستہ کی۔ کثرت سے مملوک خرید کئے اور ان کو حربی تعلیم دی اور ہر دستے کے لئے ایک فقیہ مقرر تھا جو قرآن، اصولِ قرآن، اسلام اور نوشت وخواند کی تعلیم دیتا تھا[1] بیبرس کی فوج شاہی مملوکوں اور "جنود حلقہ" پر مشتمل تھی۔ ان دونوں کا یونیفارم اور ان کا مرتبہ مختلف تھا۔ "جنود حلقہ" سے ہی شاہی تقرب حاصل تھا۔ امرائے دربار انہی میں سے مقرر کئے جاتے۔

یونیفارم زرد کلاہ بغیر صافہ کے اور جسموں پر سفید بعلبکی سوتی قبائیں جن کے جیب وگریباں تنگ ہوتے تھے۔

اسلحہ مملوک عام طور سے تلوار، نیزہ، تیر وکمان استعمال کرتے تھے منجنیق اور ہلکے ٹینک اور گوپھنیں بھی استعمال کیا کرتے تھے۔

جاگیریں فوجیوں اور امراء کو جاگیر عطا کی جاتی جو میعادی ہوتی جو وفادار اور معتمد ہوتے ان کو جاگیر موروثی ملتی۔

منظم فوج بیبرس سب سے پہلا مسلمان تھا جس نے مملوکوں کی فوج کو منظم کیا۔ یہ آن کا ممتاز جنرل تھا اس نے منصورہ کی جنگ میں غیر معمولی بصیرت کا مظاہرہ کیا تھا۔

بحری نظام سلطان بیبرس نے بحری قوت کی طرف توجہ دی اور اسکندریہ اور دمیاط کی سرحدوں پر جنگی جہاز بنانے کے لئے نئے کارخانے قائم کئے۔

سلطان نے جہازوں کا ایک بیڑا ۶۶۹ھ میں جزیرہ قبرص روانہ کیا تھا۔ یہ بیڑا چالیس جنگی ڈونگیوں پر مشتمل تھا۔ جزیرہ کے قریب تباہ ہو گیا تو ایسا ہی بیڑا دوسرا تیار کر لیا۔

---

[1] الخطط جلد ۲ صفحہ ۲۲۲ [2] مسلمانوں کا نظم مملکت صـ ۳۴۴۔

ڈاک کا انتظام بیبرس کے عہد میں ڈاک کا انتظام اعلیٰ پیمانہ پر قائم تھا اس محکمہ کا مرکز قلعہ جبل تھا۔ ہفتہ میں دو مرتبہ مصر میں ڈاک آتی تھی۔ محکمہ ڈاک کا نگران دیوانِ انشاء کا افسر ہوتا تھا۔ نامہ بر کبوتروں کے ذریعے خطوط آتے جاتے تھے۔

کتابت بیبرس نے دیوان انشاء کا افسر فخر الدین بن لقمان کو کیا۔ یہ فنِ انشاء کا ماہر اور غیر معمولی معلومات کا حامل شخص تھا۔ یہ خارجی ممالک سے آئے ہوئے خطوط کو سلطان کے سامنے بحث و تبصرہ کے لئے پیش کرتا تھا اور سلطان کی طرف سے جوابات لکھتا تھا۔

ابن بیطار ابن بیطار ابو محمد ضیاء الدین عبداللہ بن احمد ملاقہ میں پیدا ہوئے۔ علماءِ عصر سے علوم و فنون حاصل کئے۔ علم نباتات سے دلی شغف تھا جس کی وجہ سے عشاب کے لقب سے مشہور تھے۔ نباتات کی تحقیقات کے سلسلہ میں مصر آئے۔ ملوک الیوبیہ میں سے ملک کامل محمد ابن ابی بکر کی حکومت تھی اُس نے آپ کو ہاتھوں ہاتھ لیا اور بڑی عزت سے اپنے پاس رکھا اور علمائے نباتات کا افسرِ اعلیٰ مقرر کیا۔ اس زمانہ میں شام میں موفق الدین ابن ابی اصیبعہ بھی علمِ نباتات کے عالم تھے۔ انہوں نے ابن بیطار کی تحقیقاتوں کو حیرت اور تعجب کے ساتھ دیکھا۔ ملک کامل کے مرنے کے بعد اُن کے جانشین ملک صالح نجم الدین نے بھی قدر و منزلت کی۔

سنہ ۶۴۶ھ میں وفات پائی [2]

کتاب الامانتہ والاعلام بما فی المنہاج من الخلل والاوہام، المغنی فی الادویتہ المفردہ، کتاب الافعال الغریبہ والخواص العجیبہ، الجامع فی الادویۃ المفردہ۔ یہ کتاب ملک صالح کے نام پر لکھی گئی جو علم نباتات پر ہے۔

---

[1] الخطط جلد ۲ صفحہ ۱۳۶ [2] حسن المحاضرہ فی اخبار مصر والقاہرہ صفحہ ۲۲۳۔

سلطان ملک سعید برقہ خاں

ملک الظاہر کے بعد اُن کے بڑے صاحبزادے ناصر الدین برقہ خان سریر آرائے سلطنت و حکومت ہوئے۔ ملک سعید لقب دیا گیا۔ وزارت پر اپنے باپ کے غلام بلبانی کو مقرر کیا جس نے اپنی اعلیٰ قابلیت سے فرائضِ وزارت اس طرح انجام دیئے کہ اہلِ مصر اس کا گرویدہ ہو گئے۔ مگر اس کی عمر نے وفا نہ کی تو اس کے بجائے آق سنقر فاتح نوبیا کو وزارت تفویض کی۔ کچھ دن بعد آق سے چپقلش ہو گئی تو اسکندریہ میں اُس کو مروا ڈالا۔ اراکینِ سلطنت اُس کے خلاف ہو گئے اور سازشیں شروع ہو گئیں۔

ملک سعید کو خبر لگی کہ شرف الدین سنجر امیرِ دمشق نے خود مختاری کا اعلان کر دیا ہے۔ یہ فوجیں لے کر پہنچا وہاں کچھ اصلیت نہ تھی، سیاسی چال تھی۔ واپس مصر ہوا سب امراء نے گھیر لیا۔ خلیفہ حاکم بامر اللہ کے ارشاد پر جان بچی مگر معزول کر کے قلعہ میں قید کر دیا اور اس کے بھائی سلامش کو ملک عادل کے لقب سے سریر آرائے حکومت کیا۔

ملک عادل سلامش

سلامش کی عمر صرف سات سال کی تھی۔ امیر سیف الدین قلاوون اتالیق مقرر ہوا۔ یہ بہادر اور حکمرانی کے جوہر رکھتا تھا۔ اس نے چھ ماہ بعد سلامش کو تخت سے اُتار کر خود تختِ حکومت پر قبضہ کر لیا۔ اراکینِ سلطنت نے مفاد دولت ممالیک بحریہ اس کے ہاتھ پر بیعت کر لی۔ خلیفہ حاکم بامر اللہ نے بھی سندِ حکومت عطا کی۔ خلیفہ ان دنوں نظر بند تھے۔ ملک الظاہر نے محرم ۶۶۳ھ میں اس کو ملکی

مصلحت پر قلعہ میں نظر بند کر دیا تھا۔

ملک منصور قلاؤون

سیف الدین قلاؤون آق سنقر کا خرید کردہ غلام تھا۔ ۶۴۷ھ ملک صالح نے آزاد کر دیا کسی اچھے ترک خاندان سے تھا۔ طبیعت میں شرافت تھی۔ اپنی ذاتی سعی سے وہ شجاعانہ کارنامے کئے کہ عروج حاصل ہوتا رہا۔ تمام ارکینِ سلطنت کے دل میں اس کے لئے جگہ تھی۔ حکومت ہاتھ میں لیتے ہی اپنے معاون امراء کو بڑے بڑے عہدے عطا کئے اور اپنے کاتبِ خاص فخر الدین کو قلمدانِ وزارت سپرد کیا۔

شمس الدین سنجر والئی دمشق نے مصر کے حالات دیکھ کر خود بھی خودمختاری حاصل کر لی اور اپنا لقب ملک عادل رکھا۔ شامی اس کے طرفدار تھے۔

ملک منصور نے یہ خبر سن کر امیر طرنطائی سپہ سالار افواجِ مصر کو ملک عادل کی سرکوبی کو بھیجا۔ بدِقت عادل گرفتار ہوا۔ قاہرہ لا کر تا ایک زندان میں قید کر دیا اور اس کی جگہ دمشق کی امارت حسام الدین لاچین کو دی گئی۔

تاتاریوں سے معرکۂ عظیم کچھ دن گزرے تھے کہ ہلاکو کے دونوں بیٹے ایک اباخاقان اور منجو تیمور اسی اسی ہزار سواروں کی فوج لے کر شام کی طرف بڑھے۔ ملک منصور نے اپنی تمام فوجوں کو یکجا کیا اور مصر سے روانہ ہو کر سیلابِ تاتار کو حمص پر روک دیا۔ مصری مسلمانوں نے تاتاریوں کے مقابلہ میں وہ دادِ شجاعت دی کہ تاتاریوں نے منہ کی کھائی۔ منجو تیمور تہ تیغ ہوا اباخاقان ہزیمت خوردہ فوج کو لے کر حمدان پہنچا۔ یہاں اس کا بھائی تیکودار اوغلان اپنے مذہب سے بیزار ہو چکا تھا اس نے زہر دے کر اس کو موت کی نیند سلا دیا اور اپنے اسلام کا اعلان کر دیا اور نام

احمد خاں رکھا۔ مصری فوجیں حمدان پہنچیں، ان کو ہاتھوں ہاتھ لیا اور باہمی معاونت کا عہد نامہ کر لیا۔

تاتاریوں کا اسلام میں داخل ہونا تاتاری خونخوار ظلم و ستم پیشہ جماعت تھی۔ مگر چنگیز کے زمانہ سے مسلمانوں کے میل جول سے ان میں سے اکثر مسلمان ہو کر مصر آ رہے۔ احمد خاں کے مسلمان ہونے سے کثرت سے تاتاری اسلام کی طرف جھک گئے۔ قوبیلائی قاآن کے پوتے اننده سلطان جو خطا کا حاکم تھا علماء اسلام کے ہاتھ پر معہ ایک لاکھ فوج کے مسلمان ہو گیا۔ خاقانِ اعظم نے اس کو بلا کر بہت کچھ سمجھایا مگر وہ اسلام پر قائم رہا۔ اس نے قرآن مجید کی تعلیم حاصل کی اور اُس کے دربار میں جو علماء تھے اُن کی صحبت اختیار کی۔ دن رات عبادت میں مصروف رہتا اور تاتاریوں میں اسلام کی اشاعت کرتا۔ "خطا" کے بہت سے لوگ دائرۂ اسلام میں داخل ہو گئے۔

ملک منصور قلاوُون کو معلوم ہُوا کہ طرابلس الشام کے صلیبیوں نے سرکشی اختیار کی ہے۔ چنانچہ وہ مصری فوج لے کر خود طرابلس پہنچا اور اُس کو فتح کر لیا۔ ایک سو پچاسی سال بعد یہ علاقہ نصرانیوں کے پنجہ سے آزاد ہُوا۔ وہاں سے قاہرہ لوٹ کر آیا۔

۱۶ ذی قعدہ ۶۸۹ھ میں انتقال کیا۔

اوصاف منصور عاقل، شجاع اور کم سخن تھا۔ اس کے ساتھ داد و دہش بھی کرتا تھا۔ مصر میں اس کے حسنِ انتظام سے عام رعایا خوش و خرم تھی۔

یادگار جامع منصوری اور ایک عظیم الشان بیمارستان (ہسپتال) اس کی یادگار سے ہے۔

ملک اشرف خلیل

ملک منصور قلاؤون نے اپنے بڑے بیٹے علی کو جو شاہانہ مزاج رکھتا تھا ولی عہد کیا تھا۔ مگر وہ ۶۸۷ھ میں فوت ہو گیا تو امرائے سلطنت نے منصور کے دوسرے بیٹے صلاح الدین اشرف کو تخت نشین کیا اور سند حکومت الحاکم بامر اللہ نے عطا کی۔ عنانِ حکومت ہاتھ میں لیتے ہی خلیفہ پر سے نظر بندی ہٹا دی۔ چنانچہ حاکم ۶۹۴ھ میں حج کرنے گئے۔

ملک صلاح الدین اشرف خلیل مثل باپ کے جہاد کا شوقین تھا۔ اُس نے فوج کو آراستہ کر کے ۶۹۰ھ میں عکہ پر حملہ بول دیا۔ عیسائی ہزیمت اٹھا کے بھاگ گئے۔ اب ارضِ مقدس بالکل پاک و صاف ہو گئی۔ یہاں سے فارغ ہو کر ۶۹۱ھ میں آرمینیہ کی طرف فوج کشی کی اور ارضِ روم کو فتح کر لیا اور کامیابی سے قاہرہ آیا۔

ملک اشرف کا قتل

اشرف خلیل نے چرکسی غلام بہت خریدے تھے اور اُن کو بڑے بڑے عہدے دیئے۔ ممالیک بحریہ کے امراء کو یہ خیال دامن گیر ہُوا کہ چرکسی ہم پر نہ چھا جائیں۔ چنانچہ رئیس الممالیک بیدار، لاجین نائب شام، قراسنقر والی حلب سیدنوں کے سردار بہادر نے متفقہ طور سے غلاموں کے ہاتھوں ۶۹۳ھ میں ملک اشرف خلیل کو قتل کرا کے بیدار کے سر پر تاج رکھا۔ لیکن چرکسی بگڑ بیٹھے۔ انہوں نے پہلے بیدار کا سر کاٹا اور پھر سازشیوں کے درپے ہوئے۔ لاجین روپوش ہو گیا۔ چرکسوں نے ملک اشرف خلیل کے دوسرے بھائی محمد کو تخت نشین کیا اور ملک ناصر لقب قرار پایا۔



سلطان ملک ناصر محمد بن قلاؤون

ملک ناصر کی عمر نو سال کی تھی۔ ملک منصور کے غلاموں میں سے زین الدین کتبغا نے نیابتاً سلطنت کی باگ اپنے ہاتھ میں لے لی۔ علم الدین سنقر کو عہدۂ وزارت عطا ہوا۔ مگر ہر دو میں کش مکش شروع ہو گئی۔ سنقر کو مروا دیا گیا۔ اب کتبغا کے لئے میدان صاف تھا۔ امرائے دولت میں سکت نہ تھی۔ اس نے ۹ محرم ۶۹۴ھ میں ناصر کو معزول کر کے قلعہ کرک میں نظر بند کر دیا اور خود تختِ حکومت پر بیٹھ گیا اور اپنا لقب ملک عادل رکھا۔ امیر حسام الدین لاچین جو مخفی تھا اس کو اپنا وزیر کیا اور خلیفہ حاکم کو پھر نظر بند کر دیا۔

۶۹۵ھ میں منجو تیمور کا داماد سردار طرغائی سلطان غازان کے خوف سے ایک جماعت تاتاریوں کی لے کر مصر آیا۔ ملک عادل نے ان کو حمایت میں لیا، سواحل پر رہنے کو جگہ دی۔ ان میں سے تین سو سردار چھانٹ کر اپنے پاس رکھے اور اکثروں کو عہدے عطا کئے۔ امرائے دولت کو یہ حرکت ناگوار گزری کیونکہ یہ لوگ ادیراتیہ قبیلہ کے کفار تھے۔

کیتفا سے تخت خالی کرا لیا گیا اور امیر لاچین کو ملک منصور کا خطاب دے کر تخت نشین کیا۔

سلطان لاچین

محرم ۶۹۶ھ میں لاچین کے ہاتھ پر امارت کی بیعت ہوئی اور جس کی توثیق حاکم نے کی۔ عنانِ حکومت ہاتھ میں لے کر حاکم بامر اللہ کو نظر بندی سے آزاد کیا اور خلیفہ کا اعزاز و وقار دوبارہ قائم کیا اور وظیفہ بڑھایا۔ ۶۹۷ھ

میں حاکم نے ارادۂ حج کیا تو لاچین نے سات لاکھ درہم مصارف سفر کے لئے پیش کئے[1]۔

اس زمانے میں آرمینیہ میں شورش اُٹھ کھڑی ہوئی۔ لاچین فوج لے کر گیا اور فتنہ کو ختم کر کے صوبہ کا انتظام کر کے قاہرہ لوٹا۔ ۶۹۸ھ میں چرکسوں نے موقع پاکر لاچین کو قتل کر دیا اور اپنے آقا زادہ ملک ناصر کو کرک کے قلعہ سے لاکر تخت پر بٹھایا۔ اس کی عمر اب پندرہ سال تھی۔ ہوشمند تھا۔ عنانِ حکومت سنبھال کر انتظامِ ملک میں مشغول ہو گیا۔

۷۰۰ھ میں سلطان غازان محمود مغول نے فوجِ گراں کے ساتھ شام پر چڑھائی کر دی۔ ناصر خود مصر کی فوج کی کمان لے کر مقابلہ پر گیا اور اس کو سخت شکست دی۔ آرمینیہ میں اس واقعہ سے بغاوت پھوٹ نکلی۔ اس کے فرو کرنے کے لئے ایبک خازندار اور بدرالدین بکتاش کو فوجیں دے کر بھیجا۔ کبتغا کو حلب کا امیر کر دیا تھا۔ اس کو بھی حکم دیا۔ ان سب امراء نے آرمینیہ جاکر امن و امان قائم کیا۔

وفاتِ خلیفہ

۷۰۱ھ میں خلیفہ حاکم بامر اللہ نے انتقال کیا اور سیدہ نفیسہ کے مزار کے جوار میں دفن کئے گئے۔ ان کی مدتِ خلافت چالیس سال تھی[2]۔ امیر المومنین کے اس لقب کے سوا اسے کوئی اختیار نہ تھا[3]۔

ابوالربیع سلمان بن حاکم الملقب بہ مستکفی باللہ اوّل

سلطان ناصر نے حاکم کے صاحبزادہ ابوالربیع سلمان کے ہاتھ پر بیعت کی اور اعزاز و اکرام مرعی رکھے۔ قیام گاہ قصر کیش تھا۔ ناصر نے قلعہ سے منتقل کر دیا

---

[1] خطط مقریزی جلد ۳ صفحہ ۳۹۲ [2] ابن خلدون جلد ۹ صفحہ ۱۹۴ [3] ایضاً

اور تمام متعلقین کے وظائف بڑھائے۔ دونوں ساتھ گوئے چوگان کھیلتے۔ سیر و تفریح کے لئے ساتھ جاتے۔ خلیفہ کے نام کا خطبہ پڑھا جاتا اور سکہ مسکوک ہوا۔

جزیرۂ ارواد پر قبضہ

جزیرۂ ارواد میں فرنگیوں کی ایک جماعت رہا کرتی تھی جس کا پیشہ بحری غارت گری تھا۔ ناصر نے ۷۰۲ھ میں فوج بھیجی جس نے جاکر جزیرہ پر قبضہ کر لیا اور ان کو نکال باہر کیا۔

وقائع

۷۰۴ھ میں سلطان مغرب ابو یعقوب یوسف نے سلطان ناصر سے تعلقات قائم کرنے کے لئے پانچ سو گھوڑے اور خنجر مع طلائی ساز اور بیش قیمت ہدایا بھیجے۔ اس کے بعد بادشاہ حبش نے تحفہ ارسال کر کے فوجی مدد چاہی۔ ناصر نے ایک فوج اس کی امداد کے لئے بھیج دی۔

اس کے باپ کے غلاموں جاشنگیر اور سالار نے استبداد شروع کر دیا۔ وہ حج کے بہانہ سے ۷۰۸ھ میں قلعہ کرک چلا گیا اور مہر حکومت اور سلطنت سے دست برداری لکھ بھیجی۔ ممالیک نے رکن الدین برس جاشنگیر کو ملک مظفر کے لقب سے تخت نشین کیا۔ اس نے کرک کی امارت کا فرمان بھیج دیا۔ کچھ عرصہ بعد مظفر نے غلاموں اور سواری کے گھوڑوں اور رقم کا مطالبہ کیا۔ ناصر غلام ارغون کو حکمران کر کے شام چلا آیا۔ والئ شام امیر برلک جو ممالیک کا سرغنہ تھا اس سے اور مظفر سے ان بن تھی۔ اس نے ہاتھوں ہاتھ ناصر کو لیا اور ایک منتخب جماعت کو لے کر مصر کی طرف چل کھڑا ہوا۔ جب غزہ پہنچا اکثر امرائے مصر نے آکر ناصر کی اطاعت کا اظہار کیا۔

مظفر کو خبر لگی مقابلہ کی طاقت نہ تھی اس لئے امان طلب کی۔ ناصر نے اس کو قید کیا اور ۷۰۹ھ میں پھر تخت پر رونق افروز ہوا اور انتظام سلطنت میں لگ گیا۔

ہندوستانی سفارت

سلطان محمد تغلق نے ہندوستان سے ناصر کے پاس سفارت بھیجی۔

نظمِ مملکت | ناصر نے ناجائز محاصل موقوف کئے۔ دار العدل قائم کیا۔ علامہ بدر الدین قاضی القضاۃ کے عہدہ پر بحال رہے۔ اس زمانہ میں خلیفہ کے مصاحبوں نے ناصر کے خلاف سازش کی تو اس نے خلیفہ کا نام خطبوں سے نکال دیا۔

آثار | ناصر روشن دماغ فرمانروا تھا۔ رفاہِ عام کے کام بہت سے کئے۔ پل بنوائے، باغات لگوائے قصور یہ محلات تعمیر کرائے۔ اس نے ایک رصدگاہ قائم کی، وسیع ہسپتال بنوایا جس کے اخراجات کے لئے جاگیریں وقف کیں۔ شام اور مصر میں کثرت سے مساجد تعمیر کرائیں۔ جامع ناصریہ قاہرہ میں اس کی یادگار ہے۔

علمی ذوق | قاضی القضاۃ علامہ بدر الدین کے درسِ حدیث میں شریک ہوا کرتا تھا۔

خلیفہ کا انتقال | خلیفہ مستکفی باللہ کو ناصر نے قوص بھیج دیا تھا اور وظیفہ کم کر دیا تھا۔ وہیں ۷۴۰ھ میں انتقال ہوا۔[1]

مستکفی فاضل، خطاط، فیاض اور بہادر خلیفہ تھا۔ علماء و ارباب کمال کا قدردان ان کا دربار ان کا مرجع تھا۔[2]

مستکفی نے اپنے لڑکے احمد کو ولی عہد بنایا تھا لیکن ناصر نے قاضی القضاۃ کی مخالفت کے باوجود اس کے چچا زاد بھائی ابراہیم بن محمد الملقب بہ واثق باللہ کو خلیفہ بنایا۔ مگر بعد کو پشیمان ہوا اور بیٹے کو وصیت کر مرا کہ احمد کو خلیفہ کیا جائے۔

شہزادہ ابو الفداء مورخ | ناصر نے ہی شہزادہ کی اعانت کر کے حمص کا تاج و تخت دلوایا تھا۔

وفات ناصر | بتیس سال حکمرانی کر کے ۱۹ ذی الحجہ ۷۴۱ھ میں وفات پائی۔

---

[1] خطط مقریزی جلد ۳ ص ۳۹۲ [2] ایضاً ص ۴۰۳ ۔

اوصاف ملک ناصر جلیل القدر فرماں روا تھا۔ خلیق، متواضع اور نیک صفات رکھتا تھا۔ اس کے عہد میں امن و امان اور دولت کی فراوانی کی وجہ سے سلطنت کی شان و شوکت بہت بڑھ گئی تھی۔ اسی کے عہد میں ابن بطوطہ نے مصر کی صحرانوردی کی۔

اولاد ناصر کے نو بیٹے تھے جس کو ولی عہد کیا تھا۔ وہ ۷۴۰ھ میں انتقال کر گیا۔ آٹھوں بیٹے یکے بعد دیگرے تخت مصر پر بیٹھے۔

منصور ابوبکر ناصر کے مرنے پر منصور سیف الدین ابوبکر تخت نشین ہوا۔ اُس نے باپ کی وصیت کی بنا پر واثق کو معزول کر کے احمد کو حاکم بامراللہ ثانی لقب دے کر خلیفہ بنایا[1]

ابوالعباس احمد بن مستکفی الملقب بہ حاکم بامراللہ ثانی

یہ خلیفہ سمجھ دار تھا۔ گوشہ عافیت میں قناعت کی۔ اس کے زمانے میں سیف الدین ابوبکر کو چالیس دن بعد امرائے دولت ممالیک بحریہ نے معزول کر کے مقام قوص بھیج دیا۔ وہیں ۷۴۲ھ میں فوت ہوا۔ اس کی جگہ علاء الدین کوجک ملک اشرف کے لقب سے تخت پر بٹھایا گیا۔ اس کی عمر چھ سال کی تھی۔ پانچ ماہ بعد اس کو معزول کر کے شہاب الدین احمد جو کرک میں نظر بند تھا اس کو وہاں سے لا کر تخت نشین کیا۔ لقب ملک ناصر ثانی ہوا۔ ۱۲ محرم ۷۴۳ھ میں اس کو معزول کر کے بھیج دیا اور عماد الدین اسماعیل کو ملک صالح کے لقب سے تخت نشین کیا۔ اس نے تین سال حکومت کی۔ ۴ ربیع الثانی ۷۴۶ھ کو وفات پا گیا۔ زین الدین شعبان کا لقب ملک کامل سلطان ہوا۔ کچھ عرصہ

---

[1] ابن خلدون جلد ۹ صہ ۱۹۵۔

بعد زین الدین حاجی ملک ظفر تخت پر بیٹھا۔ ۷۴۸ھ میں قتل کر دیا گیا اور حسن الملقب بہ ناصر ثالث کو تخت نشین کیا۔ ۷۵۲ھ میں اس کو بھی اتار دیا۔ پھر صلاح الدین ملک صالح ثانی کو تخت نشین کیا اور تین سال بعد معزول کر دیا۔ حسن ملک ناصر ثالث دوبارہ لایا گیا۔ یہ چھ سال سات ماہ حکمرانی کر سکا آخر میں اپنے مملوک بلیغا خاصکی کے ہاتھوں قتل ہوا۔ صلاح الدین ملک صالح ثانی کے چند روزہ دور حکومت میں ابو العباس احمد نے ۷۵۳ھ میں انتقال کیا[1] اس خلیفہ نے عزت و وقار سے اپنا زمانہ گزارا۔

ابوبکر بن مستکفی الملقب بہ معتضد باللہ اوّل

ابو العباس احمد نے کسی کو ولی عہد نہیں بنایا تھا۔ قضاۃ و عمائد سلطنت نے اس کے بھائی ابوبکر کو خلیفہ منتخب کیا[2] اس کے زمانہ میں ناصر حسن بن محمد، صالح صلاح الدین بن محمد، ناصر حسن بن محمد حکمران مصر کے رہے۔

معتضد کے زمانہ میں خلافت کا وقار بہت گھٹ گیا۔ وظائف کا مدار، زرگروں کے ٹیکس کی آمدنی پر تھا۔ پھر سیدہ نفیسہ کے مزار کی تولیت دیدی گئی۔ اس سے ان کی عظمت جاتی رہی۔ ۷۶۳ھ میں خلیفہ نے انتقال کیا[3] یہ خلیفہ نیک، صالح اور علم دوست تھا۔

ابن فضل اللہ

ابن فضل اللہ شہاب الدین ابو العباس احمد بن محی الدین ادب و شعر میں اپنے زمانہ میں یگانہ روزگار سے تھے۔ ۷۰۰ھ میں دمشق میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد ملک ناصر کے میر منشی تھے۔

---

[1] تاریخ الخلفاء صفحہ ۵۰۴ [2] ابن خلدون جلد ۵ صفحہ ۱۹۵۔
[3] حسن المحاضرہ جلد ۲ صفحہ ۳۹۵۔

فواضل السمر فی فضائل آل عمرؓ۔ مسالک الابصار فی ممالک الامصار بیس جلدوں میں صبابتہ المشتاق یادگار سے ہیں ۷۴۹ھ میں انتقال کیا۔

ابوعبداللہ محمد بن معتضد الملقب بہ متوکل علی اللہ اوّل

خلیفہ معتضد باللہ کے بعد ابوعبداللہ محمد بن معتضد جانشین ہوا۔ اس خلیفہ کے زمانے میں مصر کی حکومت پر حسن ملک ناصر ثالث کا برادرزادہ محمد بن حاجی ملک منصور خامس تخت نشین کیا گیا۔ وسط شعبان ۷۶۴ھ میں ممالیک بحریہ نے اس کو تخت سے اتار دیا اور اس کے چچازاد بھائی شعبان بن حسن بن محمد بن قلاؤوں کو تخت نشین کیا اور اس کا ملک اشرف ثالث لقب ہوا۔ اس کے عہد میں فرنگیوں نے اسکندریہ کو لوٹ لیا۔

ملک اشرف ان کی سرکوبی کو گیا مگر وہ فرار ہو چکے تھے۔ یلیغا نائب سلطنت تھا اس کو ممالیک نے مار ڈالا۔ ملک اشرف نے ان کی سخت مرمت کی۔ بہت سے مارے گئے۔ کچھ دریا میں ڈوبے بقیہ شہر بدر کر دیئے گئے۔ ۷۷۸ھ میں ملک اشرف حج کے ارادے سے نکلا۔ ممالیک کا سرغنہ طشتمد دوادار نے گھیر لیا۔ یہ جان بچا کر قاہرہ آگیا۔ یہاں امراء نے اس کے بیٹے علی کو ملک منصور سادس کا خطاب دے کر تخت نشین کر دیا تھا۔ یہ قبہ نصر میں ٹھہرا۔ ممالیک وہاں پہنچ گئے اور ۱۰ ذی الحجہ ۷۷۸ھ کو اسے مار ڈالا۔ علی کا سن سات سال کا تھا۔ امیر لائق اتالیق مقرر ہوا۔ پھر اس کی جگہ امیر قرطائی آیا۔ آخر میں برقوق نائب ہوا۔

خلیفہ متوکل حوصلہ مند تھا اس نے ذاتی اثر و اقتدار سے خلافت کے

لہ حسن المحاضرہ جلد ۲ صفحہ ۳۹۵۔

وقار کو زندہ کرنا چاہا۔ نائب حکومت خلاف ہو گیا اس نے ۷۷۹ھ میں ان کو معزول کر کے چچیرے بھائی نجم الدین زکریا کو خلیفہ بنا دیا مگر کسی نے منظور نہ کیا۔ تو پھر بحال کر دیئے گئے۔

۷۸۳ھ میں سلطان منصور کا انتقال ہو گیا۔ اس کے نائب حکومت ظاہر برقوق چرکسی نے منصور کے صغیر سن لڑکے ملک الصالح حاجی بن شعبان کو تخت نشین کیا۔ ڈیڑھ سال بعد ۱۹ رمضان ۷۸۴ھ کو تخت سے اتار کر خود حکمرانی کرنے لگا۔ مصر کی حکومت ترکی ممالیک سے نکل کر چرکسی خاندان میں چلی گئی۔

سلطان ملک ظاہر برقوق

ملک برقوق کا باپ انس قبیلہ کرا کا تھا۔ اس کے اسلاف "غز" جو نواحی سیبیریا اور بحیرۂ بیکال کی طرف واقع ہے وہاں کے رہنے والے تھے کہ جو چھٹی صدی میں غز کو چھوڑ کر بحر قزوین کے سواحل پر آ کر آباد ہو گئے۔ ان کی اولاد کو ممالیک بحریہ میں منصور اور اشرف نے بہت سوں کو خرید کر کے ان کی تربیت کی اور قلعوں کی حفاظت اور فوجی امارت وغیرہ میں لگا دیا۔ جسمانی اور دماغی حالت ان کی ممالیک بحریہ سے بڑھی ہوئی تھی۔ جلد جلد ترقی کرتے ہوئے محل سلطانی کے امور پر چھا گئے۔ پھر آگے چل کر سیاستِ ملکی میں حصہ لینے لگے۔ چنانچہ ان میں سے برقوق کا باپ بھی تھا۔

انس کو سرکیشیا سے ایک تاجر قرم لے گیا وہاں عثمان نے اُس کو خرید لیا۔ ۷۶۲ھ میں عثمان انس کو مصر لایا اور امیر یلبغا کے ہاتھ فروخت کر دیا۔ اس نے اپنے غلاموں میں شامل کر لیا۔ اس کے بیٹے برقوق کو اپنی صحبت میں رکھا اور اس کو علومِ اسلامیہ کی تعلیم دلوائی اور امارت کا عہدہ دیا۔

جب یلبغا قتل ہوا ان دنوں برقوق اور امیر برکہ قید میں تھے وہاں

سے آزادی پاکر دونوں دمشق چلے گئے اور امیر تنجق والئ دمشق نے ان کو فوج میں داخل کر لیا۔ اس نے وہاں بہادری کے جوہر دکھائے۔ ملک اشرف شعبان کے کانوں تک اس کی شجاعت کے کارنامے پہنچے۔ اس نے برقوق کو مصر بلا کر ایک ہزار سپاہ کا امیر بنا دیا۔

مصر کی حکومت امرائے ممالیک کی جولانگاہ بنی ہوئی تھی اس کو بھی امنگ اٹھی کہ خود کیوں نہ مصر کا والی بنے۔ چنانچہ ملک منصور کے عہد میں اتابکی عہدہ پر سرفراز ہوا اور جب ملک صالح تخت نشین ہوا تو اپنی جماعت کی معاونت اور جوڑ توڑ سے سلطنت مصر پر غلبہ حاصل کر لیا۔ برقوق نے متوکل علی اللہ اول سے اپنی امارت کا فرمان لکھوایا۔ قضاۃ، علماء اور امراء سے بیعت لی اور ملک ظاہر لقب اپنے لئے منتخب کیا۔

برقوق عالی دماغ اور سیاستِ ملکی سے باخبر تھا اُس نے ملک کی انتظامی حالت کی طرف توجہ دی۔ ناجائز رسوم اور محاصل موقوف کئے اور رعایا کی اقتصادی اور اخلاقی حالت کی طرف توجہ کی۔

سازشیں

ممالیک بحریہ کو برقوق کا برسر اقتدار آنا ناگوار گزرا۔ اس نے خلیفہ متوکل کو اس کے سامنے لا کھڑا کیا۔ خلیفہ نے شام و مصر و عراق کے امراء کو خطوط لکھے اور مصر کے ارکان و عمائد سے کہا کہ برقوق نے قہر و جبر سے حکومت لی ہے اور عدل و انصاف کو پامال کیا ہے اسلئے وہ بادشاہت کا مستحق نہیں ہے۔ اور امراء کو آمادہ کیا کہ جس وقت برقوق چوگان کھیل رہا ہو قتل کر دیا جائے برقوق کے ہوا خواہوں نے خلیفہ کے ارادہ کی خبر کر دی اس نے قضاۃ کے سامنے تمام واقعات بیان کئے اور کہا ان کو معزول کر دیا جائے۔ قضاۃ نے انکار کر دیا تو برقوق نے خود ۷۸۵ھ میں معزول کر کے قید کر دیا۔[1]

---

[1] حسن المحاضرہ جلد ۲ صفحہ ۷۰

ابو حفص عمر بن معتصم الملقب بہ واثق باللہ

برقوق نے متوکل کو قید کر کے عمر بن معتصم کو خلیفہ بنایا اور لقب واثق باللہ ہوا۔

تیمور کی یلغار برقوق کو خبر لگی۔ قرط ترکمانی مصری لشکر کے سردار نے بغاوت کر دی اور خلیفہ متوکل کا اس میں ہاتھ ہے۔ مگر برقوق نے بغاوت کو ختم کر دیا۔ اس سے فارغ ہوا تھا کہ خبر لگی کہ تیموری حملوں نے مشرقی ممالک میں ہیجان بپا کر دیا ہے اور وہ بڑھتا ہوا ۷۸۸ھ میں شام میں داخل ہو گیا۔ برقوق نے فوجیں جمع کر کے حدودِ شام میں روکا۔ وہاں سے لوٹا۔ واثق کا انتقال ۷۸۸ھ میں ہو گیا تو برقوق نے اس کے بھائی زکریا کو خلیفہ بنایا۔ مگر امرائے دولت متوکل کی قید کے باعث سخت اضطراب میں تھے۔ ملک میں شورشیں اٹھ کھڑی ہوئیں۔ برقوق گھبرا گیا۔ ادھر ۷۹۱ھ میں حلب کے نائب حکومت امیر یلبغا ناصری نے اس پر فوج کشی کر دی۔

برقوق نے دیکھا کہ متوکل کی معزولی سے یہ واقعات رونما ہو رہے ہیں۔ تو ۷۹۱ھ میں خلیفہ کو قید سے نکال کر اعزاز و اکرام کے ساتھ دوبارہ منصب خلافت پر بٹھایا اور خلیفہ کی بڑی دلجوئی کی [1] مگر خلیفہ کا دل برقوق کی طرف سے صاف نہیں ہوا۔ امیر الامراء منطاش خلیفہ کے ساتھ ہو گیا اور دوسرے امراء بھی شریک ہو گئے۔

نتیجہ یہ ہوا کہ برقوق قلعہ کرک بھیج دیا گیا اور حاجی بن شعبان ملک صالح دوبارہ تخت پر لایا گیا مگر اس سے انتظام حکومت نہ سنبھل سکا۔ معزول ہوا۔ ۱۴ صفر ۷۹۲ھ میں برقوق کو پھر تاج و تخت سپرد ہوا۔ اس نے تخت پر بیٹھتے

---

[1] مقریزی جلد ۳ صفحہ ۲۹۵۔

ہی ملک صالح اور اُس کے ساتھیوں کو مروا ڈالا۔ قرا یوسف والیٔ فارس نے تبریز کو ۷۹۲ھ میں ملک برقوق کی خدمت میں بطور نذر کے پیش کیا۔ برقوق نے اُس کے لئے خلعت بھیجا اور فرمان لکھا کہ سلطنت مصر کی طرف سے تبریز اور تمام علاقہ کی امارت عطا کی جاتی ہے کہ جو تم فتح کر سکو۔

اس درمیان میں تیمور کی یلغار اس طرف ہوگئی۔ قرا یوسف معہ اپنے حلیف احمد بن اویس کے بھاگ کر قسطنطنیہ قیصر منویل کے پاس پہنچے اور پناہ چاہی۔ اُس نے انکار کر دیا۔ وہ خود دولت عثمانیہ کے وجود سے لرزاں تھا۔ یہاں سے ناکام ہو کر دونوں مصر آئے۔ برقوق نے ہاتھوں ہاتھ لیا اور بڑی مدارات کی۔

سلطان بایزید

۷۹۶ھ میں بایزید یلدرم نے مصر میں معاہدہ کے لئے سفیر بھیجا اور یہ بھی خواہش ظاہر کی کہ خلیفہ عباسی اناطولیہ اور اس کے مفتوحہ علاقوں کی امارت کا فرمان اس کے نام لکھ دیں۔

برقوق نے سفیر کی قدر و منزلت کی اور عہد نامہ اپنی طرف سے اور خلیفہ متوکل علی اللہ کی طرف سے فرمانِ حکومت سفیر کو دے کر رخصت کیا۔ امیر تیمور کے قاصد بھی قرا یوسف کی حوالگی کے لئے آ گئے۔ برقوق نرمی سے پیش آیا۔ مگر قاصد سخت کلامی کرنے لگا۔ برقوق نے اس کو قتل کرا دیا۔ تیمور کو اطلاع ہوئی برافروختہ ہو گیا اور اس نے شام پر حملہ بول دیا اور حلب تک تاخت و تاراج کر ڈالا۔

برقوق مصری فوج کے آراستہ کرنے میں لگا ہوا تھا کہ ۱۵ شوال ۸۰۱ھ میں انتقال کر گیا۔ اس کے بیٹے زین الدین فرج کو امرائے دولت نے تخت نشین کیا۔ ملک ناصر لقب ہوا۔

ملک ناصر زین الدین فرج

ملک ناصر کے حکمران ہوتے ہی اتابک ایطمش نے نہم فرسانی نائب دمشق بلبغا

والیٔ حلب سے مل کر بغاوت کر دی۔ ناصر نے فوج کشی کی۔ فلسطین میں ہر دو مقابل آئے۔ باغی ناکام ہو کے سزایاب ہوئے۔

تیمور اور بایزید تیمور اور بایزید میں ۸۰۴ھ میں عظیم الشان معرکہ ہوا۔ جس میں بایزید قید ہوا۔ یہاں سے فارغ ہو کر ۸۰۵ھ میں تیمور نے سلطان مصر ناصر کو تحفہ و تحائف بھیجے اور یہ حکم بھیجا کہ ہماری سلطنت تسلیم کر لو۔ ناصر نے اس کی سیادت قبول کر لی۔

وفات متوکل علی اللہ متوکل کی آخری زندگی عزت دو قار سے بسر ہوئی۔ عزت، جاہ و جلال و دولت ہر طرح خوش نصیب تھا۔ نقد دولت کے علاوہ کافی جاگیر بھی۔ ۸۰۸ھ میں انتقال کیا[1]

ابوالفضل عباس بن متوکل الملقب بہ مستعین باللہ

ابوالفضل عباس ۸۰۸ھ میں تخت خلافت پر بیٹھا۔ ملک الناصر سے خوش نہ تھا۔ ۸۱۵ھ میں دو شامی امراء شیخ محمودی اور امیر نوروز نے علم بغاوت بلند کیا۔ ناصر اُن کے مقابلے کے لئے شام گیا اور مستعین کو بھی شام لیتا گیا۔ لیکن اس کو شکست ہوئی اور شیخ محمودی نے ناصر کے الحاد و زندقہ کا ثبوت پیش کر کے قاضی ناصر الدین سے اس کے قتل کا فتویٰ لے لیا اور مستعین باللہ کے سامنے مصر کا تاج و تخت پیش کیا مگر وہ راضی نہ تھے۔ امراء کے اصرار پر رضا مند ہو گئے۔ پہلے شام میں پھر مصر میں تخت نشینی کی رسم ادا ہوئی اور اب وہ خلافت کے دینی منصب کے ساتھ مصر کے سلطان بھی بن گئے۔ مصر آ کر شیخ محمودی نے خلیفہ سے کہا مجھ کو مصر کا سلطان بنا دیا جائے۔ وہ تیار نہ ہوئے۔ محمودی نے خلیفہ کے

---

[1] حسن المحاضرہ جلد ۲ صفحہ ۶۰۔

ایک مکان میں نظر بند کر دیا اور قاضی جلال الدین بلقینی سے معزولی کا فتویٰ لیکر ۸۱۶ھ میں معزول کر کے اسکندریہ بھیج دیا۔

ابو الفتح داؤد بن متوکل الملقب بہ معتضد باللہ

محمودی نے مستعین کے بھائی ابو الفتح داؤد الملقب بہ معتضد باللہ کو خلیفہ بنایا۔ یہ ذہین وطباع ذی علم تھا۔

شیخ محمودی صاحبِ علم اور شرع کا پابند تھا۔ منصف مزاج اور منتظم تھا۔ اس کے عہد میں مصریوں نے آرام پایا۔ ۹ محرم ۸۲۴ھ کو مر گیا۔

، جامع موئد اور مدرسہ محمودی یادگار چھوڑے۔ محمودی علماء کا قدر دان شیخ شمس بن مدیری محدث کے درس میں حاضر ہوتا اور ان کی مسند خود بچھاتا تھا۔ محمودی کے بعد اس کا شیر خوار بچہ احمد تخت نشین کیا گیا۔ سیف الدین تترکو اتالیق کیا۔ اس نے شوال ۸۲۴ھ میں احمد کے سر سے تاج اتار کر اپنے سر پر رکھ لیا مگر راس نہ آیا۔ تین ماہ بعد گزر گیا۔ اس کی جگہ اس کا بیٹا محمد حکمران بنا۔ اس کا اتابک سیف الدین برس بائے تھا اس نے محمد سے حکومت چھین لی۔ اور ملک اشرف برس بائے کے نام سے حکومت کرنے لگا۔ نہایت شجاع اور عاقل تھا۔ سترہ سال آٹھ ماہ حکومت کر کے ساٹھ سال کی عمر میں ۱۳ ذی الحجہ ۸۴۱ھ میں فوت ہوا۔ ملک اشرف کا لڑکا ملک عزیز جمال الدین یوسف جانشین ہوا۔ اس کا نائب سیف الدین جقمق مقرر ہوا۔ اس نے یوسف کو نکال کر سلطنت پر خود قبضہ جمایا۔ ۱۹ ربیع الاول ۸۴۲ھ میں اس کے ہاتھ پر بیعت ہوئی۔ اس نے اپنا لقب ملک ظاہر جقمق رکھا۔ متقی اور دیندار سلطان تھا۔

وفات معتضد ۸۴۵ھ میں معتضد کا انتقال ہو گیا۔ اس کا لڑکا ابو الربیع جانشین ہوا۔

ابوالربیع سلیمان بن معتضد الملقب بہ مستعین باللہ

مستعین بڑا عادل زاہد متقی خلیفہ تھا۔ رات دن عبادت میں مصروف رہتا۔ سلطان چقمق کو اس سے بڑی عقیدت تھی اور اس کے حقوق کا بڑا لحاظ رکھتا تھا۔ ذی الحجہ ۸۵۴ھ میں انتقال کیا۔ سلطان اپنے کندھوں پر قبرستان تک جنازہ لے گیا۔[1]

ابوالبقاء حمزہ بن معتضد الملقب بہ قائم بامر اللہ

سلطان نے ابوالربیع کے بھائی حمزہ کو جانشین کیا اور لقب قائم بامر اللہ ہوا۔ چقمق اسی سال کا ہو چکا تھا وہ اپنے بیٹے فخر الدین عثمان کو تخت پر بٹھا کر ۸۵۷ھ میں مر گیا۔ درویش صفت تھا۔ مساجد اور عمارتیں بنوائیں۔

ملک منصور عثمان عثمان کو تخت نشین ہوئے چند یوم ہوئے تھے کہ قائم بامر اللہ نے اس کے عزل کا فرمان شائع کیا۔ ممالیک نے ملک اشرف ابونصیر نیال کو تخت نشین کیا۔ خلیفہ قائم خود تخت حاصل کرنا چاہتا تھا۔ باہمت و حوصلہ مند تھا۔ فوج ملک اشرف کے خلاف ہو گئی۔ قائم نے اس کا ساتھ دیا مگر فوج کو شکست ہوئی۔ اشرف قائم کے خلاف ہو گیا اور قائم پر برہمی ظاہر کی۔ خلیفہ نے غصہ سے کہا۔ میں خود خلافت سے دستبردار ہوتا ہوں اور تم کو بھی معزول کرتا ہوں۔

یہ مسئلہ قاضی علم الدین بلقینی کے سامنے پیش ہوا۔ انہوں نے کہا خلیفہ خود

---

[1] حسن المحاضرہ جلد ۲ صفحہ ۶۴۔

دستبردار ہو گئے۔ لہٰذا وہ خلیفہ نہ رہے۔ اشرف کو بعد میں معزول کیا۔ پھر ان کو حق معزولی کا نہ تھا اس لئے اشرف کا عزل صحیح نہیں ہوا۔ اس فیصلہ کے مطابق قائم ۸۵۹ھ میں اسکندریہ بھیج دیئے گئے جہاں انہوں نے ۸۸۳ھ میں وفات پائی اور ان کے بھائی یوسف کو خلیفہ بنایا۔

ابوالمحاسن یوسف بن معتضد الملقب بہ مستنجد باللہ ثانی

قائم بامر اللہ کی دست برداری کے بعد اس کے بھائی ابوالمحاسن یوسف الملقب بہ مستنجد باللہ کے ہاتھ پر بیعت ہوئی۔

وفات اشرف آٹھ سال سلطنت کر کے ۱۵ر جمادی الاول ۸۶۵ھ میں انتقال کر گیا۔ اس کا بیٹا شہاب الدین تخت نشین ہوا۔ لقب ملک موئد احمد تھا۔ چار ماہ بعد معزول کر دیا گیا۔ اس کے بعد ملک ناصر کا غلام ملک ظاہر خوشش قدم تخت نشین ہوا۔ ۸۷۲ھ میں وہ فوت ہو گیا تو ملک ظاہر بلبائے سلطان ہوا۔ دو ماہ بعد اُس کے ظلم سے امراء نے معزول کر دیا اور تمر بوغا کو تخت نشین کیا۔ اس سے انتظام حکومت نہ چل سکا۔ ملک اشرف قایت بائے سلطان بنایا گیا۔ یہ جقمق کا غلام تھا۔ اس نے ملک کا بہت اچھا انتظام کیا اور ترکوں کے مفتوحہ شہر اذنہ اور ترسوس فتح کر لئے۔ جس کو انہوں نے بہ قوت واپس لے لیا اور آلِ عثمان سے صلح کر لی۔ انتیس ۲۹ سال حکمرانی کی ۹۰۱ھ میں

۹۰۱ھ میں وفات پائی۔

وفات خلیفہ مستنجد باللہ ثانی پچیس ۲۵ سال تک زندہ رہا اور ۸۸۴ھ میں انتقال کیا۔

عبد العزیز بن یعقوب الملقب بہ متوکل علی اللہ ثانی

مستنجد نے اپنے برادر زادہ عبد العزیز بن یعقوب کو ولی عہد بنایا تھا۔ اس کے زمانے میں ملک الاشرف قایت بائی اور ناصر محمد بن قایت اور اشرف قانصوہ سلطان تھے۔ ملک ناصر محمد چھ ماہ بعد ۹۰۲ھ میں اتار دیا گیا اور ملک اشرف قانصوہ سلطان ہوا۔ مگر خود دستبردار ہو گیا تو ملک ناصر کو پھر تخت نشین کیا گیا۔ مگر اس نے زندہ کنیز کی کھال کھینچ ڈالی۔ اس پر ۹۰۴ھ میں ذبح کر دیا گیا۔

خلیفہ متوکل پسندیدہ خصائل خوش اطوار اور عوام وخواص میں محبوب تھا۔ امام جلال الدین سیوطی اس کے زمانہ میں تھے انہوں نے کتاب الاساس فی فضل بنی العباس اس کے لئے لکھی ۹۰۳ھ میں وفات پائی[1]

یعقوب بن عبد العزیز الملقب بہ مستمسک باللہ

مستمسک باللہ کے زمانہ میں مصر کے پانچ سلاطین ہوئے۔ ناصر محمد جس کا ذکر آ چکا ہے۔ ظاہر قانصوہ اشرفی دوسری مرتبہ ملک اشرف جان بلادا۔ ملک العادل طومان بائی۔ ملک قانصوہ غوری۔

ملک ناصر کے قتل کے بعد ملک ظاہر قانصوہ اشرفی سلطان ہوا۔ ایک سال آٹھ ماہ بعد اتار دیا گیا۔ پھر ملک اشرف قانصوہ جان بلادا ۹۰۵ھ میں سلطان بنایا گیا۔ سات ماہ بعد معزول کر دیا گیا۔

پھر طومان ماسئے تخت نشین ہوا۔ ۹۰۶ھ میں قتل کر دیا گیا۔ ملک

---

[1] تاریخ الخلفاء صفحہ ۵۳۱۔

اشرف قانصوہ غوری کو سلطان بنایا۔ یہ منتظم حکمران تھا اور مصر میں امن و امان قائم ہو گیا۔

پرتگالیوں نے ہندوستان کے مقبوضات پر بحری قزاقی شروع کر دی تھی جس سے مصر اور ہند کی تجارت بند ہو گئی۔ ایک بیڑہ اُن کے استیصال کے لئے روانہ کیا وہ تباہ ہو گیا۔ سنہ ۹۱۸ھ میں سلطان سلیم اوّل آل عثمان کا بھائی کرکود جو تاج و تخت کے لئے برسرِ پیکار تھا ہزیمت کناں مصر آیا۔ غوری نے اس کی حمایت میں ایک بیڑہ کشتیوں کا قسطنطنیہ فتح کرنے بھیجا۔ سلطان نے شام پر لشکر کشی کر دی۔ مصریوں نے شاہِ ایران اسمٰعیل صفوی کے ساتھ ترکوں سے مقابلہ کیا۔ مگر ترک ور رہے اور ان دونوں کو شکست فاش ہوئی۔ غوری نے صُلح چاہی مگر سلطان نے ٹال دیا۔

وفات مستمسک | خلیفہ مستمسک نے سنہ ۹۲۰ھ میں انتقال کیا۔

محمد الملقب بہ متوکل علی اللہ ثالث

مستمسک کے بعد محمد الملقب بہ متوکل علی اللہ خلیفہ ہوا۔ اس کے زمانے میں سلطان سلیم نے حلب پر حملہ کیا۔ غوری معہ متوکل اور مذاہب اربعہ کے قضاۃ کو ساتھ لے کر گیا۔ مصری فوجیں مرج وابق پر معرکہ آرا ہوئیں۔ غوری نے بہت کچھ بہادری دکھائی۔ ۲۵ رجب سنہ ۹۲۲ھ کو گھوڑے سے گر کر ہلاک ہو گیا۔ سلطان سلیم نے حلب کے باہر اپنی فرودگاہ پر خلیفہ کا خیر مقدم کیا اور خلعت شاہانہ مرحمت فرمایا اور حلب میں رہنے کی اجازت دی۔ پھر سلیم دمشق گیا اور متوکل کو ہمراہ لیتا گیا۔

غوری شام جاتے وقت ملک اشرف طومان بائے ثانی اپنے برادر زادے کو مصر میں اپنا نائب بنا کر چھوڑ گیا تھا۔ غوری کے انتقال کی خبر سن کر اُس کے ہی ہاتھ پر بیعت کر لی گئی۔ سلطان سلیم فوجیں لئے ہوئے کامرانی سے مصر آیا۔ طومان بائے مقابل آیا اور شکست کھا کر اسکندریہ جا رہا تھا کہ گرفتار ہو گیا۔ سلطان نے دس دن پاس رکھا۔ ۱۹ ربیع الاول ۹۲۳ھ کو سُولی دے دی اس طرح دولت ممالیک چرکسیہ کا ایک سو اُنتالیس سال تک حکمرانی کر کے خاتمہ ہو گیا۔

محرم ۹۲۳ھ میں سلطان سلیم اول عثمانی نے مصر پر قبضہ کیا۔ متوکل علی اللہ ثالث نے اس کے حق میں خلافت سے بھی دستبرداری دیدی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے تبرکات علَم، تلوار، ردائے مبارک اور حرمین شریفین کی کُنجیاں سلطان سلیم کے حوالے کر دیں۔[1]

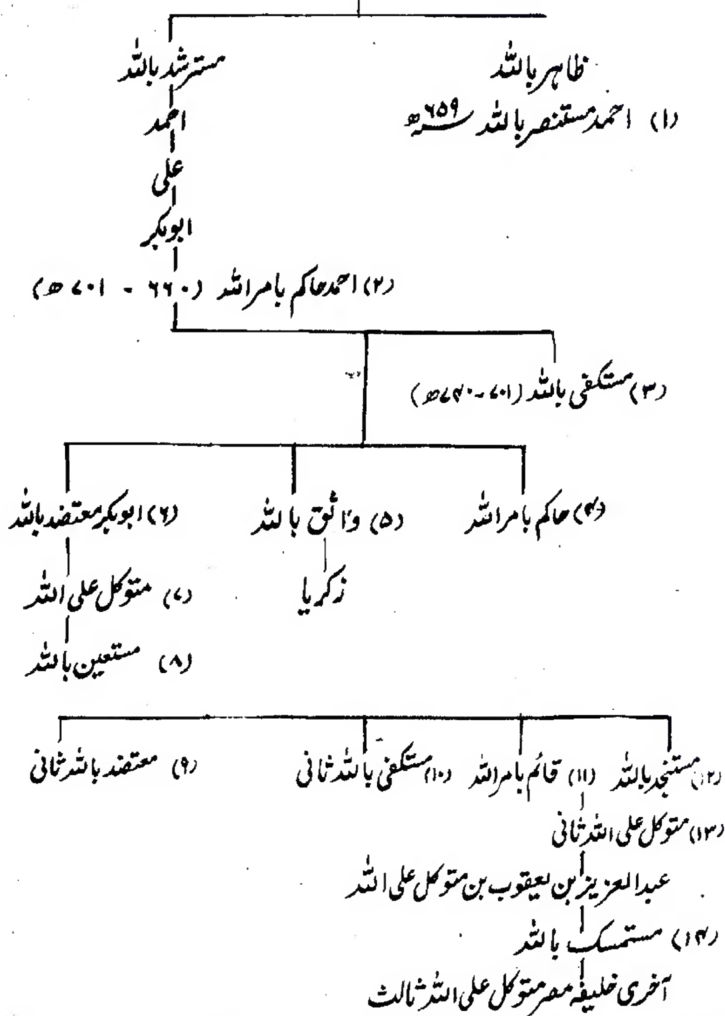
اس تاریخ سے خلافت قریش سے نکل کر عثمانی خاندان میں منتقل ہو گئی۔ مصر سلطنتِ عثمانیہ کا ایک صوبہ ہو گیا اور غوری کی فوج کا امیر مصر کا والی مقرر کر دیا۔ پھر سلطان نے متوکل کو قاہرہ آنے کی اجازت دے دی اور کچھ اختیارات بھی سونپ دیئے گئے۔ مگر خلیفہ نے بے اعتدالی کی۔ محل میں نظر بند کر دیئے گئے۔ سلطان سلیمان قانونی کے زمانہ میں احمد پاشا گورنر ۱۵۲۳ء مصر نے سلیمان کے خلاف بغاوت کر دی تھی اور خود مختار حاکم بن گیا تھا۔ خلیفہ نے اس شورش کا خاتمہ کیا۔

قاہرہ میں آخری خلیفہ عباسی کا ۹۴۵ھ، ۱۵۳۴ء میں انتقال ہو گیا۔

❁

[1] تاریخ مصر جلد ۳ صفحہ ۱۷۲۔

شجرۂ انساب خلفائے عباسیہ مصر[1]



[1] ابن خلدون جلد ۹ -

خلافتِ عباسیہ مصر

خلیفہ مستعصم باللہ کے شہید ہونے کے بعد ملک ظاہر بیبرس جو مملوک سے تھا اس نے دیکھا اہلِ مصر حکومت کو شک وشبہ کی نظر سے دیکھتے ہیں۔ اس نے استحکامِ حکومت کے لئے عباسیہ خاندان کے ایک فرد کو خلیفہ بنایا اور اس سے سندِ حکومت حاصل کی۔ جب یہ خلیفہ تاتاریوں کے مقابل پہنچ کر شہید ہو گئے۔ اس خاندان کے دوسرے فرد کو سریرِ خلافت سپرد کیا جن کی اولاد میں چودہ خلیفہ ہوئے۔ خلافتِ عباسیہ کے دورِ عروج میں مذہب اور سیاست جُدا جُدا نہ تھے۔ خلیفہ مذہبی اور سیاسی دونوں قسم کی فرمانروائی کا مظہر ہوتا تھا لیکن قاہرہ میں ان خلفاء کو حکومت میں کوئی دخل نہ تھا۔ ان کا وقت عبادت اور علماء کی صحبت میں گزرتا تھا یا جدید سلطان کی تاجپوشی کے موقع یا سرکاری مجالس میں ان کو بلایا جاتا اور سندِ فرمانروائی حاصل کی جاتی یا جنگ پر روانگی کے وقت فوجوں کو خیر و برکت اور فتح ونصرت کی دعائیں دیتے اور جنگ میں سلطان کے ساتھ محاذ پر بھی رہتے۔ یہ بے جان خلافت اڑھائی سو برس تک باقی رہی۔

خلفا کے ساتھ امرائے ممالیک کا سلوک کبھی اچھا کبھی بُرا رہا کبھی نظر بند کر دیئے گئے کبھی معزول کئے گئے۔ ناصر محمد قلاؤون نے تو خلیفہ سے سند نیابت لینے کی بھی ضرورت نہ سمجھی۔ خلیفہ مستعین نے چند روزہ مصر کی حکومت بھی سنبھالی مگر آخر میں معزول ہو کر قلعہ جبل میں نظر بند کر دیئے گئے۔ اس پر بھی مذہبی اقتدار دنیائے اسلام میں قائم تھا کہ سلطان بایزید یلدرم نے متوکل علی اللہ سے سندِ حکومت حاصل کی۔

معتضد باللہ اول نے فیروز شاہ کی استدعا پر ۷۵۳ھ میں ہندوستان امارت کا فرمان بھیجا۔ آخری خلیفہ نے سلطان سلیم کو تبرکات خلافت سپرد کر کے سبکدوشی حاصل کی غرضیکہ سلاطین عثمانیہ خلافت کے اعزاز کو روم لے گئے اور ایک زمانہ تک اپنے کو خادم الحرمین الشریفین قرار دیتے رہے۔ پھر اٹھارہویں صدی میں انہوں نے بھی خلیفہ کا لقب اختیار کیا جس کی بحث خلافتِ عثمانیہ میں تحریر ہو گی۔

خلافتِ فاطمیہ مصر

	۲۹۷ھ	۵۶۷ ہجری
	۹۰۹	۱۱۷۱ء
مہدی	سنہ ۲۹۷ھ	سنہ ۹۰۹ء
قائم	سنہ ۳۲۲ھ	سنہ ۹۳۴ء
منصور	سنہ ۳۳۴ھ	سنہ ۹۴۵ء
معز	سنہ ۳۴۱ھ	سنہ ۹۵۲ء
عزیز	سنہ ۳۶۵ھ	سنہ ۹۷۵ء
حاکم	سنہ ۳۸۶ھ	سنہ ۹۹۶ء
ظاہر	سنہ ۴۱۲ھ	سنہ ۱۰۲۰ء
مستنصر	سنہ ۴۲۷ھ	سنہ ۱۰۳۵ء
مستعلی	سنہ ۴۸۷ھ	سنہ ۱۰۹۴ء
آمر	سنہ ۴۹۵ھ	سنہ ۱۱۰۱ء
حافظ	سنہ ۵۲۴ھ	سنہ ۱۱۳۰ء
ظافر	سنہ ۵۴۴ھ	سنہ ۱۱۴۹ء
فائز	سنہ ۵۴۹ھ	سنہ ۱۱۵۴ء
عاضد	سنہ ۵۵۵ھ	سنہ ۱۱۶۰ء
؎	سنہ ۵۶۷ھ	سنہ ۱۱۷۱ء



حکومت مصر در عہدِ اسلام

خلافتِ راشدہ : ۲۱ھ تا ۳۸ھ

۵۔ عامل دورِ خلفائے راشدین میں ہوئے۔

خلافتِ بنی امیہ : ۳۸ھ تا ۱۳۲ھ

۲۹۔ عامل وقتاً فوقتاً ہوئے

خلافتِ بنی عباس : ۱۳۳ھ تا ۳۲۳ھ

۱۰۱۔ عامل ہوئے۔

خاندانِ طولون : ۲۵۲ھ تا ۲۵۴ھ

۵۔ امیر

دولتِ اخشیدیہ : ۳۳۳ھ تا ۳۵۷ھ

۵۔ امیر

خلافتِ فاطمی : ۳۵۸ھ تا ۵۶۷ھ

۱۱۔ خلفاء

خاندانِ ایوبی : ۵۶۷ھ تا ۶۴۸ھ

۸۔ سلطان

دولتِ ممالیک بحریہ : ۶۴۸ھ تا ۷۸۴ھ

۲۶۔ سلطان

دولتِ چرکسیہ : ۷۸۴ھ تا ۹۲۴ھ

۲۴۔ سلطان

خلافتِ عثمانیہ : ۹۲۳ھ تا ۱۱۸۷ھ

(دور ۲۹ خلفائے عثمانیہ) ۱۰۹ پاشا

نیم آزاد مصر : ۱۱۸۶ھ تا ۱۲۸۲ھ

محمد علی پاشا

ابراہیم پاشا

عباس پاشا

سعید پاشا

خدیوانِ مصر : ۱۲۸۲ھ تا ۱۳۳۲ھ

اسماعیل پاشا

توفیق پاشا

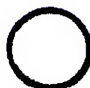
عباس حلمی پاشا

سلاطینِ مصر : ۱۳۳۲ھ

حسین

فواد [1]

فاروق اول



---

[1] سفرنامۂ مصر از میرو بیر قاضی ولی محمد صاحب صفحہ ۲۳۱۔

قاہرہ

قاہرہ دریائے نیل پر بجانب شرق چودہ میل مربع کے رقبہ میں جس کا طول وعرض علی الترتیب ۶، ۴ میل سے زائد نہ ہوگا۔ دامن جبل مقطم میں آباد ہے۔

جس جگہ شہر قاہرہ اور اس کے مضافات آباد ہیں وہاں کسی زمانہ میں آٹھ شہر قائم تھے۔ عون۔ اُم دنین۔ بابلون۔ قصر الشمع۔ قسطاس۔ العسکر۔ القبطع اور قاہرہ۔

۳۵۸ھ میں جوہر صقلی نے فتح مصر کے بعد ۱۷ شعبان ۳۵۸ھ میں یوم سہ شنبہ تعمیر قسطاس سے ۳۲ سال بعد دولت علویین عبیدیین کے لئے جدید شہر منصورۃ المحصورہ کا سنگِ بنیاد ایک زاغِ صحرائی کی جنبش پا کے اشارہ پر رکھا۔ دارالامارہ، مدارس، شفاخانہ، جامع مسجد، دارالقضاء وغیرہ کے سنگِ بنیاد ایک ہی وقت میں رکھے جانے کے ارادے سے بانس کی جھنڈیوں میں ڈوری باندھ کر گھنٹیاں آویزاں کردی تھیں کہ ساعت مسعود پر جب گھنٹیاں ہلائی جائیں تو ہر جگہ سنگِ بنیاد نصب کرنا شروع ہو گئے۔ جوہر انکار کرتا رہا۔ مگر تعمیر کا کام شروع ہو گیا۔

معز لدین اللہ کی آمد آمد قریب تھی اس لئے عمارات جلد بن کر تیار ہو گئیں مگر جوہر ملول و اندوہ گین تھا بالآخر معز نے کہ جو علم الافلاک و نجوم میں ماہر تھا زائچہ دیکھ کر کہا کہ اس وقت آفتاب برج حمل میں تھا اور سلطان فلک مریخ تھا جو قاہر آسمان ہے لہٰذا اس شہر کے نام بجائے منصورہ کے قاہرہ رکھا جائے۔

عہد بنی فاطمہ میں قاہرہ تجارت، ثروت، علوم وفنون وتمدن، تہذیب و شائستگی کا گہوارہ بنا ہوا تھا۔ دورِ حکومت ایوبی، ممالیک بحریہ وچرکسیہ میں دن بدن عروج ہوتا رہا۔ عہدِ خاندان خدیوی میں دنیائے اسلام کا سب سے بڑا شہر ہے۔

یادگاریں

آثارِ قدیمہ اہرام[1] جیزہ - ابوالہول[2] - اہرام[3] سقارہ -

مساجد جامع ازہر، جامع سیدنا حسین، جامع سیدنا زینب، جامع ناصریہ جامع ابن طولون، جامع الحاکم، جامع سلطان حسن -

عون رومی عہد کا شہر ہے۔ بعد فتح اسلام یہ ویران ہو گیا -

اُمِ دُنین چھاؤنی تھی جس کو حضرت عمرو بن عاص نے فتح کیا۔ یہاں احمد بن طولون کے سپہ سالار ازبک نامی نے مسجد اور باغ تعمیر کرایا -

بابلون مقوقش عامل مصر کا قلعہ ہے جس کو قصر الشمع بھی کہتے ہیں کیخسرو نے جب مصر فتح کیا تو اس بابلون میں چھاؤنی بنائی -

قلعہ قصر الشمع ساحل نیل پر تعمیر ہوا۔ قلعہ کے دروازہ میں ایک زنجیر معلق ہے اور چھت پر ایک کلیسہ ہے یہاں اور بھی گرجے ہیں ایک وہ ہے جہاں حضرت مریمؑ اور حضرت عیسیٰؑ نے بیت لحم سے آکر اقامت اختیار کی تھی۔ ایک ہیکل یہود کی ہے جہاں حضرت موسیٰؑ علیہ السلام عبادت کیا کرتے تھے -

۲۱ھ میں حضرت زبیرؓ بن عوام نے اس قلعہ کو فتح کیا -

العسکر خلافتِ عباسیہ میں فسطاط سے کسی قدر ہٹ کر دار الحکومت کے مکانات بنائے گئے اور اس کا نام العسکر رکھا گیا -

القطیع احمد بن طولون نے مصر میں خود مختاری کا اعلان کر کے العسکر سے ذرا ہٹ کر ایوانِ حکومت بنایا۔ مساجد ابن طولون وسیدہ زینب قبۃ الھوا، قبۃ الجبل، دار الشفاء، میدان السلطان و محلات سے آراستہ کیا -

دورِ اخشید میں اس کے وزیر کافور نے اپنی جودو سخا سے حاتم کی داد و دہش محو کرادی جس کے مطبخ میں روزانہ یک صد راس بز، یک صد بچہ شتر دو سو پچاس بطخ پانچ سو مرغ، ایک ہزار کبوتر، پچاس قرابہ عرقیات صرف ہوتے تھے۔

مشکی بازار سلطان صلاح الدین کے عزیزِ خاص اعز الدین مشک نے تعمیر کرایا تھا۔

خان خلیل سلطان اشرف الخلیل نے خلفائے فاطمی کے قبرستان کو مسمار کر کے اپنے نام سے بازار تعمیر کرایا۔ اس بازار سے متصل سلطان نجم الدین شوہر ملکہ شجرۃ الدر کا مقبرہ ہے۔

سوق النحاسین اس بازار میں سلطان قلاؤون، سلطان برقوق اور سلطان الناصر کی مساجد ہیں۔

قناطرہ نہر القناطرہ ابن طولون نے بنائی تھی۔ جس وقت یہ نہر تیار ہوئی کسی نے ابن طولون سے یہ جڑ دی کہ علامہ عبدالحکیم اس نہر کی برائی کرتے تھے۔ رات میں ابن طولون نہر کے پاس بیٹھا ہوا تھا، خیال آگیا علامہ کو بلایا۔ چاؤش سے پوچھا۔ کیوں طلب کیا گیا ہوں؟ اس نے کہا نہر کی تحقیر نہ کرنا۔ قاضی صاحب نفسِ معاملہ کو پہنچ گئے۔ تھوڑی دیر میں ابن طولون کے پاس جب ہانپتے کانپتے پہنچے تو سلام علیک کے بعد ہی کہا کہ میں حضور کے حکم سے بھاگتا ہوا آیا ہوں اور بہت تھک گیا ہوں پہلے پانی پی لینے دیجئے۔ پھر کچھ حکم دیجئے گا۔

پھر خادم سے کہا کہ کٹورہ لا دو تا کہ میں خود پانی نکال کر پیوں۔ کٹورہ لیکر نہر سے پانی اپنے ہاتھ سے نکال کر پیا اور دُعا دی کہ خدا اس کے بانی کار کو فردائے حشر آبِ کوثر سے سیراب کرے۔

اس کے بعد ابن طولون سے کہا۔ ارشاد ہو کیوں طلب کیا گیا؟ طولون نے کہا شب ماہ کی بہار دکھلانے کے لئے آپ کو تکلیف دی تھی۔

جامع سیدنا حسینؓ | جامع ازہر کے قریب یہ مسجد ہے۔ یہاں امام حسینؓ کا فرق مبارک دفن ہے۔ پہلے دمشق اور عسقلان میں دفن رہا۔ وہاں سے ۵۴۸ھ میں خلفائے فاطمی مصر لائے اور مسجد میں دفن کیا۔

مسجد سلطان حسن | سلطان صلاح الدین کے قلعہ کے قریب سلطان حسن کی تعمیر کردہ یہ مسجد تین سال میں تیار ہوئی۔ اس کی تعمیر میں دس ہزار روپیہ صرف ہوا۔ اس کے خوشنما منبر و محراب شاندار گنبد سبک سڈول منارہ اپنے آپ جواب ہیں۔ مسجد کا منارہ دو سو اسی فٹ بلند ہے۔

جامع سیدہ زینب | حضرت امام عالی مقام کی بہن کا مزار مبارک اس مسجد میں ہے۔

جامع سیدہ نفیسہ | حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی پڑپوتی کا مزار مبارک ہے۔

جامع قلاؤون | الملک منصور قلاؤون الفی کی یہ عظیم الشان مسجد اور شفا خانہ یادگار ہے وہیں اس کا مقبرہ ہے۔

جامع شیخون | ملک مصر کے امیر کبیر سیف الدین شیخو الناصری کی تعمیر کردہ ہے۔

چاہ یوسف | سلطان صلاح الدینؒ نے اسے تعمیر کرایا تھا۔ ۲۹۰ فٹ عمیق باؤلی نما ہے۔

مقابر مملوک | یہاں سلاطین ممالیک بحریہ کے اور چرکسیہ کے مزارات ہیں۔ مقبرہ قائت بہت شاندار عمارت ہے نقش و نگار اور صناعی کا نمونہ ہے۔ مقبرہ برقوق، مقبرہ برس بائے بھی یادگار عمارتیں ہیں۔

تہہ الشقاقہ | قدیم مصری سلاطین کا مقبرہ ہے۔ تہہ خانے میں متعدد کوٹھڑیاں اور حجرے بنے ہوئے ہیں جس میں تابوت اور لوح

مزار رکھے ہوئے ہیں۔

العمود ایک مصفا سنگین لاٹ ۸۰ فٹ طولانی پمپی کی یادگار میں قائم ہے۔

جامع وہیکل سواری سلیمان العمود کے قریب ہی ازمنہ قدیم میں ایک جامع بھی جہاں ہپاتیا نامی یہودی خاتون جس کے حسن وجمال، عفت وعصمت تبحرِ علمی کا شہرہ چار دانگِ عالم میں پھیلا ہُوا تھا، فلسفہ ومنطق کی تعلیم دیتی تھی۔ ایک دن جب وہ اپنی سواری میں مدرسے آرہی تھی تو نصارائے مصر نے اس جرم میں کہ اشاعت فلسفہ وسائنس مفادِ علیسویت کے خلاف ہے اُس کو سواری سے گرا دیا اور برہنہ کر کے گھسیٹتے ہوئے گرجا گھر میں لے گئے جہاں حضرت تقدس مآب معصوم صفت پیطر نامی اسقف اعظم نے حضرت عیسیٰ ومریم بتول کی تصویر کے سامنے ایک لٹھ سے اس کو ختم کر کے خطاب غازی وحامی دین وروح القدس حاصل کیا۔ ان کے پیروؤں نے اس مردہ لاش سے کالا منہ کیا اور اس کی تکا بوٹی کر ڈالی۔[1]

ابوصیر ابوصیر وہ جگہ ہے جہاں بنی امیہ کا آخری فرمانروا مروان المعروف بہ الحمار قتل کیا گیا۔ جب اس کا سر قلم کر کے رات کو علیحدہ رکھا گیا تو ایک بلی زبان نکال کر چیٹ کر گئی۔

بڑا شرف اس قصبہ کو حضرت شرف الدین ابوصیری کی ولادت سے ہے جن کا قصیدہ بردہ ہے۔

بلبیس ازقازیق قصبہ کے قریب بلبیس ہے۔ حضرت عمرو بن عاص کے محاصرہ سے اس کو شہرت ہے۔

بہنسہ۔ بنہا۔ طنطہ ومنہور مصر کے مشہور قصبے ہیں۔

---

[1] سفرنامۂ مصر صفحہ ۱۶۹۔

دمیاط یہ شہر جسے سلطان ملک الکامل نے نصرانی مظالم اور قتل وغارت سے گلوخلاصی دلائی تھی، ساحل نیل سے قاہرہ سے ۱۲۳ میل کے فاصلہ پر واقع ہے۔

شہر کی فصیل عباسی خلیفہ المتوکل نے تعمیر کرائی تھی مگر جدید شہر سلطان بیبرس نے بسایا۔ یہ دہانہ نیل پر واقع ہے۔ جامع مسجد قابلِ دید ہے۔

منصورہ سلطان ملک الکامل نے نصاریٰ کو شکست دینے کے بعد فتوحاتِ اسلامی کی یادگار میں ۱۲۲۱ء میں یہ شہر بسایا۔

یہیں لوئی نہم شاہ فرانس ملکہ شجرۃ الدر سے شکست کھا کر گرفتار ہوا تھا۔ شہر کے قریب ہی بحر منزلہ کی نہر موسومہ نہر بحر الصغیر جاری ہے۔

اسکندریہ

ساحل بحر روم کے ایک وسیع قطعۂ اراضی پر سکندر کے نام سے یہ شہر آباد ہے۔ یہیں سکندر کی قبر ہے۔ ایک زمانہ میں علمی مرکز تھا۔ عظیم الشان کتب خانہ جس میں دو لاکھ چرمی کتابیں تھیں حریت نوازمقنن عالم جولیس قیصر نے اس کتب خانہ کو جلوا دیا۔ پھر کتابیں جمع کی گئیں تو بطریق اعظم نے صلیب لے کر ان کو بھی خاک سیاہ کر دیا۔ مگر ایک نصرانی مؤرخ ابوالفرج نامی نے فتح مصر سے کامل چھ سو برس بعد اپنی ایک بے سروپا غیر مربوط از سرتاپا غلط تاریخ میں آتش زدگی کتب خانۂ اسکندریہ کا الزام بھی مسلمانوں کے سر لگایا۔

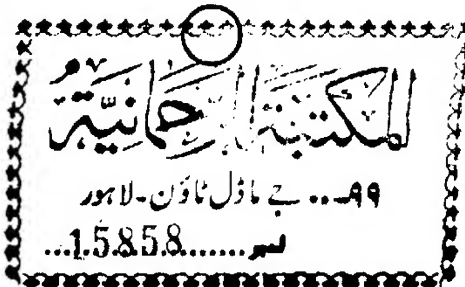
یہیں حضرت دانیال علیہ السّلام کا مزار ہے۔ اقلیدس کی تعلیم گاہ بطالطہ کی منارۃ النور، کلیوپیٹرہ کا عمود، مساجد ذوالقرنین والرحمت، مسجد الف عمود (ہزار ستون کی مسجد) مسجد ابن طولون، مسجد موسیٰ، مسجد دانیال اور

کلیسائے مینٹ مارک ہیں۔

منارۃ النور یہ منارہ بطلیموس اول نے جو ایک رنڈی کے بطن اور فیلقوس کے نطفہ سے تھا، سکندر کی وفات پر حکومت مصر پر فائز ہونے کے بعد تعمیر کرایا تھا۔ لیکن تکملہ بطلیموس ثانی کے وقت میں ہُوا۔
بطلیموس ثانی نے ایک کتب خانہ سات لاکھ کتابوں کا بھی فراہم کیا تھا جو جولیس قیصر کے ہاتھوں تباہ ہُوا۔ اُس نے توریت کا ترجمہ علماء کی انجمن سے یونانی زبان میں کرایا تھا۔ اس نے اپنی سگی بہن سے عقد کیا تھا۔ اس کی پوتی ملکہ کلیوپطرہ ہے۔

یہ منارہ ۴۰۰ فٹ بلند تھا اور اڑھائی کروڑ روپیہ اس پر صرف ہُوا تھا۔
اس منارہ سے جہازوں کی رہنمائی ہوتی تھی۔

ایک بُرج میں ایک بڑا چراغ روشن کیا جاتا تھا۔ کھڑکیوں میں آتشی شیشے نصب کئے تھے جن کی چمک سے کئی میل تک روشنی بغرض راہنمائی جہازات جا سکتی تھی۔ یہ منارہ بعہد ولید بن عبدالملک گر گیا۔



رحمتِ دو عالم نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرتِ طیبہ پر

معروف و مستند کتاب کا اردو ترجمہ

سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم (کامل)

ابنِ ہشام

جلد ۲

تالیف

محمد بن اسحاق بن یسار — ابو محمد عبدالملک بن ہشام

م ۱۵۱ھ — م ۲۱۳ھ

اردو ترجمہ

سید یٰسین علی حسنی نظامی دہلوی

تہذیب جدید

سعود اشرف عثمانی

ناشر: ادارۂ اسلامیات ۱۹۰ انارکلی لاہور ۲

تبصرۃً وّذکریٰ لِکُلِّ عبدٍ مُّنیب

ہدایت کے چراغ

سیرتِ انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام

ابو البشر سیّدنا آدم علیہ السلام سے خاتم الانبیاء سیّدنا محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت و دعوت تک تمام انبیاء کرام کے حالات و سوانح۔ قدیم اقوام اور سابقہ اُمّتوں کا حقیقی تذکرہ۔ قرآن کریم میں بیان ہونے والے قصص اور واقعات۔ قرآن و حدیث کے اوراق سے سلیس زبان اور عام فہم اندازِ بیان میں۔

تألیف

مولانا محمد عبد الرحمٰن صاحب

استاذ حدیث و تفسیر، ناظم مجلس علمیہ حیدرآباد دکن

اِدارۂ اسلامیات

۱۹۰۔ انارکلی ○ لاہور

بسم اللہ الرحمن الرحیم

لقد کان فی قصصہم عبرۃ لاولی الالباب

القرآن الکریم

ترجمہ

یقیناً ان کے قصے میں عقل والوں کے لیے بہت بڑی عبرت ہے

تاریخ عالم قبل از اسلام سے لے کر مغلیہ سلطنت کے آخری تاجدار بہادر شاہ ظفر تک ملت اسلامیہ کی تیرہ سو سالہ مکمل تاریخ۔ ڈھائی ہزار سے زائد صفحات پر افراد اور اقوام کے نشیب و فراز اور عروج و زوال کی داستانوں پر مشتمل مفید عام کتاب جو تاریخ اسلام کی بے شمار کتب سے بے نیاز کر دیتی ہے۔ سلیس زبان، عام فہم اور آسان طرز بیان، مدارس، سکولوں، کالجوں اور جامعات کے اساتذہ و طلباء کے لیے یکساں فائدہ مند۔ ایک ایسی منفرد تاریخ جس کا ہر اچھی لائبریری اور پڑھے لکھے گھرانے میں ہونا ضروری ہے

ادارہ اسلامیات

لاہور — کراچی